ANWAR

BY

FIAZ ALI ADVOCATE

فیاض علی ایڈووکیٹ

سن اشاعت 1984

پبلشرز
آہلو والیہ بکڈپو
9988 نیو روہتک روڈ
پوسٹ بکس نمبر 2507
نئی دہلی نمبر 110005
(نعمانی آفسٹ پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

ناز پرورد تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

پٹاخے کی سی اِک آواز آئی۔ موٹر چلتے چلتے رُک گیا۔ دس بجے رات کا وقت۔ ڈسمبر کا مہینہ۔ سنسان سڑک اور اِک ہُو کا عالم تھا۔

ایک حسین نوجوان موٹر سے اُترا۔ چوبیس پچیس سال کی عمر۔ انگریزی لباس پہنے۔ ہنس مکھ۔ دراز قد۔ طاقتور۔ چمکتا ہوا گورا رنگ۔ آنکھیں سیاہ۔ خوبصورت مقناطیسی۔ گالوں پر گلابی رنگ کی دلفریب جھلک۔ ایک چھوٹا سا خوشنما تِل نیچے کے سُرخ سُرخ لب پر اور ایک بائیں گال پر جسم کا تناسب قابل رشک چال ڈھال مردانہ۔ قیافے سے استقلال جرأت اور شرافت نمایاں!!!....

واقعی انور کو فطرت نے ایک ایسا سحر کار حُسن ایک ایسی عجیب و غریب کشش اور برقی مقناطیسیت عطا کی تھی کہ وہ دُنیائے محبت و دلیری میں جولیس قیصر کی طرح دعویٰ کر سکتا تھا کہ "میں آیا۔ میں نے دیکھا۔ اور میں نے فتح کر لیا"

نازسے غمزے سے عشوے سے لگا لیتے ہیں
وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

انور:۔ (دل میں) لاحول ولا قوۃ۔ یہ اور مصیبت ہوئی اور لطف یہ کہ آج ہی اسٹپنی کے بھی بھولنے کی خاص ضرورت تھی۔ خیال تھا کہ ٹائر اور ٹیوب بالکل نئے ہیں۔ دھوکا نہ دینگے مگر دنیا کی اور باتوں کی طرح ہوا وہی جس کا سب سے کم گمان تھا۔ بمبئی پہنچنے کا خیال کرنا تو اب ایک جنون ہے۔ اب تو فکر اسکی کرنی چاہئے کہ اس غیر مانوس مقام پر یہ جاڑے کی رات کیونکر کٹے سڑک سے کچھ فاصلہ پر چند روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

انور:۔ (دل میں) اسی طرف چلنا چاہئے۔

یہ سوچ کر اور موٹر ایک درخت کے نیچے سڑک کنارے پر کر کے ٹارچ لیکر انور ان روشنیوں کی طرف امید بھرے دل سے روانہ ہوا۔ کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک آدمی ادھر سے آتا ہوا ملا۔ کمبل اوڑھے۔ منہ قریب قریب ڈھانپے!

انور:۔ کیوں بھائی یہ روشنیاں جہاں دکھائی دے رہی ہیں وہ کون مقام ہے؟

دہ آدمی:۔ وہ؟ وہ تو ماتھران ہے ۔۔۔۔۔ آپ جانتے نہیں؟

انور:۔ (خوش ہو کر تعجب سے) ماتھران؟ اسی میں تو ابراہیم رہتا ہے ۔۔۔۔ بس بس بہت ٹھیک ہے۔ اب میں سیدھا اسی کے یہاں جاؤں گا۔

دہی آدمی:۔ مگر وہاں تو طاعون پھیلا ہوا ہے وہاں آپ کیسے جایئے گا؟

انور:۔ (تعجب سے) طاعون؟

دہی آدمی:۔ جی ہاں طاعون! ایسا طاعون کہ شہر کا شہر خالی ہو گیا ہے۔ روز سو پچاس آدمی مرتے ہیں۔ لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں شہر کیا ہے۔ ایک ہیبتناک قبرستان ہے۔ رات تو رات دن میں بھی کوئی

جاتا ہے تو خاصی وحشت معلوم ہوتی ہے۔ کہا مانیئے۔ آپ وہاں ہرگز نہ جائیے۔"

انور:۔ میں نے تو ارادہ کر لیا ہے میں تو اب ضرور جاؤں گا موت زندگی میں صرف ایک ہی بار آتی ہے کئی بار نہیں اور اس کے بھی ایک وقت معین ہے مگر لوگ ہیں کہ موت کے پہلے ہی کئی مرتبہ مر چکتے ہیں۔

وہی آدمی:۔ میں نے آپ کے بھلے کیلئے کہا تھا یوں آپ کو اختیار ہے

انور:۔ آپ کی دوستانہ نصیحت کا شکریہ۔

یہ کہکر انور آگے بڑھ گیا۔ دو فرلانگ پر شہر تھا۔ مگر شہر کیا تھا بقول اُس نصیحت کرنے والے کے ایک بہت بڑا ہیبتناک قبرستان تھا۔ چاروں طرف ایک عجیب سناٹا اور وحشت انگیز خاموشی طاری تھی۔ سڑک پر کہیں کہیں سرکاری لیمپ جلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور روشنی تو نہیں مگر سڑک اور دیواروں پر مہیب شکلوں کے سائے ڈالنے میں انہیں زیادہ کامیابی ہو رہی تھی۔ اِدھر اُدھر جتنے مکانات تھے سب بند اور خاموش تھے۔ انور کو اس سناٹے میں بجز اپنے جوتے کی آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ہاں کبھی کبھی کچھ کچھ دیر کے بعد کتّوں کے لڑنے یا بھونکنے کی کرخت آوازیں طلسم سکوت کو توڑ دیتی تھیں یا کبھی کسی ستم رسیدہ عورت کے رونے کی بھیانک صدا تھراتی ہوئی کانوں سے ٹکراتی اور سننے والے رونگٹے کھڑے کر دیتی تھی کبھی کسی جنازے کے ساتھ جانے والوں کی مذہبی صدائیں اور قدموں کا معنی خیز شور اس سناٹے میں ہولناک آواز بازگشت پیدا کرکے قوی سے قوی دلوں کو ہلا دیتا تھا .... انور گو فطرتاً دلیر تھا مگر اس کے دل اور اعصاب پر یہ خوفناک ماحول بغیر اپنا اثر کئے نہ رہا۔ لیکن وہ قدم بڑھاتا وحشتناک خیالات سے لڑتا ابراہیم کے گھر کا راستہ پوچھتا ہوا چلا گیا۔

یہاں تک وہ ابراہیم کے مکان کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ پھاٹک کے پٹ بند تھے۔ مگر اس میں قفل نہیں پڑا تھا۔ انور نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ اس نے پھاٹک کو آہستہ سے دھکا دیا۔ پھاٹک ایک عجیب ڈراؤنی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ انور اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ چاروں طرف گہری تاریکی اور خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ اُس نے اپنی ٹارچ سے اِدھر اُدھر روشنی ڈالی۔ مگر چھوٹا سا باغیچہ اور سامنے کے کمرے زبانِ حال سے کہہ رہے تھے "بھاگو! بھاگو! یہاں سوا طاعونی مُردوں کے زندوں کے لئے جگہ نہیں"...

انور نے دو ایک آوازیں دیں۔ مگر آوازیں کچھ دیر تک فضا میں گونج کر غائب ہو گئیں۔ وہ سوچنے لگا۔ "یا اللہ میں کہاں آ گیا؟ یہاں تو کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ مگر اب میں جاؤں بھی تو کہاں جاؤں"۔

باغیچہ پار کر کے وہ برآمدے میں پہنچا اور وہاں ٹارچ کی روشنی سے ہر چیز کا اس نے بغور معائنہ کیا تو یہ پتہ چلا کہ دروازے صرف بھڑ دیئے گئے ہیں بند نہیں ہیں۔ یہ دیکھ کر اُسے اور بھی تعجب ہوا۔ مگر ہمت کر کے اس نے بیچ کے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھلا تو اس نے دیکھا کہ وہ کمرہ بھی خالی اور سونا پڑا تھا۔ مگر اس کو سامنے کے ایک دروازے کے رنگین شیشوں میں سے کچھ روشنی سی معلوم ہوئی اور وہ رُک گیا اور کان لگا کر سننے لگا کہ شاید کسی قسم کی کوئی آواز سنائی دے وہ سُن ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک عجیب بھیانک آواز اس کے کان میں آئی۔

دردآلود۔ ہولناک۔ بھرّائی ہوئی۔ وحشت انگیز!!!......

اس کا دل دھڑکنے لگا۔ ایک ٹھنڈی جھرجھری اس کی پیٹھ کی ہڈی میں لہر کی طرح آئی اور گذر گئی۔ وہ بالکل دم بخود جہاں کھڑا تھا

وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

دل میں:۔ یہ تو کسی آفت زدہ کی آواز معلوم ہوتی ہے!.... ایسا تو نہیں ہے کہ کسی طاعون کے مریض سے ناامید یا خوفزدہ ہو کر اس کے اعزا اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں؟.... مگر نہیں.... یہ آواز تو ہرگز کسی زندہ کی سی آواز نہیں تھی...... شاید یہ کسی بے کفن طاعونی مردے کی روح ہو جو اپنی تنہائی اور بیکسی کا گلہ کر رہی ہو!!!.......

اس وحشتناک خیال سے ایک دوسری جھرجھری اس کے جسم میں پیدا ہوئی۔ اس کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو گیا اور وہ سوچنے لگا اب میں کیا کروں۔ آگے بڑھوں یا واپس جاؤں" اتنے میں وہی ڈراؤنی تھرائی ہوئی درد آلود وحشت انگیز آواز پھر آئی...... انور کے دل کی دھڑکن اور بڑھ گئی... وہ منہ کھولے۔ آنکھیں پھاڑے انھیں شیشوں کی روشنی کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ باہر ایک اُلّو خون کو رگوں میں منجمد کر دینے والے انداز سے بولا۔ "کھو دو تو پو! کھو دو تو پو!" انور کے دل میں یہ خیال گزرا "بھاگو! بھاگو!" جلدی جلدی وہ دو چار قدم پیچھے ہٹا! اسکی پیشانی پر پسینہ آگیا۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ زندگی میں کبھی اس پر ایسا خوف طاری نہیں ہوا تھا.... پھر تیسری مرتبہ وہی تھرائی دردناک وحشت انگیز آواز آئی!!.... پھر اُلّو اپنے اسی بھیانک انداز سے بولا۔ انور پر یک بیک ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا...... اسکے پیر کانپ رہے تھے۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ سانس اُکھڑی ہوئی تھی۔ حلق خشک تھا۔ بھاگتا ہوا وہ پھاٹک تک پہنچا۔ پھاٹک سے سڑک تک سڑک کا ایک لیمپ روشن تھا!...... انور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا اور مڑ کر

خوف زدہ آنکھوں سے اپنے سیاہ سیاہ لمبے لمبے سائے کو دیکھنے لگا۔ پھر پھاٹک کی طرف اس نے سہمی ہوئی نظر ڈالی۔ کہ کسی طاعونی مردے کی روح تو اس کا پیچھا نہیں کر رہی ہے !!! مگر اسے کوئی شکل نظر نہ آئی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اس کے جلتے ہوئے چہرے اور ٹھنڈے پسینہ پر لگی.. ..... اس کے قلب و دماغ کو اس ہوا سے اک گونہ سکون سا محسوس ہوا۔ اور وہ سوچنے لگا۔

!میں یہ آخر میں نے کیا کیا؟ میں ڈر کر بھاگ آیا !!! کس سے ڈر کر؟ موت سے ؟؟؟ ..... مگر موت تو صرف ایک ہی بار آتی ہے.... میں نے ابھی اس آدمی سے کس غرور سے کہا تھا" کہ موت زندگی میں ایک ہی بار آتی ہے۔ کئی بار نہیں ! مگر لوگ ہیں کہ موت کے پہلے ہی کئی مرتبہ مر چکتے ہیں"...... مگر میں کیا جانتا تھا کہ اس قدر جلد میرا ہی فقرہ مجھ ہی پر صادق آئے گا ....

موت سے بھاگنا کیسی شرمناک بزدلی ہے ؟؟ اگر ہم لوہے کے مضبوط برجوں میں جا کر بھی اپنے آپ کو بند کر لیں تو بھی موت کے پنجوں سے بچ نہیں سکتے۔ پھر موت سے بھاگنا بزدلی ہی نہیں بلکہ حماقت بھی ہے !! میں زندوں سے تو کبھی ڈرا نہیں !! آج مردوں کے محض خیال سے میں کیسے ڈر گیا؟ اور پھر وہ آواز جو میں نے سنی تھی کسی مردے کی آواز کیسے ہو سکتی تھی کیونکہ مردے مرنے کے بعد نہیں بولتے !! ...... یہ تو محض میرے واہمے کا اک بزدلانہ فریب تھا! ...... وہ یقیناً کسی بیکس ستم رسیدہ عورت کی آواز تھی جو غالباً طاعون میں مبتلا ہے اور جس کو اس کے عزیز چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں !! اگر میں بھی موت سے ڈر کر اسے چھوڑ کر بھاگ جاؤں تو میں زندگی بھر

اپنے آپ کو معاف نہ کر سکوں گا۔ مجھے ہمیشہ یہ خیال ستائے گا کہ اگر میں اسکی تیمار داری کرتا تو شاید وہ بچ جاتی!! نہیں نہیں! مجھے دیکھنا چاہئے کہ وہ بدنصیب عورت کون ہے؟ ممکن ہے کہ میں اسکی کوئی مدد کر سکوں......"

جیسے ہی یہ خیالات اس کے دل میں پیدا ہوئے اسکی فطری دلیری واپس آ گئی انسانی ہمدردی کے جذبات اس پر حاوی ہو گئے اور وہ نہایت استقلال اور اطمینان سے ابراہیم کے مکان میں پھر داخل ہوا اور اسی کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ کو دھکا دیا جس کے شیشوں میں سے روشنی چمک رہی تھی۔ دروازہ کھل گیا!!........

سامنے ایک لیمپ ایک چھوٹی سی میز پر روشن تھا۔ کمرہ مغربی طرز سے آراستہ تھا۔ ایک خوشنما مسہری ایک طرف پڑی ہوئی تھی اور اس پر ایک لڑکی جس کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال سے زیادہ نہ تھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا۔ اسکی آنکھیں بہت سُرخ۔ اس کے پتلے پتلے ہونٹ بالکل خشک تھے اور ان پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں وہ بار بار اپنی زبان سے انھیں تر کرتی تھی اور اپنا سر تکیہ پر اِدھر اُدھر پٹک پٹک کر کراہ رہی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے سیاہ بھونرے ایسے بال جن میں اس کا تمتمایا ہوا چہرہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو کالے کالے بادل چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں اور اسکی سُنہری کرنوں کے عکس سے خود بھی سُنہرے ہو گئے ہوں۔

انور حیرت سے کچھ دیر تک اس لڑکی کو دیکھتا رہا۔ پھر مسہری کے قریب آ کر اس نے لڑکی کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو اسے معلوم ہوا جیسے جلتے ہوئے انگاروں پر اس کا ہاتھ پڑ گیا!!........

انور:۔ (دل میں) "خدا کی پناہ! کیسا تیز بخار ہے!! ......اور یہ اس کی شدت کس قدر ہے!! کیسے وحشی کیسے بیدرد وہ لوگ ہو گئے جو اس لڑکی کو ایسی بے بسی کی حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے!!! ......موٹر کا خراب ہونا میں ایک مصیبت سمجھتا تھا مگر وہ میری غیر معمولی خوش قسمتی تھی کیوں کہ مجھکو اس حادثہ کی وجہ سے اس بے زبان ستم رسیدہ لڑکی کی تیمارداری کا موقع مل گیا۔

قریب ہی میز پر صراحی اور گلاس رکھا تھا۔ انور نے گلاس میں پانی بھر کر لڑکی کو ہاتھ سے سہارا دیکر اُٹھایا اور پانی پلایا۔ وہ جلدی جلدی سارا پانی پی گئی۔ انور نے اسے پھر لٹا دیا اور مسہری پر بیٹھ کر بڑی ہمدردی سے اس کے اُلجھے بال اس کے چہرے سے آہستہ آہستہ ہٹانے لگا۔ لڑکی وحشت بھری نگاہوں سے اس کو گھورتی رہی اور گو پانی پینے سے اُسے بظاہر کچھ تسکین سی ضرور ہو گئی تھی مگر وہ سرسامی کیفیت کی وجہ سے بول نہیں سکتی تھی۔

انور:۔ (لڑکی کی پیشانی پر اس کے اُلجھے ہوئے بال درست کرتے ہوئے) گھبرائیے نہیں! آپ انشاءاللہ بہت جلد اچھی ہو جائینگی!۔

کہنے کو تو اس نے کہہ دیا مگر اس کے دل میں یہ خیال کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا کہ "یہ خوبصورت شمع بہت جلد گل ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسے مہلک مرض سے جانبر ہونا محال ہے"......(جلتے ہوئے لیمپ کی طرف دیکھکر) "ہاں مجھے ابتک یہ خیال نہیں آیا کہ اس لیمپ کا جلنا اس کی دلیل ہے کہ اس کا جلانے والا بھی کوئی ہے۔ یہ لڑکی تو اس کو جلا سکتی نہ تھی۔ لہٰذا اس مکان میں علاوہ اس لڑکی کے کوئی اور بھی ضرور ہوگا......

یہ خیال آتے ہی انور کھڑا ہو گیا اور اپنی ٹارچ سے اُس نے گھر بھر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ سخت حیران تھا کہ یہ ماجرا

کیا ہے"۔ کوئی ہے ضرور ورنہ لیمپ کون جلاتا۔ مگر شاید وہ بھی اس بیچاری کو
چھوڑ کر بھاگ گیا۔ شاید اسکی ہمت بھی اسکی ہمدردی کا ساتھ نہ دے سکی"۔

انور آکر پھر مسہری کے قریب ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ
اب کیا کرنا چاہئے .... وہ اسی فکر میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا کہ کسی کے پیر
کی آہٹ معلوم ہوئی۔ چونک کر اس نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ بیچ کے کمرے سے ایک
سن رسیدہ عورت جو وضع قطع سے خادمہ معلوم ہوتی تھی ایک ہاتھ میں ٹوکری
لٹکائے ہوئے۔ ایک ہاتھ میں ایک بوتل لئے آرہی ہے۔ وہ اپنے خیالات میں
ایسی محو تھی کہ جب تک وہ دروازہ پر نہیں آگئی اُس نے انور کو نہیں دیکھا
مگر دیکھتے ہی وہ چونک دو ایک قدم پیچھے ہٹی۔ انور نے فوراً اُٹھ کر اپنی نرم
اور شیریں آواز میں اس سے کہا۔" بڑی بی۔ گھبراؤ نہیں !! گو میں اجنبی ہوں
مگر تم کو یا کسی کو بھی نقصان پہنچانے نہیں آیا ہوں"۔

بڑی بی:۔ (اپنے منتشر حواس جمع کر کے) مگر آپ ہیں کون اور یہاں آئے کیسے؟

انور:۔ میں موٹر پر بمبئی جارہا تھا راستے میں موٹر خراب ہو گیا۔ اسے سڑک
پر چھوڑ کر میں ابراہیم کا مکان پوچھتا پاچھتا یہاں پہنچ گیا۔

بڑی بی:۔ (تعجب سے) ابراہیم؟ ....

انور:۔ ہاں! ہاں! ابراہیم! کیا یہ ابراہیم کا مکان نہیں ہے؟

بڑی بی:۔ نہیں ہے تو مگر۔ مگر ابراہیم میاں کا تو انتقال ہو گیا؟!!

انور:۔ (انتہائی تعجب سے) انتقال ہو گیا! کس کا؟ ابراہیم کا؟ یہ کب
کیسے۔ کیونکر ہوا؟

بڑی بی:۔ پرسوں ہی تو۔ طاعون میں۔ اسکے بعد (لڑکی کی طرف اشارہ کرکے)
کشور سلطانہ پڑ گئیں۔ ان کے ماموں ابراہیم میاں کے والد ایسے پریشان ہوئے

کر ان کو میرے سپرد کر کے بمبئی بھاگ گئے۔

انور:۔ (حیرت زدہ ہو کر) بمبئی بھاگ گئے! اور اپنی بھانجی کو ایسی نازک حالت میں چھوڑ کر!!! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

بڑی بی:۔ اب میں کیا بتاؤں کیسے ہو سکتا ہے...... مگر ہوا یہی!!

انور:۔ اور ابراہیم کا پرسوں انتقال ہو گیا...... اس کم عمری میں!.... افسوس!! موت بوڑھے اور جوان اچھے اور برے میں کوئی امتیاز نہیں کرتی!!
یہ کہکر انور کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں پر رکھکر گہرے خیالات میں ڈوب گیا

بڑی بی:۔ یہ کیسی ہیں؟

انور:۔ (چونک کر) کیسی ہیں؟ جیسی تھیں ویسی ہی ہیں...... اور تم چلی کہاں گئی تھیں۔؟

بڑی بی:۔ ابھی دوا لینے گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب دیر میں آئے۔ مریضوں کو دیکھنے گئے تھے۔ پھر دوا لینے والوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ دوا لیتے لیتے گیارہ بج گئے بچی کو اکیلا چھوڑ کر گئی تھی۔ میرا خود دل تڑپ رہا تھا کہ کب دوا لوں اور کب چلدوں۔ مگر بغیر دوا لئے بھی تو میں واپس نہیں آسکتی تھی۔!!

انور:۔ بڑی بی تم ہمیں یہاں کی نہیں معلوم ہوتیں! تم کہاں کی رہنے والی ہو

بڑی بی:۔ میں بیٹا لکھنو کی رہنے والی ہوں۔ میں نے بھی کبھی اچھا زمانہ دیکھا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب تم مجھے اس حالت میں دیکھتے ہو۔ زمانہ کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے!! کشور سلطانہ کو میں دودھ پلانے کے لئے رکھی گئی تھی پھر اسکے بعد میں اسی گھر میں پڑی رہ گئی۔ یہ لڑکی مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیاری ہے اور میں کیا کہوں؟

انور:۔ بیشک تم بڑی وفادار اور جاں نثار عورت ہو! اپنی جان پر یوں

کھیل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے!! خدا تمھیں اس جانبازی کا بہت بڑا اجر دیگا!

بڑی بی رونے لگیں...... (رو رو کر) "بیٹا... میں کیا! میری جان کیا! بس میری بچی کی کسی طرح جان بچ جائے!! اور میں کچھ نہیں چاہتی۔ یہی لڑکی میری جان ہے! دنیا میں کوئی تکلیف نہیں جو میں اپنی پیاری کیشو کے لئے خوشی سے نہیں اٹھا سکتی!! اے میرے مولیٰ! اے مصیبت میں سب کی سننے والے۔ میری بچی کو تو اچھا کردے! ہائے میری کیشو تو نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا؟؟......

یہ کہکر بڑی بی سسک سسک کر رونے لگیں!!!

انور کی بھی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ آواز پر قابو پا کر انور نے کہا۔ "بڑی بی گھبراؤ نہیں۔ خدا نے چاہا تو یہ بہت جلد اچھی ہو جائینگی اس سے بدتر مریض اچھے ہو گئے ہیں۔ ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ خدا کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔

بڑی بی (آنسو پونچھتے ہوئے) اور بیٹا تم اس آفت کے مارے شہر میں کیسے چلے آئے؟ تمہارا چاند سا مکھڑا کہہ رہا ہے کہ تم کسی شریف گھرانے کے چراغ ہو۔ تم کیوں اپنی جان جوکھم میں ڈالتے ہو؟ میرا کہا مانو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس منحوس شہر کو فوراً چھوڑ دو۔ یہاں ایک منٹ بھی تمھارا ٹھہرنا مناسب نہیں جاؤ! جاؤ! میرا کہا مانو یہاں سے چلے جاؤ۔

انور:۔ نہیں بڑی بی۔ اب میں آگیا ہوں تو مجھے یہیں رہنے دو۔ میں بھی تمھاری کشور سلطانہ کی تیمارداری کروں گا۔ ایک سے دو اچھے ہوتے ہیں۔!!

بڑی بی:۔ نہیں بیٹا۔ میں تمھارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تم چلے جاؤ! یہاں نہ ٹھہرو! شہر میں تو گولی چل رہی ہے گولی! کچھ ٹھیک نہیں ہے کہ کون کب موت کے منہ کا نوالہ ہو جائے۔ نگوڑی منہ پھیلائے سب کو کھاتی پھرتی ہے۔ مگر کسی

طرح اس کا پیٹ نہیں بھرتا!!

انور:۔ اور تم؟ تم کیا یہیں رہوگی۔؟

بڑی بی:۔ ہاں! میرا کیا؟ میں کمبخت جیئی تو کیا اور مری تو کیا۔ سب کو ایک دن مرنا ہے۔ اگر میں اپنی کیشو کے لئے اپنی جان دیدونگی تو سمجھونگی کہ زندگی سوارت ہوگئی مگر میں نہیں چاہتی کہ بیٹا تم اپنی جان خواہ مخواہ کو خطرے میں ڈالو۔

انور:۔ کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر سنو تو! جب تم عورت ہو کر ایسی بہادر اور مستقل مزاج ہو تو میں تو مرد ہوں!! اور پھر موت سے کوئی کہاں تک ڈرے؟ اچھا تو اب تم دیر نہ کرو۔ انکو دوا دو...... لاؤ تمھارے پاس نسخہ ہے؟....

بڑی بی نے مجبور ہو کر نسخہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے کھولکر انور کو دیا اور خود کشور کی گلٹیوں کے لئے پولٹس بنانے چلی گئیں۔ انور نے کشور سلطانہ کو آہستہ سے اُٹھا کر اس کا سر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور دوا پلا کر اسے پھر لٹا دیا۔ پھر اوڈی کولون سے اس کا سر اور ماتھا بار بار تر کرنے لگا تاکہ سرسامی کیفیت میں کچھ تخفیف ہو جائے........

....

....

علی الصباح جب آفتاب کی کرنیں ساری رات غائب رہنے کے بعد چوروں کی طرح کمرے میں نظر بچا بچا کر داخل ہو رہی تھیں اس وقت بھی انور اسی کرسی پر بیٹھا ہوا کشور سلطانہ کی صورت امید و بیم کی حالت میں تک رہا تھا مگر کشور مسہری پر بیہوش پڑی تھی۔!!.......

دوسرا باب

مسٹر رحیم بھائی

دوسرے دن صبح کو بمبئی کی ایک عالیشان عمارت کے کمرے میں مسٹر رحیم بھائی (کشور سلطانہ کے ماموں اور اس کی ذات اور جائداد کے سارٹیفکٹ یافتہ ولی) نہایت فیشن ایبل سوٹ زیب تن کئے۔ سگار کے لمبے لمبے کش لگا لگا کر اپنے ہمراز دوست شنکر جی سے باتیں کر رہے تھے اور تبسم ہائے شکر ریز سے بمبئی کی فضا میں خیر پیدا کرنے کی سعی بلیغ فرما رہے تھے...... عمر انکی بھی نام خدا صرف پچاس پچپن سال کی تھی۔ رنگ میلا گیہواں۔ جسم دوہرا۔ قد بوٹا سا۔ سر چوکور جس پر کھڑے کھڑے سؤر کے سے بال تھے۔ جو باوجود انیز ورا کریم کے استعمال وافر کے اپنی سرکشی سے توبہ نہیں کرتے تھے!! تنگ پیشانی پھوٹے پھوٹے گال اور ناک ایسی عجیب و غریب کہ دنیا میں دور دور نہ ملے۔ بس معلوم ہوتا تھا جیسے کسی موٹی گاجر میں دو بڑے بڑے گول گول سوراخ کر کے اسے منہ پر چپکا دیا ہو اور آنکھوں کے معاملے میں تو فرشتوں نے اگر صریحًا شرارت نہیں کی تھی تو ان کے بخل عظیم میں تو کوئی کلام ہی نہ تھا۔ یعنی دنیا میں ہر ذی روح کی بالعموم دو آنکھیں ہوتی ہیں مگر رحیم بھائی کے حصہ میں صرف ایک ہی آئی تھی اور اس اکلوتی آنکھ کا اختصار بھی قابل رحم تھا۔ مگر انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو بخل فطرت نے انکی آنکھ کے معاملہ میں محض کینۂ ازلی سے کیا تھا اکی ضرورت سے زیادہ تلافی اس نے انکے نتھنوں کی وحشتناک فراخی۔ دانتوں کی غیر ضروری درازی اور شکم شریف کی مہیب وسعت سے کر دی تھی!!! گو تجارت

اور بے ایمانی میں وہ آپ اپنی مثال تھے۔ مگر بجز تجارت اور بے ایمانی کے دُنیا کے جملہ علوم و فنون سے وہ اسی قدر آراستہ تھے جس قدر ایک متین اور شریف النسل گدھا عموماً عقل سے ہوتا ہے!!! ہاتھی دانت اور انکے دانتوں میں اگر فرق تھا تو صرف اتنا کہ ہاتھی کے دانت بالعموم سفید ہوتے ہیں اور انکے دانت بالکل زرد تھے اور علاوہ زرد ہونے کے انکی بدبو ایسی تھی کہ اگر چند فٹ کے فاصلے سے بھی وہ کسی ذی روح انسان سے بات کر لیں تو اس بدنصیب کو اگر نہایت باقاعدہ ہیضہ نہ ہو جائے تو نہایت زور و شور کا تخمہ ہو جانے میں تو کوئی شک ہی نہ تھا اور انکی مختصر داڑھی تو بلا شبہ نورٌ علیٰ نور تھی۔ مسٹر رحیم بھائی اپنی جگہ پر اُسے نہایت فیشن ایبل فرینچ کٹ داڑھی سمجھتے تھے مگر پبلک کا عقیدہ یہ ہو گیا تھا کہ رحیم بھائی بھوک کی شدت میں ایکمرتبہ ایک مسلم جیتا جاگتا گھا گھر بیٹر کچا نگل گئے تھے مگر اس بے احتیاطی اور عجلت کے ساتھ کہ اس بدنصیب معصوم کی دُم ان کے دہن مبارک کے باہر ہی رہ گئی پس خوش عقیدہ مگر کوتاہ نظر اصحاب کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ بٹیر مرحوم کی یہ آخری متبرک یادگار رحیم بھائی کی فرینچ کٹ داڑھی ہے .... وَاللہُ اعلمُ بِالصّوَاب!!!

جناب ممدوح کی زوجگان اولیٰ و ثانی و ثالث کے یکے بعد دیگرے فوت ہو جانے کے بعد (جنکے دنیا سے رحلت کر جانے کے وجوہ میں مسٹر رحیم بھائی کی فطری خباثت وجہ موجہ اور جزو اعظم تھی) ضرورتاً نہیں بلکہ محض عادت قدیمہ کی بناء پر حال ہی میں ایک چوتھی شادی بھی کر بیٹھے تھے۔ بیوی کی عمر چشم بدور صرف ۱۵ سال اور چند ماہ کی تھی اور صورت بھی اس بدنصیب کی خاصی دلکش اور دیدہ زیب تھی مگر چونکہ خوش فکر ماں باپ نے مسٹر رحیم بھائی کے اوصاف حیوانی (یعنی صورت شکل عمر وغیرہ) دیکھ کر نہیں بلکہ انکی صفات نقرئی و طلائی پر نظر غائر ڈالکر شادی کی تھی یا (بالفاظ دیگر اپنی نفیس مزاج تعلیم یافتہ خوش مذاق اور قبول صورت لڑکی کو بھی بیوی کی کیٹ

چڑھا دیا تھا) اس لئے بدقسمت بیوی کو مسٹر رحیم بھائی سے اسقدر نفرت اور نفس تھا
جتنا ایک بھولی بھالی گائے کو کسی لمبے چوڑے قصائی سے یا ایک خوش مزاج بچے
کو کسی بدمزاج روزہ دار ملّا سے ہو سکتا ہے۔ ماں باپ بہت خوش تھے کہ لڑکی
کو بڑی اچھی جگہ لگا دیا۔ لڑکی بیچاری ماتم کناں تھی کہ اسے کس بن مانس کے حوالے
کرکے دنیا ہی میں اسے جہنم کا مزہ چکھا دیا!!!

اس تعارف کے بعد اگر ہم رحیم بھائی اور شاپر جی کی گفتگو کیطرف متوجہ ہوں
تو وہ بھی رحیم بھائی کی صورت اور سیرت زیبا سے کسی طرح کم دلچسپ نہ تھی رحیم بھائی
فرمارہے تھے "کہو یار شاپر جی! کیسی معرکہ کی چال چلا ہوں۔ واللہ کمال ہے
یعنی سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے!!!

شاپر جی۔ بیشک۔ بیشک!! تعریف نہیں ہو سکتی۔ اب تو اس کے مرنے کے
بعد تم ہی کل اس کی جائداد کے مالک و وارث ہوگئے!! یار مٹھائی کھلاؤ مٹھائی
ایسے خوش قسمت لوگ بھی دنیا میں کم ہوتے ہیں!

رحیم بھائی:۔ (داڑھی پر ہاتھ پھیر کر مسکراتے ہوئے) اے بھائی ابھی کمبخت کو
اچھی طرح سے مر تو لینے دو۔ پھر کتنی مٹھائی کھاؤگے؟ یہ عورتیں خدا ان سے بچائے
بڑی سخت جان ہوتی ہیں۔ دیکھو کمبخت مرتی بھی ہے یا نہیں۔ مجھکو تو اسی کا
کھٹکا لگا ہوا ہے!!!

شاپر جی:۔ (ہنسکر) واہ عورتیں سخت جان تو نہیں ہوتیں اور اس کا ایک ادنیٰ
ثبوت یہی ہے کہ تمھاری تین بیویاں لگاتار شرط باندھ کر مرگئیں اور تم ابھی تک
زندہ موجود ہو۔ سخت جانی کی شکایت تو تمھاری چوتھی بیوی کو تم سے ہونی چاہیے
کہو اب وہ کب تک یہاں آئیگی؟

رحیم بھائی:۔ میکے میں ہیں مگر اب آنے ہی والی ہیں۔۔۔۔ لیکن اسوقت تو

مجھے کشور کی موت اور عبادل کے سوال سے زیادہ دلچسپی ہے۔ ابھی تک کوئی تار بھی نہیں آیا!! مجھے سخت بے چینی ہے!!

شاپرجی (مذاق سے) کیوں نہ ہو۔ بھانجی کا ایسے مہلک مرض میں مبتلا ہونا کوئی ایسی ویسی بات ہے۔ اور وہ بھی تمہارے ایسے فدائی ماموں کے لئے ...... (ہنستے ہوئے) سنتے ہیں کہ سانپ کو بھی تو روا جگایا! خلاقا بعض لوگ ماموں ہی کہتے ہیں!!!

رحیم بھائی:۔ ہا! ہا! ہا! ہا! ہا بھئی واللہ کیا بات کہی ہے۔ باوجود پارسی ہونے کے تم تو چشم بد دور خاصہ مذاق کر لیتے ہو۔!!

شاپرجی:۔ تمہارا ایسا نشانہ ہو تو اندھے کا بھی تیر خطا نہیں ہو سکتا!! اتنے میں خدمتگار چاندی کی تشتری پر ایک تار لایا۔ رحیم بھائی کانپتی ہوئی انگلیوں سے تار جلدی جلدی کھولا (زور سے پڑھکر) "حالت بہت خراب ہے بچنے کی اُمید نہیں۔!"

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ! وہی خبر۔ پھر وہی خبر۔ پھر وہی خبر طبیعت تنگ ہو گئی!! "بچنے کی امید نہیں!" "بچنے کی امید نہیں!" تو اب تک وہ سخت جان بچی کیسے ہے؟"

شاپرجی:۔ (مسکرا کر) نا اُمید نہ ہو! ہر چہ دیر آید درست آید..... (اٹھکر) اچھا تو اب میں جاتا ہوں۔ اُمید ہے کہ کل تک تمہیں مبارکباد دینے کا یقیناً موقع ملے گا!! تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے! اتنی بڑی جائداد کے مالک ہو جاؤ گے۔ دو دو کارخانے موٹر کے۔ دس بارہ گاؤں۔ بیس بائیس بڑے بڑے مکانات خاص بمبئی میں۔ اور پورے پندرہ لاکھ نقد بینک میں.... کچھ کم جائداد ہے؟...

رحیم بھائی:۔ واقعی میں بڑا خوش قسمت ہوتا اگر (آہ بھر کر) ابا رحیم مرحوم کی

اُنہانی موت نے مجھے دُنیا سے بالکل بیزار نہ کر دیا ہوتا! ایسا دیکھتے ہی دیکھتے وہ چٹ پٹ ہو گیا!
شاہ پرجی :- خدا کی اس میں بھی ضرور کوئی مصلحت ہوگی۔
رحیم بھائی:- ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر اولاد نہ ہو تو دولت بھی نہیں اچھی معلوم ہوتی!
شاہ پرجی :- مایوس کیوں ہوتے ہو۔ تمہاری نئی بیوی آئندہ اولاد کی کافی گارنٹی ہیں۔
رحیم بھائی :- (آہ سرد بھر کر) ہاں مگر ابراہیم جیسا لڑکا کہاں ملے گا؟؟!
وہ تو فرشتہ تھا فرشتہ!...... آہ ابراہیم تمہیں میرے بڑھاپے میں مجھے یوں داغ نہ دینا چاہیئے تھا!!!.........

یہ کہکر رحیم بھائی نے وھیل مچھلی کی طرح ایک دوسری لمبی سی سانس لی اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور انکی اکلوتی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ وحدت میں کثرت کی شان پیدا ہو گئی!!! فطرت! بظاہر متضاد اور تلوّن مزاج فطرت کے مظاہرات بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ پتھر سے چشمے نکلتے ہیں اور سنگدلوں کے آنکھوں سے آنسو!! اور دولت؟ وہ دولت جس پر لوگ جان دیتے ہیں ہمیشہ باعث راحت نہیں ہوتی! دولت اور اطمینان قلب صرف یہی نہیں کہ ہم معنی الفاظ نہیں ہیں بلکہ اکثر ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں قدرت کاملہ کا "قانون توازن" امیر و غریب گورے اور کالے پیر و جواں خوبصورت اور بدصورت کو ایک نہ ایک طریقے سے مساوی اور ہموزن کر دیتا ہے!! قدرت کاملہ کے قوانین پر نظر کرو اور پھر نظر کرو۔!! ان میں کوئی عیب کوئی نقص۔ کوئی فتور نہیں۔ سارا قصور خود ہماری ہی بے بضاعتی اور کوتاہ نظری کا ہے۔!......
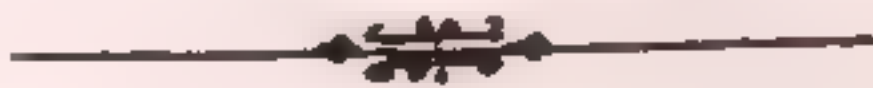
تیسرا باب

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

انور کی آج یہ چوتھی رات ہے اور رات کے تین بجے کا وقت ہے۔ ہر طرف سناٹا ہے۔ کمرے میں لیمپ جل رہا ہے۔ گو روشنی کم کر دیگئی ہے۔ کشور کی گلٹیاں بیٹھ گئی ہیں۔ بخار بھی بہت کم ہے۔ وہ بے خبری کی نیند سو رہی ہے۔ بیمار پڑنے کے بعد یہ پہلی رات ہے کہ اسکی نیند میں غفلت کی کیفیت نہیں ہے۔ انور امید و بیم کی حالت میں قریب ہی کرسی پر بیٹھا ہے۔ بڑی بی فرش پر انور کی آرام کرسی کے پاس ہی پاؤں کھینچے ہوئے گھٹنے پیٹ سے لگائے سکڑی ہوئی پڑی ہیں کئی راتوں کے بعد آج بیچاری کی کچھ یوں ہی سی آنکھ لگ گئی ہے۔

انور کے دل پر عجیب و غریب کیفیتیں اس تین چار دن کے قلیل عرصے میں گذر گئیں۔ وہ کشور کے مکان میں جب داخل ہوا تھا تو اپنی مرضی اور اختیار سے وہ اسکی تیمارداری کے لئے جب رک گیا تو اس ارادے میں شان بین الجبر والاختیار نمایاں تھی۔ مگر چار دن کی مسلسل تیمارداری نے اسکے بچے بچائے اختیار کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اب وہ مجبور تھا۔ بالکل مجبور تھا۔ اپنے دل سے۔ دل محبت سے۔ محبت کشور کے دلفریب حسن اور جذبات انگیز حالت سے!!!

ہمدردی اور محبت میں صرف تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ ہمدردی کا آخری ارتقائی درجہ محبت ہے مگر یہ کہنا بہت دشوار ہے کہ ہمدردی کی سرحد کہاں پر ختم ہوتی ہے اور محبت کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے!! کشور کے مرض میں بین افاقہ نظر آتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گھڑی نے چار بجائے۔ کشور نے کروٹ لی اور پھر سو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد بڑی بی کو کھانسی آئی۔ کشور نے پھر کروٹ لی اور اس مرتبہ آنکھیں کھولدیں۔ وہ پیاری خوبصورت کالی کالی آنکھیں جنہیں بجلیاں ابھی تک غفلت کی نیند سو رہی تھیں وہ برق ساماں نگاہیں انور کے چہرے پر رکیں اور چند سکنڈ تک رُکی رہیں۔ آنکھوں کی بڑھتی ہوئی چمک گواہی دینے لگی کہ قوت حافظ آہستہ آہستہ واپس آرہی ہے!!

انور۔ (خوش ہو کر مسکراتے ہوئے) کیسی طبیعت ہے؟ آپ اچھی تو ہیں؟

کشور۔ (آہستہ سے کچھ رُک رُک کر انور کو گھورتے ہوئے) طبیعت...... ہاں ...... اچھی...... ہے...... مگر...... آپ؟......

انور۔ آپ مجھ کو نہیں جانتیں! میں یہاں ابراہیم سے ملنے کیلئے آیا تھا۔

کشور۔ ابراہیم!...... (ماتھے پر آہستہ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے) مگر ابراہیم بھائی کا تو انتقال ہو گیا۔ آپ کو معلوم نہیں؟

انور۔ مجھے معلوم ہے اور اس کا افسوس اور بیحد افسوس ہے مگر مجھے اسکی خوشی اور بیحد خوشی ہے کہ آپ اچھی ہو گئیں!۔

کشور۔ اور اماں کہاں ہیں؟ آپ انہیں جانتے ہیں؟

انور نے بڑی بی کو جگا دیا۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھیں۔ پہلے تو آنکھیں ملتی رہیں۔ پھر رفتہ رفتہ انکی آنکھیں کھلیں اور کشور کے چہرے پر جم گئیں!!

کشور نے بڑی بی کو دیکھ کر اپنی کمزور آواز میں کہا "اماں!"

جب کسی مایوس گنہگار کو خدا خلاف امید بخش دیگا تو شاید اسے بھی ایسی ہی خوشی ہو گی جیسی وفادار بڑی بی کو اس وقت کشور کے اس ایک لفظ سے ہوئی۔ انکی زبان سے بھی صرف دو لفظ نکلے "میری بچی"!! یہ کہتی ہوئی وہ اُٹھیں اُٹھنے میں گریں گر کر پھر اُٹھیں اُٹھکر کشور سے لپٹ گئیں۔ لپٹ کر اُنھوں نے کشور کو پیار کیا بلائیں لیں گلے لگایا

دعائیں دیں۔ پھر بلائیں لیں۔ دعائیں دیں گلے لگایا۔ پیار کیا اور اسکے بعد فوراً ضبط اور فرطِ محبت میں انھوں نے کیا کیا کیا اور کیا کیا کہا۔ پوری صحت سے بیان نہیں ہو سکتا۔ مگر جب بڑی بی کشور سے بمشکل تمام الگ ہوئیں اس وقت ان سے یہ عجیب و غریب کرامت صادر ہوئی کہ وہ ایک ہی وقت میں ہنس بھی رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔ انکی آنکھیں اشک بار تھیں اور انکی باچھیں کھلی ہوئی تھیں!!......

کشور:۔ اماں! ہم اچھے ہو گئے!!.........

بڑی بی:۔ (پھر بلائیں لے کر) ہاں میری بچی! خدا تجھ کو اچھا رکھے تو پھولے پھلے۔ ہزاروں لاکھوں برس جئے!! اے خدا۔ اے میرے مولا۔ اے میرے پروردگار اے میری دعاؤں کے سننے والے۔ اے میری مصیبت میں کام آنے والے۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں۔ تو نے میری بچی کو نہیں اچھا کیا تو نے مجھے مار کر پھر جلا دیا!!.........

یہ کہکر بڑی بی کشور کو پھر پیار کرنے و گلے لگانے میں مصروف ہو گئیں۔ بڑی بی کی بیچی اور خاص محبت کے فطری اظہار کا نظارہ دیکھ کر انور کا دل بھی انتہائی خوشی اور وقتی جذبات سے بہت متاثر ہو رہا تھا اپنے جذبات کا راز افشا نہ کرنے کی غرض سے وہ اٹھکر کمرے کے باہر چلا گیا اور وہاں جاکر اس نے رومال سے اپنے خوشی کے آنسو پونچھے! فطرت کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ انتہائے غم اور انتہائے مسرت کے مظاہرات اکثر ہمشکل ہوتے ہیں!!.........

کشور:۔ اور اماں وہ کون تھے جو یہاں بیٹھے ہوئے تھے؟ کیا وہ ڈاکٹر صاحب تھے۔

بڑی بی:۔ نہیں بیٹی تمھارا علاج تو ڈاکٹر دادا نے کیا ہے!!

کشور:۔ تو پھر وہ کون تھے؟

بڑی بی :- ارے وہ؟ میں کیا بتاؤں کہ کون ہے؟ خدا جانتا ہے وہ فرشتہ ہے فرشتہ!!

کشور :- (تعجب سے) فرشتہ؟...... (پھر کچھ مسکرا کر) مگر اماں فرشتوں کے تو سُنتے ہیں کہ پر ہوتے ہیں!!

بڑی بی :- توبہ بچی! تو کچھ سچ مچ کا وہ فرشتہ تھوڑا ہی ہے! ہے تو وہ انسان ہی مگر سب باتیں اس میں فرشتوں کی سی ہیں۔ خدا ہی نے اسکو اپنی طرف سے یہاں تمھاری تیمار داری کے لئے بھیج دیا تھا۔

کشور :- میری تیمار داری کے لئے؟ تو کیا وہ میری تیمار داری کرتے تھے؟

بڑی بی :- تیمار داری؟؟ میں نے تو کسی کو کسی پر اس طرح جان دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس خدا کے بندے نے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا اس محبت اور جاں نثاری سے تمھاری خدمت اور تیمارداری اس اجنبی لڑکے نے کی ہے کہ سگا بھائی بھی ہوتا تو نہ کر سکتا۔ میں تو دیکھتی تھی اور عش عش کرتی تھی!!

کشور :- (دلچسپی سے) مگر وہ ہے کون؟ اور یہاں کیسے آئے!!

بڑی بی :- ابراہیم کے دوست ہیں بمبئی جا رہے تھے۔ راستہ میں یہاں سے دو ایک میل کے فاصلے پر ان کا موٹر خراب ہو گیا تو رات بسر کرنے وہ یہاں آئے یہاں آکر دوسرا ہی نقشہ دیکھا۔ رات بھر تمہارے پاس بیٹھے رہے صبح کو موٹر کا سامان خرید کر موٹر درست کر کے یہیں لے آئے۔ ان کے موٹر کی وجہ سے ڈاکٹر کے یہاں آنے جانے اور دوا لانے میں بڑی آسانی ہو گئی۔

غرضکہ بڑی بی نے اپنے طریقے سے ساری سرگزشت من و عن کشور سے بیان کر دی جس سے کشور کو انور کے ایثار۔ جانبازی اور خلوص کا کل حال بالتفصیل معلوم ہو گیا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جب سرسام کی شدت ہوتی تھی اور وہ مچھکر

بھاگتی تھی تو انور ہی اس کو پکڑتا اور پکڑ کر کسی نہ کسی طرح اسکو پلنگ پر لٹا دیا کرتا تھا۔
اس نے یہ بھی سنا کہ کبھی بیہوشی میں وہ انور کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتی تھی اور اسے
اپنے جلتے ہوئے رخساروں پر بار بار رکھتی تھی۔ کبھی شدید حرارت سے پریشان ہوکر
وہ بیٹھ جاتی تھی اور انور اسکی مسہری پر بیٹھ کر اسکو اپنے سینے کے سہارے سے بٹھا کر
پانی پلاتا! اس کے الجھے ہوئے بال سلجھاتا اس کے سر اور پیشانی پر اوڈی کولون لگاتا
اور کبھی وہ سر خود انور کے شانے پر رکھدیتی اور اسیطرح دیر تک بیٹھی رہتی تھی۔
غرضکہ اسی قسم کی بہت سی باتیں کشور کو معلوم ہوئیں جن کا خیال کر کے اسکے
زرد زرد چہرہ میں گلابی رنگ کی جھلک دکھائی دینے لگی اور وہ شرم سے پسینہ پسینہ
ہوگئی بہت دیر تک وہ گہرے خیالات میں ڈوبی ہوئی دانتوں میں انگلی دبائے حیرت
اور ندامت کی تصویر بنی ہوئی پڑی رہی!! ....

....

بڑی بی اچھی قیافہ شناس نہ تھیں سمجھیں کہ کشور باتیں کرتے کرتے تھک گئی ہے
بولیں "ہاں بیٹی زیادہ باتیں نہ کرو نہیں تو تم تھک جاؤ گی! ہم جا کر تمہارے
لئے ذری سی چائے لیتے آئیں" !!
یہ کہکر بڑی بی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں اور کشور بہت دیر تک گہرے
خیالات میں غرق۔ عجیب و غریب جذبات کی شکار بنی پڑی رہی اسے تکلیف بڑا
بھی خوشی بھی۔ اسے ندامت بھی تھی اور ایک عجیب قسم کی مسرت بھی جس سے اسکا
چہرہ جل رہا تھا اور اس کا خون ایک غیر مانوس طریقے سے اسکی رگوں میں لہریں مار
رہا تھا اس کے دل میں مختلف جذبات کی موجیں اٹھ رہی تھیں۔ اسکی آنکھوں کے
سامنے ایک شاہزادہ حسن کی تصویر بار بار بجلی کی طرح چمک رہی تھی!!!
شاید محبت کے طلوع ہونے والے آفتاب کی رنگین کرنیں اسکی تاریک گر

پُرارمان زندگی کے اُفق کے پہلی مرتبہ بوسے لے رہی تھیں!! شاید اسکی غمگین دنیا کے آسمان پر ایک درخشاں ستارہ اسکو اس کے مسیحا کے آنے کی خوشخبری دے رہا تھا! ... شاید اس کے دل کی منہ بند کلی سے نسیم سحری سرگوشیاں کررہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ ادست خواب بیدار ہو تیرے کھلنے کا وقت اب بہت قریب آگیا ہے!!!

چوتھا باب

تاج محل ہوٹل

ہر لحظہ جمالِ تو نوع دگر آراید   شورِ دگر انگیزد شوق دگر افزاید

کشور صحتیاب ہونے کے بعد انور کے ساتھ بمبئی چلی آئی۔ یہاں آکر تاج محل ہوٹل کی دوسری منزل میں اسنے ایک خوبصورت کمرہ لے لیا۔ بڑی بی بھی کشور کے ساتھ اُسی کمرے میں رہنے لگیں!! انور بدستور سابق قاسم بھائی کے یہاں کام کرنے لگا اور اُن ہی کے دفتر کے ایک حصہ میں وہ رہتا بھی تھا۔ فرصت کے اوقات میں کشور کے پاس وہ ضرور آتا تھا اور کشور بھی اکثر خاموش بیتابی سے انتظار کیا کرتی تھی!! چنانچہ اس وقت انور کشور ہی کے پاس بیٹھا ہوا اس سے باتیں کررہا تھا

کشور۔ اچھا تو اس وقت کہیں چلئے گا؟ پانچ تو بج گئے!!۔

انور۔ ہاں اسوقت میں چلکر آپکو اپنے سب سے بڑے دوست سے ملاؤں گا۔ انکا نام ممتاز ہے۔ وہ بمبئی کے شاہزادۂ تجارت ہیں اور بہت ہی لائق تعلیم یافتہ ذہین اور خوش مذاق آدمی ہیں۔ انکی بیوی عذرا بھی بڑی ملنسار خوش اخلاق تعلیم یافتہ اور فرشتہ سیرت خاتون ہیں۔ آپ اُن دونوں سے ملکر بہت خوش ہونگی!

کشور: ضرور میں انسے ضرور ملونگی!! کیا وہ آپکے بہت پرانے دوست ہیں؟

انور: بہت پرانے اور صرف دوست ہی نہیں بلکہ میرے بہت بڑے محسن بھی ہیں۔ میں اور وہ دہلی میں پڑھتے تھے۔ میرے چچا وہیں فارسی کے پروفیسر تھے اور چونکہ میرے والدین کا میری صغرسنی ہی میں انتقال ہوچکا تھا اسلئے میرے چچا ہی میرے سرپرست اور میرے تمام اخراجات کے کفیل تھے میں انہیں کے ساتھ رہتا تھا میری بدقسمتی سے دفعتاً ان کا بھی دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ میں اس وقت صرف ۱۶ برس کا تھا اور فرسٹ ایر میں پڑھتا تھا اور ممتاز ایم اے میں پڑھتے تھے۔ چچا کی ناگہانی موت نے مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا۔ اسوقت ممتاز نے دوستی کا حق ادا کیا اور نہایت خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے میری کفالت کی۔ ایم اے کا آخری امتحان دینے کے بعد ہی انکے والد کا بھی انتقال ہو گیا اور وہ انکی کثیر دولت اور وسیع تجارت کے وارث ہوئے کاروبار کو سنبھالنے کیلئے انھیں بمبئی آنا پڑا چنانچہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ بمبئی لے آئے۔ میں نے تجارتی کالج میں یہاں نام لکھوالیا۔ ممتاز ہی نے میرے سارے اخراجات برداشت کئے انھیں کے یہاں میں رہتا تھا اور رہتا ہوں اور وہ مثل اپنے چھوٹے بھائی کے مجھ سے محبت و سلوک کرتے تھے۔ جب میں نے بی اے پاس کر لیا تو ممتاز ہی نے مجھے کریم بھائی قاسم بھائی فرنیچر مرچنٹ اینڈ ہاؤس ایجنٹ کی مشہور فرم میں مینیجر مقرر کروا دیا۔ اس وقت سے میں وہیں ملازم ہوں۔

کشور: آپکی زندگی داستان باوجود غم آلود ہونے کے بہت دلچسپ ہے اور ممتاز صاحب نہایت شریف دریا دل، اور بلند خیال آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

انور: اس میں کیا شک ہے؟ وہ بڑے دل و دماغ کا آدمی ہے۔ باتیں اسکی انوکھی نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہوتی ہیں اور عامیانہ خیالات کے عموماً

برعکس ہونے کی وجہ سے آدمی کو کچھ دیر کیلئے اچنبھے میں ڈال دیتی ہے۔ درحقیقت وہ بڑی خوبیوں کا آدمی ہے!! اور گو اسمیں کمزوریاں بھی ہیں مگر دل اس کا خالص سونے کا ہے!...... چلئے موٹر تیار ہے!

انور اور کشور سلطانہ ہوٹل سے اُتر کر نیچے پہنچے۔ کشور کے چہرے پر گو ابھی نقاہت کے آثار نمایاں تھے تاہم خوبصورت ہلکے نارنجی رنگ کی ساری میں اس کے تازہ شباب کا حُسن غیر معمولی طور سے چمک رہا تھا۔ اسکا سرو کو شرما دینے والا قد۔ نازک لچکتا ہوا جسم۔ سُرخی مائل تازے گلاب کا رنگ گھنے گھنے ریشم ایسے بال۔ کمان کی شکل کے پتلے پتلے گلابی ہونٹ۔ پیارا پیارا نقشہ۔ دلاویز برق پاش تبسّم سب اپنے مجموعی اثر سے دیکھنے والوں کو مبہوت کر دیتے تھے۔ ہر شخص تعجب سے اسے گھورتا تھا اور جب تک وہ نظر سے غائب نہیں ہو جاتی تھی اسے محویت کے عالم میں تکتا رہتا تھا اسکی ذہانت اور طباعی کا یہ حال تھا کہ اس نے اسی سال بی اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تھا غرضیکہ انور ہی پر کیا منحصر تھا دنیا میں کوئی شخص بھی ہوتا وہ اسکے پہلو میں بیٹھکر اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش قسمت سمجھتا تھا...... موٹر چل دیا۔ راستہ میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جسمیں کشور کا دلفریب حسن نہ چمکتا ہو۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو اسکی یاد اپنے ساتھ نہ لے گیا ہو عورتوں کی نگاہیں انور پر پڑتی تھیں۔ مگر انور کشور سے باتیں کرنے میں ایسا محو تھا کہ دوسروں کی پرستش کی اسے بالکل پرواہی نہ تھی!

تھوڑی ہی دیر میں موٹر سیرین لائنز میں ایک خوبصورت اور عالیشان مکان کے آگے رُکا۔ انور کشور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ برآمدے میں ایک خدمت گار نے کہا "صاحب اوپر ہیں"۔ دونوں کوٹھے پر پہنچے۔ زینہ ختم ہوتے ہی صحن کے بعد سامنے برآمدہ تھا۔ عذرا اور ممتاز وہیں بیٹھے تھے انور اور کشور کو دیکھ کر ان کے استقبال کے لئے وہ آگے بڑھے۔ انور نے کشور کا دونوں سے تعارف کرایا۔ دونوں

بڑی تپاک سے ملے اور کشور کو لیجا کر ایک کرسی پر بٹھایا اور خود اس کے پاس بیٹھ گئے اور انور بھی قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ممتاز کی عمر ۲۸ یا ۲۹ سال کی تھی لمبا قد۔ ہنس مکھ چہرا۔ خوبصورت سڈول جسم چمپئی رنگ۔ آنکھیں اور بال بھورے مگر سیاہی مائل۔ ناک اونچی اور نمایاں کشادہ پیشانی۔ نقشہ تیکھا۔ اور دلچسپ ہلکے رنگ کا گرم سوٹ پہنے۔

عذرا کی عمر اکیس بائیس سال کی تھی۔ گورا رنگ۔ دراز قد۔ نہایت پیاری اور بھولی مسکراہٹ۔ کالی کالی اداس آنکھیں۔ قیافے سے بھولا پن۔ بلند خیالی اور خوش مزاجی نمایاں۔

ممتاز:۔ (کشور کو کرسی پر بٹھا کر اور خود اس کے قریب بیٹھ کر انور سے) اس تعارف کا دلی شکریہ (پھر کشور سے مسکرا کر) حوروں کا ذکر قرآن پاک میں پڑھا ضرور تھا۔ مگر اعتقاد نہ تھا۔ آج ایمان لاتا ہوں۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

کشور اس بیباک خوشامد سے شرما گئی۔

انور:۔ (مسکرا کر کشور سے) مس ہاشم بھائی آپ انکی لفظی بلند پروازیوں کا زیادہ خیال نہ کیجئے گا۔ انکے قول و فعل بظاہر کیسے ہی قابل اعتراض ہوں مگر انکی نیت بری نہیں۔

ممتاز:۔ اس قدر دانی کا مکرر شکریہ۔ رہا نیت کا سوال تو یہ واقعہ ہے اور تاریخ عالم اسکی شاہد ہے کہ دنیا کے اکثر بہترین کام بدترین نیت سے اور بدترین کام بہترین نیت سے ہوئے ہیں۔

عذرا:۔ (کشور سے) آپ سے مل کر مجھے غیر معمولی خوشی ہوئی۔ انور نے آپ کا مجھ سے ذکر کیا تھا۔ میں خود آپ سے ملنے کے لئے آتی مگر انہوں نے اصرار کیا کہ پہلے وہ میرے یہاں آپ کو ساتھ لیکر آئیں گے!!۔

کشور:۔ میں فضول مراسم اور بیکار تکلفات کی قائل نہیں۔ سچی دوستی اور

خلوص میں مراسم اور تکلفات نہ ہونا چاہئے۔

عذرا: بیشک! آپ نے اپنی زبان سے میرے دل کی بات کہدی۔!

ممتاز:۔ مگر عذرا گواہ ہیں کہ دنیا میں خلوص بہت کمیاب ہے دنیا میں ہر شخص کوئی نہ کوئی سوانگ بھرے ہوئے ہے۔ ہر شخص ایک بہروپیہ ہے اصلیت دریافت کرنا محال ہے۔ شروع سے آخر تک یہاں فریب ہی فریب ہے اور اسی وجہ سے دنیا اس قدر دلفریب ہے۔ واقعی دنیا میں اگر فریب نہ ہوتا تو دنیا کیسی مکروہ اور غیر دلچسپ ہوتی؟

انور:۔ پیرو مرشد یہ بھی آپ کا ایک فریب ہے۔!

ممتاز:۔ اور فریب چاشنیٔ حیات ہے۔ زندگی کی ساری رنگینی کا راز فریب ہے۔ اگر ہر چیز میں صرف حقیقت ہی حقیقت ہو اور فریب کی آمیزش نہ ہو تو جینا دشوار اور زندگی حرام ہو جائے۔

انور:۔ یہ کیوں

ممتاز: اس لئے کہ حقیقت اکثر بدصورت اور فریب ہمیشہ خوبصورت اور مسرت خیز ہوتا ہے۔

انور:۔ لہذا شیطان نہایت قابل قدر اور واجب التعظیم ہستی ہے کیونکہ شیطان شاہزادہ فریب ہے۔

ممتاز:۔ (بڑی متانت سے) بیشک اگر دنیا میں شیطان کی ذات بابرکات نہ ہوتی تو دنیا سے زیادہ جہل اور غیر دلچسپ ستارہ کائنات عالم میں کوئی نہ ہوتا۔ انصاف تو یہ ہے کہ دنیا کی ساری رونق اور رنگینی محض حضرت شیطان کی ذات سے ہے!! (مضحکہ انگیز سنجیدگی سے) بخدا میں کانپ اٹھتا ہوں جب آپ حضرت سیدنا حضرت شیطان لعنۃ اللہ علیہ کو میرے سامنے برا کہتے ہیں۔!!

انور:۔ (مسکرا کر) معاف فرمائیے گا۔ آپ کی بڑی دل آزاری ہوئی میں نہیں

جانتا تھا کہ وہ آپ کے قریبی عزیز ہوتے ہیں۔

ممتاز:- آپ اسکو بُرا کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ شیطان کے ایسے کیرکٹر کا آجتک کوئی انسان پیدا نہیں ہوا۔ آجکل کا حال تو یہ ہے کہ اگر کلکٹر صاحب بھی یہ فرما دیں کہ ہم کو سجدہ کرو تو بڑے بڑے سند یافتہ اشرف المخلوقات انھیں سجدہ کرتے کرتے اپنی پیشانیاں مجروح کر ڈالیں مگر واہ رے شیطان کہ خدا سے دو بدو اس نے صاف کہدیا۔ وہ سر تجھے سجدہ کر چکا ہے آدم کے سجدے میں بھی نہیں جھک سکتا کمال ہے واللہ کمال ہے! اور میں کیا حضرت سرمد کا بھی خیال ہے کہ توحید سیکھنا چاہو تو حضرت شیطان سے سیکھو!۔

انور:- اس وقت تو ماشاء اللہ آپ حضرت شیطان کی قابل تعریف نمایندگی کر رہے ہیں۔

ممتاز:- تسلیم بتسلیم۔ میرا دعویٰ ہے کہ شیطان ننانوے فیصدی انسانوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ کیوں کہ شیطان بیچارے نے تو صرف ایک نافرمانی کی جسکی وجہ جنت سے نکالدیا گیا۔ اور حضرت انسان زندگی میں خدا کے صریحی احکام کی ہر روز ایک ہزار نافرمانیاں کیا کرتے ہیں اور مونچھوں پر تاؤ دیتے پھرتے ہیں پھر بھی اگر کوئی ان کو شیطان سے بدتر کیا صرف خالی خولی شیطان ہی کہدے تو وہ کسی بدمزاج کلاٹنجے کی طرح براہ راست اس کا منہ نوچ لینے کے لئے تیار ہو جائیں۔

عذرا:- (ہنسکر) شبھا اس ہاشم بھائی انور اور میرے شوہر میں نہایت گہری اور سچی دوستی شروع تھا اس وجہ سے کہ انمیں نہایت ہی گہرے مگر سچے اختلافات ہیں (مسکراکر) بس یہ سمجھ لیجئے کہ بس اس پر تو یہ دونوں متفق ہیں کہ میں عذرا ہوں مگر علاوہ اس کے یہ دنیا میں کسی بات پر کبھی متفق نہیں!!

ممتاز:- (مسکراکر) خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کی بابت ہم دونوں کو

میں ابھی تک کوئی اختلاف نہیں ہوا اور امید ہے کہ آپ اس کا موقع بھی نہ دینگی اس پر عذرا خفا ہوگئیں۔

ممتاز:- اور پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اختلافات کو آخر بُرا کیوں سمجھتے ہیں اختلافات کے مفید ہونے کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ دنیا۔ دنیا کے تمام مذہب اور سلطنت برطانیہ محض آپس کے اختلافات کی وجہ سے قائم ہیں۔

انور:- تمہارا فلسفہ باوجود مہمل ہونے کے کس قدر دلچسپ اور معنی خیز ہے!!

ممتاز:- اگر آپ مجھ سے اتفاق کریں تو میری رائے یہ ہے کہ اس وقت بہترین فلسفۂ زندگی چاء پینا ہے۔

انور:- میں اپنی عمر میں پہلی مرتبہ آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ عذرا خدا کے لئے جلدی چاء بلواؤ اور ہم معصوموں کو اپنے شوہر کی روح سوز بلند پروازیوں سے بچالو۔

ممتاز:- سچ کہتے ہو میرے خیالات بعض اوقات ان بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں جہاں تمہاری عامیانہ پرہیزگاری کے پر جلنے لگتے ہیں۔

انور:- آپ بجا فرماتے ہیں مگر اب چاء پینے دیجئے۔ عنایت ہوگی۔

ممتاز:- افیونیوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو افیون کھانے والے! دوسرے چاء پینے والے!!

عذرا:- (مسکراکر) اور ایک اور قسم بھی ہوتی ہے۔ باتیں بنانے والے انور تم انکی باتوں میں نہ آؤ۔ تم چاء پیو۔ میرے خیال میں بہشت میں چاء ضرور ہوگی' کیوں انور تمہاری کیا رائے ہے۔

انور:- ضرور! ضرور!! اور (معنی خیز مسکراہٹ سے) چاء پلانے کے لئے حوریں بھی!!! اور در اصل جو کچھ وہ پلائیں جائز ہوگا ۔ ۵

میں فدائے ساقیِ ملتفاہی مے کشی کا ہے مسئلہ
وہی حکم دے تو حلال ہے وہی روک دے تو حرام ہے

عذرا۔ (ہنسکر) مرد بھی کیسے خوشامدی ہوتے ہیں۔ ایک پیالی چائے کے لالچ میں اونوہ کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔

ممتاز۔ مرد اگر خوشامدی ہوتے ہیں تو عورتیں ان سے زیادہ خوشامد پسند ہوتی ہیں۔ عورتوں ہی نے مردوں کی ساری عادتیں بگاڑی ہیں سچ کی تو انھیں قدر ہی نہیں۔ سچ پر وہاں زبان کٹتی ہے اور جھوٹ پر وہاں خلعت ملتا ہے۔۔۔۔۔ ہم تو ہزار مرتبہ سچ بولیں گے مگر خود ہمیں جھوٹ بولنے پر مجبور کرتی ہے کیونکہ سچ کی تمھیں کسی طرح برداشت نہیں۔

عذرا۔ (مسکراکر) مردوں نے تو جھوٹ کو اک فن بنالیا ہے۔ مرد اس قدر مسلسل اور متواتر جھوٹ بولتے ہیں کہ عورت بیچاری کو سچ کا تجربہ ہی نہیں ہونے پاتا۔ وہ اپنی سادگی اور ناتجربہ کاری سے مرد کے جھوٹ ہی کو سچ سمجھتی ہے اور مرد کے ایک خوبصورت جھوٹ پر اپنی ساری زندگی قربان کردیتی ہے۔ میرا عقیدہ تو ہے کہ آج تک کسی مرد نے کسی عورت سے محبت کی ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اسکو دھوکا دیا۔

(مسکراکر) لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے

انور (ہنسکر) دیکھئے دیکھئے اب آپ زیادتی کرنے لگیں !! سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکئے۔ کیونکہ دنیا میں علاوہ عذرا اور ممتاز کے اور بہت سی عورتیں اور مرد بھی ہیں۔ اور مردوں میں ایک وفا شعار انور بھی ہے۔

کشور۔ (مسکراکر) ممتاز صاحب کیا جو کچھ آپ کہتے ہیں۔ آپ کا عقیدہ بھی ہے؟

ممتاز۔ خدا گواہ ہے میں کسی مرد کو مخلص اور سچا نہیں سمجھتا میرے خیال میں

ہر مرد ایک بے ایمان سنار کی طرح جھوٹے زیور بنا بنا کر عورت کو پہناتا ہے اور عورت اپنی ناتجربہ کاری یا حماقت سے ایسے زیوروں کو سچے زیور سمجھ کر پہنتی ہے اور خوش ہوتی اور اتراتی پھرتی ہے اور جب انکا ملمع اتر جاتا ہے اور انکی اصلیت کھل جاتی ہے تو عورت محبت کا رنگین طلسم ٹوٹ جانے پر ماتم کرتی ہے اور یہ اسکی دوسری حماقت ہے!!!

کشور:- کیوں؟ دوسری حماقت کیوں؟

ممتاز:- دوسری حماقت اس لئے کہ اس نے دھوکا کھایا ہی کیوں؟ اگر وہ بابا آدم کے وقت سے آجتک مردوں کی عادتیں اور انکی طبیعت نہ سمجھ سکی تو یہ تنہا اسی کا قصور ہے۔ مرد کی اس فطرت سے عورت لاعلمی کا عذر نہیں کر سکتی کہ وہ کسی ایک عورت کو ہمیشہ نہیں چاہ سکتا۔ اسکو بچوں کی طرح روز ایک نیا کھلونا کھیلنے اور توڑنے کے لئے چاہیئے۔ لہذا ہر عورت کو جو مرد سے محبت کرے پہلے سے اپنے دل کو یہ سمجھا لینا چاہیے کہ جس محبت کو وہ اپنی عمر بھر کی پرستش کے عوض میں خرید رہی ہے۔ محض چار دن کی چاندنی ہے تاکہ بعد میں اس کو رنج اور ناامیدی نہ ہو۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ عورت نہ یہ سمجھتی ہے۔ نہ سمجھ سکتی ہے۔ نہ سمجھنا چاہتی ہے۔ اسکی خاصیت شتر مرغ کی سی ہوتی ہے جو شکاریوں کے تعاقب سے بھاگتا بھاگتا پریشان ہو کر اپنا سر بالوں میں چھپا لیتا ہے اور سمجھتا ہے چونکہ وہ خود شکاریوں کو نہیں دیکھ سکتا اسلئے شکاری بھی اسے نہ دیکھتے ہونگے۔ مگر اسکو بہت جلد اپنی مہلک غلطی معلوم ہو جاتی ہے!!! اسی طرح عورت بھی مرد کے سچے جذبات اور صحیح انکشافات سے ہمیشہ گریز کرتی رہتی ہے وہ مرد کی فطری کمزوریوں کو برہنہ نہیں دیکھ سکتی وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے اپنی ساری زندگی بسر کرنا چاہتی ہے مگر نہیں کر سکتی۔ ایک نہ ایک وقت ضرور اسکی زندگی میں ایسا آتا ہے جب اسکی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ بیوقوفی اور اپنی بدقسمتی پر خوب بلک بلک کر روتی ہے حالانکہ اسے رونے کا کوئی حق نہیں کیونکہ

دنیا ایک بہت بڑا قمار خانہ ہے اور محبت ایک بہت دلچسپ جوا ہے جو ہر شخص کھیلتا ہے کبھی جیتتا اور کبھی ہارتا ہے ...... عورت بازی لگا کر بازی ہار جانے پر اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے عمر بھر ماتم کرتی ہے ...... اور سمجھدار مرد اپنی فطری مضبوطی کی وجہ سے شکست کے صدمے سے سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر دوسری بازی لگاتا ہے !!

انور :- بس ہاشم بھائی آپ ان سے مخاطب ہو کر انکی زیادہ ہمت نہ بڑھایئے نہیں تو یہ مع اپنے لنگڑے فلسفے کے آپ کے لئے عذاب جان ہو جائیں گے ۔ پوچھئے انہوں نے آجتک کسی کو چاہا بھی ہے ؟ یہ بیچارے کیا جانیں محبت کیسی ہوتی ہے محبت کس کو کہتے ہیں ؟

ممتاز :- اور تم نے چاہا ہے ؟ تو پھر کیا ہے ۔ اب تم ہی بتاؤ کہ محبت کیسی ہوتی ہے ۔ محبت کس کو کہتے ہیں ؟

انور کی آنکھیں بے اختیار جھک گئیں ۔ چہرہ گلابی ہو گیا ۔ کشور نے انور کی صورت غائر نگاہوں سے دیکھی ۔ پھر مسکرا کر بولی " ہاں ہاں انور صاحب واقعی بتایئے محبت کیسی ہوتی ہے ؟

انور :- (خفیف سی شوخی سے) میں کیا بتاؤں ؟ محبت کے ہاتھ ، پاؤں ، ناک کان تو ہوتے نہیں جو میں آپ کو اس کا حلیہ بتا دوں ؟

ممتاز :- اور آنکھیں بھی تو نہیں ہوتیں ۔ مار دہ اندھی ہوتی ہے !!!

انور :- (معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ) ہاں اور بیچاری کی زبان بھی تو نہیں ہوتی ۔ پیدائشی گونگی بھی ہوتی ہے !!!

عذرا :- انور تم نے بڑی پیاری بات کہی ۔ واقعی سچی محبت اکثر گونگی ہوتی ہے !

انور:۔ (کشور کی طرف اشارہ کرکے) ہاں ہاں ان سے پوچھئے انکنسے۔ یہ خوب جانتی ہیں
کوچۂ عشق کی راہیں کوئی انکنسے پوچھے   خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

عذرا:۔ (مسکرا کر)   محبت کیا ہے تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں
تر امجبور کر دینا مرا مجبور ہو جانا

(مشکل سے آہ ضبط کرکے) شراب کیطرح اس کا احساس بے پئے نہیں ہوتا۔ یہ ایسا سبق نہیں جو پڑھا دیا جائے۔ یہ ایسا درد نہیں جو دکھایا جائے!! مگر افسوس مرد محبت سے اکثر نابلد ہوتا ہے۔ اگر محبت کرنا کوئی جانتا ہے تو صرف عورت جانتی ہے

شکوہ کسی سے دل کے نہ ملنے کا کیا کریں
دو حرف لفظ دل میں ہیں وہ بھی جدا جدا

ممتاز:۔ (طنزاً) جی ہاں میں سمجھ گیا! محبت بڑی ٹیڑھی کھیر ہے خدا نہ کرے کسی کو یہ دل آزار خبط یہ مہلک عارضہ ہو جائے! درحقیقت جنون اور محبت ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ باپ کا نام خون اور ماں کا نام حرارت ہے اور وطن شریف حماقت نگر۔ آیا آپ کی سمجھ میں؟

عذرا:۔ (مسکرا کر) بس آپ سے کوئی باتیں بنانے کو کہدے!! آپکے یہاں تو محبت کا کال اور باتوں کی افراط ہے!

ممتاز:۔ (منہ بنا کر) محبت ہونہہ یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہوا! محبت کا وجود صرف شاعر یا ناولسٹ کے دماغ ہی میں ہوتا ہے۔ دنیا میں کہیں اس کا وجود نہیں جسے آپ ایسے خوش عقیدہ انسان محبت کہتے ہیں۔ اسے ہم ایسے انقلاب پسند باغیانِ معاشرت۔ جذبات حیوانی ایک خوبصورت فریب کہتے ہیں۔!!

بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہار پاکبازی و ذوقِ نظر غلط!!

انور :۔ لللہ اب جان بخشو! تمہاری محبت اور فریب تو اب جی گھبرا گیا۔ اب تو اپنے فلسفہ کنگ کی خوش خرامیاں کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھو۔ بڑی غلاظت ہو گی۔

ممتاز :۔ اچھا اچھا۔ باقی آیندہ۔ کیا کہوں پیر احمد ان پیغمبروں میں سے ہے جو اپنے وقت سے کئی سو برس پہلے پیدا ہو گئے ہوں اور.......

انور :۔ اور اسکی سزا بس اب یہی ہے کہ آپ فوراً چپ ہو جائیے۔

ممتاز :۔ تو پھر کیا چاہتے ہو۔ کچھ کہو تو سہی۔

انور :۔ ارے بندۂ خدا کہیں سیر کرنے کو ہی چلے گے یا نہیں بیٹھے بیٹھے زندگی ختم کر دو گے

ممتاز :۔ ہاں ہاں چلو پکچر ز میں چلیں۔ آج فلم بھی بڑا اچھا ہے مس ہاشم بھائی آپ کی کیا رائے ہے۔

کشور :۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔ مسز ممتاز آپ بھی چلیے گا نا؟

عذرا :۔ ضرور میں تو جمہور کی رائے کی پابند ہوں۔

سب اٹھ کھڑے ہوئے اور موٹر پر بیٹھکر پکچرز پیلس چلے گئے۔ مگر ممتاز سب کو برابر بتاتے رہے کہ وہ فلسفۂ محبت پر کبھی اور کسی نہ کسی پنڈت یا جوتشی سے مناسب وقت اور ساعت پوچھکر ضرور لکچر دینگے۔ سب خاص و عام آگاہ ہو جائیں!!!

رات کو کشور سونے کے لئے پلنگ پر لیٹی تو گو بمبئی کی زندگی اور بالخصوص ممتاز کے یہاں کی باتوں سے اسکے قلب و دماغ میں ایک عجیب ہیجان تھا اور گو وہ اسکو دماغ سے نکالنا چاہتی تھی مگر بار بار یہ خیال آ آ کر اسے بیچین کر رہا تھا کہ ممتاز نے کہیں سچ نہ کہتے ہوں کہ مرد عورت کو ہمیشہ دھوکے میں رکھتا ہے اس سے ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور ہمیں سچی اور مستقل محبت کی تو علامت ہی نہیں ہوتی۔ مگر جب اسے انور کی ان موہنی صورت سا خیال آیا تو اسکی ساری بدگمانیاں فوراً کافور ہو گئیں اور وہ اس سے عالم تصور میں باتیں کرتے کرتے سو گئی!!

آمد آمد میں اس قدر شورش
دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم

پانچواں باب

برستیوں کا رنگ ہے جوشِ شباب میں
گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں

دوسرے دن صبح کو قریب ۹ بجے ایک نہایت خوبصورت سیکون کار کریم بھائی قاسم بھائی دفتر کے سامنے آکر رکی۔ اندر سے ایک نازک سریلی آواز آئی۔ "دیکھو محمود دفتر میں جاکر پوچھو کہ سیٹھ صاحب ہیں؟"

محمود نے "بہت اچھا" کہکر موٹر سے اتر کر دفتر کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں واپس آکر اس نے کہا۔ "حضور چلیے سیٹھ صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں"

ایک لڑکی تقریباً ۱۵ یا ۱۶ سال کی موٹر سے عجیب ناز و انداز سے اتری۔ ہلکی گلابی مہین جارجٹ کی ساری پہنے جس پر سونے کے تار کا کام آفتاب کی روشنی میں جھل جھل کر رہا تھا۔ کندن کی طرح دمکتا ہوا سنہرا رنگ آبدار موتیوں کی ملیح صباحت لئے ہوئے بڑی بڑی نرگسی آنکھیں۔ ایسی سیاہ رسیلی اور جادو بھری کہ وہ نگاہ بھر کر دیکھ لے اس کا دل کچھ دیر تک اپنی حرکت بھول جائے۔

نگہ ناز سے تیری وہ ٹپکتی ہے شراب
جو سبو میں نہیں، خم میں نہیں، ساغر میں نہیں

گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح اس کے نازک پتلے پتلے ہونٹوں کی قدرتی سرخی پان کی سرخی کو شرما رہی تھی۔ سرو نما قد۔ چھریرا بدن۔ بالکل دھان پان جسم میں کسی خوبصورت ناگن کی سی لچک اور تڑپ۔ ستواں ایسی ناک میں ایک چھوٹی سی خوشنما طلائی نتھ نقش ایسا بھولا بھالا پیارا پیارا کہ دیکھنے والا صانع قدرت کی بے مثل

محیرِ لعل صنّاعی پر عش عش کرے۔ گلے میں ایک بیش قیمت سونے کا نکلس جس کے موتی اور جواہرات روشنی میں جھلک رہے تھے۔ کانوں میں خوشنما بُندے جسکے لعل و الماس پر آفتاب کی کرنیں عجیب عجب انداز سے مچل رہی تھیں۔ ہاتھوں میں قیمتی سچّے موتیوں کے دست بند جسمیں ہیرے یاقوت اور زمرد کے ٹکڑے جابجا درخشاں تھے ....

الغرض وہ لڑکی کیا تھی حُسنِ نسائی کا کامل ترین نمونہ تھی۔ ایک برق پاش منظر تھی، ایک خوبصورت تخیل تھی۔ ایک دلفریب متحرک خواب تھی۔ نام اس کا مہ جبین تھا۔ اور وہ اسم باسمی تھی۔ فنِ موسیقی میں وہ ایسی ماہر تھی کہ بڑے بڑے اُستاد اس کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ بمبئی میں اسوقت اس کا طوطی بول رہا تھا۔ ہر شیخ و شاب اس کا دیوانہ ہو رہا تھا۔ اسکی بڑی بہن کا شمار بمبئی کی بہترین اور حسین ترین طوائفوں میں تھا۔ مگر وہ بھی دُنیائے حُسن کے اس نئے درخشاں تارے کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

از حُسنِ ملیح خود شورے بجہاں کردی
ہر زخمی و بسمل را مصروفِ فغاں کردی

مہ جبین ساری کا آنچل سنبھالتی ہوئی دفتر کے زینوں پر جلدی جلدی چڑھ گئی۔ دفتر میں ایک سن رسیدہ بزرگ جنکی عمر نصف صدی سے کم نہ تھی، سُنہری پگڑی زیبِ سر کئے اور لمبے کرتے پر ایک کامدار صدری پہنے ہوئے کرسی پر بیٹھے تھے۔

مہ جبین کو دیکھ کر وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور پریشانی میں جلدی جلدی دو تین سلام لگاتار کر ڈالے پھر کھنکارے۔ سر کھجلایا، ہاتھ بڑھایا۔ بڑھا کر پھر کھینچ لیا۔ کرسی اُٹھائی، پھر رکھدی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان خوش فعلیوں کے علاوہ کیا کیا خوش فعلیاں ان سے سرزد ہوتیں۔ اگر مہ جبین ان پر ترس کھا کر مسکراتے ہوئے یہ نہ کہدیتی ....

"تشریف رکھئے...... تکلیف نہ فرمائیے۔ میں بیٹھ جاؤنگی۔"

یہ کہہ کر مہ جبین ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور قاسم بھائی بھی اپنی دفتر کی کرسی پر کسی نہ کسی طرح بیٹھ گئے۔ اور مہ جبین سے یوں مخاطب ہوئے۔

"آپ نے بڑی زحمت گوارا کی۔ فرمائیے فرمائیے کیا ارشاد ہے؟"

یہ کہکر قاسم بھائی اپنے موٹے موٹے ہاتھ ایک دوسرے سے ملنے لگے اور مسکرانے کے بہانے سے وہ اپنے سولہ عدد دانت اوپر کے اور ۱۶ عدد دانت نیچے کے کھولنے کی سعی بلیغ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

مہ جبین :۔ مجھے مالابار ہل پر ایک ہوادار خوبصورت آراستہ مکان کی ضرورت ہے کرایہ جو کچھ بھی ہو مگر مکان نہایت خوبصورت اور بہترین موقع پر ہو!!

قاسم بھائی کی ساری بتیسی پھر کھل گئی۔ بائیں کان کی لو سے داہنے کان کی لو تک دو ضرورت سے زیادہ کھنچے ہوئے موٹے موٹے ہونٹوں کے بیچ میں عجیب عجیب قسم اور رنگ کے دانت اور مسوڑے نظر آ رہے تھے۔ نہایت خوش ہو کر بولے "ضرور! ضرور! آپکو ایسا بنگلہ دونگا جسکے نظارہ کا مبئی کیا دور دور آپ کو نہ ملیگا۔"

مہ جبین :۔ مگر مالابار ہل پر ہی ہو۔ میں کہیں اور نہیں چاہتی۔

قاسم بھائی :۔ جی ہاں۔ مالابار ہل ہی پر۔ کہیں اور نہیں۔ مگر میں ذرا دریافت کرلوں کہ کونسا کون کرائے پر اٹھ گیا ہے اور کون ابھی تک خالی ہے!!"

یہ کہکر قاسم بھائی نے میز پر ایک بٹن دبایا۔ قریب ہی ایک کمرے میں گھنٹی بجی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دفتر کا دروازہ کھلا اور دروازے کی چوکھٹ میں انور کی قد آدم تصویر دکھائی دی!!

مہ جبین نے مڑکر دروازہ کی طرف بے پروائی سے نگاہ ڈالی مگر نگاہ وہیں کی وہیں جم کر رہ گئی۔

امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا   نگاہیں تو اُٹھیں لے ہی لیا دل

مردانہ حسن کی ایک ایسی کامل تصویر اسکے سامنے دفعتاً آگئی جو اس نے آج تک کبھی نہ دیکھی تھی۔ انور واقعی دنیائے حسن کا شاہنشاہ تھا۔ مہ جبین کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ حسن ہوشربا بھی ہوتا ہے۔ حسن جادو اثر بھی ہوتا ہے۔ حسن نشہ انگیز بھی ہوتا ہے۔

تم سامنے کیا آئے اِک طرفہ بہار آئی
آنکھوں نے مری گویا فردوس نظر دیکھا

ادھر انور بھی جو مہ جبین ایسی حسن کی دیوی کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اُسے دیکھکر کچا چوندھ سا ہو گیا اور شرم وحیا سے معافی مانگ کر چند لمحوں تک وہ ٹکٹکی لگائے اسے دیکھتا رہا۔ مگر پھر فوراً ہی اُسے ہوش آگیا اور اس نے اپنے آپکو سنبھال لیا

قاسم بھائیؔ:۔ مسٹر انور! آپکو (مہ جبین کی طرف اشارہ کر کے) مالابار طرز پر ایک خوبصورت بنگلے کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی اچھا بنگلہ وہاں آجکل خالی ہے۔

انور:۔ جی ہاں۔ میرے خیال میں تو ابھی تک کم از کم تین چار بنگلے بہت اچھے اچھے وہاں خالی ہیں۔ مگر میں ذرا کاغذات دیکھ لوں تو عرض کروں۔ فرمایئے؟

قاسم بھائیؔ:۔ ہاں ہاں ضرور جائیے۔ دیکھ لیجئے اور مالابار طرز کا نقشہ بھی لیتے آیئے گا۔

انور:۔ بہت اچھا ابھی حاضر ہوا۔" کہکر باہر چلا گیا۔ مہ جبین نے کئی مرتبہ کنکھیوں سے دیکھا کہ شاید انور اسکی طرف دیکھے۔ مگر اسکو ناامیدی ہوئی۔ انور نے پہلی مرتبہ کے بعد قسم کھانے کو بھی نگاہ اُدھر نہ اُٹھائی۔ مہ جبین دل ہی دل میں تڑپی اور تڑپ کر رہ گئی۔

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل
التفات انکی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

مشغل ہے ۔ دو منٹ گذرے ہونگے کہ انور مالابار ہلز کا نقشہ لیکر واپس آگیا اور نقشہ مہ جبین کے سامنے پھیلا کر اُس نے کہا۔" مالابار ہلز پر اس وقت تین بنگلے نہایت اچھے اچھے خالی ہیں ...... دیکھئے یہ پلیزنٹ ویو ہے بہت آرام دہ جگہ ہے۔ سچوایشن کے لحاظ سے ۔ یعنی موقع کے لحاظ سے۔

مہ جبین :۔ (مسکرا کر اور انور پر اپنی برق ساماں نگاہ ہونکی پوری بارڑھ لگا کر)..... ترجمہ کرنے کی زحمت نہ فرمائیے۔ میں تھوڑی بہت انگریزی سمجھ لیتی ہوں "

انور :۔ (شرما کر) معاف فرمائیے گا۔ میں ....

مہ جبین :۔ (انور کیطرف پھر مسکراتی ہوئی سحر آگیں آنکھوں سے دیکھکر) معافی کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے تو صرف اسلئے عرض کر دیا کہ آپ کو ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

انور :۔ جی تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پلیزنٹ ویو بنگلہ بھی اچھا ہے۔ ویو بھی اچھا ہے۔ اور آرام دہ بھی ہے۔ کرایہ چار ہزار سالانہ ہے۔ اور یہ دوسرا بنگلہ آبرٹے لاج ہے۔ یہ پلیزنٹ ویو سے کسی قدر زیادہ وسیع۔ کشادہ اور خوبصورت ہے۔ کرایہ اس کا ساڑھے چار ہزار ہے۔ اور تیسرا بنگلہ جو پلیزنٹ ویو اور آبرٹے لاج۔ دونوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ سچوایشن کے لحاظ سے بھی اور خوبصورت وسیع اور آرام دہ ہونے کے لحاظ سے بھی وہ فیری پیلیس ہے۔ (نقشہ پر انگلی سے اشارہ کر کے) ..... یہ ہے بابا یہاں سے سمندر کی ویو نہایت ہی پرلطف ہے۔ اسمیں ایک بہت خوبصورت باغیچہ ہے اور ایک ٹینس کورٹ بھی ہے۔ فرنیچر بھی اس کا نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ حال ہی میں سجایا گیا ہے۔ آپ غالباً اسے بہت پسند کریں گی۔ مگر کرایہ اس کا ذرا کچھ زیادہ ہے۔

مہ جبین :۔ کس قدر ہے؟ میں پوچھ سکتی ہوں؟

انور :۔ قریب چھ ہزار سالانہ ہے۔ مگر میرے خیال میں اسکی تمام خوبیوں کے نظر رکھتے ہوئے کرایہ کسی طرح زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔

قاسم بھائی پہلے سوداگر تھے اور اس کے بعد انسان۔ فیری پیلس بہت دنوں سے خالی پڑا تھا۔ کوئی اتنے زیادہ کرائے کا بنگلہ لینے پر تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا اسوقت ان کا تاجرانہ دل نہایت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ان پر یہ خوف طاری تھا کہ کہیں مہ جبین انکار نہ کر بیٹھے!! وہ بیچارے کبھی انور کیطرف دیکھتے تھے اور کبھی انکی امید بھری نگاہیں مہ جبین کے چہرے کا زائچہ لیتی تھیں۔ اور دل غریب انکا ڈربی ریس کے گھوڑوں کی طرح ان کے سینے میں بے طرح سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ انھیں اسوقت واقعی بے انتہا تکلیف تھی۔ تاہم آدمی وہ ہوشیار اور تجربہ کار تھے۔ انور کی لیاقت اور خوش تدبیری پر انکو پورا بھروسہ تھا اور مہ جبین کی کم سنی اور انکی نگاہ ہزار داستان سے وہ فوراً تاڑ گئے کہ اس وقت انور کی دماغی لیاقت سے زیادہ اس کا مادی حسن کارگر ہوگا۔ فوراً بول اُٹھے۔

"میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ قبل پسند کرنے کے اگر تکلیف نہ ہو تو فیری پیلس کا آپ معائنہ ضرور فرمالیجئے مسٹر انور آپکے ساتھ چلے جائیں گے اور بنگلہ دکھا دینگے!!"

مہ جبین کا چہرہ خوشی سے رنگین ہو گیا۔ بولیں۔:۔

"بس! بس! بہت ٹھیک ہے۔ میں اسی وقت دیکھ لونگی۔ مسٹر انور آپ کو اس وقت فرصت ہے؟" ......

انور۔ "اس کے بھی پوچھنے کی آپکو ضرورت ہے؟ میں ہمہ تن حاضر ہوں تشریف لے چلئے!"۔

مہ جبین کا چہرہ دلی مسرت سے چمک اُٹھا۔ فوراً کھڑی ہو گئی۔ قاسم بھائی زینہ تک اسے پہنچانے آئے جب مہ جبین زینہ سے اُترنے لگی تو قاسم بھائی نے انور کی آستین آہستہ سے کھینچکر چپکے سے اسکے کان میں کہا۔ "یہ بمبئی کی سب سے دولتمند طوائف ہے اب کامیابی اور ناکامیابی تمہارے ہی ہاتھ میں ہے ایسی کوشش کرنا کہ پٹ نہ پڑنے پائے"

انور:۔ (آہستہ سے) گھبرائیے نہیں۔ انشاء اللہ کامیابی ہو گی۔

قاسم بھائی کو اس طرح تسلی دیکر انور مہ جبین کے پیچھے پیچھے اترا اور موٹر پر مہ جبین کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور کو ہدایت ہوئی کہ مالا بار ہلز چلے۔

مہ جبین:۔ (موٹر چلنے کے تھوڑی دیر کے بعد) مسٹر انور آپ مجھے جانتے ہیں؟

انور:۔ جی مجھے تو آپ سے آج ہی نیاز حاصل ہوا ہے۔

مہ جبین:۔ میرا نام مہ جبین ہے شاید آپ نے سنا ہو گا۔

انور:۔ (سادگی سے) جی نہیں۔ ابتک بالکل اتفاق نہیں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ بجز چند دوستوں کے مجھے یہاں اوروں سے ملنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ دفتر کے کام سے فرصت بھی بہت کم ملتی ہے۔

مہ جبین:۔ بجا ہے۔ کیا میں اسکی امید کر سکتی ہوں کہ آپ اپنے دوستوں کے حلقے میں مجھے بھی داخل کر لیں گے؟

انور:۔ (مسکرا کر) آپ تو مجھے کانٹوں میں گھسیٹتی ہیں!

مہ جبین:۔ (عجیب طرح سے انور کو دیکھکر) آپکی طبیعت میں انکسار بہت ہے!!

انور:۔ (مسکرا کر) اور ذرا اتفاق تو دیکھئے کہ مجھے بھی آپ سے یہی شکایت ہے!!

مہ جبین:۔ انور صاحب کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے زیادہ حسین شخص میری نظروں سے آج تک نہیں گذرا۔؟

انور:۔ (مسکرا کر) تو کیا آپ مجھے یہ کہنے کی جرأت دلا رہی ہیں کہ آپ سے زیادہ حسین لڑکی میری نظروں سے کوئی نہیں گذری؟

مہ جبین:۔ سچ بتائیے انور صاحب آپ کو حسن کی یہ بے مثل اور بے بہا دولت کہاں سے ملی۔؟

انور:۔ (مسکرا کر) اسی بچے کھچے خزانۂ ازل سے جسے آپ پہلے ہی لوٹ چکی تھیں؟

مہ جبین:۔ (فاتحانہ تبسم کے ساتھ) غلط اور کس قدر غلط! کیونکہ اس خزانہ حسن پر جناب کی دست برد مجھ سے کم از کم پانچ دس سال قبل ہی ہو چکی تھی!! آپ کچھ چھوڑتے تو شاید مجھے بھی تھوڑا بہت مل جاتا۔

النور:۔ کمال حسن تو یہی ہے کہ احساس حسن نہ ہو۔

مہ جبین:۔ میں سچ کہتی ہوں چاہے آپ اس کا یقین نہ کریں کہ میں نے آج سے پہلے بھی آپکو دیکھا ہے۔ عالم رویا اور عالم بیداری کے خوابوں میں میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ ہر لڑکی کی دنیائے خیال کا ایک شاہزادہ ہوتا ہے اسی کو زندگی میں وہ ڈھونڈتی ہے۔ کبھی پاتی ہے اور اکثر نہیں پاتی۔ میں کیسی خوش قسمت ہوں کہ جس کو میں عالم خواب میں اکثر دیکھا کرتی تھی اسکو محض حسن اتفاق سے میں آج پا گئی۔

کجا نصیب کہ چینم گلے ز بستانش
غنیمت است مرا نکہت گلستانش

النور:۔ جو روشنی تاریکی میں دکھائی دے ضروری نہیں کہ وہ تجلّی کوہ طور ہی ہو۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اگیا بیتال یا نظر کا محض ایک فریب ہو۔ لہذا میرے متعلق بہت جلد کوئی رائے قائم نہ کیجئے!! ممکن ہے کہ آپ کو دھوکا ہو!!

مہ جبین اس کا کچھ جواب دینے ہی والی تھی کہ موٹر ڈرائیور دونوں کی دلچسپ گفتگو میں نہایت غیر دلچسپ طریقے سے اس طرح دخیل ہوا۔

"حضور بالا بار ہلز تو آ گیا۔ اب کس راستے سے چلوں؟"

النور:۔ سیدھے چلے چلو۔ پھر بائیں طرف مڑ جانا۔

چند منٹ کے بعد انور نے موٹر ڈرائیور سے کہا۔ "روکو۔ اس بنگلے کے آگے روکو۔"

موٹر رک گیا۔ انور اور مہ جبین اتر کر فیری پیلیس میں داخل ہوئے۔ مہ جبین دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گئیں اور کہنے لگیں "بس بس میں نے طے کر لیا۔ میں یہی

ہونگی۔ کیسا خوبصورت بنگلہ ہے۔ واقعی اسم بامسمّی ہے۔ یقیناً اسمیں پریاں رہتی ہونگی!!

انور:۔ (مسکراکر) اور اگر پہلے نہیں بھی رہتی تھیں تو اب رہیں گی!۔

مہ جبین:۔ (آہ سرد بھر کر) کاش مردوں کی تعریفوں میں کبھی سچائی ہوتی!۔۔

انور:۔ (مسکراکر) میں جھوٹ نہیں بولتا آئینہ میرا گواہ ہے۔

مہ جبین:۔ (ایک گلاب کے پھول کی طرف اشارہ کرکے) انور صاحب۔ دیکھئے یہ کیا خوبصورت پھول ہے۔!!

انور نے پھول توڑ کر مہ جبین کو دے دیا۔

مہ جبین:۔ (ہاتھ میں لیکر) شکریہ (سونگھ کر) خوشبو بھی اسکی کیسی پیاری ہے آپ کو تکلیف تو ہوگی (ساری سے ایک سونے کا سیفٹی پن نکال کر) اس پھول کو میری ساری میں یہاں (بائیں کاندھے کے کچھ نیچے کیطرف اشارہ کرکے) لگا دیجئے۔ میں اسے ہاتھ میں لئے رہونگی تو یہ بہت جلد مرجھا جائے گا!!

انور اس بیباک فرمائش پر پہلے تو کچھ جھجکا۔ پھر قاسم بھائی کی ملتجی نگاہوں کا خیال کرکے اس نے مہ جبین کے ہاتھ سے پھول اور سیفٹی پن لے لیا۔

مہ جبین مسکراتی ہوئی آکر انور کے سامنے قریب قریب اس سے ملکر کھڑی ہوگئی!! اسکی ساری انور کے جسم سے بہت دور نہ تھی۔ اس کے کپڑوں کے نشہ انگیز خوشبو اور اسکے جسم کا قرب اپنا برقی اثر انور کے اعصاب پر ڈالنے لگا۔ وہ بار بار کوشش کرتا تھا مگر پھول اچھی طرح لگتا ہی نہ تھا۔ انور کے گلابی چہرے اور مہ جبین کے آتشیں رخسار وں میں اس وقت بہت ہی خطرناک قرب تھا۔ اس کا دل عجیب عجیب طرح سے دھڑکنے لگا۔ اسکی انگلیوں میں تھوڑا تھوڑا رعشہ محسوس ہونے لگا۔ اسکی رگ رگ میں ایک برقی ارتعاش اسکے خون میں ایک غیر مانوس موج سا پیدا ہو گیا۔

مہ جبین بار بار اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر اور عجیب معنی خیز دلستاں انداز سے

مسکرا کر کہہ رہی تھی" واہ انور صاحب! آپ سے ذرا سا پھول نہیں لگتا؟"

پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور   کس کو دعویٰ ہے پارسائی کا

انور کا گلابی چہرہ ہر ایسے فقرے کے بعد اور سرخ ہو جاتا تھا اور جلنے لگتا تھا۔ اس کے عصباتی ہیجان سے پھول سیفٹی پن میں اور بھی نہیں لگ رہا تھا اسی کوشش میں مہ جبین کی نرم اور ملائم ساری اور چکنے چکنے مخملی بلاؤس پر اسکی کانپتی ہوئی انگلیاں پھسل پھسل اِدھر اُدھر ایسی بہک بہک جاتی تھیں کہ اس کا خون اور بھی اسکی رگوں میں جست کرنے لگتا تھا۔ اسکی متعدد ناکامیاب کوششوں اور مہ جبین کے جسم کے انتہائی قرب اور اسکی برق پاش معنی خیز مسکراہٹ اور شراب کی سی تاثیر رکھنے والی مست جادو بھری آنکھوں کی عشوہ گری کا بالآخر یہ اثر ہوا کہ انور کے جسم بھر میں اک آگ سی بھڑک اٹھی۔

جنبش نے اس نگاہ کی مخمور کر دیا
منت کشِ صراحی و ساغر نہیں ہوں میں

اس کا حلق خشک ہو گیا اسکا چہرہ اس طرح جلنے لگا جیسے اسے بہت تیز بخار ہو مہ جبین کا سر اسکے چہرے سے کئی بار لگ کر الگ ہو گیا۔ انور اس وقت یہی سمجھا کہ یہ اتفاق ہے۔ اسکے قلب میں ایک غیر معمولی تشنج کی سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ اس کے دل میں شدید دھڑکن عجیب قسم کی دھڑکن تھی...... ساری عمر میں کبھی وہ اس قدر متاثر نہیں ہوا تھا...... آج اس کے نئے نئے شباب کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ عورت اور بالخصوص ایک جوان اور حسین عورت میں مرد کیلئے کس قیامت کا انجذاب کس غضب کی مقناطیسی کشش ہوتی ہے...... یک بیک ایک وحشی، بیباک، مجنونانہ خیال اسکے دل میں آندھی کی طرح آیا کہ وہ مہ جبین کو اپنی پوری طاقت اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے سینے سے لپٹا لے اور اسے بھینچ بھینچ کر اس کے پتلے پتلے

سُرخ سُرخ ملائم ملائم بوسہ طلب ہونٹوں کے ہزاروں بوسے لے لے!!!.... اس خیال سے اس کا خون اور بھی کھولنے لگا..... اس کا سر چکرانے لگا..... وہ دفعتاً اپنے تمام پاکیزہ اصول بھول گیا.... نیک و بد کا احساس اسکے دل و دماغ سے جاتا رہا۔ مذہب کا خیال کافور ہو گیا!! خدا اور رسول کا اسکی دنیا میں وجود نہ رہا۔ دل نے شہ دی۔ عقل نے منع کیا۔ مذہب نے کہا گناہ ہے۔ کھولتے ہوئے خون نے کہا۔ اونہہ! دیکھا جائیگا؟!.... اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے موسم باراں کے بڑھتے ہوئے اُبلتے دریا میں اسکی کشتی ڈوب گئی۔ اور اس دریا کا طوفانی دھارا اپنی پوری طاقت اور تیزی سے عروس سامان تاروں بھری چاندنی رات میں اُسے بہائے لئے جا رہا ہے اور وہ بہا جا رہا ہے.... ڈوب جانا چند لمحوں کا سوال تھا۔ قریب تھا کہ وہ اس وحشی مجنونانہ خیال پر عمل کر بیٹھے۔ مہ جبین کو اپنے چوڑے سینے اور مضبوط ہاتھوں سے دبا دبا کر مجروح کر ڈالے..... اور مہ جبین بھی مشتعل مگر منجمد چہرے۔ گرم گرم سانسوں نیم باز آنکھوں اور مخمور نگاہوں سے اس فیصلہ کن لمحہ کا انتظار کر رہی تھیں..... دفعتاً ایک موٹر تیزی سے سامنے سڑک پر سے گذر گیا۔ انور نے دیکھا...... اس میں کشور اور عذرا بیٹھی ہوئی تھیں۔ بجلی کی طرح موٹر آیا اور نکل گیا...... مگر انور نے دیکھا کہ فضا میں جہاں سے وہ گذرا تھا چمکتے ہوئے برقی حروف میں لکھا تھا "انور! یہ کیا؟"

اس کے جذبات میں دفعتاً ایک انقلاب پیدا ہوا کشور کے محبوب حسن کی تجلّی نے اسکو یکبارگی جگا دیا اسکی آنکھیں کھل گئیں اس کا نشہ یک بیک اُتر گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی گہرے پُرجوش دریا میں ڈوب رہا تھا۔ اور کسی نے آکر اسے دفعتاً بچا لیا۔ ندامت کا ٹھنڈا پسینہ اسکی پیشانی پر چمکنے لگا.... خون کا طوفان فرو ہونے لگا۔ جذبات حیوانی کی آندھی جس تیزی سے چڑھی تھی اُسی تیزی سے اُتر گئی!! .... اور وہ اس انور کو دل ہی دل میں لعنت اور ملامت کرنے لگا جو مہ جبین کے

حسن گلو سوز سے مدہوش ہو کر اپنے آپ کو کچھ دیر کیلئے بالکل بھول گیا تھا!!.....

انور کے چہرے کا تغیر دیکھ کر مہ جبین بولی۔

"کیوں انور صاحب آپ کس سوچ میں پڑ گئے۔"

انور :۔ (شرما کر) کچھ نہیں۔

مہ جبین :۔ (مسکرا کر) نہیں۔ کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔ اس موٹر میں کون تھا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں؟........

انور :۔ ضرور!!

مہ جبین :۔ تو پھر بتائیے اس میں کون تھا۔؟

انور :۔ (مسکرا کر) پوچھنے کی اجازت تھی۔ جواب دینے کا وعدہ نہ تھا!

مہ جبین :۔ (مسکرا کر) خیر آپ بتانا نہیں چاہتے تو میں ہی بتائے دیتی ہوں کہ ان میں سے ایک مسز ممتاز اور ایک مس ہاشم بھائی تھیں۔ میں نے آج ہی صبح کو انہیں اسی موٹر پر "ایشیاٹک موٹر اسٹورز" میں دیکھا تھا جہاں میں کچھ چیزیں لینے گئی تھی میں ان کو نہیں جانتی تھی۔ مگر دریافت کرنے پر مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم ہوا۔ مس ہاشم بھائی نے تو چند ہی دنوں میں سارے بمبئی میں ہلچل مچا دی ہے..... معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی انھیں کی تیغ ابرو کے گھائل ہیں۔

انور :۔ (خوددارانہ لہجے میں) مجھے مس ہاشم بھائی کی دوستی کا فخر ضرور حاصل ہے۔

مہ جبین :۔ (ہنستے ہوئے) شاید تو میں بھی سمجھ سکتی تھی کہ آپکو انسے دشمنی نہیں ہے

انور :۔ گلاب کا پھول اور سیفٹی پن واپس کر کے کہئے یہ پھول لے لیجئے۔ آپکو زحمت تو ضرور ہوگی۔ مگر آپ خود ہی لگا لیجئے!! (مسکرا کر) میں اس لطیف فرض کو بخوبی انجام نہ دے سکا اور نہ دے سکتا ہوں..... معاف فرمایئے گا۔

مہ جبیں کی ہنسی دفعتاً رک گئی۔ اس نے پھول انور کے ہاتھ سے لینے کو تو لیا مگر

بالکل خاموشی سے۔ اس کا چہرہ اُتر گیا۔ ندامت سے اسکی آنکھیں جھک گئیں۔ کچھ غصے کچھ جھنجھلاہٹ۔ کچھ شرمندگی سے وہ دانتوں سے اپنے ہونٹ دبا کر کچھ دیر کیلئے بالکل ساکت ہو گئی!!.........

انور بھی خاموش ہو گیا...... ...

انور:۔ (کچھ عرصے کے بعد) چلئے اب واپس چلیں بنگلہ تو آپنے دیکھ ہی لیا

مہ جبین:۔ جی ہاں! چلئے!۔ دیکھ تو لیا!!

دونوں خاموشی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے موٹر تک چلے گئے۔

انور:۔ اب تو آپ اپنے گھر تشریف لے جائینگی۔ مجھے اجازت دیجئے۔ میں ٹیکسی کر لوں گا۔ تکملہ معاہدہ کے لئے جو وقت مناسب خیال فرمائیے گا اسکی اطلاع دیدیجئے گا...... آداب عرض ہے۔

مہ جبین:۔ (مسکرانے کی کوشش کرکے) ٹھہریئے ٹھہریئے۔ آپ جاتے کہاں ہیں؟ میرے ساتھ ہی چلئے۔ میں آپ کو دفتر تک پہنچا کر اپنے گھر چلی جاؤنگی۔ کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے۔؟

انور:۔ نہیں تو۔ میں آپ سے خفا کیوں ہونے لگا۔ (عالم جاں کا خیال کرکے) معاف فرمائیے گا اگر میری کوئی بات آپکو ناگوار ہوئی ہو!!

مہ جبین کے چہرے کی شگفتگی پھر کچھ واپس آ گئی۔ وہ کہنے لگی۔ "میں سمجھی کہ شاید آپ بُرا مان گئے...... اچھا تو آپ کو میرے ساتھ ہی واپس چلنا ہوگا ورنہ میں سمجھونگی کہ آپ ضرور مجھ سے خفا ہیں۔"

انور:۔ مجھے آپ کے ساتھ جانے میں کب انکار تھا۔ میں نے تو صرف اس خیال سے کہا تھا کہ آپ کو زحمت ہوگی۔

مہ جبین:۔ (مسکرا کر) ایسی زحمت کو میری زبان میں عین مسرت کہتے ہیں۔

موٹر میں بیٹھ کر دونوں روانہ ہو گئے۔

مہ جبین :۔ (کچھ عرصے تک خاموش رہنے کے بعد) کیوں انور صاحب کیا میں اسکی امید کر سکتی ہوں کہ آپ سے پھر کبھی ملاقات ہو سکے گی۔

انور :۔ ملاقات کی مسرت تو تنہا میری ہی ہو گی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ میں ملازم ہوں اور آپ جانتی ہیں کہ ملازمت کی قید کیسی سخت ہوتی ہے!!...

مہ جبین :۔ جی ہاں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آنے کے سو طریقے اور نہ آنے کے ہزار بہانے ہو سکتے ہیں (شکایت کے لہجے میں) بہانے آپ کیوں کرتے ہیں۔ ع صاف کہدیجیے ملنا ہمیں منظور نہیں۔

انور :۔ (مسکرا کر) کس کو آپ سے ایک بار مل کر دوسری بار ملنے کی خواہش نہ ہو گی۔ مگر...... مجبوری......

مہ جبین :۔ (شوخی سے بات کاٹ کر) کیا مس ہاشم بھائی کا نام مجبوری ہے.... مجھے معلوم نہ تھا۔

انور :۔ (ہنس کر) آپ کی باتیں تو لاجواب ہوتی ہیں۔ مگر میں کہنے والا تھا کہ مجبوری اور ملازمت ہم معنی الفاظ ہیں۔

مہ جبین :۔ عجیب التجا آمیز انداز سے) انور صاحب! خدا کیلئے نا امید نہ کیجئے! کہدیجئے کہ آپ آئیں گے۔ چاہے پھر آپ نہ آئیے گا۔ آپ کو میری جان کی قسم۔ انکار نہ کیجئے۔ کچھ تو امید دلاتے جائیے۔ گو جھوٹی ہی سہی آپ کو انکار کرتے رحم نہیں آتا؟ یا رحم کرنے سے آپ کو انکار ہے

آپ اک نہیں سے خون تمنا نہ کیجئے
برباد میرے شوق کی دنیا نہ کیجئے

انور :۔ (مسکرا کر) ابھی کل ہی میرے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ عورت کو

سچ کی برداشت نہیں ہے۔ وہ مرد کے صرف ایک خوبصورت جھوٹ پر زندہ رہ سکتی ہے..... اچھا اگر آپ جھوٹا ہی وعدہ چاہتی ہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں

مہ جبین :۔ مذہب عشق میں ناامیدی مطلق سے امید باطل اچھی ہوتی ہے!!

اتنے میں موٹر کریم بھائی قاسم بھائی کے دفتر کے سامنے رُکا.......

انور :۔ (موٹر سے اُتر کر) عنایات کا شکریہ۔ خدا حافظ

مہ جبین :۔ (انور سے ہاتھ ملا کر) خدا حافظ اچھا جائیے۔ اگر دیکھئے اتنے عرصہ کے بعد نہ آئیے گا۔ آپکا یہ پھول میری امیدوں کے ساتھ نہ مرجھا جائے"!

موٹر مہ جبین کے مکان کی طرف روانہ ہوگیا اور انور اسے دیر تک کھڑا دیکھتا رہا

....

وہ سوچ رہا تھا "دنیا کی تمام خطرناک چیزوں میں سب سے خطرناک چیز عورت ہے!! دنیا کے تمام گناہوں سے بچنا ممکن ہے۔ تخت و تاج سے دست بردار ہوجانا سہل ہے، مال و دولت۔ ثروت و حشمت کو ٹھکرا دینا آسان ہے۔ مگر عورت کی محبت بھری آنکھوں کی مقناطیسی کشش اور اس کے نرم و نازک یاقوتی لبوں کی تقوی شکن دعوت رد کر دینا..... مشکل بہت مشکل بے انتہا مشکل ہے!!

....

ادھر مہ جبین اپنی سیلون کار پر معشوقانہ انداز سے تکیہ لگائے سر مخملی گدے پر رکھے آنکھ بند کئے سوچ رہی تھی :۔

عرض نیاز عشق کے قابل بنا دیا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

انور۔ خدا نے جس قدر حسین بنایا ہے اس سے زیادہ ستمگر!!..... مگر میں بھی دیکھونگی کہ تمھارا بے رحم سنگین دل کب تک نہیں پسیجتا؟ کب تک تم مجھ سے کمان

کی طرح کھنچے رہتے ہو؟ اگر میرے دل میں محبت ہے اور محبت میں تاثیر ہے تو قسم ہے اپنی محبت اور تمھارے حسن کی ایک دن تم بھی میر اکلمہ پڑھو گے!! تمھارے بیدرد دل میں بھی ایک دن میرا درد ہوگا۔ تم بھی میرے لئے تڑپو گے۔ بیقرار ہو گے۔ آہیں بھرو گے۔ نالے کرو گے۔

الٰہی دے اثر ایسا مری بیتابئ دل میں
چلے آئیں کلیجہ تھام کر وہ مری محفل میں

آہ۔ ستم ایجاد قسمت کی نیرنگی!! جنکی میں پروانہ کروں وہ مجھ پر جان دیں اور جن پر میں جان دوں وہ میری پرواہ نہ کریں...... تمھاری خلاف امید کشیدگی کا صرف ایک ہی سبب ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ میں ایک طوائف ہوں۔ اور طوائف سے زیادہ دنیا میں کوئی ذلیل اور قابل نفرت ہستی نہیں۔ تمھارا انکار کہ تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں محض ایک تجاہل عارفانہ تھا۔ تمھاری کشیدگی کا یہی سبب ہے، یہی سبب ہے!! یقیناً یہی سبب ہے!!! اگر آج میں بھی کسی شریف گھرانے کی لڑکی ہوتی تو تم مجھ سے اس قدر بے اعتنائی سے پیش نہ آتے مجھ سے ایسا حقارت آمیز برتاؤ نہ کرتے۔.........

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے — کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

ہائے میں ایسے منحوس گھر میں پیدا ہی کیوں ہوئی؟ مگر کیا یہ میرا قصور تھا؟ نہیں یہ میری قسمت! میری پھوٹی ہوئی قسمت کی ستم شعاری ہے!!! بڑی باجی محض سفید سفید چاندی اور پیلے پیلے سونے کے لئے میری عزت۔ میری آبرو، میری عصمت سر بازار سب سے بڑی بولی بولنے والے کے نام نیلام کرنا چاہتی ہیں۔! عورت ذات ہو کر انھیں ذرا بھی شرم نہیں آتی...... آہ! صرف اس لئے کہ میں ایک طوائف کے گھر میں پیدا ہوئی ہوں۔ میں صرف طوائف ہی ہو کر زندگی بسر کر سکتی ہوں۔ کسی اور قسم کی زندگی میرے لئے محال ہے!!

اب اگر میں زندہ رہنا چاہتی ہوں تو صرف اس شرط پر زندہ رہ سکتی ہوں کہ بے حیا ہو کر زندہ رہوں۔ اپنی عزت آبرو بیچکر زندہ رہوں۔ زندگی کے تمام پاکیزہ اصولوں پر خاک ڈالکر زندہ رہوں۔ اپنی عصمت کے خون میں نہا کر زندہ رہوں۔ اپنی شرم و عفت کو پیروں سے کچل کر زندہ رہوں...... اور میں کیا مجھ ایسی ہزاروں اور لاکھوں لڑکیاں میری ہی طرح قسمت کی ہر جھونکی بے بس شکار ہیں۔!

افسوس صد ہزار افسوس!! ہماری بدبختی بھی کیسی افسوسناک بدبختی ہے ہم کیسے ذلیل اور بدنصیب ہیں۔ ہم کیسے سخت عذاب میں گرفتار ہیں؟ طعنہ دینے کو تو طعنے سب ہی دیتے ہیں مگر ہم پر رحم کسی کو بھی نہیں آتا۔ حالانکہ اگر دنیا میں کوئی طبقہ قابل رحم ہے تو وہ ہمارا بدنصیب طبقہ ہے!! مانا کہ ہم بُرے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ مگر اسکا ذمہ دار کون ہے؟ ہماری عصمت۔ ہماری آبرو۔ ہمارے مذہب ہمارے ایمان۔ ہماری زندگی کا خون کس کی گردن پر ہے؟ انھیں ہنسنے والوں کی گردن پر جو ہم پر ہنستے ہیں۔ انھیں ذلیل کرنے والوں کی گردن پر ہے جو ہمیں ذلیل کرتے ہیں! انھیں سیہ کاروں کی گردن پر جو ہمیں روسیاہ کرتے ہیں!!! سوسائٹی جو ہمیں ناپاک سمجھتی ہے اور ہم سے دامن بچا کر چلتی ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اسی نے ہمیں پالا ہے۔ اسی نے ہمیں ترقی دی ہے۔ وہی ہماری سرپرست ہے۔ آج سے نہیں! ہزاروں برس سے! اس وقت سے جس وقت یہ دنیا جوان تھی! وہ وہی مکار اور بے شرم سوسائٹی ہمکو ذلیل و ناپاک سمجھتی ہے۔ مہذب دُنیا شراب فروشی کو تو ایک جرم قرار دیکر اسکو سارے ملک میں حرام کر دیتی ہے مگر جسم فروشی کے لئے سرکاری ڈاکٹر مقرر کرتی ہے۔ باقاعدہ انتظام اور اہتمام کرتی ہے۔ شراب فروشی کی ممانعت اور جسم فروشی کی عام اجازت ہی!!

افسوس! دنیا تو دنیا! خدا کو بھی ہماری پرواہ نہیں۔ خدا کو بھی ہم پر رحم نہیں آیا! کیا کوئی فرقہ بہشت کے لئے اور کوئی فرقہ دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ کیا جنتی

اور جنتی پیدا ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کیا اسی کا نام انصاف ہے ؟ میں نے کون ایسا جرم کیا تھا کہ میں ایک طوائف کے پیٹ سے اور ایک طوائف کے گھر پیدا ہوئی اور ان مغرور اور بدصورت لڑکیوں نے جو مجھے ناقابل بیان حقارت سے دیکھتی ہیں کون ایسا نیک کام کیا تھا کہ وہ شریف زادیوں کے پیٹ سے اور شریف خاندانوں میں پیدا ہوئیں ؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مجھ ستم نصیب کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کے لئے اور ان بدصورت مغرور لڑکیوں کو بہشت کے دلکش باغ اور روح افزا نہروں کیلئے پیدا کیا ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دنیا اور دنیا والوں کی ہم کیا شکایت کریں۔ اے خدا ہم کو تجھ سے شکایت ہے کہ تو نے ہمیں کیوں ایسا بنایا !! اے خالق ہمکو تجھ سے شکایت ہے شکوہ ہے کہ تو نے ہمیں کیوں ایسا پیدا کیا ؟ جی میں آتا ہے کہ ان شکنجوں کو توڑ دوں۔ ان زنجیروں کے پرخچے اڑا دوں۔ سوسائٹی سے بغاوت کروں۔ اس پرانی زمین اور اس پرانے آسمان کو دوزخ میں ڈالکر اپنے لئے ایک نئی زمین ایک نیا آسمان بنالوں سگر آہ میں بہت کمزور ہوں۔ مجبور ہوں۔ بزدل ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری ہمت میری خواہشوں کا ساتھ نہیں دے سکتی! میرے ارادے بلند اور میرے حوصلے پست ہیں۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ہاں ! ہاں ! ایک قوت ہے۔ بس ایک قوت ہے جو بزدل کو دلیر جو کمزور کو شہ زور بنا دیتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ محبت کی برقی تاثیر وہ محبت کی معجز نما قوت ، انور !!! اگر تم مجھ سے محبت کرنے لگو تو شاید نہیں ! نہیں ! یقیناً میرا دل قوی میری ہمت بلند ہو جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آہ میں کس قدر قابل رحم ہوں کہ تمہاری بے رخی پر بھی میرا دل تمہاری محبت میں ڈوبا جاتا ہے !!

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا　　دشمنی پر تو پیار آتا ہے

بہت دیر سے موٹر مہ جبین کے مکان کے سامنے کھڑا ہوا تھا......
محمود نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"حضور۔ مکان آگیا......"
مہ جبین چونک پڑی۔ اس نے آنکھیں کھولدیں.... پھر وہی مکان
وہی ہمسائے۔ اُسی حُسن پرست خلقت کا ہجوم تھا!!!
وہ موٹر سے نہیں اُتری بلکہ آسمان سے زمین پر اُتر آئی۔

چھٹا باب

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہیکو ہے خواب ہے دیوانے کا

مہ جبین اور انور کی نرالی ملاقات کے دوسرے دن انور تاج محل ہوٹل میں کشور کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ کشور بہت اُداس بیٹھی ہے۔ اسکی آنکھوں کی سرخی اور تازہ نمی بتا رہی تھی کہ اُسے آنسو بہائے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے!!

انور:- (قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھکر متردد لہجے میں) کیوں خیریت تو ہے؟ آج آپ کی طبیعت کیسی ہے؟......

کشور:- (آنکھیں نیچی کرکے)..... کچھ نہیں اچھی تو ہوں۔

انور:- نہیں آپکی آواز اور چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ روئی ہیں۔ بتائیے۔ سچ بتائیے۔ آپ کیوں روئی ہیں؟ یا اسکی کوئی وجہ ایسی ہے جو آپ مجھ

پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں؟
کشور:- آپ سے؟.... ہرگز نہیں!..... دیکھئے یہ خط مجھ کو میرے ماموں جان نے لکھا ہے۔
انور نے کشور سے خط لے لیا اور پڑھنے لگا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔
ڈیر کشور

مجھے یہ سنکر خوشی ہوئی کہ تم اچھی ہو گئیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے مجھے تمہارے متعلق ایسے مکروہ اور شرمناک واقعات معلوم ہوئے ہیں جن کا اگر مجھے کامل ثبوت نہ ملتا تو میں ایک لمحے کے لئے بھی ہرگز باور نہ کرتا۔ مجھے اسکی امید نہ تھی کہ تم ایسی بے شرم آبرو باختہ اور بیباک نکلوگی۔ خود ذلیل ہوگی اور اپنے خاندان کو بھی ذلیل کروگی.......
مجھے تعجب ہے اور سخت تعجب ہے کہ تم کو ایک کم بضاعت آوارہ اور بدمعاش لڑکے کے ساتھ اس طرح علانیہ اسکی معشوقہ ہو کر رہنے کی کیسے جرات ہوئی۔ تم سمجھتی ہو کہ دنیا اندھی ہے!! مگر نہ تو دنیا اندھی ہے اور نہ گونگی ہے۔ دُنیا تمھاری بے حیائی اور بد اطواری پر لعن طعن کر رہی ہے تو تمھارا جرم ناقابل معافی ہے مگر میں تم کو ایک آخر موقع راہِ راست پر آنے کا دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم یہ خط دیکھتے ہی فوراً اس کمینے اوباش کو چھوڑ دو جس نے تمھیں اپنے دامِ فریب میں پھنسا رکھا ہے۔ اور میرے پاس چلی آؤ اور میرے قدموں پر گر کر معافی مانگو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھ لینا کہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ میں تمھیں اور تمھارے بدمعاش عاشق کو ایسی سخت اور سنگین سزا دونگا کہ تم عمر بھر یاد کروگی..... آخر میں میں صرف یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ تم اسکو محض ایک بے بنیاد اور بے سروپا

دھمکی نہ سمجھنا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ کر کے دکھا بھی دیتا ہوں۔

تمھارا ماموں اور ولی تاقیامت

رحیم بھائی

خط پڑھتے پڑھتے انور کے خوبصورت چہرے کا رنگ لال بھبوکا ہو گیا!!! اسکے بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کا خون غصہ سے کھولنے لگا۔ اس نے ضبط کرنے کی بہت کوشش کی مگر ضبط نہ کر سکا۔ وہ بیتاب ہو گیا اور غصہ سے کانپتا ہوا کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اسکی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے!!

....

کشور۔ (انور کی صورت دیکھ کر خود بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی) مسٹر انور! مسٹر انور آپ۔۔۔ آپ کہاں جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟

انور۔ (غصہ سے کانپتا ہوا) ارادہ؟۔۔۔۔ (دانت پیستے ہوئے مٹھیاں بند کر کے) میرا ارادہ یہ ہے کہ میں جاؤں اور اس بدزبان کمینے کو ایسی سزا دوں کہ اگر وہ زندہ بچ بھی جائے تو بھی مرتے دم تک یاد کرے کہ کبھی اس نے مار کھائی تھی۔۔۔۔۔۔ جو کچھ اس نے مجھے گالیاں دی ہیں خدا کی قسم مجھے انکی ذرا بھی پروا نہیں۔ مگر آپ ایسی فرشتہ صفت۔ پاکباز اور معصوم لڑکی پر ایسا جھوٹا الزام۔ ایسا ذلیل بے بنیاد بہتان لگانا میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ "میں جاتا ہوں اور جا کر اس بزدل خبیث کو ایسا سبق دونگا جسے وہ اپنی ناپاک زندگی کی آخری سانس تک نہ بھول سکے۔۔۔۔۔ یہ کہکر انور کمرے کے باہر جانے کی غرض سے دروازے کیطرف تیزی سے بڑھا۔۔۔۔ کشور نے دوڑ کر انور کی آستین پکڑ لی۔

انور۔ مس ہاشم بھائی خدا کے لئے آپ مجھے اس وقت نہ روکئے! مجھے جانے دیجیئے! میں جب تک اس کمینے شیطان کو پوری سزا نہ دے لونگا مجھے چین نہ آئیگا۔

یہ کہکر انور نے آہستہ سے اپنی آستین چھڑالی! اور دروازہ کھولکر باہر نکلنے ہی کو تھا کہ کشور نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچکر کہنے لگی۔

مسٹر انور! مسٹر انور! خدا کے لئے بے سوچے سمجھے کوئی غیر ذمہ دارانہ فعل نہ کر بیٹھیئے گا۔ ٹھہریئے۔ ٹھہریئے۔ میری بات سن لیجئے۔ ابھی نہ جائیے۔ آپ کو میری جان کی قسم ابھی نہ جائیے!!........

انور:۔ مس ہاشم بھائی آپ مجھے اس وقت بیکار روک رہی ہیں۔ مجھے

کشور:۔ بس آپ میری ایک بات سن لیجئے زیادہ نہیں۔

انور:۔ (رک کر) اچھا فرمایئے! میں سن رہا ہوں۔

کشور:۔ نہیں آپ پہلے چلیئے چلکر کرسی پر بیٹھیئے۔ پھر میں آپ سے کہونگی۔

کشور انور کا ہاتھ پکڑے اسے کرسی تک لے گئی۔ انور بیٹھ گیا۔ کشور بھی کرسی کھینچکر انور کے پاس لے آئی اور کہنے لگی۔ (نہایت شیریں اور سنجیدہ لہجہ میں) دیکھئے مسٹر انور! آپ جو ارادہ کر رہے ہیں وہ بغیر سوچے سمجھے ہوئے۔ بغیر اچھی طرح سے غور کئے ہوئے...... میں جانتی ہوں کہ اس سے زیادہ ذلیل اور توہین آمیز الفاظ نہیں ہو سکتے اور ایسے کمینے شخص کی جو کچھ بھی سزا دی جائے وہ کم ہے مجھے بھی غصہ آیا میرا بھی دل دکھایا ہے میرا بھی خون کھولا ہے۔ جو بہتان اس خبیث نے مجھ پر لگایا ہے وہ میں جانتی ہوں۔ آپ جانتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ جھوٹا اور سراسر جھوٹا ہے..... میں عرصے تک اپنی بدقسمتی پر تنہائی میں روئی ہوں مگر جب میرے آنسو خشک ہو گئے تو میں نے ہر پہلو پر غور کیا ہے ہر بات کا وزن کیا ہے اور گو میرا غصہ بظاہر فرو ہو گیا ہے مگر ارادہ پہلے سے ہزار گونا سخت ہو گیا ہے کہ میں اس انسان نما شیطان سے ایسا بدلہ لوں کہ اسکی آخرت تو خراب ہے ہی اسکی دنیا بھی برباد ہو جائے جس کے لئے اس نے اپنی آخرت خراب کی ہے!!

الور:۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ آپ قانوناً اس شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں اگر اس سے کوئی بدلہ لیا جا سکتا ہے تو صرف غیر قانونی طریقے سے۔

کشور:۔ دیکھئے اگر آپ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اور اسکو جان سے مار بھی ڈالیں تو دنیا الٹا آپ ہی کو بُرا کہے گی۔ جو نتیجہ نکلے گا اس کو اسی سے ہمدردی پیدا ہو گی۔

الور:۔ یہ تو سب ٹھیک ہے! مگر پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی اتنی بڑی توہین چپکے سے نگل لیں اور خاموش ہو جائیں۔

کشور:۔ بہترین لڑائی دماغ کی لڑائی ہوتی ہے۔ ہاتھ پیر کی نہیں۔ دماغ کی قوت ہاتھ پیر کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اسکی مار بھی مقابلتاً زیادہ سخت ہوتی ہے۔!

الور:۔ اصولاً یہ سب صحیح ہے جو آپ فرماتی ہیں۔ مگر عملاً کوئی صورت بدلہ لینے کی دکھائی نہیں دیتی۔ میں نے یہاں کے بہترین قانون دانوں سے رائے لی مگر وہ سب متفق ہیں کہ رحیم بھائی کو آپ کی ولایت سے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔

کشور:۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر دنیا میں کوئی چیز محال نہیں۔ سارا قصور خود ہماری ہی کوتہ بیں عقل اور نارسا فہم کا ہے!!

اس وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

الور:۔ کون؟

ممتاز:۔ آپکا خادم ممتاز اور خادمہ عذرا!! ہم لوگ آ سکتے ہیں؟ اجازت ہے؟

کشور:۔ ضرور۔ ضرور تشریف لائیے عنایت ہو گی۔

ممتاز:۔ (کمرے میں داخل ہو کر) آپ دونوں تو اسوقت ایسی سنجیدہ صورتیں بنائے ہوئے بیٹھے ہیں جیسے دس منٹ کے اندر ہی اندر قیامت آنے والی ہے!

کشور:۔ (مسکرا کر) قیامت تو نہیں آنے والی ہے۔ مگر اس وقت آپ دونوں بڑے موقع سے آگئے۔ ہمکو آپ سے ایک نہایت اہم معاملے میں مشورہ لینا ہے کیونکہ نہ آپسے بہتر کوئی دوست نہ آپکی رائے سے بہتر ہمیں کوئی رائے مل سکتی ہے!

ممتاز:۔ (ظرافت آمیز لہجے میں)۔۔۔ ضرور! ضرور! اگر میں آپکو کوئی مفید مشورہ نہ دے سکا تو میں سمجھوں گا کہ قدرت نے مجھے عدم سے وجود میں لانے کی زحمت بالکل بیکار ہی گوارا کی اور خودکشی کر لینا میرا فرض مذہبی ہو جائے گا۔

کشور نے تمام واقعات مختصر طریقے سے ممتاز سے کہدیئے۔ ممتاز نے رحیم بھائی کا خط بھی پڑھا۔ اور قانون دانوں کی رائے بھی سُنی کہ رحیم بھائی کو ولایت سے برطرف کرنیکی کوئی کافی وجہ نہیں ہے۔

کچھ دیر تک تو ممتاز بالکل گُم صُم بنے ہوئے کھڑکی سے باہر سمندر کی موجوں کو دیکھتے رہے۔ پھر یکبارگی بول اُٹھے۔

"اس میں کیا مشکل ہے! یہ تو بڑی آسان بات ہے۔ آپ سب بیکار خواہ مخواہ اس میں اس قدر اُلجھے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔"

کشور:۔ (اُمیدوار ہو کر) ہاں ہاں۔ بتایئے بتایئے! آپ اسکو کسطرح حل کرتے ہیں!!

ممتاز:۔ تل کی اوٹ پہاڑ ہے!!! ۔۔۔۔

انور:۔ (غصہ میں) بس لگے بے تکی اُڑانے۔ سنجیدگی سے تو تم کوئی بات کر سکتے ہی نہیں!!

ممتاز:۔ پیر و مرشد۔ علماء بغلولستان کا مشہور قول ہے کہ سنجیدگی سے زیادہ مضر صحت انسانی کے لئے کوئی چیز نہیں اور قبل از وقت پیر نابالغ ہو جانے کا بہترین نسخہ سنجیدگی ہے۔ اگر سنجیدگی سیکھنا چاہتے ہو تو جا کر کسی سن رسیدہ ایماندار گدھے سے سیکھو۔ کیونکہ گدھے سے زیادہ سنجیدہ خدا کی خدائی میں کوئی مخلوق نہیں۔۔

ذرا سنجیدہ ہونے کی کوشش کرو اور منہ پر آثار حیرت نمودار ہو جاتے ہیں! ذرا چھی خاصی پھٹکار برسنے لگتی ہے..... اگر تمہیں یقین نہ ہو تو ذرا آئینہ دیکھو! آئینہ!!
دُنیا میں آئینہ سے زیادہ سچا اور صاف گو کوئی گواہ نہیں ہوتا!!

انور:۔ (خفا ہو کر) تمہیں تو صرف بیہودہ بکنے کے اور کچھ آتا ہی نہیں! وقت بے وقت ہر بات کا مذاق اُڑاتے ہو۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے؟ ہر چیز کی ایک حد ایک انتہا ہوتی ہے۔

ممتاز:۔ (بظاہر نہایت سنجیدگی سے) آج ہمارے انور کے جسم کے بالا خانے کی حالت برنسبت پیشتر کے زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے۔ سنجیدگی ہوتی ہی بُری چیز ہے!! اِدھر سنجیدگی آئی۔ اُدھر عقلِ سلیم آداب عرض کرکے چمپت ہو جاتی ہے۔

عذرا:۔ آپ تو کسی بات کی اہمیت ہی نہیں محسوس کرتے۔

ممتاز:۔ زندگی میں بجز موت کے کوئی چیز اہم ہے ہی نہیں اور موت بھی اکثر اس طرح دفعتاً بن بلائے مہمان کی طرح آجاتی ہے کہ اسکی بھی اہمیت محسوس کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

انور:۔ (بہت خفا ہو کر) اگر تمہارے لئے کوئی ہوش کی بات کرنا ممکن ہو تو خیر ورنہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس قسم کی خرافات سُننے کے لئے میرے پاس نہ دماغ ہے اور نہ صبر!

ممتاز:۔ (مضحکا انگیز متانت سے) سمجھتے ہیں کہ بالکل اسیطرح بجنسہ اسیطرح اللہ میاں نے بھی ہمارے پیر و مرشد حضرت شیطان کو جنت سے نکال دیا تھا۔ مگر پھر ہوا کیا؟ اسی کے بعد ہی دنیا میں انواع و اقسام کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اور باوجودیکہ اس وقت سے لیکر آج تک تقریباً بہتر ہزار پیغمبر اور نبی اور رسول اوتار اور خدا کے بیٹے اور بھتیجے آچکے ہیں مگر دنیا کو نہ سنبھلنا تھا نہ سنبھلی رنگ۔ اس کا روز بروز بگڑتا

ہی گیا۔ گناہ اور فسق و فجور بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ کلجگ آیا اور اس کلجگ میں ایک سچا دوست دوسرے سچے دوست کو شیطان کی طرح گھر سے نکالتے لگا۔ حالانکہ شیطان نما دوست اپنے سنجیدہ دوست کو بہترین صلاح دینے والا تھا۔" ممتاز یہ جملے اسطرح منہ بنا بنا کر کہے کہ کشور بے ساختہ ہنس پڑی اور ہنسکر کہنے لگی" ممتاز صاحب! آپ مسٹر انور کی باتوں کا بُرا نہ ماننے گا۔ یہ اس وقت خفا کسی اور سے ہیں اور غصہ آپ پر اُتار رہے ہیں۔

ممتاز:۔ (مضحکہ انگیز متانت سے) مس ہاشم بھائی آپ انکی طرف سے معذرت نہ کیجئے میں انکی بدمزاجیوں کا بہت عرصہ سے عادی ہوں۔ کیونکہ سنجیدہ آدمی اکثر بد مزاج ہوتے ہیں!!......

اس پہ تو انور بھی مسکرا دیئے!........ اور بولے

"للہ تمھارے ہاتھ جوڑتے ہیں جس مسئلہ پر ہم غور کر رہے ہیں اس پر اگر تم کوئی رائے دے سکتے ہو تو رائے دو۔ پھر جس قدر جی چاہے خوش مزاجیاں کر لینا۔ اُس وقت تمھاری خوش مزاجیاں بھی بھلی معلوم ہونگی۔!

ممتاز:۔ اچھا تو سنئے۔ رحیم بھائی ایک نہایت بے ایمان۔ دغا باز۔ چالاک اور کمینہ آدمی ہے! آیا آپ کی سمجھ میں؟؟

انور:۔ (مسکرا کر) بھئی واللہ بہت سمجھے۔ کیا بات دریافت کی ہے آپ نے!! ماشاءاللہ آپ بھی اپنے وقت کے پورے لال بجھکڑ ہیں۔

ممتاز:۔ (کشور) بہنے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کو انور پر پورا اعتماد اور کامل بھروسہ ہے یا نہیں۔

کشور:۔ مجھے دنیا میں ان سے زیادہ کسی اور پر اعتماد نہیں۔

ممتاز:۔ تو میری رائے یہ ہے کہ آپ انور سے ایک فرضی اور نمائشی شادی

کرلیں تاکہ انور آپ کے قدرتی اور قانونی ولی ہوجائیں اور اسکے بعد رحیم بھائی کو ولایت سے برطرف کرنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہو ہی نہیں سکتی وہ نہایت آسانی سے برطرف ہوجائینگے اور آپ اپنی ساری جائداد کی مالک اور مختار بنجائینگی۔

....

کشتو نے ممتاز کو انتہائی تعجب سے دیکھا پھر خاموش ہوگئی اور سر جھکالیا۔ انور بھی ممتاز کا منہ تکنے لگا۔ اور عذرا مسرّت آمیز حیرت سے منہ کھولے کا کھولے رہ گئی!

ممتاز:۔ یہ شادی ایسی شادی ہوگی جسے دنیا تو شادی سمجھے مگر جو آپکے اور انور کے درمیان میں بالکل بے اثر۔ فرضی اور برائے نام ہو۔ پبلک میں آپ دونوں انور اور مسز انور ہوں اور خانگی زندگی میں آپ محض انور اور مس ہاشم بھائی ہوں۔ اور تاکہ آئندہ کوئی گنجائش آپس میں غلط فہمی یا بے اعتباری کی باقی نہ رہ جائے انور قبل شادی کے آپ کو ایک تحریر اپنی دستخطی دیدیں اور اس تحریر میں وہ شادی کا فرضی اور نمائشی ہونا تسلیم کریں۔ اور ایک دوسری تحریر فارغخطی کی اپنی دستخطی آپ کو لکھ کر دیدیں تاکہ اگر کسی وقت میں کسی وجہ سے اسکی ضرورت ہو تو آپ اپنی منشاء کے مطابق اس میں تاریخ بھر کر بطور قانونی فارغخطی کے استعمال کرسکیں........ میرے خیال میں یہ تدبیر نہایت کامیاب ثابت ہوگی۔ اور اس میں آپ کا یا انور کا کوئی نقصان بھی نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہے۔ خوب غور کرلیجئے اور پھر بتایئے کہ اس تجویز میں کوئی نقص یا قابل اعتراض پہلو بھی ہے۔

انور:۔ بظاہر تو یہ تجویز بحالات موجودہ بہترین تجویز معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ مس ہاشم بھائی کو میری طرف سے اطمینان کلی ہو۔!

کشتو:۔ اگر مجھ کو آپسے اطمینان نہ ہوگا تو آپ ہی بتایئے کہ مجھے پھر کس سے

اطمینان ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے میں اس بے ایمان کو شکست دینے کے لئے بڑے بڑے خطرے کا مقابلہ کر سکتی ہوں اور اس میں تو کوئی خطرہ ہی نہیں۔

ممتاز:۔ اور میری رائے یہ بھی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے وہ بہت جلد کرنا چاہئے تاخیر مہلک ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے شیطان فریب بزرگ مسٹر رحیم بھائی اپنا کوئی داؤں چل جائیں!! مگر کوئی ایسی جلدی بھی نہیں ہے ممکن ہے کہ اس تجویز میں کوئی خامیاں یا خرابیاں ہوں گو مجھے ابھی کوئی نظر نہیں آتیں اس لئے اچھا یہی ہے کہ اس پر پھر نظر ثانی کر لی جائے۔

عذرا:۔ مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی عرصے میں وہ کوئی کارروائی کر گزریں تو مشکل ہے

ممتاز:۔ نہیں وہ اتنے قلیل عرصے میں کر ہی کیا سکتے ہیں...... یہ تو محض انکی بندر بھبکی ہے۔ میں ان بزرگ سے خوب واقف ہوں۔

انور:۔ (مسکرا کر) جی ہاں کیوں نہ ہو۔ آپ بھی تو خاصے گرگ باراں دیدہ ہیں!!

ممتاز:۔ (ہنسکر) سچ کہتے ہو۔ ولی را ولی می شناسد!!!........

اس پر سب ہنس دیئے!!

ممتاز:۔ اور میں کہتا ہوں مس ہاشم بھائی یہ صاحبزادے تو برائے نام ہی آپکے ولی ہونگے۔ ان کے لئے تو خود ایک ولی مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔!!

س پر پھر ایک چھوٹا سا قہقہہ ہوا۔ انور جھینپ گئے!!

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ چائے آئی۔ سب چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔

ممتاز:۔ (چائے پیتے ہوئے)..... مگر بھائی شادی بھی انسان کے لئے مستقل پھانسی سے کسی طرح کم نہیں۔ شادی وہ کرے جس کو دنیا میں کوئی اور جائز کام نہ رہ گیا ہو!!!..........

انور:- (مسکرا کر) تو سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ کو دنیا میں کوئی اور جائز کام نہیں رہ گیا تھا؟

ممتاز:- مجھکو؟ نہیں تو- کام بہت سے تھے مگر... (عذرا کیطرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر) اس غلطی کی ذمہ دار یہ ہیں!...... عذرا شرما گئیں۔

ممتاز:- (مسکراتے ہوئے) میرا خیال ہے..... کہ جسکو کوئی چاہے اس سے کبھی شادی نہ کرے اور جس سے شادی کرے اسکو چاہنا فرض نہیں.... حصول مدعا کا دوسرا نام شادی ہے..... شادی محبت کا آخری باب ہے!!...... شادی کا بستر عروسی محبت کا بستر مرگ ہے...... شادی محبت کی موت کا پیغام ہے! شادی کے دن محبت خودکشی کر لیتی ہے!!..... شادی کے بعد عاشق اور معشوق عاشق و معشوق نہیں رہتے۔ انھیں دنیا شوہر اور بیوی کہنے لگتی ہے!!

انور:- آپ تو ایک نقطہ پر پورا پہاڑ کھڑا کر دیتے ہیں آپکے اصولوں کی بنیادیں ایک اینٹ واقعات کی اور ۹۹ اینٹیں مفروضات کی ہوتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ جنکی محبت محض جذبات حیوانی پر مبنی ہوتی ہے انکی محبت شادی کے بعد بہت جلد ختم ہو جاتی ہے اور اسے ختم بھی ہو جانا چاہئے!! مگر جنکی محبت روحانی ربط اور دل و دماغ کے باہمی اتحاد اور کشش پر مبنی ہوتی ہے۔ انکی محبت شادی کے بعد یعنی اتحاد جسمانی کے بعد اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے اور اسے مضبوط و مستحکم ہو بھی جانا چاہئے!! شادی اگر کسی کے لئے پیغام موت لاتی ہے تو صرف جذبات بہیمیہ کے لئے ورنہ اتحاد روحانی اور اتحاد دماغی کے لئے شادی پیغام موت نہیں بلکہ مژدہ حیات ہے!!

ممتاز:- براہ مہربانی اپنا باریک فلسفہ بالائے طاق رکھئے! تجربہ کی روشنی میں ان مسئلوں پر نظر ڈالئے۔ فلسفہ شیشے کا وہ خوبصورت جہاز ہے جو ہمیشہ

تجربہ کی سنگین چٹان سے آکر ٹکراتا ہے اور ٹکرا کر چور چور ہو جاتا ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ٹھوس تجربے۔ عملی حقیقت پر مبنی ہے۔ اور آپ نے جو کچھ مقدس ہزیان بکا ہے وہ غیر ہضم شدہ فلسفے کے پریشاں بخارات ہیں۔

انور:۔ تو پھر آپ کے تجربے کے حساب سے شادی ایک نہایت ہی جہل اور ابلہانہ حرکت ہے؟

ممتاز:۔ بیشک!...... مگر صرف عشق اور عاشقی کے زاویہ نظر سے!۔ ورنہ یوں تو شادی کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے کھانا کھانا یا سانس لینا... مگر ساتھ ہی اسکے میرا ابھی یہ عقیدہ ہے کہ بیوی سے کبھی عشق نہیں ہو سکتا بیوی سے صرف دوستی ہو سکتی ہے!!۔

انور:۔ خوب! اور عشق اور دوستی میں کیا فرق ہے؟

ممتاز:۔ عشق بہت گرم گرم ہوتا ہے اور دوستی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

انور:۔ اور آپ میں اور حضرت خر میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ آپ بول سکتے ہیں اور وہ بول نہیں سکتا۔

اس پر تو ممتاز بھی ہنس دیئے!!

انور:۔ (کھلکھلا کر ہنستے ہوئے) اور آپکے ہنسنے پر یاد آیا کہ ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ آپ ہنس سکتے ہیں اور وہ ہنس نہیں سکتا۔

ممتاز:۔ (یک بیک قہقہہ انگیز سنجیدگی اختیار کرکے) نہیں معاف فرمائیے گا یہاں تو میں آپ سے اختلاف کرتا ہوں۔ جس ہمجنس کی آپنے ابھی تعریف فرمائی ہے وہ صرف یہی نہیں کہ ہنس سکتا ہے بلکہ اس وقت ہم سب کے سامنے ہنس رہا ہے۔

اس فقرے پر تو انور ہنستے ہنستے یکبارگی رک گئے......

پھر اسکے بعد سب کے سب ایک ساتھ ہنسنے لگے!!۔

ممتاز۔ محبت بیچاری کو شادی ہی کے دن سے تپ دق شروع ہو جاتی ہے۔ پھر تپ دق تو ہے ہی۔ کسی جلد کسی کا دیر میں خاتمہ ہوتا ہے۔ مگر بچنا قطعی محال ہے!!

شادی کے پہلے تو وہ شوق وہ ارمان۔ وہ بے خودی۔ وہ سرور۔ وہ نشہ وہ بےچینی ہوتی ہے۔ جسکی کوئی حد اور انتہا نہیں مگر اسکے بعد یہی برس دو برس چار برس کے بعد سارا نشہ اتر جاتا ہے۔ آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ زندگی کے بہت سے سربھر راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ خون ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ عقل اپنی ہری ہری چراگاہ سے واپس آجاتی ہے۔ گلابی فضا کا گلابی رنگ۔ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے..... جسکو کوئی پھول بادشاہزادہ خیال کرتی تھی وہ معمولی قسم کا انسان ثابت ہوتا ہے۔ جس بت کی بطور ایک دیوی یا دیوتا کے پرستش ہوا کرتی تھی وہ معمولی مٹی کا بنا ہوا نظر آتا ہے۔ تخیل نے جو جو دلفریبیاں محبوب میں پیدا کر دی تھیں۔ محبت نے تصویر یار میں جو جو دلاویز رنگ بھر دیئے تھے وہ قوس قزح کی طرح کچھ دیر تک حسن فروشیاں کرکے نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں..... اور بے نمک زندگی میں بجز خشک واقعات اور غیر دلچسپ یا تکلیف دہ ذمہ داریوں کے اور کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ لڑکی جسکی محض ایک نگاہ غلط انداز سے دل دھڑکنے لگتا تھا جسکی ذرا سی جھلک دیکھنے کے لئے آنکھیں گھنٹوں منتظر رہتی تھیں۔ جس کا ذرا سا جسم چھو جانے سے خون اچھلنے اور رگوں میں بجلیاں دوڑنے لگتی تھیں۔ جسکی جدائی میں دنیا ایک غمکدہ اور زندگی ایک مصیبت معلوم ہوتی تھی جسکی ایک ایک بات جس کے ایک ایک تبسم پنہاں کا ذائقہ دل میں مدتوں تک رہتا تھا...... شادی کے بعد محض ایک کارآمد آرام پہنچانے والی غیر دلچسپ بیوی ہو کر رہ جاتی ہے!! اب اسکی ذر دیدہ نگاہ میں وہ جادو نہیں ہوتا

اب وہ آنکھیں بھی لڑائیں تو دل نہیں دھڑکتا۔ اسکا جسم چھو جانا کیا اسکے ہمکنار ہونے سے بھی رگوں میں بجلیاں نہیں تڑپتیں!! اسکی باتوں اور تبسم سے وہ سرور وہ کیفیت نہیں پیدا ہوتی۔ بلکہ وہ مسکرا کر کبھی گلے میں اپنی بانہیں بھی ڈالدے تو خون میں اتنا بھی تموج اور حرارت نہیں پیدا ہوتی جو کسی دوسری عورت کی ادنیٰ سی توجہ پیدا کر دیتی ہے۔!!

انور:۔ (ہنستا ہوا) ممتاز صاحب اگر واقعی یہ حالت ہو گئی ہو تو میری قطعی رائے ہے کہ ایسے شوہر کو چاہئے کہ وہ فوراً کسی تجربہ کار حکیم یا ہوشیار ڈاکٹر سے رجوع کرے!! ایسے شخص کو یا تو اسپتال میں رہنا چاہئے۔ یا کسی محفوظ پاگل خانہ میں۔ دنیا میں اسکے لئے کوئی تیسری جگہ نہیں۔

ممتاز:۔ (ہنستے ہوئے) مذاق اُڑانا اور چیز ہے اور جواب دینا اور چیز ہے!! یہ ٹھوس واقعات ہیں جنکی صداقت سے لوگ گو زبان سے انکار کریں مگر دل سے اعتراف کرینگے۔ وجہ یہ ہے کہ جن عنایتوں کے لئے ہم شادی کے پہلے فقروں کیطرح گڑگڑاتے تھے وہ شادی کے بعد بے طلب ملتی ہیں بطور سائل کے نہیں بلکہ بطور مالک کے.... بس یہی خیال منافی شوق ہے۔ یہی انقلاب کو پہلے ہم گدائے خیرحقدار تھے اور اب مالک مستقل ہو گئے۔ محبت کا خون کر دیتا ہے.... میرے خیال میں تو محبت کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان دائم الصوم ہو جائے!! روزہ داری سے محبت میں روحانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فاقہ کشی سے محبت کی عمر بڑھتی ہے۔ یوں تو دنیا میں ہر چیز فانی ہے مگر غیر فانی محبت وہی ہوتی ہے جو ناکامیاب ہو۔ دنیا میں سب سے زیادہ سچی سب سے زیادہ گہری وہی محبتیں ہوئی ہیں جو ناکامیاب رہی ہیں اگر کسی محبت میں روحانیت ہو سکتی ہے تو صرف ناکامیاب محبت میں۔

عذرا:۔ (بات کاٹ کر) ہرگز نہیں بلکہ سچی محبت ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے

اور صرف جھوٹی محبت ناکامیاب ہوتی ہے!!!

ممتاز:- بالکل غلط!! سچے عاشق ہمیشہ فاقہ مست ہوتے ہیں اور انتہائے عشق خواہشات کا فنا کر دینا اور معشوق کی عنایتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں عشق مجازی اور عشق حقیقی کی سرحدیں مل جاتی ہیں (مسکرا کر) میرا خیال ہے کہ اگر مجنوں اور فرہاد کی روزہ کشائی یعنی شادی کر دیجاتی تو مجنوں مجنوں اور فرہاد، فرہاد نہ ہوتا اور دنیا دیار عشق کی نامور ہستیوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی

انور:- (مسکراتے ہوئے) مگر دائم الصوم ہو جانا خلاف فطرت ہے اور ایسی شریعت پر عمل بالکل ناممکن ہے۔

ممتاز:- (ہنستے ہوئے) نہیں مبتدیوں کے لئے کچھ رعایتیں بھی ہیں انکا روزہ دیکھنے۔ ہنسنے۔ بولنے وغیرہ سے نہیں ٹوٹتا۔ اور بعض حالتوں میں انہیں مختصر سی افطار کی بھی اجازت ہے۔ مگر صرف دو ایک سنبوسوں سے اور اسمیں بھی شرط یہ ہے کہ میدے یا آٹے کے نہ ہوں۔ بلکہ بیسن کے ہوں...... (سنجیدہ ہو کر) محبت کے رنگین بلبلے شادی کے تجربوں سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہمیں خیالی بت تراشتے ہیں ہمیں اس بت کو پوجتے ہیں اور ہمیں اسکو توڑ ڈالتے ہیں۔ ہمیں بت تراش ہیں ہمیں بت پرست ہمیں بت شکن ہیں

کشور:- تو ممتاز صاحب کیا آپ کے خیال میں واقعی سچی۔ پاک بے غرض اور مستقل محبت دنیا میں کسی کو کسی سے ہوتی ہی نہیں؟

ممتاز:- جی ہاں نہیں ہوتی۔ اور خاص کر مرد کی محبت تو کبھی سچی۔ پاک بے غرض اور مستقل ہوتی ہی نہیں۔

کشور:- اور عورت کی۔؟

ممتاز:- ہا۔ آ۔ آں عورت کی محبت ایک حد تک ہو سکتی ہے بلکہ کبھی کبھی ہوتی۔

انور :۔ (مسکراکر) خوشامدی ٹٹّو!!

ممتاز :۔ محبت میں مرد سے زیادہ کوئی بے وفا اور ناقابل اعتبار نہیں ہوتا۔ جبتک اسکی خواہشات حیوانی کو سیری نہیں ہوتی وہ آسمان سر پر اٹھائے رہتاہے اور ادھر سیری ہوئی محبت کی میّت پر فاتحہ پڑھنے کا دردناک فرض اداکرنیکی فوراً ضرورت پیدا ہوجاتی ہے...... ہاں اگر کچھ استحکام ہوتاہے تو عورت کی محبت کو۔ مرد کا حسن دیرپا مگر اس کی محبت عارضی ہوتی ہے۔ عورت کا حسن عارضی مگر اس کی محبت دیرپا ہوتی ہے۔

انور :۔ مرد کا حسن دیرپا اور عورت کا حسن عارضی کیوں ہوتاہے؟

ممتاز :۔ اسلئے کہ یہ قدرت کا ایک نرالا قانون ہے کہ جس قدر زیادہ حسین اور لطیف کوئی چیز ہوتی ہے اسیقدر کم اسکی زندگی بھی ہوتی ہے۔ پھول کی عمر کم پھول اور کانٹوں کی عمر زیادہ ہوتی ہے۔ جسقدر خوبصورت اور خوشبودار پھول یا درخت ہوگا اسی قدر جلد وہ مرجائے گا۔ گلاب کا پھول صرف ایک دن یا دو دن کا مہمان ہوتاہے۔ سورج مکھی کا پھول کئی کئی ہفتے کھلا رہتاہے۔ سویٹ پیز کا درخت چند مہینوں میں سوکھ جاتاہے۔ املی اور شیشم کا درخت پچاسوں برس تک زندہ رہتے ہیں۔ چونکہ عورت کا حسن مرد کے حسن سے زیادہ لطیف زیادہ دلکش۔ زیادہ نظر فریب ہوتاہے اسلئے وہ بمقابلہ مرد کے بہت جلد ختم ہوجاتا ہے۔ اور حقیقت اچھی اور خوبصورت چیزیں بہت کم ملتی ہیں اور بہت جلد ختم ہوجاتی ہیں۔ دھوپ دن بھر رہتی ہے مگر شفق دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوجاتی ہے۔

انور :۔ (مسکراکر) بات تو تم کچھ غلط نہیں کہتے۔ مگر عام خیال تو یہی ہے کہ اچھی چیزیں دیر میں خراب ہوتی ہیں۔ اور خراب چیزیں بہت جلد خراب ہوجاتی ہیں۔

ممتاز :۔ (مسکراکر) یہ خیال بھی صرف خراب آدمیوں کا ہے۔ اچھوں کا

نہیں ہے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کچھ استحکام ہوتا ہے تو عورت کی محبت کو وہ
زندگی میں صرف ایک مرتبہ اور صرف ایک ہی شخص کو چاہتی ہے۔ اس کے دل کی
مثال اس پھول کے نازک درخت کی سی ہے جو عمر بھر میں صرف ایکمرتبہ کھلتا ہے
اور پھر کبھی نہیں کھلتا...... عورت کی پہلی محبت اسکی آخری محبت ہوتی ہے اور وہ
اسے زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ اسکی محبت سے اسکی ساری زندگی رنگ جاتی ہے
بلکہ اسکی ساری زندگی اسکی محبت میں جذب ہو جاتی ہے برعکس اس کے مرد کی محبت
کو نہ قرار ہے نہ قیام ہے وہ کسی ایک کی محبت پر دیر تک قناعت نہیں کر سکتا
وہ کسی ایک کو دیر تک نہیں چاہ سکتا۔ اسے ہر روز ایک تازہ پھول ایک نیا
مشغلہ چاہئے...... عورت کی محبت میں شان وحدت چھلکتی ہے مرد کی محبت میں
شان کثرت نمایاں ہے۔ مرد کی محبت میں کالی آندھی کی سی خاصیت ہوتی ہے عورت
کی محبت میں نسیم سحری کے ہلکے نشہ پرور جھونکوں کا سا سرور ہوتا ہے۔ مرد کی محبت
میں چھچھلے شور مچانے والے چشموں کی سی پُرشور کیفیت ہوتی ہے۔ عورت کی محبت میں
گہرے سمندر کی چمکتی ہوئی خاموش سطح کی شان سکوت ہوتی ہے جسمیں کبھی کبھی جذبات
کے جھونکوں سے چھوٹی چھوٹی ترنم آفریں لہریں پیدا ہو جاتی ہیں!! مرد کی محبت
اس کے لئے محض ایک عارضی تفریح ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ عورت کی محبت
اس کا سارا حاصل عمر اس کا سارا سرمایۂ حیات ہے!!!.........

انور:۔ غلط ہے۔ بالکل غلط ہے۔ مرد جو واقعی مرد ہے کبھی بے وفا اور
تلون مزاج نہیں ہوتا۔ مرد کی محبت کا عورت کی محبت سے موازنہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کو
چراغ دکھانا یا بحر ذخار کا چھوٹے سے خوبصورت گیت گانے والے سُریلے چشمے سے مقابلہ
کرنا!! مرد اور عورت کی محبت کی قوت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مرد اور عورت
کی جسمانی قوت میں قدرت نے فرق پیدا کر دیا ہے عورت کی محبت میں اگر نسیم سحری کی

لطافت ہے تو مرد کی محبت میں آندھی کے تند جھونکی شدید طاقت ہے آپ شاید بھول گئے کہ مملکت عشق کا شہنشاہ مجنوں اور دیار محبت کا شاہزادہ فرہاد تھا۔ اور لیلیٰ اور شیریں کی شہرت انہیں دو نامور ہستیوں کی قربانی۔ خانہ بربادی جاں نثاری اور وفا پرستی سے ہے۔ ورنہ لیلیٰ ایک سیاہ فام عورت تھی اور شیریں ایک بیوفا بیوی!

ممتاز:۔ تو آپ کا خیال ہے کہ مجنوں اور فرہاد نے لیلیٰ اور شیریں کو پیدا کیا۔ یعنی عشق سے حسن پیدا ہوتا ہے نہ کہ حسن سے عشق۔ حالانکہ دراصل اگر شمع نہ ہو تو پروانہ کا وجود ہی نہ ہو۔ یعنی حسن نہ ہو تو عشق کا وجود نہ ہو۔

انور:۔ جی نہیں شمع معشوق نہیں ہے۔ شمع عاشق ہے پہلے شمع جلتی ہے پھر پروانہ جلتا ہے۔ یعنی جبتک عشق کی آگ نہیں بھڑکتی حسن نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حسن سے عشق نہیں بلکہ عشق سے حسن پیدا ہوتا ہے۔

یہ اپنی حد نگہ ہے کسی کی دید کہاں
یہ اپنا حسن نظر ہے جمال یار نہیں

اور یہی خیال ایک اور شعر سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

انداز ہیں جب اس میں سب شمع شبستاں کے
اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ

ممتاز:۔ مگر میرے نظریہ کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جبتک حواؑ نہیں پیدا ہوئیں آدم کے لئے عشق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔

انور:۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آدم سے حواؑ پیدا ہوئیں۔ یعنی عشق سے حسن پیدا ہوا

ممتاز:۔ (ہنستے ہوئے) یہ تو بالکل وہی قصہ ہے کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا۔ مگر میں اتنا دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اگر لیلیٰ مسز مجنوں اور شیریں بیگم فرہاد ہو جاتیں تو بہت ہی جلد مجنوں اور فرہاد کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ معشوقہ کو کبھی

بیوی نہ بننا چاہئے کیونکہ بیوی کبھی معشوقہ نہیں رہ سکتی اور عاشق کو کبھی شوہر نہ بننا چاہئے کیونکہ شوہر کبھی عاشق نہیں رہ سکتا۔ یہی صحیح فطرت ہے۔

ہر کسے را بہرے کارے ساختند

اگر دنیا یہ نکتہ سمجھ جائے تو زن و شوہر کے یہ نت نئے جھگڑے چشم زدن میں شیخ سعدی کے ایک عزیز باربردار چوپائے کے سینگوں کی طرح غائب ہو جائیں۔ اہل زندگی میں تمام جھگڑوں کی اصلی بنیاد صرف یہ ہوتی ہے کہ بیوی صاحبہ اپنے شوہر با اعتقاد عاشق زار کے سوانگ بھرنے کا مہمل تقاضا کرتی ہیں اور شوہر صاحب زاد حماقتہٗ سیدھی سادھی سچی پاک نفس بیوی سے کسی شوخ چنچل معشوقہ برق جبال کی ناز فروشیوں کے متمنی ہوتے ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر بدھو میاں سے کہا جاتا ہے کہ مجنوں کا پارٹ کرو اور بی بی زاہدہ سے فرمائش ہوتی ہے کہ زلیخا کا سوانگ بھرو اور جب میاں بدھو اور بی بی زاہدہ ان بیجا مطالبات کو پورا نہیں کر سکتے تو ان کی ایک ننھی منی قیامت برپا کر دی جاتی ہے...... (گھڑی کی طرف دیکھ کر) اُف! اتنی دیر ہو گئی..... معاف فرمائیے گا مس ہاشم بھائی مجھے آپ سے اس سمع خراشی کی آپ سے معافی مانگنی چاہئے۔

کشور:۔ نہیں نہیں میں نے تو آپکی دلچسپ اور رنگین باتوں سے بہت لطف اٹھایا۔

انور:۔ خدارا یہ نہ کہئے! انہیں تو انکا دماغ اور بھی خراب ہو جائے گا۔

ممتاز:۔ یہ صاحبزادے تو لکیر کے فقیر ہیں! یہ ہمیشہ اسی پرانے ڈھرے پر چلیں گے جس پر بھیڑیا دھسان خلقت! با آدم کے وقت سے لیکر آج تک آنکھ بند کئے گردن جھکائے چلی جا رہی ہے۔ انکو نئی روشن نئے راستوں پر کوئی لے چلے تو یہ دیہاتی گھوڑے کیطرح بھڑکتے۔ بدکتے۔ الف ہوتے ہیں۔ ان کی ذہنیت پر

حضرت نوح کے طوفان کی کائی جمی ہوئی ہے۔

انور:۔ (ہنسکر) تم تو اپنے پیرو مرشد حضرت شیطان کی طرح عقل کو کلورفارم سنگھا کر دین وایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہو........ اور جو کلوروفارم سونگھنے سے انکار کرے اُسے بُرا بھلا کہتے ہو۔

ممتاز:۔ ایک دن مان ہی جاؤگے ہمارا کہنا
تم کہے جاؤ یہی تیری حقیقت کیا ہے

دنیا میں ہر صحیح اُصول کو تین منزلیں طے کرنا ہوتی ہیں۔ ابتدا میں لوگ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں پھر لاجواب ہو کر خاموش ہو جاتے ہیں پھر قائل ہو کر اسکے معترف اور مداح ہو جاتے ہیں۔ میں تمام پیغمبران صادق کیطرح آج کل منزل اوّل سے گذر رہا ہوں !!!.........

انور:۔ (ہنسکر) اور خدا چاہے گا تو آپ ہمیشہ اسی منزل میں رہیں گے دوسری اور تیسری منزل آپ کو نصیب ہی نہ ہوگی !!!

کشور:۔ (مسکرا کر) نہیں ممتاز صاحب آپ انکی حوصلہ پست کر دینے والی باتوں سے ہمت نہ ہارئیے گا۔ مجھے آپ کے خیالات بہت ہی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں ہاں بہن عذرا ضرور شہیدوں کی سی صورت بنائے ہوئے بیٹھی ہیں۔

عذرا:۔ (مسکرا کر) نہیں تو۔ یہ زہر بھی شہد میں ملا کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کی بُری باتیں بھی مجھے اچھی معلوم ہوتی ہیں.........

نہیں ہے تم سے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری
سکھا رہی ہے جفائیں تمہیں وفا میری

ممتاز:۔ (ہنستے ہوئے) عذرا! میری دوستی دوسروں کی محبت سے زیادہ ٹھوس زیادہ سچی۔ زیادہ مستحکم اور مستقل ہے !! شرط یہ ہے کہ تم انصاف سے فیصلہ کرو۔

مگر ع اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے !!

عذرا۔ بیشک بیوی سے محبت کا اظہار کرنا اور محبت نہ کرنا تو آپکی شریعت میں ایک جائز فریب ہے۔

ممتاز۔ نہیں بلکہ عورتوں سے سچ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ عورتوں سے جھوٹ بولنے میں ستر ہزار نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ میرا قصور ہے اگر تو صرف یہ ہے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار بلا تکلف او بیدھڑک کر دیتا ہوں اور انور جیسے لوگ اس لئے اچھے ہیں کہ وہ اپنے اصلی خیالات چالاکی سے چھپا لیتے ہیں اور مصنوعی باتیں کر کے بیویوں کو عمر بھر دھوکا دیتے ہیں اور ان کو ہمیشہ احمقوں کی بہشت میں مقیّد رکھتے ہیں اور لطف یہ کہ بیویاں بھی دھوکا کھانا پسند کرتی ہیں اور احمقوں کی بہشت میں خوب اتراتی پھرتی ہیں سچ ہے عورتوں سے سچ بولنا نہایت سخت عذاب ہے اور اُن سے جھوٹ بولنا بہت بڑا کار ثواب ہے۔

عذرا۔ (شوخی آمیز تبسم سے) آپ کو چھیڑنے میں بھی تو بڑا لطف آتا ہے۔

ممتاز۔ (ہنسکر) عورتوں کے قول و فعل کا تو کوئی اعتبار نہیں۔ انکی ہاں در پردہ "نہیں" اور انکی "نہیں" در پردہ ہاں کا مفہوم ادا کرتی ہے

(اُٹھکر) مسز ہاشم بھائی۔ اب اجازت دیجئے۔ پھر حاضر ہونگا اس درمیان میں آپ اور انور میری پیش کردہ تجویز پر خوب غور کر کے فیصلہ کر لیجئے۔

کشور۔ میں آپکی ذہانت اور خوش تدبیری کی بیحد ممنون ہوں۔

اس کے بعد عذرا اور ممتاز ۔۔۔ کشور سے رخصت ہوئے اور انکے چلے جانے کے بعد انور بھی اپنے دفتر کو روانہ ہو گیا۔

ساتواں باب

تاثیر محبت کی اللہ رے مجبوری
ہر بُعد میں اک قربت ہر قرب میں اک دوری

کشور اسی شام کو اپالو بندر میں ایک کنارے کی بنچ پر اکیلی بیٹھی ہوئی تھی تفریح کرنے والیاں اور تفریح کرنے والے ایک دوسرے کا تماشہ کرنے اور خود تماشا بننے کے لئے اپنے مکانوں سے نکل پڑے تھے۔!!

سامنے سمندر کی لہریں آپس میں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر الگ ہو جاتی تھیں۔ دماغ کو تر و تازہ کرنے والی خوشگوار ہوا کشور کی زلفوں سے شوخیاں کر رہی تھی۔ کشتیاں چھوٹی چھوٹی خوبصورت مچھلیوں کی طرح سمندر کی اترتی چڑھتی موجوں پر تیر رہی تھیں ...... ہر چیز میں ایک دلفریبی۔ ایک کشش۔ ایک تاثیر تھی۔ ساری دنیا مسرت میں ڈوبی ہوئی تھی ہر فرد بشر زندگی کی حلاوت اور شباب کی رنگینی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

طلب عشق کی اک موج ہے فطرت سے خیال
جس طرف دیکھئے طوفان خود آرائی ہے

مگر ایک دل تھا جس میں درد تھا۔ جس میں خلش تھی۔ جس میں تپش تھی۔ ایک دماغ تھا جس میں سینکڑوں قسم کے خیالات ایک عجیب و غریب ہیجان پیدا کئے ہوئے تھے۔ وہ پُر خلش دل وپُر ہیجان دماغ بیچاری کشور کا تھا۔ اسے انور سے محبت تھی۔ گہری محبت۔ روح کو بے چین کر دینے والی محبت۔ دل کو بے قابو کر دینے والی محبت اور ستم یہ تھا کہ کوئی ایسا نہیں تھا۔ جس سے وہ اپنے زخمی دل کی جراحتوں کا حال کہہ سکے۔ اس کا کوئی ہمراز۔ کوئی ہمدرد۔ کوئی غمگسار نہ تھا اور جو تھا (یعنی انور) اس سے

وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ انور کے سامنے اس کے دل میں ایک طوفان برپا رہتا تھا
مگر چہرے اور زبان پر ایک پُر سکوت!!

کیا کہیے کیا رکھے ہیں ہم تجھ سے یار خواہش
یک جان و صد تمنا اِک دِل ہزار خواہش

چنانچہ تنہائی میں اپنے دل سے اس وقت وہ یوں باتیں کر رہی تھیں" آہ محبت کیا ہے؟ محبت کسے کہتے ہیں۔ محبت کس جذبہ کا نام ہے؟ کیا کسی کو بھول نہ سکتا .... محبت ہے؟ کیا کسی کو بار بار خواب میں دیکھنا.... محبت ہے؟ کیا کسی کے آنے پر دل کا دھڑکنے لگنا محبت ہے؟ کیا کسی کے چلے جانے پر دل کا کڑھنا... گھبرا بیچین ہو جانا..... محبت ہے؟ کیا محبت ہی میں کسی کی صحبت کی دلچسپی وقت کو برق بنا دیتی ہے؟ کیا محبت میں کسی کی عدم موجودگی وقت کے ہلکے پیروں میں بھاری بھاری پتھر باندھ دیتی ہے؟ کیا بیٹھے بیٹھے کسی کے خیال کی دلفریبیوں میں کھو جانا محبت ہے۔ کیا حالت بیداری میں خواب دیکھنا اور پھر یک بیک ایک ٹوٹی ہوئی لمبی سی ٹھنڈی سانس لیکر جاگ اُٹھنا..... محبت ہے؟ کیا دلمیں ہر وقت کسی کو یاد کرنا اور سب کے سامنے کسی کا نام لیتے ہوئے تڑپنا... محبت ہے؟ کیا کسی کے ذکر کو بظاہر غیر دلچسپی سے اور دراصل عجیب دلچسپی سے کان لگا کر سُننا.... محبت ہے؟ کیا اندر ہی اندر سے دم کا گھٹنا اور خود بخود بیٹھے بیٹھے آنکھوں میں آنسو بھر آنا.... محبت ہے؟ کیا کسی کی بے اعتنائی یا بیوفائی پر دل ہی دل میں خفا ہونا اور پھر خفا نہ ہو سکنا محبت ہے؟ کیا کسی کی باتوں کا ذائقہ عرصہ تک دل میں رہنا.... محبت ہے؟ کیا کسی کے وعدے کے انتظار میں ایک ایک لمحہ گننا اور بار بار چونک کر اِدھر اُدھر آس بھری نگاہوں سے دیکھنا..... محبت ہے؟ آہ مجھے کوئی بتادے کہ محبت کیا ہے؟...... اور اگر محبت

ہی ہے اور محبت اسی کو کہتے ہیں تو انور تم ہی نے مجھے یہ نیا سبق پڑھایا ہے۔
لڑکپن کی بے فکری اور بے ہوشی کا خاتمہ کر کے مجھے یکبارگی شباب کی رنگین اور پُرفریب
دنیا میں ڈھکیل دینے کا جرم کس کا ہے؟ میرے دلِ بے مدعا میں نئی نئی امنگیں نئی نئی
تمنائیں پیدا کر دینے کا الزام کس پر ہے؟ پیارے انور میری زندگی کی بدرنگ اور
غیر دلچسپ فضا کو گلابی اور دلچسپ بنا دینا تمہارے ہی غیر معمولی حسن تمہاری
ہی دلربا اداؤں۔ تمہاری ہی جادو بھری باتوں کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے۔
میری زندگی میں اس وقت جو رنگینی اور دلفریبی پیدا ہو گئی ہے اسکے بانی تم ہو جو مجھے
زیست کی مسافت اگر اب گراں نہیں معلوم ہوتی تو صرف اسلئے کہ راستے میں تمہارا
ساتھ ہو گیا مجھے اپنی سنسان دنیا اب سنسان نظر نہیں آتی تو صرف اس لئے کہ تم نے
آکر اسے آباد کر دیا مجھے اپنی تاریک زندگی اب تاریک نہیں معلوم ہوتی تو صرف اسلئے کہ
تمہارے حسن کی سحرکار چاندنی نے اسمیں ایک دلفریب اجالا کر دیا تم جب میرے سامنے آجاتے
ہو تو یا تو میری زبان بند ہو جاتی ہے یا اگر میں تم سے کچھ باتیں کر بھی لیتی ہوں تو اکھڑی
اکھڑی بے ربط بے روح۔ غیر دلچسپ باتیں بقول میرؔ

کیا کہتے ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی ہیں باتیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

انور۔ اس دن تم نے کیسی پیاری بات کہی تھی کہ سچی محبت اکثر گونگی ہوتی ہے
...... واقعی محبت کی نہ آنکھیں ہوتی ہیں نہ زبان وہ ایک آگ ہے جو کبھی بجھتی نہیں
وہ ایک کانٹا ہے جو ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہتا ہے۔ وہ ایک درد ہے جو کبھی نہیں جاتا
وہ ایک سرور آمیز نشہ ایک دلچسپ جنون۔ ایک پیاری غلطی۔ ایک پاکیزہ گناہ ہے!
..... انور!! ..... آہ ان چار حرفوں میں کس قیامت کا اثر۔ کس بلا کا جادو ہے
اس نام سے میری روح میں کیسا تلاطم پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے دل میں کیسا

طوفان برپا ہو جاتا ہے..... میری ساری دُنیا سمٹ کر ان چار حرفوں میں سما گئی ہے...... انور! تم اور تمھارے خیال نے میری ساری دُنیا کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔ میں تو تمھاری محبت میں کافر ہو گئی۔ میں نے تمھیں اپنا خدا بنا لیا۔

میری محویت کا یہ عالم ہے کہ بغیر تمھارے مجھے دنیا میں کوئی چیز نہیں بھاتی سوائے تمھارے خیال تمھارے ذکر تمھاری صحبت کے مجھے دنیا میں کسی چیز سے دلچسپی نہیں باقی رہ گئی۔ جب تم میرے سامنے ہوتے ہو تو مجھے دُنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں ہوتی اور جب تم میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہوتے تو میں تمھاری ایک ایک بات تمھاری ایک ایک ادا یاد کر کے لطف اندوز ہوتی ہوں اور آئندہ ملاقات کی خوشگوار امید پر رہتی ہوں۔ انور ہو تو تم انسان ہی مگر تمام باتیں تم میں فرشتوں کی سی ہیں۔ ہر ایک خوبی جو انسان کامل میں ہونی چاہئے۔ تم میں موجود ہے۔ تم وہ آفتاب ہو جس کو میں نگاہ بھر کر دیکھ نہیں سکتی۔ تم وہ ماہتاب ہو جس کو میں اپنے ہاتھوں سے پکڑ نہیں سکتی...... میں نہیں مانتی کہ یہ سارا اعجاز تمھارے غیر معمولی حُسن کا کرشمہ ہے۔ مٹی کے جسم میں یہ کشش قلبی یہ انجذاب پیدا نہیں ہو سکتا۔ یقیناً تمھارے حسین جسم کے فانوس میں ایک پاکیزہ روح کی شمع روشن ہے اور یہ اسی کی سحر آگیں روشنی ہے جس سے تمھارے حسن ظاہری میں ایک بے مثل نور ایک غیر معمولی جاذبیت پیدا ہو گئی ہے!! آہ تمھاری پہلی نگاہ نے میری آنکھوں کے سامنے ایک نئی اور نہایت دلفریب دنیا کے دروازے کھول دیئے ان دروازوں کی پیشانی پر یہ شعر زریں حروف سے لکھا ہوا تھا۔

غافل مشو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل است منزل اوّل قیامت است

میں عالم بیخودی میں بغیر سوچے سمجھے اس دروازے میں داخل ہو گئی۔ اندر پہنچی تو میں نے وہاں بالکل ایک دوسری ہی دنیا دیکھی۔ وہاں حسن و عشق کا بازار گرم تھا۔ وہاں گلوں کی بہار تھی۔ بلبلوں کے نغمے تھے۔ شمعیں جابجا روشن تھیں پروانے ان پر قربان ہو رہے تھے سرو و صنوبر ادھر ادھر کھڑے ہوئے تھے۔ قمریاں ان پر نثار ہو رہی تھیں۔ کہیں زلیخا تھی کہیں یوسف۔ کہیں لیلیٰ تھی کہیں مجنوں کہیں فرہاد تھا کہیں شیریں۔ کہیں وصل کے دلکش نغمے تھے۔ کہیں ہجر کے پُر درد نالے تھے۔ کہیں پتھریلی زمین اور خاردار جھاڑیاں تھیں کہیں خوبصورت مخملی سبزہ زار اور گل بوٹوں کی کیاریاں تھیں۔ ہر شئے گلابی فضا میں رنگین اور نظر فریب معلوم ہو رہی تھی۔ ہر چیز ایک عجیب جگمگاتی ہوئی چاندنی میں لپٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی ہر طرف سے یہ صدائیں آ رہی تھیں "یہاں کا دیوتا حسن ہے" یہاں کا مذہب عشق ہے۔ یہاں کی جنت وصل ہے۔ یہاں کی دوزخ ہجر ہے۔ یہاں کی دولت معشوق کا برق ریز تبسم ہے۔ یہاں کا افلاس محبوب کا دل شکن تغافل ہے۔! غرض پیارے انور تمہاری محبت نے مجھے ایک عجیب و غریب نئی اور دلفریب دنیا سے آشنا کر دیا جسمیں محبت ہے۔ خوشبو ہے۔ چاندنی ہے۔ ترنم ہے...... مگر ایک سوال ہے جو بار بار میرے سامنے آکر مجھے پریشان کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ جس بت پر میں جان دیتی ہوں دل نثار کرتی ہوں کیا اسکو بھی میری پرستش کی کچھ خبر ہے؟ کیا آگ صرف ایک ہی طرف لگی ہے۔ ادھر اسکی چنگاریاں اُڑ کر نہیں گئیں؟ کیا بیچینی۔ اضطراب۔ تمنائیں۔ ولولے۔ خوشنما امیدیں۔ رنگین اُمنگیں سب میرے ہی دل کے لیئے ہیں۔ تم پر انکا کوئی اثر نہیں؟ کیا میری محبت کی خوشبو میرے دل کی کلی کے اندر ہی مقید رہے گی؟ تمھارے گلستان حسن تک نہ پہنچے گی؟ کیا میری محبت ناکام محبت ہو گی؟ کیا میرا عشق ناتمام عشق ہو گا۔ کیا میرے

گلستانِ آرزو میں کبھی بہار نہ آئیگی ؟ کیا میرا نخلِ اُمید ہمیشہ بے ثمر رہیگا ؟ کیا میں پروانے کی طرح جل کر خاک ہو جاؤنگی اور تم شمع کیطرح ہنستے ہی رہو گے ؟

اثر ایسا کہاں سے لاؤں یا رب نالۂ دل میں
کہ اس بے مہر کو بھی رازِ غم سے آشنا کر دے !!

ممتاز کی رائے ہے کہ میری تم سے شادی ہو مگر بالکل فرضی اور نمائشی !! اس تجویز میں بھی ایک عجیب دردناک تمسخر ہے...... گویا مجھے تم سے اصلی اور واقعی شادی کرنے میں کوئی عذر ہوتا !! مگر ممتاز میرے دل کا حال کیا جانیں اور کوئی کیا جانے اور ستم تو یہ ہے کہ پیارے انور تم بھی نہیں جانتے۔ تم بھی میری محبت میری فدائیت۔ میری پرستش سے بے خبر ہو...... اور آہ مشکل اور سخت مشکل تو یہ ہے کہ تم سے میں کیا کہوں ؟ کیسے کہوں ؟ کیوں کر کہوں ؟ کسطرح تمھیں میں اپنا رازدار بنا لوں ؟ کس تدبیر سے میں تمھیں اپنے دل کی اندرونی حالت دکھا دوں ؟ تم مجھ سے پوچھ نہیں سکتے اور میں تم سے کہہ نہیں سکتی ! میری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ میں عورت ہوں۔ اور محبت میں عورت کی بے زبانی اور بے بسی قابلِ رحم ہوتی ہے۔

مجھ سے اے دوست کوئی شکوہ بیداد نہیں
دل ستم ساز ہے خود تو ستم ایجاد نہیں

انور تمھارے قدموں کے نیچے محبت۔ پاک۔ بے غرض۔ گہری اور سچی محبت کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جس کے وجود سے تم ناواقف ہو۔ تم اپنی زبان سے صرف یہ کہدو "کشور ! میں تجھے چاہتا ہوں"۔ اور یہ سارا خزانہ لے لو۔ یہی جادو کے وہ الفاظ ہیں جنکے کہدینے سے میرے خزانۂ دل کے سارے دروازے تمھارے لئے چشم زدن میں کھل جائیں گے اور تم اس کے مالک و مختار ہو جاؤ گے۔ !! مگر یہ الفاظ

تم مجھ سے کیسے کہہ سکتے ہو؟ اور میں تمہیں اس راز سے کیسے آگاہ کر سکتی ہوں....؟ عشق کی سب سے کٹھن منزل اظہارِ عشق ہے!! محبّت کا سخت ترین امتحان اظہارِ محبت ہے۔ محمد اسلم، کتنے دل ٹوٹ گئے۔ کتنی بے قرار آرزوئیں خاک میں مل گئیں کتنی زندگیاں برباد ہو گئیں۔ اور صرف اسلئے کہ پرستارانِ محبت ایک دوسرے سے یہ نہ کہہ سکے کہ "ہم تمہیں چاہتے رہیں" اور اپنی مخفی محبت کا راز اپنے لُٹے ہوئے زخمی دل کے ساتھ قبر میں لے گئے..... سچ ہے محبت انسان کو بزدل بنا دیتی اور محبت میں سب سے زیادہ بزدل عورت ہوتی ہے.......

بڑی بی:- (کشور کا شانہ ہلا کر) بیٹی کیشو اُٹھو۔ اتنی رات ہو گئی۔ کب تک تم یہاں اکیلی بیٹھی رہو گی؟ کشور چونک پڑی۔ چونک کر کچھ دیر تک بے خیالی میں حیرت سے بڑی بی کو دیکھتی رہی۔ پھر ذرا ہوش آیا تو کہنے لگی۔ ارے توبہ اتنی دیر ہو گئی۔ مجھے تو وقت کچھ معلوم ہی نہیں ہوا۔"

آٹھواں باب

بجلیاں دیکھنے والوں پہ گراتے آئے
تم جدھر آئے اُدھر آگ لگاتے آئے

شام کا وقت تھا۔ ابر گھرا ہوا تھا۔ کہیں قریب ہی پانی برسا تھا۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں میں خوشگوار خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ نہ اندھیرا تھا نہ اُجالا۔ ایک مدھم مدھم ٹھنڈی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی...... ممتاز کی رولس رائس انور کے دفتر کے سامنے آکر رُکی۔ ممتاز موٹر سے اُتر کر فوراً نہایت بے تکلفی سے انور کے دفتر کا دروازہ کھولکر السلام علیکم کہتے ہوئے داخل ہو گئے۔

انور:۔ اخّاہ! وعلیکم السّلام!! (مسکراتے ہوئے)

کس طرف کی ہے ہوا کہیئے کدھر بھول پڑے؟
آج کیا تھا جو تمھیں یاد ہماری آئی؟

ممتاز:۔ او ہو! آج کل بڑی محنت ہو رہی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ نیا دھوبی کنتھری میں بھی صابن لگاتا ہے...... صاحبزادے اس قدر کام کروگے تو ایک دن انتقال ہو جائے گا...... یہ بھی کوئی دفتر میں بیٹھنے کا وقت ہے۔ چلو۔ چھوڑو سارا کام میرے ساتھ چلو۔ خوب ابر گھرا ہے۔ بڑے لطف کا موسم ہے۔

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

انور:۔ اچھا بیٹھو تو ذرا۔ شتر بے مہار کی طرح بہت نہ بلبلاؤ۔ نہیں تو کوئی نجدی یا بغدادی آکر تمھیں کہیں پکڑ لیجائے تو اور مشکل ہو

ممتاز:۔ ارے میاں جلدی اٹھو نہیں تو کہیں بیٹھے بیٹھے دیمک نہ لگ جائے انسان کو ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے!!

انور:۔ اچھا اچھا۔ ذرا تلوار کے نیچے دم تو لو۔ تم ایسی آفت مچائے ہو جیسے خدانخواستہ شہر میں آگ ہی تو لگی ہے۔

ممتاز:۔ شہر میں تو نہیں مگر ہاں آج کا موسم ایسا ہے کہ دل میں آگ لگی ہے!

انور:۔ یہ کون غیر معمولی بات تم نے کہی۔ تمھارے دل میں تو روز ہی آگ لگی رہتی ہے۔ آج اگر کچھ زیادہ بھڑک اٹھی ہو تو کہو فائر بریگیڈ بلوا دوں۔ ہے اجازت۔ دیدوں ٹیلیفون؟ عجیب چیز ہو واللہ تم! ایسے جانور تو چڑیا گھر میں بھی نہیں دکھائی دیتے! کبھی تو ہوش کی باتیں کیا کرو۔ ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔ بیٹھو ذرا۔ انسان بنو۔ ٹھکانے کی بات کرو تو ٹھکانے کا تمھیں

جواب ملے۔ اب یہ کیا کہ چلو! چلو! چلو! بس رٹ لگ گئی۔ سر ہو گئے۔ ہم بھی کھو گئے کہ ہم آدمی ہیں۔!!

ممتاز:۔ اجی تو یہ کرو۔ جو تمہیں آدمی کہے وہ خود آدمی نہیں.... وہ حیوان مطلق۔ اسکی سات پشت حیوان مطلق!! بھائی ہم تو تمہاری عقل پر فاتحہ پڑھ چکے۔ چلنا ہو تو چلو۔ نہیں تو یہ خاکسار آداب عرض کرتا ہے۔

انور:۔ خاکسار آداب عرض نہ کرے۔ ہم بھی اب چلتے ہی ہیں۔

ممتاز:۔ تو پھر چلو دیر کس بات کی ہے؟

غرضکہ ممتاز انور کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے ساتھ موٹر پر لے ہی گئے۔ وہاں ایک صاحب مرزا محمود (ممتاز کے ایک بے تکلف دوست) منتظر بیٹھے ہوئے تھے انور اور ان میں پہلے سے ملاقات تھی۔

ممتاز:۔ (جب موٹر چل دیا انور سے) میں یہ نہیں کہتا کہ تم کام نہ کرو۔ مگر شام کو کام کرنا بیماریوں کو دعوت علم دینا ہے۔ شام کو کسی نہ کسی کھیل تفریح سے جی بہلایا کرو ورنہ تمہارے چہرے پر جو یہ دو گلاب کے پھول کھلے ہوئے ہیں بہت جلد مرجھا جائیں گے اور تمہارے پیٹ سلمہ اللہ تعالیٰ چند ہی دنوں میں مچلن ٹائر کے اشتہاری آدمی کی طرح پھول آئیں گے۔ اور تم بس بالکل لالہ گھنشام داس ہو کر رہ جاؤ گے!!..... پھر علاوہ عقل کے تمہارے حسن کا بھی سیوم کرنا پڑیگا!

انور:۔ (ہنستے ہوئے) ماشاء اللہ طبیعت بہت موزوں ہے آج؟ کچھ پی۔ وی کے تو نہیں آئے ہو؟

ممتاز:۔ پیو تم۔ ہم کیوں پیئیں؟

میں نثار اپنے خیال کے کہ بغیر مے کے ہیں مستیاں
نہ تو خم ہے پیش نظر کوئی نہ سبو ہے پاس نہ جام ہے

اور پھر طبیعت موزوں نہ ہونے کے معنی؟ میری طبیعت بھی کیا ہمارے مرزا کے شعر ہیں جو کبھی موزوں ہی نہیں ہوتے !!

مرزا محمود:۔ بھئی واللہ میں تو کچھ بولا بھی نہیں۔ آخر یہ مجھ پر کیوں بوچھاڑ ہونے لگی؟ وہی مثل ہے۔ بزردہ نہ خوردہ۔ ناحق درد گردہ !! اس وقت موٹر میرین لائنس کی سڑک پر کولابا کی طرف آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ سامنے سے ایک خوبصورت "بیوک" کھلا ہوا خراماں خراماں آ رہا تھا۔ اس پر حسن نسائی کا بہترین مجسمہ۔ قدرت کی صناعی کا حسین ترین نمونہ۔ ایک ۱۵-۱۶ برس کی لڑکی بصد ناز دلربائی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکی سنہری ساری اس کے بیش قیمت جواہرات اور مرصع زیورات اسکے حسن زاہد فریب میں اور چار چاند لگا رہے تھے۔ جس وقت اس کا موٹر ممتاز کے موٹر کے قریب سے گذرا اسکے نازک یاقوت کو شرما دینے والے ہونٹوں پر ایک عجیب دلستاں تبسم تھا۔ اسکی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں ایک عجیب جادو تھا۔ جوں ہی اس لڑکی کی نظر انور پر پڑی اس کا چہرہ آفتاب مغرب کی طرح سرخ ہو گیا۔ اسکی جادو بھری آنکھوں کا تبسم اور زیادہ نمایاں ہو گیا........

ممتاز پر گویا بجلی گر پڑی۔ وہ محو ہو گیا۔ مبہوت ہو گیا۔ اسکا دل چلتے چلتے یکبارگی رک گیا۔ پھر یک بیک بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔ یہاں تک کہ اسکے چہرے اور ہاتھوں پر پسینہ آ گیا...... اور یہ سب کچھ زیادہ سے زیادہ پندرہ سکنڈ میں ہو گیا۔

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالوں میں دل آزنہ تھا

دونوں موٹر ایک دوسرے کے قریب سے نکل گئے۔ مگر ممتاز کی نظر برابر اس لڑکی پر جمی رہی اور جبتک وہ دیکھ سکا اُسے مڑکر دیکھتا رہا اور وہ لڑکی بھی ممتاز کے موٹر کیطرف

جب تک دیکھ سکی دیکھتی رہی............

ممتاز:۔ (جب موٹر کچھ دور نکل گیا)..... اُف کس بلا کا حسن تھا۔ کس قیامت کا تبسم تھا..... اور آنکھیں!...... ان میں امرت تھا۔ زہر تھا۔ نشہ تھا۔ وہ قہر تھیں۔ آفت تھیں۔ قیامت تھیں.........

جادو تھی سحر تھی یا بلا تھی
ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

(مڑ کر پھر اُس لڑکی کے موٹر کی طرف دیکھ کر)..... ایں۔ وہ موٹر غائب ہی ہوا چاہتا ہے..... (آواز بلند کر کے)..... شوفر! شوفر! موٹر روکو! روکو! واپس لے چلو! واپس لیچلو! اور اس موٹر کے پیچھے لگا دو جو ابھی یہاں سے گذرا ہے۔

شوفر:۔ بہت اچھا حضور!

شوفر نے فوراً موٹر موڑ کر اس لڑکی کے موٹر کے پیچھے لگا دیا۔

ممتاز:۔ (شوفر سے) تیز چلو! تیز! اور تیز چلو! خبردار! وہ موٹر غائب نہ ہونے پائے!۔

انور:۔ (جو دیر سے ممتاز کی مجنونانہ حرکتیں تعجب سے دیکھ رہا تھا) ممتاز آخر تم یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کون سی چھچھوری حرکت ہے؟!!!

ممتاز:۔ (انور سے) خاموش!..... مجھے تم سے اس وقت باتیں کرنے کی فرصت نہیں ہے..... (مرزا سے) آہاں مرزا تم نے دیکھا!! اُف کس قیامت کا حسن ہے۔ آنکھیں چکاچوند ہو گئیں!

مرزا:۔ دیکھا اور خوب دیکھا۔ کیا تم اُسے نہیں جانتے! یہ وہی ماہ لقا کی چھوٹی بہن مہ جبین ہے۔ جس نے بمبئی میں حسن کے پہلے ہی ایک حشر بپا کر دیا ہے آفت ہے آفت! قیامت ہے قیامت! پریاں اس کے سامنے شرمائیں۔ حوریں

اسکے آگے سجدہ کریں۔ بڑے بڑے نقّاد حسن کو ماننا پڑا ہے کہ یہ لڑکی حسن کی دیوی ہے۔ آسمان سے زمین پر جو اتر آئی ہے۔ اتنی سی لڑکی نے شہر کو تہ وبالا کر دیا ہے۔ چند آدمی تو ابھی تک اس کے پیچھے خودکشی کر چکے ہیں اور نہ معلوم کتنے تباہ ہو گئے۔ مگر ایک کی ابھی تک دال نہیں گلی..... اللہ رے غرور! بڑے بڑے لکھپتی۔ کروڑپتی اسکی صرف ایک نگاہ لطف کے متمنّی ہیں مگر وہ کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی!!

ممتاز:۔ کچھ بھی ہو مگر اس حسن کی دنیا پر قبضہ کرنا چاہئے!..... کیوں مرزا کیا رائے ہے؟

مرزا:۔ بھئی ممتاز یہ لڑکی آفت کی پرکالہ ہے۔ کسی کے چنگ پر نہیں چڑھتی بڑے بڑوں کے چھکّے چھوٹ گئے۔ میری صلاح لو تو بھائی میں تو یہی کہونگا کہ اسکے کوچے میں بھولے سے بھی قدم نہ رکھنا۔ قسم کھالو کہ آج سے اسکا خیال بھی نہ کرو گے جان جوکھم کا سودا ہے۔ ہزاروں لاکھوں پر پانی پھر جائیگا اور پھر بھی کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔ آج سے تم اس خوبصورت بلا کا خیال تک اپنے اوپر حرام کر لو۔

کسکو دل دیتے ہو کیا کرتے ہو دیکھو ممتاز!
ہائے نادان بنے جاتے ہو دانا ہو کر!

ممتاز:۔ ہونہہ اچھی کہی۔ بہت اچھی کہی۔ کچھ دماغ میں خلل ہوا ہے کیا یار راستے میں دو چار من گھاس کھالی ہے؟ یہ بزدلانہ مشورہ کسی بنئے بقال کو دیتے تو وہ قدر بھی کرتا؟ میری راہ میں تو ہر ایک رکاوٹ میری ہمت کیلئے ایک نئی چھیڑ ہے!!

مرزا:۔ خیر بھئی۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا۔ اب تمہیں اختیار ہے اپنا برا بھلا تم خود سب سے بہتر سمجھ سکتے ہو!!

انور:- (ممتاز سے) یہ کیا خیالی پلاؤ پک رہا ہے؟ آج تم کیسی بے سروپا باتیں کر رہے ہو؟ مجھے سخت تعجب ہے!!

ممتاز:- لیجئے۔ یک نہ شد دو شد۔ کیا کچھ آپ بھی وعظ فرمانے والے ہیں تو برائے خدا ابھی جمعہ کے دن کسی مسجد کے ممبر سے فرمایئے گا۔ اس نیاز مند کی اس وقت جان بخشی ہو!!

انور:- میں یہ کہتا ہوں کہ ایک طوائف کیلئے تم یہ کیا ہزیان بک رہے ہو؟ عقل کے ناخن لو۔ ہوش کی دوا کرو...... وہ خوبصورت کیچلی میں زہریلی ناگن ہے جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ وہ ایک حسین عورت کی شکل میں ایک مردم خور بلا ہے حسن کے پردے میں اخلاقی بدصورتی اور روحانی گندگی کا ایک دلکش مجسمہ ہے! احمق! کیا تم اس ناپاک ماں کی ناپاک لڑکی کے لئے اپنے تمام بلند اصولوں کو قربان کر دوگے؟ مذہب کو برباد اور اپنی انسانیت کو خیرباد کہدوگے؟ نہیں! نہیں میں تمھیں ایسی مہلک غلطی۔ ایسی احمقانہ خودکشی ہرگز نہ کرنے دوں گا۔

ممتاز:- (کراہت آمیز لہجے میں) بس۔ بس ختم کرو! اپنی مکروہ تقریر ختم کرو! تمھیں شرم نہیں آتی کہ ایسے روشن خیال آدمی ہو کر تم ابتک مذہب و اخلاق کے دقیانوسی ڈھکوسلوں میں پڑے ہوئے سڑ رہے ہو!! تمہیں شرم آئے یا نہ آئے مگر ان کرم خوردہ خیالات پر واللہ مجھے ندامت ہوتی ہے (شوفر سے) روکو! موٹر روکو! بس یہیں اتر پڑنگے یہیں!! دیکھو مرزا! موٹر سے اتر کر وہ بنچ پر بیٹھ گئی۔ ہم لوگ بھی اتر کر اسی طرف پیدل چلیں گے۔

مرزا:- بھائی ممتاز مجھ کو تو نہ لیجاؤ۔ مجھ سے اس سے لڑائی ہو چکی ہے وہ میری صورت سے بیزار ہے۔

ممتاز:- مگر انور۔ تم تو چلو!۔

انور۔ (خفگی کے لہجے میں) جی مجھے تو آپ معاف ہی فرمائیے۔ عنایت ہوگی ہاں آپ کو جہاں جانا ہے جائیے۔ میں گھر جاتا ہوں۔ آپ کے موٹر کی بھی ضرورت نہیں۔ میں کوئی ٹیکسی کر لوں گا.......

یہ کہکر انور ممتاز کے موٹر سے اترنے لگا۔

ممتاز۔ واہ! بس اتنی سی بات پر تم خفا ہو گئے۔ برا مان گئے! واللہ عجیب آدمی ہو تم۔ یہ بھی کوئی برا ماننے کی بات تھی؟..... اچھا خیر جانے دو مجھے معاف کرو۔ میں نے جو کچھ کہا محض مذاق میں کہا تھا۔ اور تم ایسے قُل اَعُوذ یے ہو کہ بس فوراً بگڑ گئے۔ نہیں معلوم تمھیں عقل کب آئے گی؟

انور۔ نہیں میں تم سے خفا نہیں ہوں مگر میں تمھارے ساتھ ہرگز نہ جاؤنگا۔

ممتاز۔ خوب! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم ہو کس خیال میں؟ تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا؟!!

انور۔ (خفا ہو کر) اور میں حشر تک نہ جاؤں گا۔ یہ بھی کوئی بات ہے؟ اپنے آپ کو برسرِ راہ اس طرح ذلیل کرنا!!

ممتاز۔ تمھیں قسم ہے میری جان کی انور جو تم انکار کرو..... میں اور کچھ نہ کروں گا صرف اسے ذرا قریب سے دیکھوں گا دیکھیں تو وہ کیسی ہے؟ اگر تم نہیں دیکھنا چاہتے ہو تو نہ دیکھنا!! چلو چھٹی ہوئی! مگر تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا...... لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃ تم اتنی خوشامد کراتے ہو کہ بس طبیعت زچ ہو جاتی ہے!! کیا تمھیں میری جان کی قسم کا بھی خیال نہیں؟

انور۔ (مجبور ہو کر) اچھا تو تم اُس سے باتیں نہ کرنا۔ وعدہ کرو۔

ممتاز۔ ہاں ہاں وعدہ کرتا ہوں۔ میں اُس سے باتیں نہ کروں گا۔

یہ کہکر ممتاز انور کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ ساتھ لیچلا۔ مرزا موٹر ہی پر

جے بیٹھے رہے۔ مہ جبین کے ساتھ ایک سانولے رنگ کی طرحدار چلبلی۔ نمکین، لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو غالباً اسکی سہیلی تھی۔ مہ جبین ممتاز اور انور کو کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ انور سر جھکائے تھا اور اس کا چہرہ شرم سے انگارہ کی طرح جل رہا تھا جس سے نادانستہ اس کا عجیب و غریب حسن اور دوبالا ہو گیا تھا۔ ممتاز کی نگاہیں بھی پھول کیطرح مہ جبین کے چہرے پر گڑی تھیں اور زبان حال سے یہ کہہ رہی تھیں۔

زفرق تا قیامت ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

جب انور اور ممتاز مہ جبین کے سامنے آگئے تو وہ سرو قد کھڑی ہو گئی اور اس نے انور کو بڑے ناز سے جھک کر سلام کیا۔ ممتاز سمجھے کہ ان کو سلام کر رہی ہے انکی باچھیں کھل گئیں اور انھوں نے بہت مسکرا کر اسکے سلام کا جواب دیا۔ انور نے گردن اور زیادہ جھکالی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ ممتاز نے دیدہ و دانستہ اپنی ہیرے کی قیمتی انگوٹھی مہ جبین کے سامنے اپنی انگلی سے اس چالاکی سے اتار کر گرادی کہ گویا وہ اتفاق سے نکل کر گر گئی ہے۔

انور نے یہ کارروائی نہیں دیکھی مگر مہ جبین نے انگوٹھی گرتے ہوئے دیکھ لی اور جب انور اور ممتاز کچھ دور چلے گئے تو اس نے وہ انگوٹھی آہستہ سے اٹھالی۔

ممتاز:۔ (جب کچھ دور نکل گئے) کیوں انور مہ جبین نے سلام کسے کیا تھا۔

انور:۔ تمھیں کو کیا ہوگا! وہ مجھے کیوں سلام کرتی؟

ممتاز:۔ شاید وہ پہلے سے تمھیں جانتی ہو یا شاید تمھارے غیر معمولی حسن کا احترام ہو!!!

انور:۔ (شرما کر) مجھے تو پتا ہے نہیں۔ آپ ہی بمبئی کے مشہور شاہزادہ تجارت ہیں۔ میں کس قابل ہوں؟

ممتاز: ارے! یہ میری ہیرے کی انگوٹھی کیا ہوئی؟ ابھی ابھی تو میری انگلی پر تھی ..... ہو نہ ہو یہیں قریب ہی کہیں گری ہوگی .....

یہ کہہ کر ممتاز زمین پر انگوٹھی ڈھونڈنے لگا۔ پھر کہنے لگا "خوب۔ یہ بھی واللہ خاصی رہی۔ اس مذاق میں ڈھائی ہزار کی انگوٹھی بھی گئی۔ مگر خیر سڑک صاف ہے۔ کہیں نہ کہیں چمکتی ہوئی ضرور دکھائی دیگی۔"

انور بیچارہ سیدھا سادھا آدمی ممتاز کی باتوں میں آگیا اور اس کے ساتھ انگوٹھی ڈھونڈنے میں مصروف ہوگیا۔

ممتاز: - جس راستے سے آئے ہیں اسی راستے پر سیدھے واپس چلو۔ شاید مل جائے۔"

انور انگوٹھی کی تلاش میں بھول گیا کہ مہ جبین قریب ہی بیٹھی ہے۔ یہاں تک کہ وہ انگوٹھی ڈھونڈتا ڈھونڈتا مہ جبین کے بالکل قریب آگیا۔ یہاں پہنچکر ممتاز نے بھی بہت انہماک سے جستجو شروع کردی اور جب وہاں انگوٹھی نہیں ملی تو اس کو بھی بہت تعجب ہوا۔

انور: - نہیں معلوم تم نے کہاں گرا دی۔ اتنا ڈھونڈا کہیں ملتی ہی نہیں۔ مہ جبین بنچ پر بیٹھی ہوئی شوخی آمیز مسکراہٹ سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ انور نے تو ممتاز سے مخاطب ہوکر کہا تھا مگر مہ جبین بول اٹھی۔

"آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

انور نے سر اٹھایا تو مہ جبین سے آنکھیں چار ہوگئیں۔ نظر فوراً جھک گئی چہرہ پر سرخی دوڑ گئی! اور وہ جھینپ کر خاموش ہوگیا مگر ممتاز فوراً بول اٹھے۔

"کچھ نہیں ایک انگوٹھی گر گئی ہے۔ اسی کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ آپ نے تو نہیں دیکھی کہیں!

مہ جبین :۔ (بڑے ناز سے) جی ہاں ضرور !! آپ ایسے بھولے بھالے آدمی اپنی چیزیں کھو یا کریں اور میں بیٹھی ہوئی دیکھا کروں کہاں کھوئی ہیں... بس اب یہی تو میرا دنیا میں ایک کام رہ گیا ہے !!

ممتاز :۔ (مسکرا کر) اس کو نہ کہئے! بہت سی کھوئی ہوئی چیزیں آپ ہی لوگوں کے یہاں نکلتی ہیں....

مہ جبین :۔ (مسکرا کر ناز سے تیور چڑھا کر)... مثلاً ؟؟

ممتاز :۔ (مسکراتے ہوئے)... مثلاً ؟ اب میں کیا بتاؤں! آپ سنئے گا تو شرمائیے گا !!

مہ جبین :۔ (انور سے) کیوں صاحب کیا آپ بھی اپنے دوست کے الزام کی تصدیق کرتے ہیں ؟

انور :۔ (انور شرمائی ہوئی ادا سے مگر کچھ ہمت کر کے) جی میرا تو یہ تجربہ نہیں ہے۔ یہ بہتر جانتے ہوں گے !۔

مہ جبین :۔ (معنی خیز مسکراہٹ سے) تو کیا آپ کا تجربہ کچھ اس کے برعکس ہے یعنی کھوئی ہوئی چیزیں اگر ڈھونڈی جائیں تو کیا وہ آپ کے پاس بھی مل سکتی ہیں؟

انور :۔ اس کو آپ بہتر جانتی ہوں گی !

مہ جبین اس جملے پر کچھ شرما سی گئی۔ پھر ممتاز سے مخاطب ہو کر بولی۔ کیوں صاحب آپ کی انگوٹھی اگر مل جائے تو ہمیں کیا دیجئے گا ؟

ممتاز :۔ جو آپ فرمائیں۔ جان تک حاضر ہے !!

مہ جبین :۔ معاف کیجئے مجھے آپ کی جان کی ضرورت نہیں !!

ممتاز :۔ اسی لئے نا کہ آپ خود جان جہاں ہیں ؟

مہ جبین :۔ یہ لچھے دار باتیں تو آپ رکھ کے رکھئے اور یہ بتائیے کہ انگوٹھی

مل جائے تو آپ یا آپ کے دوست ہمیں کیا دیں گے؟

ممتاز:۔ (مسکرا) میں اپنے دوست کو بطور خراج محبت کے آپ کے حُسن کے دربار میں پیش کردونگا کیونکہ حُسن کے دربار میں حُسن ہی کی پذیرائی ہو سکتی ہے!!

مہ جبین:۔ جی نہیں! حُسن کے دربار میں صرف عشق کی پذیرائی ہو سکتی ہے!!... مگر یہ تو فرمایئے کہ یہ مدعی سُست گواہ چست کا نقشہ کیوں ہے؟ آپ کے دوست بھی اس کے لئے تیار ہیں؟

ممتاز:۔ (مسکرا انور سے) کیوں بھئی تم کو بھی یہ شرط منظور ہے کہ نہیں؟

انور:۔ اگر کسی کو آپ کچھ دیتے ہیں تو اچھی اور قیمتی چیز دیجئے۔ مجھ غریب کو دیکر کیا کیجیے گا۔ ایک ہی فعل سے آپ دونوں کی توہین ہوگی۔ (مہ جبین سے) آپ کی نا قدری اور (ممتاز سے) آپکے بخل کی پردہ دری ہوگی!!

مہ جبین:۔ (انور کو تمنا بھری آنکھوں سے دیکھ کر اور ایک آہ سرد بھر کر) اچھا خیر لیجئے (انگوٹھی دیتے ہوئے) میں بغیر کسی شرط کے واپس کئے دیتی ہوں۔ جب آپ دونوں صاحب کچھ دور نکل گئے تو میری نظر اس چمکتی ہوئی انگوٹھی پر پڑی میں نے اسے اٹھالیا! اور یہی سوچ رہی تھی کہ یہ کسکی ہے کہ آپ دونوں صاحب اسے ڈھونڈنے کو لئے واپس آئے۔ لیجئے میں آپ کو یہ انگوٹھی بلا کسی شرط کے واپس کئے دیتی ہوں!!

انور:۔ یہ میری نہیں انکی ہے!

ممتاز:۔ میں تو اب واپس لونگا نہیں۔ کھوئی ہوئی چیز واپس لینا میرے مذہب میں حرام ہے!

مہ جبین:۔ (تعجب سے) حرام ہے؟ خوب! یہ کس مذہب میں؟

ممتاز:۔ مذہب عشق میں! تعجب نہ کیجئے مذہب عشق میں زیادہ تر باتیں الٹی ہی ہوتی ہیں۔ مثلاً دل کے جانے کو اس مذہب میں دل کا آنا کہتے ہیں اور

کسی کو دیکھ کر جینے کو اس پر مرنا کہتے ہیں۔ آنکھوں کو قضا کے آگے کی کھڑکیاں، پلکوں کو برچھیاں، نگاہ کو تیر، ابرو کو خنجر، قد کو قیامت اور سینے کو بجلی گرنا کہتے ہیں۔ غرضکہ مذہبِ عشق میں ہر چیز اگر الٹی نہیں تو انوکھی ضرور ہے۔ لہٰذا اگر کھوئی ہوئی چیز واپس لینا اس مذہب میں حرام ہے تو تعجب کیا؟

مہ جبین:۔ (مسکرا کر) تعجب تو یہ ہے کہ اس مذہب میں چکنی چکنی میٹھی میٹھی باتیں کرنا کیوں حرام نہیں؟ گستاخی معاف! کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ مذہبِ عشق کے نئے پیغمبر کا اسمِ مبارک کیا ہے؟ اور دولت خانہ کہاں ہے؟

ممتاز:۔ (مسکرا کر) مجھے ممتاز کہتے ہیں، اور غریب خانہ نعمان منزل کولابہ ہے۔ شاید آپ نے نام سنا ہو!!

مہ جبین:۔ (مسرت انگیز تعجب سے) اوہ! تو آپ ہی بمبئی کے مشہور و معروف شاہزادۂ تجارت مسٹر ممتاز ہیں؟۔۔ خوب! مجھے اس اتفاقیہ ملاقات سے بڑی مسرت ہوئی۔

ممتاز:۔ یہ آپ کی خوش اخلاقی اور میری خوش نصیبی ہے۔ (انور کی طرف اشارہ کر کے) اور یہ میرے دوست مسٹر انور ہیں۔ آپ یہاں کی مشہور فرم قاسم بھائی کریم بھائی کے منیجر ہیں!

مہ جبین:۔ بے شک بے شک! مجھے امید ہے کہ آپ دونوں صاحبوں سے پھر ملاقات کی مسرت حاصل ہوگی۔

ممتاز:۔ (مسکراتے ہوئے) بھلا اس کو بھی کیا دعوت دینے کی ضرورت ہے!

مہ جبین:۔ مگر آپ کے دوست شاید کچھ خفا سے معلوم ہوتے ہیں۔

ممتاز:۔ جی نہیں خفا تو نہیں ہیں مگر ابھی ذرا صاحبزادے ہیں۔ شرماتے بہت ہیں!!

مہ جبین :۔ (ہنستے ہوئے) مقتضائے حسن ہے۔ کیوں نہ ہو؟ انھیں آئینگی شوخیاں آتے آتے۔ مسٹر ممتاز جب آپ تشریف لائیے گا تو ان کو بھی ضرور اپنے ساتھ لائیے گا۔

ممتاز :۔ ضرور ضرور۔ پہلے ان کو ساتھ لاؤنگا۔ پیچھے میں آؤنگا۔

مہ جبین :۔ پکا وعدہ ہے نا؟ اس میں تو فرق نہ ہوگا؟

ممتاز :۔ قولِ مرداں جاں دارد!

مہ جبین :۔ مگر مسٹر انور تو کچھ بولتے ہی نہیں (مسکراکر) آخر کچھ تو بولئے!

انور :۔ بولوں کیا؟ یہاں کچھ نیلام تو ہو نہیں رہا ہے! اور اگر ہو بھی رہا ہو تو اب بولی ممتاز صاحب کے نام ختم ہو گئی ہیں بول کر کیا کروں؟

مہ جبین :۔ (ہنس کر) انور صاحب آپ تو خوب بولیاں بولتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ میں بولتا نہیں!!

بسی ہوئی ہے جن آنکھوں میں شوخیوں کی بہار
ادائے شرم انھیں کیوں سکھائی جاتی ہے؟

اس پر انور شرما گئے اور ممتاز ہنسنے لگے۔

مہ جبین :۔ ممتاز صاحب۔ آپ کی باتیں ایسی شیریں اور دلچسپ ہیں کہ یہاں سے جانے کو میرا جی نہیں چاہتا لیکن آج مجھے ضرورت سے زیادہ دیر ہوگئی۔ باجی میرا انتظار کرتی ہونگی۔ اب اجازت دیجئے میں اب جاؤنگی۔ اور یہ انگوٹھی بھی اُسی وقت دونگی جب آپ دونوں صاحب غریب خانے پر تشریف لائینگے۔ خیال رہے۔ وعدہ خلافی ہوئی تو یہ آپ کی ضمانت ضبط ہو جائیگی۔

ممتاز :۔ وہ تو آپ کی ہو ہی چکی ضبطی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مگر آپ اطمینان رکھیئے میں وعدہ خلافی نہیں کرونگا۔ کل تو مجھے ایک خاص ضرورت ہے مگر پرسوں شام کو ٦ بجے میں ضرور حاضر ہونگا اور انور بھی میرے سائے کیطرح میرے ساتھ ساتھ آئینگے۔

مہ جبین : میں آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کروں گی ۔ نا امید نہ کیجئے گا ۔

ہو چکا وعدہ کہ آپ آیئے گا   دیکھئے اب نہ بدل جایئے گا

اچھا اب رخصت ہوتی ہوں ۔ آداب عرض ۔ (انور سے) آداب عرض ۔ اب دیکھنا ہے کون جیتتا ہے ۔ آپ یا آپ کے دوست !!

انور سلام کا جواب دیکر خاموش ہو گیا اور مہ جبین انور پر ایک محبت بھری وداعی نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے موٹر کیطرف روانہ ہو گئی ۔ اپنی تدبیر کی کامیابی پر اسے بیحد خوشی تھی ... دل میں وہ سوچ رہی تھی ... (انور کا خیال کرتے ہوئے) ۔

... گھر تلک انکو لگا لائے ہیں ہم باتوں میں   اور کھل جائینگے دو چار ملاقاتوں میں ....

.. (پھر ممتاز کا خیال کر کے) .. مگر وہ عقلمند بیگم ممتاز اس خیال میں پڑا ہے کہ میں اس پر ریجھی ہوں ! اس کو اپنی دولت پر بڑا گھمنڈ ہے ۔ مگر روپیہ والا عاشق اور پھر اس سے محبت ۔ یہ تو استاد نے سکھایا ہی نہیں !! یہ سنہرے پروں کے الو تو صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ انھیں پھنسا کر ان کے سنہرے پر نوچ لئے جائیں اور پھر اپنی حماقت پر عمر بھر افسوس کرنے کے لئے انھیں چھوڑ دیا جائے ! میں نے اس دولتمند احمق کو سنگ لیلیٰ سمجھ کر اسلئے پیچھے لگا لیا ہے کہ اس ذریعہ سے اس کا فرسے ملنے کا ایک راستہ کھل جائیگا ۔ ورنہ ایسے ایسے مخبوط الحواس گدھے تو روزنہ ہی میرے مکان کے ارد گرد چکر لگایا کرتے ہیں اور میں نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی

کچھ دیر میں موٹر فری پیلیس کے اندر جا کر رکا ۔ مہ جبین ساری کا آنچل سنبھالتی عجب ناز و انداز سے موٹر سے اتر کر کمرے میں داخل ہوئی ۔ عشاق کا ہجوم جو وہاں پہلے سے تھا استقبالیہ کمیٹی بن کر مہ جبین کے خیر مقدم کے لئے کھڑا ہو گیا ۔

مہ جبین کسی کو دیکھ کر مسکرائی کسی پر ہنسی ۔ کسی پر فقرہ کسا کسی سے مذاق کیا ۔ کسی سے آنکھوں کا اشارہ کیا کسی کے زانو میں چپکے سے چٹکی لے لی ۔ کسی کو پان اپنے

ہاتھ سے کھلا دیا کسی سے بے پروائی کی شکایت کرنے لگی کسی پر بجلی کی طرح گری کسی کے سامنے خنجر کی طرح چمکی۔ کسی کے دل و جگر میں تیر کی طرح اتر گئی ... ہر ایک کا ایک نئے آلۂ حرب سے شکار کیا۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ مخبوط الحواس گدھوں کی اس کانگرس میں ہر ایک اپنی جگہ پر شدتِ خوش عقیدگی سے یہی سمجھتا رہا کہ مہ جبین اوروں سے تو ظاہری لگاوٹ اور صرف اسی سے سچی محبت کرتی ہے۔ الغرض فری پبلس میں عشق بازی یا بالفاظِ دیگر حماقت نوازی کا بازار گرم ہو گیا۔

اللہ ری اس نگاہ کی سحر بیانیاں

ہر اک کو یہ گماں ہے مخاطب ہمیں رہے

نواں باب

ممتاز کے مکان پر

دوسرے دن صبح کو دس بجے قاضی سراج الدین صاحب نے انور اور کشور سلطانہ کا نکاح پڑھایا۔ نمائشی ایجاب قبول ہوا۔ قاضی صاحب نے اپنے رجسٹر میں شادی کا حسب ضابطہ اندراج کیا۔ اور فریقین کے دستخط لئے۔ ممتاز اور ممتاز کے دوست عبدالرحیم ایڈوکیٹ نے گواہی کی اور اس طرح ممتاز کی ساختہ پرداختہ پہلی منزل طے ہوئی۔ ممتاز نے شہر کے بارسوخ اور معزز افراد میں سے دس بارہ دوستوں کو بھی مدعو کر دیا تھا۔ وہ سب بھی شادی کے وقت موجود تھے چنانچہ بعد شادی کے سب نے دلہا اور دلھن کو نہایت جوش و خروش سے رسمی مبارکباد دی اور ان پر پھول برسائے۔ بجز عبدل۔ ممتاز کشور سلطانہ اور انور کے

سب ہی سمجھتے تھے کہ شادی اصلی اور حقیقی شادی ہے۔

ممتاز مصلحتاً کشور کے دور کے رشتہ دار بن گئے تھے اور اسی حیثیت سے سارے انتظامات کر رہے تھے۔

نکاح ممتاز کے ڈرائنگ روم میں ہوا۔ اور نکاح کے بعد پان۔ سگریٹ۔ خوشبو وغیرہ کا دور شروع ہو گیا۔

ممتاز:۔ (ممتاز کچھ دیر کے بعد) آپ حضرات کو غالباً کشور سلطانہ اور میرے دوست انور کی دلچسپ داستان معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک کھانے کی گھنٹی نہیں بجتی میں نے آپ کی سمع خراشی کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور مجھے توی امید ہے اور ساتھ ہی اس کے سخت احتمال بھی ہے کہ یہ دلچسپ داستان آپ لوگوں کے لئے بجری چورن یا فروٹ سالٹ کا کام دیگی۔

ایک صاحب:۔ (ہنستے ہوئے) میری بھوک تو ابھی سے بڑھ گئی محض داستان سننے کے وعدے ہی سے۔ سننے کے بعد کیا حال ہوگا؟

دوسرے صاحب:۔ اگر بھوک میں یہی ترقی رہی تو مجھے خوف ہے کہ ممتاز کے سونے کے چمچے اور چاندی کی پلیٹیں نہ آپ لوگ سلامتی سے ہضم نہ کر جائیں؟

ممتاز:۔ نہیں آپ ڈریں نہیں ہضم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا کیونکہ اس ترقی پسند زمانے میں چمچوں اور پلیٹوں کا اکس رے سے پتہ چلا لینے میں زیادہ دقت نہ ہو گی! ابھی کل ہی اخبار میں تھا کہ ایک لڑکا ایک جوہری کی دوکان میں ایک انگوٹھی چرانے پکڑا گیا تو وہ فوراً انگوٹھی نگل گیا۔ لیکن بعد و پولیس نے اس کا اکس رے کرایا اور انگوٹھی اس بدنصیب لڑکے کے پیٹ میں نہایت حفاظت سے رکھی ہوئی پائی گئی۔

ایک صاحب:۔ یہ تو بڑی مشکل ہوئی۔ ممتاز بڑا چالاک آدمی ہے۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین میچے اور پلیٹیں بڑی احتیاط اور بیحد ہوشیاری سے کھائیے گا!!
اس پر سب ہنس دئے۔

ممتاز:۔ آرڈر! آرڈر! اگر آپ خاموش رہیں تو میں آپ سے ایک بڑا دلچسپ قصہ بیان کروں۔

کئی آوازیں:۔ ضرور! ضرور!

ممتاز:۔ کشور سلطانہ اور انور سے زیادہ حسین شریکِ زندگی آپ حضرات نے غالباً کم دیکھے ہونگے۔

کئی آوازیں:۔ بے شک نہیں دیکھے!!

ممتاز:۔ کشور سلطانہ ایسی حسین لڑکی طاعون میں مبتلا ہوتی ہے۔

کئی آوازیں:۔ (تعجب سے) طاعون میں؟....

ممتاز:۔ جی ہاں طاعون میں کشور سلطانہ طاعون میں مبتلا ہوتی ہے اور اسکا حقیقی ماموں اور قانونی ولی اور اسکی لاکھوں روپیہ کی جائداد کا امین رحیم بھائی اسکو اس خطرناک اور قابلِ رحم حالت میں اکیلا چھوڑ کر چلدیتا ہے!!!

کئی آوازیں:۔ شیم! شیم! شیم!

ممتاز:۔ اکیلا چھوڑ کر کیوں چلدیتا ہے؟ طاعون کے خوف سے نہیں۔ موت کے ڈر سے نہیں! بلکہ محض اس غرض اور اس نیت سے کہ اگر کشور سلطانہ طاعون سے جانبر نہ ہو تو وہ اس کی کل جائداد اور اسکے کل روپیہ کا وارث اور مالک بن بیٹھے۔

کئی آوازیں:۔ شیم! شیم! شیم!

ممتاز:۔ مگر خدا کو منظور تھا کہ کشور سلطانہ زندہ رہے۔ لہذا رات کو دس بجے کشور کے مکان سے کچھ فاصلہ پر انور کا موٹر خراب ہو جاتا ہے۔ کشور کا ماموں زاد بھائی ابراہیم انور کا دوست تھا اور اس کا دو دن پہلے ہی طاعون میں انتقال ہو چکا تھا۔ مگر انور

ابراہیم کا مکان تلاش کرتا ہوں کشور کے گھر پہنچتا ہے۔ وہاں بجائے ابراہیم کے اس کو کشور سلطانہ طاعون کے تیز بخار میں بیہوش۔ تنہا اور بے بس پلنگ پر پڑی ہوئی ملتی ہے۔ شہر میں سخت طاعون ہے۔ لوگ اپنے اپنے مکان چھوڑ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ آدھی رات کا وقت ہے۔ ہو کا عالم ہے مگر بہادر انور کو طاعون اور موت سے زیادہ بیمار کشور اور اس کی تیمارداری کا خیال ہے۔ وہ دن رات جان پر کھیل کر کشور کی تیمارداری کرتا ہے۔ کشور اچھی ہو جاتی ہے اور انور سے شادی کر لیتی ہے ....

اب انصاف سے کہئے! کیا یہ واقعہ جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ناول اور افسانوں کے مصنوعی واقعات سے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز نہیں ہے ؟!!

حاضرین :۔ بیشک! بیشک!

ایک صاحب :۔ مسٹر انور ہم آپ کی شرافت اور بہادری کی کافی تعریف نہیں کر سکتے۔ واقعی کشور سلطانہ آپ کی مستحق اور آپ کشور سلطانہ کے مستحق ہیں۔

ایک صاحب :۔ اور ممتاز۔ رحیم بھائی کا کیا حشر ہوا ؟

ممتاز :۔ رحیم بھائی ؟ رحیم بھائی اس وقت دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں اور غصے سے اپنی انگلیاں چبا رہے ہیں۔ مگر انشاءاللہ وہ بہت جلد کشور سلطانہ کی ولایت سے کان پکڑ کر نکال دیے جائیں گے اور گو وہ اس سے بدرجہا زیادہ سخت سزا کے مستحق ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ وہ قانون کے آہنی پنجوں کی گرفت میں نہیں آتے!

سب نے فرداً فرداً اور مشترکاً رحیم بھائی سے انتہائی نفرت کا اظہار کیا اور انھیں خوب جی بھر کے برا بھلا کہا۔ رحیم بھائی کے خلاف ہنگامہ برپا تھا کہ کھانے کی گھنٹی بجی!

ممتاز :۔ (ہنس کر) کھانے کی گھنٹی ہو گئی اور میری تجویز ہے کہ جو قصہ آپ سب کو

رحیم بھائی کے کمینہ پن پر معلوم ہو رہا ہے۔ وہ فی الحال آپ سب چل کر میرے کھانے پر اتاریئے . . . . .

عذرا :- میں اس قابل تحریک شوہری کی پُرزور تائید کرتی ہوں۔

سب اس پر ہنس پڑے۔ آگے آگے انور اور کشور سلطانہ اور پیچھے پیچھے سارے مہمان ہنستے مذاق کرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے۔

کھانا کھانے کا کمرہ نہایت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا عروس نو کی طرح آراستہ تھا اور کھانا؟ اسکی تعریف تو بیکار ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ روپیہ کے خرچ سے جو اچھے سے اچھا کھانا بمبئی میں تیار ہو سکتا تھا وہ ممتاز نے اس دعوت کے لئے تیار کرایا تھا۔

کھانے میں جو مصروفیت اور انہماک حاضرین کو تھا وہ تو تھا ہی۔ باتیں کرنے کا شوق بھی کھانے کے شوق سے کسی طرح کم نہ تھا۔ خاصہ ہنگامہ برپا تھا جو عورتوں کی مصنوعی ہنسی کی چیخیں اور مردوں کی ہنسی کے ہلانے سے چنگھاڑنے اور رمہنھانے کی بے ہنگم آوازیں اور پلیٹوں اور چمچوں اور کانٹوں کے باہمی دھال کے شور میں ملکر کمرے میں بار بار گونج رہی تھیں۔

کشور کا قلب و دماغ اس مصنوعی شادی کے نئے ارتعاش انگیز تجربے سے بہت متاثر تھا اس نے بہت کم کھایا۔ انور بھی کچھ کھویا ہوا سا تھا۔ گر ممتاز کے نعروں اور مہملیات کا چشمہ بہت زور و شور سے بہ رہا تھا۔

جب کھانا بمشکل تمام ختم ہوا تو ہر طرف سے تقریر بعد طعام کی فرمایش ہونے لگی۔ چنانچہ لوگوں کے کہنے سے مجبور ہو کر مہمانوں میں سے دو صاحبوں نے پُر مذاق تقریریں کیں جن سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ پھر اسکے بعد ہر طرف سے شدید اصرار شروع ہو گیا کہ ممتاز بلو میزبان کے تقریر کریں۔ گلاسوں اور چمچوں اور پلیٹوں کا ایک

ہنگامہ خیز شور برپا ہوا۔ بالآخر ممتاز ہر شخص کے اصرار سے مجبور ہو کر تقریر کرنے کھڑے ہو گئے۔ "ہیر! ہیر!" اور "جی ہاں ضرور فرمائیے۔" "اور مغل گوئی کے شاہزادے" اور "ممبئی کا قابلِ خیطان" اور "ابھی اسپیچ دینا مگر خبردار چہرے پر ہنسی نہ آئے" کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہوئیں۔ ممتاز نعروں کی موسلا دھار بارش میں کچھ کھڑے نہاتے اور مسکراتے رہے۔ پھر انہوں نے مجمع کو یوں مخاطب کیا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمن!... اگر میں پیغمبر ہوتا تو کھانا حلال اور کھانے کے بعد شور مچانا حرام کر دیتا!!....."

اس پر سب ہنسنے لگے۔

ایک آواز:۔ اگر بلی کے پر ہوتے تو وہ چڑیوں کی نسل کا خاتمہ کر دیتی۔

مگر بلی کے پر ہوتے کیوں؟

ممتاز:۔ لیڈیز اینڈ جنٹلمن! اس قدر کھانا کھا لینے کے بعد آپ سب بھی محسوس کرتے ہونگے کہ تقریر کرنا قدرتاً اور عملاً ناممکن ہے کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر جسم میں سانس لینے کی ذرا بھی کہیں گنجائش ہوتی تو آپ ہی بتائیے میں کچھ اور نہ کھا لیتا؟!... (ہیر! ہیر! کی صدائیں) مگر خیالِ خاطرِ احباب نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ اور حالانکہ نہ میں ولی ہوں اور نہ ولی کے گھر پیدا ہوا ہوں تاہم آپ سب میری اس کرامت کے گواہ ہیں کہ گو مجھ میں سانس لینے کی گنجائش نہیں مگر تقریر کرنے کی سکت باقی ہے!! لیڈیز اینڈ جنٹلمن!!... مگر آپ لوگوں کے کھوئے ہوئے چہروں سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپ انگریزی نہیں سمجھتے!!۔

ایک آواز:۔ جی نہیں توبہ کیجئے۔ ہم لوگ انگریزی کیا جانیں!!۔

ممتاز:۔ حضرات و خواتین!!۔ اب میں آپ لوگوں کی آسانی کے لئے آپ کو زبانِ اردو میں مخاطب کروں گا!!۔

ایک آواز:۔ بہت خوب۔ شکریہ۔ مگر للہ کچھ فرمائیے تو سہی!!

ممتاز:۔ (قہقہہ انگیز سنجیدگی سے) حضرات و حاضرات.... دنیا گول ہے!!! (درخول کی مشہور نارنگیوں کی طرح گول ہے!!! اس حیرت زدہ شوہر کی آنکھوں کی طرح گول ہے جس نے اپنی حسین بیوی کو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتے ہوئے اتفاقاً پکڑ لیا ہو۔

اس پر ایک فرمائشی قہقہہ ہوا۔

ایک صاحب:۔ بھئی واللہ کیا نرالی بات دریافت کی ہے! یعنی دنیا گول ہے؟

دوسرے صاحب:۔ آپ کا خطاب تو کولمبس ثانی ہونا چاہیئے!!۔

ممتاز:۔ میں پھر کہتا ہوں کہ دنیا گول ہے!! اور میرا خیال ہے کہ میرے صحابی صحابیات میں جو لوگ ایسے نہیں ہیں اور پانی سے نہیں ڈرتے گلے گلے پانی میں کھڑے ہو کر تیار ہو جائینگے کہ دنیا گول ہے۔ مگر کیا آپ کو یقین آسکتا ہے کہ لارڈ بیکن ایسا جغادری فلسفی اپنے زمانہ میں پکار پکار کر کہا کرتا تھا کہ دنیا چپٹی ہے!! وہ یقیناً باپ اور بیٹے اور روح القدس کی قسم کھا جاتا کہ دنیا چپٹی ہے اور دالفاظ دیگر زرد چینیوں کی ناک کی طرح چپٹی ہے۔ (ہیرا ہیرا ہیرا ہیرا ہیرا!) اور جو دنیا گول کہتا وہ اسکی عقل کو بھی بالکل گول سمجھتا!!! برعکس اسکے آجکل آپ سب زمین کو گول سمجھتے ہیں۔ اسقدر متعصب ہیں کہ جو بدنصیب اسے چپٹی کہے اسکو آپ فوراً بلا تکلف ایک نہایت ہی بلند پایہ احمق اور بیحد تعجب انگیز گدھا قرار دیگے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جسطرح کل کی مسلّمہ عقلمندی آجکی مسلّمہ حماقت ہو سکتی ہے! اسیطرح آج کی مسلّمہ حماقت بھی کل کی مسلّمہ عقلمندی ہو سکتی ہے!!! یا آپ لوگوں کی سمجھ میں؟

ایک آواز:۔ بالکل بلکہ آپکی مسلّمہ حماقت کسی کی نگاہ کی طرح سب کے دلوں سے

چار سو کر جگر تک اتر گئی !!۔

ممتاز :۔ حضرات و خواتین۔ آپکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ انسانی عقل ساکوئی فیصلہ کن معیار کوئی پکی کسوٹی کوئی قابلِ اعتبار ترازو نہیں ہے۔ لہٰذا دنیا میں کسی آدم زادے یا حوّا زادی کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنی رائے کو صحیح اور دوسرے کی رائے کو مہمل قرار دے۔ ہر ایک رائے نہایت صحیح اور ہر ایک رائے بالکل مہمل ہو سکتی ہے پس تحقیق کہ جو شخص عقل مجھے مہمل گو کہتے ہیں بہت ممکن ہے بلکہ یقیناً و ایماناً وہ خود مہمل گو ہیں !!!۔

کئی آوازیں :۔ ہیرا ہیرا ہیرا ہیرا!

ممتاز :۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے وقت سے دو چار مہینے پہلے نہیں بلکہ دو چار سو برس پہلے پیدا ہو گیا اور آپ سب اپنے وقت سے دو چار سو برس بعد پیدا ہوئے۔۔ یہی وجہ ہے کہ میرے اور آپ سب کے زاویۂ نظر میں اس قدر بُعد اور اختلاف ہے !! اس ضروری تمہید کے بعد میں نفسِ مضمون کیطرف گریز کرتا ہوں !!

کئی آوازیں :۔ ضرور! ضرور! بڑی مہربانی ہوگی !!۔۔۔۔

ممتاز :۔ میں آپ سب کا بیحد ممنون ہوں کہ آپ سب نے میری دعوت نہایت فراخ دلی سے قبول کی اور نہایت فراخ شکمی سے نوش فرمائی !!۔

ایک آواز :۔ اس صاف گوئی کا دلی شکریہ !!۔۔۔۔

ممتاز :۔ حضرات و خواتین۔ کھانا۔ شادی کرنا۔ اور خدا پرستی دنیا کی تین پرانی حماقتیں تھیں جنہیں خدا پرستی تو خیر خدا خدا کرکے اب قریب قریب متروک ہو گئی۔ شادی متروک ہونے والی ہے مگر کھانے کی مستقل حماقت ابھی تک اُسی زور و شور سے جاری ہے جیسے ہمیشہ سے تھی اور مجھے قوی احتمال ہے کہ ابد الآباد تک یونہی جاری رہیگی کیونکہ بعض علمائے کبار و شکم شعار کا قول ہے کہ جنت میں بھی بجز کھانے پینے اور حور پرستی کے اور کوئی شغل نہ ہوگا !! حضرات و خواتین۔ آپ خود غور فرما سکتے ہیں

گو غور کریں گی آپ لوگوں کو بچپن ہی سے عادت نہیں ہے کہ دنیا اور عقبیٰ میں اہم ترین چیز کھانا ہے . . . روز ازل سے حکماء اور ڈاکٹر تمام اعضاء انسانی کا بادشاہ دل کو مانتے چلے آئے ہیں۔ وہ ناقابلِ اعتبار دل ، وہ بیوفا دل۔ وہ آشفتہ دل فریفتہ دل۔ بیقرار دل جو کسی اچھی آنکھوں والے یا آنکھوں والی کی ایک دزدیدہ نگاہ میں ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ ایسے دل کو حکماء اور ڈاکٹر۔ خدا انکی حماقت کی عمر دراز کرے اعضاء انسانی کا بادشاہ مانتے چلے آئے ہیں۔ مگر مجھ کو انکی اس دقیانوسی رائے سے سخت اختلاف ہے۔ بلکہ مجھ کو انکی اس رائے سے حضرت نوحؑ کی کشتی کی بڈھی مرغیوں کی بُو آتی ہے . . . .

حاضرین :- ہیئر! ہیئر! ہیئر! . . . . .

ممتاز :- میرا دعویٰ یہ ہے کہ تمام اعضاء انسانی کا حقیقی بادشاہ اور حکمران حضرتِ انسان کا شکم مبارک ہے !!! اور جس طرح شطرنج کا بادشاہ تمام مہروں کے بیچ میں ہوتا ہے اسی طرح تمام اعضاء انسانی کا بادشاہ یعنی حضرتِ انسان کا شکم مبارک بھی بالکل وسط میں واقع ہے ۔ اگر دل اعضاء انسانی کا بادشاہ ہوتا تو اصولاً اسے پیٹ میں ہونا چاہئے تھا نہ کہ سینہ میں !!!

بہت سی آوازیں :- ڈیلیٹ اور چمچ گلاس اور تالیاں بجا کر ہیئر! ہیئر! ہیئر! ہیئر! . . .

ممتاز :- حضرات و خواتین۔ گو میں دنیا کی تعمیر کے وقت بدقسمتی سے موجود نہیں تھا مگر میرا اعتقاد واثق ہے کہ ساری دنیا حضرت آدم کے شکم مبارک پر تعمیر ہوئی ہے اور اسی کی وجہ سے قائم ہے۔ آج تک جتنی لڑائیاں دنیا میں ہوئی ہیں وہ سب حضرت شکم کے لئے ہوئی ہیں۔ اور یاد رکھئے کہ جتنی لڑائیاں دنیا میں آئندہ ہونگی وہ سب ان ہی حضرت شکم کے لئے ہونگی ! میں تو یہاں تک دعویٰ کرنے کو تیار ہوں کہ جناب شکم صرف اعضاء انسانی ہی کے بادشاہ نہیں ہیں بلکہ ساری دنیا کے شہنشاہ ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے . . .

شکم گوید کہ من شاہِ جہانم ۔۔۔ شکم کش را بدولت می رسانم

اس پر ایک زنانہ قہقہہ ہوا۔ تالیاں بجیں۔ شور ہوا۔

ممتاز:۔ داشی بیجھدگی سے شکم کش یعنی شکم کھینچنے والا یعنی موٹا!! اس شعر کی تصدیق اس روشن حقیقت سے ہوتی ہے جس کا آپ سب کو غالباً ذاتی تجربہ ہوگا کہ موٹے آدمی اکثر دولتمند ہوتے ہیں اور دولتمند آدمی اکثر موٹے ہوتے ہیں!!۔

اس پر پھر تالیاں بجیں اور شور مچا۔

ممتاز:۔ لہذا حضرات و خواتین میں اپنی مختصر تقریر ختم کرتے ہوئے ایک مرتبہ اور سب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ناچیز دعوت قبول کرکے بڑی میزبان نوازی کی۔ اور جس انہاک مستعدی اور فراخ شکمی سے آپ سب نے اس دنیا کے پرانے بادشاہ یعنی شاہ جہان اول کی خدمت اور اطاعت کی ہے وہ قابل ہزار تحسین اور مستحق صد آفرین ہے! بے شک وہ اسی خدمت بلکہ اس سے زیادہ خدمت کے لائق تھا۔ میں اس شاہ جہان اول کا جام صحت تجویز کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ سب نہایت جوش و خروش سے اس کا جام صحت نوش فرمائیں گے۔ کیونکہ جناب حافظ شیرازی اپنی مشہور کتاب "بوستان" میں فرما گئے ہیں کہ

دور میں ساغر رہے گردش میں پیمانہ رہے
میکشوں کے سر پہ یارب پیر میخانہ رہے

اس پر پھر ایک قہقہہ آمیز شور برپا ہوا۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے اور سب نے ہاتھوں میں گلاس لے لیکر اور پانی پی پی کر از سرِ نو شکم نوازی کی۔ ممتاز کی تقریر کے ساتھ دعوت بھی ختم ہوئی اور ممتاز اور ان کے سارے مہمان ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور وہاں پان اور سگرٹ اور سگار کے پھر دور شروع ہو گئے اور ہنسی مذاق کا بازار گرم ہو گیا۔

. . . .

جب سب مہمان رخصت ہو گئے اور صرف کشور، عذرا، ممتاز اور انور رہ گئے تو کشور نے انور کی تحریر جس میں اس نے شادی کا فرضی اور غیر حقیقی ہونا تسلیم کیا تھا اور رفار خطی (جو اس نے نکاح کے پہلے ہی ممتاز کے حوالے کر دی تھی) انور کو واپس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔" لیجئے انور صاحب مجھکو اس تحریر اور فارخطی کی ضرورت نہیں میرے لئے محض آپکی زبان کافی ہے!..... ممتاز صاحب نے زبردستی مجھے یہ کاغذ نکاح کے پہلے دیئے۔ میں انکار کرتی تھی۔ مگر انہوں نے اس قدر اصرار کیا کہ میں مجبور ہو گئی اور اس وقت سب کے سامنے ان سے جھگڑا کرنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوا!!

انور:۔ آپ کے اعتماد و اعتبار کا دلی شکریہ۔ مگر یہ تحریریں آپ اپنے ہی پاس رکھئے۔ مجھے واپس نہ کیجئے۔ یہی مناسب ہے!!

کشور:۔ آپ کو میری جان کی قسم۔ آپ یہ لے لیجئے۔ نہیں تو مجھے آپ سے سخت شکایت ہو گی...... اس میں حرج ہی کیا ہے آپ میری طرف سے انہیں رکھئے۔ بطور امین اور ولی کے۔ اور (مسکرا کر) کم از کم آج تو میری بات خالی نہ کیجئے نہیں تو شگون اچھا نہ ہو گا۔ بسم اللہ ہی غلط ہو جائیگی!!!

اس پر عذرا اور ممتاز ہنسنے لگے۔ انور لاجواب ہو گئے۔ اور شرما حضوری میں انھیں تحریریں واپس لینا پڑیں........ لینے کو اس نے تحریریں لے لیں ...... مگر اس کے دل میں نہ معلوم کیوں یہ وہم گذرا کہ یہ میں نے اچھا نہیں کیا...............

دسواں باب

مست گشتم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش
الوداع اے ننگ و ناموس الفراق اے عقل و ہوش

دوسرے دن شام کو ساڑھے پانچ نہیں بجنے پائے تھے کہ ممتاز کی رودس رائس انور کے دفتر پر آ پہنچی۔

انور:۔ (ممتاز کو دیکھ کر) آخاہ! آج تو واقعی آپ تاجر بادشاہزادے معلوم ہوتے ہیں۔ اُدہو! بڑے ٹھاٹ ہیں۔

ممتاز:۔ کیوں نہیں؟ حضرت موسیٰ اس شان سے خدا سے کلام کرنے کو طور پر نہیں گئے تھے جس شان سے ہم بتوں سے باتیں کرنے مالابار ہلز پر جارہے ہیں۔

انور:۔ (مسکرا کر) صورت تو تمھاری کبھی بری نہ تھی۔ مگر آج تو تم نے مسس پر پالش کر کے پیٹنٹ لدر شوز کیطرح خوب ہی چمکالیا ہے۔ اور ذرا آپ کا صافہ تو دیکھئے اچھے خاصے نواب نخلوستان معلوم ہوتے ہیں۔

ممتاز:۔ براہِ مہربانی فقرے بازی ملتوی فرمایئے وہ میرا انتظار کر رہی ہونگی۔

انور:۔ کیا کہنا آپکی "وہ" کا! بڑے احترام سے بیچارے انکا ذکر کرتے ہیں۔ کون ہوتی ہیں رشتہ میں وہ آپکی؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں۔؟

ممتاز:۔ جی ہاں رشتہ میں وہ میری معشوقہ ہوتی ہیں؟ اب آپکو تسکین ہوئی؟

انور:۔ (ممتاز کو چھیڑنے کی غرض سے) اچھا تو کب چلنا ہے؟ ساڑھے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا تھا نا؟ ہندوستانی وقت تو ہے ہی۔ نو دس بجے چلیں گے۔

ممتاز:۔ تمھارا سر!..... نو دس بجے چلیں گے!! اجی حضرت ۶ بجے کا وقت ہے ۶ بجے کا...... اور پونے چھ ہوگئے۔ یہاں تو دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے۔

انور:- آپ اور آپ کے فرشتے گنتے ہونگے۔ مجھ سے مطلب؟ اور پھر مجھے گنتی بھی تو اچھی طرح نہیں آتی میں ہمیشہ سے ریاضی میں کمزور تھا۔

ممتاز:- پھر لگے اُڑنے! للّٰہ اب سیدھے چلے ہی چلو۔ استخارہ وستخارہ نہ دیکھو!

انور:- ہاں ہاں کیوں نہیں۔ بڑا کار خیر ہی تو ہے.......

ممتاز:- ارے صاحبزادے تم کیا جانو۔

ہے آج جو سرگزشت اپنی
کل اس کی کہانیاں بنیگی

انور:- آج تو ماشاء آپ بالکل حضرت مجنون رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین بنے ہوئے ہیں۔ اور پیرو مرشد خرقہ کہاں بھول آئے؟

ممتاز:- (جھلاکر) ہمکو یہ تمھارے بیوقت کے نخرے نہیں اچھے معلوم ہوتے۔ بیچارے ذرا حسین کیا ہوگئے ہیں بس ہر وقت مشق ناز ہی کیا کرتے ہیں..... یہیں ہو رہی ہے دیر۔ تمھیں چلنا ہو تو چلو۔ نہیں تو صاف صاف جواب دو۔

انور:- محبّت میں صحبت دو کی ہوتی ہے تین کی نہیں ہوتی۔ تم مجھے لیجاکر کیا کروگے؟

ممتاز:- جی نہیں۔ پہلے آپ جائیں گے اس کے بعد میں!

انور:- (الفاظ پر زور دیکر) اور میں نہ اس ٹال زادی کے یہاں جاؤنگا نہ تمھیں جانے دونگا!

ممتاز:- (الفاظ پر زور دیکر) اور میں کہتا ہوں تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا!! سو میں!! ہزار میں!! لاکھ میں!!

انور:- (کسیقدر سختی سے) اور میں کہتا ہوں کہ میں حشر تک نہ جاؤنگا!!

ممتاز:- (یک بیک خفا ہوکر) تو پھر آج سے ہماری تمھاری دوستی کا بھی خاتمہ ہے!

تم نہیں چلتے تو خیر نہ چلو۔ میری بلا سے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ آج سے میں نہ تمھیں اپنی صورت دکھاؤں گا اور نہ تمھاری صورت دیکھوں گا۔

انور۔ (مسکرا کر) مجال ہے کہ تم اپنی صورت ہمیں نہ دکھاؤ؟

ممتاز۔ (خفگی کے لہجہ میں) تم مذاق سمجھتے ہو اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اگر تم اس وقت میرے ساتھ نہ چلے تو آج سے تم سے اور مجھ سے صاحب سلامت ترک..... میں نے تمھارا ایسا کسی کو خود غرض اور خود پرست نہیں دیکھا۔ تم میں نہ خلوص ہے نہ سچائی۔ ساری منہ دیکھے کی چکنی چپڑی باتیں ہیں اور کچھ نہیں۔

انور۔ (مسکراتے ہوئے) ان بے بنیاد الزامات کا ثبوت؟

ممتاز۔ (جوش میں) ثبوت؟ ثبوت یہ کہ جبتک تمھاری مرضی پر کوئی چلتا رہتا ہے تم اس کے دوست ہو۔ ہمدرد ہو۔ سب کچھ ہو۔ اور جسوقت تمھاری مرضی کے کوئی خلاف چلے تم آنکھیں بدل لیتے ہو۔ تمھاری دوستی سرد پڑ جاتی ہے۔ اور تم اس طرح اس سے دامن بچا کر الگ ہو جاتے ہو جیسے گویا تم سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ .... بس میں نے تمھیں آزما لیا! معلوم ہو گیا تم کتنے پانی میں ہو!!!

یہ کہکر غصّہ کے جوش میں ممتاز کمرے کے دروازے کی طرف واپس جانے کے لئے تیزی سے بڑھا۔

انور۔ (ممتاز کا ہاتھ پکڑ کر) .... ہائیں! ہائیں! یہ آج تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ خواہ مخواہ کی خفگی کیسی؟ (مسکرا کر) کچھ آج گھاس تو نہیں کھا لی ہے؟ شاید سستی مِلگئی ہو!!

ممتاز۔ (ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے) گھاس کھائی ہوگی آپ نے۔ میری علوت نہیں! چھوڑیئے! چھوڑیئے! مجھے جانے دیجئے۔ آپکو مجھے روکنے کا کوئی حق نہیں۔

انور۔ (ہاتھ پکڑے ہوئے) مجھے پورا حق ہے۔ میں تمھیں اس طرح خفا ہو کر نہیں

جانے دونگا۔ آخر میرا قصور تو معلوم ہو؟

ممتاز:۔ (غصہ میں) قصور؟.... بنتے کیوں ہو؟ مجھے اس تجاہلِ عارفانہ سے سخت نفرت ہے! تم جانتے ہو کہ میں مہ جبین سے اپنا دل اور اپنی زبان ہار چکا ہوں اور پھر بھی تم بات بات پر اسکو سینکڑوں صلواتیں سناتے ہو۔ یہ نہ معلوم کہاں کی تمیز اور شرافت ہے؟

انور:۔ اگر سیاہ کو سیاہ کہنا صلواتیں سُنانا ہے تو بیشک میں اسے صلواتیں سناتا ہوں اور صلواتیں سناؤں گا۔

ممتاز:۔ (غصہ میں) آپکو اُسے میرے سامنے بُرا بھلا کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

انور:۔ مجھے وہی ہے جو ہر سُتھری طبیعت رکھنے والے کو ناپاکی اور نجاست کو بُرا کہنے اور اس سے پرہیز کرنے کا ہے.... محض اس وجہ سے کہ تم نے اسے اپنی معشوقہ بنالیا ہے۔ وہ طوائف سے شریف زادی نہیں ہو سکتی، ورنہ میں اسکی عزت یا پرستش کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہوں...... وہ خوبصورت زہریلی ناگن خوبصورت زہریلی ناگن ہی رہیگی چاہے آپ اُسے اپنی آستین ہی میں کیوں نہ رکھ لیں۔ جسکا پیشہ دُنیا کی حماقت پر تجارت کرنا ہے وہ تمھیں بھی اُلّو بنا کر چھوڑیگی! اور تم اگر اپنے حسنِ اعتقاد یا غرورِ طبعی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہو کہ وہ عورت جو اپنی روح شیطان کے ہاتھ اور اپنا جسم انسان کے ہاتھ بیچ چکی ہے تمھارا کلمہ پڑھنے لگے گی تو یہ تمھاری ایک مہلک اور عظیم الشان حماقت ہے اور کچھ نہیں۔ جس نے دُنیا سے بیوفائی کرنے کا بیڑا اٹھایا ہو وہ تمھارے ساتھ ہرگز وفا نہیں کر سکتی۔ تم مجھ سے خفا ہو یا خوش مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ تم ڈوب رہے ہو اور میں تمھیں کھڑا ہوا دیکھوں اور تمھیں بچانے کی کوشش نہ کروں!!

ممتاز:۔ (اسی غصہ میں) تم ہو کون؟ خدائی فوجدار یا جہنم کے داروغہ؟

انور:۔ میں کچھ بھی سہی مگر میں نہ خود تمھارے ساتھ ڈوبنے کیلئے تیار ہوں اور نہ تمھیں ڈوبنے دونگا۔

ممتاز:۔ تمھارے جاہلانہ دماغ پر تہذیب و انسانیت کو رونا چاہئے۔ تمھاری عقل میں فتور آگیا ہے۔ تمھاری سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں!!

انور:۔ اور میں کہتا ہوں کہ تمھاری محبت نہیں۔ تمھاری حیوانیت نے تمھیں اندھا ہی نہیں بلکہ بہرہ بھی بنا دیا ہے تمھیں ایک سچے دوست کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ تمھیں اپنی ناک کے آگے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ تمھارا ذہن ماؤف تمھاری عقل معطل ہو گئی ہے۔

ممتاز:۔ (اسی غصّے میں) اور تم؟ تمکو تو کسی ٹوٹی ہوئی کائی جمی ہوئی مسجد کا مُلّا ہونا چاہئے تھا۔ نہیں معلوم کس نے تمھیں تعلیم دیکر تمہاری تعلیم کو ضایع کیا...... تم کو اپنی پارسائی پر بڑا ناز ہے مگر قسم ہے خدا کی میری رنگین گنہگاری تمھاری پھیکی بدرنگ پارسائی سے بدرجہا زیادہ خوبصورت اور قابل احترام ہے! تم تعلیم یافتہ جماعت کے لئے باعث ننگ ہو۔ تم تہذیب اور انسانیت کے دائرے سے قطعاً خارج ہو۔!

انور:۔ (بیساختہ ہنسکر)..... میں کہتا ہوں کہ یہ قصیدہ خوانی آخر کب تک ہوتی رہے گی؟ اب اسے ختم بھی کرو۔ تم تو کبھی خفا نہیں ہوتے تھے آج تمھیں غصّہ کیسے آگیا؟..... ابھی تو صرف چھ ہی بجے ہیں۔ ذرا بیٹھو تو...... ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہو جائیگا؟ مہ جبین طوفان میل تو ہیں نہیں کہ ٹھیک چھ بجے چھوٹ جائیگی!! پھر ملیگی نہیں!! تم خواہ مخواہ جامے سے باہر ہوئے جاتے ہو۔

یہ کہکر انور نے ممتاز کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر انھیں سامنے ایک آرام کرسی پر زبردستی بٹھا دیا۔ ممتاز خاموشی سے نظر جھکائے ہوئے طوعاً و کرہاً بیٹھ گیا اور فرش کیطرف دیکھنے لگا۔ چہرے پر اس کے ابھی تک کشیدگی کے آثار موجود تھے۔!

انور:۔ (قریب جھککر اور ممتاز کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر)..... ممتاز..... ذرا عقل کا تو خیال کرو۔! ایسی شریف النفس اعتماد کامل کرنے والی بیوی سے اِس طرح

دغابازی کرنا صرف بزدلوں کی شریعت میں جائز ہو سکتا ہے ورنہ کسی اور شریعت میں نہ تو جائز ہے اور نہ حشر تک جائز ہو سکتا ہے!!

ممتاز:۔ (مخاصمانہ طریقے سے) عذرائے اور میرے دل کی گرویدگیوں سے کوئی تعلق کوئی سروکار نہیں! بیوی کے حقوق کا دائرہ اور محبت کے مطالبات کا دائرہ اور ہے! کس مذہب کس شریعت میں لکھا ہے کہ بیوی سے محبت کرنا شوہر کا فرض ہے؟

انور:۔ شریفوں کی شریعت میں انسانوں کی شریعت میں۔ مردوں کی شریعت میں۔ انسان تو انسان میں کہتا ہوں کہ جانور بھی اپنی شریک زندگی سے ایسی دغابازی نہیں کرتے جس پر تم آمادہ ہو! کیا تم جانوروں سے بھی گئے گذرے ہو گئے!! ...... میں جانتا ہوں کہ مہ جبین کو تم اپنے روپیے سے خرید لو گے۔ وہ تم پر نہیں مگر ہاں تمھاری دولت پر ضرور فریفتہ ہو جائیگی۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر بیوی سے محبت کرنا شوہر کا فرض نہیں ہے تو کس مذہب اور کس شریعت میں ایک وفادار اعتماد کرنے والی بیوی کا دل توڑ دینا شوہر کا فرض ہے۔؟

ممتاز:۔ اور میرا جواب یہ ہے کہ گناہ کرنا ہر انسان کا فرض ہے اور جو انسان گناہ نہ کرے وہ انسان ہی نہیں۔ میں حضرت یوسف کی طرح پیغمبری کا دعویدار نہیں میں تو معمولی انسان ہوں اسلئے ایک نیک نیت گنہ گار ہوں کیونکہ انسانیت کا طرۂ امتیاز گناہ ہے۔ گناہ کرنے ہی کی خدا داد قابلیت نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا اور گناہ کرنے کی قابلیت نہ ہونے سے معصوم فرشتوں کو گنہگار انسان کو سجدہ کرنا پڑا۔ لہٰذا انسان ہو کر گناہ نہ کرنا صریحاً حماقت ہی نہیں بلکہ فطرت سے علانیہ بغاوت ہے۔!!!

گر من نہ کنم گناہ رحمت چہ کند — آرایش رحمت زگنہ کردن ماست!!

انور:۔ (ہنستے ہوئے) سُنا تھا کہ عشق کا جنوں برا ہوتا ہے مگر اس قدر جلد پاگل ہونے ہوئے

میں نے تمھیں کو دیکھا۔

ممتاز:۔ خیر آپ اپنی عقل اور پارسائی لئے بیٹھے چاٹا کیجیے!! آپکے دماغ میں تو پارسائی کا اچھا خاصہ خلل ہے۔ حالانکہ جوانی میں پارسائی ایسی جہل اور مضحکہ انگیز حرکت ہے جیسے کہ بڑھاپے میں عیاشی!!

اس پر انور بے اختیار ہنسنے لگا۔

ممتاز:۔ تمھیں اپنی عقل اور پارسائی پر بڑا ناز ہے اور مجھے اپنے جنون و گنہگاری پر فخر ہے!۔۔۔۔ مگر زاہد کے سگے تم ہو کس خیال میں۔ ہم سے پہلے میں جنت میں پہنچونگا۔

ہمیں میخواروں میں ہیں پیر مغاں ایک سے ایک
قبلۂ دیں ہے کوئی کعبۂ ایماں کوئی

انور:۔ (ہنستے ہوئے) تو پیغمبروں نے بڑی غلطی کی۔ بیکار انھوں نے زہد و تقوٰی اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تعلیم دینے میں اپنی عمریں ضایع کیں اپنے اوقات خراب کئے انھیں بھی آپکے مشورہ نیک لیکر عمر بھر گناہ ہی گناہ کرنا چاہئے تھی۔

ممتاز:۔ ہاں ہاں اگر وہ معصوم نہ پیدا ہوتے تو اُن پر بھی گناہ کرنا ویسا ہی فرض ہوتا جیسے کہ ہما شما پر ہے!!

انور:۔ لیجئے پیغمبر تو یوں اُڑ گئے اب رہیں آسمانی کتابیں تو خدا نے انھیں فضول ہی نازل کیا۔؟

ممتاز:۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے مگر ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ کوئی پتی نہیں ہلتی کوئی ذرہ نہیں حرکت کرتا مگر اسی کے ایما، اور اسی کے حکم سے۔ لہذا ہم گناہ بھی کرتے ہیں تو اُسی کے حکم اُسی کے ایما سے۔۔۔۔۔ پھر گناہ کی سزا کیسی؟

گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل ۔۔۔ غریب کشمکش جبر و اختیار میں ہے

گناہ انسان گو خدا ہی کے حکم سے کرتا ہے مگر مقتضائے ادب یہی ہے کہ بندہ اسکو اپنے اوپر اوڑھ لے اور اس پر توبہ و استغفار کرے۔ یہی شانِ بندگی ہے!! یہی وجہ ہے کہ خدا بار بار کہتا ہے کہ ہماری رحمت سے ناامید نہ ہو۔ گناہ کئے ہوں تو توبہ کر لو۔ ہم بخش دینگے۔ کیونکہ ہم بڑے بخشنے والے ہیں۔ لہٰذا انسان پر گناہ کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے کہ عبادت کرنا ورنہ خدا کی شانِ کریمی کا ظہور کیونکر اور کس طرح ہو سکتا؟

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا
بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

تم نے تو خدا کو بس ایک ہوّا بنا لیا ہے۔ حالانکہ خدا سے زیادہ محبت کرنے والا نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ہو سکتا ہے.... میں تو خدا کو اپنا سچا دوست ہمراز سرپرست اور ہمدرد سمجھتا ہوں مجھے اسکی رحمت پر اتنا ناز اور اسقدر بھروسا ہے کہ میرے دل میں اُس کے قہر کا خیال ہی نہیں آتا.......

پیارے انور تم مجھے دیوانہ اور کافر سمجھتے ہو لیکن میں تمھیں آج ایسے سرور افزا راز سے آگاہ کرتا ہوں جسے سُنکر تمھیں سخت حیرت ہوگی۔ ایک معتبر اور مستند حدیث ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم لوگوں سے گناہ بالکل سرزد نہ ہو تو خدا تمھیں زمین سے ہٹا دے اور تمھاری جگہ ایک دوسری قوم پیدا کرے جنکا شیوہ ہو کہ گناہ میں مبتلا ہوں اور پھر خدا سے بخشش و مغفرت کے طلبگار ہوں"۔ کیا اب بھی تم میرے جوشِ گناہ میرے ذوقِ معصیت پر معترض ہوگے؟

قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ مجھے گناہ کرتے ہوئے انسان سے تو شرم آتی ہے مگر اپنے خدا سے شرم نہیں آتی۔ کیونکہ میرا خدا میرے دل کی اندرونی کیفیات کو دیکھتا ہے۔ میری کمزوریوں میری مجبوریوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور خوب سمجھتا ہے... اور انسان! احمق۔ کور باطن۔ تنگ نظر۔ ظاہر بیں انسان نہ دیکھتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے،

نہ سمجھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے!!! کیسی اچھی رباعی کسی نے کہی ہے۔

اے آنکہ دوائے دردمنداں دانی | درماں و علاج مستمنداں دانی
احوال دلِ خویش چہ گویم از تو | ناگفتہ صد ہزار چنداں دانی

انور:۔ تم پڑھے لکھے شیطانوں سے خدا بچائے! ہر شیطنت کیلئے تم ایک بلیغ فلسفہ پیش کر سکتے ہو!! جو کچھ کرنا چاہتے ہو اُسے کسی نہ کسی منطق سے جائز کر لیتے ہو۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لیتے ہو!!........

ممتاز:۔ اور انور تم سطحی باتوں کے دائرے کے باہر نہیں نکلتے۔ تم عقائد کی خشک ہڈیوں پر لڑتے ہو اور مذہب کے مغز کو چھوڑ دیتے ہو۔ تم اصلیت کو نظر انداز کر دیتے ہو اور سائے کا تعاقب کرتے ہو...... خدا ہماری تمہاری طرح انسان نہیں ہے اور نہ اس میں انسانی صفتیں ہیں۔ خود قرآن پاک میں ہے۔ لیس کمثلہ شیئ کوئی چیز اسکے مثل نہیں ہے..... مگر تم ہو کہ تم نے خدا کو ایک بہت بڑا انسان سمجھ لیا ہے اور تمام انسانی صفتیں اسکی طرف منسوب کر دی ہیں اور عیسائیوں کا تو قول ہی ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت میں بنایا اور انسان خدا کی چھوٹی سی تصویر ہے یعنی انسان کو ایک غیر محدود پیمانے پر بڑھا دو تو وہ خدا ہو جائے!!! اعلیحضرت آپ لوگوں کا اور تمام دنیا کا عام عقیدہ ہے کہ خدا نے انسان کو بنایا ہے مگر میرا دعویٰ ہے کہ خدا نے انسان کو نہیں بنایا بلکہ خود انسان نے خدا کو بنا لیا ہے!!!

نیز اوام از آں کہنہ خدائے کہ تو داری
ہر لحظہ مرا تازہ خدائے دگرے ہست

ہم عجیب نادان ہیں۔۔۔۔ اگر کوئی انسان اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مادی بت کی پرستش کرتا ہے تو اُسے ہم بت پرست کہتے ہیں اور اگر وہی انسان اپنی محدود عقل اور ناقص دماغ کے بنائے ہوئے غیر مادی بت کی پرستش کرے

تو اسے ہم خدا پرست کہتے ہیں!!!...............................

دراصل خدا وہ ہے جو انسان کی محدود سمجھ سے بالاتر ہو اور جو انسان کی محدود سمجھ میں آجائے وہ خدا نہیں۔ وہ ہمارے مادّی دماغ کا تراشا کردہ بت ہے اور ہم اگر اُسے پوجیں تو ہم صحیح معنوں میں بت پرست ہیں۔

از بسکہ محال ہے سمجھنا اس کا
جو آئے سمجھ میں اس خدا سے توبہ!!

الور۔ نیکی اور بدی کا امتیاز گیا۔ پیغمبر گئے۔ آسمانی کتابیں گئیں۔ ایک لے دیکے خدا کی ذات رہ گئی تھی۔ اس کا بھی آپ نے خاتمہ کر دیا۔ چلو چھٹی ہوئی اور یہ سب محض ایک پندرہ برس کی حرام زادی کیلئے جس کا نام مہ جبین ہے۔ اور اس پر کچھ کہو تو سینکڑوں صلواتیں سنو اور دوستی سے الگ ہاتھ دھوؤ!!

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ممتاز۔ (کسیقدر مسکرا کر) نہیں تم غلط سمجھے۔ میں خدا کے وجود کا منکر نہیں مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ بجز اس کے کہ خدا ہے نہ ہم کچھ جانتے ہیں اور نہ جان سکتے ہیں اسکی ذات کے متعلق جو کچھ روایات اور عقاید ہیں وہ سب ہماری محدود عقل کی ایک غیر محدود ہستی کو سمجھنے یا سمجھانے کی ناکامیاب کوششیں ہیں ورنہ خدا کو نہ ہم سمجھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں..... ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ خدا ہے اور ہمکو اور ساری کائنات عالم کو اس نے پیدا کیا ہے اور ہم سب فانی ہیں اور ہمیں عدم کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور بس!! یہیں تک عقل انسانی کی سرحد ہے یہیں پر آکر عقل انسانی کا آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور جہالت کا دھندلکا شروع ہو جاتا ہے!!!........

اتنا تو جانتے ہیں کہ بندے خُدا کے ہیں

آگے حواس گم خرد نارسا کے ہیں

اور رہا یہ کہ ہم دنیا میں پیدا ہو گئے ہیں تو کس طرح زندگی بسر کریں تو یہ ہر ملک ہر قوم اور ہر فرد کی تمدنی۔ سیاسی اور معاشرتی ضروریات پر منحصر ہے!! اوراوامرو نواہی بھی انھیں ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہر ملک اور ہر قوم نے ڈھال لیے ہیں!!

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چراست

از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

انور:۔ (ہنسکر) کیا مختصر کر دیا ہے تم نے قربان جائیے۔ لیجئے اوامر و نواہی کا بھی خیریت سے خاتمہ ہو گیا!! اللہ اللہ خیر صلاح!!!

ممتاز:۔ ہاں ہاں تو اس میں غلط کیا ہے۔ نہ جزا ہے۔ نہ سزا ہے۔ نہ دوزخ ہے نہ بہشت ہے۔ بچوں کی سی عقل رکھنے والے انسانوں کو لالچ دلانے یا ڈرانے کیلئے دلچسپ وعدے وعید کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ خدا کا اس میں کیا فائدہ ہے کہ اسکے کروڑوں بندے تو دوزخ میں ہمیشہ جلیں اور ایک مختصر سی جماعت بہشت میں ہمیشہ مزے اُڑائے اور حوروں کی مزاج پرسی کرے!! جس خدا نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہو اسکے قہر کی شان نہیں ہو سکتی۔ وہ خود کہتا ہے "میری رحمت میرے قہر کا احاطہ کئے ہوئے ہے" میرا عقیدہ ہے کہ اظہار قہر صرف ڈرانے کے لئے ہے اور اسکی ضرورت بھی تھی۔ ورنہ نظام عالم تمام درہم برہم ہو جاتا۔ آیات قہر تو عوام الناس کے لئے ہیں اور آیات رحمت خواص کے لئے۔ عوام کو تو ڈرایا ہے۔ کیونکہ انکی طفلانہ ذہنیت کے لئے صرف لالچ اور دھمکی ہی کارگر ہو سکتی تھی اور خواص یعنی سمجھدار لوگوں کے لئے رحمت کے اشارے کر دیئے ہیں۔

ہم وہ مجرم ہیں کہ ہیں شان کرم پر نازاں — اور ہونگے جو گناہوں سے پشیمان ہونگے

تو سمجھئے! اے بیوقوف دانشمند کہ آیۂ رحمت ہم ہی رندانِ بلا نوش کو تسلی دینے کے لئے آئی ہے اور آیاتِ قہر ایسے بطی الفہم مسجد کے ملاؤں اور بزدل زاہدوں کے ڈرانے اور دھمکانے کے لئے نازل ہوئی ہیں......

زاہد ملیگی مزد نہ محنت سے کئے بغیر!!
یہ سوءِ ظن ہے اسکی کریمی کے باب میں

لہٰذا انور اب بھی راہِ راست پر آجاؤ۔ مہ جبین کے یہاں چلو اور میری دل شکستی نہ کرو۔ کیونکہ دِل شکنی بڑا گناہ ہے۔

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گنا ہے نیست

انور:۔ (مسکراکر) تم بلاشبہ انسان کی شکل میں شیطان ہو! مگر تم مجھ کو نہیں بہکا سکتے!

ممتاز:۔ سچ کہتے ہو! خدا کی قسم سچ کہتے ہو۔ میں تم کو بہکا نہیں سکتا اور نہ شیطان ہی کسی انسان کو بہکا سکتا ہے بلکہ انسان خود ہی بہکتا ہے اور اپنی بزدلی سے اپنے گناہ کا الزام شیطان پر لگاتا ہے.... چلو! انور! چلو! جبتک گناہ کی طاقت باقی ہے گناہ کرلو۔ اور اگر گناہ کرنا نہ آتا ہو تو مجھ سے سیکھ لو یا غالب مرحوم سے۔ ظالم نے کیا شعر کہا ہے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

واہ! کیا بات کہی ہے۔ ذوقِ معصیت کی کیسی پیاری تصویر کھینچی ہے۔ کمال ہے واللہ کمال ہے! یہ پاکباز شرابی بھئی خدا کی قسم جب کہتا ہے خوب کہتا ہے۔ اسی معنی میں گنہگار کا شعر ہے۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

چلو۔ انور۔ چلو۔ بہت پارسا نہ ہو۔ پارسائی نباہنے کے لئے ابھی دنیا میں بہت سے بیوقوف باقی ہیں۔

مے پی تو سہی توبہ بھی ہوجائے گی زاہد
کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

انور۔ (مسکراکر) قیامت کب آئیگی اور توبہ کب کیجائیگی؟ کچھ تمھیں معلوم ہے؟
ممتاز:۔ ہاں معلوم ہے توبہ کرنے کے لئے بڑھاپا بنا ہے اور گناہ کرنے کے لئے جوانی!! جوانی میں توبہ ایسی ہی مہمل اور نفرت انگیز حرکت ہے جیسے بڑھاپے میں رندی اور بوالہوسی اور عقلاً بھی جوانی میں توبہ کرنا ایک فعل عبث ہے کیونکہ جوانی کی توبہ کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہاں محفل دُنیا سے اُٹھنے کے پہلے صاحب محفل یعنی خدا سے اپنی بے ادبیوں کی معذرت ضرور کرلینا چاہئے۔ یہ رخصتی معذرت مطالبۂ ادب اور تقاضائے شانِ بندگی ہے۔

فرشتو رحمتِ حق سے گنہ میرے بتادینا
مگر اتنا بھی کہدینا یہ باتیں تھیں جوانی کی

انور۔ (ہنسکر) اور یہ کون کہتا ہے کہ جوانی کی توبہ کبھی قائم نہیں رہ سکتی؟
ممتاز۔ میں کہتا ہوں۔ اور میری تائید حضرت ریاض اس شعر سے کرتے ہیں۔

مرے شباب کی توبہ پہ جا نہ اے واعظ
نشے کی بات نہیں اعتبار کے قابل

ان ہی کا ایک اور شعر بھی ہے اور بڑا پیارا شعر ہے۔ شاید جوانی ہی میں کہا ہوگا

جام مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن   سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

اور بالکل سچ کہا ہے۔ جوانی میں توبہ کا قائم رہ جانا قدرتاً ناممکن ہے۔ توبہ کر کے توبہ پر قائم رہنا دلیل ہے انحطاط جوانی یا آغاز پیری کی۔!......

توبہ تو ہم بھی کریں ابھی ۔ شیخ ۔ جی مگر
بنجتی ہمیں نظر نہیں آتی شباب میں

انور:۔ (ہنستے ہوئے) اور اگر جوانی ہی میں ملک الموت دفعتاً مزاج پرسی کے لئے آپہنچے تو کیسی ہو؟

ممتاز:۔ تو بھی توبہ کرنیکا وقت مل ہی جائیگا۔ دم واپسیں تک توبہ ہو سکتی ہے

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

انور:۔ اور اگر کسی حادثے سے آپکا یہاں سے دفعتاً خلاف اُمید تبادلہ ہو جائے تو؟

ممتاز:۔ یہ تو انتہائے وہم ہے! اور پھر زندگی میں اس قسم کے خفیف خطرات کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ برج کا یہ ایک بہت مشہور اصول ہے "نو رسک نو گیم"

انور:۔ نا بھائی ۔! ہم باز آئے۔ جسکو تم خفیف خطرہ کہتے ہو اس سے بڑھکر کوئی خطرہ ہو ہی نہیں سکتا۔ عارضی عیش کیلئے دائمی عذاب مول لینا کہاں کی عقلمندی ہے یہی تو ایک کنجی خدا نے اپنے پاس رکھ لی ہے۔ ورنہ شیرازہ عالم آپ لوگوں کی بدولت کب کا بکھر گیا ہوتا۔

موت نے کر دیا لاچار وگرنہ انساں
ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

ممتاز:۔ عقل! عقل! عقل! بیوقوف دراصل ہر جگہ عقل نہیں چلتی۔ عقل کو بیجا ہر بات میں خواہ مخواہ ٹھونسنا بھی حد درجے کی حماقت ہے!

انتہائے عقلمندی حماقت ہے اور انتہائے حماقت عقلمندی۔ چنانچہ مثال ایسی

یہ ہے کہ بزدل سے زیادہ کوئی عقلمند نہیں ہوتا اور بہادر سے زیادہ کوئی بیوقوف نہیں ہوتا۔

انور:۔ ابتک تو یہ مسلمہ تھا کہ جو انسان عقل سے خارج ہو وہ حیوان مطلق ہے۔ مگر آپکی فلسفیانہ شریعت میں انسان کی معراج ترقی یہی ہے کہ وہ حیوان مطلق ہوجائے سبحان اللہ کیا کہنا ہے!!.......

ممتاز:۔ دیوانگی عشق بڑی چیز ہی اے دل ؎ یہ اس کا کرم ہے جسے دیوانہ بنائے
مگر تمھاری سمجھ میں تو کوئی بات آنے ہی کی نہیں۔ میں لاکھ کچھ کہوں۔.....
یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل انکو جو نہ دے مجھکو زبان اور

انور:۔ للّٰلہ اب جان بخشو! ہم پر رحم کرو۔ آج کے لئے تم بہت کافی لغویات بک چکے کچھ کل کے لئے بھی اُٹھا رکھو!!

ممتاز:۔ اچھا تو تم بھی اپنے اعتراضات کل کے لئے اُٹھا رکھو۔ آج میرے ساتھ چلے چلو پھر چلے کبھی نہ جانا۔

ناصح خطا معاف سنیں کیا بہار میں
ہم اختیار میں ہیں نہ دل اختیار میں

اور پھر علاوہ اس کے انور اس کا تو خیال کرو کہ میں مہ جبین سے زبان ہار چکا ہوں۔

انور:۔ تم سے زبان ہارنے کو کس نے کہا تھا؟

ممتاز:۔ میرے دل نے (دفعتاً سنجیدہ ہوکر) انور مجھکو تم پر اور تمھاری دوستی پر بڑا ناز تھا۔ مگر آج تم نے میرا دل توڑ دیا۔ مجھکو تم سے ایسی بے رخی کی اُمید نہ تھی۔ دُنیا میں محض زہد و تقویٰ ہی کا تسلّط انسان پر ہونا چاہئے۔ دوستی کا بھی کچھ حق ہوتا ہے اور ہونا چاہئے..... اگر مجھکو تم پر اور تمھاری دوستی پر اس قدر بھروسہ اسقدر ناز نہ ہوتا تو میں مہ جبین سے ہرگز یہ دعویٰ نہ کر بیٹھتا کہ پہلے انکو لاؤنگا اور پیچھے میں آؤں گا مگر تم نے آج اس روکھے پن اور بے رخی سے انکار کر دیا کہ علاوہ شرمندگی کے دل پاش پاش ہوگیا..... تم نے میری تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔

تم نے میرا سارا ناز سارا غرور سارا گھمنڈ خاک میں ملا دیا انور! مجھ کو تم سے بہت شکایت ہے!!! یہ کہکر ممتاز سے اور کچھ کہا نہ گیا! اسکی آواز رک گئی اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ خاموش ہو کر کمرے کی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔۔۔۔ انور کا دل پسیج گیا۔ وہ سب کچھ گوارا کر سکتا تھا مگر اس کو اس کی برداشت نہیں تھی کہ اس کے کسی قول یا فعل سے واقعی ممتاز کا دل دکھے یا اس کو صدمہ پہنچے۔ دنیا میں اس کا ایک دوست تھا اور اس کا نام ممتاز تھا۔ وہ فورا اٹھا اور ایک خاص محبت بھرے انداز سے ممتاز کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اور اسے تھپ تھپا کر کہنے لگا۔

ممتاز مجھے معاف کرو۔۔۔۔۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔۔۔۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ میری طرز گفتگو سے تمہیں رنج پہنچا۔ خدا گواہ ہے میرا ارادہ ہرگز یہ نہ تھا کہ تمہارا دل دکھاؤں۔ تمہارے ساتھ جانے میں انکار کرنے میں میری نیت خدا کی قسم صرف یہ تھی کہ تم اس خوبصورت بلا کے گھر نہ جاؤ اور میں سمجھتا تھا کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو تم بھی نہ جاؤ گے۔۔۔۔ ممتاز میرا وہی دل مجھ سے بار بار کہتا ہے کہ وہ خوبصورت بلا مجھے بھی اور تمہیں بھی ضرور نقصان پہنچائے گی

ممتاز:۔ (ایک آہ سرد بھر کر) انور میں بچہ نہیں ہوں میں بھی سمجھتا ہوں کہ میں ایک خطرناک راستے پر قدم رکھ رہا ہوں مگر مجھے خطرے سے محبت ہے مجھے خطرے میں لطف آتا ہے۔

ذوق ہوائے کوچۂ قاتل کو کیا کروں

مہلک سہی یہ شوق مگر دل کو کیا کروں

میں بھی جانتا ہوں کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں گناہ ہے۔ مگر خدا دیکھ سکتا ہے گو تم نہیں دیکھ سکتے یا سمجھ سکتے کہ میں کس قدر اپنے دل سے مجبور ہوں۔۔۔۔۔۔ اسی

لئے مجھے یقین ہے کہ وہ میری مجبوریوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر مجھے معاف کر دیگا....
میں یہ بھی مانتا ہوں کہ میں خراب شخص ہوں اور میرا دامن گناہوں سے تر ہے مگر کیا دوستی صرف سوکھے ہوئے کرم خوردہ زاہدوں ہی سے ہو سکتی ہے گنہگاروں سے نہیں ہو سکتی؟ کیا محبت کی دنیا میں بھی چھوت چھات کا سوال ہوتا ہے؟ کیا کسی مریض کو اس کے عزیز و اقربا اکیلا چھوڑ بھاگ جاتے ہیں؟ کیا اگر کوئی شخص خودکشی کر بیٹھے تو اس کے اعزا اس کی تلاش کو بے گور و کفن چھوڑ کر گدوں اور چیلوں کو کھلا دیتے ہیں؟...... پیارے انور اچھے دوست سے دوستی نباہنے میں کونسی تعریف ہے؟ تعریف تو اس میں ہے کہ آدمی برے دوست سے بھی دوستی نباہ لے جائے۔ دوست کو دوست کی کمزوریوں سے چشم پوشی کرنا چاہئے نہ یہ کہ وہ اُسے سنگسار کرنا شروع کر دے۔

برے ہیں ہم تو پھر اچھا برے کہاں جائیں
برول سے بھی ہے مناسب نباہ کر لینا

انور:۔ ممتاز! میں تمھیں ناراض یا رنجیدہ کرنا نہیں چاہتا اگر تمھاری یہی ضد ہے تو خیر میں تمھارے ساتھ چلونگا۔

ممتاز:۔ (خوش ہو کر) آؤ اِس خوبصورت ادا پر تمھارا منہ چوم لوں!!!

انور:۔ (مسکراتے ہوئے) آپ زحمت نہ اٹھایئے۔ چومنے چاٹنے کی دلچسپ ورزش کے لئے مجھ سے اچھا منہ آپ کو بالا بالا ہز پر ملیگا.... بڑی بات خدا خدا کر کے آپکے چہرے پر ہنسی تو آئی چلئے میں بھی آپکے ساتھ خودکشی کرنے کو تیار ہوں۔

ممتاز:۔ دلی شکریہ۔ پیارے انور دلی! تم نے اقرار تو کیا ہے مگر تمھاری چتونیں کہہ رہی ہیں کہ بادلِ ناخواستہ کیا ہے تمھارے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم دل میں مجھ سے روٹھے ہوئے ہو

انور:۔ (ہنستے ہوئے) خیر چلئے۔ ہم نے آپ کو نہیں بلکہ آپ ہی نے ہم کو ستایا

تا منفعل زر بخشش بیجا نسازمت   می آرام اعتراف گناہ بنودہ را!

گر گیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ابھی کمرے سے کون بھاگا جا رہا تھا اور جب میں نے ہاتھ پکڑ لیا تو وہ کون تھا جو پیارے صاحب کی دہائی لگا رہا تھا۔

"موری نا جک کلیاں۔ چھانڈے بہیاں۔ چوریا کر کی جائیں!!"

ممتاز :۔ (جھینپ کر) اچھا اچھا! بہت طبیعت موزوں ہے!!......

انور :۔ اور غیر موزوں کب رہتی ہے جو اس وقت آپکو موزوں ہونے کی تکلیف ہے

ممتاز :۔ یہاں تو آپ بڑی قرأت سے گفتگو فرما رہے ہیں مگر اسی طرح اس آفت دین اور دشمن ایمان کے سامنے بھی گل افشانی کیجئے تو بات ہے وہاں جا کر ساری چوکڑی نہ بھول جاؤ تو میرا نام نہیں۔ ابھی ہی دن کی بات ہے کہ اسکے سامنے آپکی گھگی بندھ گئی تھی!!

اس پر انور ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "اچھا تو اجازت ہے۔ ذرا کپڑے پہن لوں!!

ممتاز :۔ (ہنسکر) ہاں! ہاں! ضرور! انگے جانے کا تو ابھی تک یہاں فیشن بھی نہیں ہوا ہے چاہے کچھ عرصے کے بعد جرمنی سے آ جائے بیچاری حوریں تو حتی الامکان بہت کوششیں کر رہی ہیں۔ خدا انہیں کامیاب کرے!!.....

انور :۔ ننگی اننگی باتیں نہ کیجئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں ذرا آپ ہی کی تقلید میں ہندوستانی کپڑے نہ پہن لوں!!

ممتاز :۔ بڑی مشکل ہوئی تمھارے نکھرے ہوئے حسن کے سامنے پھر مجھے کون دیکھے گا؟

انور :۔ مہ جبین! وہ تو خود ہی کہہ چکی ہیں کہ حسن کے دربار میں صرف عشق کی پذیرائی ہو سکتی ہے۔ لہذا پذیرائی تو آپ ہی کی ہوگی۔ کیونکہ آج آپ ماشاءاللہ عشق کے جیتے جاگتے پتلے بنے ہوئے ہیں!۔

ممتاز :۔ اچھا اچھا! جائیے! جائیے! بہت باتیں نہ بنائیے۔ دیر ہو رہی ہے باتوں ہی باتوں میں سات تو بج گئے۔

تھوڑی دیر میں انور شاہزادہ حسن بن کر کمرے سے نکلا......

ممتاز :۔ خدا کی پناہ حسین ہے کہ آفت !۔ خدا نے تمہیں ایسا حسین کیوں بنایا۔ انور کے شگفتہ چہرے پر ایک ابر سا آگیا۔ اور کسی قدر مغموم لہجے میں آہ سرد بھر کر اس نے کہا "معلوم نہیں کیوں ؟ کاش میں بد صورت ہوتا"......

ممتاز :۔ انور کا یہ جملہ سمجھا نہیں۔ اور کیسے سمجھتا ؟ اس کو انور اور مہ جبین کی پہلی ملاقات کا حال کیا معلوم تھا ......

تھوڑی دیر کے بعد ممتاز کا موٹر مالابار ہلز کی طرف تیزی سے چلا جا رہا تھا ممتاز بہت خوش اور انور بہت متفکر اور مغموم تھا۔ وہ خود نہیں سمجھتا تھا کہ کیوں ؟ مشہور ہے کہ آنے والی مصیبتیں اپنا سایہ پہلے سے ڈال دیتی ہیں۔

گیارھواں باب

دل کا عجیب حال ہے امید وصل میں
اک دلکشا خوشی ہے غم جانگزا کے ساتھ

مہ جبین کا حسن سحر آگین آج اپنے انتہائی نقطۂ کمال پر تھا۔ قدرت کی دلفریب صناعی میں مشاطہ نے اور چار چاند لگا دیئے تھے اگر آج زاہد صد سالہ بھی اسکے حسن کفر سامان کو دیکھ لیتا تو یقیناً اس کی عمر بھر کی ساری طاعت اور عبادت خاک میں مل جاتی۔ اس کا خرقہ پارسائی مہ جبین کی طرف ایک نگاہ غلط انداز سے پارہ پارہ ہو جاتا۔ برقی روشنی کی تیز شعاعیں اس کے حسن فتنہ کار پر مچل مچل کر اس میں اور بھی جگمگاہٹ پیدا کر رہی تھیں۔ ناممکن تھا کہ دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ نہ ہو جائیں۔ اس کے دل میں قیامت برپا نہ ہو جائے۔ اسکے بدن میں ایک

عجیب و غریب قسم کا ارتعاش پیدا نہ ہو جائے۔

سات بجے شام کا وقت تھا۔ مہ جبین فطرتاً بے حد سریع الحس اور جذبات دقیق سے بہت جلد اور بہت زیادہ مغلوب ہو جانے والی لڑکی تھی۔ اس وقت انتظار کی بے چینی سے اس کے خون میں گرم گرم لہریں اچھل رہی تھیں۔ اس کے چھوٹے سے دل میں جذبات کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ کسی ایک جگہ اس کو قرار نہ تھا۔ وہ حالت اضطراب میں برآمدے میں ٹہل رہی تھی جہاں کسی موٹر کے بگل کی آواز آتی وہ چونک پڑتی اور سڑک کی طرف دیکھنے لگتی۔

نہ پوچھو کچھ شب وعدہ بلا کی انتظاری ہے
صدا پر کان، در پر آنکھ، دل میں بیقراری ہے

وہ ٹہلتی جاتی تھی اور اپنے دل سے یوں باتیں کرتی جاتی تھی۔

"اف! انتظار کی تکلیف بھی کیسی بری تکلیف ہوتی ہے جانکنی تکلیف کا تجربہ نہیں مگر غالباً ایسی ہی ہوتی ہوگی۔ اتنی دیر ہوگئی۔ اور ابھی تک وہ نہیں آئے۔ کیا کروں مجھ سے تو یہ تکلیف نہیں برداشت ہوتی۔ ہائے کس مصیبت سے یہ دن کٹے ہیں۔ اور خاص یہ آج کا دن۔ رات کی تڑپ اور آج کی بے چینی مجھے ہمیشہ یاد رہیگی۔

صبر آتا ہے نہ آتا ہے وہیں سے کوئی
ڈھونڈ لائے تجھے اے موت کہیں سے کوئی

کیا واقعی آج وہ نہ آئیں گے۔ کیا میرے دل کی حسرت میرے دل ہی میں تڑپ تڑپ کے رہ جائیگی؟..... ایں...... یہ بگل کی آواز کیسی آئی؟ یہ تو میرے پیارے کے موٹر کا بگل معلوم ہوتا ہے..... (اپنے دل پر مضطربانہ انداز سے ہاتھ رکھکر

دلِ مضطر خبر آئی ہے کہ وہ آتے ہیں
صبر کر صبر ذرا میرے مچلنے والے

(خوشی سے) لے لو۔ وہ آگیا!! ....

ممتاز کا رولس رائس مہ جبین کے بنگلے میں داخل ہوا۔

مہ جبین:۔ (دل میں) ہائے.... اب میں کیا کروں"..... وہ کمرے میں دوڑ کر چلی گئی۔

ماہ لقا:۔ مجبن تم بغل کے کمرے میں چلی جاؤ۔ تھوڑی دیر میں پان لیکر آنا۔

مہ جبین دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ممتاز اور انور موٹر سے اتر کر کمرے میں داخل

ہوئے ماہ لقا تعظیماً کھڑی ہوگئی اور جھک کے آداب بجا لائی۔

ممتاز:۔ کہئے مزاج تو اچھے ہیں۔ آج آپ بڑے عرصے کے بعد ملاقات کی سرحاصل ہوئی۔

ماہ لقا:۔ جی ہاں۔ حضور کو غریب خانے کو رونق بخشتے ہوئے کئی برس ہو گئے۔

(سرخ زردوزی مخمل کی مسند کی طرف اشارہ کر کے) تشریف رکھئے! تشریف رکھئے۔

تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار

ایک قیامت اُن کا آنا ہوگیا

ممتاز مسند پر رونق افروز ہو گئے۔ انور بھی جیسے ہوئے۔ سر جھکائے مخملی گاؤ

تکیے کے کونے کے قریب سکڑ کر بیٹھ گئے اور فرش پر آنکھیں جمالیں۔

ماہ لقا:۔ خدا جانتا ہے آج اتنے عرصہ کے بعد آپ سے ملاقات ہونے سے

ایسی دل کو مسرت ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ممتاز:۔ اب تو آپ مجھے بنانے لگیں!

ماہ لقا:۔ اے توبہ کیجئے۔ بھلا میری یہ مجال! (بات بدل کر) کہئے آپ کے

صاحبزادے تو اچھے ہیں؟

ممتاز:۔ (تعجب سے) صاحبزادے! مجھے تو ابھی تک کسی صاحبزادے یا صاحبزادی

کے باپ ہونے کا فخر حاصل نہیں ہوا ہے۔ کم سے کم گھر سے روانہ ہونے تک تو کسی صاحبزادے کی رسید نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد کا حال آپ بہتر جانتی ہونگی۔

ماہ لقا:۔ توبہ۔ میں بھول گئی۔ معاف فرمایئے گا۔ مجھے مسٹر جمال بھائی کا دھوکہ ہوگیا.......

ممتاز:۔ آپ کو تو ہر ایک چیز معاف ہے۔ جتنے گناہ ہیں سب معاف ہیں اور سنتا ہوں کہ سات خون تک معاف ہیں۔

ماہ لقا:۔ اے لیجئے۔ اب تو آپ ہی اُلٹا مجھے بنانے لگے۔ زبان ہی تو ہے۔ چوک ہو ہی جاتی ہے

ممتاز:۔ اور پھر آپ لوگوں کی زبان!......اس کا تو اعتبار ہی نہیں ہو سکتا!!

ماہ لقا:۔ (بات بدلنے کی کوشش میں) خدا رکھے۔ اب تو بمبئی میں آپ ہی آپ نظر آتے ہیں بمبئی آپ پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ مگر ہمیں آپ سے شکایت ہے۔ آپ نے تو ہمیں ایسا بھلا دیا کہ اپنی شادی میں بھی نہیں بلایا۔ ایسی بے مروتی بھی آپ ہی کا حصہ ہے۔

آخر تو میں وہی ہوں مجھے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوا تپاک وہ الفت کدھر گئی

ممتاز:۔ اس فروگذاشت کا مجھے افسوس ہے۔ آیندہ ایسی غلطی نہ ہوگی .....اور میں کہتا ہوں آج سات برس کے بعد میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ مگر وہی سج دھج۔ وہی بانکپن۔ وہی حسن جہاں آشوب جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے وہ جو لوگ آپ کو سدا بہار کہتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کہتے۔

ماہ لقا:۔ توبہ اب میں بوڑھی ہوئی۔ نہ صورت نہ شکل اور اس پر یہ تعریفیں

آپ نے بھی حد کر دی۔

ممتاز:- اس بڑھاپے کے صدقے۔ آپ کے ایسے بڑھاپے پر تو سینکڑوں جوانیاں قربان ہو جائیں۔ اس قدر انکسار تو شرع شریف میں بھی جائز نہیں۔ چلئے ہماری آپ کی شرط رہی پچیس برس سے آپ ایک منٹ بھی زیادہ نکلیں تو ہم کچھ آپ سے ہارتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کیا آپ مجھ سے بڑی ہیں۔

مس ماہ لقا کی عمر۔ اور جیسی وہ مس تھیں ظاہر ہے پینتیس سال سے ایک دن تو کسی طرح کم تھی نہیں مگر ممتاز صاحب کو کون کہے ان کی لفاظی کے آگے تو شیطان بھی عش عش کرتا تھا۔

ماہ لقا:- (ہنستے ہوئے) اے لو۔ اور سنو۔ یہ ہم سے بڑے ہیں... تیس برس سے تو ہماری عمر ایک گھنٹہ کم ہوگی نہیں۔ آپ پچیس کہتے ہیں... ارے توبہ...
... وہ میں بھول ہی گئی۔ اتنی دیر ہو گئی۔ اور میں نے پان تک کو نہ پوچھا آپ بھی کہتے ہوں گے کہ کیسی بے تمیز دار ہے۔ مگر کیا کروں آپ کی مزے دار باتوں میں الجھ کر رہ گئی اور کیسے نہ الجھتی۔ باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں... ارے چمپا... او چمپا!... او چمپا... کہاں چلی گئی!... کمبخت ایسی کھلنڈری ہے کہ کچھ کہا نہیں جاتا بس ہر وقت سڑک پر لڑکوں سے ہنسی دل لگی کیا کرتی ہے۔

ممتاز:- (مسکرا کر) چشم بددور بڑی ہونہار معلوم ہوتی ہے!... اور کیوں نہ ہو؟ مچھلی کے بچے کو تیرنا کس نے سکھایا؟ اور مچھلی بھی کس مقدس چشمے کی مچھلی!!

ماہ لقا:- (ہنس کر) بنائیے! بنائیے۔ خوب بنا لیجئے ہمیشہ کی طرح آج بھی نکال لیجئے۔ کاہے کو حسرت باقی رہ جائے (اٹھ کر) ذرا میں دیکھوں تو یہ چمپا کدھر نکل گئی۔

ممتاز:- ارے مچھلی بھی نکل گئی ہوگی کہیں۔ جانے بھی دیجئے کسی غریب کا بھلا ہی ہو جائیگا آپ کو عمر بھر دعائیں دیگا۔

ماہ لقا:۔ للہ رحم کیجیے۔ آپ تو ہر بات کا مذاق اڑاتے ہیں بات کرنا دشوار کر دیا
ممتاز:۔ اس قدر انکسار تو نہ کیجیے۔ باتوں میں آپکو کون مات کر سکتا ہے روز
کی مشق سے آپ کیسی کچھ نہ مجھ گئی ہونگی۔ اور پھر بمبئی ایسے شہر میں جہاں کا چپہ چپہ
شمس العلماء یا مولوی فاضل ہے۔

اس پر ماہ لقا ایک مصنوعی ہنسی ہنسیں۔ مگر اس وقت وضع میں بدل گیا
بغل کے کمرہ کا دروازہ کھلا۔ پردہ ہٹا اور پردے سے مہ جبین اس طرح نکلی جیسے گھٹا
میں بجلی چمکتی ہے۔ . . . ایک ہاتھ میں اس کے گنگا جمنی خاصدان تھا۔ دوسرے
ایک خوش رنگ قیمتی ریشمی رومال تھا۔ اور عجب ناز معشوقانہ سے وہ شرماتی۔
لجاتی مسکراتی۔ آفتیں ڈھاتی۔ مسند کی طرف بڑھی اور ایک خاص تبسم ناز آفرین سے
ممتاز اور انور کو سلام کر کے ماہ لقا کے پہلو میں آکر بیٹھ گئی اور گردن جھکا کر نگاہیں
نیچی کر کے رومال کی خیالی شکنیں درست کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ممتاز:۔ (سلام کا جواب دیکر مسکراتے ہوئے۔

ہزار برق نے چل پھر کے مشق کی لیکن ادا نہ آئی ترے مسکرا کے آنے کی

کیوں صاحب کسی کو گھر بلا کر اس کی بات تک نہ پوچھنا کہاں کا دستور ہے؟

مہ جبین:۔ (بڑے ناز سے تیوری چڑھا کر) اور چھ بجے کا وعدہ کر کے سات
بجے منہ دکھانا کہاں کا شعور ہے۔

ممتاز:۔ (انور کی طرف اشارہ کر کے) اس جرم کی سزا تو اس وعدہ فراموش کو
دیجیے۔ ایک گھنٹہ کی متواتر خوشامد کے بعد اس سنگدل کا دل پسیجا ہے۔ بیچارے کسی طرح
آنے کی حامی ہی نہیں بھر سکتے تھے۔ اس کی آدھی خوشامد بھی اگر میں نے اپنے خدا کی کی
ہوتی تو اب تک میں بلا شبہ ایک نہایت خوفناک دل ہو گیا ہوتا۔ . . . . . .
(انور سے) اعلیحضرت خدارا ذرا اپنی جھکی ہوئی گردن تو اٹھایئے۔ آپ تو ایسے

سہمے ہوئے جھجکے ہوئے شرمائے ہوئے ہیں جیسے خدانخواستہ آپ کا یہاں کسی سے نکاح ہونے والا ہے.........

مہ جبین :۔(مسکرا کر) انور صاحب کی یہ ادا بھی کس قدر دلفریب ہے اور شاید اس کو وہ خود بھی جانتے ہیں اسی لئے انہوں نے اس میں بہت خاصی بہار پیدا کرلی ہے!!

ممتاز :۔ارے صاحب کچھ نہ پوچھئے۔ ابھی ابھی اپنے گھر پر بلبل ہزار داستان کی طرح یہ چہک رہے تھے الٹا مجھی کو بنا رہے تھے۔ اور یہاں آکر خدا معلوم آپ نے ان پر کیسا جادو کر دیا کہ دفعتاً ایسے معصوم اور بے زبان بن گئے کہ دیکھ کر اب بے اختیار ترس آتا ہے۔ اب تو کسی ہوشیار ماہر فن سے ان کا ڈاکٹری معائنہ کرانا پڑا کہ ان بیچارے کے منہ میں کہیں زبان بھی ہے یا نہیں۔

مہ جبین :۔(انور کے سامنے خاصدان پیش کر کے) لیجئے انور صاحب باتیں حرام ہیں تو پان کھانا تو حرام نہیں۔ ایک پان ہی کھا لیجئے۔

انور نے مروت میں شرمائی ادا سے ایک گلوری لے لی۔

مہ جبین :۔زردہ لیجئے۔ زردہ تو آپ کھاتے ہونگے۔

انور :۔جی نہیں... میں تو دراصل پان بھی نہیں کھاتا!

مہ جبین :۔انصاف تو یہ ہے کہ آپ کو پان کھانے کی ضرورت بھی نہیں خدا نے اپنے ہاتھ سے آپ کو پان کھلا کر بھیجا ہے۔

انور اس پر جھیپ کر خاموش ہو گیا۔

ماہ لقا :۔کیا انور صاحب بھی دلی کے رہنے والے ہیں مجھے تو ان میں کچھ لکھنؤ کے رنگ کی سی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

انور :۔(مسکرا کر) آپ کی تشخیص بالکل صحیح ہے۔ میرا اصلی وطن لکھنؤ ہی کے ضلع میں ہے۔ دلی میں تو میرے بچا محض ملازمت کے سلسلے میں چلے آئے تھے۔

مگر مجھے تعجب ہے کہ آپ کیسے پہچان گئیں؟

ممتاز :۔(انور سے) یہ بھی تم نے خوب سوال کیا، عورتوں کے رگ و ریشے بال بال سے تو یہ واقف ہیں۔ ان کے تجربے کا کیا کہنا!!

ماہ لقا:۔ آپ کی باتیں بھی تو غضب کی ہوتی ہیں جن کے پیچھے آپ پڑ جائیں ان کا بس خدا ہی حافظ ہے۔۔۔ حضور! تجربے کا سوال نہیں۔ میں خود لکھنؤ کی ہوں اس لئے اگر میں اپنے ہم وطنوں کو پہچان لوں تو اس میں تعجب کیا؟ گستاخی معاف ہو۔ لکھنؤ پھر لکھنؤ ہے۔ لکھنؤ کی شان ہی کچھ اور ہے۔ دلّی مٹتے مٹتے مٹ گئی مگر لکھنؤ کو نہ پا سکی!!

ممتاز:۔ آپ نے بھی کمال کیا! کہاں لکھنؤ کہاں دلّی؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ میں کہتا ہوں کہ دلّی کے ساتھ لکھنؤ کا نام لینا گناہ ہے۔

انور:۔ لکھنؤ اور دلّی میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا پیرس اور لندن۔ فرانس اور جرمنی۔ طہران اور کابل میں۔

مہ جبین:۔ (ہنستے ہوئے) یا جتنا شہر اور دیہات میں۔

انور:۔ (ہنس کر) نہیں! نہیں! یہ تو صریحاً نا انصافی ہے۔ مگر (ہنستے ہوئے) ہاں لکھنؤ اور دلّی میں اتنا فرق ضرور ہے جتنا ایک ہرن اور نیل گائے میں!!۔۔

مہ جبین:۔ انور صاحب کا شاید مطلب یہ ہے کہ ہرن اور نیل گائے دونوں کی ذات گو ایک ہی ہے مگر نزاکت۔ نفاست۔ خوبصورتی۔ خوش رفتاری کے لحاظ سے ایک دوسرے میں کس قدر فرق ہے۔

انور:۔ اب یہی دیکھ لیجئے! کہ ممتاز دلّی کے ہیں اور کس قدر نیل گائے معلوم ہوتے ہیں!!! اس پر مہ جبین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ممتاز:۔ (مسکرا کر) کیا خوب! بہت اچھے جا رہے ہیں آپ ماشاء اللہ! اس

وقت دماغ بڑی تائید کر رہا ہے گو ابھی تک آپ ایسی معصوموں کی سی صورت بنائے ہوئے تھے کہ دیکھ کر خواہ مخواہ ترس آتا تھا۔۔۔ اور تو میں کیا کہوں۔۔۔۔۔۔۔۔
مگر کہئے تو آپ سب کی خاطر سے اتنا مان لوں کہ دلی میں اگر شانِ مردانگی ہے تو لکھنؤ میں شانِ نسائیت نمایاں ہے۔

انور:۔ اگر آپ نے لفظ مردانگی بمعنی اکھڑپن اور بد مزاقی اور نسائیت بمعنی تہذیب لطافت اور خوش مذاقی استعمال کیا ہے تو مجھے بھی آپ کا دعویٰ تسلیم ہے۔

مسز حسین:۔ اسے اب جانے بھی دیجئے۔ ممتاز صاحب یہ بحثیں آرائیاں کب تک ہونگی۔ آپ اکیلے ہیں اور ادھر ہم تین تین ہیں برابر کی لڑائی نہیں ہے!!!

ممتاز:۔ (مسکرا کر) تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ بھلا تثلیث بھی کبھی توحید پر غالب آسکتی ہے؟ اس پر سب ہنس دیئے۔ اس کے بعد ماہ لقا کچھ معذرت کر کے دوسرے کمرے میں چلی گئی!!

انور:۔ لیجئے ممتاز صاحب اب تو آپ بھی تخلیف میں شامل ہو گئے!!

ممتاز:۔ شکر ہے ماشاء اللہ آپ بھی گل افشانیاں کرنے لگے۔ کم نہ تھا خدا کرے

انور:۔ (مسکرا کر) رہتا ہوں میں بند قفل ابجد کی طرح
جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

مسز حسین:۔ (معشوقانہ انداز سے مسکرا کر) انور صاحب بتلائیے آپ کو آپ کی وعدہ خلافی کی کیا سزا دی جائے

انور:۔ وہی سزا جو آپ کو اپنی بیوفائی کی دیتی ہیں!!

مسز حسین:۔ (غضبناک ہو کر) میں تو بیوفا نہیں ہوں!!

انور:۔ اگر آپ باوفا ہیں تو پھر دنیا میں بیوفا کون ہے؟

مسز حسین:۔ صرف ایک شخص! اور اس کا نام انور ہے!

اب کی انور کے شرمانے کی باری تھی!!!

ممتاز :۔ مہ جبین سچ کہتی ہو لکھنو کا طرۂ امتیاز بیوفائی ہے۔ وفاداری تو صرف دلّی کے حصّے میں آئی ہے!!

مہ جبین :۔ ہم تو بدنام ہیں اس لئے بُرے ہیں۔ ورنہ ہماری وفائیں بھی اسی قدر مشہور ہیں جتنی کہ ہماری بیوفائیاں!!

انور :۔ اگر مجھے اس کا یقین ہو جائے کہ آپ دنیا میں کسی سے بھی وفا کر سکتی ہیں تو میں آج آپ کا حلقہ بگوش ہو جاؤں!! آپ لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ

رنگت ہے، نزاکت ہے، لطافت ہے مگر حیف ایک بوئے وفا یہ گل رعنا نہیں رکھتے

مہ جبین انور کے چہرے کو متجسّس نگاہوں سے دیکھنے لگی پھر ایسے لہجے میں جس میں دبا ہوا جوش تھا بولی۔

"کیا آپ میری وفاداری کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔"

انور :۔ تھوڑا دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ میرا یہی ارادہ ہے تو؟

مہ جبین :۔ تو پھر آپ بھی وعدہ کیجئے کہ اگر میں وفادار ثابت ہوئی تو آپ بھی بیوفائی نہ کیجئے گا!!

انور :۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔۔

مہ جبین :۔ تو میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ :۔

مجھ سا جاں باز زمانے میں نہ پاؤ گے کہیں
لاکھ ڈھونڈو گے چراغ رُخ زیبا لیکر

انور :۔ یہ تو بہت پرانا پامال شدہ شعر ہے اور ایسے ہمیشہ جھوٹے پڑھا کرتے ہیں۔

اس وقت ماہ لقا واپس آ گئی اور آ کر دہیں بیٹھ گئی۔

انور :۔ (ہر لفظ پر زور دیکر) اچھا تو آپکی وفاداری کا پہلا امتحان یہ ہے کہ اگر ممتاز آپ کو چاہیں اور میں بھی آپ کو چاہوں تو آپ کس سے وفا کیجیے گا ؟

مہ جبین کی نگاہیں دفعتاً فرش پر جم گئیں ۔ اور وہ کچھ دیر کیلئے مبہوت سی ہو گئی ،

ممتاز :۔ (مہ جبین کی مدد کو آکر) انور وفا پر تمہارا اصرار تمہاری خام خیالی ہے ۔ محبت کی چاشنی اور دل آویزی اسوقت تک ہے جبتک یہ نہ معلوم ہو کہ محبوب کے حقیقی جذبات کیا ہیں ؟ مگر جب یہ راز افشا ہو جائے تو محبت وہیں پر ختم اور خود غرضی اور ہوسناکی وہیں سے شروع ہو جاتی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ وفادار معشوق سے زیادہ مہمل کوئی شے نہیں اور معشوق کو نہ صرف قدرتاً بلکہ مصلحتاً بیوفا ہونا چاہیے کیونکہ معشوقیت کی شان ہی بیوفائی ہے اور عشق کی نیرنگی اور حسن کی ساری کشش معشوق کی تلون مزاجی کی دلخراش لذتیں ہیں

ہے تلون سے ترے جلوۂ نیرنگ حیات
میں تو مر جاؤں جو امید وفا ہو جائے

انور :۔ خدا خیر کرے پھر آگئے اپنی پرانی روش پر ۔ آج صبح سے تمہاری مہملیات کی ایسی موسلا دھار بارش رہی ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ میں اب تک زندہ کیسے ہوں ؟

ممتاز :۔ تم کیا جانو حقیقت امر یہ ہے کہ کسی کو معشوق کی تلاش ہو تو جا کر طوائف زادیوں میں تلاش کرے اور اگر بیوی کی جستجو ہو کر شریف زادیوں میں جستجو کرے عشق کے لئے طوائف زادی سے زیادہ کوئی موزوں نہیں اور شادی کے لئے شریف زادی سے کوئی بہتر نہیں ۔ ارباب حل و عقد کا مشہور مقولہ ہے کہ بیوی سے عشق بازی ایسی ہی مہمل حرکت ہے جیسے کہ طوائف سے شادی !! میرا تجربہ تو یہ ہے کہ محبت اول تو جائز ہوتی ہی نہیں اور اگر بفرض محال جائز ہو بھی تو اس میں کوئی لذت کوئی حرارت نہیں ہوتی ۔ لذت اور حرارت صرف ناجائز محبت میں ہوتی ہے اور صرف اسی میں قدرتاً ہو سکتی ہے !! ....

مہ جبین :۔ (مسکراتے ہوئے) کیوں ممتاز صاحب۔ طوائف سے اور بیوی سے محبت کیوں آپ کی شریعت میں حرام ہے؟

ممتاز :۔ (شوخی آمیز متانت سے) اب آپنے ایک عجیب سوال کیا... طوائف سے عشق بازی اس وجہ سے مناسب ہے کہ وہ نسائیت اور اسکی تمام کمزوریوں سے مبرا ہوتی ہے۔ اس کا طریق عمل انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور مذہب کے ایجاد کردہ قیود سے بالکل بے نیاز ہوتا ہے اور عشق کے لئے مذہب اور اخلاقیت سے زیادہ مضر دنیا میں کوئی شئے نہیں۔ چنانچہ عشق کی پہلی منزل میں اخلاقیت اور مذہب کو فنا کر دینا ایسا ہی ضروری فرض ہے جیسا کہ عشق کی آخری منزل میں اپنی ہستی کو خیرباد کہہ دینا۔ طوائف میں کسی کو چاہنے کی قابلیت اسکی نسائیت کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے۔ مگر اس حسن وخوبی سے کہ اس کے چاہنے والوں کو عمر بھر اس کا کبھی یقین ہی نہیں ہونے پاتا اور وہ اسی نشیلے خیال میں بدمست رہتے ہیں کہ اگر وہ اسے کافی شدت سے چاہیں تو وہ بھی انہیں چاہنے لگے گی.... طوائف کی طبیعت میں جذبۂ محبت کی یہی طلبی کیفیت ترقی عشق کا حقیقی راز ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ آتش شوق کو بھڑکانے کے لئے جتنی صنعتیں اور فنون لطیفہ درکار ہیں اس میں طوائف ماہر کامل ہوتی ہے۔ لہذا عشق اور عشق کی ترقی کے لئے طوائف سے بہتر دنیا میں کوئی نسخہ نہیں..... .... (مہ جبین سے) انور بیکار آپ سے وفا کا مطالبہ کرتے ہیں.... کیونکہ میرے خیال میں ایک وفادار طوائف ایسی ہی قابل نفرت ہستی ہے جیسی کہ ایک بیوفا بیوی!!......

مہ جبین :۔ (ہنسکر) آپ کچھ بھی کہئے۔ مگر میرا مذہب تو وفاداری ہے۔

عشق ہے سعی میری عشق ہے حاصل میرا
یہی منزل ہے یہی جادۂ منزل میرا

جو ہم سے وفا کرے گا ہم بھی اس سے جان و دل ہار کر وفا کریں گے!!

ممتاز:- ہاں ہاں آپ کو کہنا تو یہی چاہیئے.... مگر ایسا کرنا ہرگز نہ چاہیئے!!

انور:- (مہ جبین سے) ان باتوں کا سلسلہ تو کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ مگر ہاں وہ آپنے بتایا نہیں کہ اگر ممتاز بھی آپ کو چاہیں اور میں بھی تو آپ کس سے محبت کیجئے گا؟

مہ جبین:- اُس سے جو مجھے زیادہ چاہے گا اور جسے میں زیادہ چاہونگی

انور:- پھر محبت کے وزن کرنے کا آلہ؟

مہ جبین:- دل۔

انور:- اور اگر دل نہ ہو بلکہ دل کی جگہ پتھر ہو تو؟

مہ جبین:- تو پھر محبت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

انور:- (مسکراکر) اچھا تو ہم آپ کو چاہتے ہیں۔

مہ جبین:- یہ ایک پیارا جھوٹ ہے جس کا مجھے یقین نہیں۔

انور:- تو پھر آپکے زبانی دعووں کا بھی کس کو یقین ہو اور کون یقین کر سکتا ہے؟

مہ جبین:- جو یقین کرنا چاہے.... مگر شاید آپنے ممتاز صاحب کو ناراض کر دیا۔ دیکھئے وہ کس قدر خاموش ہو گئے اور ان کا چہرہ کیسا بدل گیا۔

ممتاز:- (ایک طنز آمیز تبسم کے ساتھ) جی نہیں ان سچی باتوں کا مجھ پر کبھی اثر نہیں ہوتا!

انور (مسکراکر) ذرا ادھر بھی تو برق نظر چمک جائے۔
نگاہ ناز کے اُمیدوار ہم بھی ہیں۔

ممتاز:- ناراض کیوں ہوں؟ کیا مجھے کسی خوبصورت چیز کے چاہنے کا حق نہیں ہے، اب یہ میری بدقسمتی ہے کہ ممتاز بھی اتفاق سے اسی کو چاہتے ہیں تو میں کیا کروں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک افسوسناک اتفاق ہے!!

ممتاز:- (ایک خشک ہنسی ہنسکر) انور تم میرے رقیب نہ ہو اور یوں دنیا میری

رقیب ہو جائے تو مجھے پروا نہیں!!

انور :۔ (مسکرا کر) کیوں مجھ میں ایسی کیا خصوصیت ہے؟

ممتاز :۔ یہ تو مہ جبین کے دل سے پوچھو یا کسی آئینہ خانے کی سیر کر کے دیکھو!!

انور :۔ تو پھر تم مجھے اپنے ساتھ لایا ہی نہ کرو۔ کیونکہ تم مجھے یہاں لا کر یہ بھول جاتے ہو کہ صرف تم ہی نہیں بلکہ میں بھی انسان ہوں!!

مہ جبین :۔ (مسکرا کر) واہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا؛ ہمارا اور ممتاز صاحب کا تو معاہدہ ہی یہی ہے کہ جب وہ آئیں گے تو آپ کو بھی ضرور ساتھ لائیں گے!! کیوں ممتاز صاحب ہمارا آپ کا یہی معاہدہ ہے یا کچھ اور؟

ممتاز :۔ جی بالعینہ یہی! میں کب اس سے گریز کرتا ہوں؟

انور :۔ تو پھر میں اس سے گریز کرونگا کیونکہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے!!

مہ جبین :۔ اور ایک سینے میں دو دل بھی تو نہیں رہ سکتے۔

ماہ لقا نے مہ جبین پر بڑی تیز اور خشمگیں نگاہ ڈالی۔ مگر مہ جبین نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی اور دلیری سے انور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی۔ "اگر آپ نے اس معاہدے سے گریز کیا تو آپ سے پہلے میں گریز کرونگی۔ پھر ممتاز صاحب کو مجھ سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہ رہے گا!!"

انور :۔ تو کیا آپ ممتاز صاحب سے محض میری وجہ سے ملتی ہیں اور ملینگی ...... یہ تو کھلی ہوئی بے انصافی اور صریح نا قدری ہے۔

ماہ لقا :۔ (گھبرائی ہوئی ہنسی ہنسکر ممتاز سے) میں اس لڑکی کی شوخی اور الھڑپن سے بہت عاجز ہوں۔ ابھی تک اسے باتیں کرنے کا بھی سلیقہ نہیں آیا۔ دل میں اس کے ہوتا کچھ ہے اور زبان سے کہتی کچھ ہے اور دراصل یہ آپ کی محبت سے

فلسفہ کا محض امتحان لے رہی ہے!! یہ بڑی شریر ہے!! آپ بُرا نہ مانئے گا!!
بقول کسی کے

زبان سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھ کو
نگہ دے رہی ہے پیامِ محبت

ممتاز:۔ اگر مہ جبین کو مجھ سے زیادہ انور کا خیال ہے تو میں انکی انتخاب
اور خوش مذاقی کی داد دیتا ہوں۔ واقعی انور ایسا شخص ہنسی کیا دور دور نہیں ملسکتا
اور میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تو ان سے محبت کا طلبگار بھی نہیں ہوں۔ میں
تو ان سے صرف پرستش کی اجازت چاہتا ہوں۔ میرے لئے تو بس یہی بہت کافی ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
یوں ہے کہ مجھے دُردِ تہ جام بہت ہے

مہ جبین:۔ (شوخی سے) باجی آپ بیکار میری طرف سے معذرت کر رہی ہیں
ممتاز صاحب ابھی خود ہی فرما چکے ہیں کہ ایک وفادار طوائف میسی نفرت انگیز ہستی کے ہے
جیسی کہ ایک بیوفا بیوی!! لہذا انہی کے فلسفے کے مطابق میں طوائف تو ان سے مگر با پڑی
انور صاحب کو!... کیوں ٹھیک ہے نا ممتاز صاحب؟ آپکو تو اعتراض نہ ہوگا؟ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟
ممتاز:۔ (خشک تبسم) بیشک مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آپ کو اپنے دل پہ
اختیار ہے مجھے اس میں دخل دینے کی ضرورت یا وجہ؟

جس سے جی چاہے ملو تم نہ کسی سے پوچھو
مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی جی سے پوچھو

یہ کہکر ممتاز ایک پھیکا ایک ہنسی ہنسا۔ اسکی آنکھیں جھک گئیں۔ اس کا چہرہ بے رونق اور
زرد ہو گیا۔ اس کو اسکی زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ اس کے دل میں انور
سے رقابت اور حسد کا ایک چھوٹا سا شعلہ دفعتاً پیدا ہو گیا اس نے اس شعلے کو دبا

اور سمجھانے کی کوشش ضرور کی مگر ناکامیابی سے مہ جبین پر وہ بُری طرح فریفتہ تھا اور گو محض گرمی بزم اور حسن گفتگو کیلئے وہ بہت کچھ فلسفہ طرازی کر چکا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ مہ جبین کی محبت میں انور یا کسی کی بھی شرکت کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ فلاسفر کے متعلق مشہور ہے کہ قول تو ان کے فرشتوں کے سے افعال ان کے انسانوں کے سے ہوتے ہیں ممتاز بھی ایسا فلسفی تھا کہنے کو تو وہ سب کچھ کہہ ڈالتا تھا مگر انسان کی فطری کمزوریوں سے مجبور تھا۔ ڈیوجانس کلبی کی طرح اس کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کے اور اس کے آفتاب کے بیچ میں کوئی سکندر آجائے۔

محبت اور حسد توام ہیں۔ ممتاز کے دل میں جب محبت پیدا ہوئی تو ساتھ ہی ساتھ حسد بھی آیا۔ اور حسد بھی کس سے؟ اپنے جگری دوست انور سے!!......

جس قدر وہ مہ جبین کی باتوں اور اس کے طرز عمل پر غور کرتا تھا اسی قدر اس کو یقین اور کامل یقین ہوتا جاتا تھا کہ مہ جبین انور کی مشتاق اور اس سے بیزار ہے اور جس قدر یہ احساس ترقی کرتا جاتا تھا اسی قدر انور سے اس کے رقیبانہ حسد کا شعلہ بھڑکتا جاتا تھا.......

ممتاز کے دل کا تو یہ حال تھا مگر انور کا پُرخلوص اور سچا دل آئینہ کی طرح صاف اور روشن تھا۔ وہ عورت کو عموماً اور مہ جبین ایسی برق جمال کو خصوصاً اپنے لئے اور در حقیقت ہر مرد کے لئے نہایت خطرناک ہستی خیال کرتا تھا اسی وجہ سے اس نے مہ جبین سے آنے جانے کا عہد و پیمان کرنے کے بعد بھی وعدہ خلافی کرنا بہتر سمجھا کیونکہ مہ جبین سے ملنا اور جلتی آگ سے کھیلنا یکساں تھا وہ ڈرتا تھا کہ کہیں مہ جبین کے حسن کی کشش اور اثر سے وہ اپنے مستحکم اصول بھول نہ جائے اس کے پیروں میں لغزش نہ آجائے۔ اور چونکہ اسکو ممتاز سے سچی محبت تھی اسلئے اسکی نیک نیتی سے یہ خواہش تھی کہ وہ اسکو اس خطرناک وادی میں قدم نہ رکھنے دے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ممتاز دیکھنے میں بہت مضبوط مگر حقیقت میں بہت

کمزور ہے۔ چنانچہ پہلے تو اس نے ممتاز کو سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی اور جب
اس میں وہ کامیاب نہ ہوا تو اس نے یہ تدبیر سوچی کہ وہ مہ جبین سے اس طرح پیش آئے
اور اس سے ایسی لگاوٹ کی باتیں کرے کہ مہ جبین ممتاز سے متوجہ نہ ہو اور ممتاز
مہ جبین سے بدگمان اور بددل ہو جائے۔ لیکن بدقسمتی سے انکی ساری تدبیریں الٹی
ہو گئیں۔ ممتاز کو مہ جبین سے تو نفرت پیدا ہوئی نہیں البتہ انور ہی کی طرف سے اس
کے دل میں غبار سا آ گیا مگر انور کو اس انقلاب کا اس لئے احساس نہیں ہوا کہ ممتاز
اپنے اصلی جذبات کو خوبصورت الفاظ اور مصنوعی تبسم سے کامیابی کے ساتھ
چھپا لے گیا۔

. . . .

ماہ لقا نے جو تجربے سے بہت مردم شناس ہو گئی تھی ممتاز کے دل کی حالت
کی صحیح تشخیص کر لی۔ لہٰذا اس نے ممتاز کی دلجوئی کے لئے ایک دوسرا نسخہ فوراً
تجویز کیا اور کہنے لگی۔

ممتاز صاحب آپ نے مہ جبین کا گانا نہیں سنا۔ ماشاء اللہ بڑی اچھی آواز
پائی ہے اور خوب گاتی ہے۔ میں نے بھی ہزاروں روپئے اسکی تعلیم پر صرف کر دیئے
ہندوستان کے بہترین استادوں نے تعلیم دی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس نے خود بھی بہت
ریاض کیا ہے۔ ذہن بھی ماشاء اللہ اس کا ایسا اچھا ہے کہ جو اور برسوں میں
سیکھتے ہیں اس نے مہینوں میں سیکھ لیا۔ آپ اس کا گانا سنئے گا تو بہت پسند کیجئے گا۔

مہ جبین نے شرمیلے انداز سے سر جھکا لیا۔

ممتاز:۔ خوب! میں تو خود اسی کی فرمائش کرنے والا تھا بلکہ اسی نیت سے
آیا بھی تھا۔ میں نے بھی ان کی بڑی شہرت سنی ہے۔ (مہ جبین سے) آپ تو اس طرح سر
جھکائے بیٹھی ہیں جیسے کسی فن میں ماہر ہونا سنگین جرم ہے!!

مہ جبین:۔ (شرمیلے انداز سے) جی نہیں میں گانا وانا کیا جانتی ہوں بس یونہی

کبھی کبھی تھوڑا بہت چیخ چلا لیتی ہوں۔

ممتاز:۔ (مسکرا کر) اللہ اللہ جب چیخنے چلانے کا یہ حال ہے کہ سارا بمبئی ویرانہ ہو رہا ہے تو پھر گانا کس قیامت کا ہوگا (ہنس کر) اور پھر ہمیں تو آپ کو چھیڑنے میں بھی خاصہ لطف آئے گا۔

ماہ لقا:۔ اچھا تو مجّن دو ایک چیزیں سنا دو۔ گر سنبھل کر گانا۔ ممتاز صاحب بڑے بڑے استادوں کی غلطیاں پکڑنے والے ہیں۔

مہ جبین:۔ یہ لو۔ اور مشکل ہوئی۔ اب تو مجھ سے چیخا بھی نہ جائیگا......

ممتاز:۔ خدا کے لئے انکسار کو اتنا دخل نہ دیجئے۔ بڑا احسان ہوگا۔

مہ جبین:۔ (مسکرا کر) تو واقعی کیا آپ میرا گانا سننے کی مصیبت برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔!

ممتاز:۔ ایسی مصیبت کو ہمارے یہاں انتہائے مسرت کہتے ہیں۔

ماہ لقا:۔ (چمپا سے جو اسی وقت کمرے میں آئی تھی) اے چمپا ذرا دوڑ جا خاں صاحب سے کہدے کہ ذرا چلے آئیں۔ مجّن دو ایک چیزیں سنائیگی۔ اور میر صاحب کو بھی بھیج دینا۔ کہنا افیون پھر کسی اور وقت کھالیں گے!!

چمپا "بہت اچھا" کہہ کر چلی گئی.... اتنے میں گھڑی نے ۹ بجائے۔

انور:۔ (چونک کر تعجب سے) ارے! نو بج گئے!!

مہ جبین:۔ کیوں کیا ہوا۔ خیریت تو ہے!!

انور:۔ مجھے اب جانا چاہیے۔ بڑی دیر ہوگئی۔

مہ جبین:۔ (تعجب سے) جانا چاہیے۔؟ ابھی تو صرف نو بجے ہیں۔ ابھی سے دیر ہوگئی۔ واہ۔ آپ بھی کیسی بھولی بھالی باتیں کرتے ہیں۔

انور:۔ نہیں مجھے تو اب معاف ہی فرمائیے۔ واقعی بڑی دیر ہوگئی ہے

مجھے اب جانا چاہیئے!

یہ کہکر انور جانے کے ارادے سے کھڑا ہو گیا......

مہ جبین:۔ (انور کا دامن پکڑ کر شوخی اور ایک گونہ لجاجت سے)... انور صاحب للہ بھاگئے نہیں۔ سچ! میں اب ایسا برا بھی نہیں گاتی ہوں کہ آپ واقعی اسکی مصیبت برداشت نہ کر سکیں۔

ممتاز:۔ (طنزاً ہنستے ہوئے) بعض وقت زیادہ انکسار کرنا بھی برا ہوتا ہے یہ بیچارے جیتے آدمی! ہا ہا! انھیں سچ مچ یقین آگیا کہ آپ چیخ چیخ کر ان کے کانوں کے پردے پھاڑ ڈالینگی! ہا ہا! ہا ہا! ہا ہا! ہا ہا!

ماہ لقا اس پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور کہنے لگیں:۔

"ممتاز صاحب آپ تو بہت ہنساتے ہیں!......

انور:۔ (ممتاز اور ماہ لقا کو نظر انداز کر کے مہ جبین سے) گانا سننے کا شوق مجھے بھی کسی سے کم نہیں اور پھر آپ کا گانا! مگر اس وقت مجھے مجبوری یہ ہے کہ کشور کھانے کیلئے میرا انتظار کر رہی ہونگی اور جب تک میں نہ جاؤں گا وہ منتظر ہی بیٹھی رہینگی۔

مہ جبین:۔ (تعجب سے) کشور! کشور کون؟

ممتاز:۔ آپ نہیں جانتیں۔ کل ہی تو ان کی شادی ہوئی ہے۔ مس ہاشم بھائی سے۔ کشور سلطانہ مسز انور کا نام ہے۔

مہ جبین کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ منہ کھولے ہوئے ممتاز کی صورت دیر تک حیرت سے دیکھتی رہی

مہ جبین:۔ (کچھ عرصے کے بعد) انور صاحب کیا یہ صحیح ہے؟

انور:۔ (مسکرا کر) جی ہاں۔ اس وقت تو بظاہر یہ سچ ہی بول رہے ہیں!!

ممتاز:۔ (طنزاً) مس مہ جبین سے مسز انور اچھی ہیں اور مس مہ جبین کے گانے سے مسز انور کے کھانے میں زیادہ کشش ہے۔ ہا ہا!

ممتاز کے مذاق اور لہجہ میں ایک عنصر فاتحانہ بغض وحسد کا بھی شامل تھا۔

انور:۔ (ممتاز کی بات کاٹ کر).... ممتاز میں تمہاری کار لیے جاتا ہوں ابھی واپس کردوں گا..... ماہ لقا خاموش بیٹھی رہی۔ مگر مہ جبین اٹھ کھڑی ہوئی اور انور کے ساتھ ساتھ باہر موٹر تک گئی رخصت ہوتے وقت انور کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا کر التجا بھری آواز میں اس نے کہا" انور..... اب پھر کب آؤ گے؟..... اب تو تمہاری کشور کا ہمکو تمہیں آنے دینگی!!... "سچ بتاؤ انور واقعی اب تم پھر کب آؤ گے؟"

انور:۔ (مسکرا کر) جب ممتاز یا شیطان لائے!!

مہ جبین:۔ (مسکرا کر) اس عجیب وعدہ کا شکریہ! مگر خدا کی قسم تمہارے یوں دفعتاً چلے جانے سے مجھے اس وقت روحی تکلیف ہوئی... لیکن تمہیں کیا؟

ترے غمزوں کو اپنے کام سے کام
کسی کے دل کو تاب آئے نہ آئے

انور:۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے ایسی ہی مجبوری ہے ورنہ میں ابھی نہ جاتا۔

مہ جبین:۔ تم بڑے وعدہ فراموش ہو۔ کیسا حلفی وعدہ تم نے مجھ سے کیا تھا کہ تم میرے یہاں آیا کرو گے۔ مگر تم نے قسم کھانے کو بھی اسکے بعد اپنی صورت نہیں دکھائی۔ میں نے تمہیں کئی مرتبہ بلایا بھی مگر تم کو نہ آنا تھا نہ آئے تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ میرے لئے دن کیسے مصیبت کے دن تھے..... تم تو صرف اس لئے بنے ہو کہ سب تمہاری پرستش کریں اور تم کسی کی پروا نہ کرو!!.... (آہ بھر کر) تم تو اب کشور کے ہو چکے۔ ہمیں اب کاہیکو پوچھو گے؟..... مگر جس طرح سورج کی روشنی امیروں کے محلوں اور غریبوں کے جھونپڑوں پر یکساں پڑتی ہے تمہارے آفتاب حسن کو بھی کشور اور مہ جبین میں فرق نہ کرنا چاہیئے...... دیکھو۔ انور۔ شمع۔

پروانوں میں امتیاز نہیں کرتی۔ پھول کا حسن ہر بلبل کے لئے ہوتا ہے۔ ایک ہی بت کی ہر برہمن پرستش کرتا ہے۔۔۔۔ پھر بتاؤ۔ پیارے انور! تم صرف کشوری کے لئے کیوں ہو؟ میرے لئے بھی کیوں نہ ہو؟

انور:۔ اس لئے کہ میں مہ جبین نہیں ہوں جو ہر کس و ناکس میرا مدعی اور دعویدار ہو جائے!! تمہارا مذہب اور ہے اور میری شریعت اور ہے!!

مہ جبین انور کے اس جواب پر بہت نادم ہوئی اور بالکل خاموش اور لاجواب سی ہو گئی۔

انور:۔ (موٹر کا پٹ کھول کر) اچھا تو اب اجازت ہے۔

مہ جبین:۔ نہیں ابھی میری ایک درخواست اور ہے۔

انور:۔ (مسکرا کر) وہ کیا؟

مہ جبین:۔ وہ یہ۔ کہ میرا یہ ناچیز ہدیہ قبول کر لو۔ میں نے اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے یہ رومال بڑی امیدوں سے کاڑھا ہے" یہ کہتے ہوئے مہ جبین نے ایک نہایت خوبصورت اور قیمتی ریشم کا کڑھا ہوا ہلکے فالسائی رنگ کا رومال انور کے ہاتھ میں دیدیا۔ رومال کے ایک کونے پر خوش رنگ ریشم سے یہ شعر کڑھا ہوا تھا

در فراق تو من خستہ بجانم چہ کنم
زیستن مشکل و مردن نتوانم چہ کنم

اور اس کے دوسرے کونے پر ایک خوبصورت چاند بنا تھا اور چاند کے نیچے لفظ "جبین" کڑھا ہوا تھا۔

انور:۔ (شرمیلے انداز سے) یہ آپنے میرے لئے اس قدر تکلف کیوں گوارا کی؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟

مہ جبین:۔ اسکی ضرورت یہ تھی کہ یہ رومال میری محبت کا پیامبر بنکر تم کو وقتاً فوقتاً

میری یاد دلاتا رہیگا۔ اگر تم مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا احسان مند بنانا چاہتے ہو تو تمہیں میری محبت اور اپنے حسن کی قسم اسے لینے سے انکار نہ کرنا ورنہ میرا دل ٹوٹ جائیگا انور سے انکار کرتے نہ بنا۔ مجبوراً اس رومال شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی شیروانی کی جیب میں رکھ لیا۔

....

جہاں انور اور مہ جبین میں یہ باتیں ہو رہی تھیں وہیں پر بجلی کا ایک بڑا سا قمقمہ ایک آہنی کھمبے میں آویزاں تھا جس کی تیز روشنی انور اور مہ جبین پر اس طرح پڑ رہی تھی کہ دور سے ان دونوں کی خفیف سے خفیف حرکت بھی کوئی دیکھنے والا ہوتا تو دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ دو چمکدار آنکھیں سڑک پر چہار دیواری کے پیچھے نہایت انہماک اور تجسس سے انور اور مہ جبین کو کچھ عرصے سے دیکھ رہی تھیں ...... یہ دو آنکھیں ایک نوجوان لڑکی کی تھیں جو اس وقت اس سڑک سے گزر رہی تھیں اور جس نے اپنی زندگی میں آج تک نہ ایسا حسین مرد دیکھا تھا اور نہ ایسی حسین عورت!! ان آنکھوں کی تیزی اور چمک کسی خوبصورت ناگن کی آنکھوں سے ملتی جلتی تھی!!

....

جیسے ہی انور مہ جبین سے رخصت ہو کر موٹر پر بیٹھا ویسے ہی یہ لڑکی جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ اور جب انور کا موٹر اس کے پاس سے سڑک پر گزرا تو اس نے پھر بڑے غور سے انور کی صورت دیکھنے کی کوشش کی ....

انور کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس لڑکی نے اس کی اور مہ جبین کی ساری باتیں گو سنی نہیں مگر بہت اچھی طرح دیکھ لی ہیں ......

بارھواں باب

مستِ شباب وہ ہیں میں سرشارِ عشق ہوں
میری خبر انھیں ہے نہ ان کی خبر مجھے

مصنوعی شادی کے بعد گو دنیا کے سامنے کشور سلطانہ مسز انور ہو گئی تھیں۔ مگر انور کے برتاؤ اور طور طریقوں میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ پہلے تو انور کشور سے بات چیت کرنے میں تھوڑی بہت بے تکلفی بھی کر لیتا تھا اب اس نے اس میں بھی کمی کر دی محض اس خیال سے کہ کہیں کشور کے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو!!

بمبئی کے مشہور بیرسٹر مہتا کی معرفت رحیم بھائی کی ولایت کی منسوخی کی درخواست دیدی گئی اور گو رحیم بھائی نے بہت کچھ ہاتھ پیر مارے اور بڑے بڑے قانونی عذرات کئے مگر ان کی ایک بھی نہ چلی۔ مہتا کے وسیع اثر نے بھی بڑا کام کیا اور بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری ہی پیشی پر رحیم بھائی کشور کی ولایت سے برطرف کر دیئے گئے اور بجائے ان کے انور کشور سلطانہ کی ذات اور جائداد کے ولی مقرر ہو گئے یعنی اس وقت تک جب تک کشور کی عمر پوری اکیس سال نہ ہو جائے رحیم بھائی کا حساب جب سختی سے جانچا گیا تو اس میں بہت سی فرضی رقمیں پائی گئیں اور قریب بیس ہزار کا کھلا ہوا غبن نکلا۔ جج نے تغلب کا جرم قائم کر کے رحیم بھائی پر مقدمہ چلوا دیا اور کہاں تو وہ بزرگ کشور کی اُمید پر اس کی کل دولت اور جائداد پر قبضہ کرنے کے خوشنما خواب دیکھ رہے تھے کہاں انھیں غبن کے جرم میں ۶ مہینے کی سزائے سخت بھگتنا پڑی۔

کشور اکثر عورتوں کی طرح ایک دلچسپ معمہ تھی۔ مزاج میں تلون اور طبیعت میں جلد بازی بھی اور یہ خصوصیتیں اس کی غیر معمولی ذہانت کا لازمی نتیجہ

تھیں۔ خوبیوں کے لحاظ سے اس کی مثال ماہ کامل کی تھی اور کامل ہی کی طرح اس میں کچھ دھبے بھی تھے۔ مگر یہ دھبے ایسے نہ تھے جو فوراً محسوس ہو سکتے یا اس کے ذاتی محاسن اور قدرتی دلربائیوں کو ماند کر دیتے۔

وہ اپنی ساری جائداد کی اب تنہا مالک تھی گو اس کا انتظام اور نگرانی انور کے سپرد تھی۔ انور کو مجبوراً قاسم بھائی کی فرم کی ملازمت چھوڑنا پڑی۔ معاوضہ میں کشور اور انور میں کچھ عرصہ تک بحث رہی۔ بالآخر بظاہر کشور ہی کی بات رہی کہ انور جس قدر چاہیں اپنے اوپر خرچ کریں مگر خفیہ طریقے سے انور اپنی ہی ضد پر اڑا رہا اور اس نے کبھی ڈیڑھ سو ماہوار سے زیادہ (جو اسکو قاسم بھائی کریم بھائی کے یہاں ملتے تھے) اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ البتہ کشور کو انور کے اس ایثار کی خبر نہیں ہوئی........

کشور کے دل میں انور کی محبت پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ انور کی ذرا دیر کی بھی جدائی کی اسے تاب نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ انور ہر وقت اسکی نظروں کے سامنے رہے چنانچہ اسی کے اصرار سے انور بھی تاج محل ہوٹل میں کشور کے کمرے کے بغل کے کمرے میں آکر رہنے لگا۔ انور گو کشور پر ہزار جان سے فریفتہ تھا مگر اس میں غیرت اور خودداری کا مادہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے دل کے اصلی جذبات کا کسی عنوان سے بھی اظہار کرنا حرص اور خود غرضی کا اعلان سمجھتا تھا۔ اسکو اندیشہ تھا کہ کہیں کشور یہ نہ سمجھے کہ یہ اظہارات وہ محض اس کی دولت اور جائداد کے لالچ سے کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ اسکی کسی بات سے یہ ترشح ہو یا اس کی یہ تعبیر کی جا سکے کہ وہ اپنی ولایت یا اپنے متعدد احسانات اور خدمات کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اور کشور؟ کشور؟ بیچاری کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ عورت تھی اور عورت کی فطری حیا کی ریشمی زنجیروں میں کسی ہوئی تھی اس کی حالت کی مصنوعی

یہ شعر کہتا تھا

سینہ میں دردِ محبت راز بنکر رہ گیا
اب یہ حالت ہے کہ کر سکتے نہیں فریاد بھی

خاموشی اسکی گفتگو۔ بےزبانی اس کی زبان تھی۔ وہ کہتی تو کیا کہتی ؟ کرتی تو کیا کرتی ؟
شاید محبت کا معنی خیز سکوت بلیغ ترین گفتگو اور محبت کا اظہار نہ کرنا بہترین
اظہار محبت ہے !! شاید ضبطِ غم میں ایک عجیب دردآمیز لذت ہے۔ ! شاید محبت
کی لطیف خوشبو کو غنچۂ دل میں مقید رکھنا اور ضائع نہ ہونے دینا مذہب عشق میں
جہاد اکبر ہے۔ بڑے جری۔ بڑے قوی عالی ظرف وہ دل ہوتے ہیں جو محبت
اور اسکے اُبلتے ہوئے جوش کو ضبط کرسکتے ہیں !!! مشکل اور بہت مشکل ہے کہ دل بیداد
عشق سے لُٹ رہا ہو اور چہرے پر ہنسی یا ہونٹوں پر تبسم ۔ بڑا کمال ہے کہ سینے میں محبت کے
شعلے بھڑک رہے ہوں۔ دل میں حسرتیں تڑپ رہی ہوں، آرزوئیں ماتم کر رہی ہوں
اور لبوں پر مہرِ سکوت ہو !!! بڑی سخت آزمائش ہے کہ جس کے لئے روح بے چین ہو
دل بے قرار ہو، جان مضطرب ہو اس سے آدمی ہنس بول تو سکے مگر اپنا راز دل
اپنا دردِ غم اپنے اضطراب اپنی محبت کی داستان اسے نہ سنا سکے !! بڑا سنگین امتحان
ہے کہ جس پر انسان جان و دل فدا کرتا ہے اس کا ہاتھ رسمی مصافحے میں تو اپنے
ہاتھ میں لے سکے مگر انہیں اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے نہ چھو سکے۔ انہیں اپنے سینے سے
لگا کر اپنے دل فریفتہ کی شدید دھڑکن نہ دکھا سکے !!! بڑا ستم ہے کہ جو پیاس کی شدت
سے جاں بلب ہو اسکے سامنے بہترین شربت کا پیالا رکھا ہو اور وہ اسے پی نہ سکتا ہو !!
بڑا غضب ہے کہ جو بھوک سے مر رہا ہو اسکے قریب ہی نہایت ہی لذیذ اور خوشبودار کھانا
چنا ہوا ہو وہ اسے چھو نہ سکتا ہو !! کیسی دردناک ایسی بدنصیب ایسی قابلِ رحم
حالت ان دو دلوں کی ہوتی ہے جو محبت کی آگ سے اندر ہی اندر جل رہے ہوں

جو محبت کی تشنگی سے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہوں جو محبت کے زخموں سے سرتاپا چور ہوں۔ مگر جو ایک دوسرے کو اپنے دل کی حالت اپنے دل کے داغ اپنے دل کے زخم نہ دکھا سکتے ہوں .... خاموش کشور اور خوددار انور کی بھی حالت یہی تھی !!! ....

....

مصنوعی شادی کے قریب ایک مہینہ کے بعد ایک دن انور تاج محل ہوٹل میں کشور کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں کشور کہہ رہی تھیں "عذرا تو خیر اپنے میکے گئی ہیں مگر یہ کیا بات ہے کہ ممتاز صاحب ایک عرصے سے آپ سے ملنے نہیں آئے !! وہ کبھی ایسا نہیں کرتے تھے !!"

انور :۔ نے جواب دیا "غالباً ان کو آج کل مصروفیت زیادہ ہو گی"

کشور :۔ ہاں یہ ممکن ہے .... مگر اس مرتبہ جب ہم دونوں سے اُن سے اتفاق سے اس دن پکچر پیالیس میں ملاقات ہوئی تو ان کے اور آپکے برتاؤ میں مجھے کچھ فرق سا معلوم ہوا۔ یا شاید یہ محض میرا خیال ہو۔

انور :۔ نہیں تو۔ میرے ان کے تعلقات میں تو کوئی فرق نہیں پیدا ہوا ہے کم از کم مجھے کسی ایسے فرق کا ابھی تک احساس نہیں ہوا۔ ممتاز بہت صاف گو آدمی ہیں اگر کوئی بات ہوتی تو وہ اپنے دل میں کبھی نہ رکھتے مجھ سے فوراً کہہ گزرتے !

کشور :۔ اور آپ بھی عرصے سے ان کے یہاں نہیں گئے۔

انور :۔ کیسے جاتا۔ اِدھر آپ کا مقدمہ لگا تھا اور اس کے بعد اپنی نئی ذمہ داریوں میں میں کچھ ایسا منہمک رہا کہ مجھے ذرا سی مہلت کہیں آنے جانے کی نہیں ملی۔

کشور :۔ بات یہ ہے کہ انور صاحب اس ہوٹل میں تو رہتے رہتے میرا جی گھبرا گیا ہے۔ میری رائے ہے کہ بجائے ہوٹل میں رہنے کے کوئی خوبصورت سا بنگلہ کسی

اچھے مقام پر۔ اگر ممکن ہو تو مالا بار ہلز پر لے لیا جائے!! یہ ہوٹل میں رہنا مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے بیچ بازار میں رہنا۔!!!

انور:۔ ہاں ہاں خیال تو اچھا ہے۔ اور مجھے بھی اس سے اتفاق ہے!!

کشور:۔ جی ہاں بعض وقت تو مجھے بہت خوف معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آپ کی فرضی شادی کا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ ہوٹل میں رہنا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے ہم اور آپ کسی تھیٹر کے اسٹیج پر کھڑے ہوں اور بجلی کی تیز روشنی اور اس کے ساتھ ہی دنیا کی نگاہیں ہم دونوں پر ایک ساتھ پڑ رہی ہوں.....

انور:۔ ہاں ہاں۔ میں آج ہی کوئی اچھا سا بنگلہ تلاش کروں گا۔ مگر آپ کو اس میں بالکل اکیلا رہنا پڑیگا۔ صرف بڑی بی ہی بڑی بی ہونگی تنہائی میں آپ کی طبیعت نہ گھبرائے گی۔!

کشور:۔ (آہ سرد بھر کر) طبیعت کے گھبرانے کا میں کہاں تک خیال کروں؟ کیا یہاں طبیعت نہیں گھبراتی؟ مگر ہاں اکیلے مکان میں کچھ زیادہ گھبرائیگی تو اس کو کیا کیا جائے، تنہائی تو میری قسمت ہی میں لکھی ہے آپ کہاں تک مجھے تنہائی سے بچائیگا؟......

کشور کی یہ غم آلود گفتگو سنکر انور کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اسکے دل میں ایک چوٹ سی لگی۔ وہ سوچنے لگا "کاش میں کشور کی تنہائی شکایت ختم کر سکتا! کاش میں اسکے حور وش چہرے سے ابر غم کا سایہ ہٹا سکتا اور اسے شگفتہ اور متبسم کر سکتا! پھر اس نے کہا: جب آپ اس قسم کی باتیں کرتی ہیں تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے!!! آپ ایسی باتیں نہ کیا کیجئے!!"

کشور:۔ (ایک ٹھنڈی سانس لیکر مگر مسکرانے کی کوشش کر کے) میری طبیعت بھی عجیب قسم کی ہے!! کبھی دنیا سے اس قدر بیزار ہو جاتی ہوں کہ مجھے ہر چیز بری اور پھیکی

اور بدرنگ معلوم ہوتی ہے۔ زندگی فضول اور جینا ایک بیکار سی محنت معلوم ہوتا ہے اور کبھی جب میرا دل خوش ہوتا ہے تو میرے دل میں جینے کی خواہش اور مجھے زندگی سے ایک عجیب محبت سی معلوم ہوتی ہے...... واقعی یہ دنیا اور اس کا سارا طلسم کدہ محض ایک فریب خیال ہے۔ باہر کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ ہمارے ہی دل ہمارے ہی دماغ کے اندر ہے.... ہمارے ہی اندر دوزخ ہے اور ہمارے ہی اندر بہشت ہے! ہمارے ہی خیالات ہمارے ہی طبیعت کا ہر چیز میں رنگ بھرا ہے۔ ہم خوش ہوتے ہیں تو دنیا ہمیں جنت نظر آتی ہے ہم رنجیدہ ہوتے ہیں تو وہی دنیا ہمیں جہنم معلوم ہونے لگتی ہے!

انور:۔ صرف آپ ہی نہیں ہر شخص کی یہی حالت ہے۔

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے
دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

کشور:۔ اسی خیال کو کسی اور نے بھی اس طرح ظاہر کیا ہے۔

دل گلستاں تھا تو ہر شئے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں کیا ہوا عالم بیاباں ہو گیا

انور:۔ خوب کہا ہے۔ اچھا شعر ہے!

کشور:۔ میری طبیعت تو رنج وغم کی خوگر ہو گئی ہے۔ عرصے سے میری زندگی ایک طوفانی سمندر میں پڑی ہوئی موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہے۔ کبھی اس سمندر کی موجیں مجھے اتنی بلندی پر اچھال دیتی ہیں کہ میرے مایوس دل کو ساحل امید کی روشنیاں دکھائی دینے لگتی ہیں اور کبھی وہی موجیں مجھے سمندر کی ایسی گہرائیوں میں گھسیٹ لیجاتی ہیں کہ چاروں طرف بجز یاس و ناامیدی کی وحشتناک صورت کے مجھے اور کچھ نظر نہیں آتا میری زندگی اسی تکلیف دہ کشمکش اسی امید وہم کی حالت میں گزر رہی ہے

انور:۔ ایک آپ ہی پر کیا منحصر ہے ہر انسان کی مختصر عمر یہی سنگین کشمکش

میں صرف ہو جاتی ہے۔ اسی کشمکش کا نام زندگی ہے اور اسی کے ختم اور خاموش ہو جانے کا نام موت ہے!!!

کشور:۔ واقعی زندگی کا نام مسلسل کشمکش اور موت کا نام دائمی سکون ہے!! غالباً یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کشمکش میں ایک عجیب لذت اور ایک غیر معمولی مسرت محسوس ہوتی ہے۔ درحقیقت اس طوفانی زندگی کے عوض میں میں راحت اور سکون کی مردہ زندگی خریدنا نہیں چاہتی۔

آغوش میں ساحل کے کیا لطف سکوں اسکو
یہ جان ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے

انور:۔ مس ہاشم بھائی آپ ۔

کشور:۔ (بات کاٹ کر) للّٰہ آپ مجھے "مس ہاشم بھائی" نہ کہا کیجئے مجھے یہ خشک اور رسمی خطاب نہیں اچھا معلوم ہوتا۔

انور:۔ (شرمیلے انداز سے مسکرا کر) تو پھر آپ کو کیا کہا کروں؟

کشور:۔ (نگاہیں نیچی کر کے) آپ مجھے مس ہاشم بھائی نہ کہا کیجئے اور جو چاہے کہئے!! آخر آپ میرا نام کیوں نہیں لیتے.... (شوخی آمیز تبسم سے) کیا میرا نام لینے سے آپ کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

یہ کہکر کشور ہنس دی۔ انور بھی ہنس دیا پھر اس نے کہا۔

"تو میں آپ کو کشور سلطانہ بیگم کہوں"؟

کشور:۔ (شوخی آمیز طنز سے) اور میں آپ کو مولانا انور محمود کہوں؟

انور:۔ (ہنستے ہوئے) بڑی مشکل ہے۔ اگر بیگم سے آپ کو نفرت ہے تو خیر میں آپ کو صرف کشور سلطانہ کہونگا!

کشور:۔ جو سلطانہ ہے اسے آپ سلطانہ کہئے! میں تو سیدھی سادی کشور ہوں!!

انور۔ تو اس میں جھگڑا ہی کیا ہے۔ میں آپ کو کشور ہی کہا کروں گا۔ اس میں وقت بھی کم صرف ہوگا اور مجھے کہتے ہوئے بھی اچھا معلوم ہوگا۔

کشور:۔ میں تو آپ سے چھوٹی ہوں۔ آپ مجھے کیوں کہتے ہیں۔ تم کیوں نہیں کہتے؟ مجھے "آپ" سے شرم آتی ہے!!

انور: (معنی خیز تبسم) اور مجھے "تم" سے!!

کشور: (شوخی سے) اگر میں تو "تم" ہی کو اچھا سمجھتی ہوں۔

انور:۔ (ہنس کر) اور میں "آپ" کو۔ (کشور شرما گئیں اور انور نے جلدی سے یوں جملہ ختم کر دیا) مگر خیر۔

جو کہو گی تم کہیں گے ہم بھی ہاں یوں ہی سہی
آپ کی یوں ہی خوشی ہے مہرباں یوں ہی سہی

کشور: مذاق نہیں۔ واقعی اگر آپ مجھے صرف کشور کہیں اور بجائے آپ کے تم سے مخاطب کریں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

انور: لیکن؟ خوشی کیوں ہوگی؟

کشور: (شرمیلے انداز سے) آخر تو جانتی ہوں۔ کہ خوشی ہوگی مگر اسے نہیں بتا سکتی کہ کیوں ہوگی کیونکہ: اس پر میں نے ابھی تک کبھی غور کیا اور نہ غور کرنا چاہتی ہوں۔

انور:۔ آپ تو پہیلیاں بجھاتی ہیں۔

کشور:۔ زندگی میں بہت سی بات پہیلیاں ہیں اور پہیلیاں ہی رہیں تو اچھا ہے!!

انور:۔ یہ کیوں؟

کشور:۔ اس لئے کہ انسان کی زندگی خود ایک پہیلی ہے۔ ایسی پہیلی جسے سمجھنے کی سب کوشش کرتے ہیں مگر سمجھتا کوئی نہیں۔ اور اچھا ہے کہ نہیں سمجھتا کیونکہ اگر یہ

دلچسپ پہیلی سمجھ میں آجائے تو زندگی کی ساری چاشنی ساری دلفریبی، رنگینی کسی نہایت دلچسپ خواب کی خوبصورت شکلوں کی طرح دفعتاً غائب ہو جائے۔ خصوصاً بعض باتیں تو زندگی میں ایسی ہیں کہ اگر وہ پردہ راز ہی میں ہمیشہ رہیں تو اچھا ہے انسان ان کی بابت شک وشبہ ہی میں پڑا رہے اور اصلیت سے آگاہ نہ ہو تو بہتر ہے کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ زندگی کے بعض اہم ترین شعبوں میں لاعلمی ایک بہت بڑی نعمت اور اشتباہ لذت حیات ہے!!

انور: بدقسمتی سے مجھے آپ سے نہیں۔ معاف کرنا تم سے۔ اختلاف ہے میرے خیال میں تو لاعلمی یعنی حقیقت سے دوری ایک روح فرسا مصیبت ہے۔ اور اشتباہ یعنی اصلیت کا عدم انکشاف دنیا ہی میں جہنم کی سیر ہے.... میں اپنی طبیعت کو کیا کروں۔ میرا اندھیرے میں جی گھبراتا ہے۔ میں صرف روشنی میں زندہ رہ سکتا ہوں

کشور۔ دیکھئے خوشی کے حاصل کرنے میں اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی خوشی کی جستجو میں جب تک خوشی کی جستجو رہتی ہے انسان کا پرجوش انہماک اور اس کی خوشرنگ امیدیں کیسی دلکش اور کس قدر دلفریب ہوتی ہیں مگر جیسے ہی وہ خوشی حاصل ہو جاتی ہے ویسے ہی شمع مسرت چراغ صبح کی طرح یکبارگی بھڑک اٹھتی ہے اور پھر فوراً ہی بجھ جاتی ہے! انسان کا سارا نشہ اتر جاتا ہے اور خمار شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ لاعلمی اور اشتباہ کا دور سرشاری ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس خوشی کی اصلیت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس کی تشنہ کام روح کی پیاس حقیقت دریافت ہو جانے سے خود بخود بجھ جاتی ہے۔

انور:۔ مثال تو نہایت موزوں ہے۔ مگر کوئی دعویٰ صرف ایک مثال سے ثابت نہیں ہوتا۔

کشور:۔ دوسرا کئی مثالوں کو آپ کہتے ہیں تو کتنی مثالیں لیجئے گا۔ مثالیں

جہت ہیں ۔۔۔ ایک خدا ہی کے وجود کو لے لیجیے۔ ابتدائے عالم سے اس سئلہ پر ایک ہنگامہ برپا رہا ہے اور حشر تک برپا رہیگا یعنی خدا ہے بھی یا نہیں اور ہے تو کس شکل و صورت میں ہے ؟ سینکڑوں مذہب پیدا ہوگئے۔ ہزاروں فرقے قایم ہوگئے۔ مگر جتنے آدمی ہیں اتنے ہی قسم کے خدا ہیں۔ ہر شخص خدا کو اپنی ہی عقل کے موافق سمجھتا ہے۔ کوئی یہ نہیں جانتا کہ خدا واقعی کیسا ہے۔ خیام نے خوب کہا ہے کہ ہر کس بہ خیالِ خویش خبطے دارد کوئی کسی دھن میں مست ہے کوئی کسی خیال میں مگن ہے۔ ہر شخص کا علم در اصل لاعلمی ہے۔ ہر شخص کا یقین در اصل اشتباہ ہے۔ اور اسی سے زندگی کی رنگینی اور دل فریبی ہے۔

حرم جویاں درے را می پرستند | فقیہاں دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد | کہ یاراں دیگرے را می پرستند

لیکن اگر خدا پردۂ راز میں نہ رہتا بلکہ لباسِ مجاز میں نظر آ جاتا تو دفعتاً یہ سارا ہنگامہ ختم ہو جاتا یہ سارا طلسم خیال ٹوٹ جاتا۔ اور دنیا کی رونق جو اشتباہ اور لاعلمی کی ہنگامہ خیزی پر موقوف تھی باقی نہ رہ جاتی۔۔۔۔

دیکھیں تجھ کو تو پھر کاوشِ پندار ہوں ایک
تیرے پردے نے قیامت یہ اٹھا رکھی ہے

دنیا کی ساری دلچسپی اسی سبب سے ہے کہ حقیقت کے چہرے پر ایک اشتیاق انگیز نقاب پڑی ہوئی ہے۔ خوش رنگ بلبلے کی حقیقت کیا ہے ؟ پانی کا ایک میلا قطرہ !! چمکتے ہوئے خوبصورت چاند کی حقیقت کیا ہے ؟ پتھریلی زمین۔ ہیبتناک پہاڑ خوفناک سمندر۔ ہم کو ہر چیز اس لئے خوشنما معلوم ہوتی ہے کہ ہم حقیقت سے دور ہیں جس قدر ہم حقیقت سے قریب ہوتے جاتے ہیں اسی قدر اس چیز کی خوبصورتی اور دلآویزی گھٹتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم حقیقت تک پہنچ جائیں تو وہ چیز ہم کو

نہایت ہی بدصورت اور قابل نفرت نظر آئے۔ مثلاً آنکھوں کی تعریف میں شعراء آسمان سے تارے توڑ توڑ کر لاتے ہیں۔ مگر وہی خوبصورت اور برق ساماں آنکھیں اگر کسی طاقتور خوردبین سے دیکھی جائیں تو ایسی مکروہ اور گھنونی معلوم ہوں کہ طبیعت مالش کرنے لگے اور یہ محض اس وجہ سے کہ خوردبین کے ذریعہ سے ہم ذرا حقیقت کچھ قریب پہنچ گئے تھے!!!۔۔۔۔۔

آپ نے چاندنی میں تاج محل کو دیکھا ہے۔ کیسا پیارا منظر کیسا دلفریب سین ہوتا ہے ہر چیز چاندنی میں نہائی ہوئی ہے۔ ہر چیز پر ایک نظر فریب بہار معلوم ہوتی ہے ہر شے پر ایک عجیب و غریب حسن ہوتا ہے دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ایک نہایت ہی دلفریب۔ رنگین اور تعجب انگیز خواب دیکھ رہا ہے۔ پھر اسی تاج محل کو دن میں آفتاب کی تیز روشنی میں دیکھئے۔ خوبصورت عمارت ہے اچھی ضرور معلوم ہوگی مگر اس میں وہ حسن۔ وہ بہار۔ وہ دلفریبی وہ جادو اثری نہ ہوگی۔ جو چاندنی میں آپ نے محسوس کی تھی۔ آپ کے دل پر وہ اثر نہ ہوگا۔ آپ کے خون میں وہ لہر وہ کیفیت نہ پیدا ہوگی جو چاندنی رات میں پیدا ہوگئی تھی۔!! یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ چاندنی میں حقیقت کچھ ظاہر تھی کچھ پنہاں تھی کچھ آنکھیں دیکھتی تھیں کچھ تخیل کام کرتا تھا۔ کچھ حواس خاکے کھینچتے تھے۔ کچھ قیاس ان میں رنگ بھرتا تھا۔ یہی راز ہے جس نے رات کے منظر کو اس قدر جاذب قلب و نظر بنا دیا تھا مگر آفتاب نے اپنی تیز روشنی سے حقیقت کے چہرے سے چاندنی کی نظر فریب نقاب ہٹا دی اور ہر چیز کو ہوش و حواس کے سامنے برہنہ کر دیا۔ قیاس کو معطل۔ تخیل کو بیکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلسم خیال کی حسن افزائیاں ختم ہوگئیں اور حقیقت نے رونما ہو کر منظر سے اس کی ساری افسانویت چھین لی ۔۔۔۔۔ (مسکرا کر) کیا اب بھی آپ اس پر ایمان نہ لائیں گے کہ لاعلمی ایک بڑی نعمت اور اشتباہ لذت حیات ہے۔

انور :- میں نہیں جانتا تھا کہ تم اس خوبی اور اس قابلیت سے ایسے موضوع پر روشنی ڈال سکتی ہو...... مگر میں اب بھی تمہارا مذہب اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں..... اپنا اپنا خیال اپنی اپنی طبیعت ہے۔ آؤ ہم تم اس پر صلح کر لیں کہ بعض طبیعتوں کے لئے لاعلمی نعمت عظیم اور اشتباہ لذت حیات ہے اور بعض طبیعتوں کے لئے حقیقت سے دوری مصیبت عظیم اور واقعات کا علم انکشاف عذاب حیات ہے!!

انور نے یہ اس انداز سے کہا کہ کشور کچھ سمجھ کر شرما گئیں پھر مسکرانے لگیں۔ انور بھی ہنس دیا.....

....

دونوں اس مبہم مگر معنی خیز طریقے سے بند بند الفاظ میں اپنے درد دل کا اظہار ایک دوسرے کر گئے۔ دونوں پردے سے نکل کر ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ گو چہرے پر ایک باریک نقاب ڈالے ہوئے دونوں نے اپنے دل کی کیفیت ایک دوسرے کو دکھا دی مگر دوسری یا تیسری تاریخ کے چاند کی دھندلی دھندلی چاندنی میں اور اتنی دور سے بے صبر اور مشتاق نگاہیں کچھ دیکھ سکیں اور بہت کچھ دیکھ نہ سکیں۔

کشور :- (بات بدل کر) خیر اب آپ کو اپنا ہم خیال بنانے کی میں کہاں تک کوشش کروں مگر اس سب سے میرا مطلب یہ ہے کہ براہ مہربانی آپ مجھے اس ہوٹل کی زندگی سے نجات دلوا دیجئے اور ایک اچھا سا بنگلہ مالابار ہل پر میرے لئے تلاش کر دیجئے۔ رہی میری تنہائی تو آپ اس کی فکر نہ کیجئے مجھے اپنی تنہائی سے محبت ہے!!

انور :- میں بتاؤں۔ تم اپنے لئے ایک لیڈی کمپینین کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ میں ایک اشتہار دیئے دیتا ہوں۔ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار میں درجنوں درخواستیں آجائیں گی پھر تم ان میں سے منتخب کر کے پانچ چھ کو ملاقات کے لئے بلا لینا اور ان میں سے

جو تمہیں سب سے زیادہ پسند ہو اسے تم رد کر دینا۔ اس سے بہتر علاج تمہاری تنہائی کا میری سمجھ میں نہیں آتا۔

کشور:۔ ہاں خیال تو برا نہیں ہے۔ خیر اس کا بھی تجربہ کر لیجئے۔ سچ ہی کہا۔

انور:۔ ہاں ہاں ضرور!۔۔۔۔ کشور! تم کو تنہا اور اداس دیکھ کر میرے قلب کو صدمہ، میری روح کو سخت اذیت ہوتی ہے!!

کشور کا دل معلوم نہیں کیوں یکبارگی دھڑکنے لگا۔ اس کا خوبصورت چہرہ دفعتاً رنگین ہو گیا۔

کشور:۔ (دل پر قابو پا کر نگاہیں نیچی کرکے) کیوں آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے؟

انور:۔ (مسکرا کر) اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اب یہ نہیں بتا سکتا کہ کیوں ہوتی ہے کیونکہ اس پر نہ ابھی تک میں نے کبھی غور کیا اور نہ غور کرنا چاہتا ہوں۔

کشور:۔ (شرما کر) آپ بہت جلد اور بڑی خوبصورتی سے بدل لیتے ہیں۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ میرا مذہب آپ نے کیسے اختیار کر لیا۔ آپ تو بلیاں بجھانے کے خلاف تھے آپ تو کہتے تھے کہ میں صرف روشنی ہی میں زندہ رہ سکتا ہوں۔ اندھیرے میں میرا جی گھبراتا ہے۔

انور:۔ مگر تم کو اندھیرا پسند ہے لہٰذا جس کو تم اچھا کہو اسے میں کیسے برا کہہ سکتا ہوں۔ رہا تمہارا مذہب اختیار کرنا تو اگر میں تمہارا مذہب اختیار ہی کر لوں تو اس میں تعجب کیا ہے بہت پرانی مثل ہے الناس علی دین ملوکھم!! رعایا کا مذہب وہی ہوتا ہے جو حکمراں کا ہوتا ہے۔

کشور:۔ (مسکرا کر) واہ۔ الٹی بات۔ رعایا تو میں ہی آپ کی ہوں کیونکہ قانون کے مطابق تو آپ ہی میرے دل اور جو کچھ میرے پاس ہے اس کے مالک اور مختار ہیں!!

اور حقیقت بھی یہی ہے!!

انور:۔ تو مجھے اس جرم کی سزا دو کہ میرا طرزِ عمل خلاف قانون ہے

کشور:۔ (انور کو ایک مرتبہ دیکھ کر اور پھر نگاہیں نیچی کر کے) کاش آپ وہی کہتے جو واقعی آپ کے دل میں ہوتا۔

انور:۔ میں کوشش کرونگا جو کچھ میرے دل میں ہو وہی میں تم سے کہوں اور اگر میں اب تک اس میں ناکامیاب رہا ہوں تو یہ میرے دل کی خطا نہیں یہ میری زبان کا قصور ہے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک عجیب تھرائی ہوئی نگاہ سے کشور کو دیکھا۔ کشور نے آنکھیں نیچی کرلیں اور خاموش ہوگئی مگر اس کا چہرہ سرخ اور اس کا خون اسکی رگوں میں تڑپنے لگا۔

انور:۔ (بمشکل اپنے اوپر قابو پاکر) باتوں باتوں میں بہت دیر ہوگئی اب مجھے جانا چاہیئے۔

یہ کہہ کر انور فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کشور کے کمرے سے چلا گیا...... اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس کا خون اسکی رگوں میں عجیب طرح حرکت کر رہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسا ایک بہت بڑی بلندی پر پہنچ کر اس کا سر چکرا گیا اور پاؤں پھسل گیا اور گرتے گرتے عین وقت پر وہ سنبھل گیا.........

آج کشور نے اس سے اس پوشیدہ راز کا اعتراف کرا ہی لیا تھا جس کا اعتراف وہ ایک اخلاقی جرم اور انتہا درجہ کی کمظرفی سمجھتا تھا.........

وہ سوچنے لگا "اگر میں اس وقت کشور کے قدموں پر گر پڑتا اور اس کے چھوٹے چھوٹے نرم نرم ہاتھوں کو دبا کر انھیں بار بار چوم لیتا۔ انھیں اپنی آنکھوں اپنے سینہ سے لگا لیتا۔ اور آنسو بھری آنکھوں سے۔ کانپتی ہوئی آواز سے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے میں اس سے یہ کہہ گزرتا "کشور! کشور، میں تجھے چاہتا ہوں میں تجھ پر

جان و دل نثار کرتا ہوں۔۔۔ تیرے قدموں پر اپنے دل کی محبت اپنی ساری زندگی نچھاور کرتا ہوں۔ آہ کشور میں تو تیرے ہاتھ بک چکا ہوں تیرا ہوں میں صرف تیرا ہوں۔۔۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تو بھی میری ہو جا۔۔۔ آہ غضب ہی ہو گیا تھا۔۔۔ کیونکہ بعد میں کشور بھی سمجھتی کہ میری پرستش مصنوعی تھی میری محبت جھوٹی پیار دمری غلط ہے اور میں صرف اسکی دولت کا بھوکا ہوں۔ اور اپنے احسانات اپنی قانونی ولایت اور فرضی شادی کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔۔۔ بڑی خیریت ہوئی کہ میں اٹھ کر چلا آیا۔"

ادھر کشور کے دل کی عجیب حالت تھی۔ وہ انور کے دفعتاً اٹھ کر چلے جانے پر ایسی چونک اٹھی جیسے کوئی بہت ہی خوبصورت اور دلفریب خواب دیکھ رہا ہو اور کوئی اُسے دفعتاً جگا دے۔

دیر تک وہ کمرے کے دروازے کی طرف جس میں سے انور ہو کر چلا گیا تھا آنکھیں معمول سے زیادہ کھولے ہوئے دیکھتی رہی اور یہ سوچتی رہی "اگر انور کچھ دیر اور ٹھیر جاتا۔۔۔ اگر اپنی زبان سے وہ یہ جادو بھرے الفاظ کہہ دیتا۔ کشور کشور میں تجھے چاہتا ہوں" تو پھر یہ مشکل تھا کہ میں اس کے بعد اپنے جذبات ضبط کر سکتی۔ اپنے دل پر قابو رکھ سکتی یقیناً میں تڑپ کر اٹھتی اور نہ معلوم کیا کہتی اور کیا کر بیٹھتی؟!۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر انور کیا کرتا؟ اس کے سرخ سرخ ہونٹ۔ وہ گلاب میں دھوئے ہوئے یاقوت مری مجرمانہ خاموشی اور جھکی ہوئی نگاہوں کا کیا جواب دیتے؟۔۔۔ بڑی خیریت ہوئی آج میری شرم و غیرت جذبات کے اُبلتے ہوئے طوفان میں ڈوبتے ڈوبتے بچ گئی۔۔۔!!

دروازہ کھلا رہا۔۔۔ اور کشور سوچتی رہی!

آسمان پر فرشتے ہنس رہے تھے اور آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کیسے قابلِ رحم یہ دونوں بیوقوف انسان ہیں کہ جو جنت کے کھلے ہوئے دروازوں تک کن کن مشکلوں سے آئے اور آ کر پھر پلٹ گئے!۔۔۔ مگر شاید ان فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ امتحان۔۔۔۔۔۔۔

اور آزمائش کی کسوٹی پر کھینچنے والا انسان ہی ایسا ایثار ایسی قربانی کر سکتا ہے۔ بہشت کے کھلے ہوئے دروازوں تک جائے اور پھر کچھ سوچ کر پلٹ آئے۔ شاید ان کو یہ علوم نہ تھا کہ انسان ہی جائز فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبین کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو
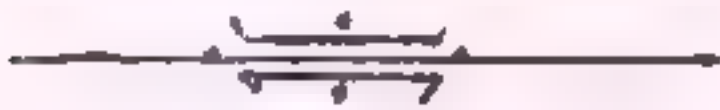
تیرھواں باب

زہرہ جمال

انور اور کشور کی اس گفتگو کے تقریباً دو ہفتے کے بعد صبح کے وقت انور دفتر میں بیٹھا ہوا کام میں مصروف تھا کہ خدمتگار نے ایک کارڈ لا کر اسے دیا۔ کارڈ پر نہایت خوشنما انگریزی حروف میں مس زہرہ جمال بی اے آنرز نام سے تحریر تھا۔

انور۔ (کارڈ پڑھ کر) جاؤ ان کو بھیج دو!!

خدمتگار چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں دفتر کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اور اکیس یا بائیس سال کی ایک طرحدار فیشن ایبل لڑکی کمرے میں بظاہر شرمیلے انداز سے کسی قدر مسکراتی ہوئی داخل ہوئی۔ اس کا قد لمبا تھا۔ رنگ بہت گورا تھا بال بھورے بھورے مگر مذاق جدید کے مطابق کٹے ہوئے۔ نقشہ کھڑا کھڑا ہونٹ پتلے پتلے چہرہ کتابی۔ گالوں پر اور ہونٹوں پر نہایت خوشنما سرخی جس کی مصنوعیت کا راز دریافت کر لینا اگر ناممکن نہ تھا تو مشکل ضرور تھا۔ آنکھیں تیز چمکدار اور ذہین مگر کسی قدر چھوٹی اس کو قبول صورت کہنا بے جا نہ تھا اور جب وہ مسکراتی تھی تو اس کے چہرے پر دفعتاً ایک خاص حسن پیدا ہو جاتا

تھا۔ وہ ہلکے گلابی رنگ کی ریشمی ساڑی پہنے تھی جس پر سلمہ ستارے کے نہایت خوبصورت پھول کڑھے ہوئے اور جس کے کنارے سونے کے تاروں کی قیمتی اور خوشنما بیل ٹنکی ہوئی تھی یہ ساری اس کے غیر معمولی گورے رنگ پر بہت زیب دے رہی تھی اور اس وقت وہ واقعی حسین معلوم ہو رہی تھی۔

جوں ہی وہ داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی کمرہ ایک نہایت دل آویز خوشبو سے مہک اٹھا......

انور استقبال کرنے کے لئے مسکرا کر کھڑا ہو گیا...... اور اس نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا۔ لڑکی نے انور کو آنکھ اٹھا کر دیکھا مگر شدت استعجاب سے وہ کچھ دیر تک نگاہیں نیچی کرنا بھول گئی

انور: تشریف رکھئے!!

زہرہ جمال انور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔

انور: آپ نے اس وقت کیسے تکلیف فرمائی؟

زہرہ جمال: (ایک خط دیکر) آپ کی بیگم صاحبہ نے مجھے آپ کے لئے یہ خط دیا ہے

انور خط کھول کر پڑھنے لگا۔ اس کا مضمون تھا۔

ہوٹی والا۔ مالا بار ہلز
بمبئی

مائی ڈیر انور صاحب

آپکے ارشاد کے مطابق میں نے ۱۶ امیدواروں کو ناپت کے لئے بلایا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ یہی تعلیم یافتہ سلیقہ دار اور خوش مزاج خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے ملکر میرا دل بہت خوش ہوا ان کی باتیں نہایت دلچسپ اور طور طریقے نہایت دلکش ہیں یہیں

بھی انہیں بڑی اچھی مہارت حاصل ہے۔ آپ بھی ان سے باتیں کر لیجئے اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ان ہی کو مقرر کر دیجئے۔

خاکسار:۔ کشور

جب تک انور خط کا مطالعہ کر رہا تھا زہرہ جمال رہ رہ کر انور کا چہرہ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ اسکے دماغ میں ایک عجیب قسم کا تلاطم برپا تھا۔ اس کے دل میں مختلف قسم کی امیدیں بھڑ ابھر رہی تھیں .... انور نے خط پڑھ کر بے خیالی سے زہرہ جمال کے بہت قریب ہی دیکھ میز پر کھلا ہوا چھوڑ دیا۔

انور:۔ آپ نے بمبئی یونیورسٹی سے بی اے آنرز پاس کیا ہے؟

زہرہ جمال:۔ جی ہاں۔ وہیں سے

انور:۔ کب؟ کس سال؟

زہرہ جمال:۔ پارسال

انور:۔ آپ کا وطن؟

زہرہ جمال:۔ میں اسی شہر کی رہنے والی ہوں۔

انور:۔ آپ کے والدین حیات ہیں؟

زہرہ جمال:۔ جی نہیں ان کا تو انتقال ہو گیا۔ میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر شیرازی آئی۔ ایم۔ ایس کے ساتھ رہتی ہوں۔

انور:۔ اچھا!! ڈاکٹر شیرازی صاحب کو تو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بیگم صاحب بھی آپ کی بڑی معترف اور مداح ہیں اور مجھے اس پر بالکل تعجب نہیں.... مجھے امید ہے کہ ان کے لئے آپ کی صحبت نہایت دل خوش کن اور پر لطف ہوگی.... وہ حال ہی میں بڑی سخت بیماری سے اٹھی ہیں چونکہ میں اپنے وسیع کاروبار کے انتظام میں اس قدر مشغول رہتا ہوں کہ ......

زیادہ وقت ان کے ساتھ نہیں صرف کر سکتا اس لئے میں نے یہ مناسب خیال کیا کہ ان کی تنہائی رفع کرنے کے لئے اگر کوئی کمپینین ہو تو ان کا وقت بھی بہت اچھی طرح کٹ جائیگا اور مجھے بھی ان کی طرف سے جو تشویش رہتی ہے اس سے ایک حد تک نجات مل جائیگی ... آپ کب تک ہیوٹی والا میں قیام کرنے کے لئے تشریف لا سکتی ہیں!!

زہرہ جمال :- جب آپ فرمایئے۔

انور :- آپ کل تک آسکتی ہیں؟

زہرہ جمال :- جی ہاں۔ بخوشی۔

انور :- انشاء اللہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ آپ اپنے آپ کو محض کمپینین ہی نہ سمجھئے بلکہ ہمارے چھوٹے سے خاندان کا ایک ممبر خیال فرمایئے گا۔

زہرہ جمال :- آپ کی انتہائی مہربانی ہے!! میں آپکی بہت ہی ممنون اور شکر گزار ہوں۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو دو سطریں بیگم صاحبہ کو بھی لکھ دیجئے تاکہ میں انھیں دکھا کر اپنے آنے کا انتظام کر لوں .....

انور :- "بہت اچھا۔ نہایت خوشی سے" یہ کہہ کر کشور کو خط لکھنے میں مشغول ہو گیا زہرہ جمال کی بیچین نگاہیں کشور کے خط پر پڑیں جو اس کے بالکل قریب ہی انور نے بے پروائی سے کھلا ہوا چھوڑ دیا تھا...... وہ اسے پڑھنے لگی۔ مائی ڈیر انور صاحب کا القاب پڑھ کر اسے بہت تعجب ہوا پھر آخر میں خاکسار کشور پڑھ کر اسے اور بھی حیرت ہوئی وہ سوچنے لگی۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ شوہر کو اور اس قسم کا خشک رسمی القاب!! عجب اور سخت تعجب ہے!!

وہ اسی حیرت میں تھی کہ انور کی آواز نے اسے پھر چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا لیجئے مس زہرہ جمال ... یہ خط بیگم صاحبہ کو دیجئے گا ...... میں نے لکھ دیا ہے کہ آپ کل ہی آجائیں گی۔"

زہرہ جمال نے شکریہ ادا کرتے ہوئے خط لے لیا۔ اور انور سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگئیں انور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا.....

مگر زہرہ جمال رات بھر یہی سوچتی رہیں، "یہ مائی ڈیر انور صاحب کے کیا معنی ہیں؟ اور "خاکسار کشور" کی کیا تعبیر ہے؟..... انہوں نے اپنے دماغ پر بہت کچھ زور ڈالا مگر بجز اس کے اور کچھ اس وقت ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ غالباً بیوی اور شوہر کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیوی کو لیڈی کیپنین کی ضرورت محسوس ہوئی..... (دل میں)..... کیا عجیب و غریب اتفاق ہے کہ مجھے اسی شخص کی بیوی کا لیڈی کمپنین ہونا پڑے جس کا میں ایک خاص راز جانتی ہوں..... مگر یہی میرا موقع ہے! یہی میرا موقع ہے! میرا شمار ان احمقوں میں نہیں ہے جو کوئی زریں موقع ہاتھ آجانے کے بعد بھی اسے ہاتھ سے نکل جانے دیں۔ مسز انور کی قیمتی اور وسیع جائداد کا منیجر اور ان کا شوہر بھائی جان کو ہونا چاہئے..... میاں بیوی میں "نااتفاقی" تو ہے ہی تھوڑی سی خوش تدبیری سے مستقل مخالفت اور قانونی جدائی ہو سکتی ہے!!! اور یہ سب اس پر منحصر ہے کہ میں یہ شطرنج کھیلتی ہوں......"

....

زہرہ جمال کے ان باغیانہ جذبات سے انور ناواقف اور بیچاری کشور بالکل بے خبر تھی..... افق پر بادل کا ایک چھوٹا سا سیاہ ٹکڑا آنے والے طوفان کی خبر دے رہا تھا..... مگر اس چھوٹے سے بادل کے ٹکڑے کا کس کو خیال تھا اور کس کو خیال ہوسکتا تھا!!!
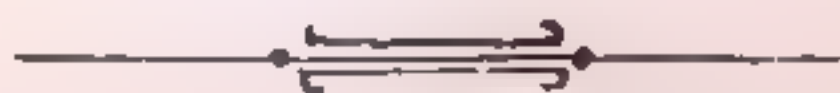
چودھواں باب

ہمہما میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آسکے   تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمہیں بھلا سکے

گذشتہ باب کے واقعات کے قریب تین ہفتہ کے بعد جبین اپنے کمرے میں بحد اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکی خوبصورت آنکھوں میں آنسو۔ اس کے زخمی دل میں درد اسکے نازک دماغ میں ایک شدید طوفان برپا تھا۔۔۔ کبھی وہ انور کی سنگدلی اور بیوفائی پر رنج کرتی تھی۔ کبھی اسکو خود اپنی حالت پر افسوس ہوتا تھا۔۔۔۔ وہ جس قدر چاہتی تھی کہ انور سے خفا ہو جائے اسی قدر اس کو انور سے محبت ہوتی جاتی تھی۔

دل و دماغ پر میرے وہ چھائے جاتے ہیں
بھلا رہا ہوں مگر یاد آئے جاتے ہیں۔

ادھر ماہ لقا کے طعنے تشنیع۔ گھر کی دھمکی سے وہ پریشان تھی۔ اُدھر ممتاز کی محبت کی سیاہ آندھی اس زور و شور سے چل رہی تھی کہ اس کے پاؤں اُکھڑ اُکھڑ جاتے تھے! وہ سخت کشمکش پیچ میں تھی کہ ان مصیبتوں سے کب تک وہ تن تنہا لڑے! اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بغیر کسی ناخدا کے وہ اکیلی طوفان خیز سمندر کیسے پار کرے!۔۔۔۔ انور کی کشیدگی اور بے رحمی سے اس کا دل اور بھی بیٹھا جاتا تھا۔ اسکی امیدیں ٹوٹی جاتی تھیں۔ وہ انور کی محبت سے بالکل مایوس ہو چکی تھی!! اس کی حالت اس ملزم کی طرح بے حس ہو گئی تھی جس کو موت کا حکم ہو گیا ہو اور جس کو عفو شاہی کی امید بھی باقی نہ رہ گئی ہو! وہ اس راہ گم کردہ مسافر کی طرح ہراساں تھی جس کو کسی گھنے جنگل میں رات ہو گئی ہو۔ اور راستہ دور سے خونخوار درندوں کی ہولناک آوازیں اور بڑے بڑے سانپوں کے ادھر ادھر چلنے کی سرسراہٹ سنائی دے رہی ہو۔

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں

ایک تو وہ یوں ہی بالکل دبلی پتلی تھی اس پر ان روح فرسا تفکرات نے اسے
اور بھی نازک اور نڈھال کر دیا۔ اس کے چہرے پر وہ شگفتگی نہیں رہی۔ اسکے رنگ کی
وہ آب و تاب وہ چمک دمک رخصت ہو گئی۔ اسکی آنکھوں میں وہ شوخی۔ اسکی باتوں
میں وہ شرارت اسکی اداؤں میں وہ بیباکی وہ آزادی باقی نہیں رہی۔۔۔ مگر ان تمام
باتوں سے اسکے حسن میں ایک دوسری ہی شان پیدا ہو گئی۔ رنج و غم سے اسکے چہرے کی کشش
اس کی شخصیت کا انجذاب اور بھی بڑھ گیا۔ اس کی اداس آنکھیں اسکے زردی مائل رنگ
اس کے خشک مگر سرخ ہونٹوں کا اثر ہی کچھ اور تھا۔ اب اگر سنگدل لو بھی اسے
دیکھتا تو یقیناً اس کو مہ جبین سے ہمدردی اور محبت سی معلوم ہونے لگتی اور اس کا دل
پسیج کر خود بخود اس کی طرف کھنچ جاتا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہ جبین پر شور خیالات میں ڈوبی ہوئی اپنے خوبصورت رنجیدہ چہرے کو اپنے
نازک حنائی ہتھیلیوں میں لئے مکان کی دوسری منزل کے برآمدے میں آرام کرسی پر
بیٹھی ہوئی سمندر کی لہروں کی آپس کی چھیڑ چھاڑ عجیب طنز آمیز مسکراہٹ اور غم آلود
آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور انگلستان کے مشہور شاعر شیلے کی مشہور نظم کے تصور میں
محو تھی جس کا مفہوم یہ ہے۔۔۔۔۔۔

پیارے دوست ذرا چشموں کو دیکھو کہ وہ کس طرح کھیلتے اور گاتے ہوئے جا کر
دریاؤں سے ملتے ہیں!
اور دریاؤں کو دیکھو کہ وہ کس جوش و خروش سے جا کر سمندروں سے ملتے
ہیں۔ اور دیکھو ہوائیں بھی کس دلکش ترنم سے۔

ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوتی ہیں!!......

دنیا میں کوئی چیز یکہ و تنہا نہیں!!

ہر چیز دوسری چیز سے ہر ہستی دوسری ہستی سے ملتی ہے اور مل کر جذب ہو جاتی ہے۔
پھر اے دوست! میری ہستی بھی تیری ہستی سے کیوں اسی طرح نہ ملے اور کیوں اسی طرح مل کر جذب نہ ہو جائے؟.........

دیکھو پہاڑوں کو کہ وہ اونچے نیلگوں آسمان کو کس کس طرح سر اٹھا کر پیار کرتے ہیں۔

اور سمندر کی موجوں کو کہ وہ کس امنگ کس جوش کس ولولے سے ایک دوسرے سے لپٹتی اور گلے ملتی ہیں

دیکھو ایک ہی شاخ کے دو پھول کس محبت سے سر سے سر ملائے رہتے ہیں، اگر وہ ایک دوسرے سے پرہیز کریں تو ان کا جرم کبھی نہ معاف کیا جائے گا۔

اور دیکھو سورج کی سنہری شعاعوں کو کہ وہ زمین کو کس شوق کس بیتابی سے پیار کرتی ہیں۔

اور دیکھو چاند کی نقرئی کرنوں کو سمندر کی چمکتی ہوئی سطح کے کس کس ادا سے وہ بوسے لیتی ہیں!!

اے دوست! فطرت کی مختلف چیزوں کا یہ خلوص یہ پیار کس قدر مہمل اور بیکار ہے، اگر تو بھی مجھے پیار نہ کرے!!!!

* * *

چمپا:۔ (چپکے سے آ کر پیچھے سے)...... ارے، یہ اکیلا سمندر کی موجیں گن رہی ہو۔ کیا؟ چلو تمہیں بڑی باجی بہت دیر سے بلا رہی ہیں!!

مہ جبین ڈر سی گئیں اور چونک کر پیچھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

توبہ ! تو نے مجھے ڈرا دیا! کوئی اس طرح چوروں کی طرح دبے پاؤں آتا ہے؟ دنیا بھر کی بدتمیز!! نہیں معلوم تمہیں تمیز کب آئے گی!!

چمپا :- بدتمیز کی خالہ! جاؤ تو آج دیکھنا بڑی باجی تمہاری کیسی گت بناتی ہیں!! ...... بیچاری ایک خوبصورت چھوکرے کے پیچھے دیوانی ہو رہی ہے اتنے بڑے کروڑپتی کو جوان پر ہر طرح سے اپنی جان اور مال قربان کر رہا ہے۔ خواہ مخواہ تجھ سے جل رہی ہے!! یہ بھی آخر کوئی بات ہے ؟

مہ جبین :- کیا تجھے بھی اس تعلیم یافتہ بنئے نے کچھ پٹا دیا جو آج انہی کی وکالت کرنے لگی!! ...... کمبخت! لالچی! چڑیل! ڈائن کہیں کی!!

چمپا :- ڈائن میں ہوں کہ تم ؟ نہیں معلوم کتنوں کو اب تک تم کھا چکیں اور خدا معلوم کتنوں کو ابھی اور کھاؤ گی!!! اور اس پر صورت ایسی بھولی بھالی پائی ہے کہ معلوم ہوتا ہے بیچاری کچھ جانتی ہی نہیں۔!!!

مہ جبین :- تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ خواہ مخواہ کوئی خودکشی کرے تو میں کیا کروں۔ کیا میں نے ان بیوقوفوں سے کہا تھا کہ زہر کھا لو۔ یا ڈوب مرو۔ یا گولی مار لو۔ یا گلے میں پھندا ڈال کر لٹک جاؤ!...... بدنصیب اپنی دنیا بھی خراب کرتے ہیں اور آخرت بھی!! اور مجھے بدنام الگ کرتے ہیں۔

چمپا :- اوفوہ کیسی سنگدل ہو! وہ بیچارے تو اپنی جان سے گئے اور تم الٹا ان ہی کو خطاوار ٹھیرا رہی ہو!!

مہ جبین :- خوب! میں ایک ہی کو چاہ سکتی ہوں یا سارے زمانے کو؟ ان دیوانوں کے سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آتی۔ دل کے ساتھ کیا عقل اور ہوش و حواس بھی کھو بیٹھتے ہیں؟؟؟

چمپا :- اور ایک دیوانی کہ میں بھی جانتی ہوں کہ اسکی بھی سمجھ میں اتنی سی بات

نہیں آتی کہ جب انور کشور سلطانہ کو چاہتا ہے اور اس سے شادی بھی کر چکا ہے تو وہ مہ جبین کو کیسے چاہ سکتا ہے اور اس کا کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک ہی کو وہ بیچارہ چاہ سکتا ہے یا سارے زمانے کو؟

مہ جبین کا چہرہ ندامت سے رنگین ہو گیا۔ اور لاجواب ہو کر اُس نے اپنی گردن جھکا لی اور گہری سوچ میں پڑ گئی ۔۔۔۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایک افسردہ لہجے میں بولی

چمپا! تو سچ کہتی ہے ۔۔۔ مجھے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں ۔۔۔ مگر ۔۔۔ میں کیا کروں میں تو بہت اپنے آپ کو سمجھاتی ہوں لیکن یہ کمبخت دل نہیں مانتا میں انور سے محبت کرنا چھوڑ نہیں سکتی! اور ان کی بے رخی برداشت کر نہیں سکتی!! ۔۔۔ (ہاتھوں سے منہ چھپا کر) ہائے اللہ میں کس عذاب میں گرفتار ہو گئی۔

ایک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب
یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں۔

چمپا:۔ (مہ جبین کے گلے میں باہیں ڈالکر) پیاری بہن، دل چھوٹا نہ کرو ہمت نہ ہارو یہ سب تمہاری محبت کا ایک چھوٹا سا امتحان ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ تم انور کو اس طرح چاہو اور انور پر تمہاری محبت کا اثر نہ ہو!! ہو گا ہو گا اور ہو کر رہیگا۔

مہ جبین:۔ عطا ہو اس وفا دشمن کو توفیق کرم یا رب
نہیں تو پھر مجھی کو بے نیازِ مدعا کر دے

(آہ سرد بھر کر) مگر میں بیکار اس کی بے رخی کی شاکی ہوں۔ واقعی وہ مجھے کیسے چاہ سکتا ہے؟ وہ ایک شریف پاکیزہ نفس انسان ۔۔۔ میں ایک ذلیل اور کثیف طوائف زادی میری ساری کوششیں بے سود ہیں۔ میری ساری محنت بیکار ہے! ۔۔۔ (یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئی) ۔۔۔ مگر میں اسے نہ چاہوں۔ یہ بھی تو ہو نہیں سکتا۔ میں اس کا خیال نہ کروں ۔۔۔ یہ بھی تو ناممکن ہے ۔۔۔۔۔ کاش میں نے

اس خوبصورت ستمگر کو دیکھا ہی نہ ہوتا۔ کاش میں اس دن قاسم بھائی کے یہاں
گئی ہی نہ ہوتی... مگر اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ اب تو اس بت پرداز خانہ خراب آ ہی گیا...
...اب تو میں ہوں اور مایوسی... میرا زخمی دل ہے اور محبت کی رنگین نمائشیں!!

الجھن سی کا ایک ہوتی ہے دم رکتا دل بھر آتا ہے
جب کوئی تسلی دیتا ہے کچھ اور بھی جی گھبراتا ہے

چمپا:۔ اب تو تم یہیں میٹھی میٹھی باتیں بنایا کرو گی کہ وہاں بھی جاؤ گی؟ بڑی
باجی کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں!! آج تمہیں اپنا آخری جواب دینا ہے
کچھ سوچ بھی لیا ہے کہ کیا کہو گی؟

مہ جبین:۔ ہاں سب سوچ لیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ باجی ممتاز کی دولت
پر اس بری طرح ریجھی ہوئی ہیں کہ اگر کہیں ممتاز ان کے پھندے سے نکل گیا تو بہت
ممکن ہے کہ ان کے سیاہ اور حریص دل کی حرکت کسی مبارک صبح کو دفعتاً بند
ہو جائے؟!! اور دنیا کی طوائفوں کی غیر ضروری آبادی میں ایک نہایت پختہ
کار طوائف کی کمی ہو جائے۔ مگر کچھ بھی ہو... ان کی ناجائز حرص کیلئے میں خودکشی
کرنے کو تیار نہیں ہوں... ان کی ذلیل خود غرضی کے لئے میں اپنی محبت اپنی
عصمت اپنی زندگی کا خون کرنے پر راضی نہیں ہو سکتی..." یہ کہہ کر
مہ جبین اٹھی اور ماہ لقا کے کمرے کی طرف چل دی!!

....

....

ماہ لقا:۔ (مہ جبین کو دیکھ کر)... بڑی بات! آپ خدا خدا کر کے تشریف تو
لائیں!!... کیا میرے کمرے تک آنے کے لئے تمہارے پیر ٹوٹ گئے تھے؟
مہ جبین:۔ (اپنے پیروں کی طرف طنز آمیز تمسخر سے بغور دیکھ کر) نہیں تو کہیں سے

ٹوٹنے تو نہیں معلوم ہوتے! میرے پیر ذرا نیچے بھی تو دیکھیے!!! ماشاء اللہ بڑے مضبوط بنے ہوئے ہیں.... آپ کو کیسی غلط فہمی ہو گئی کہ میرے پیر ٹوٹ گئے۔

ماہ لقا:۔ اس لئے کہ کال ایک گھنٹہ ہوا آپ کو بلائے ہوئے اور اب کہیں آپ کی رسید آئی ہے۔!!

مہ جبین:۔ غلطی ہوئی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کا حکم موت کا پیغام ہے جو ذرا دیر ہو سکتا ہے نہ ٹل سکتا ہے! کیا حضرت عزرائیل کی جگہ آج کل آپ ہی کام کر رہی ہیں؟ ان کی طبیعت کیا نصیب دشمناں کچھ ناساز ہے۔

ماہ لقا:۔ (برافروختہ ہو کر) بیہودہ بدتمیز کہیں کی!! بڑی زبان درازی آ گئی ہے؟

مہ جبین:۔ بڑی تو آپ ہی ہیں اس لئے زبان بھی آپ ہی کی بڑی ہوگی!!

ماہ لقا:۔ (دانت پیس کر) او نالائق! تیری زبان کھینچ کر پھینک دونگی!! تو

مہ جبین:۔ بہت مشکل بات ہے۔ میری زبان پر بتیس ۳۲ دانتوں کا پہرہ ہے۔ ذرا سنبھل کر ہاتھ بڑھایئے گا۔

ماہ لقا:۔ بے حیا بدزبان چھوٹی ہو کر بڑوں کا سارا لحاظ بھول گئی؟ کیا میں تیری بڑی بہن نہیں ہوں؟ بول! بول کیا میں تیری بڑی بہن نہیں ہوں۔

مہ جبین:۔ یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے میں اس سے کیسے انکار کر سکتی ہوں ...... اور رہا بڑوں کا ادب اور لحاظ تو وہ بڑی بہن جو اپنی چھوٹی بہن کو پہلی سانس میں یہ سکھائے کہ خلقت کو دھوکہ دیکر دام فریب میں پھنسا کر گلے ڈال کر لوٹ لو۔ اسکو دوسری ہی سانس میں چھوٹی بہن سے یہ شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں کہ اس نے بڑوں کے ادب اور لحاظ کو بھلا دیا..... باجی!!... شرم کرو! شرم! تم کو بھی ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہے۔ ہمیشہ اس دنیا ہی میں نہیں رہنا،

اپنی عصمت اپنی حیا اپنے ایمان اپنی زندگی کا تو خون کر ہی چکیں.... اب میرے پیچھے تم کیوں ہاتھ دھو کر پڑی ہو.... میری زندگی کو کیوں خاک میں ملانا چاہتی ہو؟ مجھے برباد کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو؟ آخر میں نے تم سے کون سی ایسی بُرائی کی ہے جس کا تم مجھ سے اس طرح بدلہ لے رہی ہو؟

ماہ لقا:۔ تجھے برباد کرنے میں میرا فائدہ؟ میں نے تو اب تک جو کچھ بھی کیا ہے تیرے ہی فائدے کے لئے کیا ہے اور جو کچھ بھی کر رہی ہوں تیرے ہی فائدے کے لئے کر رہی ہوں۔

مہ جبین:۔ بخشئے! بخشئے! میں باز آئی ایسے فائدے سے ایسا فائدہ آپ ہی کو مبارک رہے!

بی بی بلی بخشیں چوہا بیچارہ لنڈورا ہی ہو کر جئے گا.........

ماہ لقا:۔ (طعنے سے) میں تو نہیں مگر خدا خیر کرے آپ ہی دفعتاً بڑی عابد اور پرہیزگار بلی ہوگئی ہیں.... فرمائیے اب حج کرنے کا کب تک ارادہ ہے؟

مہ جبین:۔ حج کرنے کی تو اس جہاں دیدہ چوہے کھانے والی بلی کو ضرورت ہے جو نو سو چوہے ہضم کر چلی ہے! اور ابھی تو میں نے ایک بھی نہیں چکھا۔ گو آپ ضرور ایک طاعونی چوہے کو چاندی کے ورق میں لپیٹ لپیٹ کر سونے کی پلیٹ میں بار بار میرے سامنے پیش کر رہی ہیں.... میں کا ہیکو حج کرنے جاؤں حج کرنے جائیں آپ جن کا پیٹ ہزاروں عقیدتمند چوہوں کا قبرستان ہے!!

ماہ لقا:۔ (دبے ہوئے غصّہ میں) میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی!!

مہ جبین:۔ وہ کیا؟

ماہ لقا:۔ وہ یہ کہ تم کو یہ پارسائی کا ہیضہ کیوں اور کب سے ہو گیا ہے؟

مہ جبین:۔ غالباً میرا باپ کوئی شریف آدمی تھا جس نے ایک مرتبہ

غلطی کرکے توبہ کرلی...... مگر آپ کا باپ ضرور کوئی جہنم نصیب پاپی تھا۔ ورنہ آپ میں یہ قیامت کی تیزی کہاں سے آتی۔ شراب اتفاق سے دو آتشہ ہوگئی...

دیکھئے...... باجی...... یہ چیخنے چلانے اور غصہ کرنے شور مچانے سے کام نہ چلیگا......

میں جانتی ہوں کہ میرا طرزِ عمل آپ کو ضرور تعجب انگیز معلوم ہوتا ہوگا کیونکہ دو ایک مہینہ پہلے میں ایسی نہ تھی...... دو ایک مہینہ پہلے میں آپ کی نہایت فرمانبردار اور ہونہار شاگرد تھی۔ فریب، دغا بازی، جھوٹ، مکاری سے مجھے ذرا عار نہ تھا۔ میں ہر فن میں طاق تھی اور یقیناً میں نہایت ہی اچھی اور کامیاب طوائف ہوتی یعنی آپ کے بھی کان کاٹتی!......

مگر ایک خوبصورت ساحر نے ایک حسن کے شہزادے نے مجھے دیکھا اور مجھے بے دام خرید لیا۔ میں نے اسے دیکھا اور اسے اپنا دیوتا بنا لیا۔ مجھ میں ایک عجیب و غریب انقلاب پیدا ہوگیا۔ میرے خیالات، میرے جذبات، میری طبیعت، میرے دل کی کیفیت ہی بالکل بدل گئی...... میری عقل پر جو پردے پڑے ہوئے تھے وہ یکبارگی اٹھ گئے۔ میری آنکھیں یک بیک کھل گئیں۔ مجھے ایک نئی دنیا دکھائی دینے لگی...... مجھے ایک نئی زندگی کا احساس ہونے لگا۔ خدا کی قسم باجی مجھے تو اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک مہ جبین مرگئی اور دوسری مہ جبین پیدا ہوگئی اور میں اس مری ہوئی مہ جبین کی لاش کو خوف اور کراہت سے دیکھ رہی ہوں اور خوش ہو رہی ہوں کہ وہ مرگئی......

باجی آپ سمجھیں گی کہ میں دیوانی ہوگئی ہوں مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں دیوانی نہیں ہوں!!......

ماہ لقا۔ (طنز آمیز ہنسی کے ساتھ) ہر ایک دیوانہ یہی کہتا ہے کہ میں دیوانہ نہیں ہوں!! اور یہی اس کے دیوانہ ہونے کی سب سے بڑی پہچان ہے!!...... بی بی اس سے بڑھکر دیوانہ پن اور کیا ہوگا کہ ممتاز ایسا شخص جو علاوہ کروڑپتی ہونے کے ایسا خوبصورت، خوش اخلاق، مہذب اور تعلیم یافتہ ہے کہ بمبئی میں اس کا کوئی ثانی

نہیں تم پر جان دیتا ہے اپنی دولت اپنا دل اپنی زندگی نثار کرتا ہے اور تم ہو کہ دیدہ ودانستہ اسکی توہین اور دلشکنی کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتیں... اور لطف یہ ہے کہ باوجود تمہاری ان کج اداؤں کے وہ تم پر لاکھوں روپیہ نچھاور کر چکا ہے

مہ جبین:- مجھ پر یا آپ پر؟ جھوٹ بولئے مگر اس دلیری سے نہیں۔!!

ماہ لقا:- (خفا ہو کر) میں جھوٹ بول رہی ہوں؟ اس نے تمہارے لئے ڈیڑھ دو لاکھ کے زیور نہیں بنوائے؟ ہزاروں روپئے کی قیمتی پوشاکیں لا لا کر نہیں دیں؟ اور بظاہر میرے نام مگر تمہارے لئے یہ بنگلہ ڈیڑھ لاکھ میں نہیں خریدا؟.... اور اس پر بھی تم اسے ابھی کو جھوٹا بتاتی ہو!!!

مہ جبین:- اور میں قسم کھا سکتی ہوں کہ میں نے ان کا دیا ہوا ایک چھلا بھی آج تک نہیں پہنا۔ اب میں اسکو کیا کروں کہ میرے نام سے اس احمق کو لوٹنا آپ نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے مگر مجھے تو اس سے نہ معلوم کیوں الٹی نفرت ہے!!

ماہ لقا:- اس وجہ سے کہ تم پر انور کے عشق کا جن سوار ہے۔

مہ جبین:- ہاں ہاں ممکن ہے یہ بھی ایک وجہ ہو مگر اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دولت ہر چیز کو خرید سکتی ہے اور خاصکر ایک طوائف کو اور میں یہ دکھلا دینا چاہتی ہوں کہ دولت ہر چیز کو نہیں خرید سکتی اور خاصکر ایک عورت کے دل کو خواہ ایک طوائف ہی کے گھر میں کیوں نہ پیدا ہوئی ہو میرے تن بدن میں بس آگ ہی تو لگ جاتی ہے جب میں خیال کرتی ہوں کہ وہ عقلمند گدھا مجھے اپنے روپیے سے مول لینا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ مول لے سکتا ہے!!

ماہ لقا:- (شیطانی ہنسی ہنسکر) عورت کا دل!! ہا!! ہا!! ہا!! ہا!! ہا!! عورت کا دل دولت نہیں خرید سکتی؟..... یہ تم سے کس پیدائشی احمق نے کہا؟ اور میں کہتی ہوں کہ عورت کا دل چاہے مرد کی محبت نہ خرید سکے مرد کی لیاقت نہ خرید سکے۔

مرد کی صورت نہ خرید سکے۔ مرد کی شرافت نہ خرید سکے۔ مگر مرد کی دولت ضرور اور ہمیشہ خرید سکتی ہے!!!

مہ جبین:۔ہاں ہاں مگر آپ ہی کی سی عورت کا دل!! کسی حیادار عورت کا دل نہیں کسی ایسی عورت کا دل نہیں جو عورت کہلانے کی مستحق ہو!!!

ماہ لقا:۔ جاؤ جاؤ مجھ سے باتیں نہ بناؤ! یہ سب تمہاری اور تمہارے فرقے کی مکاریاں ہیں! مجھ سے زیادہ تم نہیں جانتیں۔ میں نے دنیا خوب دیکھی ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ دنیا میں ہر عورت کی ایک قیمت ہوتی ہے..... اور تمہاری بھی ایک قیمت ہے!! ابھی ممتاز نے صرف دو ہی چار لاکھ تم پر لگائے ہیں مگر شاید یہ رقم ابھی کم ہے۔ بولی ابھی اور بڑھانا پڑیگی!! اب دس لاکھ پر ختم ہو یا بیس پر یا اس سے کچھ زیادہ پر مگر ایک مقررہ رقم پر یہ نیلام ختم ضرور ہو جائیگا!!!

مہ جبین:۔ نیلام؟ نیلام ہوگا آپ کی عقل کا۔ نیلام ہوگا آپکی عصمت کا آپ کی عقل کا نیلام ہوگا۔ تو بولی ایک کانی کوڑی پر ختم ہو جائیگی۔ اور آپ کی انمول عصمت کی تو یقیناً اتنی قیمت نہ آئیگی۔

ماہ لقا:۔ تم میری عقل پر ناحق روتی ہو! عقل تو دراصل تمہاری ہی شہید ہوئی ہے! یعنی انور تو تمھاری بات تک نہیں پوچھتا اور تم ہو کہ اس پر جان دیئے دیتی ہو!!... اس اندھی محبت کا نتیجہ؟ تم نے آجتک کبھی اس پر بھی غور کیا! آنکھیں بند کر کے محبت ہی کرنا شروع کر دی؟.... کیا تم کو یقین ہے کہ انور ایسا بڑا احمق ہے کہ مس ہاشم بھائی سے حال میں شادی کر کے تم سے بھی شادی کرلیگا! اگر تم یہ سمجھتی ہو تو تم کو اس وقت کسی مضبوط پاگل خانے میں ہونا چاہئے۔!!

مہ جبین:۔ (طنزاً) اور کیا آپ کا گھر کسی پاگل خانے سے کم ہے؟ اگر میں انور کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہوں تو آپ ممتاز کی دولت کی حرص میں پاگل ہو رہی ہیں

رہا انور سے شادی کرنے کا سوال تو آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں انور سے شادی کرنا چاہتی ہوں

ماہ لقا:۔ آخاہ!.... تو آپ کو یہ بھی غلط فہمی ہے کہ وہ نوجوان کٹھ ملا بغیر شادی کئے آپ کا پرستار ہو جائیگا!..... واہ کیا کہنا ہے۔ اور ابھی ابھی تو آپ بڑی باعصمت پاکیزہ خاتون کا سوانگ بھرے ہوئے تھیں!!! اب کیا ہو گیا؟.... کیا عصمت اور پاکدامنی کے نعرے صرف ممتاز ہی کے لئے بلند کئے جاتے ہیں اور انور کے لئے ان کی قید نہیں ہے؟

مہ جبین:۔ آپ نے کسی سے محبت کی ہوتی تو محبت کی آپ کو قدر بھی ہوتی! میرا ہرگز یہ مطلب نہ تھا.... میرا مطلب یہ تھا کہ میں خود اپنی محبت اور اپنے دل سے مجبور ہوں مگر میں انور کو کسی بات پر مجبور کر سکتی ہوں نہ مجبور کرنا چاہتی ہوں۔

ماہ لقا:۔ بہت خوب! ہمشیرہ عزیزہ عقل کا شہید ہونا اور کسے کہتے ہیں؟ دیوانہ پن اور کس چیز کا نام ہے؟ تم ہو کس خیال میں؟ میری بات نہ مانوگی تو بیٹھکر عمر بھر روؤگی!!! انور تو انور تم سے کوئی شریف آدمی بھی شادی نہ کریگا۔ اور جو گندم نما جو فروش تمہارا حسن اور تمہاری دولت دیکھکر تم سے شادی کر بھی لیگا وہ چند ہی دنوں میں تمہارے حسن سے سیر ہو کر تمہاری کھال کھینچکر جمیت بھی ہو جائے گا!!.........

مہ جبین:۔ تو میں شادی کرنے ہی کا ہیکو گی؟ کیا مجھے کتنے نے کاٹا ہے؟

ماہ لقا:۔ (طنزاً) خوب اور بہت خوب!!! اپنے پیشہ سے بھی انکو نفرت ہے، اور شادی بھی آپ نہیں کرینگی۔ تو پھر کیا آپ بیٹھکر اپنا منہ پیٹیے گا؟..... اور فرض کیجئے کہ کسی نے آپ سے شادی بھی کر لی تو کیا؟ کچھ دنوں تو آپکی بڑی خاطر تواضع ہوگی مگر چار دن کی چاندنی کے بعد آپ سے چولھا پھنکوایا جائیگا۔ برتن منجوائے جائینگے ساس، نندیں خوب رات دن سوئیاں چبھوئینگی اور اس سب پر طرہ یہ کہ آپ تو گھر میں پڑی شکر کرینگی اور آپ کے شوہر صاحب جن کے لئے آپ یہ سب جھیلیں

سہینگی دوسروں کے ناز اٹھاتے اور ان کے حسن کی پوجا کرتے پھرینگے یہ ہے آجکل کی شریف زادیوں کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ..... اگر آپ کو شریف زادیوں کی سی زندگی بسر کرنے کا شوق ہے تو ضرور شوق کیجئے!! اسکا بھی تجربہ کر لیجئے، کاہیکو حسرت باقی رہ جائے!

مہ جبین :- یہ شریفوں کی زندگی کا خاکہ نہیں یہ کمینوں کی زندگی کا خاکہ ہے!! اگر پاک اور خدا ترس زندگیوں کا عموماً یہی انجام ہوتا تو دنیا کب کی ختم ہو چکی ہوتی اور قیامت کب کی آچکی ہوتی ..... ایک شریف عورت اور ایک طوائف میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک عبادت خانے کے سادے نورانی چراغ اور ایک شراب خانے کے جگمگاتے ہوئے برقی قمقمے میں شراب خانے کے برقی قمقمے کی چمکار سے آنکھوں میں چکاچوند اور دل میں ایک ہیجان سا ضرور پیدا ہو جاتا ہے مگر آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں سکون و سرور صرف عبادت خانے ہی کے پاک اور سادے چراغ کی روشنی سے ہو سکتا ہے!!!

آپ کو شمع انجمن ہونا مبارک ہو! میں کسی ٹوٹے ہوئے گھر کا چراغ ہی ہو کر زندگی کاٹ دونگی! براہ مہربانی آپ اپنی شیطانی دلیلیں اپنے پاس رکھئیے مجھے نہ ان کی ضرورت ہے نہ مجھ پر ان کا کوئی اثر ہو سکتا ہے ......

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ نادان ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

ماہ لقا :- میں تو تمھیں سمجھاتے تھک گئی مگر تم نہ سمجھتی ہو نہ سمجھنا چاہتی ہو۔ یاد رکھو تم اپنے لئے کانٹے بو رہی ہو۔ کانٹے!! اس وقت تو انور کی محبت کے جوش میں تمھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ مگر بعد میں تم پچھتاؤگی اور ساری عمر پچھتاؤگی۔

مہ جبین :- میں باغی ہوں۔ میں آپ سے اور سوسائٹی اور سوسائٹی کے جھوٹے اور بے رحم قاعدوں سے بغاوت کرنے کا ارادہ کر چکی ہوں بغاوت کروں گی۔

مجھے آپکی نصیحت یا ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں۔آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے ...میں اب جو میرا جی چاہے گا کرونگی اور آپ کو بھی جو کچھ کرنا ہے کر ڈالئے۔

ماہ لقا:۔(غصہ سے ابل کر)....اچھا پھر تم بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے آج سے ایک ہفتہ کے اندر ممتاز کو بلا کر اُن سے اچھا برتاؤ نہ کیا اور تم میری مرضی اور میرے حکم کے موافق حرف بحرف نہ چلیں تو میں بھی قسم کھاتی ہوں کہ میں تم کو بلا کسی تامل کے اس گھر سے نکال باہر کر دونگی ... پھر اس کے بعد جو تمہارا جی چاہے خوب اچھی طرح سے کر لینا۔خدا چاہیگا تو یہاں سے نکل کر اگر تم بھیک مانگو گی تو بھیک بھی تمہیں نہ ملیگی۔اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔مجھے جس قدر تم سے محبت تھی اب اسی قدر نفرت ہو گئی۔اب تم چاہے جیو چاہے مرو چاہے سیدھی جہنم جاؤ مجھے ذرا بھی پروا نہیں اور نہ پروا ہو گی۔

مہ جبین:۔(غصہ سے کانپتی ہوئی)نہ آپ کے حکم سے میں پیدا ہوئی اور نہ آپ کے حکم سے مرونگی۔اور رہا جہنم جانا تو اس کے لئے دنیا میں آپسے زیادہ کوئی موزوں نہیں!!! اور غالباً وہاں جانے کے لئے آپسے زیادہ کسی نے سامان بھی نہ کیا ہو گا آپ بیکار مجھے مکان سے نکالنے کی دھمکیاں دیتی ہیں۔آپ ایک ہفتہ کو کہتی ہیں اور میں آج ہی اس حمام خانے سے نکل جانے کو تیار ہوں.... ایسے مکان پر خدا کی مار اور اس میں جو ہے اُس پر خدا کی پھٹکار.... میں فاقہ کرونگی۔بھیک مانگونگی...... کر اس حرام خانے میں رہنا ہرگز گوارا نہ کرونگی۔

ماہ لقا(ہاتھ مٹکا کر طنزاً)بیگم صاحب!بیگم صاحب!گھر سے نکل جانے کی دھمکیاں دینا تو بہت آسان ہے۔مگر گھر سے بغیر میرے حکم کے نکل جانا بہت مشکل ہے۔

مہ جبین:۔اس کا جواب آیندہ کے واقعات دینگے۔

یہ کہکر مہ جبین غصہ کے جوش میں کمرے کے باہر چلی گئی۔

پندرھواں باب

کشور اور زہرہ جمال

دوسرے دن مالابار ہلز پر بیوٹی والا کے ڈرائنگ روم میں کشور سلطانہ اور زہرہ جمال ایک ہی صوفے پر بیٹھی ہوئی خوب گھل مل کر اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں ....

زہرہ جمال کو لیڈی کمپینین مقرر ہوئے گو ابھی صرف تین ہی ہفتے گزرے تھے مگر اس درمیان میں وہ کشور کی بڑی رازدار دوست بن گئی یعنی زہرہ کو انور اور کشور کی فرضی شادی کا پورا حال کشور کی زبانی بالتفصیل معلوم ہو چکا تھا ... اور مشکل تھا کہ نہ معلوم ہوتا کیونکہ زہرہ ایسی سراغ رساں عورت کو دو ہفتہ اس گھر میں رہ کر یہ دریافت کر لینے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی کہ انور اور کشور میں واقعی شوہر اور بیوی کے سے مراسم نہیں ہیں۔ زہرہ نے کشور سے اس ہوشیاری سے جرح کی کہ کشور کو بالآخر سب کچھ قبول دینا پڑا اور ساتھ ہی اس کے اپنی محبت کا راز بھی۔ زہرہ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فارخطی اور انور کے تحریر جس میں اس نے شادی کا فرضی ہونا تسلیم کیا تھا کشور نے انور ہی کے سپرد کر دی ہے۔ زہرہ نے کشور سے ایسا ربط ضبط بڑھایا اور ایسی میٹھی میٹھی اور دلچسپ باتیں کیں اور محبت کا برتاؤ کیا کہ کشور کو زہرہ اور اس کی دوستی پر بے انتہا بھروسا اور اعتبار ہو گیا اور اس کی صحبت میں بچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنا بیشتر وقت زہرہ کے ساتھ صرف کرتی تھی۔ ہر وقت کی ہنسی، مذاق۔ تفریح اور دلچسپیوں میں کشور کی اداس اور غمگین طبیعت بالکل بدل گئی اب وہ ایک شاداب اور شگفتہ پھول کی طرح ترو تازہ ہو گئی اس کی تندرستی بہت اچھی ہو گئی اور اس کا قدرتی حسن اور بھی چمک اٹھا .... زہرہ جمال کشور سے دو باتیں

سال بڑی تھی۔ انگریزی میں بی اے آنرز پاس کیا تھا۔ اردو اور انگریزی اخباروں اور رسالوں میں اکثر اس کے مضامین نکلا کرتے تھے۔ مضمون نگاری میں اس نے اچھی خاصی شہرت پیدا کر لی تھی........

کشور:۔ (باتیں کرتے کرتے یکبارگی گھڑی کی طرف دیکھ کر)... اُئے یہ تو ساڑھے نو بج گئے۔ تعجب ہے ابھی تک انور نہیں آئے۔

زہرہ:۔ (جمائی روک کر) ہاں واقعی خاصی رات ہو گئی۔ مسٹر ممتاز کے یہاں گئے ہوں گے۔ وہاں ان کا دل بہت لگتا ہے۔

کشور:۔ نہیں تو... مجھے امید نہیں کہ وہ ممتاز صاحب کے یہاں ہوں۔ کچھ عرصے سے میں ممتاز صاحب کو انور سے کچھ کھنچا کھنچا سا دیکھتی ہوں اور بعض اوقات تو مجھے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ ممتاز صاحب کو انور سے کچھ مخالفت سی ہو گئی ہے مگر شاید یہ میرا وہم ہو!!

زہرہ:۔ ممتاز صاحب کے متعلق تو کچھ عرصہ سے عجیب عجیب قسم کی افواہیں سننے میں آتی ہیں۔ خدا معلوم سچ ہیں کہ جھوٹ!!

کشور:۔ (تعجب و دلچسپی سے) افواہیں؟ کیسی افواہیں؟

زہرہ:۔ (بناوٹی بے پروائی سے) اے یوں ہی افواہیں ہی تو ہیں۔ جو جس کے منہ میں آتا ہے کہتا ہے۔ کوئی کسی کا منہ تھوڑا ہی بند کر سکتا ہے۔!

کشور:۔ آخر بتاؤ تو سہی۔!

زہرہ:۔ بمبئی کی مشہور طوائف مہ جبین کا تو آپ نے نام سنا ہی ہو گا!......

کشور:۔ ہاں سنا تو ہے۔ پھر؟

زہرہ:۔ اس خوبصورت جادوگرنی نے سارے شہر کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ ہر شخص اس کا پروانہ ہو رہا ہے چنانچہ مہ جبین کے عاشقوں کی فہرست میں ممتاز صاحب کا نام نامی سب سے اعلیٰ ہے!

کشور :- نہیں! نہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ممتاز صاحب ہرگز ایسے آدمی نہیں ہیں۔!

زہرہ :- یہ نہ کہئے .... مردوں سے کوئی بات بعید نہیں... عورتوں سے تو ان کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ خبردار دامن پر ذراسی بھی چھینٹ نہ آنے پائے اور خود بدترین گناہوں کی گندگی میں گلے گلے تک ڈوبے رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اس پر عورت بیچاری اگر زبان سے اُف بھی کرے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے۔ ..... یہ ہے مردوں کی عجیب وغریب ذہنیت یہ ہے ان کا اخلاق اور انصاف! بد نصیب عذرا کی حالت نہیں دیکھی جاتی!! ایسی بے زبان اور فرشتہ خصلت بیوی بھی دنیا میں مشکل سے ملیگی۔ وہ سب کچھ دیکھتی ہے اور جانتی ہے اور پھر بھی زبان سے اُف نہیں کرتی!! ممتاز صاحب کے سامنے ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی۔ میں نے تو ایسی ہمت ایسی بلند خیال۔ ایسے دل ودماغ کی لڑکی نہیں دیکھی ..... دل ٹوٹ رہا ہو.... اور چہرے پر ہنسی کھیلتی رہے!! کمال ہے! .... خدا کی قسم کمال ہے!

کشور :- مگر ممتاز صاحب تو بڑے سمجھدار اور معقول آدمی ہیں۔

زہرہ :- ہونگے! مگر ہم نے تو آج تک کوئی معقول مرد دیکھا نہیں ..... جس کو دیکھا بس ایسا ہی دیکھا........

کشور :- (مسکراتے ہوئے سنبھل کر) مردوں میں تو میرا فرشتہ خصلت انور بھی ہے!!

زہرہ :- ہاں! خیر... غالباً وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہونگے!!...... اور خدا کرے وہ ایسے ہی رہیں جیسا آپ ان کو سمجھتی ہیں مگر میں تو کسی مرد کی پارسائی کی قسم کھانے کو بالکل تیار نہیں ہوں خواہ وہ حضرت یوسف کا خرقہ کیوں نہ پہنے ہو!!........

کشور:- بڑی متعصب ہو (مسکرا کر) معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تمہیں کبھی نہ کبھی کوئی بڑا سخت دھوکا دیا ہے مگر تم کاہیکو قبولنے لگیں؟

زہرہ:- (شرماتے ہوئے لہجے میں) مجھے کون دھوکا دیتا۔ میں ایسی نہتی نہیں کہ کسی کے فریب میں آجاتی۔

کشور:- خیر ہوگا..... مگر یہ تو بتاؤ کہ ممتاز صاحب کے متعلق کیا خبریں مشہور ہیں۔

زہرہ:- خبریں یہ مشہور ہیں کہ دو ہی مہینے کے اندر وہ مہ جبیں کے پیچھے دس بارہ لاکھ لٹا چکے ہیں۔ اور خدا معلوم کتنا اور لٹانے والے ہیں جس محل میں وہ آجکل رہتی ہے اس کو ممتاز صاحب نے اس کے لئے شاید تین چار لاکھ خریدا ہے۔

کشور:- مگر میں کہتی ہوں کہ آخر انور ان کو سمجھاتے کیوں نہیں

زہرہ:- کیا خوب ممتاز صاحب سمجھنے والے ہیں! بلکہ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں دوستی ہی دوستی میں خود مسٹر انور کو بھی وہ اپنے ساتھ نہ لے ڈوبیں!!

کشور:- دنیا میں سب چیزیں ممکن ہیں مگر ایک یہی ناممکن ہے!

زہرہ:- ہاں ہاں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو..... مردوں پر آپ کا اعتقاد میرے اعتقاد سے بہت زیادہ مضبوط ہے۔!

اس وقت ایک موٹر بنگلے میں آکر رکا اور انور موٹر سے کود کر سیدھا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ کشور اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی اور متبسم چہرے اور مسکراتی ہوئی آنکھوں سے اس کا استقبال کیا۔ زہرہ نے بھی اٹھ کر انور کے سلام کا جواب دیا۔

انور:- کشور۔ معاف کرنا مجھے دیر ہو گئی اور تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا۔ جانتی ہو اس وقت میں کہاں سے آ رہا ہوں۔ ڈیڑھ سو میل کی مسافت طے کر کے آ رہا ہوں میں تو ایک گھنٹے پہلے پہنچ گیا ہوتا اگر موٹر راستے میں خراب نہ ہو گیا ہوتا...... بھائی بڑی بھوک لگی ہے کشور! جلدی کھانا منگواؤ!!

کشور ڈرائنگ روم سے کھانے کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

انور:۔ (زہرہ جمال کے قریب کرسی پر جھک کر) ... کہئے مزاج تو اچھا ہے.....

آپ سے تو ملاقات ہی نہیں ہوتی۔ آج پورے تین دن کے بعد میں نے آپ کو دیکھا ہے۔

زہرہ:۔ (مسکرا کر) آپ ہی کو اپنی دلچسپ مصروفیتوں سے فرصت نہیں ملتی!

انور:۔ مس زہرہ جمال آپ کی وجہ سے مجھے بہت اطمینان ہو گیا ہے۔ ورنہ

اس کے پہلے مجھے ہر وقت یہ خیال ستایا کرتا تھا کہ کشور اکیلی ہونگی۔

زہرہ:۔ (مسکرا کر شوخی سے) کیا آپ سچ مچ ان کو بہت چاہتے ہیں!

انور:۔ (مسکرا کر مذاق میں) جی ہاں دنیا میں سب سے بہت زیادہ اور

آپ سے بہت کم!!

زہرہ اس ذو معنی جملے کا اصل مفہوم تو سمجھیں نہیں۔ شرما کر بولیں "کاش

آپ سچ بولتے ہوتے!"

انور: مگر آپ کی دنیا میں تو مرد کبھی سچ بولتے ہی نہیں۔ پھر شکایت کیسی؟

کیا عورتوں کے اور ان کے فعل میں بڑا فرق ہوتا ہے؟

زہرہ:۔ (نگاہیں نیچی کر کے) ..... کیا معلوم! ہوتا ہوگا! کسی کو آزما کر

دیکھئے! معلوم ہو جائے گا۔

بیچاری زہرہ گو مردوں سے بہت اظہار نفرت کرتی تھیں۔ لیکن جب انور کے

سامنے آجاتی تھیں تو باوجود اپنی نفرت اور پرہیز گاری کے اس کے حسن سے بہت

زیادہ متاثر ہو جاتی تھیں۔ شاید اگر انکو یہ یقین کامل نہ ہوتا کہ انور کشور پر بری طرح سے

فریفتہ ہے تو بلاشبہ وہ بھی انور کے شیدائیوں میں اپنا نام لکھا لیتیں۔ انور کے عدم

التفات نے زہرہ کے دل میں حسد اور مخالفت کی آگ اور بھڑکا دی تھی۔

انور:۔ (مسکرا کر) آپ کو معلوم ہے کہ کبھی کسی کو آزمانا نہ چاہئے۔ اکثر ناگوار

تعجب اور ہمیشہ مایوسی ہوتی ہے۔!!

زہرہ (انور کی طرف عجیب طرح دیکھ کر) نہیں معلوم آپ نے کس کو آزما کر یہ غلط رائے قائم کر لی

انور:۔ گستاخی معاف ہو! خدا کی خدائی میں سب سے زیادہ خطرناک چیز عورت ہے!!

بات پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ کشور بھی آگئیں اور مسکرا کر کہنے لگیں۔ یہ ہمارے معصوم فرقے کی کون برائیاں کر رہا ہے۔؟

انور:۔ وہی جس کو تمہارے معصوم فرقے نے بہت ستایا ہے۔

کشور:۔ (مسکرا کر) اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا فرقہ اسی کو ستاتا ہے جو ہمارے فرقے کو ستاتا ہے۔

انور:۔ ستانے کا حال تو یہ ہے کہ ہماری روزہ دار آنسہ صبح سے پورے تین قرآن ختم کر چکی ہیں اور اس وقت رات کے دس بج رہے ہیں اور پھر بھی تم ہو کہ کھانے کا نام بھی منہ تک لانا شرعاً حرام سمجھتی ہو۔

اس پر کشور اور زہرہ دونوں ہنسنے لگیں۔

کشور:۔ اچھا۔ چلئے چلئے۔ کھانا تیار ہے۔ اور پوچھ رہا ہے کہ کھانا بھوکے کے پاس جاتا ہے یا بھوکا کھانے تک آتا ہے۔

انور:۔ (ہنستے ہوئے) نہیں صاحب بھوکے کو کھانے تک پیاسے کو کنویں تک اور انور کو کشور تک جانا چاہیے۔

کشور اس پر شرما کر ہنسنے لگیں۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر پھر باتیں ہونے لگیں۔

کشور:۔ یہ کیا بات ہے کہ عرصے سے ممتاز صاحب یہاں نہیں آئے!!

انور:۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہ آتے ہونگے۔

زہرہ:۔ اور عدیم الفرصتی کی وجہ کیا ہے؟

انور :۔ یہ وہ خود بہتر جانتے ہونگے۔ اب کے وہ آئیں تو سمرلے گا نہیں ضرور پوچھ لیجے گا۔۔۔۔۔۔ زہرہ فوراً سن کر خاموش ہوگئیں اور کشور نے زیادہ کریدکرید پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے گفتگو کا رخ بدلنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔

زہرہ :۔ انور صاحب مبارک ہو آپ کا پردہ تو آپ آخری سانسیں لے رہا ہے آج آپنے بلسے کرائیکل کا مضمون پڑھا تھا؟

انور :۔ جی ہاں پڑھا تو تھا۔ مگر میرا پردہ کیا؟ میں تو کبھی پردہ نہیں کرتا تھا۔

زہرہ :۔ میں نے آپ کا پردہ اس لئے کہا کہ آپ اس کے بڑے حامی ہیں۔

انور :۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ میں اس کا نہ حامی ہوں اور نہ اس کا دشمن لیکن میرا خیال ضرور ہے کہ :۔

بے محابا ہو اگر حسن تو وہ بات کہاں
چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی

علاوہ اس کے عورتیں مدتوں سے جاڑے کے ڈر سے ایک بند اندھیری کوٹھری میں انگیٹھی جلا کر رہ رہی ہیں اگر ایک دم سے موسم سرما میں کوٹھری کھول کر تیز روشنی میں دوپٹی ہوئی سڑک پر باہر نکل آئیں گی تو خدا نخواستہ اگر کہیں ہوا لگ جائے۔ زکام ہوجائے فالج گر پڑے یا نمونیا ہو جائے تو کیسی سب کو پریشانی ہوگی۔ علاوہ اس کے اندھیرے سے یکبارگی اُجالے میں آجانے سے کچھ دیر کے لئے آنکھیں ذرا بیکار سی ہو جاتی ہیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا پھر اگر کہیں ٹھوکر کھا کر گر پڑیں اور دل ول پر چوٹ ووٹ آجائے یا جگر پر صدمہ پہنچے تو اور مصیبت ہو۔ پھر سڑک بازار کا معاملہ سب ہی قسم کے لوگ وہاں ہوتے ہیں، ایسا نہ ہو کوئی شریف سیطان ان کی ناتجربہ کاری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کے بیش بہا زیور جن پران کو ناز ہوتا ہے، دھوکہ دیکر چرا لے اور چمپت ہوجائے تو آپ ہی بتائے خواہ مخواہ کی جگ ہنسائی ہوگی یا نہیں؟۔ لوگ ہنسیں گے طعنے دیں گے

انگلیاں اٹھائیں گے۔ تالیاں بجائیں گے!! اس بدنامی اور رسوائی سے کیا فائدہ۔

زہرہ:۔ تو بندہ نواز آپ کا کیا ارادہ ہے؟ کیا جس طرح سنتے ہیں کہ ہاروت ماروت بابل کے اندھیرے کنویں میں بند ہیں اور قیامت تک بند رہیں گے آپ ہم سب کو بھی اسی اندھیری کوٹھری میں قیامت تک بند رکھنا چاہتے ہیں۔

انور:۔ (مسکرا کر) نہیں صاحب بند رہیں آپ کے دشمن۔ آپ ہرگز نہ بند رہیئے! آپ ضرور نکلئے۔ مگر خدا کے لئے ذرا پہن اوڑھ کر یعنی کوئی برقعہ، برقعہ یا چادر وادر!! ہندوستان کی فضا ہے کبھی لو چلتی ہے۔ کبھی کڑاکے کا جاڑا پڑتا ہے تھوڑی بہت احتیاط ضرور کرنی چاہیئے!!! اور للہ ذرا سنبھل کر چلئے۔ تاکہ کسی پر خواہ مخواہ گرد نہ پڑے!! البتہ جب باہر کی روشنی یا ٹھنڈی یا گرم ہوا کی رفتہ رفتہ آپ عادی ہو جائیں تو پھر منہ بھی کھول لیجئے گا۔۔۔ اور ایسی ہی الجھن یا گرمی معلوم ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ چادر اور برقعہ بھی اتار ڈالیئے گا ۔۔۔۔۔ یا اس کے بعد اگر پھولوں سے نازک بدن پر کپڑے بھی بھاری معلوم ہونے لگیں تو آپ آپ کو اختیار ہے حسن پوش کپڑے بھی اتار پھینک دیجئے گا۔ یا اگر آپ نہیں چاہتیں کہ بڈھے اباجان کے قلب کی حرکت آپ کے صدمۂ برہنگی سے ایک بیک بند ہو جائے تو کیا کیجئے گا۔ مجبوری ہے مہین ریشمی جالی کی ساری اور سوتی جالی کا جمپر محض قسم کھانے کے لئے پہن لیجئے گا۔ علاوہ ہوادار اور خوشنما ہونے کی آپ کی ضد بھی پوری ہو جائے گی اور بیچارے بڈھوں کی بھی بات رہ جائے گی کیونکہ آپ قانون کے باہر نکل کر بھی قانون کے حدود کے اندر رہنے پر فخر کر سکیںگی!!!

زہرہ و جمال کو مجبوراً اس پر شرمانا پڑا اور کشور ہنسنے لگیں اور خوشی سے بولیں:۔

"کیوں زہرہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ گو بقول تمہارے مرد معقول نہیں ہوتے"

زہرہ:۔ (ہنستے ہوئے) طنزاً یہ تو وہی اماں کی سی باتیں ہیں۔۔۔ کہ بیٹا باہر نہ جانا۔۔۔ باگڑ بلا پکڑ لیجائے گا۔۔۔ سانس نہ لینا۔۔۔ پھیپھڑا پھٹ جائے گا۔

انور:۔ (ہنستے ہوئے) ارے بھئی تو اس میں کیا ہے۔ ایسا ہی شوق ہے تو یکبارگی باہر نکل کر دیکھ ہی لیجئے کیا ہوتا ہے.....

ہم لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ گو پیدائش ہی سے باہر کی ہوا کھاتے پھرتے ہیں مگر پھر بھی ذرا سی بے احتیاطی میں جان کو ایک نہ ایک روگ لگ جاتا ہے اور عورتیں معصوم تو ہم سے بدرجہا زیادہ نازک کمزور۔ اور آپ وہ ہولسے بہت جلد متاثر ہونے والی ہوتی ہیں۔ پھر آپ ہی خیال کر لیجئے کہ اس جلد بازی کا نتیجہ کیا ہوگا اور اب تک کیا ہوا ہے؟ زمانہ مستقبل کا قیاس زمانۂ ماضی یا زمانۂ حال سے کرنا چاہیے۔!!

زہرہ:۔ کہتے ہیں کہ وہم کی دوا لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔

انور:۔ اور جوش میں آ کر خودکشی کر لینے والی ذہنیت کا علاج بھی آج تک دنیا میں کسی نے دریافت نہیں کیا۔

زہرہ:۔ انور صاحب معاف فرمائیے گا۔ ہر حاکم قوم اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ اس قسم کے حیلے حوالے کیا کرتی ہے۔ اسی قسم کے کھلونے سنگھا سنگھا کر اور سبز باغ دکھا دکھا کر بیچاری محکوم قوم پر روز بروز غلامی کا شکنجہ کستی جاتی ہے!!

.... یعنیہ یہی برتاؤ مردوں کی قوم کا عورتوں کی قوم سے ہے.....

انور:۔ خوب!! مجھے ابھی تک نہیں معلوم تھا کہ مردوں کی قوم اور۔ اور عورتوں کی قوم اور ہے۔ بھائی کی قوم اور۔ اور بہن کی قوم اور ہے۔ باپ کی قوم اور بیٹی کی قوم اور ہے!! کیا عورتیں صرف عورتوں ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور مرد صرف مردوں سے؟.... میں نہیں جانتا تھا کہ میری قوم اور۔ اور کشور اور مس زہرہ جمال کی قوم اور ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ دونوں تو آدم زاد ہیں اور میں بن مانس ہوں۔!!

کشور اس پر ہنسنے لگی۔

زہرہ :۔ (جھینپ کر) جب آپ لاجواب ہو جاتے ہیں تو مذاق اڑانے لگتے ہیں۔
انور :۔ (مسکرا کر) لاحول ولا قوۃ۔ توبہ کیجئے۔ مذاق تو آپ ہی انا میرا اور میری خوفناک قوم کا اڑا رہی ہیں۔۔۔ (پھر سنجیدہ ہو کر)۔۔۔ مس زہرہ جمال۔۔۔ مسائل کی تحقیق میں سب سے خطرناک چیز ناموزوں تمثیل اور غلط تشبیہ ہوتی ہے اگر وہ بیچارے اپنی بیویوں یا بہو بیٹیوں کو یکبارگی آزادی دینے سے جھجکتے ہیں اور رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ آزادی دینے پر مصر ہیں تو صرف اس لئے کہ عورتوں کا نقصان خود ان کا نقصان ہے اور عورتوں کی بدنامی خود ان کی بدنامی ہے۔ مرد اور عورت ایک ہی شعر کے دو مصرعے ہیں الگ الگ پھر الگ نہیں۔ مرد پھول ہے تو عورت اسکی خوشبو ہے ایک دوسرے سے جدا ہیں اور پھر جدا نہیں۔ لہذا خدا کے لئے ہم کو اپنی قوم سے خارج نہ کیجئے ہم بھی ایک عورت ہی سے پیدا ہوئے ہیں اور ایک عورت ہی کے گود میں پلے ہیں اور (ہنس کر) مس زہرہ جمال اگر آپ کو یقین نہ ہو تو میں اس کی قسم کھا سکتا ہوں کہ دنیا میں جتنی عورتیں ہیں یا ہوئی ہیں سب کے باپ مرد تھے۔۔۔ یا آپ ہم لوگوں کی مخالفت میں اس سے بھی انکار ہے!!!

اس پر زہرہ شرما گئیں۔ اور کنفور کو پھر ہنسنے کا موقع مل گیا۔
انور :۔ اور رہا سوال حاکم قوم اور محکوم قوم کا تو بجائے اس کے اگر آپ عاشق قوم اور معشوق قوم کہتیں تو زیادہ مناسب ہوتا اور سچ پوچھئے تو یہ طے کرنا بھی بہت مشکل ہے کہ مردوں اور عورتوں میں کون عاشق اور کون معشوق ہوتا ہے درحقیقت عاشق اور معشوق کی قوم بھی ایک ہی ہوتی ہے۔

عاشق و معشوق ایک ہی خاک سے پیدا ہوئے
یہ بھی قسمت ہے کوئی لیلیٰ کوئی مجنون ہوا

کیا تماشہ ہے کہ آجکل تہذیب و تمدن کی کوشش تو یہ ہے کہ تمام قوموں کی تفریق مٹا دے

اور ساری دنیا ایک قوم ہو جائے۔ اور آپ لوگ ہیں کہ اس پر اُدھار کھائے بیٹھی ہیں کہ عورتیں اور مرد جن کا شروع آفرینش سے ایک ہی قوم میں شمار ہے دو علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے سے مخالف قوموں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔!!

کشور:۔ آپ گھبرایئے نہیں۔ نہ ہم آپ کو اپنی قوم سے نکالیں گے اور نہ کسی کو نکلنے دیں گے! مجھے آپ کی یہ تشبیہ بڑی اچھی معلوم ہوئی کہ مرد اور عورت ایک ہی شعر کے دو مصرعے ہیں۔ الگ الگ پھر الگ نہیں۔ مرد پھول اور عورت اس کی خوشبو ہے۔ ایک دوسرے سے جدا جدا اور پھر جدا نہیں۔

زہرہ:۔ (معترضانہ انداز سے) دوسری تشبیہ سے بھی وہی مردوں کا غرور ٹپکتا ہے۔ خود تو پھول بن بیٹھے اور ہمیں صرف خوشبو بنایا۔

کشور:۔ واہ! خوشبو پھول سے زیادہ لطیف ہوتی ہے اس لئے جنس لطیف کی تشبیہ خوشبو سے دینا کس قدر مناسب اور موزوں ہے!! بغیر خوشبو کے پھول بیکار ہے اور بغیر ایک مصرعے کے دوسرا مصرع ناقص یا مہمل ہو جاتا ہے۔ مرد کی ہستی ناقص ہے اگر عورت کی ہستی اس نقص کو دور نہ کرے۔ عورت کی ہستی نامکمل ہے اگر مرد کی ہستی اس کی تکمیل نہ کرے۔

انور:۔ (مسکرا کر) میری ناقص مثال کی کشور نے کس خوبی سے تکمیل کر دی۔!!

زہرہ جمال:۔ مس انور کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر آپ سے مل گئیں۔

انور:۔ (مسکرا کر) اگر کشور مجھ سے مل گئیں تو انہوں نے وہی کیا جس کے لئے فطرت ہر ایک کو مجبور کرتی ہے۔ میری رائے ہے کہ تکمیل ہستی کے لئے مس زہرہ جمال آپ بھی کسی سے مل جائیے۔

اس پر کشور کو زہرہ پر ہنسنے کا ایک در موقع ہاتھ آیا..... مگر اس جملے سے زہرہ کے

شیشۂ خودداری میں ایک ٹھیس سی لگی۔ اور اس کی حاسد طبیعت میں انور کے ان الفاظ نے کانٹوں کی طرح ایک نئی خلش پیدا کر دی......
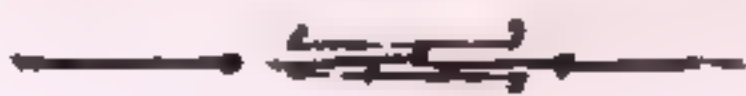
سولھواں باب

باسایہ ترا نمی پسندم
عشق است و ہزار بدگمانی

دو تین دن کے بعد صبح کو قریب ۱ بجے کشور برآمدہ میں بیٹھی ہوئی ایک ناول پڑھ رہی تھی۔ زہرہ کمرے کے اندر کوئی کام کر رہی تھی۔

دفعتاً ایک موٹر کے ہارن کی آواز آئی اور اس کے بعد ہی ایک موٹر کوٹھی کے اندر داخل ہوا اور اس میں ایک کشیدہ قامت نہایت خوشرو جوان جس کی عمر قریب ۳۵، ۳۶ سال کی تھی اترا، وہ بہت ہی اچھا سلا ہوئے سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اسکی ساری وضع قطع اسکی داڑھی مونچھوں کا عدم وجود صاف بتا رہا تھا کہ وہ مغربی ممالک میں بہت عرصہ تک رہا ہے اور وہیں اس نے تعلیم بھی پائی ہے۔

اس کا رنگ غیر معمولی طور پر صاف اور چمکدار تھا اس کے بال گھنے تھے اور ان میں خوشنما قدرتی لہریں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی بھوری بھوری بے چین مگر خوبصورت آنکھیں اس کے چہرے کا ایک نمایاں وصف تھیں اس کے ہونٹ پتلے پتلے اور اس کا تبسم بہت دلآویز تھا۔ اس کے دانت بے حد خوشنما اور اس کا بدن ورزشی اور سڈول تھا۔ اس کا سراپا نہایت دلکش تھا اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ انور سے زیادہ حسین نہیں تھا تو اس سے کسی طرح کم بھی نہ تھا۔!!

دونوں میں صرف فرق یہ تھا کہ انور کا حسن دلفریب ملاحت لیے ہوئے تھا اور اس شخص کے رنگ میں صباحت نمایاں تھی۔ اس نے بڑی تہذیب اور اخلاق سے کشور کو سلام کیا۔ ایک خاص انداز سے مسکرا کر وہ کشور سے اپنی دلکش آواز میں یوں مخاطب ہوا...... اگر گستاخی نہ ہو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مس زہرہ جمال یہیں ہیں یا باہر گئی ہیں؟"

کشور اس حسین اجنبی کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئی کہ وہ تعظیماً نادانستہ کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"جی ہاں مس زہرہ جمال یہیں ہیں۔ کیا آپ کو اُن سے کوئی کام ہے؟"

اجنبی:- جی ہاں میں ان سے ملنے آیا ہوں میں ان کا بڑا بھائی ہوں!!

کشور:- براہ مہربانی (ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے) تشریف رکھیے ان کو ابھی بلوائے دیتی ہوں۔

اجنبی:- بڑی عنایت ہوگی۔

کشور کی ایک خدمتگار کو حکم دیا کہ زہرہ کو بلا لائے۔ اور پھر خود بھی بیٹھ گئی تھوڑی ہی دیر میں زہرہ بہت خوش خوش یہ کہتی ہوئی کمرے سے نکلی بھائی جان آپ خوب آئے۔ میں آپ کو اس وقت بہت یاد کر رہی تھی، (کشور سے مخاطب ہو کر) مسز انور کیا آپ مجھے اجازت دیں گی کہ میں اپنے بھائی ڈاکٹر شیرازی آئی۔ ایم۔ ایس کا تعارف آپ سے کراؤں۔

کشور:- (ہاتھ ملا کر مسکراتے ہوئے) مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی،

ڈاکٹر شیرازی:- اس ملاقات کی ساری مسرت تنہا میری ہے.... زہرہ نے اکثر آپ کی عنایتوں اور خوش اخلاقی کی مجھ سے تعریفیں کی ہیں!!.... میں آپ کا حد سے زیادہ ممنون ہوں کہ آپ نے زہرہ کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا کہ اگر سگی بہن بھی

ہوتی تو نہ کر سکتی۔

کشور:۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ہاں زہرہ نے ضرور اپنی دلکش صحبت سے میری زندگی کو بہت دلچسپ اور پُر لطف بنا دیا

زہرہ:۔ میں اس قدر تعریف کی مستحق نہیں۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ میری صحبت آپ پر گراں نہیں گزرتی۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ میری تمنا تھی کہ مسٹر انور سے بھی شرف ملاقات حاصل کرتا کیا وہ یہیں ہیں یا کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں

کشور:۔ وہ تو عصر ہوا دفتر چلے گئے۔ اب تو وہ شام کو آئیں گے

زہرہ:۔ (انجان بن کر) بھائی جان آپ تو ممتاز صاحب کو ضرور جانتے ہوں گے

ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں ہاں اچھی طرح سے۔ مگر تم کیوں پوچھتی ہو؟

زہرہ:۔ کچھ نہیں۔ یہی چند دن ہوئے یہاں باتیں ہو رہی تھیں کہ ممتاز صاحب عرصے سے یہاں نہیں آئے۔ حالانکہ مسٹر انور سے اور ان سے بہت گہری دوستی ہے

ڈاکٹر شیرازی:۔ (الفاظ پر زور دیکر) دوستی ہے یا دوستی تھی۔

کشور:۔ دوستی تھی کے کیا معنے؟ کیا اب وہ دوستی نہیں ہے؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ (بناوٹی بے پروائی سے) مجھے کوئی ذاتی علم تو ہے نہیں مگر ہاں لوگوں سے سنا ضرور ہوں کہ دونوں دوستوں میں کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے

کشور:۔ یہ کب سے؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ یہی قریب دو ڈھائی مہینے سے۔

کشور:۔ اور اس کی وجہ۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ وجہ تو مجھے معلوم نہیں! اور اگر معلوم بھی ہوتی تو مجھے محض سنی سنائی باتوں کو آپ کے سامنے دہرانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

کشور:۔ کچھ تو فرمایئے آخر وہ کون ایسی سنی سنائی باتیں ہیں۔
ڈاکٹر شیرازی:۔ میں نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرمایئے۔ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اتنا بھی کیوں کہا؟
اس وقت ایک گیارہ بارہ سال کا لڑکا آگے پیچھے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا ان سب کے قریب آیا اور پوچھنے لگا
"کیا انور صاحب کا بنگلہ یہی ہے؟"
کشور:۔ ہاں یہی ہے۔ کیوں کیا ہے؟ تم کیوں پوچھتے ہو؟
لڑکا:۔ ایک چٹھی ہے انور صاحب کے نام
کشور:۔ لاؤ مجھے دیدو۔ وہ اس وقت نہیں جب آئیں گے تو انہیں دیدونگی
لڑکا:۔ جی نہیں جس نے مجھے چٹھی دی ہے اُس نے حکم دیا ہے کہ انور صاحب ہی کے ہاتھ میں دینا اور کسی کو ہرگز نہ دینا۔
کشور:۔ کس نے تمہیں یہ حکم دیا۔؟
لڑکا:۔ مجھے یہ بھی بتلانے کا حکم نہیں ہے۔
یہ کہہ کر لڑکا چلدیا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔
کشور خاموش ہوگئی۔۔۔ اور سوچنے لگی۔۔۔ زہرہ اور ڈاکٹر شیرازی میں راز و نیاز سے اشارے ہوئے پھر زہرہ بولیں۔
"عجیب لڑکا ہے اور خط بھیجنے والا اس سے عجیب تر ہے۔۔۔ نہیں معلوم اس خط میں کون ایسی راز کی بات تھی کہ لکھنے والے کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لفافہ کی تحریر بھی کوئی دیکھ لے۔
ڈاکٹر شیرازی:۔ اور اگر کاروبار کے متعلق یہ خط ہوتا تو اسے دفتر جانا چاہئے تھا ایک چھوٹا سا لڑکا اسے گھر پر کیوں لاتا مگر جانے بھی دیجئے۔ کہ یہ محض

اس لڑکے کی شرارت ہو۔"

زہرہ :۔ اور لڑکا واپس جو گیا تو سڑک کی بائیں طرف گیا۔ دائیں طرف یعنی نیچے نہیں گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خط بھیجنے والا کوئی شہر کا رہنے والا نہیں ہے بلکہ اوا لڑ ہی پر وہ بھی رہتا ہے۔ اور ہمارے بنگلے سے کچھ اونچے پر۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (زہرہ سے) تم تو شرلاک ہومز کی طرح سُراغ رسانی کرنے لگیں۔ جانے بھی دو..... ممکن ہے بہت معمولی سا خط ہو..... اور اگر ایسا ہی ضروری خط ہوگا تو یہ لڑکا پھر کسی نہ کسی وقت اُسے لیکر آئے گا۔ اس وقت (کشور سے) آپ مسٹر انور سے پوچھ لیجئے گا۔ وہ بتا ہی دیں گے۔ اور چھوٹا سا دلچسپ معمہ فوراً حل ہو جائے گا۔ اس کے بعد کچھ ادھر اُدھر کی غیر دلچسپ باتیں ہونے لگیں۔ کشور نے بہت کوشش کی مگر پر اسرار خط کا واقعہ بار بار رہ کر اس کو یاد آتا تھا اور وہ کچھ کچھ عرصہ تک اسی خیال میں کھو کھو جاتی تھی۔ ڈاکٹر شیرازی نے کشور کی یہ کھوئی ہوئی حالت دیکھ کر زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ معذرت کرکے کشور سے رخصت ہو گئے۔ زہرہ اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ موٹر تک گئیں۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (آہستہ سے) یہ اتفاقیہ واقعہ ہماری اسکیم کی کامیابی کے لئے خلاف امید پیدا ہو گیا۔

زہرہ :۔ (مسکرا کر) ہاں یہ شگوفہ اچھا ہاتھ آیا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے..... مجھے قوی شبہ ہے کہ یہ خط مہ جبین کا بھیجا ہوا تھا۔

زہرہ :۔ یقیناً۔ اگر آپ ذرا تصدیق کے لئے اسی وقت موٹر پر مہ جبین کے مکان کو چلے جائیے وہ لڑکا یا تو راستے ہی میں آپ کو ملیگا یا مہ جبین کے گھر پر آپکو دکھائی دیگا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ ضرور جاؤں گا۔ میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔

زہرہ۔ اچھا تو پھر جلدی چلیئے اور موٹر کل ۱۲ بجے دن کو بھیج دیجئے گا میں آپ سے آکر ملوں گی اور آئندہ کے لئے مشورہ کرونگی۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں ہاں ضرور...... اچھا تو اب میں جاتا ہوں! یہ کہکر ڈاکٹر شیرازی اپنے موٹر پر روانہ ہوگئے اور زہرہ پھر وہیں واپس گئیں جہاں کشور کسی فکر میں بیٹھی تھی

زہرہ:۔ مسز انور آپ کس پیچ میں پڑ گئیں۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے جس پر آپ اس قدر متفکر ہیں۔

کشور نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اُس کی طبیعت میں شک اور وہم کا معمول سے زیادہ دخل تھا.. پہلے اسکو زہرہ سے یہ معلوم ہوا کہ ممتاز زہرہ جبین پر بری طرح فریفتہ ہیں پھر اُسکو ڈاکٹر شیرازی سے یہ معلوم ہوا کہ ممتاز اور انور میں باوجود ایسی گہری دوستی کے شکر رنجی ہوگئی ہے پھر اس کو وہ واقعہ یاد آیا تھا کہ جب انور سے یہ پوچھا گیا کہ ممتاز کیوں نہیں آتے تو اُنہی نے یہ مبہم جواب دیا کہ عدیم الفرصتی کی وجہ نہ آسکے ہوں گے اور اس کے بعد جب زہرا نے پھر پوچھا کہ عدیم الفرصتی کی وجہ کیا ہے تو روکھے پن سے اُس نے بات ٹال دی۔ آج خط کے واقعہ سے نئے شکوک پیدا ہوگئے اور اس کے پرانے شکوک کی ایک حد تک تصدیق بھی ہوگئی۔ خط کوئی کاروباری خط نہ تھا بلکہ پرائیوٹ تھا اور زہرہ کا یہ خیال بھی صحیح تھا کہ خط کا بھیجنے والا بار بار ملز ہی پر رہتا ہے اور علاوہ اس کے بنگلے سے اونچے پر کشور کو معلوم تھا کہ جبین رہتی ہے شکوک کی لڑیاں ایک دوسرے سے ملتی جاتی تھیں اور کشور کے دل و دماغ میں ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا تھا۔

زہرہ:۔ مسز انور۔ للہ بتایئے۔ آپ کیوں اس قدر متفکر ہیں۔

کشور:۔ (آہ سرد بھر کر) کچھ نہیں۔ معلوم نہیں کیوں خاموش بیٹھے رہنے کو جی چاہتا ہے

زہرہ:۔ (مسکرا کر) بیخودی بے سبب غالب۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

کشور:۔ (مسکرانے کی کوشش کر کے) کچھ نہیں، یہی خط کا واقعہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

زہرہ:۔ اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟......

کشور:۔ زہرہ تمہیں معلوم ہے کہ ممتاز صاحب اور انور میں شکر رنجی کا سبب کیا ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہو تو اللہ مجھ سے چھپاؤ نہیں"......

زہرہ:۔ بھئی آپ تو بہت مجبور کرتی ہیں۔ اب مجھے بتانا ہی پڑا... مگر مجھے انور کا اس قدر لحاظ اور ان کی خوش اطواری اور نیک چلنی پر اس قدر بھروسا ہے کہ ان کے خلاف کوئی بات کہتے ہوئے میرا دل مجھے ملامت کرتا ہے۔

کشور:۔ خدا کے لئے زہرہ بات نہ ٹالو... مجھے صاف صاف کہہ دو چاہے وہ انور کے خلاف ہی کیوں نہ ہو!

زہرہ:۔ مجھے اس قدر مجبور نہ کیجئے۔ مسٹر انور ایسے فرشتہ خصلت آدمی ہیں کہ اگر میں اپنی آنکھوں سے بھی کوئی بات دیکھ لوں تب بھی مجھے یقین نہ آئے گا اور یہ تو میں نے یوں ہی اڑتی ہوئی سنی ہے۔

کشور:۔ (بے صبری سے) تم پھر ٹال رہی ہو... کہو کہو! تمہیں خدا کی قسم کہو۔ مجھے اب انتظار کی تاب نہیں ہے۔

زہرہ:۔ کچھ نہیں میں نے یہ سنا ہے اور بھائی جان بھی یہی کہہ رہے تھے کہ ممتاز اور انور میں جو شکر رنجی ہوئی ہے اس کا تعلق مہ جبین کی ذات سے ہے۔

کشور:۔ (خشک ہونٹوں سے)... مہ جبین کی ذات سے؟...... کیا انور بھی مہ جبین پر فریفتہ ہیں......

زہرہ:۔ اگر مسٹر انور بھی مہ جبین پر فریفتہ نہ ہوتے تو ممتاز صاحب سے یہ بگاڑ ہی کیوں ہوتا! یہ تو بہت موٹی سی بات ہے......

دفعتاً کشور زرد چہرے اور خشک ہونٹوں سے بڑے جوش میں کہا غلط ہے!

بالکل غلط ہے!... انور محض ایک بہتان ہے.... وہ ہرگز اپنے آپ کو اس قدر گرا نہیں سکتے.... وہ ہرگز اپنے آپ کو اس قدر ذلیل سمجھتے ہیں.....

زہرہ:۔ ہاں ہاں تو میں کب کہتی ہوں کہ یہ صحیح ہے.... بہت ممکن ہے کہ یہ افواہیں سب غلط ہوں اور خدا کرے کہ یہ غلط ہوں.... مگر......

کشور: مگر کیا؟... کہو کہو تم کیا کہنا چاہتی تھیں اور کہتے کہتے رک کیوں گئیں؟.....

زہرہ:۔ میں صرف کہنے والی تھی کہ جتنے مرد ہیں سب ہمیشہ ایک ہی سے ہوتے ہیں... وہ عورت سے کبھی محبت نہیں کرتے بلکہ اس کو ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں اور مسٹر انور بھی اور مردوں کی طرح ایک مرد ہیں۔

کشور:۔ مگر تم تو جانتی ہو کہ میری اور ان کی شادی بالکل فرضی ہے پھر مجھے وہ دھوکا ہی کیا دے سکتے ہیں؟ مجھے دھوکا دینے سے ان کا فائدہ؟.....

زہرہ:۔... فائدہ.... ایک شیطانی ہنسی ہنسکر فائدہ یہ ہے کہ مہ جبین کی عاشقی میں روپیہ بہت صرف ہوتا ہے اور ہوگا اور روپیہ صرف کشور کی جائداد سے ملتا ہے اور ملیگا....

کشور: مگر یہ تمام الزامات اس لئے غلط ہیں کہ ان تمام کی بنیاد ہی غلط ہے... بجز بے السر و پا افواہوں کے جن کا غیر معتبر ہونا تم خود تسلیم کر چکی ہو اور کیا ثبوت ہے کہ انور مہ جبین پر فریفتہ ہیں..... بہت ممکن ہے کہ ممتاز اور انور میں کسی اور بات پر بگاڑ ہوا ہو۔ مہ جبین پر نہ ہوا ہو۔ اور بہت ممکن ہے کہ ممتاز اور انور میں بگاڑ ہوا ہی نہ ہو کیونکہ آپس میں بگاڑ ہونے کا بھی سوائے قیاسات کے اور کوئی ثبوت نہیں۔

زہرہ:۔ ہاں.... شک کا فائدہ ضرور ملزم کو ملنا چاہئے.... لہذا میں آپ کی طرح انور کو شک کا فائدہ دیکر بری کرتی ہوں اور مجھ ان کو بری کرے دیں ایک خاص

خوشی یہ ہے کہ میرا دل خود چاہتا ہے کہ ایسے اچھے نیک خصلت فرشتہ سیرت انسان کو ہر ممکن الزام سے بری کروں

کشور:۔ (مسکرا کر) نہیں میں ان کو شک کا فائدہ دیکر نہیں بری کرتی ان کو میں اس بنا پر بری کرتی ہوں کہ ان کے خلاف ذرہ برابر بھی کوئی ثبوت نہیں اور جو کچھ ہے وہ محض بے بنیاد توہمات اور وہم اور رجبل قیاسات ہیں..... اور میں......

زہرہ (مصنوعی ہنسی ہنسکر) چلو اچھا ہوا مسٹر انور بری تو ہوگئے ہم تو شروع سمجھے تھے بڑے بڑے پھنسے ہیں۔ مگر آخر میں یہ ثابت ہوا کہ کچھ بھی ثابت نہیں ہوا۔

اس وقت انور کے موٹر کی بگل کی آواز سنائی دی۔ اس بگل سے کشور اور زہرہ دونوں کے کان آشنا تھے۔

کشور:۔ بہت خوش ہو کر بولیں لیجئے ہمارے سرکار آ گئے...... بڑے موقع سے پہنچے۔ کشور کا یہ جملہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ انور کا موٹر کشور کے سامنے آ گیا اور انور اس سے اتر کر سیدھا کشور کے پاس گیا اور اس سے یوں مخاطب ہوا۔

"کشور" آج میں تمہارے ساتھ کھانا کھانے خلاف امید آ گیا...... تمہیں میرے اس طرح یک بیک آجانے پر افسوس تو بہت ہوا ہوگا؟......

کشور بھی (شوخی سے) بہت!..... اس قدر افسوس ہے کہ خوب ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔

انور کا خوبصورت رنگین..... ودرخشاں چہرہ..... اس کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں کا سحر کار تبسم..... اس کی بیساختہ سچی ہنسی کا سچا خوشگوار ترنم اس کی حسین شخصیت کی جادو اثری نے کشور کا ایمان پھر از سر نو تازہ کر دیا۔ اس کے شبہات سب کافور ہو گئے اس کے توہمات سب منتشر ہو گئے اور وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو اپنی شکی اور وہمی طبیعت پر ملامت کرنے لگی۔ یہ کہیں گے وہ کہیں گے دل میں ٹھانے تھے بہت جاتا آنکھیں ہوتے ہی سارا گلا جاتا رہا۔

سترھواں باب

اے لذتِ جفا و تمنائے جورِ یار
وہ طرزِ صبر ہو کہ تقاضا کہیں جسے

اسی شب کو ۲ بج چکے ہونگے اور شاید تین بج رہے ہونگے کہ ایک خوبصورت رولس رائس نعمان منزل کے آگے آکر رکا۔۔۔ عذرا دوسری منزل کے صحن میں پلنگ پر لیٹی ہوئی کروٹیں بدل رہی تھی اور سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ موٹر کے رکنے کی آواز سنی تو وہ چونک کر اٹھ بیٹھی اور اٹھ کر کوٹھے کی چاردیواری کے اوپر سے جھک کر اس نے دیکھا تو اس کے خیال کی تصدیق ہوگئی کہ رکنے والا موٹر اس کے ممتاز ہی کا تھا۔

ڈرائیور اور ایک خدمتگار نے جو ہمراہ گیا تھا۔ بمشکل تمام ممتاز کو موٹر سے باہر نکالا بیمار چاند کی زرد زرد روشنی ایک چہرے پر پڑی جو خود بھی اس قدر زرد اور بیمار تھا ممتاز کی آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر جھریاں تھیں اور گالوں کی ہڈیاں بہت نمایاں ہوگئی تھیں۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئی اور آدھی بند تھیں، پیر لڑکھڑا رہے تھے اور اس قابل نہ تھے چند سکنڈ سے زیادہ جسم کو ایک حالت میں سنبھال سکیں۔ دونوں ملازم کسی نہ کسی طرح بے قابو جسم کو ڈگمگاتے ہوئے پیروں پر سنبھالے ہوئے تھے۔۔۔۔

کس کو اعتبار آسکتا تھا کہ یہ وہی ممتاز ہے جو دو مہینے پہلے بمبئی کا حسین اور لائق ترین شہزادہ تجارت کہلاتا تھا اور آج بھی بمبئی کا سب سے بڑا امیر تاجر تھا۔ کس کو یقین آسکتا تھا کہ جو ممتاز زر و مال پر ہنسا کرتا تھا اور محبت اور عشق کا مذاق اڑایا کرتا تھا وہ ۱۲ بجے تک رحیمن کے ناز اٹھا کر اور اس بد مزاجیاں برداشت کرکے اپنا غم غلط کرنے کے لئے ۳ بجے رات تک ایک مہذب شرابخانے میں شراب پی پی کر ناچ رہا تھا۔

اور ناچ ناچ کر شراب پی رہا تھا۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ اس قابل نہیں رہا کہ وہ ناچ ہی سکے مجبوراً اس کے ملازم اُس کو گود میں اٹھا کر موٹر میں لاد کر گھر واپس لے آئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ممتاز :۔ (رنش کے لہجے میں) ہٹو ہٹو ابھی ابھی ناچنے دو۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں ابھی ناچنے دو! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ملازم :۔ حضور! ۔ ۔ ۔ ۔ کوٹھے پر چل کر ناچیے گا۔ ۔ ۔ یہاں پر کافی جگہ نہیں ہے

ممتاز :۔ (رک رک کر) ہاں ہاں شاباش بہت ٹھیک کہتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت ٹھیک! ۔ ۔ ۔ یہاں تو سب چیزیں ناچ رہی ہیں۔ یہاں تو بالکل جگہ ہی نہیں ہے۔ ہاں چلو کوٹھے ہی پر چلو! کوٹھے پر!! ہم وہیں ناچیں گے!!!

بہزار دقت دونوں ملازم ممتاز کو کوٹھے پر گھسیٹ لے گئے اور وہاں آنگن میں ایک آرام کرسی پر انہیں بٹھا دیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ڈال دیا اور چلے گئے کرسی پر بیٹھتے ہی ممتاز سو گئے اور تھوڑی دیر میں خراٹے لینے لگے۔

عذرا نے اپنے ہی ہاتھوں سے ممتاز کے جوتے۔ موزے۔ کوٹ۔ نکٹائی۔ کالر اتارا پھر بہت ٹھنڈے پانی میں تولیا بھگو کر اُس کا منہ پونچھا اور ہاتھ پیر دھوئے! ممتاز نے آنکھیں کھول دیں۔ عذرا نے ایک خاص قسم کا شربت اس کو پلایا جس میں کچھ دوائیں بھی ملی ہوئیں تھیں۔ شربت پی کر ممتاز کچھ عرصہ تک خاموشی سے کرسی پر آنکھیں بند کئے پڑے رہے۔ قریب آدھے گھنٹے کے بعد عذرا نے پکارا تو ممتاز نے آنکھیں کھول دیں۔

عذرا :۔ (محبت کے لہجے میں) یہاں تو آپکو تکلیف ہوتی ہوگی چلئے پلنگ پر آرام کیجئے۔

گرمی کا زمانہ تھا۔ پلنگ کرسی سے ملا ہوا وہیں آنگن میں بچھا ہوا تھا۔ ۔ ۔

ممتاز :۔ (ہوش میں آکر شرمندگی کے لہجے میں) عذرا! تم ابھی تک جاگ رہی ہو!!

تم کیوں اتنی اتنی رات تک میرا انتظار کیا کرتی ہو؟

عذرا :۔ نیند آتی نہیں مجبوراً جاگتی رہتی ہوں۔ اسکو آپ چاہے تو انتظار سمجھ لیجئے

ممتاز :۔ نیند تمہیں کیوں نہیں آتی؟ کیا تم کو بھی کسی ایسے سنگدل جفاکش سے محبت ہے جو تم سے محبت نہیں کرتا اور جس پر تمہاری محبت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آہ عذرا... میں کیا کروں؟... کیا محبت میں اس قدر تکلیف ہوتی ہے؟....

عذرا :۔ (منہ پھیر کر تاکہ ممتاز اس کے چہرہ کی تکلیف نہ دیکھ سکے) یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس سے بھی زیادہ اور بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

یہ جواب سن کر ممتاز خاموش ہو گیا اور بہت دیر تک نہ معلوم کیا سوچتا رہا.....

عذرا :۔ (آرام کرسی کے ہتھے پر بیٹھ کر، اور اپنے نرم نرم ہاتھوں سے ممتاز کے بالوں سے محبت بھرے انداز سے کھیلتے ہوئے) چلئے.... پلنگ پر چل کر آرام سے لیٹئے!.... یہاں آپکو تکلیف ہوتی ہوگی.......

اتفاق سے ممتاز کی آنکھ پر عذرا کا ہاتھ لگا تو اُسے وہ نم معلوم ہوئی۔ ممتاز نے عذرا کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا دیا۔

عذرا :۔ ایں یہ کیا؟ یہ آنسو کیسے؟.... آپ تو رو رہے ہیں؟....

ممتاز :۔ (اپنی آنکھیں اور ان کے آنسو چھپانے کی کوشش کرکے)... کچھ نہیں ....عذرا... مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی وحشی جانور نہیں.... اور مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی بے لبس بدنصیب بھی نہیں.....

عذرا :۔ آپ ان باتوں کا اس وقت رنج نہ کیجئے... اٹھئے اور چل کر اپنے پلنگ پر لیٹئے۔ میں بیٹھ کر آپ کا سر دباؤنگی.... آپکو بہت جلد نیند آجائیگی پھر صبح کو آپ کی طبیعت انشاءاللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔

عذرا کے اصرار سے ممتاز آرام کرسی سے اُٹھا اور جاکر پلنگ پر لیٹ گیا۔ عذرا نے

بجلی کے پنکھے کا رخ پلنگ کی طرف کر دیا اور خود ممتاز کے سرہانے بیٹھ کر اسکا سر دبانے لگی ....

عذرا بیٹھی ہوئی سر دباتی رہی۔ تھوڑی دیر میں ممتاز کو نیند آگئی اور وہ بیخبر سو گیا۔ عذرا قریب ہی دوسرے پلنگ پر دیر تک کروٹیں بدلتی اور روتی رہی۔ وہ عرصہ تک روتی رہی اور کروٹیں بدلتی رہی اور ممتاز آرام سے بے خبر سوتے رہے!! صرف زرد رو چاند اور جھلملاتے ہوئے تاروں نے اُس کے آنسو دیکھے اور خاموشی سے دیکھتے رہے اور ان آنسوؤں کی گرمی اور جلن صرف اس کے ٹھنڈے تکیئے نے محسوس کی ....

....

صبح کو قریب ۱۱ بجے ممتاز نہا دھو کر بیٹھے ہوئے چاء پی رہے تھے عذرا قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔

رات کی عذرا اور اُس وقت کی عذرا میں تو کوئی فرق نہ تھا مگر رات کے ممتاز اور اس وقت کے ممتاز میں کوئی مشابہت نہ تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی ممتاز ہے ...... ادھر اُدھر کی باتیں آپس میں ہو رہی تھیں۔

ممتاز :۔ (کسی قدر شرمندگی سے) تو کیا رات میری حالت معمول سے زیادہ خراب تھی۔

عذرا :۔ جی ہاں۔ کل رات کو آپ کی حالت غیر معمولی ضرور تھی۔

ممتاز :۔ (ندامت سے) میں نے شراب اس وجہ سے شروع کی تھی کہ میں محبت کی تلخیاں اور ناکامیاں اس کے نشہ میں کچھ دیر کے لئے بھول جاؤں۔ (آہ بھر کر) ....

مگر اب تو اس سے بھی کچھ تسکین نہیں ہوتی ....

عذرا :۔ شراب تو اُسے پینا چاہیے جسکے لئے محبت کا نشہ کافی نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ کی محبت میں خامیاں باقی ہیں۔

ممتاز :۔ اگر مہ جبین سب کے لئے سنگدل اور جفاکیش ہوتی تو خیر اپنے دل کو کسی نہ کسی طرح سمجھا لیتا مگر ستم تو یہ ہے کہ اس کا دل ایک ایسا پتھر ہے جس سے ایک نہایت ہی سچی اور بے غرض محبت کا چشمۂ شیریں جاری ہے۔

عذرا :۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اس پتھر سے محبت کا چشمۂ شیریں نکالنے والا کون خوش نصیب ہے؟

ممتاز :۔ (کسی قدر خشونت آمیز لہجے میں) وہ جس کو میں اپنا سب سے بڑا دوست سمجھتا تھا اور جس کو اب میں اپنا سب سے بڑا دشمن خیال کرتا ہوں۔

عذرا :۔ یعنی؟

ممتاز :۔ انور!......

عذرا :۔ (انتہائی تعجب سے) انور؟ ... نہیں ... نہیں! انور ایسا وفا شعار اور دوست پرست شخص کبھی آپ کا دشمن نہیں ہو سکتا۔ اگر انور آپ کا دشمن ہو جائے تو میں قسم کھا جاؤں گی کہ دنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اگر انور آپ کے خلاف ہو جائے تو میں سمجھونگی کہ دنیا سے دوستی اٹھ گئی۔ وفاداری جاتی رہی۔ خلوص ناپید ہو گیا۔ احسانمندی فنا ہو گئی کیونکہ انور دوستی اور وفاداری کا مجسمہ اور خلوص اور احسانمندی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

ممتاز :۔ مگر تم نہیں جانتیں کہ عورت وہ بلائے بے درماں ہے جو اپنے کو بیگانہ، دوست کو دشمن اور انسان کو شیطان بنا دیتی ہے... اور مہ جبین ایسی ہی عورت ہے!! ایسی خوبصورت بلا کیلئے زاہد صد سالہ بھی اپنی روح ابلیس کے ہاتھ بلا تکلف بیچ ڈالے۔ اور انور تو ابھی محض ایک حسین ناتجربہ کار

لڑکا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عذرا:۔ مگر میں یہ نہیں سمجھی کہ اگر بفرض محال انور مہ جبین پر عاشق ہیں تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟

ممتاز:۔ میرا نقصان صرف یہ ہے کہ مہ جبین بھی انور پر فریفتہ ہے۔

عذرا:۔ تو اس میں انور کا کیا قصور ہے؟ کیا انور نے آپ کو دھوکہ دیکر اس کو زبردستی اپنا گرویدہ بنالیا؟

ممتاز:۔ نہیں مجھ کو انور سے یہ شکایت ہے کہ جب وہ جانتے تھے کہ میں مہ جبین کو چاہتا ہوں تو انہوں نے اُس کو چاہا کیوں؟

عذرا:۔ اور مجھ کو آپ سے یہ شکایت ہے کہ جب آپ جانتے تھے کہ مہ جبین انور کو چاہتی ہے تو خود آپنے اُسے کیوں چاہا؟ کیونکہ یہ آپ ہی کا مقولہ ہے اور بالکل صحیح مقولہ ہے کہ عورت محض ایک ہی شخص کو، اور صرف ایک ہی مرتبہ چاہتی ہے اور پھر اسکے بعد اس میں کسی دوسرے کو چاہنے کی قابلیت ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہے .... پھر آپ ہی بتائیے مہ جبین انور سے دل ہار جانے کے بعد آپ کو کیسے دل دے سکتی ہے؟

ممتاز:۔ مگر مہ جبین پہلے طوائف ہے اور اسکے بعد عورت!!

عذرا:۔ اور میں کہتی ہوں کہ مہ جبین پہلے عورت ہے اور اسکے بعد طوائف ہے.... کیونکہ اگر وہ صرف طوائف ہوتی تو محبت کی مشق کیلئے آپ سے بہتر کوئی نشانہ نہ تھا اور وہ انور کو ہرگز نہ چاہتی اور اگر چاہتی بھی تو بھی اس طرح ہرگز نہ چاہتی کہ آپ ایسے سونے کے انڈے دینے والی بطخ اس سے صرف شاکی ہی نہیں بلکہ بالکل مایوس ہو جائے۔

ممتاز:۔ مجھ سے بے رخی اور انور سے ملتفت ہونیکا اصلی راز یہ ہے کہ وہ بولی بڑھانا چاہتی ہے... اور میاں انور محض ایک شکار کھیلنے کی شئے ہیں۔

یہ اس کی بڑی بہن نے خود میرے سامنے اشارۃً کنایتہً اقرار کیا!

عذرا :۔ یہ تو محض آپ سے بولی بڑھوانے اور روپیہ وصول کرنے کی ایک دوسری ترکیب تھی تعجب ہے کہ آپ کا سا ہوشیار اور سیانا تاجر اتنا نہ سمجھ سکا اور پھر اگر مہ جبین کی محبت انور سے محض فرضی ہے جیسا کہ انکی ہمشیرہ کا خیال ہے تو آپکو تو انور سے کوئی شکایت ہونی چاہئیے۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ مہ جبین انور پر واقعی فریفتہ ہے تو بولی بڑھانیوالی شکایت غلط ہے اور اگر وہ غلط ہے تو آپکا مہ جبین کو چاہنا پتھر پر دآپ مارنا ہے تو پھر ایک بیکار چیز ایک غلط امید پر اپنی جان کھونا اور دولت پھونکنا کہاں کی دانائی ہے؟ اور یوں آپکو اختیار ہے جان آپ ہی کی ہے جس پر چاہے کھو جائیے دولت آپ ہی کی ہے جس پر چاہے گنوائیے آپنے اکثر کہا ہے کہ بیوی سے محبت نہیں بیوی سے صرف دوستی ہو سکتی ہے اور دنیا میں بیوی سے زیادہ ہمدرد۔ زیادہ مخلص۔ زیادہ قابل اعتماد کوئی دوست نہیں ہوتا لہٰذا میں نے بھی جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ کہونگی وہ محض بطور آپکی ایک سچی ہمدرد۔ قابل اعتبار اور مخلص دوست کے ..... لیکن اسکے یہ معنی نہیں اور نہ میرا یہ مطلب ہے کہ آپ خواہ مخواہ مہ جبین سے محبت کرنا چھوڑ دیجئے یا اسکے یہاں جانا ترک کر دیجئے میں نے صحیح یا غلط جو کچھ بھی میری سمجھ میں آیا آپکو نیک نیتی سے مشورہ دیدیا مگر میں اس پر اصرار نہیں کرتی کہ آپ اسکو ضرور مان ہی جائیں ....

ممتاز :۔ نہیں عذرا تم بڑی سمجھدار ہو اور بالکل سچ کہتی ہو۔ میں بھی تا سمجھی کر رہا ہوں۔ مگر میں کیا کروں .... میں عقل سے باغی اور دل کا فرمانبردار بندہ ہو رہا ہوں... آجکل میری عقل معزول ہے اور میرا دل مجھ پر حکومت کر رہا ہے

خوب جی بھر کے ہو لئے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

عذرا :۔ (مسکرا کر) مرض کی ترقی یا اسکے بحران کے وقت دوا کا استعمال عموماً بیکار ہوتا ہے۔ صرف مرض گھٹنے کے وقت دوا اپنا کام کرتی ہے مجھ سے غلطی ہوئی میں نے اس وقت آپ کو دوا لا دینے کی کوشش کی !!

ممتاز :۔ عذرا تمہیں نہ جبین پر فریفتہ پا کر تمہیں آخر حسد کیوں نہیں ہوتا۔ اگر تم حسد کرتیں تو مجھے اچھا معلوم ہوتا ....

عذرا :۔ ہاں ممکن ہے۔ مگر مجھے تو تکلیف ہوتی .... اور پھر عورت کے حسد کر لینے سے گو اس کی محبت کا تو ضرور پتہ چل جاتا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی حماقت کا اظہار ہو جاتا ہے۔

ممتاز :۔ حماقت کیوں؟ حماقت کیسی؟

عذرا :۔ اگر میرا شوہر مجھ سے زیادہ کسی اور کو چاہتا ہے تو یہ میرے شوہر کا اتنا قصور نہیں جتنا کہ خود میرا قصور ہے !!

ممتاز :۔ تمہارا قصور؟ کیوں تمہارا قصور کیوں؟

عذرا :۔ اگر مجھ میں کوئی خرابی نہ ہوتی تو وہ مجھے نظر انداز کر کے کسی اور کو چاہتا ہی کیوں؟ مجھے حسد کرنے یا رونے یا شور مچانے کا کوئی حق نہیں... کیونکہ... محبت تلوار اور ظلم کے زور سے نہیں ہوتی۔ محبت زبردستی اور حکومت سے نہیں ہوتی ..... محبت صرف کامل آزادی ہی کی فضا میں نشو و نما پا سکتی ہے محبت صرف آزادی کے گہوارے میں پل سکتی اور زندہ رہ سکتی ہے۔ محبت ایک آقا اور ایک لونڈی۔ ایک ملکہ اور ایک غلام میں نہیں ہو سکتی۔ محبت صرف ان دو شخصوں میں ہو سکتی ہے جو بالکل آزاد ہوں۔ جو محبت بادشاہ جاہ سے حاصل کی جائے اُسے محبت کہنا کھلی ہوئی غلطی ہے محبت میں ہر ایک فریق کو کامل آزادی ملنا چاہیئے ہر فریق کو یہ اختیار رہنا چاہیئے کہ جس وقت وہ محسوس کرے کہ اس کی

محبت ختم ہوگئی وہ اپنا تعلق فوراً منقطع کر لے۔ یہ کوشش نہایت ہی مہمل اور بے سود ہوتی ہے کہ کسی فریق کو اسکی مرضی کے خلاف محبت کرنے یا محبت قائم رکھنے پر مجبور کیا جائے۔

ممتاز:۔ کون مرد ہے جو عورت کو محبت کے معاملہ میں مکمل آزادی دینے پر راضی ہوگا؟

عذرا:۔ ہر وہ مرد جو اپنے لئے مکمل آزادی کا دعویدار ہو!!

ممتاز:۔ مگر یہ تو مردوں کا بہت پرانا اور مسلّمہ حق ہے۔

عذرا:۔ کس مذہب میں اور کس شریعت میں؟ اگر کسی مذہب یا کسی شریعت میں مردوں کو یہ حق دیا گیا ہے تو وہ مذہب غلط اور وہ شریعت جھوٹی ہے

ممتاز: حقیقت تو یہ ہے کہ عصمت اور عفت۔ شرم و حیا قدرت نے عورتوں ہی کیلئے مخصوص کی ہیں۔

عذرا:۔ تو کیا بے شرمی اور بے حیائی۔ آوارگی اور بداطواری قدرت نے مردوں کیلئے مخصوص کی ہیں؟

ممتاز:۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ صفتیں مردوں کو زیب دیتی ہیں مگر یہ ضرور کہونگا کہ ابتداء زمانہ سے سوسائٹی میں جس قدر گرفت ان باتوں میں عورتوں کی ہوتی ہے مردوں کی نہیں ہوتی۔

عذرا:۔ کیا مردوں کے پیغمبر اور ہیں اور عورتوں کے پیغمبر اور ہیں؟ کیا مردوں کا مذہب اور ہے اور عورتوں کا مذہب اور ہے؟ اور اگر خدا اور پیغمبر اور مذہب مردوں اور عورتوں کیلئے دو نہیں بلکہ ایک ہی ہیں تو معیارِ اخلاق بھی دونوں کیلئے ایک ہی ہے دو نہیں ہو سکتے!!........

ممتاز: ممکن ہے کہ کتابوں میں یہی ہو مگر سوسائٹی میں دونوں کا معیار اخلاق

ہرگز ایک نہیں۔ اور نہ ہزاروں برس سے آج تک کبھی ایک رہا۔

عذرا:۔ یہ تو سوسائٹی کے وہ بے حیا سخت جان جھوٹ ہیں جن کو مٹانے کیلئے کتنے پیغمبر، کتنے اوتار، کتنے مذہبی اور اخلاقی مجدد آئے اور چلے گئے مگر وہ ابتک زندہ ہیں اور فنا نہیں ہوئے حالانکہ ان کو فنا کر دینا تہذیب و انسانیت کا پہلا مطالبہ اور اہم ترین فرض ہے اور ہونا چاہیئے!!

ممتاز:۔ ہاں ہاں محراب و منبر سے یہ تقریر بہت مؤثر ہوگی مگر عملیات کی دنیا میں ایسی تقریر کا نہ آجتک کوئی اثر ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا کیوں کہ تمہارے خوبصورت اصولوں کی بہت بڑی خامی یہ ہے کہ جب وہ فطرت کے صحیح مطالبات اور امتیازات سے دو بدو ہوتے ہیں اور ان سے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے تو وہ ان کو چالاکی سے نظر انداز کر دیتے ہیں!!!

عذرا:۔ اگر نفس امارہ کے مطالبات فطرت کے مطالبات ہیں تو بیشک میرے خوبصورت اصول ان مطالبات کا جواب سوائے ان کو حقارت سے نظر انداز کر دینے کے اور کچھ نہیں دے سکتے ....

ممتاز:۔ (مسکرا کر) اچھا خیر ہوگا بھی جانے دو یہ قصے ان میں رکھا ہی کیا ہے چلو تم ہی جیتیں اور ہم ہارے۔ مگر مجھ کو تم سے اس وقت ایک اور معاملہ میں مشورہ کرنا ہے۔ میری عقل تو کام کرتی نہیں۔ ممکن ہے تم ہی مجھے کچھ مدد دے سکو۔

عذرا:۔ وہ ایسی کیا بات ہے معلوم تو ہو۔

ممتاز:۔ وہ یہ کہ آجکل انور کی مصروفیتیں اور دلچسپیاں کیا ہیں اور کس قسم کی ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے خلاف کوئی بڑی گہری سازش کر رہا ہے میں نے سنا ہے کہ اسکا ارادہ ہے کہ وہ مہ جبین کو کہیں نہ کہیں غائب کر دے

عذرا:۔ میں انور کو ایسا ذلیل اور نامعقول شخص نہیں سمجھتی جس نے آپ سے یہ کہا ہے وہ جھک مارتا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اگر وہ شخص احمق نہیں تو بے ایمان ضرور ہے۔

ممتاز:۔ نہیں عذرا، تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ محبت انسان کو بڑا خود غرض بنا دیتی ہے۔ اور خود غرضی تمام برائیوں کی ماں ہے!!

عذرا:۔ اور آپ تو کہتے تھے کہ مرد کو محبت ہوتی ہی نہیں محض ایک عارضی جوش ہوتا ہے۔ اور محبت میں فاقہ کشی بہترین نسخہ ہے اور ناکامی اس کا بہترین انجام ہے۔ اب یہ سب اصول آپکے کیا ہوئے۔ کیا آپ انہیں بھول گئے۔ یا یہ اصول ہی سرے سے سب غلط تھے.......

ممتاز:۔ نہیں اصول تو سب صحیح تھے مگر ہم غلط تھے۔ خرابی اصولوں میں نہ تھی خرابی ہم ہی میں تھی اور ہماری کمزور فطرت میں!!........ (دفعتاً اپنی رسٹ واچ دیکھ کر)...... اوہ! ۱۲ ½ بج گئے...... بڑی دیر ہو گئی مجھے اب دفتر جانا چاہیئے..... (اُٹھ کر)..... تم کہیں آج جاؤ گی؟

عذرا:۔ جی ہاں، اگر جی چاہا تو شاید آج کشور کے یہاں چلی جاؤں..... مگر کوئی ٹھیک نہیں ہے۔

ممتاز:۔ اں ہاں ضرور چلی جانا کچھ دیر کیلئے تمہارا دل بہل جائے گا۔

عذرا:۔ (کسی قدر طنز سے) آپ کو میرے دل کے بہلنے کی کیوں اس قدر فکر ہے؟!!!.........

ممتاز:۔ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو!

عذرا:۔ (طنزاً مسکراتے ہوئے) جی ہاں غالباً جو کچھ آپ کر رہے ہیں یا کرتے ہیں وہ سب میری ہی خوشی کے لئے تو کرتے ہیں۔!

ممتاز :۔ (مخلصانہ لہجے میں) عذرا تم کو یقین نہ آئے گا مگر میں سچ کہتا ہوں اور خدا میرا گواہ ہے کہ جب تک جنونِ عشق کا دور دورہ رہتا ہے اس وقت تک تو میں تم سے ضرور بے خبر رہتا ہوں مگر جب مجھے ہوش آجاتا ہے تو عذرا دنیا میں تم سے زیادہ ہمدرد خیراندیش دوست مجھے کوئی نظر نہیں آتا...... میں تم سے اس معنی میں تو محبت نہیں کرتا کہ میں تمہارے لئے آہیں بھروں' نالے کروں بیقرار رہوں۔ مگر خدا شاہد ہے کہ عذرا بغیر تمہارے میں زندہ بھی نہیں رہ سکتا مجھے اس زندگی کے خیال سے سخت وحشت معلوم ہوتی ہے جس میں تم میری شریک اور ہمسفر نہ ہو۔ حسینوں کی صحبت میں میرے دل کی لذیذ ہیجانی کیفیت اس پیاسے مسافر کی سی ہوتی ہے جو عرب جلتے ہوئے ریگستان میں آفتاب کی گرم اور تیز شعاعوں کے نیچے ایک دور دراز چمکتے ہوئے چشمے کی جستجو میں بغیر رکے ہوئے چلا جارہا ہو...... اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا جاتا ہے وہ چمکتا ہوا چشمہ جو درحقیقت محض ایک سراب ہے پیچھے ہٹتا جاتا ہو!!.........

برعکس اس کے پیاری عذرا تمہاری صحبت میں میرے دل کی پُر سرور و پر سکون کیفیت اس تھکے ہوئے مسافر کی سی ہوتی ہے جو اپنے گھر پہنچکر تاروں بھرے آسمان کے نیچے چاندنی رات میں دریا کے سنسان کنارے پر خوشگوار ہوا میں ٹھنڈے ٹھنڈے نرم نرم سبزے پر کسی سچے دوست کے زانو کو تکیہ بنا کر اطمینان سے لیٹا ہوا ہو اور چاند کو ٹکٹکی لگائے ہوئے ایک عالم سرور و محویت میں دیکھ رہا ہو.........

عذرا :۔ (مسکرا کر) باتیں تو آپ کی ہمیشہ لاجواب ہوتی ہیں مگر اس بدگمان دل کو کیا کروں کہ اسے ان پر اعتبار نہیں آتا۔

کچھ طرزِ ستم بھی ہے، کچھ اندازِ وفا بھی
کھلتا نہیں حال انکی طبیعت کا ذرا بھی

ممتاز :۔ میں کوئی معمہ نہیں ہوں جسے تم عمر بھر حل نہ کر سکو۔ میں ایک کھلی ہوئی

کتاب ہوں جس کو تم ہر وقت پڑھ سکتی ہو۔ اور سمجھنا چاہو تو سمجھ سکتی ہو۔

ہوں وہ مضمون کہ مشکل ہے سمجھنا میرا
کوئی مائل ہو سمجھنے پہ تو آسان ہوں میں

شراب تو مجنونانہ لمحوں کی محض ایک عارضی تفریح ہوتی ہے۔ شراب سے تو صرف چند مختصر لمحے لطف سے گزر سکتے ہیں۔ ساری عمر شراب پر بسر نہیں ہو سکتی عمر تو صرف صاف، پاکیزہ، ٹھنڈے اور شیریں پانی ہی پر بسر ہو سکتی ہے اسی طرح تھیٹر اور سینما کی مثال ہے کہ انہیں آدمی بڑے شوق سے دیکھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تماشا اور اس کا سارا قصہ بالکل مصنوعی اور غیر حقیقی ہے ان سے اسکو محض ایک وقتی دلچسپی اور مسرت ضرور ہوتی ہے۔ مگر کوئی انسان اپنی ساری زندگی تھیٹر یا سینما کے اندر یا شراب خانے میں گزارنا پسند کر سکتا ہے۔ فطرتاً گزار سکتا ہے!! سچی اور حقیقی خوشی اُسے سچی اور حقیقی زندگی اور روزمرہ سادی دلچسپیوں ہی میں ہوتی ہے اور ان ہی میں ہو سکتی ہے!........

عذرا! دیکھو برائے خدا تم میری عارضی لغزشوں اور ہنگامی تفریحوں سے یہ غلط نتیجہ نہ نکالو کہ مجھے ان ہی میں منہمک رہنے کا شوق ہے اور تمھاری ضرورت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بغیر تمھارے میرے لئے سچی خوشی اور حقیقی سکون بالکل محال ہے!!! تم میرے ان متضاد جذبات کا یقین نہ کرو یہ اور بات ہے مگر میں سچ کہتا ہوں........

اظہارِ محبت پہ ہنسی آتی ہے ہنس لو
تم نے ابھی تاثیرِ محبت نہیں دیکھی

یہ کہکر ممتاز کمرے کے باہر چلا گیا... اور عذرا اپنی خوبصورت اداس آنکھیں معمول سے زیادہ کھولے ممتاز کے آخری جملوں پر دیر تک بیٹھی ہوئی غور کرتی رہی........

اٹھارواں باب

خوب اُمیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب
بدلیاں اُٹھیں مگر بجلی گرانے کے لئے

رات کے آٹھ بجے تھے۔ انور اپنے بنگلے کے برآمدے میں کشور سے باتیں کر رہا تھا۔ زہرہ جمال بھی گفتگو میں حصہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً ایک نوعمر لڑکا ۱۶ یا ۱۷ برس کا سانولا رنگ۔ نکیلی نقشہ۔ شلوار اور کوٹ پہنے اور صافہ سر پر باندھے۔۔۔ انور کے قریب آیا اور عورتوں کی سی آواز میں اس نے نہایت مہذب طریقے سے انور سے کہا۔

میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے دو منٹ دے سکتے ہیں؟"

انور بجلی کی روشنی میں اس کی صورت تعجب سے دیکھنے لگا کشور اس کی آواز سے چونک کر اس کو مشتبہ نگاہوں سے گھورنے لگی۔ اور زہرہ بھی خاموشی سے اس لڑکے کا سراپا بڑے غور سے دیکھنے لگی۔

انور۔ (کچھ دیر تک لڑکے کی صورت دیکھ کر)۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ (کشور سے) ذرا مجھے دو منٹ کے لئے معاف کرنا۔

کشور۔ (اضطراقاً) ہاں ہاں! ضرور!۔۔۔۔

لڑکا، انور کو اپنے ساتھ تقریباً ۲۰ قدم کے فاصلہ پر ایک درخت کی آڑ میں لیجا کر اس سے یوں مخاطب ہوا۔

"آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔۔۔۔ میں چمپا ہوں اور مہ جبین نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور (کوٹ کے جیب سے ایک خط نکال کر) یہ خط دیا ہے۔۔۔۔ اور جواب بہت جلد مانگا ہے۔۔۔۔

انور :۔ (خط لیکر) مگر تم اس طرح بھیس بدل کر کیوں آئیں ؟

چمپا :۔ مجبوری سے، صبح یہی خط ایک لڑکے کے ہاتھ بھیجا تھا مگر آپ تھے نہیں وہ خط لیکر واپس چلا آیا۔ اس وقت مہ جبین نے اصرار کیا کہ میں ہی ان کی نامہ بر بنوں۔ کیا کرتی۔ آنا ہی پڑا۔ مگر بھیس بدل کر آئی۔ تاکہ آپ کی بیگم صاحبہ کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو..........

انور :۔ جواب کب تک دینا ہے ؟

چمپا :۔ جلد سے جلد اور آج ہی رات کو۔ ورنہ پھر مجھے شاید آنے کا موقع نہ ملے

انور :۔ (خط جیب میں رکھکر) گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے میں اس کا جواب نہ دیسکوں گا۔ اور تم مجھے ملو گی کہاں ؟

چمپا :۔ آپ کے بنگلے کے پھاٹک کے پاس۔ آپ سیٹی دیجئے گا۔ میں آجاؤنگی۔

انور :۔ ممکن ہے کچھ دیر ہو جائے۔

چمپا :۔ کوئی پرواہ نہیں۔ میں رات بھر انتظار کر سکتی ہوں۔

انور :۔ اچھا تو جاؤ!...... ایک گھنٹے کے بعد پھاٹک کے قریب میرا انتظار کرنا۔ یہ کہکر انور برآمدے کی طرف واپس آیا اور چمپا چلی گئی

یہاں انور کی غیر حاضری میں کچھ اور ہی کھچڑی پک رہی تھی...... زہرہ ایسا موقع کب ہاتھ سے جانے دیتی بولی آپنے اس لڑکے میں کوئی خاص بات دیکھی ؟

کشور :۔ ہاں اس لڑکے کی آواز کچھ زنانی سی معلوم ہوتی ہے ؟

زہرہ :۔ "کچھ زنانی" کی بھی خاصی رہی...... آپکو معلوم ہے یہ لڑکا نہیں تھا یہ عورت تھی۔ مرد کا بھیس بدلے ہوئے !!

کشور :۔ نہیں بہن تم نے بھی کمال کیا...... کوئی پنجابی لڑکا ہے !! تم نے اسے عورت بنا دیا

زہرہ : پنجابیوں کے چہرے ایسے زنانے نہیں ہوتے۔ اور ان کے ہاتھ پیر

اس قدر چھوٹے چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ پنجابی اکثر ہاتھوں
میں مہندی نہیں لگاتے........

کشور :- کیا اس کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی تھی۔؟

زہرہ :- تعجب ہے کہ آپ نے دیکھی نہیں.......وہ تو صاف معلوم ہوتی تھی مگر ہاں کئی دن کی لگی ہوئی تھی۔

کشور :- (بڑے تعجب سے) تو کیا واقعی وہ مرد کے بھیس میں عورت تھی؟

زہرہ :- یقیناً اس میں بھی کوئی شک ہو سکتا ہے۔؟

کشور :- (کسی قدر متفکر اور پریشان ہو کر) اسکے کیا معنی؟ ایک تو عورت کا مرد بنکر آنا اور پھر اس کا انور کو الگ لیجا کر خفیہ طریقے سے باتیں کرنا........ یہ تو کوئی بڑا گہرا راز معلوم ہوتا ہے.........

زہرہ :- بیشک.... صبح کو جو لڑکا خط لایا تھا وہ یہاں سے نکل کر مہ جبین کے بنگلے کی طرف گیا تھا اور یہ عورت بھی مہ جبین کی بھیجی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور وہی صبح والا خط لیکر آئی ہے.... یا شاید کوئی اور زبانی پیام ہو۔

کشور :- ہاں معلوم تو ہوتا ہے.... مگر.... انور.... مجھے انور سے یہ امید نہیں

زہرہ :- بس آپ تو مسٹر انور کو ولی یا جاتا ہی نہیں بلکہ خدا کا اوتار سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ محض اور مردوں کی طرح ایک مرد ہیں.... اسلئے عورتوں کے ساتھ بیوفائی اور دغابازی کرنا ان کا مذہب ہے.... شکسپیر نے ہیملٹ میں کہا ہے بیوفائی تیرا نام عورت ہے...." مگر ہیملٹ کسی عورت نے لکھا ہوتا تو ہم اس میں یہ جملہ پڑھتے "بیوفائی تیرا نام مرد ہے...." مردوں سے زیادہ بیوفا اور خود غرض خدا کی خدائی میں کوئی مخلوق نہیں.... جانور وفادار ہوتے ہیں مگر مرد وفادار نہیں ہوتے۔ مردوں کی لغت میں لفظ وفا ہے ہی نہیں.... عورتوں کو دھوکا دینا اور بیوقوف بنانا اور

ان سے بیوفائی اور دغابازی کر کے ان کا دل توڑ دینا تو مردوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے
مگر پھر بھی عورتیں ہیں کہ ان کے لئے جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتی ہیں۔
وہ دیکھئے حضرت واپس آ رہے ہیں۔۔۔ آپ کچھ نہ بولئے گا میں اُن سے ذرا تھوڑی
سی جرح کرونگی۔۔۔۔۔ ابھی آپ کے دیوتا کے سارے جوہر کھل جائیں گے۔"

کشور:۔ (دل پر ہاتھ رکھ کر) مجھے تو اختلاج ہو رہا ہے۔ اور میرے جسم میں
ایک عجیب سنسنی سی معلوم ہوتی ہے (آہستہ) میں تو اس وقت کچھ پوچھنا بھی چاہوں
تو نہیں پوچھ سکتی۔

زہرہ:۔ صورت تو دیکھئے کیسی فرشتوں کی سی ہے مگر سیرت۔۔۔۔ (انور
سے مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے)۔۔۔ وہ تو میں بھول ہی گئی۔۔۔ صبح جب آپ
دفتر چلے گئے تھے تو ایک لڑکا آپ کے نام ایک خط لایا تھا مگر چونکہ آپ تھے نہیں
اس لئے وہ خط واپس لے گیا۔۔۔۔ غالباً وہی خط آپ یہ لڑکا لایا ہے؟۔۔۔۔۔

انور:۔ (بغیر جھجکے ہوئے) جی ہاں۔۔۔۔ وہی خط ہے۔۔۔۔ کیا آپ
اس کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتی ہیں؟

زہرہ:۔ (جھینپ کر)۔۔۔۔ جی نہیں۔۔۔۔ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہی
کیا ہے؟ میں نے تو صرف اطلاعاً آپ سے عرض کیا تھا۔۔۔۔۔

انور:۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ میں سمجھا شاید آپ کو میرے خطوں سے کوئی
خاص دلچسپی ہے۔"

بیچاری زہرہ کی جرح کرنے کی قابلیت کا انور کے ایک جملے سے خاتمہ بالخیر
ہو گیا اور وہ اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے دفعتاً اپنا گلا صاف کرنے لگیں۔
پھر بولیں (کشور سے)

آج آپ پکچر نہ چلئے گا۔۔۔۔ نو تو بج گئے ہونگے۔۔۔۔۔۔"

کشور: نہیں آج نہیں! آج تو کہیں آنے جانے کو میرا جی نہیں چاہتا۔

انور:۔ (کشور سے اخلاقاً) میں ذرا ابھی آیا۔۔۔۔۔

کشور نے کچھ جواب نہیں دیا، اور انور اپنے کمرے میں چلا گیا۔۔۔

زہرہ:۔ (کشور کے قریب اپنی کرسی کھینچکر راز کے لہجے میں)۔۔۔ دیکھا آپ نے۔۔۔ چوری اور اس پر سینہ زوری۔۔۔۔ اب جا رہے ہیں خط پڑھنے!

کشور:۔ (جھنجھلا کر)۔۔۔۔ تو میں کیا کروں! کیا ان کو اپنے خط پڑھنے کا اختیار نہیں۔۔۔۔ یا میں ان کی اتالیق ہوں؟

زہرہ:۔ ہاں مگر کیسا خط؟

کشور:۔ (اسی لہجہ میں) کیا معلوم کیسا خط؟ ممکن ہے کہ اس میں کچھ بھی نہ ہو۔۔۔! زبان سے تو وہ یہ کہہ رہی تھی مگر دل اس کا عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا وہ اپنے خشک ہونٹوں کو اپنی خشک زبان سے بار بار تر کرتی تھی کبھی ادھر دیکھتی اور کبھی ادھر مگر زہرہ سے آنکھیں ملانے کی اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی اس خوف سے کہ کہیں زہرہ اس کے دل کی بات نہ تاڑ جائے

زہرہ:۔ (دوسرے طریقے سے حملہ کر کے)۔۔۔۔ مسز انور۔۔۔ کیا مجھے آپ اپنا سچا ہمدرد اور مخلص دوست نہیں سمجھتیں۔؟

کشور:۔ یہ تم سے کس نے کہا کہ میں نہیں سمجھتی۔۔۔ مگر تم یہ کیوں پوچھتی ہو؟

زہرہ: اس لئے کہ آپ میری سنتی نہیں۔۔۔۔ اور مجھ سے یہ دیکھا نہیں جاتا

کشور:۔ کیا دیکھا نہیں جاتا؟

زہرہ:۔ (آنکھوں میں مصنوعی آنسو لا کر) کہ آپ اپنی سادگی اور خلوص سے کسی پر جان و مال نثار کریں اور وہ آپکی سادگی اور اعتبار کا ناجائز فائدہ اٹھا کر آپ کا روپیہ ایک طوائف کی عشق بازی میں پھونکے اور برباد کرے!!

کشور: مگر اس کا ثبوت؟

زہرہ: پھر وہی بات! ثبوت! ثبوت کے معنی یہ نہیں کہ ہر چیز کو اپنی آنکھوں ہی سے دیکھا کیجئے۔ اپنے کانوں ہی سے سن لیجئے تب ہی ثبوت ہو۔ ورنہ ثبوت نہیں!! اور اگر یوں ہی ثبوت پر آپ کو اصرار ہے تو میں آپ کو یاد دلاتی ہوں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر سال آپ کے موٹر کے کاروبار میں لاکھ سوا لاکھ کا منافع ہوتا تھا اور اب کی سال صرف پندرہ ہزار کا منافع ہوا؟

کشور: اس کی وجہ ایکسچینج کی خرابی اور تجارت کا موجودہ رویہ ہے!!

زہرہ: (الفاظ پر زور دیکر) اسکی وجہ دل کی خرابی اور زہرہ جبین کی محبت کا دور ہے

کشور: یہ تمہاری بیجا بدگمانی ہے!!

زہرہ: نہیں یہ آپ کی بیجا خوش اعتقادی ہے!.......

کشور: مجھے ابتک اس کا یقین نہیں کہ نور جبین کے ولداوہ میں یا ہو سکتے ہیں!

زہرہ: اور اگر میں اس کا ثبوت دے دوں تو؟

کشور: تم غلط کہتی ہو تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں!!!

زہرہ: میں سچ کہتی ہوں کہ میرے پاس ایسا ثبوت موجود ہے کہ جس سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے!!

کشور: (حیران ہو کر پرجوش لہجے میں)... بتاؤ بتاؤ! کیا ثبوت ہے! لاؤ... میرے سامنے پیش کرو!!... (آواز بلند کر کے) اور اگر تم نے ثبوت پیش نہ کیا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا.......

زہرہ۔ (لہجہ بدل کر) میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں... اور معافی چاہتی ہوں۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں.......

کشور: یہ کیا؟

زہرہ :- (غم آلو د لہجے میں) میں نے غلطی کی کہ میں نے وفاداری کو مصلحت پر مقدم رکھا۔ آپ مسٹر انور کو بہت چاہتی ہیں آپ کی گہری اور سچی محبت یہ گوارا نہیں کر سکتی تو آپ مسٹر انور کے خلاف کوئی بات ٹھنڈے دل سے سن سکیں۔۔۔ اور میں بہت بڑی احمق تھی کہ میں نے ان کے خلاف کچھ کہنے کی جرات کی۔۔۔ میری راستی فتنہ انگیز ثابت ہوئی۔ مجھے دروغ مصلحت آمیز سے کام لینا چاہئے تھا۔۔۔

کشور :- (نرم ہو کر)۔۔۔ نہیں۔۔۔ زہرہ! مجھے معاف کرنا۔۔۔ میری آواز نادانستہ کسی قدر بلند ہو گئی مجھے افسوس ہے کہ تمہیں صدمہ پہنچا۔

زہرہ :- (سر جھکا کر اور رومال سے دو فرضی آنسو پونچھ کر غم آلو د لہجے میں) ۔۔۔ نہیں۔۔۔ معافی کس بات کی؟۔۔۔ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں اور خود آپ سے معافی کی خواستگار ہوں۔۔۔

یہ کہہ کر زہرہ خاموش ہو گئی اور اس نے اپنے رومال سے کئی مرتبہ اپنی آنکھیں اس طرح پونچھیں کہ وہ واقعی سرخ ہو گئیں۔

کشور :- (اپنی کرسی زہرہ سے ملا کر اور زہرہ کے گلے میں باہیں ڈال کر)۔۔۔ نہیں میری زہرہ۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ للہ رو و نہیں!۔۔۔ مجھے تمہارے آنسو سے تکلیف ہوتی ہے!!

بڑی بڑی مشکلوں سے مس زہرہ جمال راہ پر آئیں اور بیچاری کشور اپنی عارضی برافروختگی پر بہت نادم ہوئی۔۔۔

بات جہاں تھی وہیں کی وہیں رہ گئی۔۔۔ صرف کشور کے دل کی کشمکش اور خلش اور حقیقت دریافت کرنے کی خواہش اور تکلیف پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ گئی۔۔۔ اور یہی مس زہرہ جمال کا دلی مقصد تھا!!۔۔۔

کشور کے دل کی حالت قابل رحم تھی ادھر شبہات اور شکوک کی یورش لمحہ بہ لمحہ

بڑھتی جاتی تھی۔ ادھر ایلی اپنی اور گھری محبت پیدا کرنے پر مجبور کرتی تھی کہ اسے محبوب کے پاک دامن پر کوئی دھبے بھی ہو سکتے ہیں ....

ایک تو طبعاً شکی اور وہمی واقع ہوئی تھی پھر مردوں کے خلاف ممتاز اور زہرہ نے اس شدومد سے جہاد کیا تھا کہ اس کے دل و دماغ نے نادانستہ اس کا بہت کچھ اثر قبول کر لیا تھا۔ اس پر ممتاز کی یہ چین پر فریفتگی جس کا اب گھر گھر چرچا ہو گیا تھا۔ تمام الزامات کا عملی ثبوت بن گئی۔ اور جو کچھ رہا سہا اعتقاد اس کا مردوں پر کافی تھا وہ انور کے مشتبہ طرز عمل کی نذر ہو گیا۔

کئی مرتبہ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ انور سے خط کے متعلق دریافت کرے مگر اسکی ہمت نہیں پڑی۔ علاوہ اس کے اس کو یہ خیال بھی ہوا کہ انور کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے کا اسے حق ہی کیا ہے؟ نہ انور اس کا شوہر تھا اور نہ اس نے کبھی اس سے اظہار عشق کیا تھا پھر وہ کس حیثیت سے انور کو کسی جوابدہی پر مجبور کر سکتی تھی.... ساتھ ہی اسکے وہ انور کی محبت میں اس درجہ ڈوبی ہوئی تھی کہ وہ انور کو اپنا سمجھنے لگی تھی اسکے دل میں یہ گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ انور کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے۔ انور اسکی زندگی میں اس قدر دخیل ہو گیا تھا کہ بغیر انور کے زندگی کا تصور کرنا ہی اسکے لئے محال ہو گیا تھا۔ اسکو یقین تھا کہ اگر اس کی دنیا سے انور نکل جائے تو قیامت آجائے۔ اسکے دل کی کیفیت کچھ ان اشعار میں منعکس تھی

اے بے تو خراب زندگانی — درجہ تو حیات جاودانی
بے یار تو زیستن محال است — بے عشق تو ہیچ زندگانی

زہرہ کی بیش زنی نے اس کے دل میں اک آگ سی بھڑکا دی تھی۔ اس کے خیالات اور جذبات میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی۔ زہرہ ایک ہوشیار مکڑی کی طرح کشور کے ارگرد ایسا جال بن رہی تھی اگر کشور چاہے بھی تو اس جال سے نکل نہ سکے......

درحقیقت زہرہ نے فریب کو ایک فن بنا لیا تھا........

انور نے اپنا کمرہ اندر سے بند کرکے مہ جبین کا خط کھولا خط کا مضمون یہ تھا۔

حالِ دل کہنے کو ہوں اُن سے میں آج بہ رشک
بجلیاں ٹوٹ کے بھر دے مرے افسانے میں

میرے پیارے بیوفا انور!

خدا تمہیں اور تمہارے حسن اور ستم شعاری کو ہمیشہ سلامت رکھے! ادل نے آمرا کیا۔ بے بسی نے سفارش کی ہے۔ محبت نے مجبور کیا تب میں نے تمہیں خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ میں جانتی ہوں کہ اس کا تم پر کوئی اثر نہ ہوگا! اور پھر بھی تم کو لکھ رہی ہوں۔ وارفتگی اسی کا نام ہے!! میں جانتی ہوں کہ تم میری پروا نہیں کر سکتے اور پھر بھی میں تم پر مٹی جاتی ہوں۔ دیوانہ پن اسی کو کہتے ہیں!!

نہ تم کو ہوش ہے مستی میں کچھ تغافل کا
مجھ سے اپنی محبت چھپائی جاتی ہے

تم کہوگے تم مجھ سے محبت کرنے والی ہی کیون ہو؟ میں کہونگی کیسے نہ کروں! تم کہوگے ایک طوائف کی لڑکی ہو کر تمہیں ایک شریف شخص سے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں" میں کہونگی محبت کی دنیا میں ذات پات نہیں دیکھی جاتی۔ چھوت چھات کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ "دیں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست" میں تمہیں نہیں چاہ رہی ہوں یہ میرے بس کی بات نہیں تم مجھے چاہنے سے روکو ورنہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ میں بھی مجبور ہوں تم بھی مجبور ہو۔ تم اپنے حسن سے میں اپنے عشق سے نہ حسن تمہارے اختیار میں ہے۔ نہ عشق میرے اختیار میں۔

وہ مستِ نازِ حسن ہیں میں سرشارِ آرزو
وہ اختیار میں ہیں نہ میں اختیار میں

میں جانتی ہوں کہ تم کشور سلطانہ سے دل ہار چکے ہو! تم ان کے عاشق ان کے دیوانے ..... وہ شمع ہیں اور تم ان کے پروانے ہو! ..... یہ بھی میں جانتی ہوں کہ نہ تم میرے ہو اور نہ میرے ہو سکتے ہو مگر اپنے بے حیا دل اپنی کمبخت طبیعت کو کیا کروں کہ جس قدر تم مجھ سے کھنچتے ہو اسی قدر میں تمہاری طرف کھنچتی ہوں ......

کیا قہر ہے جتنا کہ وہ جا بستے رکے ہے
اتنا ہی اسے چاہتا ہے دل اور زیادہ

واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو اپنے اوپر بالکل اختیار نہیں باقی رہا۔ تم کشور کے اختیار میں ہو اور میں تمہارے اختیار میں۔

محبت کیا ہے دل کا بیکس و مجبور ہو جانا
سکون و ضبط کی منزل سے کوسوں دور ہو جانا

تم کہو گے کہ مکر و فریب کی دنیا میں پلی ہو اس میں سچائی کہاں سے آسکتی ہے؟ میں کہوں گی اس میں تعجب کیا؟ کیونکہ دنیا میں عموماً ہر لطیف چیز کثیف چیز سے پیدا ہوتی ہے معمولی پانی کے ایک قطرے سے موتی۔ اور صبح کاذب سے صبح صادق پیدا ہوتی ہے

تم کو شاید تعجب ہو کہ میں تم کو کیوں یہ خط لکھ رہی ہوں مگر مجھے اس پر تم سے بھی زیادہ تعجب ہے۔ پھر سوچتی ہوں کہ تم کو نہ لکھوں تو اور کسے لکھوں؟ دنیا میں میرا کوئی چارہ ساز کوئی غمگسار۔ کوئی ہمراز۔ کوئی دوست نہیں اور جو اس کے دعویدار ہیں، وہی میرے سب سے بڑے دشمن ہیں، وہی میری دل آزاری اور بربادی کے درپے ہیں.....

اگر تم بھی میری دلجوئی اور مجھ سے ہمدردی نہ کرو گے تو پھر کون کرے گا؟

فغاں میں درد، دعا میں اثر نہیں آتا
جو تم نہیں ہے تو کوئی ادھر نہیں آتا

میں ایک عجیب دردناک عذاب میں مبتلا ہوں۔ باجی نے مجھے ممتاز کے ہاتھ فروخت

کرنے کی قسم کھائی ہے اور میں اُن سے بغاوت کرنے پر تلی ہوں!!

پیارے انور! تم نے میرے خیالات، میری طبیعت، میرے جذبات میں ایک حیرت ناک انقلاب پیدا کر دیا۔ تم نے میرے سامنے ایک سچا آئینہ رکھ دیا۔ میں نے اس میں اپنی تصویر دیکھی اور جو کچھ میں نے دیکھا اس سے میری آنکھوں اور میرے دل کو ایک نہایت سخت اور خلافِ امید صدمہ پہنچا۔ میں اپنے آپ کو بہت حسین سمجھتی تھی مگر اس آئینہ میں بجائے ایک خوبصورت چہرے کے مجھے ایک بہت ہی خراب کردہ اور گھنونی صورت نظر آئی جسے دیکھ کر مجھے اپنے آپ سے انتہائی نفرت پیدا ہو گئی۔

میرے پیارے انور! تم نے مجھ پر ایسا جادو کر دیا اور تمہاری نشہ انگیز آنکھوں نے مجھے ایسا مست و بیخود کر دیا کہ میں دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو گئی اور تمہارے ہاتھ بے دام بک گئی...... تمہاری محبت نے میری آنکھیں دفعتاً کھول دیں۔ مجھے خوابِ غفلت سے یکبارگی جگا دیا۔ اور میں اپنی ہستی سابق کو فنا کر کے اپنی جھوٹی، فریبی اور شیطان پرست دنیا کو خیرباد کہہ کر سچائی محبت اور خدا پرستی کی دنیا میں داخل ہوئی۔ گویا میں نے ایک نیا جنم لیا۔

اب وہ زماں نہ وہ مکاں اب وہ زمیں نہ آسماں
تم نے جہاں بدل دیا آ کے مری نگاہ میں

میں سمجھتی تھی کہ اس دنیا میں تم میرے ہمراز و ہمسفر ہو گے مگر یہ میری غلطی تھی میں نے اپنے آپ کو اس نئے آسمان اور نئی زمین پر بالکل یکا و تنہا پایا! تم مجھے اس نئی دنیا میں دھکیل کر کنارہ کش ہو گئے۔ اور تم نے مجھے اس نوعمری اور ناتجربہ کاری میں میری پرانی دنیا کے خوفناک اور زہریلے اژدہوں سے لڑنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا۔

یہاں بلائے شبِ غم وہاں بہارِ شباب
کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

پیارے انور! تم ہی میری نئی نویلی زندگی کے دیوتا ہو، تم ہی میرے غنچۂ شباب کے رنگین خوابوں کے شہزادے ہو...... میں نے اپنی ساری زندگی تم پر نثار کر دی ہے

ایں دلِ چاک چاک را یا ز کرم دوا بکن
یا قدرے فزوں ازیں تا نکنم دوا طلب

مانا کہ تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو کیا مجھ سے ہمدردی کرنے میں بھی تم کو انکار ہوگا؟ مانا کہ تم میرے رفیقِ زندگی نہیں ہو سکتے تو کیا میرے دشمنوں کے معاملے میں میری امداد کرنے سے بھی تم گریز کرو گے؟ کیا عام انسانی ہمدردی کے مطالبات کو بھی تم رد کر دو گے۔؟

ہماری ایک تمنائے دل، جنوں میں شمار
تمہارے لاکھ تغافل حجاب میں داخل

میں نے باجی سے صاف کہہ دیا کہ میں اُن کے مکان میں ہرگز نہ رہوں گی۔ اور جہاں میرا جی چاہے گا، چلی جاؤں گی۔ اس وقت سے انہوں نے مجھے دوسری منزل میں مقید کر دیا ہے۔ انہوں نے زینہ کے دروازوں میں قفل چڑھا دیے ہیں، تاکہ میں نیچے نہ جا سکوں اور نیچے اپنے سپاہیوں کا (جو سب ممتاز کے آدمی ہیں) پہرہ لگا دیا ہے......
صرف چمپا کو میرے ساتھ رہنے کی اجازت ہے وہ بھی صرف رات کو اور کبھی دو چار گھنٹوں کے لئے دن میں بھی۔ اور غالباً وہ چمپا کا میرے ساتھ رہنا بھی گوارا نہ کرتیں اگر چمپا اپنی حکمت عملی سے ان کو یہ باور نہ کرا دیتی کہ وہ تو تمہاری ہی خیر خواہ اور فرمانبردار ہے اور ان سب کارروائیوں سے باجی کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں ہار مان کر ان کی اطاعت قبول کر لوں حالانکہ یہ ان کی انتہائی حماقت ہے اور خدا نے چاہا تو قیامت تک ان کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائے گی۔!!

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی — یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟

اس قید میں میرے قلب و دماغ کی جو حالت ہو سکتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔۔۔
۔۔۔اگر تم بھی ایسی حالت میں میری مدد نہ کروگے تو پھر مجھے اپنی رہائی کی صرف ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ خودکشی کر لوں!!! اور خودکشی کر کے اس ناانصاف دنیا کے تمام جھگڑوں سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جاؤں۔

خدا جب پوچھے گا کیوں جان دی جوانی میں؟
دکھلا کے تجھ کو کہوں گی کہ اس جواں کے لئے

اور کیا لکھوں؟۔۔۔۔ چشم براہ ہوں۔ اللہ مجھ پر رحم کرو!

تجھے قسم ہے مرے صبر آزمانے کی
کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی

زخمی دل شکستہ

مہ جبین

انور نے خط ایک مرتبہ پڑھا! اور پھر پڑھا اور پھر پڑھا۔۔۔۔ پھر خط ہاتھ میں لئے ہوئے بہت دیر تک گم صم بیٹھا ہوا سوچتا رہا کہ اب وہ کیا کرے، اور اسے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔؟!

ریمیں:۔۔۔۔۔ بدنامی کا خیال کروں ؟ یا مہ جبین بدنصیب کی قابل رحم حالت کا؟
کون انسان ایسی عالی ہمت بہادر اور بلند خیال لڑکی کی مدد کرنے سے انکار کریگا؟۔۔۔۔
اگر وہ طوائف یا طوائف زادی ہے تو اس سے کیا؟ دنیا میں کسی کی قدر و منزلت اس کے نیشت نامے پر نہیں ہوتی بلکہ اس کے محاسن ذاتی کی بنا پر ہوتی ہے اور ایسی ہی ہونی چاہئے! اگر خدا کے سامنے سب برابر ہیں تو انسان کے سامنے بھی سب کو برابر ہونا چاہئے کیسی بے اصول کرنا کس قدر رذیل ہے کہ "تمہارے باپ کیا تھے اور تمہارے دادا کون تھے" بلکہ سوال یہ ہونا چاہئے کہ تم کیا ہو؟ مہ جبین کے ماں باپ کیسے ہی ہوں مگر دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ خود کیسی ہے

اور اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی عالی ظرف اور شریف لڑکی ہے!! اسلئے میرا انسانی
اور اخلاقی فرض ہے کہ میں اسکی مدد کروں!! اگر وہ ظاہری خودکشی کسی وجہ سے نہیں کر سکی تو
اُسے معنوی خودکشی کرنا پڑیگی!!...... واقعی ان بیکس اور مظلوم لڑکیوں کی حالت قابلِ رحم ہے!
...... یہ بدنصیب لڑکیاں اسی ناپاک تجارت کے لئے پالی جاتی ہیں کہ جب وہ جوان ہو جائیں
تو انہیں دولتمند کتوں کے سامنے ڈال دیا جائے اور صرف کچھ چاندی اور سونے کے لئے
ان کی عصمت ہی کا نہیں بلکہ انکی دنیا اور آخرت کا بھی ہمیشہ کے لئے خون کر دیا جائے
اور افسوس بڑا افسوس اس پر ہے کہ ہماری اندھی سوسائٹی، بہرا قانون اور گونگی
پبلک اس کھلی ہوئی بدکاری اس علانیہ جسم فروشی اس ناقابلِ معافی خونِ ناحق کو روا
رکھتی ہے اور صدائے احتجاج بلند نہیں کرتی۔ کیا غضب ہے کہ جو برائی اقتصادی مجبوری
یا معاشرتی ناانصافیوں سے پیدا ہوئی جو سوسائٹی کی سرپرستی اور قانون کی غفلت
شعاری سے ایک جماعت کا پیشہ ہو گئی ہو۔ وہ اب ایک مستقل ذات کی صورت اختیار
کر لے!! اور جتنی ظالمانہ بندشیں۔ آہنی قیود۔ اور روح کش ناانصافیاں ممکن ہوتی ہیں
ہوتی ہیں سب اس میں بدرجۂ اولیٰ پائی جائیں!!!

وہ ملک کبھی صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتا نہ آزاد کہلائے جانے کا مستحق ہے جو ابتک
کی وحشیانہ زنجیروں اور انسانیت سوز بندشوں میں کسا ہوا ہو۔ جو جسم فروشی کو جائز
قرار دیئے ہو علانیہ بدکاری سے چشم پوشی کرے۔ جو اپنے لاکھوں افراد کو جو قوم کیلئے باعل
بیکار ہی نہیں بلکہ جن کا وجود علاوہ باعثِ ننگ ہونے کے قوم کیلئے ایک مستقل خطرہ اور
دوامی طاعون ہے گندگی کے کثیف دلدل میں پھنسا ہوا اور قعرِ ذلت میں گرا ہوا دیکھے اور ان
افراد کو ان کی خطرناک اور تاریک گہرائیوں سے باہر نکالنے کی کوشش نہ کرے۔ واقعی یہ بدبخت
جماعت حقارت سے زیادہ رحم کے قابل ہے اور نفرت سے زیادہ ہمدردی کی مستحق ہے!
کیا عجب تماشہ ہے کہ ہماری نئی اور چمکدار تہذیب بردہ فروشی کے کلنک سے ابتک

کانوں پہ ہاتھ دھرتی ہے اور نفرت کے نعرے بلند کرتی ہے مگر ملائیت جسم فروشی پر اسکے
کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ..... اور یہی نہیں ..... بلکہ ہر ایک ملک کے مقننوں
نے جسم فروشی کو جائز قرار دیکر اس پر اپنی مہر خوشنودی لگادی ہے ... دنیا میں
ابھی بہت سے دیوانے پاگل خانوں کے باہر پھرتے نظر آئیں گے جو طوائفوں کے وجود کو
سوسائٹی کی جسمانی اور اخلاقی صحت کیلئے ایک ضروری عنصر سمجھتے ہیں حالانکہ اس ناپاک اصول
کی تائید آجتک نہ کسی مذہب، نہ کسی شریعت، نہ کسی طریقت نے کی ہے اور نہ کوئی
مذہب، شریعت یا طریقت ایماناً یا عقلاً اسکی تائید کرسکتی ہے۔ تعجب اور سخت تعجب
ہے کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو بڑے راسخ الاعتقاد ہندو یا مسلمان یا عیسائی یا
پارسی یا یہودی یا سکھ کہنے پر فخر کرسکتے ہیں خفیہ بدکاری کو تو گناہ اور اخلاقاً حرام
سمجھتے ہیں اور علانیہ بدکاری سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرتے ہیں کاش نئی تہذیب
کے ان متوالوں سے کوئی کہدیتا کہ جن قوموں کو تم غیر مہذب بلکہ وحشی محض کہتے ہو اور سخت
حقارت سے دیکھتے ہو اُن قوموں کا دامن بھی جسم فروشی کے نفرت انگیز دھبے سے پاک ہے اور
ہمیشہ پاک رہا ہے

جس ملک یا سوسائٹی کے جسم میں یہ نجس عارضہ، یہ مہلک کوڑھ، یہ ناپاک ناسور ہو اُسے مہذب
کہنا عقل اور تہذیب کی انتہائی توہین ہے۔ ہر سال صرف طاعون اور ہیضہ ہی کے انسداد
کیلئے نہیں بلکہ ملیریا اور انفلوئنزا تک کی انسداد کیلئے گورنمنٹ کا محکمہ صحت سرکاری خزانہ
کی تھیلیاں کھولدیتا ہے اور ان امراض کی روک تھام کیلئے ہزاروں ڈاکٹر مقرر
ہیں بلکہ ایک مستقل محکمہ قائم ہے مگر افسوس جسم فروشی کی انسداد کیلئے گورنمنٹ ایک کانی کوڑی
بھی خرچ نہیں کرتی بلکہ الٹی اسی کی حمایت اور سرپرستی کرتی ہے حالانکہ جسم فروشی کی وبا
ایک مستقل ہیضہ، ایک متواتر طاعون، ایک دوامی کوڑھ سے کسی طرح کم نہیں
کیسا اچھا ہوتا اگر وہی مقنن جنکی نازک مزاجی یا بلند خیالی شراب نوشی، بردہ فروشی

کی تحمل نہیں ہو سکتی وہ جسم فروشی کو ہی ایک سنگین جرم قرار دیتے ...... نہیں معلوم
کب ان عقل کے دشمنوں کی آنکھیں کھلیں گی؟ کب ان تہذیب کے متوالوں کو ہوش آئیگا!
کب انسانیت اس ناپاک مرض سے نجات پائیگی؟ کب تہذیب اس شرمناک الزام سے
بری ہوگی؟ ....

مہ جبین ایک اندھے اور تاریک کنوئیں میں سے جس میں وہ دھکیل دی گئی ہے پکار
رہی ہے کہ خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکالو ورنہ یہاں کے زہریلے سانپ جو اپنی خوفناک
دوہری زبانیں بار بار نکال رہے ہیں۔ مجھے ڈس لیں گے۔ للہ مجھے بچاؤ ورنہ اس کنوئیں
کی کثیف اور مسموم ہوا میرا اور میری نوعمر زندگی اور اسکی رنگین تمناؤں کا بہت جلد
کام تمام کر دیگی ....

کیسے ممکن ہے کہ اس دردناک التجا کو کوئی سنے اور اس کا دل نہ پسیج جائے۔
ممکن ہے اس معاملہ میں دخل دینے سے میں بدنام ہو جاؤں اور میرے متعلق انواع و
اقسام کی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں مگر مجھے اس کی کوئی پروا نہیں آں راکہ حساب
پاک است از محاسبہ چہ باک؟؟ ...... پر سب کچھ ہے مگر میں اسے رہا کیونکر کروں؟
سوال تو یہ ہے .... خود جاؤں؟ ..... پولیس کو اطلاع کر دوں؟ ..... یا
ماہ لقا کو کوئی دھوکا دیا جائے؟ مگر وہ خود اس فن کی ماہر کامل ہے۔ کا ہیکو دھوکا
کھانے لگی!! ....

انور بہت دیر تک اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہا مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ بالآخر
زچ ہو کر وہ کمرے کے باہر چلا آیا! .... کشور اور زہرہ برآمدے میں نہیں تھیں
بلکہ اپنے اپنے کمرے میں تھیں۔ باہر چاندنی کھلی ہوئی تھی! انور باغیچہ میں چلا گیا اور اسکی
روشوں پر ٹہل ٹہل کر سوچتا رہا .... یہاں تک کہ کھانے کی گھنٹی بجی! انور کھانے کے
کمرے میں جب پہنچا تو صرف زہرہ و جمال سے ملاقات ہوئی انور نے زہرہ سے پوچھا کہ کشور کہاں ہے؟

زہرہ:۔ وہ کھانا نہیں کھائیں گی۔ کہتی ہیں کہ طبیعت کچھ سست ہے!!

انور:۔ (کسی قدر متفکر ہو کر) کیوں کیا ہوا۔ ابھی تو بالکل اچھی تھیں۔۔

زہرہ:۔ جی نہیں۔۔۔ کچھ درد سر کی شکایت تو اس وقت بھی تھی۔۔۔۔ اس وقت زیادہ ہو گئی۔ ذرا سو رہیں گی تو جاتی رہیگی۔ میں نے یوڈی کولون لگا دیا ہے

انور:۔ بڑا اچھا کیا اب انکو نیند آجائے گی۔۔۔ آج کچھ گرمی بھی تو ہے۔

اس کے بعد انور اور زہرہ جمال کھانے کی میز پر بیٹھ گئے اور متفرق موضوع پر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔۔۔۔ مگر انور زیادہ تر کچھ گم سا رہا اور زہرہ جمال کو کئی مرتبہ ایک ہی بات دوبارہ کہنی پڑی۔۔۔۔ زہرہ کا ذہن اسکی آنکھوں سے زیادہ اور آنکھیں اُس کے ذہن سے زیادہ تیز تھیں۔۔۔۔ چنانچہ انور کی غیر حاضر طبیعت اور طرز گفتگو سے وہ فوراً تاڑ گئی کہ انور خط ہی کے مضمون کے متعلق کچھ سوچ رہا ہے

ایک مرتبہ انور نے بے خیالی میں خط اپنے کوٹ کی جیب سے آدھا نکالا اور پھر کچھ یاد کر کے اسی جیب میں جلدی سے ڈالدیا۔۔۔۔۔۔۔۔

زہرہ نے یہ دیکھا اور زیر لب مسکرا کر خاموش ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔

کھانے کا مرحلہ کسی نہ کسی طرح ختم ہوا۔ زہرہ یہ کہکر چلی گئی کہ میں کشور کے پاس جاتی ہوں۔ اور انور باغیچہ میں پھر ٹہلنے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کچھ دیر کے بعد انور نے بنگلہ کے پھاٹک پر پہنچکر سیٹی دی۔ قریب ہی ایک جھاڑی سے چمپا آہستہ سے نکل کر انور کے پاس آئی!! انور اور چمپا دونوں پھاٹک کی سڑک ہی پر ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ ان کے پیچھے ایک گھنی ٹٹی لگی ہوئی جو بنگلہ کے اندر کی سڑک کے دونوں طرف دور تک چلی گئی تھی۔

چمپا:۔ (آہستہ سے) کہیئے آپ نے خط پڑھ لیا؟

انور: (آہستہ) ہاں پڑھ لیا۔

چمپا:۔ پھر اس کا جواب؟

انور: کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا جواب دوں..... جب سے یہی سوچ رہا ہوں۔

چمپا:۔ (خوش ہو کر) تو آپ کو مہ جبین کی مدد کرنے سے انکار نہیں ہے؟

انور:۔ نہیں! مجھے کیا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا..... مگر سوال تو یہ ہے کہ مہ جبین کو ان کے بنگلہ سے کس طرح برآمد کیا جائے۔ میں نے.......

پیچھے کوئی پتہ کھڑکا۔ انور چونکنا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور خاموش ہو گیا

چمپا:۔ کچھ نہیں..... کوئی مینڈک ہو گا.........

انور:۔ ہاں..... وہی حضرت ہونگے۔ چاندنی رات میں اکثر مختلف قسم کی ورزشیں کیا کرتے ہیں۔!..... مگر یہ تو بتاؤ کہ کوٹھے کے دروازوں کی کنجی کس کے پاس رہتی ہے؟

چمپا:۔ سپاہی کے پاس! جب دروازہ کھولنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ذرا دیر کیلئے مجھے دیدیتی ہیں! پھر لے لیتی ہیں۔ مگر زیادہ تر خود ہی قفل کھولتی اور بند کرتی ہیں!

انور:..... اور پہرے پر رات کو کتنے آدمی رہتے ہیں!!

چمپا:۔ ایک وقت میں دو سپاہی رہتے ہیں اور ہر ایک کا چھ چھ گھنٹہ کا پہرہ رہتا ہے..... اور دن میں صرف ایک ہی سپاہی کا پہرہ ہوتا ہے..... کل ملا کر چار ہیں! اور یہ سپاہی بندوق اور کرچ بھی لئے رہتے ہیں

انور:۔ یہ کس قسم کے آدمی ہیں؟..... روپیہ پیسہ لیکر ہم سے مل سکتے ہیں یا نہیں!

چمپا:۔ نہیں مجھے امید نہیں۔ کیونکہ ممتاز صاحب نے انہیں خوب چٹا دیا ہے! اور وہ ان کے خاص آدمی ہیں!!

انور:۔ ہاں تو پھر ان سے اس کا تذکرہ کرنا بھی خلاف مصلحت ہو گا!

چمپا:- اس میں کیا شک ہے؟

اس وقت ایک موٹر پھاٹک کے سامنے سے گذرا۔ اسکی روشنی سے بچنے کے لئے انور بنگلہ کے اندر کی سڑک کے اس طرف دوسری ٹٹی کے پاس ایک درخت کے سایہ میں جاکر کھڑا ہو گیا۔ چمپا بھی وہیں چلی گئی۔!........

انور:- اچھا تو یہ بتاؤ...... کہ تم سے اور ماہ لقا سے کیسی بنتی ہے؟

چمپا:- ایک اچھی اور ایک بہت اچھی! بیگم صاحبہ ہیں تو بُری پرانی اور زہریلی ناگن۔ مگر میرا زہر اُن سے بھی زیادہ میٹھا اور قاتل ہے!!

انور:- (مسکرا کر) ہر فرعونے را موسیٰ...... اور ان سپاہیوں سے بھی تم سے کچھ میل ملاپ ہے یا نہیں؟

چمپا:- (کچھ شرما کر) بہت خاصہ! ہر وقت حرامزادے مجھے گھورا کرتے ہیں...... اور جب چاء، پانی کھانا وانا ان کو دینے جاتی ہوں تو موئے ہنسی دل لگی کرتے ہیں...... مجھے بڑا بُرا معلوم ہوتا ہے!!

انور:- (مسکرا کر) ہاں ہاں! بُرا ماننے کی بات ہی ہے!...... مگر اتفاق سے یہی بات ہماری تدبیر کے لئے مفید ثابت ہوگی۔!!

چمپا:- (خوش ہو کر) تو کیا آپ نے کوئی تدبیر سوچی ہے؟

انور:- (مسکرا کر) ہاں سوچی ہے مگر تم بھی اس پر غور کر لو۔ کوئی اس میں خامی تو نہیں ہے......

چمپا:- بتائیے! بتائیے! جلدی بتائیے..........

اس کے بعد انور اور چمپا میں آہستہ آہستہ کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں چمپا کی خوشی لمحہ بلمحہ بڑھتی جاتی تھی۔ آخر میں وہ بہت خوش ہو کر بولی۔

واقعی لاجواب تدبیر ہے...... اور وہ وہ مجھے کب دیکھے گا!..

انور:- اگر تم کل صبح کو ٹھیک دس بجے اپنے بنگلے کے پھاٹک پر چلی آؤ تو میں اسی وقت اپنے موٹر پر وہاں سے گذروں گا اور وہی پوٹلی تمہیں دیدونگا۔ اگر تم کسی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی تو میں اسکو پھاٹک ہی کے پاس جو پہلا درخت ہوگا اسکے نیچے ایک اینٹ سے دبا کر رکھ دونگا تمہیں جس وقت فرصت ملے اُس وقت آکر لیجانا۔

چمپا:- ہاں ہاں بہت ٹھیک ہے۔۔۔۔ مگر میں آپ سے پھاٹک پر ضرور ملونگی

اس کے بعد چمپا انور سے رخصت ہو کر اپنے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئی، اور انور اپنے بنگلہ کی طرف واپس ہوا۔

انور وہاں سے ۲۰ یا ۲۵ ہی قدم گیا ہوگا کہ اس ٹٹی کے پیچھے سے جس کے قریب ہی وہ شروع میں چمپا سے باتیں کر رہا تھا، دو عورتیں برآمد ہوئیں ایک زہرہ جمال تھیں اور دوسری کشور سلطانہ!۔۔۔۔۔۔۔

جس وقت انور اپنے کمرے میں داخل ہو رہا تھا اس وقت زہرہ جمال کشور سے یہ کہہ رہی تھیں۔

آپ کو ثبوت کا بڑا شوق تھا۔ کہئے آپ نے اپنی آنکھوں سے خوب دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے خوب سن لیا! ابھی کسی اور ثبوت کی بھی ضرورت باقی ہے؟ اب آپ کو معلوم ہوا کہ مرد کیسے بیچارے اور باوفا ہوتے ہیں اب آپکو یقین آیا! کہ جسکو آپکی محبت اور تخیل نے آسمان پر چڑھا کر ایک معصوم فرشتہ بنا دیا تھا۔۔۔ ۔۔۔ وہ محض ایک مٹی کا آدمی ہے۔۔۔۔۔۔"

کشور جس کے خاموش آنسو عرصہ سے جاری تھے، زہرہ کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئی اور اس کے شانے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔!!۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اُنیسواں باب

جمیلہ اور انور

دوسرے دن قریب بارہ بجے انور اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسکے خدمتگار نے کہا... حضور آپ سے ایک برقع پوش بی بی ملنا چاہتی ہیں۔ کوئی بہت ضروری کام ہے"

انور :- انکو بھیج دو اور جب تک میں خود کسی کو نہ بلاؤں دفتر میں کوئی آنے نہ پائے۔

خدمتگار بہت اچھا حضور، کہکر چلا گیا۔ مشکل سے ایک منٹ گذرا ہوگا کہ برقع پوش خاتون انور کے دفتر میں داخل ہوئیں۔ انور تعظیماً کھڑا ہوگیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرکے بڑے اخلاق سے اس نے کہا......

"تشریف رکھئے"

برقع پوش خاتون کرسی پر بیٹھ گئی ....

انور :- کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے اس قدر زحمت کس لئے گوارا کی۔

برقع پوش خاتون :- کیا میں آپ سے اس اطمینان کے ساتھ گفتگو کرسکتی ہوں کہ بجز آپ کے میری گفتگو سننے والا کوئی اور نہیں ہے۔

انور :- آپ نہایت آسانی سے گفتگو کر سکتی ہیں۔

برقع پوش خاتون :- سوال نا ملائم ضرور ہے مگر کیا میں آپکی آزادی پر اعتماد کرسکتی ہوں۔ ؟

انور :- بیشک ! اور اگر میرا شخصی وعدہ کسی وجہ سے کافی نہ ہو تو بہتر ہوگا کہ آپ مجھ سے کوئی راز افشا نہ کیجئے۔ !

خاتون :- نہیں ! مجھے اعتبار ہے ! ....

اجنبی خاتون نے اپنا ایک ہاتھ کسی قدر اطمینان سے میز پر رکھ دیا... انور کی نظر بیساختہ اس پر پڑی... وہ آواز ہی سے سمجھ گیا تھا کہ اجنبی خاتون کوئی کمسن لڑکی ہے ہاتھ دیکھ کر اس خیال کی اسکو تصدیق ہی نہیں ہوئی بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی شریف گھرانے کی اور غالباً قبول صورت ہے!! اس کو سخت حیرت تھی کہ آخر وہ کونسا راز ہے جو یہ کمسن اجنبی لڑکی اس غیر معمولی طریقے سے افشا کرنے کیلئے آئی ہے!

انور:- کیا وہ راز میرے متعلق ہے یا کسی اور کے؟

خاتون:- آپ کے!!.....

انور:- میرے متعلق؟

خاتون:- جی ہاں۔ مگر میں آپ سے پہلے اپنا تعارف تو کرا دوں... آپ کو شاید یاد ہو تقریباً دو سال ہوئے ایک ۱۴-۱۵ برس کی لڑکی جو سمندر کے جزر و مد کے اوقات سے ناواقف تھی شام کو سیر کرتی ہوئی بیچ میں بہت دور چلی گئی کہ یکایک ٹھاٹھیں مارتا مد آ گیا وہ ناواقف لڑکی یقیناً اس مد میں بہہ جاتی اور اسکی زندگی کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جاتا اگر ایک بہادر نوجوان اس کو دوڑ کر اپنی گود میں اٹھا کر خطرے کی زد سے بچا نہ لیجاتا۔
.... وہ ناواقف لڑکی میں ہوں اور وہ بہادر نوجوان مسٹر انور آپ ہیں!!۔

انور:- (مسکرا کر) میں تو اس واقعہ کو بالکل بھول گیا۔ اس وقت آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا۔

لڑکی:- مگر میں نہیں بھولی اور نہ عمر بھر کبھی اس واقعہ یا آپکے احسان کو بھول سکتی ہوں!!... گو (آہ سرد بھر کر) اس کے بعد کے واقعات کچھ ایسے ہیں کہ اگر آپ اس دن مجھے سمندر کی موجوں کے ساتھ بہہ جانے دیتے اور نہ بچاتے تو بہتر ہوتا۔

انور:- (سچی ہمدردی کے لہجے میں) مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ آپ اپنی زندگی سے اس قدر بیزار ہیں۔

لڑکی :- (دو چلتے ہوئے آنسو پونچھ کر) میں وہ بدنصیب ہوں کہ میرے ماں باپ نے محض دولت کے لالچ میں ایک ایسے شخص سے میری زندگی وابستہ کر دی جو عمر کے لحاظ سے میرا دادا ہونے کا مستحق ہے۔ اور جو سیرت کے لحاظ سے ایک سنگدل شیطان ہے۔
یہ کہکر وہ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئی۔۔۔۔ پھر آواز پر قابو پا کر! معاف کیجئے گا میرے جذبات مجھے بہا لے گئے۔ اور میں نادانستہ بجائے جگ بیتی کے آپ بیتی کہنے لگی

انور :- نہیں! نہیں کہیئے! کہیئے! میں سننا چاہتا ہوں۔

لڑکی :- نہیں میں پھر کسی موقع پر کہونگی۔۔۔۔ اس وقت مجھے بھی کسیقدر جلدی ہے اور آپ کا وقت بھی بہت قیمتی ہے۔۔۔۔ اور جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ بھی نہایت ضروری ہے
یہ کہکر اس لڑکی نے اپنے چہرے سے برقع ہٹا دیا۔۔۔ انور کی نظر ایک نہایت بھولی بھولی صورت پر پڑی۔ رنگ اس کا چمپئی اور کسیقدر زرد تھا۔ چہرہ دبلا دبلا مگر ایک خوبصورت! پاکیزہ روح کی ضیا پاشی سے قدرتاً۔ آنکھیں بادام کی سی مگر بہت غمگین اور بانتہا بھولی اور معصوم جیسے کسی خوبصورت فاختہ کی!! اس کی بھولی دلکش اور غمگین صورت دیکھکر بیساختہ دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کیا کیا جائے جو اس پیارے پیارے بھولے بھالے اور معصوم چہرے پر اگر ہنسی نہ آئے تو ذرا سی مسکراہٹ ہی آ جائے
انور اس لڑکی کی صورت دیکھ کر کچھ دیر کے لئے بالکل محو ہو گیا۔۔۔ اس نے آج تک ایسی غمگین اور معصوم صورت نہیں دیکھی تھی۔۔۔۔۔۔۔
طلسم سکوت کو لڑکی کی آواز نے توڑا!۔۔۔۔۔۔
"دوسرا تعارف میرا یہ ہے۔۔۔۔ کہ میں کشور سلطانہ کی حقیقی بھائی ہوں"

انور :- (انتہائی تعجب سے) کشور کی حقیقی بھائی یعنی مسز رحیم بھائی؟

لڑکی :- جی ہاں دنیا مجھے ضرور اس مکروہ نام سے پکارتی ہے۔۔۔۔۔

انور :- مجھے سخت تعجب ہے!

مسز رحیم بھائی :- اور اگر میں آپ سے کہوں کہ مسٹر رحیم بھائی جیل خانے سے واپس آ گئے تو غالباً آپ کو اور بھی زیادہ تعجب ہوگا . . . .

انور :- (بعید تعجب سے) واپس آ گئے -

مسز رحیم بھائی :- جی ہاں واپس آ گئے ۔ اور اس وقت میرے غریب خانہ پر رونق افروز ہیں !!

انور :- مگر ان کو چھ مہینے کی سزا ہوئی تھی اور ابھی چھ مہینے پورے نہیں ہوئے!

مسز رحیم بھائی :- بیشک ۔ مگر ڈاکٹر شیرازی صاحب مس زہرہ جمال کے برادر بزرگ اُس کے ذمہ دار ہیں . . . . وہ یہاں جیل کے ڈاکٹر ہیں انھوں نے بڑی شد و مد سے سفارش کی کہ مسٹر رحیم بھائی کی صحت جیل کی زندگی سے بہت خراب ہوگئی ہے اور بالخصوص ان کو دل و دماغ کی ایسی خطرناک بیماری ہوگئی ہے کہ اگر وہ جیل میں چند دن بھی اور رکھے گئے تو یا تو وہ دفعتاً مر جائیں گے یا پاگل ہو جائیں گے لہٰذا ان کو فوراً رہا کر دینا چاہیئے . . . . . چنانچہ ان کی سفارش منظور ہوئی اور مسٹر رحیم بھائی پرسوں شام کو جیل سے رہا ہو گئے !!

انور :- تو کیا واقعی وہ بہت بیمار ہیں ؟ . . . . .

مسٹر رحیم بھائی :- جی نہیں ! وہ بالکل اچھے ہیں ۔ ڈاکٹر شیرازی نے دیدہ دانستہ جھوٹی رپورٹ کی تھی ! . . . . .

انور :- مگر ایسی جھوٹی رپورٹ کرنے کی وجہ -

مسٹر رحیم بھائی :- تاکہ مسٹر رحیم بھائی فوراً رہا ہو جائیں !!

انور :- (تعجب سے) اور اس میں ڈاکٹر شیرازی کا فائدہ ؟

مسز رحیم بھائی :- فائدہ یہ کہ انور اور کشور سلطانہ کے خلاف سازش کرنے

کے لئے ایک سے دو اچھے ہوتے ہیں۔

انور:- مجھے تو آج تک اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ میرے کشور کے خلاف کوئی سازش کر سکتا ہے

مسز رحیم بھائی:- اچھا تو سن لیجئے اور خوب غور سے سن لیجئے کہ آپ کے کشور سلطانہ کے خلاف ایک بہت گہری اور شیطانی سازش کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔
اول ڈاکٹر شیرازی۔ دوسرے مسٹر رحیم بھائی اور تیسری مس زہرہ جمال۔

انور:- (تعجب سے اچھل کر) مس زہرہ جمال؟

مسز رحیم بھائی:- جی ہاں۔ مس زہرہ جمال!!

انور:- مگر مس زہرہ جمال تو ....

مسز رحیم بھائی:- بہت تعجب نہ کیجئے!! ابھی آپ کو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز باتیں سننا ہیں۔

انور:- (پریشانی کے لہجے میں) وہ کیا؟

مسز رحیم بھائی:- وہ یہ کہ آپ کی اور کشور سلطانہ کی فرضی شادی کا حال ان تینوں کو بالتفصیل معلوم ہے

انور:- (فرط استعجاب سے اٹھ کھڑا ہوا)... انہیں کیسے معلوم ہوا۔ کس نے کہا... کون کہہ سکتا تھا... کشور کہیں گئی نہیں!... عذرا کہہ سکتی نہیں! سوائے ممتاز کے اور کوئی نہیں ہو سکتا!... ممتاز! ممتاز!... مجھ کو تم سے ایسی دغابازی کی امید نہ تھی!!

مسز رحیم بھائی:- اور آپ کی وہ نقلی تحریر اور فارغ خطی کس کے پاس ہے؟

انور:- میرے پاس... کشور نے میرے ہی سپرد کر دی تھی!!

مسز رحیم بھائی:- آپ کا یہ خیال بھی غلط ہے.... وہ دونوں کاغذ اس وقت مسٹر رحیم بھائی کے قبضہ میں ہیں!

انور:- (انتہائی حیرت سے)... نہیں مسز رحیم بھائی.... آپ کو......

مسز رحیم بھائی:- خدا کیلئے مجھے آپ مسز رحیم بھائی کے نام سے نہ پکاریئے مجھے اس نام سے ناقابل بیان کراہت معلوم ہوتی ہے.. میرا نام جمیلہ ہے! مجھے آپ میرا مہربانی

اسی نام سے مخاطب کیا کیجئے ......

انور:۔ بہت اچھا۔ جیسی آپ کی خوشی ہو... مگر یہ آپ کیسے کہتی ہیں کہ وہ دونوں کاغذ اس وقت رحیم بھائی کے قبضہ میں ہیں؟....

جمیلہ:۔ اس لئے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان کو اس شیطان کے پاس دیکھا ہے!.... میرا خیال ہے کہ یہ کاغذ زہرہ جمال نے کسی نہ کسی ترکیب سے آپ کے پاس سے چرائے ہیں......!!

انور:۔ یہ تو بڑا غضب ہوا...... اب کیا ہوگا؟.........

جمیلہ:۔ اب آپ پر دو مقدمے دائر ہوں گے... ایک تو فوجداری میں دھوکا دینے کے جرم پر کیونکہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے کشور کی قیمتی جائداد پر قبضہ کرنے کیلئے یہ سب جعل کیا ہے اور اسی غرض سے آپ نے کشور کو دھوکا دیکر اس سے شادی بھی کی ہے اور دوسرا مقدمہ دیوانی میں آپکو کشور کی ولایت سے برطرف کرنیکے لئے دائر ہوگا!

انور کرسی پر بیٹھ گیا اور میز پر اپنی کہنیاں ٹیک کر اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر ٹکٹکی باندھے میز کی سطح کی طرف دیکھنے لگا... مگر حقیقت میں وہ اپنی آنکھوں سے نہ اس وقت کچھ دیکھ رہا تھا اور نہ اپنے کانوں سے کچھ سُن رہا تھا!! مختلف قسم کے تکلیف دہ خیالات اور پر خلش جذبات اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو گئے!! وہ یہ بھول گیا کہ خاموش جمیلہ بھی اس کمرے میں ہے!..... وہ سوچ رہا تھا.... آہ...... ممتاز....

میں تم کو دنیا میں اپنا سب سے سچا دوست اور سب سے بڑا محسن سمجھتا تھا مگر تم نے مجھ سے وہ دغابازی کی جو شاید کوئی دشمن بھی نہ کرتا۔ حالانکہ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ تمہاری ہی وفاداری میں تمہاری ہی بھلائی کے لئے کیا!! مگر افسوس سب تدبیریں الٹی ہو گئیں!..

میں سمجھتا تھا کہ دنیا میں سچائی۔ نیک نیتی۔ خلوص.... اور وفاداری کامیاب ہوتی ہے مگر میں تو یہاں کا کچھ دوسرا ہی رنگ دیکھتا ہوں..........!

جمیلہ:۔ مسٹر انور ... مسٹر انور ... مسٹر انور ......

انور کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بڑی دور سے اسے پکار رہا ہے ... پھر رفتہ رفتہ آواز قریب آتی گئی ... اور اس نے چونک کر دیکھا ... تو اس کے سامنے جمیلہ بیٹھی ہوئی تھی اور جمیلہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے تھے!! انور نے جلتی ہوئی آنکھوں، زرد زرد چہرے اور ایک عجیب بھرائی ہوئی آواز میں جمیلہ سے پوچھا۔

بتائیے، بتائیے! کیا آپ بھی مجھے مجرم سمجھتی ہیں؟ کیا آپ کو بھی یقین ہے کہ میں نے دھوکا دیا اور فریب کیا ہے؟ ......"

جمیلہ کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہو گئے ... پھر اس نے اپنی آواز پر قابو پا کر کہا ... نہیں! نہیں! مسٹر انور! میں آپ کو بالکل بے گنہ سمجھتی ہوں!!"

انور:۔ (اطمینان سے سانس لیکر) ... شکر ہے! ... کہ دنیا میں ایک ہستی تو ایسی ہے جو مجھے بے گناہ سمجھتی ہے ... تو شاید میں واقعی بیگناہ ہوں!! جمیلہ ہے! مگر نہیں ... آپ نے غالباً مروت میں میرا دل نہ دکھانے کی غرض سے یہ جملہ کہدیا۔ ورنہ حقیقتاً آپ بھی مجھکو دل میں مجرم ہی سمجھتی ہوں گی!! ....

جمیلہ:۔ نہیں! مسٹر انور! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جو میں نے زبان سے کہا ہے اسی کا یقین کامل میرے دل میں بھی ہے!!

انور:۔ مگر وجہ؟ مجھے بے گناہ سمجھنے کی وجہ؟ جتنے قرائن ہیں وہ سب تو میرے خلاف ہیں ......

جمیلہ:۔ وجہ یہ ہے ... کہ آپ ایسا بہادر اور ایثار کرنے والا شخص دھوکے باز اور فریبی نہیں ہو سکتا۔ یہ قدرتاً ناممکن ہے!!

انور:۔ اگر کوئی شخص یکلخت وقتی جذبہ سے مغلوب ہو کر اپنی جان خطرے میں ڈال کر کسی اجنبی لڑکی کی جان بچائے تو وہ بہادر اور ایثار کرنے والا نہیں کہلایا جا سکتا!!

جمیلہ:- ایسا فعل کسی وقت جذبے سے مغلوب ہو کر نہیں ہو سکتا۔ ایسا فعل صرف ایک مستقل جذبۂ ایثار و شجاعت سے ہو سکتا ہے!!

انور:- یہ محض آپ کا حسنِ اعتقاد ہے!! اگر میں اس کے لئے آپکا بھی ممنون ہوں لیکن میں نے ابھی تک آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کو یہ تمام واقعات معلوم کیسے ہوئے!!

جمیلہ:- اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود آپ کے خلاف سازشوں اور مشوروں میں شریک ہوں۔ مگر اس ناپاک تثلیث (یعنی رحیم بھائی۔ ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال) کو نہ اسکی خبر ہے اور نہ اس کا وہم و گمان ہو سکتا ہے۔ میں انکی سازش میں صرف آپکی حفاظت کے لئے شریک ہوں اور جب تک میں زندہ ہوں، انشاء اللہ آپ کو یہ لوگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے!!

انور:- میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں؟ آپ نے تو مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا ممنونِ احسان اور رہینِ منت بنا لیا۔

جمیلہ:- اور آپ اپنے احسان کو نہیں کہتے۔ آپ کا احسان تو مجھ پر اس قدر زیادہ ہے کہ میں اس سے کبھی سبکدوش ہو ہی نہیں سکتی!

انور:- خیر اب یہ باتیں جانے بھی دیجئے۔ یہ بتایئے کہ ان کاغذات کے لئے اب کیا کرنا چاہیئے۔ اگر یہ واپس نہ ملے تو بڑا غضب ہو جائیگا۔ دونوں مقدمات میں مجھے بجز اقبالِ جرم یا اقبالِ دعوئی کرنے کے اور کوئی چارہ نہ رہ جائیگا۔ کیونکہ میں کیسی ہی سچی بات کہونگا مگر کوئی یقین کرنے کو تیار نہ ہوگا۔

جمیلہ:- آپ بہت پریشان نہ ہوں۔ میں ان کاغذات کی اہمیت خود محسوس کرتی ہوں اور انکی فکر میں لگی ہوں مگر وہ لوگ بہت ہوشیار ہیں!! تاہم کوئی ناامیدی کی وجہ ابھی تک نہیں ہے۔ اور ہاں ایک نہایت ضروری بات آپ سے کہنا تو میں بھول ہی گئی .... کشور کا آپکی طرف سے کیسا خیال ہے؟

انور :۔ بہت اچھا۔ کیوں ؟ آپ یہ کیوں پوچھتی ہیں ؟
جمیلہ :۔ اچھا تو یہ خیال بھی آپ کا غلط ہے۔ اُن لوگوں نے کشور کو بھی آپکے خلاف کر دیا ہے.... اور گو وہ بظاہر کچھ نہیں کہتیں مگر انکا دل آپسے بہت بُرا ہو گیا ہے!
انور :۔ (بڑے تعجب سے) مگر اس کی وجہ ؟
جمیلہ :۔ اس کی وجہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ بہت سی باتیں مجھ سے بھی مخفی رکھتے ہیں۔
انور :۔ ابھی تک میں یہ نہ سمجھ سکا کہ زہرہ جمال اور ڈاکٹر شیرازی کو مجھ سے کد رکھنے کی کیا وجہ ہے اور وہ کیوں میرے خلاف سازش کر رہے ہیں۔
جمیلہ :۔ اس کی وجہ سننے کے کیا آپ متحمل ہو سکیں گے ؟
انور :۔ آج کے انکشافات کے بعد تو میں ہر بات کا تحمل ہو سکتا ہوں۔
جمیلہ :۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شادی فرضی ثابت کر کے ڈاکٹر شیرازی کشور سے شادی کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور کشور سے زیادہ وہ اس کی دولت پر ریجھے ہوئے ہیں۔
انور کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ اس کی مُٹھی بندھ ہو گئی۔ اسکے دانت بیٹھ گئے اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے!!! اس نے چلا کر جوش میں کہا "ابلیس ہو ! ڈاکٹر شیرازی میری کشور کو مجھ سے نہیں چھین سکتے ! میں (دانت پکچا کر اور بھاری بھاری سانس لے کر) میں، میں اُن کو........"
جمیلہ :۔ دیکھئے دیکھئے میں کہہ نہ رہی تھی آپ متحمل نہ ہو سکیں گے.... اب مجھکو افسوس ہوا.... کیونکہ مجھے خوف ہے کہ آپ غصہ کے جوش میں کوئی نامناسب بات نہ کر بیٹھیں.... آپکو اس معاملہ میں بڑے صبر، بڑے تحمل، بڑے ضبط سے کام لینا پڑیگا!

انور:۔ (غصہ ضبط کرکے اور اپنے آپ کو سنبھال کر) آپکی نہایت عنایت ہے میں آپ ہی کی رائے پر عمل کروں گا.........

جمیلہ:۔ اور دیکھئے آپ کے طرز عمل سے کشور یا زہرہ یا ڈاکٹر شیرازی کو اس کا گمان بھی نہ ہونے پائے کہ آپ ان کی کارروائیوں کے متعلق کچھ بھی جانتے ہیں اس وقت بہترین مصلحت اسی میں ہے کہ آپ بالکل انجان بن جائیں ہوشیار دشمن کے سامنے بیوقوف ہی بنا رہنا زیادہ مفید اور کارگر ہوتا ہے... ورنہ وہ چوکنا ہوجاتا ہے اور اس کی تدبیریں زیادہ گہری، باریک، اور پیچیدہ ہوجاتی ہیں۔ اچھا تو میں جاتی ہوں..... انشاء اللہ پھر حاضر ہونگی۔

انور:۔ مگر دن میں دفتر میں مجھ سے ملنا کہیں فریق مخالف کے دل میں شبہات نہ پیدا کرے۔!!

جمیلہ:۔ نہیں دن میں ملنا رات سے زیادہ محفوظ ہے۔....

انور:۔ اس کی مصلحت آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔

جمیلہ:۔ اچھا تو خدا حافظ!... (انور سے ہاتھ ملاکر) انشاءاللہ کل یا پرسوں کسی وقت پھر یہیں ملاقات ہوگی۔

یہ کہکر جمیلہ چہرہ پر برقع ڈال کر فوراً کمرے کے باہر چلی گئی اور انور کا پرجوش شکریہ نا تمام رہ گیا۔............

....

بیسواں باب

نواب شہریار جنگ کے سکر ٹری

اسی دن قریب ۱۱ بجے صبح کو ایک شخص جسکی بڑی بڑی مونچھیں اور گل مچھے۔ جامہ وار کی اچکن، چوڑی دار پائجامہ اور روارنش کا پمپ گواہی دیرہا تھا کہ وہ کسی بڑے دولتمند نواب کا مصاحب ہے۔ فیری پیلیس میں ایک بڑے شاندار موٹر پر داخل ہوا۔ . . . موٹر سیدھا بنگلہ کے برساتی میں جاکر رُکا.... اس شخص نے موٹر میں سے گردن نکال کر ایک سپاہی سے بڑے تحکمانہ انداز سے پوچھا......

"مس ماہ لقا گھر ہی میں ہیں یا کہیں باہر گئی ہیں"؟

سپاہی:۔ نہیں حضور گھر ہی میں ہیں۔

وہی شخص:۔ (اسی لہجے میں) جاؤ اطلاع کردو کر نواب شہریار جنگ صاحب کے پرائیوٹ سکر ٹری اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ ایک نہایت ضروری کام ہے:

سپاہی فوراً سلام کرکے اندر چلا گیا... تھوڑی دیر میں اس نے واپس آکر کہا...

"چلئے.... ملاقات کے کمرے میں چلکر تشریف رکھئے وہ ابھی آتی ہیں"

پرائیوٹ سکر ٹری صاحب بڑے ٹھسّے سے اُترے۔ سپاہی کے سامنے نہایت بے پروائی سے ایک دس روپیہ کا نوٹ پھینک دیا! اس نے آنکھیں پھاڑے ہوئے نوٹ اٹھا لیا اور فوراً ایک فوجی سلام کیا اور اس کے بعد فوجی قاعدے کے مطابق سکر ٹری صاحب کے سامنے لکڑی کا لٹھا بن کر کھڑا ہوگیا . . . .

سکر ٹری صاحب کو ایک خدمتگار جو یہ سب تماشہ بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا ماہ لقا کے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ انھوں نے اس کے ہاتھ میں بھی ایک

دس روپیہ کا نوٹ ڈال دیا.... خدمتگار رفعتاً زرخرید غلام ہوگیا....

پرائیوٹ سکرٹری: مس ماہ لقا سے جاکر کہدو کہ ہمیں ذرا جلدی ہے!!

ماہ لقا کا خدمتگار: بہت اچھا حضور.... ابھی گیا... جب تک حضور سگار کا ایک نہایت خوبصورت گنگا جمنی بکس پیش کر کے، سگار نوش فرمائیں.... یا، حضور کو سگریٹ سے شوق ہے؟.......

پرائیوٹ سکرٹری: نہیں ہیں سگار پیونگا۔

خدمتگار نے دیا سلائی جلا کر پرائیوٹ سکرٹری صاحب کا سگار جلایا...
پھر وہ چلا گیا۔ سکرٹری صاحب کا سگار ½ انچ سے زیادہ جلنے نہ پایا تھا کہ پری سی ماہ لقا نہایت خوبصورت بنارسی ساڑی پہنے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور جھک کر نواب شہریار جنگ کے پرائیوٹ سکرٹری کو سلام کیا۔

سکرٹری: آداب عرض! مزاج تو اچھا ہے آپ کا؟

ماہ لقا: آپ کی عنایت ہے.... معاف فرمایئے گا مجھے ذرا دیر ہوگئی

سکرٹری: کوئی مضائقہ نہیں......

ماہ لقا: (مسکرا کر) کیا جناب کا دولت خانہ یہیں ہے؟

سکرٹری: جی نہیں! ہم لوگ تو پردیسی ہیں۔ حیدرآباد سے آئے ہیں ہمارے نواب صاحب بہادر تو ہر سال ان ہی دنوں میں سیر و تفریح کی غرض سے کہیں نہ کہیں ضرور جاتے ہیں۔ پارسال کشمیر تشریف لے گئے تھے! اس سال بمبئی کی قسمت تھی.... بڑے خوش مذاق، تعلیم یافتہ اور شاہ خرچ رئیس ہیں... اور رئیس بھی کیسے؟ رئیس ابن رئیس، ابن رئیس، ابن رئیس.... آئندہ سال یورپ کی سیر کا ارادہ ہے.... آج صبح کہنے لگے کہ یہاں تو ہمارا جی نہیں لگتا.... بمبئی کا جیسا نام سنا تھا ویسا نہیں پایا.......

ماہ لقا:۔ کیوں نہیں؟۔۔۔۔ بڑے شہروں کی سیر کئے ہوئے ہیں۔ بمبئی کہاں ان کی خاطر میں آسکتا ہے؟

سکرٹری:۔ مگر میں نے یہاں آتے ہی آپکی اور آپکی چھوٹی بہن مس جبین کی ایسی شہرت سنی کہ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں فوراً گھوڑا اٹھا کر حضور نے ابھی بمبئی دیکھا ہی کہاں ہے سرکار بولے کہ اس کے کیا معنی۔۔۔ میں نے عرض کی بمبئی میں آکر مس لقا ایسی مشہور معروف گانے والی کا مجرا نہ سنا اس نے کیا خاک بمبئی دیکھا۔ مس ماہ لقا منھ پر تعریف کرنا اچھا نہیں مگر خدا کی قسم آپکے رکارڈ سن کر تو طبیعت پھڑک جاتی ہے۔۔۔۔ اس وقت ہندوستان میں تو۔۔۔۔۔ کوئی آپکا ثانی نظر نہیں آتا۔ اور یوں تو دعویٰ کرنے والے بہت ہونگے۔۔۔۔ میں تو کہتا ہوں کہ جب رکارڈ میں آپکی آواز سننے والوں کو تڑپا دیتی ہے تو مجرے میں آپ قیامت ہی ڈھاتی ہونگی!!۔۔۔۔ واللہ کیا حسن آپنے پایا ہے نگاہیں نہیں ٹھیرتیں۔ ہمارے سرکار تو دیکھتے ہی ہزار جان سے فریفتہ ہوجائینگے اور ہیں بھی وہ بڑے حسن پرست!!۔۔۔۔۔۔

ماہ لقا:۔ آپ نے تو بس تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ کیوں آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔۔۔۔ بھلا میں ان تعریفوں کی کب مستحق ہوں؟

سکرٹری:۔ آپ کے سر کی قسم آپ اسکی دس گنا تعریفوں کی مستحق ہیں!

اتنے میں حمیا پان لے کر آتی ہے۔

سکرٹری:۔ (حمیا کو دیکھکر مسکراتے ہوئے)۔۔۔۔ اخاہ!۔۔۔ چاند کے ساتھ خوشنما ستارے بھی ہیں!۔۔۔۔ کیوں نہ ہو!۔۔۔ میں نے سنا بھی تھا کہ کہکشاں آسمان سے اتر کر فیری پیلیس میں چلی آئی ہے۔

حمیا شرم سے دوہری ہوگئیں۔ منھ پر ساری کا آنچل کھینچ لیا اور کنکھیوں سے سکرٹری کو دیکھنے لگیں۔

ماہ لقا:۔ لیجئے پان تو نوش فرمایئے۔

سکرٹری:۔ نہیں صاحب ہم تو انہیں کے ہاتھ سے کھائیں گے ورنہ کھائینگے نہیں!! ختم ہے واللہ ختم ہے اس لڑکی پر ملاحت ختم ہے!!۔۔۔۔
چمپا کے نازو انداز دیکھنے کے قابل تھے۔!

ماہ لقا:۔ (کھلکھلا کر ہنستے ہوئے)۔۔۔۔ لو! چمپا!! اب تم سے ہم کو ہاتھ دھونا پڑا سکرٹری صاحب تو تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔

چمپا:۔ ارے بیٹے بھی پہلے ذرا وہ منھ دھو کر تو آئیں پھر ہاتھ دھو کر پیچھے پڑیں اس پر ایک فرمایشی قہقہہ ہوا۔۔۔ سکرٹری صاحب بھی بہت محظوظ ہوئے بتیسوں دانت ان کے ایک ایک کر کے گنے جاسکتے تھے۔۔۔۔۔

ماہ لقا:۔ (ہنستے ہوئے) یہ لڑکی بھی ایسی منھ زور ہے۔ نچلی تو بیٹھتی ہی نہیں، ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہے۔ سکرٹری صاحب برا نہ مانیے گا۔ کہیئے گا تو سنیئے گا بھی۔ ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے۔

سکرٹری:۔ بیشک بیشک! میں کب انکی شکایت کرتا ہوں؟۔۔۔ ۔۔۔۔ نمک کے ساتھ تیتا مرچ بھی ملی ہے۔

چمپا:۔ (ناز سے اٹھلا کر) جب ہی آپ کی رال ٹپک رہی ہے!!

سکرٹری:۔ (ہنستے ہوئے) نمکین جان تم ایسی بیباک کیوں ہو؟

چمپا:۔ (چمک کر) لے ہے! تو آپ ہی کون کسی گولے یا ہوائی سے کم ہیں؟

ماہ لقا:۔ (ہنستے ہوئے) ارے چل ہٹ دور ہو لونڈیا۔ تو تو بڑی منھ زور ہوگئی ہے!!!

چمپا:۔ (ناز سے) اور یہ جو اتنی دیر سے دولتیاں جھاڑ رہے ہیں ان کو نہیں کہتیں؟۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔

ماہ لقا:۔ (ہنس کر) بھاگ یہاں سے نالائق کہیں کی اس کی زبان میں تو لگام ہی نہیں ......

سکرٹری :۔ ارے رہنے بھی دیجئے۔ اس کافر کے منہ سے تو کڑوی بات بھی میٹھی ہو کر نکلتی ہے......

چمپا :۔ (بڑے ناز سے) میں ناحق پان لے کر آئی... کسی اور کے ہاتھ بھیج دیتی تو کاہیکو (ا) آتی تو تو میں میں ہوتی......

یہ کہتی ہوئی چمپا کمرے سے چلی گئی......

ماہ لقا:۔ بڑی شوخ لڑکی ہے۔! آپ اسکی گستاخی معاف فرمایئے گا۔

سکرٹری :۔ نہیں ! نہیں ! معافی کیسی ؟ میں نے تو خود ہی اسے چھیڑا تھا مگر بڑی حاضر جواب ہے !!! اس ہنسی مذاق میں جس کام کے لئے آیا تھا۔ اس کو تو بھول ہی گیا۔

ماہ لقا:۔ فرمایئے۔ فرمایئے۔!

سکرٹری :۔ (سگار کا کش لگاتے ہوئے) ہمارے سرکار نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آج رات کو ۹½ کے لئے آپ کو بیڑا دیدیں (سو روپیہ کا نوٹ نکال کر) لیجئے یہ ناچیز رقم بطور پیشگی قبول فرمایئے۔ مجرے کے لئے سرکار نے ایک ہزار کا حکم دیا ہے اور یوں پھر انکی طبیعت ہے جو کچھ بھی دے ڈالیں .... روپیہ تو ان کے ہاتھوں کا میل ہے۔

ماہ لقا:۔ (نوٹ لیکر دل میں) یہ سکرٹری تو بالکل الّو کا پٹھا معلوم ہوتا ہے نواب صاحب اس سے بھی دو چار ہاتھ بڑھے ہوں گے۔ ایک مجرے کے ہزار روپیہ!!! معلوم ہوتا ہے جیسے روپیہ کاٹنے کھاتا ہے.... اچھا ہے اگر ایسے ایسے چوغڑے نہ ہوں تو ہم لوگوں کا کام کیسے چلے ... یہ جو احمق زرِجہاں یا قیمت مفلس کس نزد ماند۔

۔۔۔۔ (سکریٹری سے) ۔۔۔۔ اس عنایت کا شکریہ، میں ضرور حاضر ہونگی، ۔۔۔۔ گو آج گلے میں ذرا تھوڑی سی خراش ہو گئی ہے۔

سکریٹری:۔ (کسی قدر گھبرا کر) جی نہیں! کوئی عذر و معذرت نہیں سنی جائیگی۔ آپکو آج آنا پڑے گا ۔۔۔۔ (اور پھر آپ کا تو کام ہی یہی ہے) ۔۔۔ خراش وراش ہو ہی جایا کرتی ہے! اس کا کہاں تک خیال کیجیے گا۔ ۔۔۔۔۔

ماہ لقا:۔ نہیں! نہیں! میں ضرور حاضر ہونگی۔ آپ خاطر جمع رکھیئے!!

سکریٹری:۔ یہ رقم تو محض آپ کے لئے ہے مگر مس مہ جبین۔

ماہ لقا:۔ (کسیقدر گھبرا کر) مہ جبین کی تو طبیعت نہیں اچھی ہے ۔۔۔۔ وہ آجکل کہیں آتی جاتی نہیں ہیں ۔۔۔۔ وہ تو میرے ساتھ آج نہ آسکیں گی۔

سکریٹری:۔ خیر کوئی ہرج نہیں ہے! پھر کبھی سہی ۔۔۔۔ مگر اُن سے ملاقات نہ ہونے کا مجھے افسوس ہے ۔۔۔۔ میں نے تو انکی بھی بڑی تعریفیں سنی ہیں۔ مشہور ہے سارا بمبئی آج کل اُن کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔

ماہ لقا:۔ یہ تو آپ صاحبان کی قدردانی ہے ۔۔۔۔ دو چار دن میں خدا نے چاہا تو ان کی طبیعت اچھی ہو جائیگی۔ پھر خدمت میں حاضر ہونگی۔ اور ابھی تو نواب صاحب یہاں کچھ دنوں تک قیام فرمائیں گے ۔! ۔۔۔۔

سکریٹری:۔ جی ہاں۔ ابھی تو سرکار ہفتہ عشرہ تک تو ہیں ہی اور اگر یہاں دل لگ گیا تو پھر کون کہے۔ بڑے آدمی ٹھہرے۔ دس پانچ لاکھ کی کوٹھی بنا کر شاید یہیں رہنے لگیں!! ۔۔۔ ہمارے سرکار کے صرف علاقہ کی آمدنی بیس بائیس لاکھ سالانہ ہے اور دو چار کروڑ تو بینکوں میں اور ریلوں اور کارخانوں کے حصوں میں جمع ہے ۔۔۔۔ اور پھر ایسے دریا دل رئیس بھی کم ہوں گے ۔۔۔ روپیہ تو ان کے یہاں پانی کی طرح خرچ ہوتا ہے! ابھی پار سال کا قصہ ہے ۔۔۔ حیدر آباد کی زہرہ جان سے

صرف چھ سات مہینے راہ و رسم رہا تھا۔ مگر اسی عرصہ میں اسکے لئے چھ سات لاکھ کا عظیم الشان محل بنوا دیا جس کو دیکھ کر حیدرآباد کے بڑے بڑے نوابوں کے محل شرماتے ہیں۔

ماہ لقا۔ بیشک بیشک! بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔

سکرٹری:۔ اچھا ...... تو اب اجازت دیجئے سرکار میرا انتظار کر رہے ہونگے؟ ..... اور ہاں موٹر تو آپکے پاس ہوگا ہی؟ میں قریب نو بجے آپ کو لینے خود آؤنگا!

ماہ لقا۔ جی ہاں موٹر تو خدا کے فضل سے تین تین ہیں ... مگر کہاں جانا ہوگا۔ پتہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔

سکرٹری:۔ سیتا کروز میں نواب شہریار جنگ والی کوٹھی۔ مگر میں تو آؤں گا۔! ....

ماہ لقا:۔ بیشک! بیشک۔ تو میں تیار رہونگی۔

سکرٹری:۔ اچھا تو میں آداب عرض کرتا ہوں ......

یہ کہکر سکرٹری صاحب ماہ لقا سے رخصت ہوکر موٹر پر روانہ ہوگئے اور ماہ لقا ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی ہوائی قلعہ بازیوں میں مشغول ہوگئیں ....

بیچارہ بھی بھاشیر ہے ... ممتاز کے لگ بھگ بلکہ ان سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ... مگر آج محسن کو ساتھ لیجانا مناسب نہ تھا ورنہ شاید وہ جانی بھی نہ کبھی ذرا بھی اس نئے شکار کے رنگ ڈھنگ تو دیکھ آؤں پھر پارہ لگایا جائے گا! ... دنیا میں خدا نے جس طرح دولت تقسیم کی ہے اس سے ہم بہت خوش ہیں ... اگر خدانخواستہ دولت کہیں دنیا کے عقلمند اور سمجھدار طبقے کو دیدیجاتی تو واقعی بڑی مصیبت ہوجاتی! ہم لوگوں کا تو کوئی سرپرست ہی نہ رہ جاتا! اور دنیا کے نہ فرقے جو مختلف طریقوں سے لوگوں کی حماقت پہ تجارت کیا کرتے ہیں۔ ان کا تو صاف دیوالہ نکل جاتا۔!!!

اکیسواں باب

ہلاک طرز آن بیگانہ خوئے آشنا رویم
کہ با ایں بیوفائی او وفادار است پنداری

کشور نے ایک ٹوٹی ٹھنڈی سانس لی۔ تو زہرہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا میری کشور خدا کے لئے اس قدر رنج نہ کرو۔ تم کو تو خوش ہونا چاہئے کہ تم کو تمہاری غلطی حسن اتفاق سے معلوم ہوگئی اور قبل اس کہ تمہیں کوئی اُس کا کمل ڈال کر لوٹ لے تم جاگ اٹھیں.... واقعی وہ شخص تمہارے لائق نہ تھا۔ وہ تمہارے پیر دھونے کے بھی قابل نہ تھا۔ تم نے بیکار ہی اپنی بیش بہا محبت ایسے شخص پر ضائع کی جو صرف تمہاری انتہائی نفرت کا مستحق تھا.... وہ ایک خوبصورت شیطان۔ خود غرضی کا پتلا۔ فریب کا مجسمہ تھا........ اچھا ہوا کہ تمہاری آنکھیں کھل گئیں۔ تمہیں ہوش آگیا۔ تمہاری کھوئی ہوئی عقل واپس آگئی.... اب اس باب کو ختم کرو اور ایک نیا ورق الٹو........

کشور: تمہارا کیا مطلب ہے؟ اب میں کیا کروں؟؟..........

زہرہ: اب تمہارا پہلا فرض تو یہ ہے کہ تم فوراً ان سے اپنی وہ تحریر اور تحفے جو تمہیں انکو کبھی نہ دینا چاہئے تھی واپس لے لو ورنہ ممکن ہے کہ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کا سارا فریب ہم سب پر کھل گیا ہے تو وہ یہ دونوں کا غذ یا لیں وہ انہیں واپس کرنے سے صاف انکار کر جائیں.... پھر تو بڑی آفت کا سامنا ہوگا....

کشور: ہائے مجھ کو اب بھی یقین نہیں آتا کہ انور دغا باز ہے!

زہرہ: بندریا کا بچہ جب مر جاتا ہے تو وہ کئی دن تک اپنے سینے سے اسکی لاش لپٹائے ہوئے پھرا کرتی ہے۔ اسکو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ مر گیا اور جب تک وہ

بچے کی لاش کی سڑنے کی بدبو ناقابلِ برداشت نہیں ہو جاتی اس وقت تک اسے اعتبار ہی نہیں ہوتا کہ اس کا بچہ مر گیا۔۔۔ بعینہٖ یہی آپکے دل کی کیفیت ہے جو محبت آپکے دل میں پیدا ہوئی جس کو آپ نے ناز و نعم سے پالا اس پر بجلی گری اور اس کا خاتمہ ہو گیا!۔۔۔ اب آپ اس مردہ محبت کی لاش کو دل سے لگائے پھرتی ہیں اور آپکو یقین ہی نہیں آتا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ تعجب ہے کہ اب بھی آپ کہتی ہیں۔۔۔"اُسے مجھے یقین نہیں آتا کہ انور دغاباز ہے" تو میرا اس میں کیا ہے۔ اس کا بھی ایک آخری امتحان کر لیجیے۔ ان سے وہ دونوں کاغذ مانگئے اگر وہ آپکو دیدیں تو کیا کہنا اور اگر نہ دیں یا دینے میں حیلے حوالے کریں تو انکی سچائی و دیانتداری کی ساری قلعی کھل ہی جائیگی کیا حرج ہے اپنے انور کو ایکمرتبہ اور آزما لیجیے۔ کاہیکو حسرت باقی رہ جائے!

کشور:۔ ہاں! ہاں میں آزماؤں گی۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ انور یہ دونوں کاغذ فوراً واپس کر دیگا یا اور بات ہے کہ وہ مہ جبین کے دامِ فریب میں آ گیا ہو مگر وہ ہرگز جھوٹا، دغاباز یا لالچی نہیں ہے۔

زہرہ:۔ ہاں! ہاں تو میں بھی یہی کہہ رہی ہوں اپنے دیوتا کو ایکمرتبہ اور آزما لو۔۔۔ گو یہ بہت پرانی اور سچی مثل ہے کہ "آزمودہ را آزمودن جہل است" لیکن اگر تم کو اس کا حوصلہ باقی ہے تو یہ بھی حوصلہ نکال لو۔ میں منع نہیں کرتی۔ مگر یاد رکھو! جتنا تمہارے انور کو میں سمجھ گئی ہوں تم نہیں سمجھی ہو اور نہ سمجھو گی تم کو انکی خوشنما جلد ابھی تک دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے اور میں اس خوشنما جلد کے اندر بھی دیکھ سکتی ہوں۔ میری نگاہیں ان کے خود غرض اور حریص دل کی کیفیت کا بھی جائزہ لے سکتی ہیں۔۔! بس مجھ میں اور تم میں یہی فرق ہے۔

اس وقت بیرونی دالانکے برساتی میں ایک موٹر آ کر رکا۔ ڈاکٹر شیرازی اس سے اُترے۔۔۔۔ خدمتگار نے ڈرائنگ روم میں ان کو بٹھلا دیا اور جا کر زہرہ اور کشور کو ان کے آنے کی اطلاع دی۔۔۔۔۔۔

تھوڑی دیر میں کشور ایک خوبصورت نبتی رنگ کی ریشمی ساڑی پہنکر زہرہ جمال کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

ڈاکٹر شیرازی نے بڑے دل پذیر انداز سے اُٹھکر کشور کو سلام کیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔

کشور۔ ڈاکٹر شیرازی کے قریب ہی جیٹھ گئی اور زہرہ بھی۔

ڈاکٹر شیرازی (کشور سے) کہئے طبیعت کیسی ہے؟ آج تو کچھ چہرہ آپ کا اداس معلوم ہوتا ہے؟

کشور:۔ جی یوں ہی! کچھ طبیعت آج ذرا سست ہے۔ کہئے آپ کا مزاج تو اچھا ہے.........

ڈاکٹر شیرازی:۔ آپ کی عنایت...........

زہرہ:۔ بھائی جان آپ اس وقت خوب آگئے..... اس وقت آپ ہی کی ضرورت تھی۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکرا کر) کیوں میری ایسی کیا ضرورت ہو سکتی ہے اور خدا نہ کرے کہ تم کو یا مسز انور کو میری ضرورت ہو!

زہرہ:۔ نہیں علاج معالجے سے میرا مطلب نہیں۔ آپ کی ضرورت یہ تھی کہ آپ کو جو موسیقی میں غیر معمولی مہارت حاصل ہے اس کا ثبوت دیجئے تاکہ مسز انور کی طبیعت ذرا بحال ہو جائے۔

کشور:۔ ہاں ڈاکٹر شیرازی صاحب کچھ سنائیے..... میری رُوح پیاسی ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ آپکی فرمائش میرے سر آنکھوں پر... فن موسیقی تو مجھے کیا آتا ہے میں سمجھوں گا کہ میں بہت کامیاب ہوا اگر آپکی طبیعت پر گراں نہ گذرے

زہرہ:- بھائی جان آپ تکلف نہ کیجئے۔ وہ دیکھئے بیلا رکھا ہوا ہے، آج ہی سنا دیجئے اور اپنا گانا بھی۔۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر شیرازی:- تکلف کیسا میں تیار ہوں۔

یہ کہکر ڈاکٹر شیرازی نے بیلا اٹھایا اور کچھ دیر تک اس کو درست کر کے۔۔۔۔ آہستہ آہستہ اس کے تاروں کو چھیڑنا شروع کیا۔۔۔ بیلے سے ایک نہایت مدہم مگر بیحد سریلا نغمہ نکلا۔ ڈاکٹر شیرازی واقعی بیلے کا بہت بڑا ماہر تھا۔۔۔۔ آہستہ آہستہ بیلے کی آواز بڑھنے لگی۔۔۔ درجہ بدرجہ نغمہ کا ترنم ترقی کرنے لگا یہاں تک کہ کمرہ موسیقی کی دلکش موجوں سے بھر گیا سننے والوں کی طبیعتوں میں لہریں پیدا ہونے لگیں۔۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی کمسن نازک اندام پریوش اپنی نرم اور سریلی آواز میں کسی سے بیوفائی کی شکایتیں کر رہی ہے۔۔۔ کبھی اسکی آواز میں آنسو ہوتے ہیں۔ کبھی اس میں سچی محبت کا سوز و گداز ہوتا ہے کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیوفا معشوق کا دامن پکڑ کر زار و قطار رو رہی ہے اور رو رو کر اسکی بیوفائی کے گلے شکوے کر رہی ہے۔۔۔۔۔

کشور کے دل کی رگیں کھنچنے لگیں۔۔۔۔ اس کے بدن میں ایک کانپتی ہوئی لہر آئی اور گذر گئی۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے اپنا سر کرسی پر رکھ دیا اور اپنی نشیلی نیم باز آنکھوں سے بیلا اور اسکے بجانے والے کی طرف دیکھتی رہی۔ ڈاکٹر شیرازی پر کشور کی محویت کا ایک برقی اثر ہوا۔ اُس کی طبیعت میں بھی ایک عجیب ارتعاش پیدا ہو گیا اور بیلے میں ایک نئی جان پڑ گئی۔۔۔۔ اس کے نغموں میں ایک پر جوش ترنم پیدا ہو گیا! اس کے تاروں میں سے ایک آگ سی نکلنے لگی۔ کشور نے اپنی ساری عمر میں ایسے جادو بھرے نغمے نہیں سنے تھے!!۔۔۔۔ آج تک اس نے ایسا حسین ماہر فن نہیں دیکھا تھا

.... وہ بیخود ہوگئی... مبہوت ہوگئی... مسحور ہوگئی... اور ساری فضا میں جادو اور بجلی کی سی لہریں اُبلنے اور تڑپنے لگیں....!

قریب آدھ گھنٹے کے بعد بیلے کی سحر آگیں آواز آہستہ آہستہ مدہم ہوکر خاموش ہوگئی... جیسے کوئی روتے روتے تھک گیا ہو اور تھک کر سوگیا ہو......

بیلے کے خاموش ہوجانے کے بعد کئی منٹ تک ایک کامل خاموشی... ایک طلسمی سکوت.... طاری رہا... کچھ عرصے کے بعد کشور رفتہ رفتہ ہوش میں آئی.....

اور اس نے مسکرا کر ڈاکٹر شیرازی سے کہا کیسی خوبصورت اور کیسی جادو بھری لے تھی...

میں نہیں جانتی تھی کہ فنِ موسیقی میں آپ کو اس درجہ کمال حاصل ہے؟"

ڈاکٹر شیرازی:۔ (شرمیلے لہجے میں) جی نہیں.... مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا...

.... ابھی تو مجھ کو فنِ موسیقی کی ابجد بھی نہیں معلوم..... مگر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ میرا بیلا آپ کو ناپسند نہیں ہوا۔

زہرہ:۔ (ہنس کر) بھائی جان تو بڑے چھپے رستم ہیں۔ بیلے ہی پر کیا موقوف ہے۔ گاتے بھی تو بہت اچھا ہیں۔ (ناز سے) اللہ بھائی جان... کوئی چیز سنا دیجئے۔ دیکھئے۔ آپ نے کب سے مجھے اپنا گانا نہیں سنایا......

کشور:۔ (مسکرا کر).... ہاں ڈاکٹر شیرازی صاحب.... میں بھی زہرہ کی تجویز کی تائید کرتی ہوں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ یہ تو بڑی مشکل ہوئی! ابھی تک تو خیر خدا خدا کر کے میری آبرو رہ گئی تھی.... مگر اب یہ زہرہ میری نااہلی کا پردہ فاش ہی کرنے پر تلی ہے۔

کشور:۔ نہیں! نہیں! آپ ڈریں نہیں۔ یہاں کوئی ایسا ماہرِ فن نہیں ہے جو آپ کے کمال پر حرف لاسکے۔

تھوڑا سا اور تکلف اور انکسار کر کے ڈاکٹر شیرازی نے بیلا میز پر رکھ دیا اور

دوسری میز پر سے ہارمونیم اٹھا کر اسے بجانے لگا، چند ہی سکنڈ میں معلوم ہو گیا کہ باجا ایک ماہر فن کے ہاتھ میں ہے۔

ڈاکٹر شیرازی :- مسز انور فرمائیے کیا سناؤں؟

کشور :- (مسکرا کر) جو جی چاہے۔ مجھ سے آپ کیا پوچھتے ہیں؟ ......

زہرہ :- بھائی جان فانی کی وہ غزل سنائیے ''ال سوز غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ''

ڈاکٹر شیرازی :- نہیں اس وقت نہیں فانی نے یہی تو ایک غزل کہی ہے مگر بہت غم آلود ہے......

زہرہ :- اچھا تو پھر وہ گائیے ''نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے''!

ڈاکٹر شیرازی :- مجھے اتفاق سے اسکے صرف دو ہی تین شعر یاد ہیں....

زہرہ :- (ناز سے) ہائے اللہ۔ آپ تو بہت دق کرتے ہیں...اب کچھ انکو یاد ہی نہیں آتا ایسا ان کا حافظہ خراب ہو گیا ہے۔ اچھا... اصغر کی یہ غزل آپ کو یاد ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

اسرار عشق ہے دل مضطر لئے ہوئے
قطرہ ہے بیقرار سمندر لئے ہوئے

ڈاکٹر شیرازی :- مسکرا کر ہاں یہ تو اتفاق سے یاد ہے۔

ڈاکٹر شیرازی نے ہارمونیم چھیڑا۔ اور اصغر کی یہ غزل شروع کر دی۔

اسرار عشق ہے دل مضطر لئے ہوئے — قطرہ ہے بیقرار سمندر لئے ہوئے
کیا مستیاں چمن میں ہیں جوش بہار سے — ہر شاخ گل ہے ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے
پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی — ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے
تصویر ہے کھنچی ہوئی ناز و نیاز کی — ہم سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے
میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں — رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لئے ہوئے

کشو کو ایک خوشگوار تعجب ہوا کہ ڈاکٹر شیرازی نہ صرف بیلا ہی بجانے میں حاذق ہے بلکہ ہارمونیم
میں بھی بڑا مشاق ہے۔ علاوہ اس کے اس کی آواز میں کس قدر درد اور کشش اور سوز
ہے۔ اس کا گلا کس قدر تیار ہے؟ غزل میں اس نے ایک روح پھونک دی ہر لفظ میں
ایک اثر ہر شعر میں اس نے ایک حسن پیدا کر دیا۔ فی الحقیقت اچھا گانے والا معمولی الفاظ
میں جان ڈال دیتا ہے۔ ان میں ایک برقی تاثیر ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتا ہے
...... اور یہی ماہر فن کی خصوصیت ہے! مقرر معمولی خیالات میں وہ اثر بھر دیتا ہے کہ
سننے والے مخمور و مسحور ہو جاتے ہیں۔ مصور معمولی کاغذ پر ایک معمولی قلم کی جنبش سے ایسا جادو
کر دیتا ہے کہ تصویر بولنے لگتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس میں روح پڑ گئی ہو۔ ہر
ماہر موسیقی لوہے کے تاروں یا لکڑی کے پردوں میں سے دلکش آواز پیدا کر دیتا ہے جس کے
ترنم سے انسان تو انسان جانور بھی مست ہو کر جھومنے لگتے ہیں شاعر روزمرہ کے
واقعات اور انسانی جذبات کو اس انداز سے بیان کر دیتا ہے کہ پڑھنے یا سننے والے
کی روح یکبارگی وجد میں آجاتی ہے اور رقص کرنے لگتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر ماہر فن میں ایک شان الوہیت ہوتی ہے یعنی وہ بےجان چیزوں
میں جان ڈال دیتا ہے۔ وہ بے روح چیزوں میں روح پھونک دیتا ہے.......

کشو پر موسیقی کا غیر معمولی اثر ہوتا تھا... موسیقی سے اسکے خون میں ایک عجیب
تموج اسکی روح میں ایک عجیب تلاطم پیدا ہو جاتا تھا... موسیقی سے اس پر وہی
کیفیت طاری ہو جاتی تھی جو اوروں پر شراب سے طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر
کہا کرتی تھی کہ مجھ میں سانپ کی روح ہے گو اس کا زہر نہیں......"

ڈاکٹر شیرازی کی سریلی اور دلکش آواز نے اسے مست کر دیا۔ مدہوش کر دیا!
.... ہر گیت کے بعد دوسرے گیت کی فرمائش ہو رہی تھی کسی طرح اسکی سیری ہی نہیں
ہوتی تھی۔ ڈاکٹر شیرازی پر بھی کشو کے حسن کا نشہ چڑھ گیا تھا... وہ آج معمولی سے

بدرجہا بہتر گا رہا تھا اور زہرہ دونوں کو شہ دیتی جاتی تھی۔
اسی میں قریب تین گھنٹے گذر گئے اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہوا سوا چھ کا وقت تھا کہ انور دفتر سے واپس آیا۔۔۔۔ جیسے ہی اس کا موٹر رکا اس کو گانے اور باجے کی آواز سنائی دی۔ اُسے تعجب ہوا کہ یہ آج غیر معمولی بات کیسی ہے؟ خدمتگار سے اس نے پوچھا کہ کون گا رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر شیرازی صاحب گا رہے ہیں۔۔۔۔۔
انور کے چہرے پر ایک ابر سا آگیا۔ اور "ہونہہ" کہکر وہ فوراً اپنے کمرے میں ہاتھ منہ دھونے اور کپڑے بدلنے کے لئے چلا گیا۔۔۔ بار بار اس کے خون میں عجیب قسم کی لہریں اٹھتی تھیں۔۔۔ گو وہ کشور کا شوہر نہ تھا مگر نہ معلوم کیوں وہ کشور کو اپنی چیز سمجھتا تھا اسکو سخت حیرت تھی کہ ڈاکٹر شیرازی سے آج یہ صرف دوسری ملاقات ہے اور آپس میں اس قدر ربط ضبط پیدا ہو گیا کہ وہ نہایت بے تکلفی سے گا رہے ہیں اور کشور نہایت بے تکلفی سے سن رہی ہیں ۔۔۔۔ دوسری بات جو اس کو غیر معمولی معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ڈاکٹر شیرازی دو مرتبہ بنگلے پر آئے اور دونوں مرتبہ اسکی غیر حاضری میں اور پھر بھی کشور نے ان سے ملنا اور اس قدر ربط ضبط بڑھانا پسند کیا۔۔۔ کیا کشور کچھ بدل گئی تھی؟۔۔۔۔ یا یہ محض اس کا وہم تھا؟۔۔۔۔ وہ نہاتا رہا۔۔۔۔۔ کپڑے بدلتا رہا۔ بال سنوارتا رہا۔۔۔۔ مگر یہ سوال رہ رہ کر اُسے ستاتا رہا۔۔۔۔
خدمتگار نے ڈرائنگ روم میں جاکر کہدیا۔۔۔ صاحب آ گئے۔ کشور کی پیشانی پر بل پڑ گئے اس کے چہرے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ خبر اسکو ناگوار ہوئی۔۔۔۔۔
ڈاکٹر شیرازی نے باجا اور گانا بند کر دیا۔
کشور نے کہا کیوں؟ کیوں؟ آپ رُک کیوں گئے؟ رکنے کی کیا ضرورت ہے؟"
ڈاکٹر شیرازی جی نہیں۔ اب معاف فرمائیے۔ بہت دیر ہو گئی اور میں بھی ذرا تھک گیا ہوں۔

(اپنی دستی گھڑی دیکھ کر)..... اوفوہ! چھ بج گئے اتنی دیر ہو گئی..... مجھے تو وقت کچھ معلوم ہی نہیں ہوا۔

کشور :- (مسکرا کر) اور مجھے بھی!..... موسیقی بھی کیا چیز ہوتی ہے...... کیوں ڈاکٹر صاحب جنت میں موسیقی تو ضرور ہی ہوگی! سنا ہے کہ فرشتے بہت اچھا گاتے ہیں!......

ڈاکٹر شیرازی :- (مسکرا کر) فرشتے؟ آپ نے بھی کمال کیا میں نے تو سنا ہے کہ فرشتوں کو سوائے عربی بولنے اور تسبیح گھڑکانے کے کچھ آتا ہی نہیں......

اس پر کشور کھلکھلا کر ہنس دی۔

ڈاکٹر شیرازی :- (ہنستے ہوئے) واقعی میں کچھ، غلط تھوڑا ہی کہتا ہوں اور پھر جنت میں نہ سینما ہے نہ تھیٹر۔ نہ چوپاٹی۔ نہ سمندر..... اور موسیقی کا تو ذکر ہی کیا نام لینا بھی حرام ہوگا..... توبہ کیجئے..... ایسی جنت پڑے جہنم میں۔ تا بعثی میں تو وہاں ہرگز نہ جاؤں گا مجھے تو ایسی جنت میں پہنچتے ہی تپ دق ہو جائے گا۔

کشور :- (مسکرا کر) اگر آپ کو جنت جانے سے انکار ہے تو کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔

ڈاکٹر شیرازی :- دنیا کے جتنے دلچسپ آدمی ہیں اور ہوئے ہیں وہ سب تو جہنم ہی میں ہوں گے جنت میں کیا رکھا ہے.....؟..... اور پھر جنت اور جہنم تو سب ہم ہی میں ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی دوزخ اپنی اپنی بہشت بناتا ہے اور بناتا ہے اور ہر شخص اپنی بہشت یا دوزخ دنیا سے اپنے ساتھ لیجاتا ہے کسی نے خوب کہا ہے

بسیار خواندہ ام صفت دوزخ و بہشت
دوزخ فراق تست، بہشتم وصال تو

اس پر کشور شرما گئیں اور بات بدل کر بولیں۔

ڈاکٹر شیرازی صاحب آپ نے فن موسیقی کہاں سے سیکھا؟"

ڈاکٹر شیرازی: کسی کالج میں نہیں۔ مجھے قدرتی شوق تھا۔ شہد کی مکھی کی طرح میں نے ہر پھول پر بیٹھ کر یہ شہد جمع کیا ہے۔؟

کشور: کیا آپ دن بھر بہت مصروف رہتے ہیں ؟

ڈاکٹر شیرازی: نہیں تو...۔ مگر آپ کیوں پوچھتی ہیں؟

کشور:۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر آپ کو فرصت ہو تو مجھے موسیقی میں کبھی کبھی تھوڑا سا درس دے دیا کیجئے لیکن غالباً میں آپ سے ایک ناممکن فرمائش کر رہی ہوں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ بالکل نہیں...۔ مجھ کو اس سے زیادہ مسرت نہیں ہو سکتی میں ہفتہ میں کم از کم تین دن نہایت آسانی سے آسکتا ہوں۔

کشور:۔ اس عنایت کا دلی شکریہ!!

ڈاکٹر شیرازی: شکریہ تو مجھے خود آپ کا ادا کرنا چاہئے۔ اچھا تو اب اجازت ہے۔؟

کشور:۔ انور سے تو مل لیجئے.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ اس وقت وہ دفتر سے تھکے ہوئے آئے ہیں اور مجھے بھی دیر ہو گئی ہے، پھر کسی دن فرصت کے وقت اُن سے شرف ملاقات حاصل کروں گا۔

اس کے بعد ڈاکٹر شیرازی کشور اور زہرہ سے رخصت ہو کر موٹر پر سوار ہو گئے۔ جس وقت ڈاکٹر شیرازی کا موٹر انور کے کمرے کے سامنے سے گذرا اس وقت دو خوبصورت مگر خشمگیں آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔

کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ آنکھیں کس کی تھیں؟......
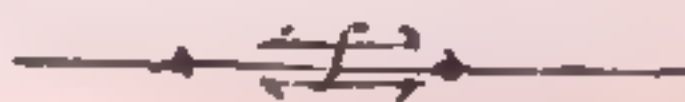
بائیسواں باب

سادہ فریب

اسی دن رات کو ۹½ بجے تین موٹر شنیتا کروز کی طرف جو شہر بمبئی سے قریب ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے، چلے جا رہے تھے۔ آگے کے موٹر میں نواب شہر یار جنگ کے سکریٹری تھے۔ دوسرے موٹر میں ماہ لقا تھیں اور تیسرے میں ماہ لقا کے سازندے وغیرہ شنیتا کروز قریب ایک میل رہ گیا ہوگا کہ سکریٹری صاحب کا موٹر دفعتاً رُک گیا۔ اس کے ساتھ ہی اور موٹر بھی رُک گئے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سکریٹری صاحب کے موٹر کا کوئی پرزہ خراب ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کا ڈرائیور پرزہ درست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ماہ لقا اپنے موٹر میں اور ان کے سازندے وغیرہ دوسرے موٹر میں پان تمباکو کھانے اور سگریٹ بیڑی پینے اور مختلف مضامین پر باتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہوتے ہوتے آدھ گھنٹہ ہو گیا۔ ... اور ڈرائیور صاحب تھے کہ موٹر کے ساتھ بڑی بڑی گاؤ زوریاں فرما رہے تھے مگر موٹر اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا۔ اچھا خاصہ قطب ہو کر رہ گیا تھا۔

ماہ لقا :- (بے صبری سے) یہ تو بڑی دیر ہو رہی ہے :- (گھڑی دیکھ کر) اے لو سوا دس ہو گئے ......

سکریٹری صاحب (جو آکر ماہ لقا کی موٹر میں بیٹھ گئے تھے اور خوب لسانی کر رہے تھے) اونہہ کوئی ہرج نہیں دس کے ساڑھے دس ہو جائیں گے۔ تو کیا پروا۔ آج تو ساری رات اپنی ہے ... (ڈرائیور سے) ارے بدھو خاں ... یہ تم نے کیا دیر لگائی ہے ... ذرا سا موٹر نہیں ٹھیک ہوتا؟ ......

ڈرائیور۔ نہیں حضور مگبرایئے نہیں۔ بس ذرا سی کسر باقی ہے۔ ابھی دس منٹ میں درست ہوا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

سکریٹری صاحب وہاں بھئی جلدی کرو۔ یہ گھبرا رہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔

ڈرائیور۔ بہت اچھا حضور!۔۔۔۔۔۔

ڈرائیور پھر موٹر سے گاؤزوریاں کرنے لگا۔ اور سکریٹری صاحب ماہ لقا سے باتیں بنانے لگے۔۔۔۔۔ دس منٹ جب ہو گئے اور موٹر ٹھیک نہیں ہوا تو اور ڈرائیوروں نے کہا "ارے میاں۔ کیا ہے۔ لاؤ ہم ٹھیک کر دیں۔۔۔۔۔ نہ معلوم تم اتنی دیر سے کس چکر میں پڑے ہوئے ہو"۔۔۔۔۔۔

سکریٹری کا ڈرائیور "نا بھیّا۔۔۔۔۔ نواب صاحب کا بڑا سخت حکم ہے کہ سوائے میرے کوئی اور ان کا موٹر چھونے نہ پائے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔۔۔

موٹروں کے ڈرائیور:۔ تو ہمیں کیا ہے۔ تم ہی اپنی جان ہلاک کرو۔ ہم نے تو تمہاری ہمدردی میں کہا تھا۔

سکریٹری کا ڈرائیور:۔ بھیّا برا نہ ماننا۔ روزی کا معاملہ ہے۔۔۔۔ ورنہ میرا تو اس میں فائدہ تھا کہ تم ہی سب مل کے ٹھیک کر دیتے۔۔۔۔ یہ کہکر وہ پھر موٹر کے پرزوں کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ یہاں تک کہ گیارہ بج گئے۔ گیارہ بجے خدا خدا کر کے اس نے یہ دل خوش کن مژدہ سنایا کہ چلیے صاحب موٹر کسی نہ کسی طرح ٹھیک تو کر لیا ہے۔ مگر صرف آہستہ آہستہ چل سکتا ہے۔

سکریٹری صاحب:۔ کوئی ہرج نہیں۔۔۔ یہی بڑی بات ہے کہ اب چل تو سکتا ہے۔۔۔۔ (ماہ لقا سے) ان موٹروں کا بھی عجیب حال ہے۔۔۔ چلے تو موٹر نہیں تو چھکڑا بلکہ اس سے بھی بدتر۔۔۔۔۔ (ماہ لقا کے موٹر سے اتر کر ماہ لقا کے ڈرائیور سے) اچھا تو تم اپنا موٹر کا ہیکو آہستہ آہستہ چلاؤ سنتیا کروز تو صرف ایک ہی میل

رہ گیا ہے، تم چلو اور جاکر پہلے چوراہے پر ٹھہر جانا اور ہمارا انتظار کرنا۔ تمھارے وہاں پہنچنے کے پانچ سات منٹ کے بعد ہم بھی رینگتے رینگتے پہنچ ہی جائیں گے۔

اس پر ماہ لقا نے کہا "ہاں ہاں جی آگے بڑھاؤ جی، بیٹھے بیٹھے جی اکتا گیا" ماہ لقا کے دونوں موٹر تیزی سے آگے بڑھے ...... اور سکریٹری صاحب کا موٹر آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چلا۔ تھوڑی دیر میں یہ اس قدر پیچھے رہ گیا کہ ماہ لقا کے دونوں موٹر نظروں سے اوجھل ہو گئے، سنٹیا کروز میں پہنچکر چوراہے کے پاس ماہ لقا کے دونوں موٹر رک گئے، اور سکریٹری صاحب کے موٹر کا انتظار کرنے لگے۔

سوا گیارہ سے ساڑھے گیارہ اور ساڑھے گیارہ سے پونے بارہ ہو گئے مگر سکریٹری صاحب کے موٹر کا کہیں دور دور پتہ نہ تھا۔

ماہ لقا انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئی اور بولی ارے یہ کیا قصہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سکریٹری صاحب کا موٹر پھر کہیں رک گیا۔ اب کب تک انتظار کیا جائے ... ایک موٹر بھیجنا چاہیے کہ سکریٹری صاحب کو موٹر پر بٹھا کر ساتھ لے آئے۔ معاذ اللہ، ساڑھے نو کا وقت تھا اور پونے بارہ ہو گئے۔ نواب صاحب بھی دل میں کیا کہتے ہوں گے۔؟"

چنانچہ ماہ لقا کے حکم کے مطابق دوسرے موٹر سے دو آدمی اُتر گئے اور موٹر سکریٹری صاحب کی تلاش میں پیچھے واپس گیا.......

پونے بارہ سے بارہ بجے اور بارہ سے سوا بارہ ... بیچاری ماہ لقا انتظار کرتے کرتے بالکل تھک گئی۔ قریب ساڑھے بارہ بجے خدا خدا کر کے ماہ لقا کا موٹر واپس آیا۔

ماہ لقا:- (خفا ہو کر ڈرائیور سے) اب آپ تشریف لائے ہیں، بیوقوف کہیں کے ..... دیکھتے ہو کیا وقت ہے، ساڑھے بارہ بجے ہیں اور سکریٹری صاحب کہاں ہیں؟ انھیں ساتھ نہیں لائے؟

ڈرائیور:۔ حضور سکرٹری صاحب کے موٹر کا کہیں پتہ ہی نہیں اور سکرٹری صاحب کا کہیں پتہ ہے۔ ہم تو قریب قریب آٹھ دس میل کا چکر لگا آئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ موٹر کدھر چلا گیا۔

دوسرا ڈرائیور:۔ اماں۔ یہاں سے آدھ میل پر جو ایک دوراہہ ہے وہاں بھی تم نے پوچھا تھا۔ کہیں دوسرے راستے سے تو وہ نہیں نکل گیا؟

پہلا ڈرائیور:۔ ہر ایک راستہ اور سڑک ہم نے چھان ماری مگر کہیں نہ سکرٹری صاحب کا پتہ ہے اور نہ ان کے موٹر کا۔

استاد (طبیبچی):۔ ارے میں بتاؤں سکرٹری صاحب کے پیچھے اب اور پریشان ہونا بیکار ہے۔ کسی کو بھیجئے۔ یہیں دریافت کرلے کے نواب شہریار جنگ کی کوٹھی کہاں ہے۔ اب سیدھے وہیں چلنا چاہیئے۔ سکرٹری صاحب آ گئے ہیں گے!!

ماہ لقا:۔ ہاں ہاں۔ بہت ٹھیک ہے۔ اُستاد تم ہی اس موٹر پر چلے جاؤ اور دریافت کرکے جلدی سے چلے آؤ۔ میں تو اس موٹر میں بیٹھے بیٹھے سڑ گئی۔

استاد دوسرے موٹر میں بیٹھ کر نواب صاحب کی کوٹھی ڈھونڈنے چلے گئے۔

اُستاد:۔ (کچھ دور جا کر موٹر روک کر ایک راہگیر سے) ارے بھائی سننا۔ ذرا سننا نواب شہریار جنگ کی کوٹھی کہاں ہے آپ جانتے ہیں؟

راہگیر:۔ (بگڑ کر) ہم کیا جانیں صاحب.... نہیں معلوم کتنے نواب اور راجہ یہاں پڑے ہوئے جھک مار رہے ہیں۔ اب آپ کے لئے سب کا نام اور پتہ کوئی یاد کئے بیٹھا رہے کہ ایک دن آپ پوچھنے آئیں گے اور ہمیں بتانا پڑے گا!......

استاد:۔ (خفا ہو کر) واہ بھئی واہ! تم تو! حق بیجھنے لگے۔ کہہ دیتے کہ نہیں معلوم ہے۔ اتنا بڑا لکچر سنانے کی کون ایسی ضرورت تھی.... استاد نے راہگیر کو گھور کر دیکھا راہگیر نے استاد پر تیز نگاہیں ڈالیں گویا اس کا خیال تھا کہ استاد کا سر اور اسکے جوتے

سے بہت جلد ہوسلت ہو جانا چاہئے۔ ادھر استاد کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ "بچّو
کیا کہیں تم بکرے یا مینڈھے نہ ہوئے نہیں تو ابھی حلال کر کے کھا جاتا۔ اور ڈکار
بھی نہ لیتا۔۔۔" بہت ممکن تھا کہ استاد کا سر طبلا و راہگیر طبلچی ہو جاتا اور گالیوں کے
تال اور سم پر وہ پیارے پیارے ہاتھ پڑتے کہ استاد بھی راہگیر کا لوہا مان جاتے۔۔۔۔
مگر وہ کہئے بڑی خیریت ہوئی کہ صرف آنکھوں ہی کے مظاہرے تک بات رہ گئی دست
وبازو کی قوت آزمانے کا فریقین کے نزدیک ان سے موقع ہی نہ آنے پایا۔۔۔۔۔
جب راہگیر چلا گیا تو استاد نے ڈرائیور سے کہا کہ "تم یہیں ٹھہرو۔ ہم ذرا اُتر کر
دریافت کریں تو شاید کچھ پتہ چلے!۔۔۔۔"

ڈرائیور:۔ بہت اچھا جائیے۔ اور قسمت آزمائیے۔

اُستاد اُتر گئے اور پھر ایک شخص سے بھڑ گئے۔

استاد:۔ کیوں بھائی صاحب نواب شہریار جنگ صاحب کی کوٹھی کہاں ہے؟
آپ کو معلوم ہے؟

وہ شخص:۔ نواب شیرخوار جنگ صاحب کی کوٹھی؟۔ (سر کھجا کر) نواب
شیرخوار جنگ صاحب کی کوٹھی تو۔

استاد:۔ نہیں صاحب! نواب شہریار جنگ صاحب! نواب شہریار جنگ
صاحب کی کوٹھی۔

وہ شخص:۔ اوہ! نواب شہریار جنگ صاحب۔۔۔۔ بیشک ٹھیک۔۔۔
کیوں صاحب یہ کہاں کے رہنے والے ہیں؟۔۔۔۔۔۔۔

استاد:۔ حیدرآباد دکن کے۔

وہ شخص:۔ ارے صاحب وہاں کی نہ کہئے۔ وہاں کا تو ہر دوسرا شخص نواب
کوئی یار جنگ ہوتا ہے!!

استاد:- آپ نے بھی کمال کیا۔ نواب شہریار جنگ صاحب حیدرآباد دکن کے بڑے مشہور نوابوں میں ہیں۔ آپ کو معلوم بھی ہے؟

وہ شخص:- ہاں صاحب تو ہونگے۔ ہم کیا جانیں؟ نہیں معلوم کتنے نواب دنیا میں پیدا ہوئے اور پیدا ہو ہو کر بالکل معمولی بکریوں کی طرح مر مر گئے! کوئی کہاں تک یاد رکھے!! نواب اور طاعون دونوں ایک ہی دن دنیا میں آئے تھے!!

یہ کہکر وہ بھی چلا گیا۔۔۔۔ استاد نے کچھ آگے بڑھ کر ایک تیسرے شخص سے پھر وہی سوال کیا

تیسرا شخص:- (سر ہلا کر)۔۔۔۔ حیدرآباد کے نواب ہے نا؟

استاد (بہت خوش ہو کر)۔۔۔ جی ہاں! جی ہاں! وہی! وہی!!

تیسرا شخص:- اچھا تو آپ سیدھے چلے جایئے۔۔۔ اور پھر بائیں طرف مڑ کے جو اُدھر کو ایک گلی گئی ہے نا اُسکے پچھم کی سڑک سے کر پورب کے کونے کے ذرا دکھن ہوتے ہوئے داہنے ہاتھ مڑ کر بائیں طرف چلے جایئے گا تو آپ کو کچھ دور پر پانی کا ایک بمبا ملیگا وہاں پہنچکر پوچھ لیجئے گا کہ حیدرآباد کے نواب صاحب کی کوٹھی کہاں ہے۔

یہ کہکر وہ تیسرا شخص آگے بڑھ گیا۔

استاد:- (اسکی طرف گھورتے ہوئے) ایک اچھے! او ایک بہت اچھے! او پھر بہت اچھے قربان جایئے آپکے کیسا سیدھا راستہ بتایا ہے۔ بھئی واہ شاید ان کے باپ بھی اسی راستے سے دفن ہونے کے لئے قبرستان گئے تھے!۔۔۔۔ الو کی دم فاختہ؟ نہ ہوئی نوابی نہیں تو ابھی بھیڑے کی طرح سر کاٹ کر اسکی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔۔۔۔ کہ یہ لیجئے بڑے ٹھنڈے ٹھنڈے سیدھے اپنے گھر چلے جائیے!۔۔۔۔۔

استاد کو نواب صاحب کی کوٹھی کا راستہ گو ذرا پیچیدہ ضرور معلوم ہوا مگر انکو اسکی خوشی ہوئی کہ حیدرآباد کے نواب کی کوٹھی یہیں کہیں ہے ضرور۔ چنانچہ پھر انہوں نے پھر تازہ دم ہو کر اسے ڈھونڈنا شروع کیا۔۔۔۔۔

مگر استاد سے زیادہ ان کے پاؤں تھک گئے۔ اور ان کے پاؤں سے زیادہ ان کی زبان نواب شہر یار جنگ کی کوٹھی پوچھتے پوچھتے شل ہو گئی۔ مگر کوٹھی خاص اگیا بیتال ثابت ہوئی کبھی دکھائی دے کبھی غائب ہو جائے۔ کبھی امید بندھے کبھی ٹوٹ جائے بالآخر بیچارے استاد بھی باحسرت دیاس ماہ لقا کے پاس ناکام واپس گئے، اور جا کر ان سے اپنی ناکامی کی داستان سنائی ....

ماہ لقا:۔ یہ تو بڑی بری ہوئی آج آنکھ مچولی میں دیڑھ بج گیا... اور نہ سکریٹری صاحب کا ابھی تک کہیں پتہ ہے نہ نواب صاحب کا اور نہ انکی کوٹھی کا.... مجھے تو اس میں کچھ دھوکا معلوم ہوتا ہے!!! ہم لوگوں کو ضرور بڑا سخت دھوکا دیا گیا!!

استاد:۔ (آنکھیں پھاڑ کر) دھوکا؟.... دھوکا کیسا؟.... اور ہم لوگوں کو آخر دھوکا کیوں دیا جاتا؟......

ماہ لقا: معلوم نہیں کیوں؟ مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمیں بڑا سخت دھوکا دیا گیا۔

استاد:۔ آخر کیوں؟

ماہ لقا:۔ یہ تو میری بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں؟... میری رائے تو یہ ہے کہ اب فوراً واپس چلنا چاہیے.......

استاد: اور مجرا اور ایک ہزار روپیہ اور انعام اکرام سب غائب!

ماہ لقا:۔ دیوانے ہوئے ہو کیا؟ کہاں کا مجرا اور کیسا روپیہ؟ سب فرضی باتیں تھیں۔ یہ سب ایک بہت بڑا فریب تھا

استاد: کس کا؟

ماہ لقا:۔ خدا معلوم کس کا؟..... بہت ممکن ہے کہ ہم سے یہ فریب اسلئے کیا گیا ہو کہ ہماری غیر حاضری میں ہمارا مکان لوٹ لیا جائے.... مجھے قوی شبہ ہے کہ وہ شخص جو سکریٹری بنا ہوا تھا کوئی بہت بڑا ڈاکو تھا.....

..... دونوں موٹر بمبئی کی طرف بڑی تیزی سے واپس لوٹے۔ ماہ لقا کے دل کی رفتار موٹر سے بھی بہت بڑھی ہوئی تھی..... اور وہ بار بار اپنے آپکو دل ہی دل میں ملامت کر رہی تھی کہ وہ کیوں ایسے دھوکے میں آ گئی........

اس وقت دو بجے کا عمل تھا جب یہ دونوں موٹر فری پیلس میں بڑی تیزی سے داخل ہوئے۔ جنگل میں ایک عجیب سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ہر چیز غیر معمولی طور پر اداس معلوم ہوتی تھی.... چاروں طرف ہر شئے پر گہری خاموشی طاری تھی۔

یہ سماں دیکھ کر ماہ لقا کا دل دھڑکنے لگا دھڑکتے دھڑکتے یکبارگی ٹھہر گیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں اس نے سپاہیوں کو پکارا۔ مگر کوئی نہ بولا۔ پھر اس نے چمپا کو پکارا... پھر کوئی جواب نہ ملا۔ وہ گھبرا کر کوٹھے پر چڑھ گئی۔ جب اوپر کے دروازے پر پہنچی جس میں قفل لگا رہتا تھا تو اس نے دروازہ کھلا ہوا پایا۔ یہ دیکھ اس کا کلیجہ منہ کو آ گیا.... اسکی سانس رک گئی.....

وہ گرتی پڑتی مہ جبین کے کمرے میں پہنچی تو کمرہ کھلا ہوا تھا اور بالکل خالی... خوف زدہ اور سہمی ہوئی آواز میں اس نے مہ جبین کو پکارنا شروع کیا، مگر مہ جبین کہیں ہوتی تو جواب دیتی۔ وہ دیوانوں کی طرح ایک کمرے سے دوسرے کمرے اور دوسرے کمرے سے تیسرے کمرے میں دوڑتی پھرتی تھی۔ اور کبھی مہ جبین اور کبھی چمپا کو پکارتی تھی جب کوٹھے کے کسی کمرے میں ان کا پتہ نہ لگا تو وہ دوڑتی ہوئی نیچے آئی۔ یہاں اس کے نوکر اور سازندے وغیرہ اسی کی طرح ادھر ادھر دوڑ رہے تھے! سب سے زیادہ حیران اور ہراساں ماہ لقا کے استاد تھے اور سب سے پہلے انہی نے آ کر ماہ لقا کو خبر دی کہ باورچی اور چاروں سپاہی پڑے سو رہے ہیں۔ ان کو لاکھ جگاتے ہیں جھنجھوڑتے ہیں مگر وہ نہ اٹھتے ہیں نہ آنکھیں کھولتے ہیں

ماہ لقا: تو کیا وہ سب مر گئے یا مار ڈالے گئے؟

استاد: نہیں تو وہ زندہ ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے انکو سلا دیا ہے!!

ماہ لقا: کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟ انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرو...

چاروں سپاہی باورچی خانے میں بیہوش پڑے ہوئے تھے...... ماہ لقا ان کے پاس گئی اور وہیں اور سب بھی پہنچ گئے۔ سپاہیوں کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی گئی۔ مگر وہ کسی طرح ہوش میں آتے ہی نہ تھے۔

ماہ لقا:۔ دوڑو کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ فوراً موٹر لیجاؤ۔

استاد:۔ اور تھانے میں بھی تو اطلاع کرا دو......

ماہ لقا:۔ ابھی نہیں! ابھی نہیں...... کیوں کہ سب چیزیں جہاں پر تھیں وہیں ہیں۔ کوئی چیز اٹھی نہیں ہے۔

پھر ماہ لقا سوچنے لگی۔

کیا ممتاز تو مہ جبین کو زبردستی نہیں پکڑ لے گئے؟ مگر ان کو اسکی ضرورت کیا تھی اور پھر مجھے اس طرح دھوکہ دیکر؟ نہیں! نہیں! یہ ڈاکوؤں ہی کی حرکت ہے۔ اگر ڈاکو ہوتے تو مال اسباب کیوں چھوڑ جاتے!...... تو پھر کون ہو سکتا ہے؟...... شاید مہ جبین کے عاشقوں میں سے کسی نے عاجز آکر اور جان پر کھیل کر یہ فریب کیا ہو؟ مگر ایسا ہوتا تو وہ صرف مہ جبین ہی کو لیجاتا چمپا کو کیوں لیجاتا؟...... مگر چمپا بھی تو خوبصورت اور جوان تھی شاید اسی وجہ سے اسکو بھی مہ جبین کے ساتھ پکڑ لے گئے ہوں! یا شاید اس خوبصورت بلا ''انور'' کا فعل ہو!...... مگر اس کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ مہ جبین بند ہے اور اس پر مسلح سپاہیوں کا پہرہ ہے......

ماہ لقا باورچی خانے سے واپس آکر برآمدے میں ایک کرسی پر گر پڑی۔ اس کے کچھ آدمی اور سازندے بھی وہیں آگئے۔ اب جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں۔ کوئی کیا کہتا تھا کوئی کیا۔ مگر بات ٹھکانے کی کسی کے بھی منہ سے نہیں نکلتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بلا گھر کی چہیتی مرغی یا ہر دلعزیز مٹھو میاں کو جو اتفاق سے کھلے رہ گئے ہوں قبل اس کے کہ کوئی ان کی مدد کو پہنچ سکے بلی پکڑ کر چمپت ہو گئی۔ اور سب لوگ ہائے ہائے

کر کے رہ گئے ہوں۔ کوئی کہتا ہو کہ ارے بے کیسی اچھی مرغی تھی ... روز صبح صبح
انڈے دیا کرتی تھی اور جب وہ قوں قوں قوں قوں کرتی تھی تو سب کو معلوم ہو جاتا تھا
کہ اس نے انڈا دیا ہے ...“ اور کوئی کہتا ہو کہ کیسا سمجھدار طوطا تھا ... جب بابا جان کے
دفتر جانے کا وقت آتا تھا تو کیسا شور مچاتا تھا کہ ”کھانا باہر بھیجو ...“ خدا اس کمبخت
بلی کو غارت کرے۔ یا اللہ اس مردار کو کتے کھا جائیں۔!!

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر بھگوئے رام موٹر پر آئے۔ بمشکل تمام دوائیں دے کر اور مختلف
ترکیبیں کر کے وہ باورچی اور سپاہیوں کو ہوش میں لائے جب ذرا ان لوگوں کی عقل
ٹھکانے ہوئی تو ان سے معلوم ہوا کہ جیسے ہی ماہ لقا جبین کو کوٹھے پر بند کر کے اور کوٹھے
کی کنجی چاروں سپاہیوں میں اسکو جو سب سے زیادہ معتبر تھا دے کر چلی گئیں تو چمپا باورچی
میں آئی اور اس نے چائے بنائی۔ خود پی اور باورچی اور سپاہیوں کو پلائی اور قریب
آدھ گھنٹے تک خوب ہنسی مذاق کرتی رہی۔ چائے پینے کے بعد ہی سب پر ایک عجیب
غنودگی طاری ہونے لگی پھر انہیں خبر نہیں کہ وہ سب کب سو گئے اور اسکے بعد کیا ہوا

ماہ لقا۔ (دل میں) اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چمپا ہی نے چائے میں کوئی دوا
ملا دی جس کا یہ اثر ہوا کہ آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر پانچوں آدمیوں پر بیہوشی طاری
ہو گئی ... چمپا ہی کی یہ سب کارروائی ہے ... وہ نمک حرام ضرور جبین سے ملی ہوئی تھی اور
یہ سکرٹری کوئی اس کا عاشق یا جان پہچان کا تھا جسکی مدد سے وہ اپنے فریب میں اس قدر
کامیاب ہوئی۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ پولیس میں اطلاع کرتی ہوں تو بڑی بدنامی ہوتی
ہے اور نہیں اطلاع کرتی ہوں تو بھی بات شدہ شدہ پھیل ضرور جائیگی! بڑی مشکل ہوئی!
کیا کیا جائے ؟ ... ہاں ٹھیک ہے ... ممتاز صاحب کو اطلاع دی جائے اور
ان سے مشورہ کیا جائے۔ وہی اس وقت بہترین مشورہ دے سکتے ہیں۔

ممتاز کے پاس فوراً ایک آدمی موٹر پر بھیجا گیا۔ وہ تین بجے تک فری میسن میں پیا

پہنچ گئے۔ تمام حالات سُن کر وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔

ماہ لقا:۔ ممتاز صاحب بتایئے۔ یہ کارروائی کس کی ہو سکتی ہے؟ آپکا کیا خیال ہے؟

ممتاز:۔ یہ تو کوئی معمہ نہیں۔ یہ تو بہت سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے۔

ماہ لقا:۔ سیدھی سی بات ہے.... مجھکو تو یہ بھول بھلیاں معلوم ہوتی ہے۔
آپ ہی بتلایئے کہ یہ کس کی کارروائی ہو سکتی ہے۔

ممتاز:۔ تین آدمیوں کی سا انور۔ چمپا اور مہ جبین کی۔

ماہ لقا:۔ (تعجب سے اچھل کر) انور۔ چمپا۔ اور مہ جبین؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔
انور ایسا ہوشیار اور فطرتی آدمی نہیں ہے۔

ممتاز:۔ دو عورتیں اور ایک مرد اگر سازش کریں تو دنیا اُلٹ سکتے ہیں!!
اور آپنے تو مجھ سے خود کہا تھا کہ آپکو یہ اندیشہ ہے کہ مہ جبین انور کے ساتھ مفرور ہو جائیگی۔

ماہ لقا:۔ بیشک اور اسی لئے میں نے مہ جبین کو بند کر کے اس پر پہرہ بٹھا دیا تھا
مگر مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ چمپا مجھ سے ایسی گہری دغابازی کریگی مجھے اس
پر بڑا بھروسہ تھا!!

ممتاز:۔ اور مجھے انور کی سچائی۔ دوستی اور دیانت داری پر بڑا ناز تھا....
مجھے شک ضرور تھا مگر یقین نہ تھا کہ انور ایسی رکیک خود غرضی اور ہوسناکی کا مجرم ہوگا
اور مجھ ہی پر دیدہ و دانستہ ایسا وار کریگا۔

ماہ لقا:۔ تو پھر جو کچھ کرنا ہو آپ ہی کیجئے۔ میرے تو ہوش و حواس بجا نہیں۔

ممتاز:۔ میں تیار ہوں.... انور بھی کیا یاد کریں گے کہ انہوں نے کسی کے گھر
بیجا نہ دیا ہے!! ممتاز اگر بہت بڑا دوست ہے تو نہایت خطرناک دشمن بھی ہے۔!!

ممتاز کا چہرہ دبے ہوئے غصہ کے جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ اسکی آنکھیں انگارہ
ہو رہی تھیں۔ اسکی حالت ایک بھوکے شیر کی سی تھی جس سے اس کا شکار چھن گیا ہو۔

تیئسواں باب

انور اور مہ جبین

اسی رات کو ۱۰ بجے رشتی روڈ کے ایک آرام دہ مکان کے ایک آراستہ کمرے میں انور اور مہ جبین آرام کرسیوں پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور چمپا قریب ہی کھڑی ہوئی بڑی دلچسپی سے انکی باتیں سن رہی تھی مہ جبین از سر تا بقدم مسرت اور کامیابی کی تصویر بنی تھی۔ انور کا چہرہ ذرا سنجیدہ تھا اور چمپا تو خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی مہ جبین کہہ رہی تھی "پیارے انور میں تمہارا کس طرح شکریہ ادا کروں تم نے مجھے جلتی ہوئی آگ سے بچا لیا۔ میری کیفیت اس بدنصیب قیدی کی سی تھی جس کو رسیوں میں کس کر مردم خور وحشی آگ میں بھون بھون کر کھانے کیلئے گرما رہے ہوں، جو اس خوف سے نیم جان ہو رہا ہو کہ وحشی اسے مار کر اب آگ میں بھونا ہی چاہتے ہیں جو جینے سے ناامید اور زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہو مگر جیسے کوئی دفعتاً آکر خلاف امید بچا لے اور ایک ایسے امن کے مقام میں لے آئے جہاں وہ ان وحشیوں کے مظالم سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے۔

پیارے انور تم نے بڑا ایثار کر کے اپنے آپ کو بڑے خطرے میں ڈال کر اپنے پختہ اصولوں میں بہت کچھ ترمیم کر کے مجھے اس قید سے رہا کیا ہے کاش میں اس قابل ہوتی کہ ایسے شریف محسن کا شکریہ ادا کر سکتی۔

انور: میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا جو کچھ ہوا یہ صرف تمہاری ہی نیک نیتی۔ بلند خیالی اور پاکیزہ ارادوں کا ثمرہ ہے میں اپنے اصول زندگی میں کبھی ترمیم نہ کرتا اگر مجھے اس کا یقین نہ ہو جاتا کہ تم بڑی دلیری، بڑی بلند آہنگی سے اپنی زنجیریں توڑ کر اپنے فرقے کے اخلاق سوز اور مہلک قیود سے آزاد ہونا چاہتی ہو..............

مہ جبین! دنیا میں سب سے بہادر اور قابلِ قدر شخص وہ ہے جو اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو محسوس کر کے اپنی غلطیاں چھوڑے اور اپنی کمزوریوں پر قابو پا سکے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی فوج کی سپہ سالاری کرنا یا کسی ملک کو جنگ میں فتح کر لینا بہت بڑا کام ہے۔۔ بیشک بہت بڑا کام ہے۔ مگر کہیں زیادہ جرأت اور دلیری کا کام انسان کا اپنی کمزوریوں پر غالب ہو جانا! ان مخفی بے رحم قوتوں پر فتح پانا ہے جو انسان کو پستی اور خواری کی طرف ایک عجیب و غریب طاقت سے بار بار گھسیٹتی ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا میں وہ زبردست اور شاندار ہستیاں جنھوں نے بڑی بڑی مہمات سر کیں۔ بڑی بڑی قوموں کو شکستیں دیں۔ بڑے بڑے ملکوں کو فتح کیا۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں پر برسوں حکومت کی۔ اپنی معمولی کمزوریوں پر فتح نہ پا سکیں ان سے مغلوب ہو گئیں اور شکست کھا گئیں۔ ان میں کوئی دولت کا حریص۔ کوئی عورتوں کا غلام۔ کوئی شراب کا بندہ، کوئی دنیا کا کتا نکلا۔ ظاہری اور مادی طاقتوں پر فتح پانے کے بعد وہ اپنی مخفی اندرونی قوتوں سے شکست کھا گئے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ کسی انسان کا ان خوفناک مخفی قوتوں پر فتح پانا، اپنی کمزوریوں پر غالب ہو جانا اپنی غلطیوں کو چھوڑ دینا اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لینا۔ پانی پت اور مہابھارت کی لڑائیوں کے جیتنے سے زیادہ شاندار فتحیابی زیادہ غیر فانی کارنامہ ہے۔۔۔ اور میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم ایک نوعمر بہادر فاتح ہو۔۔۔ مہ جبین! میں تم سے محبت کا دعوے نہیں کر سکتا کیونکہ ایک سچا شخص صرف ایک ہی سے محبت کر سکتا ہے۔ مگر میں تمہاری بلند خیالی اور عالی ہمتی کی دل سے قدر کرتا ہوں اور ہمیشہ کروں گا۔

مہ جبین: پیارے انور میں تمہارا پھر شکریہ ادا کرتی ہوں۔

انور: تم کچھ روپئے پیسے اپنے ساتھ لائی تو نہیں۔

مہ جبین :۔ جب میں وہ سمندر جو ناپاک اور پاک زندگی کے درمیان حائل تھا پار کر کے پاک زندگی کے کنارے پر اتر کر اپنی کشتی جلا چکی ہوں پھر میں کیسے پرانی زندگی سے کوئی تعلق یا سروکار رکھ سکتی یعنی پار کر سکتی ہوں۔

انور :۔ ہاں ہاں تو اسی لئے میں پوچھتا ہوں کہ اب کیا کروگی اور کون سا طریق عمل اختیار کروگی۔

مہ جبین :۔ میں نے اس پر غور تو کیا ہے لیکن ابھی تک کوئی آخری تصفیہ نہیں کر سکی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ تصفیہ چند دنوں میں کر سکوں گی۔

انور :۔ تو اس وقت تک کے لئے تم مجھ سے کچھ قرض لے لو۔ پھر تمہیں جب تمہیں سہولت ہو ادا کر دینا۔

مہ جبین :۔ یہ تمہاری مزید عنایت ہے۔

انور :۔ (مہ جبین کو ایک چھوٹا سا چمڑے کا بیگ دیکر) اس میں کچھ نوٹ ہیں غالباً یہ کچھ دنوں کے لئے کافی ہوں گے۔

مہ جبین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے بیگ انور کے ہاتھ سے لے لیا۔

انور :۔ تم اسی مکان میں رہنا شکور اب سنیٹا گروز سے واپس آتا ہی ہوگا وہ میرا نہایت ہی معتبر وفادار ہوشیار ملازم ہے میرے لئے اور اب تمہارے لئے بھی وہ اپنی جان تک دینے میں دریغ نہ کرے گا۔ تم اس پر پوری طور سے اعتماد کر سکتی ہو۔

چمپا :۔ (ہنس کر) انور صاحب آپ کے شکور نے مونچھیں اور گل مونچھیں تو ایسے لاجواب لگائے تھے کہ ماتا ایسی سیانی بھی دھوکا کھا گئیں۔

انور :۔ (مسکرا کر) شکور بڑا ہوشیار آدمی ہے اور بھیس تو ایسے بدلتا ہے کہ بہروپیوں کو بھی مات کرتا ہے۔ (مہ جبین سے مسکرا کر) مہ جبین فی الحال تم منشر شاد

کے نام سے اس مکان میں رہوگی اور چمپا تم کبھی لڑکی لڑکے کے بھیس میں رہوگی۔

(مہ جبین سے) میں غالباً کچھ عرصہ تک یہاں نہ آؤں گا۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو شکور سے کہلا دیا کرنا۔ آج کل میرے خلاف بڑی گہری سازشیں ہو رہی ہیں اور ایک سے ایک مشاق بے ایمان ایک دوسرے سے ساز کئے ہوئے ہے۔

مہ جبین:۔ انور، للّٰہ مجھے بتا دو کہ یہ کیسی سازشیں ہیں اور سازش کرنے والے کون ہیں۔؟

انور:۔ کیا کروگی پوچھکر! جانے بھی دو۔ تم کو اپنی ہی فکریں کیا کم ہیں؟

مہ جبین:۔ نہیں انور۔ خدا کے لئے مجھے بتا دو۔ میں زیادہ پریشان نہ ہونگی شاید میں کبھی کسی طرح تمہارے کام آجاؤں! انور میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے بتا دو۔ مجھے تم ایک قابل اعتبار رازدار پاؤ گے!

انور نے مہ جبین اور چمپا کے سامنے سارا حال۔ ڈاکٹر شیرازی۔ زہرہ جمال اور رحیم بھائی کی سازش کا بتا دیا۔ اور جمیلہ کی مخبری کا بھی بالتفصیل ذکر کر دیا۔

مہ جبین بہت متفکر ہو گئی اور بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔

انور:۔ دیکھو میں کہہ نہ رہا تھا! تم کس قدر خوش تھیں! اور اب تم کس قدر متفکر ہو گئیں۔

مہ جبین:۔ نہیں تو، میں متفکر تو نہیں ہوں

اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انور فوراً یہ کہہ کر اٹھا۔ "غالباً شکور آ گیا"

اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ نواب شہریار جنگ کے پرائیوٹ سکرٹری صاحب اندر داخل ہوئے.... اور جب اس نے اپنی مونچھیں اور گل مونچھیں ہٹا دیئے تو ایک گندمی رنگ کا قبول صورت مگر بہت ہی ایتھلیٹک جسم کا طاقتور نوجوان نظر آیا۔

انور:۔ کہو سب خیریت ہے!

شکور:۔ خیریت اور بہت کافی خیریت۔ مس ماہ لقا سٹیا کروز میں بہایت صبر

استقلال سے میرا انتظار کر رہی ہیں اور خدا نے چاہا تو دو تین گھنٹے کے پہلے انہیں اپنی غلطی کا احساس نہ ہوگا۔ حضور آپ کی تدبیر کیسی آسان اور سادی تھی۔ مگر کیسی گہری اور کارگر ثابت ہوئی ....

انور :۔ (مسکرا کر) سہرا اس کا تو تمہارے ہی سر ہے کیونکہ تم نے اپنا پارٹ بہت ہی اچھا کیا (ہنسکر) چمپا تو تمہاری بہت ہی قائل ہوگئیں۔ ابھی بڑی تعریف تمہاری کر رہی تھیں۔

شکور نے بھی نگاہیں نیچی کرلیں اور چمپا تو شرم سے کئی مرتبہ واقعی دوہری ہو ہو گئیں۔

انور :۔ اچھا تو اب میں جاتا ہوں سینما جانے کا بہانہ کر کے گھر سے نکلا تھا اب اگر اور دیر ہوگی تو اس بہانے کی قلعی کھل جائیگی! ....

(شکور سے) بڑی احتیاط سے رہنا۔ تمہارے اوپر بہت کچھ منحصر ہے..... اور دیکھو ان کو کوئی تکلیف کسی قسم کی نہ ہونے پائے۔

شکور :۔ اسکے بھی کہنے کی ضرورت ہے۔ حضور کے لئے جان تک حاضر ہے ......

انور رخصت ہو کر آہستہ سے سڑک پر آنکلا اور دوسری گلی میں پہنچکر اس نے ٹیکسی کرلی..... ٹیکسی کو دو سو قدم کے فاصلہ پر چھوڑ کر پیدل بنگلے پر پہنچا اور آہستہ سے اپنے کمرے میں داخل ہوگیا.........

سب سو رہے تھے کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ کم از کم انور اپنی جگہ پر یہی سمجھا ٭
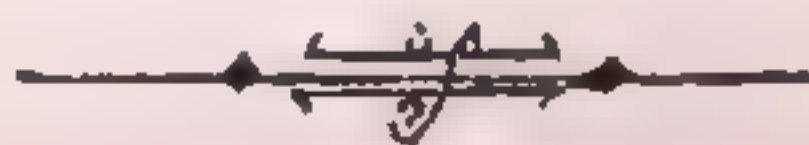
چوبیسواں باب

بازارِ جہاں میں کوئی خواہاں نہیں تیرا
لیجائیں کہاں اب تجھے اے جنسِ وفا ہم

دوسرے دن صبح کو قریب آٹھ بجے انور اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چند دن سے یہ افسوس کر رہا تھا کہ کشور کا رخ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ وہ اس سے ملتی تو بڑے اخلاق و تہذیب سے ملتی ہے گو اسکی باتوں اور طریقوں میں وہ پہلا سا بیساختہ پن، وہ بے تکلفی، وہ شیرینی نہیں ہے بلکہ اس میں اک رکاوٹ ایک خشکی، ایک کشیدگی سی پیدا ہو گئی ہے۔۔۔

انور کے دل میں یہ خیال رفتہ رفتہ قوت پکڑ رہا تھا کہ اس کے اور کشور کے درمیان میں آہستہ آہستہ ایک دیوار کھڑی ہو رہی ہے اور یہ دیوار ڈاکٹر شیرازی کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہے!!

انور کے دل میں اس وقت یہ خیالات موجزن تھے۔۔۔ کشور کبھی مجھکو چاہتی ہی نہ تھی یعنی جسکو جذبۂ محبت کہتے ہیں وہ کبھی اس کے دل میں میرے لئے تھا ہی نہیں۔۔۔ اسکے برتاؤ میں مروت تھی۔ خوش اخلاقی تھی۔ خوش مزاجی تھی، تہذیب تھی، بے تکلفی تھی مگر محبت نہ تھی۔۔۔ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ مجھے چاہتی ہے لیکن یہ خیال صرف میری خواہش کا نتیجہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر شیرازی نہایت حسین آدمی ہے اور بہت ہی خوش مزاج اور خوش گفتار ہے علاوہ اسکے کشور موسیقی کی دلدادہ ہے، اور گو مجھے بھی موسیقی بہت پسند ہے مگر اس فن سے عملاً بے درد ہوں۔ برعکس اس کے ڈاکٹر شیرازی اس فن میں طاق ہے۔ میں کشور کو اسکے مقابلے میں ضرور نہایت خشک اور غیر دلچسپ معلوم ہوتا ہونگا۔ پھر آہ سرد بھر کر۔ پھر مجھے کیا شکایت ہو سکتی ہے اگر کشور بہ نسبت میرے ڈاکٹر شیرازی سے زیادہ متوجہ اور ملتفت ہے۔۔۔ میری جنون کی جاں نثاری میری سچی گہری محبت اور وفاداری کو ڈاکٹر شیرازی کی صرف چند ذہنی معمولی

توجہ اور سطحی باتوں نے کشور کے دل سے محو کر دیا۔ ۔ ۔ دونوں ایک دوسرے سے میری غیر حاضری میں نہایت بے تکلفی سے ملتے ہیں اور میں بالکل ایک غیر ضروری وجود ہو گیا ۔ ۔ ۔ افسوس! کشور پر زندگی نثار کرنے اور ان پر جان و دل فدا کرنے کا مجھکو یہ صلا ملا۔ اب تک سچائی محبت اور ایثار ہمیشہ میری زندگی کا مسلک رہا خود غرضی تنگ دلی اور تنگ خیالی سے ہمیشہ میں نے پرہیز کیا۔ جہاں تک ہوا میں نے ہر ایک سے اچھا سلوک کیا اور کسی کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اکثر اپنا ہی نقصان کیکے اوروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ۔ ۔ ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری سچائی۔ میری محبت۔ میرا ایثار سب بیکار گیا۔ میری وفاداری کی کسی نے قدر نہ کی۔ میری محبت کا کسی پر کچھ اثر نہ ہوا میری سچائی اور بے غرضی کی کسی نے داد بھی نہ دی۔ کیا دنیا میں صداقت۔ خدمت اور فدایت کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا؟ کیا اچھی زندگی کا انجام بُرا ہوتا ہے؟ اور بری زندگی کا انجام اچھا ہوتا ہے؟ کیا چالاکی۔ فطرت جھوٹ اور گندم نما جو فروشی دنیا میں ہمیشہ کامیاب اور سرخرو ہوتی ہے؟ ۔ ۔ ۔ کیا خدا کا وجود محض ایک قیاس باطل ہے اور خدا کا عدل و انصاف محض ایک دل خوش کن دھوکا ہے؟ کیا دنیا کے امور میں شیطان خدا سے زیادہ حاوی۔ با اثر اور برسرِ اقتدار ہے۔؟ اور کیا شیطان کی حکومت کے سامنے خدا کی حکومت بالکل ہیچ اور بیکار ہے؟

عقلِ سلیم کہتی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے تجربہ کہتا ہے کہ دنیا میں ہوتا یہی ہے؟ اگر دنیا کے بعد آخرت اور موت کے بعد حیات نہ ہوتی تو شاید ہمیں یہی فتویٰ دینا پڑتا کہ اس دنیا سے زیادہ ظلم۔ نا انصافی اور زبردستی کی جگہ کوئی نہیں ۔ ۔ ۔ یہاں جھوٹ، بے ایمانی اور مکاری عموماً کامیاب اور سچائی۔ خلوص اور ایثار، عموماً ناکامیاب ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ مگر اس دنیا میں جھوٹ کا تسلط ہی اسکی دلیل ہے کہ اس کے بعد کوئی اور دنیا ضرور ہوگی جہاں سچ کا بول بالا ہوگا اس دنیا میں ہم اگر

ناانصافی ہی اکی جگر دیتی ہے کہ اس کے بعد کوئی اور دنیا ضرور ہوگی جہاں ہر گیر انصاف ہوگا۔ اس دنیا میں ظلم اور زبردستی کا فروغ ہی ہمیں اسکے ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ اسکے بعد کوئی اور دنیا ضرور ہوگی جہاں اس ظلم اور زبردستی کی مکمل تلافی ہو جائیگی!!!

جہاں تک ممکن ہو کوئی نیک کام کسی معاوضہ کی امید پر نہ کرنا چاہئیے بلکہ صرف اس لئے کرنا چاہئیے کہ وہ ایک نیک کام ہے۔ انسان کو تکلیف اور خلش اسی حالت میں ہوتی ہے جب وہ کسی دینوی یا مادی امید پر کوئی نیک کام کرتا ہے اور اسکی وہ امید پوری نہیں ہوتی حالانکہ وہ اگر اسی کام کو بطور ایک فرض کے کرتا نہ بطور ایک تجارت کے تو اسکو نہ کوئی امید ہوتی اور نہ ناامیدی کی تکلیف مجھ کو جو اس وقت تکلیف ہے وہ بھی نتائج محض اس خیال سے ہے کہ جو کچھ محبت مجھے کشور سے ہے، جو کچھ اسکی خدمت میں نے آج تک انجام دی ہے جو کچھ ایثار میں نے اسکے لئے کیا ہے اسکا مجھے معاوضہ ملنا چاہئیے اور یوں ملنا چاہئیے کہ کشور میری احسانمند ہو اور سوائے میرے کسی دوسرے سے محبت نہ کرے!!! یہ تو بڑی مبتذل خودغرضی۔ بڑا کمینہ مطالبہ ہے!.....

....

عقل تو ضرور اس مطالبہ کو تسلیم کرتی ہے.... مگر دل نہیں مانتا دل اپنے اندر امیدوں کی اک دنیا لئے ہوئے ہے۔

جو تکلیف مجھے اس وقت ہے اس سے بچنے کے لئے اگر کوئی تدبیر ہے تو یہی ہے کہ میں اپنے دل کو بے مدعا بنالوں، اپنی طبیعت کو بے نیازی سکھادوں، اپنی آرزوؤں کو خاک میں ملا دوں۔ اپنے ارمانوں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دوں، اپنی خواہشوں کو اپنے دل سے جلاوطن کر دوں.... اور اپنے دل کو ان سب جھانوں سے خالی کر کے صرف کشو اور کشور کی غیر فانی محبت کا کاشانہ بنا دوں!!

آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ   ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہئے

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

گھڑی نے ۹ بجائے ..... انور چونک پڑا۔ اور ایک لمبی ٹھنڈی سانس لیکر کرسی سے یہ کہکر کھڑا ہو گیا "اب دفتر چلنا چاہئیے۔ شاید آج میری خدا داد دوست جمیلہ آئے..... اور شاید میرے دستخطی کاغذات کی کوئی خبر لائے..... میں کیا کروں ..... جا کر کشور کو اس ساری سازش کی اطلاع دیدوں یا نہ دوں؟ ..... مگر میرے پاس کوئی ثبوت تو ہے نہیں بجز جمیلہ کے بیان کے..... اور پھر کشور۔ زہرہ جمال پر آجکل اس قدر فریفتہ ہیں کہ ان کو ہرگز اس کا یقین نہ آئیگا کہ زہرہ اور ڈاکٹر شیرازی انکے اور میرے خلاف سازش کر رہے ہیں..... آجکل ان کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے مجھے تعجب نہ ہوگا اگر وہ خود مجھ ہی سے بدظن یا ناراض ہو جائیں..... پھر سوچتا ہوں کہدوں پھر دیکھا جائے گا۔ زہرہ جمال و ڈاکٹر شیرازی میرے جانی دشمن ہو جائیں گے۔ تو ہو جائیں کیا اب وہ میرے کم دشمن ہیں مگر اس وقت موقع نہیں ہے دفتر سے واپس آکر آج شام کو میں کشور سے سب حال کہدونگا اگر جمیلہ آگئیں تو ان سے کچھ مزید حالات بھی معلوم ہو جائیں گے اس لئے کشور سے آج شام ہی کو کہنا زیادہ مناسب ہوگا" .....

اس کے بعد انور بغیر کشور سے ملے ہوئے سیدھا دفتر چلا گیا ......

. . . .

انور کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہوگی کہ ایک خوبصورت رولس رائس کشور کے بنگلے میں داخل ہوا۔ اس پر سے ممتاز اترے۔ خدمتگار نے فوراً ڈرائنگ روم کی چق اٹھا دی ممتاز ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے اور خدمتگار سے کہا جاؤ بیگم صاحبہ کو

میرے آنے کی اطلاع کردو!"

تھوڑی دیر میں کشور کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے سخت تعجب تھا کہ ممتاز آج کیسے بھول پڑے......

ممتاز:۔ (تعظیماً کھڑے ہو کر) آداب عرض.... (کشور سے ہاتھ ملا کر) مزاج تو اچھا ہے بڑے عرصہ کے بعد آج آپ سے ملاقات ہوئی۔

کشور:۔ یہ تو مجھے کہنا چاہئے!.... آپ تو بالکل عید کے چاند ہو گئے۔ یہاں آنے کی تو آپ نے گویا قسم ہی کھالی ہے.... آج ایسی کیا بات ہوئی جو آپ نے یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائی؟.... چہرا بھی آپ کا کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ خیریت تو ہے طبیعت کیسی ہے؟

ممتاز:۔ (خشک ہونٹ سُستے ہوئے چہرے کے ساتھ بھاری آواز میں) خیریت ہی ہے! اور نہ طبیعت اچھی ہے"۔ یہ کہکر ممتاز نے اپنے آپکو ایک کرسی پر اس طرح ڈال دیا جیسے کوئی بہت تھکا ہوا اور خستہ حال ہو۔

کشور:۔ (فکر مند لہجے میں)... کیوں... کیوں... کیا ہوا؟ کچھ بتائے تو سہی

ممتاز:۔ کیا آپ انور کے خلاف کچھ سننے کو تیار ہیں کیوں کہ مجھے ان ہی کے خلاف آپ سے اس وقت باتیں کرنا ہیں!!......

کشور:۔ (پریشان ہو کر) انور کے خلاف؟ کیا ہوا؟ انور نے کیا کیا؟

ممتاز:۔ انور کا کسی وقت میں سب سے بڑا دوست اور اس وقت اس کا سب سے بڑا دشمن آپ سے کہتا ہے کہ انور ایک نہایت مقدس بدمعاش ایک نہایت راست باز جھوٹا۔ ایک دوست نما دشمن، ایک فرشتہ صورت شیطان ہے!!! اس نے مجھے دھوکا دیا۔ آپ کو دھوکا دے رہا ہے اور اپنی غرض حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا کو دھوکا دینے کے لئے تیار ہے۔

کشور: خدا کے لئے صاف صاف کہئے۔ بتائیے تو آخر انور نے ایسا کونسا جرم کیا ہے جو وہ ایسی بیرحم تعریف کے مستحق ہو گئے۔ اور پھر وہ بھی آپ کی زبان سے؟

ممتاز: آپ نے مہ جبین کا نام سنا ہے؟

کشور: ہاں ہاں سنا ہے۔ تو پھر؟

ممتاز: تو پھر آپ نے غالباً یہ بھی سنا ہوگا کہ وہ میری سرپرستی میں تھی!! اور مجھکو دنیا میں اس سے زیادہ کسی سے محبت نہیں ہے۔ میں اس کا عاشق ہوں میں اسکے لئے دیوانہ ہوں!! اور دنیا میں میرا سب سے بڑا دوست میرا سب سے بڑا رقیب ہے!!!

کشور: (زرد زرد ہونٹوں سے)۔۔۔ کون؟۔۔۔ کون؟۔۔۔ انور؟

ممتاز: جی ہاں انور! انور جب مجھے پارسائی پر لمبے لمبے لیکچر دیا کرتے تھے۔ خدا کے قہر سے ڈرانے تھے۔ انسانی کی طعنہ زنی سے شرمایا کرتے تھے۔ مہ جبین کو ناپاک ماں کی ناپاک لڑکی، خوبصورت بلا۔ زہریلی ناگن۔ دنیا کی حماقت پر تجارت کرنے والی بتایا کرتے تھے مجھے اس کے یہاں جانے سے منع کیا کرتے تھے۔ غدار کی دشمنی کا خوف دلایا کرتے تھے۔ آیات و احادیث کے بار بار حوالے دیا کرتے تھے اسی ناپاک ماں کی ناپاک لڑکی اسی خوب صورت بلا۔ اسی زہریلی ناگن اسی دنیا کی حماقت پر تجارت کرنے والی کے عشق میں دیوانے ہو کر کل رات کو اسکی ہین کے مکان سے اسے بھگا لے گئے!۔۔۔

کشور کے منہ سے صرف یہ الفاظ نکلے "بھگا لے گئے"؟۔۔۔ اور اس کے بعد اس نے اپنا منہ اپنے ہاتھوں سے چھپا لیا۔۔۔ اور وہ سرنگوں ہو کر بیٹھ گئی۔۔۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے قصر محبت کا آخری ستون ٹوٹ کر گر پڑا اور ناامیدی کے ٹھنڈے زہر نے اسکے خون کو اسکی رگوں میں منجمد کر دیا۔ ممتاز اپنے جوش میں کھڑا ہو گیا!! اور کمرے میں ایک مقید شیر کیطرح ٹہلنے لگا۔ کشور سرنگوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے دم بخود بیٹھی رہی!۔۔۔۔

ممتاز: کچھ عرصے کے بعد پھر بول کر جی ہاں! انور کل اسے بھگا لے گئے۔

مہ جبین نے اپنے ساتھ ایک کپڑا ایک زیور ایک تنجھی کوڑی بھی نہیں رکھی ہے۔ آپکی ریاست کے حجر نے غالباً اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے حسن کے دربار میں میرے لاکھوں روپیہ کے عطیہ کا نعم البدل پیش کر دیں گے!! اور میری دولت سے اسے بے نیاز کر دیں گے!!۔۔۔۔
آپ کی دولت اب ایک طوائف کی ناز برداری میں صرف ہو گی آپکی جائداد کے ولی آپکی دولت اس سے بہتر اور کیا استعمال کر سکتے تھے؟ آپ کے ان ولی کے سامنے مغرور شیطان اس وقت سجدہ بندگی ادا کر رہا ہو گا؟

کشور:۔ مگر کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ انور شروع شروع بیحد بضد تھے کہ وہ ایک سو پچاس ماہوار سے زیادہ ایک پیسہ بھی اپنے صرف میں نہ لائینگے اور اس میں پر اصرار کر رہی تھی کہ ان کے لئے کسی قسم کی قید مجھے توہین آمیز اور مکروہ معلوم ہوتی ہے اور جس قدر چاہیں خرچ کریں۔

ممتاز:۔ جی ہاں تو انھوں نے آپکی دلشکنی مناسب نہیں سمجھی اور آپ کی تجویز نہایت مجبوری سے قبول کر لی اور محض آپکی خوشنودی کے لئے اس پر آج کل بنہایت فراخدلی سے عمل کر رہے ہیں۔

کشور:۔ کیا واقعی انور کا ظاہر اور باطن اسقدر مختلف ہے؟ کیا کروں مجھے اب بھی یقین نہیں آتا۔

ممتاز:۔ یہ زیادہ صحیح ہو گا اگر آپ کہیں کہ یقین کرنے کا آپ کا جی نہیں چاہتا مگر اب تو انور کی پارسائی پر آپ کے ایمان کا قائم رہنا ایک کھلا ہوا کفر ہے اگر اب بھی آپ کی آنکھیں نہ کھلیں تو پھر حشر تک وہ کھل نہیں سکتیں!!

کشور:۔ تو آپ ہی بتلایئے مجھے اب کیا کرنا چاہیئے؟ اور میں کیا کر سکتی ہوں؟!!

ممتاز:۔ اگر آج آپ انور کے انتظام سے اپنی ساری جائداد نکال لیں تو کل انور راہ راست پر آ جائیں۔ دولت اور سیلی پرستی لازم و ملزوم ہیں۔ جس دن انکے دولت کا نشہ

اُتریگا ان دن شالم کو ان کے سر سے مہ جبین کے عشق کا جن اُتر جائے گا۔ اور مہ جبین کے سر سے ان کے عشق کا جن اُتر جائے گا.......

کشور: مگر میں کیسے انھیں انکی ولایت سے برطرف کر سکتی ہوں؟.....

ممتاز: جس راستے سے یہ گھسے ہے اسی راستے سے وہ نکل بھی سکتا ہے۔ اگر وہ آپکے شوہر نہ رہیں تو آپکی ذات اور جائداد کے ولی بھی نہیں رہ سکتے...... آپ اُن سے فوراً بلا تامل فارغ خطی اور شادی کے فرضی ہونے کی تحریر واپس لے لیجئے ان کی سقہ شاہی اسی وقت ختم ہو جائے گی۔

کشور:۔ آپ ہی نے وہ نسخہ بتایا تھا اور اب آپ ہی یہ نسخہ بتا رہے ہیں۔؟

ممتاز:۔ جی ہاں۔ درد بھی میں نے دیا تھا۔ دوا بھی میں ہی دے رہا ہوں۔

کشور:۔ مگر اس کے بعد کیا ہوگا؟ جائداد کا انتظام کون کرے گا؟

ممتاز:۔ ان کو ولایت سے ہٹانے کے بعد آپکی ریاست کورٹ آف وارڈز کی سپردگی میں دیدی جائے گی۔ ڈیڑھ ہی برس کا تو جھگڑا ہے۔ اس کے بعد آپ خود کسی ذریعے سے اپنی جائداد کا انتظام کرا سکتی ہیں.....

کشور:۔ خیر یہ رائے تو آپکی بہت صائب ہے... مگر گستاخی معاف ہو ممتاز صاحب آپ انور کو تو آگ سے نکال رہے ہیں اور خود اسی آگ میں کودنے کے لئے تیار ہیں یہ کیا معمہ ہے۔

ممتاز:۔ کچھ چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جو آگ میں نہیں جلتیں۔ میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں..... مجھے وہ آگ نہیں جلا سکتی؟ اوروں کے گناہ قابل سزا ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے تمام میرے عین عبادت ہیں!! ؂

زاہد کو تعجب ہے صوفی کو تحیّر ہے　　　صد رشک طریقت ہے اک لغزش مستانہ

جسمانی بیماریوں کی طرح اخلاقی بیماریوں کا بھی ہومیو پیتھک علاج ہونا چاہیے

یعنی "علاج بالمثل"..... کسی گناہ سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان خوب جی بھر کے وہ گناہ کر ڈالے!!

کشور:- طنزاً آگ سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان آگ میں کود پڑے!! موت سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی مر جائے!! کیوں ممتاز صاحب یہی منطق ہے آپ کی یا کچھ اور؟

ممتاز:- میں مانتا ہوں کہ بظاہر تو میری منطق بالکل اُلٹی معلوم ہوتی ہے مگر ہے بالکل سیدھی..... یہ آپ بھی تسلیم کریں گی کہ آج کل دنیائے طب میں بہترین علاج انجکشن یا آٹو ویکسین کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور انجکشن اور آٹو ویکسین کیا ہے بجز علاج بالمثل۔ یعنی جس زہر خون میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ جن جراثیم کا اثر زائل کرنا مقصود ہے وہی جراثیم میں بھر دیئے جاتے ہیں اور یہی ان کا علاج کامل ہے..... اخلاقی عارضوں کا بھی بجنسہٖ یہی حال ہے....

اگر کوئی شراب سے بچنا چاہتا ہے تو خوب شراب پیئے یہاں تک کہ سیری ہو جائے... اگر کوئی جوئے سے بچنا چاہتا ہے تو جوا کھیلے یہاں تک کہ حسرت باقی نہ رہ جائے۔ اگر کوئی کسی گناہ سے بچنا چاہتا ہے تو خوب جی بھر کر وہ گناہ کرے یہاں تک کہ گناہ کی خواہش ہی فنا ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی کوشش ہی گناہ کی کشش زیادہ کر دیتی ہے۔ کسی چیز سے جبریہ پرہیز اسکی خواہش بڑھا دیتا ہے اور پہلے زمانے میں زہر کا علاج تریاق سے۔ گرمی کا علاج ٹھنڈک سے اور ٹھنڈک کا علاج گرمی سے کیا جاتا تھا اور اب زہر کا علاج زہر ہے۔ گرمی کا علاج گرمی اور ٹھنڈک کا علاج ٹھنڈک سے ہوتا ہے..... دونوں علاج جانچے ہیں اور دونوں سے فائدہ ہوتا ہے مگر علاج بالمثل بدرجہا بہتر اور مقابلتاً زیادہ یا موثر ہے

کشور:- (مسکرا کر طنزاً) خدا آپ کو جلد شفا دے.......

آمین ممتاز...... بھی مسکرا دیا...... پھر کہنے لگا۔
کیا آج صبح کو انور کی صورت سے کچھ پتہ چلتا تھا کہ اس نے رات کو ایک بہت بڑا قانونی اور اخلاقی جرم کیا ہے؟"

کشور:۔ بالکل نہیں بلکہ انور کا چہرہ تو آج ہمیشہ سے زیادہ حسین زیادہ دلکش زیادہ معصوم معلوم ہوتا تھا۔

ممتاز:۔ ہاں ہاں..... بالکل حضرت جبرائیل کے خلیفہ معلوم ہوتے ہوں گے!

کشور:۔ اس پر مسکرا دیں۔

ممتاز:۔ انور کی گناہگاری وہی پرانی وضع کی گناہگاری ہے۔ یعنی دل تو گناہوں کا مسافر خانہ ہوا اور چہرے کو گنجی دے کر بالکل اولیائے کرام کا سا بنا لیا جائے۔ افعال شیطان کے اقوال پیغمبروں کے سیرت ابلیس کی صورت انسان کی سی ہو..... یہ ہے پرانے طرز کی گناہگاری..... دورِ جدید کی گناہگاری یہ ہے کہ جو دل میں ہو وہی زبان پر ہو..... جو فعل ہو وہی قول ہو۔ جیسی صورت ہو ویسی ہی سیرت ہو جو کرے کھلے خزانے کرے۔ ڈنکے کی چوٹ پر کرے۔ جب خدا کا ڈر نہیں تو انسان کا خوف کیا؟ ؎

پلائے آشکارا ہم کو کس کی ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

دورِ جدید کی گناہگاری کو فریب سے عار۔ مکاری سے نفرت ہے۔ ہم لوگ ڈاکو ہیں۔ چور نہیں ہیں۔ ہم دن کو ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اندھیری رات میں نقب لگا کر چوری نہیں کرتے ہم دنیا سے پکار پکار کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم لیے ہیں جو چاہے ہم سے ملے جو چاہے ہم سے پرہیز کرے مگر ہم کسی کو دھوکہ میں نہیں رکھتے۔ عیاری اور مکاری نہیں کرتے..... اچھا تو اب رخصت ہوتا ہوں' پھر کبھی حاضر ہونگا..... مگر میں آپ سے

پھر کہتا ہوں کہ فارغخطی اور شادی کے فرضی ہونے کی تحریر آپ انور سے فوراً واپس لے لیجئے اور یاد رکھئے۔ آپ بہت پچھتائیے گا......

کشور:۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے میں ویسا ہی کر دوں گی۔

ممتاز اٹھ کر چلے گئے۔ کشور بیٹھی ہوئی سوچتی رہی اس کے دل میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ ممتاز کیسا ہی ہو لیکن کھرا اور سچا ہے.... مگر افسوس انور ایسے نہیں معلوم ہوتے!

..... پھر بھی.... میں انھیں ایک فری موقع اور دوں گی.... میں ان سے ان سے وہ کاغذ مانگوں گی..... دیکھوں تو وہ کیا کہتے ہیں۔

بیسواں باب

رحیم بھائی اور جمیلہ

اسی دن شام کو ساڑھے چھ بجے اپالو بندر میں سمندر کے بالکل کنارے ایک بنچ پر رحیم بھائی بیٹھے ہوئے جمیلہ سے باتیں کر رہے تھے۔ ہوا اتفاق سے اس وقت غیر معمولی طور پر تیز و تند مگر خنک اور خوشگوار چل رہی تھی۔ رہ رہ کر طاقتور جھونکے آتے تھے اور چلے جاتے تھے۔

رحیم بھائی جمیلہ کے اگر دادا نہیں تو یہ ضرور معلوم ہوتے تھے مگر باوجود اپنی پیرانہ سالی کے بڑے زندہ دل اور منچلے واقع ہوئے تھے۔ جمیلہ پر وہ بڑی بری طرح فریفتہ تھے اور اس کی دلجوئی اور فرمانبرداری انہوں نے اپنی ضعیف العمری کا شعار خاص بنا لیا تھا۔

مردوں اور عورتوں کی عمروں کے متعلق مشہور ہے کہ عورت کی عمر کا اندازہ اس کی شکل و صورت سے ہوتا ہے اور مرد کی عمر کا اندازہ اس کے

دل کی کیفیت سے ہوتا ہے!! احساس میں شک نہیں کہ رحیم بھائی بیچارے نہایت زندہ دل اور عاشق مزاج بیر مرد تھے مگر کچھ عجیب بات تھی کہ جمیلہ کے دل پر ان کی محبت اور وارفتگی کا وہی اثر ہوتا تھا جو کسی بھولی بھالی خوبصورت فاختہ کے دل پر کسی پروانے چمڑ گدھ کے اظہار عشق سے ہو سکتا ہے!!

اس وقت دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں

جمیلہ :۔ واقعی انور اور کشور سلطانہ نے آپ سے بہت برا سلوک کیا اور آپ بالکل حق بجانب ہیں اگر آپ ان سے نہایت بیرحمی سے انتقام لیں

رحیم بھائی :۔ بیشک! بیشک!... کل تو اتوار ہے مگر پرسوں میں دیوانی اور فوجداری دونوں عدالتوں میں انور پر بڑے دلچسپ مقدمات دائر ہو جائیں گے

جمیلہ :۔ اور کشور پر؟

رحیم بھائی :۔ (اپنی مختصر داڑھی پر ہاتھ پھیر کر) نہیں!! اس پر مقدمہ دائر کرنے کی رائے نہیں ہوئی گو بلاشبہ اس پر بھی مقدمہ چل سکتا ہے

جمیلہ :۔ (اپنے ریشمی رومال سے بلا ضرورت اپنا منہ پونچھ کر) مگر معاف کیجئے مجھے تو آپ کا مقدمہ بہت کمزور معلوم ہوتا ہے......

رحیم بھائی :۔ کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟ کمزور کیسے ہے!!

جمیلہ :۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے شادی محض اس تجربے کے لئے کی تھی کہ آیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوش بھی رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ اور معاہدہ یہ تھا کہ اگر خوش نہ رہ سکیں تو کشور ان دونوں کا عذرات کی بناء پر شادی منسوخ کر ڈالیں اور رشتہ منقطع کر لیں.... یعنی واقعی شادی فرضی نہ تھی بلکہ صرف قانون کے دائرے میں رہنے کے لئے یہ تدبیر کی گئی تھی۔ اور کسی فریق کی نیت کسی کو دھوکا دینے کی نہ تھی

رحیم بھائی:۔ واہ.... تم قانون کیا جانو۔ فارغخطی اور دوسری تحریک کی تعبیر ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔ ان دونوں کاغذات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شادی بالکل فرضی اور برائے نام تھی اور انہوں نے مجھ کو اور عدالت دونوں کو دھوکا دیا اور اسی بنا پر وہ

جمیلہ:۔ (یکبارگی) اے ہے میرا رومال!!.....

رومال ہوا میں اڑتا ہوا سمندر میں پہنچا اور پانی پر تیرنے لگا۔

رحیم بھائی:۔ جانے دو۔ اب وہ نہیں مل سکتا.... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ جو آپ نے انور کی طرف سے سوچا ہے اس کی تائید کاغذات سے نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے

جمیلہ:۔ تو پھر کل دارومدار ان کاغذات کی تعبیر ہی پر تو ہے اگر آپ کی تعبیر صحیح ہے تو یقیناً انور جیل خانے چلے جائینگے اور اگر میری تعبیر صحیح ہے تو وہ صاف چھوٹ جائیں گے اور اس میں آپکی بڑی سبکی ہوگی۔

رحیم بھائی:۔ چھوٹ کیسے جائیں گے، تمہاری تعبیر بالکل غلط ہے!!

جمیلہ:۔ آپ کے بالکل غلط کہدینے سے تو میری تعبیر غلط ہو ہی نہیں جائیگی۔ ہاں آپ ان کاغذات کے الفاظ سے ثابت کر دیجئے تو میں مان جاؤں۔

رحیم بھائی:۔ (جوش میں دونوں کاغذات جو ایک ساتھ نتھی تھے اپنے کوٹ کے اندر کی جیب سے نکالکر اور اپنے زانوں پر پھیلا کر.... تو آمیں کیا ہے یہ ہیں دونوں کاغذات یا میں تمہیں قائل کردوں یا پھر تم ہی مجھے قائل کردو۔

جمیلہ:۔ ہاں! ہاں! یہی سہی.... اور ہارنے والیکی کیا سزا ہوگی!

رحیم بھائی:۔ (ہنسکر اور اپنی اکلوتی آنکھ سے عجیب طرح سے جمیلہ کو عاشقانہ انداز سے دیکھ کر).... ایک بوسہ!!

جمیلہ:۔ (طنزاً) منظور ہے کیونکہ واقعی اس سے بڑھکر کوئی سزا نہیں ہو سکتی خواہ میں جیتوں یا ہاروں۔!!

رحیم بھائی طنز خاک نہ سمجھے مگر جملے کے سطحی معنوں پر بہت ہنسے اور خوش ہوئے۔

جمیلہ:۔ یہ کون کا غذ ہے؟ فارغطی؟ ... اچھا تو آپ کن الفاظ سے آپ یہ چیز بتاتے ہیں کہ شادی فرضی ہے اور بطور ایک تجربے کے نہیں کی گئی!!!

رحیم بھائی:۔ (جوش میں) اس کا ایک ایک لفظ میرے دعوے کی تائید کرتا ہے اور خاص کر یہ الفاظ "یہ شادی صرف مصلحتاً کی گئی تھی اس سے میری اور کشور کی یہ نیت نہ تھی کہ کشور اور میں مثل زن و شوہر کے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے بندھ جائیں گے۔

جمیلہ:۔ (جوش میں) جی نہیں! جی نہیں ہرگز یہ مطلب نہیں! ... لائیے مجھ کو مجھ کو دیجئے ... میں اسے اپنی طرح پڑھوں گی۔ آپ تو اس کو توڑ موڑ کر پڑھتے ہیں لائیے لائیے مجھے پڑھنے دیجئے۔

رحیم بھائی:۔ (مباحثے کے جوش میں) ہاں ہاں! لیجئے لیجئے آپ کے ہاتھ میں جانے سے کاغذ کے الفاظ تھوڑا ہی بدل جائیں گے۔ .... یہ کہتے ہوئے رحیم بھائی جمیلہ کے ہاتھ میں دونوں کاغذ دینے لگے جمیلہ نے لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ جمیلہ نے کاغذ لئے ہی کہ وہ یکبارگی زور سے چیخی اور اس نے اپنا بایاں پیر پکڑ کر درد بھرے لہجے میں کہا "اُف مجھے کسی چیز نے کاٹ لیا؟ ..."

رحیم بھائی:۔ (بے حد گھبرا کر) کہاں؟ کہاں؟ کہاں؟ .....

جمیلہ:۔ اس پیر میں! اس پیر میں! .... اوفوہ! اُفوہ! اوفوہ!

رحیم بھائی فوراً بیٹھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے انہوں نے جمیلہ کا پیر پکڑ لیا۔

جمیلہ:۔ زور سے پکڑیئے! زور سے! ... ضرور کسی سانپ یا بچھو نے کاٹا ہے

رحیم بھائی:۔ نہیں پیاری جمیلہ گھبراؤ نہیں .... سانپ یا بچھو یہاں کہاں ... کوئی چیونٹا وونٹا ہوگا۔

جمیلہ :۔ (جھنجلا کر) ہاں آپ کے کہنے پر چونٹا دونٹا ہوگیا۔ میری طبیعت نہیں معلوم کیسی ہوئی جاتی ہے ..... خدا کے لئے مجھے پکڑ لیجئے ..... جلدی پکڑ لیجئے۔

رحیم بھائی :۔ اچھا اچھا! گھبراؤ نہیں! گھبراؤ نہیں! .....

مگر قبل اس کے کہ رحیم بھائی جمیلہ کو پکڑنے کی کوشش کریں جمیلہ نے اپنے دونوں ہاتھ رحیم بھائی کی گردن میں ڈال دیئے .... اور رحیم بھائی کے زور سے لپٹ گئی .... اور لپٹ کر بیہوش ہوگئی

دونوں کا غذاس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے ہوا کے جھونکے کے ساتھ اڑتے ہوئے چالیس یا پچاس قدم پر سمندر میں جا گرے اور سمندر کی لہروں کے ساتھ ناچنے اور کودنے لگے۔ دو چار تماشائی جو وہاں جمع ہوگئے ان میں سے ایک نے چلا کر کہا "ارے وہ کاغذ کس کا اڑ گیا" ..... وہ کاغذ کس کا اڑ گیا .....؟

رحیم بھائی :۔ (بیہوش جمیلہ کو جلدی سے بنچ پر ڈال کر) کہاں کہاں کہاں؟

وہی شخص :۔ ارے صاحب! وہ! وہ! وہ! دیکھتے نہیں وہ جو بہا جا رہا ہے

رحیم بھائی نے اپنی چشم واحد سے اس مقام پر فوکس کیا جہاں کاغذات نہایت بے تکلفی سے ناچ رہے تھے اور سمندر میں غوطے لگا رہے تھے!! .... یکبارگی ان کا سر چکرایا .... زبان تالو سے لگ گئی ... وسیع منہ کھل کر اور وسیع ہوگیا۔ بدن پر ٹھنڈا پسینہ آگیا۔ اپالو بندر اور اس کی تمام عمارتیں اور وہاں کے تمام سیر کرنے والے یکبارگی ان کے اردگرد مجذوبانہ رقص کرنے لگے وہ گرنے ہی والے تھے کہ دو آدمیوں نے بڑھ کر انھیں پکڑ لیا اور بنچ کے ایک کونے پر جو خالی تھا انھیں بٹھا دیا .... کچھ لوگ جمیلہ کو ہوش میں لانے میں فکر کرنے لگے .....

دو چار منٹ کے بعد رحیم بھائی کو ذرا ہوش آیا اور ان کی زبان کھلی تو اس سے یہ آواز نکلی .... "خدا کے لئے وہ کاغذ! وہ کاغذ ....."

وہ دونوں آدمی جوان کو پکڑے ہوئے تھے:۔ و۔ و۔ وہ کاغذ وہ تو بہت دور پہنچ گئے......؟

رحیم بھائی:۔ خدا کے لئے.... ان کو بچالو!.... بڑے ضروری کاغذ ہیں.... سو روپیہ انعام دونگا۔ سو روپیہ! جوان کو بچالیگا۔ ارے کوئی ہے کشتی والا؟.... مگر صد لائے ز نہ خاست!!.....

دونوں آدمیوں میں سے ایک:۔ بہت مشکل ہے.... بلکہ ناممکن ہے.... اب تو وہ دکھائی بھی نہیں دیتے۔ بڑی زور سے بہے جا رہے ہیں.... اور اتفاق سے اس وقت یہاں کوئی کشتی نہیں ہے۔

رحیم بھائی:۔ للہ! ہاتھ جوڑتا ہوں۔ ان کو کسی طرح بچالو.... میں ایکہزار روپیہ انعام دوں گا۔ ایک ہزار!!

وہی آدمی:۔ اچھا میں جاتا ہوں اور جا کر کشتی کا انتظام کرتا ہوں اگر کشتی مل گئی تو کاغذ شاید بچ جائیں۔

رحیم بھائی:۔ (بڑے کرب و تکلیف کے لہجے میں) ہاں آپ کو خدا کی قسم جلدی جلیئے!..... دیکھئے وہ ایک کشتی دکھائی دیتی ہے..........

....

کاغذ نظروں سے اوجھل ہو گئے.... لہروں سے چلیں کرتے ہوئے.... پانی سے کھیلتے ہوئے وہ بہے چلے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ رحیم بھائی کی اُمید انتقام بھی ڈوبی جاتی تھی!! تھوڑی دیر میں ہی آدمی واپس آیا کہ اس نے کہا کہ بڑا افسوس ہے، کوئی کشتی نہیں ملتی اور ایک جو ملی وہ بھی واپس آئی ہے ملاح کہتا ہے کہ اس وقت ہوا بہت تیز ہے کاغذ کا ملنا محال ہے اور اندھیرا الگ ہو رہا ہے۔

رحیم بھائی کی آخری شعاع اُمید بھی بجھ گئی اور کچھ عرصہ تک وہ بالکل دم بخود

اور مظلومی سے بیٹھے ہوئے اپنے سامنے سمندر کو ٹکٹکی لگائے گھورا کئے .....

اور خدا معلوم کب تک وہ اسی طرح بیٹھے رہتے ۔ اگر ان لوگوں میں سے جو وہاں جمع ہو گئے تھے ایک شخص ان کا شانہ ہلا کر یہ نہ کہتا "ارے صاحب کا غذ بہ گئے تو بہ جانے دیجئے ۔ اپنی صاحبزادی کی تو فکر کیجئے"۔

رحیم بھائی :۔ (خدا ہوکر) صاحبزادی ... میری بیوی ہیں !! سمجھ کر باتیں کیا کیجئے !!!

وہ آدمی :۔ (تعجب اور ہنسی ضبط کرکے) معاف فرمائیے مجھے معلوم نہیں تھا ۔

دوسرا آدمی :۔ انکو تو کسی طرح ہوش ہی نہیں آتا ۔ اب آپ براہ مہربانی انہیں فوراً اسپتال لیجائیے ... ورنہ سمجھے نہیں تو بہت پچھتائیے گا ۔

رحیم بھائی یہ سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور جمیلہ کے پاس آکر اسے عجب انداز سے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے ۔ وہ بیچ بیچ آنکھیں بند کرکے بیہوش پڑی ہوئی تھی ۔

ایک شخص (رحیم بھائی سے) کیوں صاحب کیا ہوا ؟ یہ بیہوش کیسے ہو گئیں ۔

رحیم بھائی :۔ یک بیک یہ چیخیں اور اپنا بایاں پیر پکڑ کر کہنے لگیں کہ مجھے کسی چیز نے کاٹ لیا ۔

وہی شخص :۔ آپ بھی واللہ کمال کرتے ہیں ۔ ارے صاحب آپ انہیں فوراً ہسپتال لے جائیے ۔ یہ آخر آپ کیا عجب کر رہے ہیں ۔

رحیم بھائی :۔ (لجاجت سے) بڑی مہربانی ہوگی ۔ کوئی ٹیکسی بلوا دیجئے وہی شخص دوڑتا ہوا گیا اور وہی ایک منٹ کے بعد ٹیکسی لے آیا ! ... سب نے ملکر جمیلہ کو ٹیکسی کے پیچھے کی سیٹ پر لٹا دیا ۔ اور رحیم بھائی وہیں بیٹھ گئے اور جمیلہ کا سر اور آدھا دھڑ اپنی گود میں رکھ لیا ۔ ٹیکسی روانہ ہو گئی ....

....

تماشائیوں میں سے ایک شخص :۔ یہ مذاق دیکھا آپنے ؟ یہ بدنصیب انکی

بیوی تھی اچھی خاصی لگی پر پوتی تو معلوم ہوتی تھی ...... نہ معلوم وہ بیوی کس قاعدے سے ہو گئی۔

دوسرا شخص:۔ معاورہ ذرا لغلول الزماں کی صورت تو دیکھئے!! معلوم ہوتا ہے جیسے بن مانس کو کسی نے سوٹ پہنا دیا ہو!!

تیسرا:۔ بالکل حور اور لنگور کا قصہ ہے! ذرا فرق نہیں۔

چوتھا شخص:۔ اور لطف یہ کہ وہ تو بیچاری بیہوش پڑی ہے۔ اور آپ کا غدول کے لئے بیٹھے ہوئے سر دھن رہے ہیں۔ اس شخص کو تو کسی پاگل خانے میں ہونا چاہیئے۔

پانچواں شخص:۔ اور ان والدین کو بھی کسی جیل خانے میں ہونا چاہیئے جنھوں نے ایسی خوبصورت اور نازک بدن لڑکی کو اس حیوان مطلق کے سپرد کر دیا ....
.... معاذاللہ .... معاذاللہ .... کیسے کیسے ماں باپ ہوتے ہیں؟

توبہ یا اللہ توبہ!!

چھٹا شخص:۔ جبتک اس قسم کی بے رحم اور غیر مساوی شادیوں کا تدارک نہ ہوگا ہندوستان کبھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ شوہر اور بیوی میں زیادہ سے زیادہ پندرہ برس سے زیادہ کا فرق نہ ہونا چاہیے!! ورنہ ایسی شادی شادی نہیں ہوتی۔ ایک مستقل جانکنی ہوتی ہے!!

اس قسم کے فقرے کہتے ہوئے تماشائی منتشر ہو گئے۔

جمیلہ کو ہسپتال میں ہوش آگیا بائیں پاؤں میں ایک دوا لگائی گئی ایک دوا پلائی گئی .... اور کچھ عرصے بعد جب چل پھر سکنے کی ہمت ان میں آگئی تو جمیلہ کو رحیم بھائی اسکے میکے (جہاں آج کل وہ خود بھی مقیم تھے) لے گئے وہاں جمیلہ کے ماں باپ بھائی وغیرہ اس کا حال سنکر بہت پریشان ہوئے اور رحیم بھائی سے سب ایک ساتھ پوچھنے لگے کہ ڈاکٹر کا کیا رائے ہے! ....

رحیم بھائی نے سب کو یہ کہہ کر اطمینان دلا دیا کہ ڈاکٹر کی قطعی رائے ہے کہ سانپ نے نہیں کاٹا۔ ہاں ممکن ہے بچھو نے کاٹا ہو۔۔۔ مگر کوئی تشویش یا تردد کی وجہ نہیں ہے ڈاکٹر نے کہا ہے انکو آرام ملنا چاہیئے۔ صبح تک انشاء اللہ طبیعت بالکل اچھی ہو جائیگی

چنانچہ جمیلہ کو ایک الگ کمرے میں پلنگ پر لٹا دیا۔ ۸ یا ۹ بجے رات کا وقت ہو گیا تھا۔ سب نے جمیلہ کو ہدایت کی کہ اب تم سو جاؤ۔ چنانچہ جمیلہ سو گئی سب آہستہ آہستہ کمرے سے چلے گئے۔۔۔۔

جمیلہ نے تھوڑی دیر بعد چپکے سے آنکھیں کھولیں۔۔۔۔ تو کمرہ خالی پایا۔ اس کے چہرہ پر ایک تبسم نمودار ہوا۔۔۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چادر میں منہ چھپا کر ہنسنے لگی۔۔۔۔ اور اپنے آپ سے یوں باتیں کرنے لگی۔۔۔۔ سانپ یا بچھو کے کاٹنے کی تو خیر ابھی تکلیف نہیں ہوئی مگر ہسپتال میں کڑوی کڑوی دوا پینے سے طبیعت ابھی تک مالش کر رہی ہے۔۔۔ اور کاغذ!۔۔۔ وہ تو اب مدن پر پہنچ رہے ہوں گے! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے ذریعے سے انور کی عزت و آبرو اس سازش سے بچ گئی۔ مگر انور! میں اب بھی تمہارے احسان سے ادا نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہوں!!!

اس قسم کے خیالات اس کے دماغ کا طواف کرتے رہے یہاں تک کہ اسے واقعی نیند آگئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ رحیم بھائی لے کاغذات کے فراق میں ساری رات کروٹیں بدل بدل کاٹیں؟۔۔۔۔ اس کے دل میں اس کا وہم و گمان بھی نہیں پیدا ہوا کہ کاغذات کا اڑ کر سمندر میں پہنچ جانا اتفاقیہ نہ تھا۔۔۔۔ بلکہ ایک ساختہ پرداختہ تدبیر کا نہایت دلچسپ جزو تھا۔۔۔۔

چھبیسواں باب

بہ قدر طاقت خود ہر دنے غمے دارد
دل ہن است کہ اندوہِ عالمے دارد

انور کا ارادہ تھا کہ اسی شام کو کسی سے سارا کچا چٹھا کہہ ڈالے اور زہرا جمال ڈاکٹر شیرازی اور رحیم بھائی کی سازش کا راز بلا کسی مزید تاخیر کے افشا کر دے ... مگر اتفاق سے ایک ایسی اہم تجارتی ضرورت دفعتاً پیدا ہو گئی کہ اس کی وجہ سے اسکو فوراً بمبئی سے باہر جانا پڑا۔ اس نے دل میں کہا آخر کیا ہرج ہے۔ آج شام کو نہ سہی کل شام کو سہی۔ کل تو میں انشاءاللہ آ ہی جاؤں گا۔ ..... اتنی سی تاخیر میں کون بڑا فرق ہو جائے گا لیکن اگر آج میں پونا نہ گیا تو یقیناً ایکسچینج مانگ اور بازار کا بھاؤ الگ بدل جائے گا اور کشور کا ڈیڑھ دو لاکھ کا نقصان ہو جائیگا.... اسی خیال سے انور نے پونا جانے کی تیاری کر لی اور کشور کو دفتر سے ٹیلیفون دیدیا کہ وہ اسی کے کام کے لئے پونا جا رہا ہے اور کل واپس آ جائے گا!!

کشور نے کوئی اعتراض نہیں کیا مگر زہرہ جمال کو جب معلوم ہوا تو وہ فوراً بولیں ہاں انتہو رذہی ایسے ایسے کام نکلیں گے۔ اس قسم کی تجارتی ضروریات اگر نقشہ نہ ہوں گی تو پھر مہ جبین کے ساتھ رات بسر کرنا کا موقع کیسے ملیگا؟ بھئی ہم تو انور کے قائل ہو گئے!! ..... اس میں شک نہیں کہ عیاری اور فریب میں بمبئی تو بمبئی ہندوستان میں اس کا کوئی ثانی نہ نکلے گا!!

کشور نے زہرہ جمال کی زہریلی گفتگو خاموشی سے سنی!! اس کے شبہات کی ایک کڑی اور مضبوط ہو گئی ۔

شام کو زہرہ کشور کے پاس آئیں اور کہا "کشور اگر تم انور پر اب بھی کوئی اعتقاد ہو تو چلو میرے ساتھ چلو میں تم کو ایک ایسا پکا ثبوت دوں گی کہ تم بھی اپنی زبان سے کہہ دو گی کہ اب شک کی گنجائش نہیں ہے۔

کشور :۔ کیا ثبوت ؟ کہاں ہے وہ ثبوت ؟......

زہرہ :۔ چلو میرے ساتھ چلو..... میں نے تم سے اب تک مصلحتاً کہا نہیں تھا مگر اب کہتی ہوں کہ جس وقت میں یہاں آئی نہیں تھی اس کے پہلے ہی میں اپنی آنکھوں سے انور کو مہ جبین کے بنگلے پر رات کو دیکھ چکی ہوں۔

کشور :۔ مہ جبین کے بنگلے پر رات کو؟......

زہرہ :۔ جی ہاں ۔ اور یہی نہیں بلکہ ان کے درمیان میں جو پیار اور اخلاص کی باتیں ہو رہی تھیں وہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں ۔ اتفاق سے میں اس وقت سڑک پر جا رہی تھی تو دس بجے کا وقت تھا ۔ انور ایک بجلی کے بڑے لیمپ کے نیچے مہ جبین سے رخصت ہو رہے تھے ۔ ناممکن نہ تھا کہ دیکھنے والے کو دیکھ کر یقین کامل نہ ہو جائے کہ عاشق اور معشوق رات کو ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں ۔

کشور :۔ یہ کب ؟ آج سے کتنے دن ہوئے کون مہینہ تھا ۔

زہرہ :۔ جنوری کا مہینہ تھا اور ۹ تاریخ تھی مجھے خود یہ یاد ہے!!

کشور :۔ اسی کے ایک دن پہلے تو میری انور سے شادی ہوئی تھی ۔

زہرہ :۔ اور رخصت ہوتے وقت مہ جبین نے انور کو بطور اپنی یادگار کے ایک رومال بھی دیا تھا...... اس کے بعد انور موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور میں اپنے گھر چلی گئی ۔

کشور :۔ ہاں مجھے اب یاد آیا کہ شادی کی دوسری ہی رات کو میں کھلانے پر

ان کا بہت دیر انتظار کرتی رہی۔ بلکہ میرے دل میں اس وقت یہ خیال
بھی پیدا ہوا کہ اگر واقعی میری اور ان کی اصلی شادی ہوئی ہوتی تو وہ اتنی دیر تک
غائب نہ رہتے اور مجھے اس طرح منتظر نہ رکھتے! سچی اور جھوٹی شادی میں یہی فرق ہوتا
ٹھیک ہے ٹھیک ہے یہی رات تھی۔ وہی بات تھی! تم نے اسی رات کو
انہیں حسین کے بنگلہ پر دیکھا ہو گا ......

زہرہ:۔ انور اس وقت ایک مخمل کی شیروانی پہنے ہوئے تھے جس کے حاشیوں پر
خوبصورت سنہرے فیتے لگے ہوئے تھے۔

کشور:۔ ہاں ہاں! اسی رات کو وہ آسمانی مخمل کی شیروانی ہی پہنے ہوئے
تھے مجھے خوب یاد ہے کیونکہ وہ غیر معمولی طور پر حسین معلوم ہو رہے تھے.... تم
سچ کہتی ہو زہرہ تم سچ کہتی ہو ... تمہاری ایک ایک بات کی تصدیق ہو رہی ہے

زہرہ:۔ اور چلئے اب رومال کے واقعے کی بھی تصدیق ہو جائے۔

کشور:۔ کہاں چلیں؟

زہرہ:۔ انور کے کمرے میں۔ میں نے انکی کنجیوں کے نمونے دیکر ویسی ہی کنجیاں
بنوالی ہیں۔ ایک مرتبہ وہ اپنی کنجیاں سنگھار میز پر جلدی میں چھوڑ گئے ہیں تو
میں تاک میں تھی ہی۔ فوراً کنجیاں لیکر میں نے انکی شکلیں موم پر بنائیں اور وہ موم
کنجی بنانے کے لئے بھیجدیا۔ آج اس نے کنجیوں کے نمونے بھیجے ہیں۔ چلئے انور
کے کپڑوں کے سوٹ کیس پر ان کنجیوں کو آزمائیں۔ اسی میں مخمل کی شیروانی
ملے گی!! دونوں انور کے آرام کمرے میں جائیں۔ ایک سوٹ کیس کھولا اس میں
وہ اچکن نہیں ملی۔ دوسرا کھولا تو مل گئی۔ زہرہ نے اچکن نکال کر اس کی جیبیں
ٹٹولنا شروع کیں۔ پھر دفعتاً خوشی سے چلا اٹھی "مل گیا۔ مل گیا، رومال مل گیا"
(اسے باہر نکال کر) یہ دیکھئے یہ وہی رومال ہے؟

کشور کے قلب میں اس وقت وہی کیفیت تھی جو اس ستم زدہ مجرم کی ہوتی ہے جس کے گلے میں پھانسی کا پھندا پڑا ہو اور جو اپنے پیروں کے نیچے سے تختے کا سرکنا محسوس کر رہا ہو

زہرہ :۔ (رومال کھولکر) آہاہ! اس پر تو ایک شعر بھی کڑھا ہوا ہے ..... کیا ہے؟

در فراق تو۔ من خستہ۔ بجانم چہ کنم

زلیستن مشکل و مردن نتوانم چہ کنم

شعر تو بڑا حسب حال معلوم ہوتا ہے.. اور یہ نیچے کیا ہے چاند بنا ہوا ہے اور اس کے نیچے جبین لکھا ہوا ہے ... آہا۔ میں سمجھ گئی۔ یہ مہ جبین ہیں۔

لیجئے کشور صاحبہ آپکو ثبوت کا بڑا شوق تھا۔ ہر بات کا آپ ثبوت مانگا کرتی تھیں۔ یہ لیجئے ثبوت لیجئے۔ کتنے ثبوت لیجئے گا۔!!! آجکل تو اتفاق سے روز ہی دو ایک ثبوت مل جاتے ہیں۔

کشور :۔ (رومال زہرہ کے ہاتھ سے لیکر) .... یہ آخری اور سب سے مکمل ثبوت ہے! اور دیکھئے تو کس احتیاط سے اسے اسی اچکن کی جیب میں رکھا ہے تاکہ اس خدمت کے واقعہ کی تصویر خیالی میں کوئی نقص پیدا نہ ہونے پائے!!.... اب تو بلا شبہ ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ حقیقت کیا ہے ابھی تک میں ہر بات کی اپنے دل میں کوئی نہ کوئی تاویل کر لیا کرتی تھی ... مگر اب میں اس نقطہ پر پہنچ گئی۔ جہاں تعبیر و تاویل کی گنجائش باقی ہی نہیں رہی اب تو انور کے دل کی ساری کیفیت اظہر من الشمس ہے۔ میں ہر ایک ثبوت کے بعد بھی اپنے دل کو سمجھا لیتی تھی کہ بہت ممکن ہے کہ انور بالکل بے قصور ہو .... مگر آج میرا یہ اعتقاد ٹوٹ گیا۔ آج میرا ایمان خراب ہو گیا۔ آج میرے دل کی آخری امید پر پانی پھر گیا ......

.. انور!.. تم نے میرا دل توڑ دیا۔ تم نے میری زندگی خراب کی۔ تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا

.. یہ کہکر کشور انور کے پلنگ پر گر پڑی اور منہ چھپا کر زار و قطار رونے لگی۔

اس وقت کشور کے دل میں ایک ایسی آگ بھڑک رہی تھی جس کا آج تک اس کے

دل میں واقعی وجود نہ تھا۔ یہ محض جبین سے حسد اور رقابت کی آگ تھی، سوخت اس کے دل پر ایک ایسا جان گداز اور روح فرسا صدمہ تھا جس کی تکلیف سے آج تک وہ آشنا نہ تھی۔ یہ انور کی محبت سے قطعاً اور کلیتاً نا اُمید ہو جانے کا صدمہ تھا!! اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اسکی دنیا جو محبت کی برقی روشنی سے جگمگا رہی تھی یکبارگی تیرہ و تاریک ہو گئی ہو اور اسکی تمام روشنیاں ایک ایک کر کے بجھ گئی ہوں! جیسے گلابی فضا کی ساری رنگینیاں دلفریبیاں اور حسن آرائیاں کسی نے سلب کر لی ہوں جیسے گلستان خیال کو کسی نے اُجاڑ دیا ہو۔ جیسے بہارستان اُمید و جذبات میں دفعتاً خزاں آ گئی ہو جیسے خاموش چمکتی ہوئی چاندنی رات میں ایک دم سے گرجتی ہوئی کالی کالی گھٹائیں آ کر پھیل گئی ہوں جیسے فضا میں کوئی نہایت روح افزا رقص انگیز نغمہ لہرا رہا ہو اور پھر یکبارگی بجائے اس کے کہ کسی گریہ نیم کشی کی پردرد صدا دوش ہوا پر تھر تھرانے لگے جیسے کوئی ایک ایک درخت اپنے ہاتھوں سے لگائے ایک ایک پودا اپنے ہاتھوں سے سینچے ایک ایک روش اپنے ہاتھوں سے بنائے اور اس طرح ایک خوبصورت باغیچہ سجائے اور پھر دفعتاً کسی زہریلی تند ہوا کا جھونکا سارے باغیچہ کو تہ و بالا کر دے۔ ہنستے ہوئے پھولوں کو مرجھا دے اور خوشنما روشوں کو بے رحمی سے بگاڑ دے!! بیچاری کشور کی حالت قابل رحم تھی ..... وہ ایک مجسم داستان غم تھی ... وہ بے بسی اور بے کسی کا مرقع تھی وہ پامال شدہ آرزوؤں مٹی ہوئی حسرتوں کی ایک پرالم اور خاموش یادگار تھی۔

برعکس اس کے زہرہ جمال کا دل اپنی تدبیروں کی کامیابی پر فرط مسرت سے رقص کر رہا تھا لیکن مصلحتاً وہ ایک مغموم صورت بنائے ہوئے کشور کو خشک بے روح الفاظ میں تسکین دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ رات کشور کے لئے ایک عجیب پرخلش درد آلود۔ پرسوز ڈراؤنی رات تھی اس نے دیر تک اپنی حوف شدہ اُمیدوں اور مغموم تمناؤں کی لاش پر خاموش ماتم کیا ...

اسکو ممتاز کے یہ جملے بار بار یاد آرہے تھے ... عورت محبت کی میت پر ماتم کرتی ہے اور یہ اسکی دوسری حماقت ہے کیونکہ عورت کو جاننا چاہیے کہ مرد ہمیشہ کسی ایک کو چاہ نہیں سکتا ۔ اس کو روز ایک تازہ شغل ایک نیا کھلونا چاہیے ۔ ... محبت مرد کے لئے ایک عارضی تفریح ایک دلچسپ شغل ہے مگر عورت کے لئے محبت اس کا سارا سرمایہ حیات ہے ....

نہیں معلوم وہ کب اس پلنگ پر روتے روتے سو گئی ... نیند میں کئی بار اسکو ہچکیاں آتی رہیں یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ آج جب وہ انور کی محبت کی میت پر ماتم کر رہی تھی وہ انور ہی کے پلنگ پر پڑی ہوئی تھی اور ساری رات اس کی اسی پر گذری ۔ اس کا سر اسی تکیہ پر تھا جس پر انور کا سر رہا کرتا تھا ۔ تکیہ انور کے بالوں کی بھینی بھینی خوشبو سے بسا ہوا تھا ۔ اور اب وہ کشور کے آنسوؤں سے تر تھا !!

تائیسواں باب

خوشخبری

دوسرے دن دوپہر کے وقت انور کے دفتر میں جمیلہ اور انور میں گفتگو ہو رہی تھی

انور :۔ (مسکراتے ہوئے) واقعی آپ نے کمال کر دیا ..... میں آپ کی تعریف نہیں کر سکتا ۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے ان کاغذات کے چوری ہو جانے سے کیسی اذیت ناک تکلیف تھی اور اب میں ان کے دستیاب ہو جانے سے مجھے کیسی خوشی آرام اور اطمینان ہے میں حیران ہوں کہ کس طرح اور کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں ۔

جمیلہ :۔ شکریہ وغیرہ کا ذکر جانے دیجئے سنئے آپ سے ایک اور ضروری

بات کہتا ہے... آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر شیرازی اندر سے اس کوشش میں ہیں کہ آپ کسی طرح جائداد کے انتظام سے ہٹا دیئے جائیں تاکہ ڈاکٹر شیرازی آپ کی جگہ لے سکیں۔

انور:۔ مگر جب تک میری مصنوعی شادی کا راز فاش نہیں ہوتا مجھے کشور کی ذات اور جائداد کی ولایت سے کون ہٹا سکتا ہے؟

جمیلہ:۔ ہاں ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ خطرہ اس کا نہیں ہے کہ آپ کو کوئی ہٹا دے گا۔ مگر اس کا ہے کہ کہیں آپ خود نہ ہٹ جائیں۔

انور:۔ (طنزاً) ڈاکٹر شیرازی کی مروت میں؟

جمیلہ:۔ نہیں کشور کی مروت میں؟

انور:۔ کشور کی مروت کیسی؟ میں سمجھا نہیں

جمیلہ:۔ فرض کیجئے کہ آپ سے کشور کہیں کہ میں چاہتی ہوں کہ میری جائداد کا انتظام ڈاکٹر شیرازی کریں"۔ تو آپ ڈاکٹر شیرازی کی موت میں نہیں بلکہ کشور کی مروت میں یہ کہہ دیں گے کہ "مجھے کوئی عذر نہیں"

انور:۔ مگر کشور مجھ سے ڈاکٹر شیرازی کی سفارش اس طرح سے کرنے ہی کیوں لگیں؟

جمیلہ:۔ اس لئے کہ ڈاکٹر شیرازی زہرہ جمال کے بھائی ہیں اور زہرہ جمال اور کشور ایک جان دو قالب ہیں اور

انور:۔ اور کیا؟ کہئے کہئے! آپ اور کیا کہنا چاہتی تھیں۔

جمیلہ:۔ آپ برا تو نہ مانئے گا۔

انور:۔ نہیں خدا کی قسم نہیں۔ آپ صاف صاف کہئے میں برا نہ مانوں گا

جمیلہ:۔ میں یہ کہنے والی تھی کہ ڈاکٹر شیرازی کو اپنے حسن و کمال پر اس قدر ناز ہے کہ

وہ اپنی جگہ یہی سمجھتے ہیں کہ کشور کا دل ان پر آ گیا ہے اور آپ کو ان کے مقابلے میں

کوئی اُمید کامیابی کی نہیں ہے۔ آج وہ میرے شوہر صاحب سے یہ خود ہی اپنی زبان سے کہہ رہے تھے......"

انور خاموش ہو گیا... پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں بہت ممکن ہے.... میرے دل میں بھی یہی شبہ کچھ عرصے سے کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔

جمیلہ:۔ اور ڈاکٹر شیرازی صاحب یہ بھی تو چاہتے ہیں کہ کشور سے۔ اور کشور سے کیا۔ انکی جائداد سے شادی کر لیں..... میں آپ سے کہے دیتی ہوں کہ ڈاکٹر شیرازی ایسا بیرحم شیطان ہے کہ اگر اس نے کشور کو دھوکہ دیکر اس سے شادی کر لی تو ڈاکٹر تو وہ ہے ہی وہاں کی جائداد کا تنہا مالک بننے کے لئے تھوڑے ہی عرصہ میں انکو زہر دیکر مار ڈالے گا۔

انور:۔ (خوفزدہ ہو کر) وہ کشور کو مار ڈالے گا۔؟

جمیلہ:۔ ہاں ہاں مار ڈالیگا یقیناً مار ڈالے گا اس شخص سے کوئی بات بعید نہیں شیطنت۔ بیرحمی۔ فریب اور مکاری میں اس کا کیا درجہ ہے۔ آپ خود اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ رحیم بھائی ایسا پرانا پاپی بھی اس کا لوہا مانے ہوئے ہے

انور:۔ میں نے تو ابھی تک اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا۔

جمیلہ:۔ رحیم بھائی مجھ سے خود کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر شیرازی ایسا بیرحم شیطان اور کامیاب عیار کبھی تم بمبئی در در نہ ملیگا.... اور اسکی کامیابی کا راز اس کی عجیب و غریب شخصیت۔ اس کی شیریں گفتاری اس کے دلاویز طور طریقے۔ اسکی غیر معمولی ذہانت ہے ہر فن میں اسکو دخل ہے۔ اور موسیقی میں تو بس اسکو کمال حاصل ہے۔

اگر دنیا میں شیطان کا وجود ہے تو ہمیں ذرا شک نہیں کہ وہ ڈاکٹر شیرازی کی صورت میں ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ شیطان بڑا لمبا چوڑا، ہیبتناک اور بدصورت ہوتا ہے

ایسا ہی ہوتا ہے تو وہ دنیا میں کسی کو بھی دھوکا دیسکتا۔ لوگ اسکو دیکھ کر دور ہی سے
بھاگتے اور اس سے پناہ مانگتے!!... واقعہ یہ ہے کہ شیطان نہایت ہی حسین انتہا
وجیہ کا خوش اخلاق بیحد دلچسپ اور نظر فریب ہوتا ہے اس کی آنکھوں میں ہوتی اسکی
باتوں میں جادو اسکی صحبت میں ایک عجیب مقناطیسی کشش ہوتی ہے!! خواہ وہ مرد کی
شکل میں ہو یا عورت کی!!!.... اور یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کو نہایت کامیابی کیساتھ
دھوکا دیسکتا ہے اور دھوکا دیتا ہے یقین مانیے کہ ڈاکٹر شیرازی ایسا ہی شیطان ہے
اور یاد رکھیے کہ اس کا مقابلہ ہی نہیں کہ آسان نہیں ہے بلکہ بہت دشوار ہے!!

انور:- میں آپکی یہ قابل قدر نصیحت یاد رکھونگا مجھے تعجب ہے کہ اس کم عمری میں
کیسے آپ ہر معاملے میں اس قدر صحیح اور سچی رائے قایم کرلیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپنے
دنیا کو سطحی یا سرسری نظر سے نہیں بلکہ نہایت باریک بیں نظر سے دیکھا ہے۔۔

جمیلہ:- (افسردہ لہجہ میں) ... تکلیف اور مصیبت بڑی اچھی اُستانیاں ہوتی
ہیں۔ انسان چند مہینوں یا چند برسوں کی تکلیفوں میں جو کچھ سیکھ لیتا ہے وہ
عمر بھر کے عیش و آرام کی زندگی میں نہیں سیکھ سکتا!!! (آہ سرد بھرکر) انور صاحب
میں نے جو کچھ سیکھا ہے ان ہی استانیوں سے سیکھا ہے۔۔ (اٹھ کر) اچھا تو میں
اب جاتی ہوں.... پھر انشاء اللہ ملوں گی۔ خدا حافظ۔

یہ کہہ کر جمیلہ چلی گئی......

اٹھائیسواں باب

سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

انور شام کو چھ بجے دفتر سے گھر پہونچا تو چنگیز نے اس سے کہا۔ آج بھی ڈاکٹر شیرازی آئے تھے!!

انور:۔ کس وقت اور کب تک رہے؟

شکور:۔ قریب ۱۲ بجے آئے تھے۔ اور ابھی کوئی آدھ گھنٹہ ہوا گئے ہیں۔

انور:۔ اتنے عرصہ تک وہ کیا کر رہے تھے؟

شکور:۔ وہ تھے گانا بجانا تھا۔ بیگم صاحبہ تھیں۔ اور لمبے لمبے قہقہے!! صبح تو بیگم صاحبہ بہت اداس تھیں.... مگر ڈاکٹر شیرازی کے آتے ہی دفعتاً بالکل بدل گئیں ذرا ذرا سی بات پر خوب کھلکھلا کر ہنستی تھیں! مجھے ڈاکٹر شیرازی نہیں اچھے لگتے.... نہیں معلوم کیوں انکو دیکھ کر خون کھولنے لگتا ہے.... بس یہی جی چاہتا ہے کہ پکڑ کر انکا گلا گھونٹ دوں!!

انور:۔ نہیں شکور.... بری بات!!.... وہ بیگم صاحبہ کے مہمان ہیں!! جب تک وہ بنگلے میں رہیں تم ان کی خاطر کرنی چاہیئے۔!!

شکور:۔ آخر آپ کیوں انھیں یہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں۔

انور:۔ تم ابھی بہت سی باتیں نہیں جانتے..... ورنہ یہ نہ کہتے!!

یہ کہکر انور غسل کرنے چلا گیا.... شکور کپڑے نکال کر انہیں درست کرنے لگا۔

. . . .

انور اندر ہی اندر جل رہا تھا.... شکور دل ہی دل میں ابل رہا تھا۔

انور نے نہا دھو کر چائے پی.... آدھی پیالی پی اور آدھی پیالی میز پر رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی۔ چائے کا پینا تو محض ایک غیر ضروری شغل تھا اور اصل انکو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے تھا تاکہ اس کا خیال ہٹ جائے اور اس کا دل بہل جائے!! اسکالی برآمدے میں انکے کمرے کے بالکل سامنے ایک آرام کرسی اور ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی تھی۔ میز پر اخبار پڑا تھا۔ انور چائے پی کر اسی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا.......

اس کی آنکھیں اخبار کے صفحے پر تھیں اور دماغ کشور اور ڈاکٹر شیرازی کے باہمی

ربط وضبط کی برتی رفتار پر غور کرنے میں معروف تھا.........

وہ دل میں سوچ رہا تھا" جمیلہ کی باتوں کا ایک ایک لفظ کس قدر صحیح ہے۔ ڈاکٹر شیرازی نے واقعی کشور پر جادو کر دیا ہے ورنہ کشور نے آج تک کسی سے ایسی بے تکلفی برتی تھی نہ مجھ سے ایسی بے اعتنائی اور بے رخی!!.......

اب تو کشور وہ کشور ہی نہیں معلوم ہوتی.... یا تو میرے آنے کا اسے اس قدر بے چینی سے انتظار رہا کرتا تھا یا اب سکو پروا ہی نہیں ہوتی کہ میں کب دفتر سے آیا اور کب چلا گیا.... میں تو بدلا نہیں.... کشور ہی کو کسی نے بدل دیا ہے.........

جمیلہ سچ کہتی تھی..... ڈاکٹر شیرازی واقعی پورا شیطان ہے! اس کا زہر کس قدر میٹھا مگر کیسا قاتل ہے!!.....

بیچارے انور کے دل پر بڑا صدمہ تھا..... اس کی روح کو عجیب و غریب تکلیف تھی وہ سوچ رہا تھا کہ کشور کی سرد مہری اور بے اعتنائی کی وجہ بجز ڈاکٹر شیرازی کی ساحرانہ شخصیت کے اور ہی کیا سکتی ہے؟ ادھر یہ خلش آزیں حسد انور کو بیقرار کر رہی تھی۔ ادھر کشور کا دل انور سے بالکل پھر گیا تھا اور وہ بغاوت کرنے پر تلی تھی!! غلط فہمیاں جانبین کے سکوت کے بجائے پیدا ہوئیں۔ اسکی وجہ سے بڑھتی رہیں اس کی وجہ سے انہوں نے خطرناک شکل اختیار کرلی..... اور...

بالعموم.... غلط فہمیاں اسطرح پیدا ہوتی ہیں اسی طرح بڑھتی ہیں اور اسی طرح بڑھ کر فتنے اٹھاتی اور آفتیں ڈھاتی ہیں!! اگر شروع ہی میں آپس کی صفائی اور تبادلہ خیالات سے اس زہریلے چشمے کی پتلی سی دھار پاٹ کر روکی نہ جائے تو کچھ عرصے کے بعد یہی چھوٹا سا چشمہ بڑھ کر ایک عمیق اُبلتے ہوئے طاقتور دریا کا دھارا ہو جاتا ہے جس کو نہ کوئی دنیوی طاقت پاٹ سکتی ہے اور نہ کوئی انسانی قوت روک سکتی ہے۔

پہلے محبت، پھر غلط فہمی۔ پھر بیجا سکوت۔ پھر کشیدگی، پھر ملال۔ پھر زبانی جنگ اور آخر میں گہری عداوت!! عموماً محبت سے عداوت تک یہی چند منزلیں ہوتی ہیں!!! اور یہ سب کچھ نہ ہو۔۔۔۔ اگر غلط فہمی کے پہلے ہی دن ایک دوست دوسرے دوست سے بےحجابانہ کہدے "مجھ کو تم سے یہ شکایت ہے"!

یہی وہ چند سادے ٹھنڈے سچے مختصر جادو اثر الفاظ ہیں جو غلط فہمی کی چنگاری کو فوراً بجھا سکتے ہیں اور ان ہی کے نہ کہنے سے وہی چنگاری ایسی آگ لگا دیتی ہے جس کا بجھانا ناممکن ہو جاتا ہے اور جو بالآخر دو ہنستی ہوئی زندگیوں کو ہمیشہ کے لئے جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے!!

انور: اسی کرۂ آتش کے کنارے کھڑا ہوا آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہا تھا شعلے اپنی لمبی لمبی رنگیں زبانیں نکال رہے تھے۔۔۔۔ اور کشور ان شعلوں کے اس پار کھڑی ہوئی تھی۔

شکور نے بجلی کی روشنی کر دی۔۔۔ برقی پنکھا چلا دیا۔۔۔۔ مگر انور کو یہ معلوم نہ ہوا کہ روشنی کب ہوئی۔۔۔۔ اور پنکھا کب چلا۔۔۔۔۔۔ وہ اسی طرح بت بنا بیٹھا رہا۔۔ وہ اسی طرح آنکھیں معمول سے زیادہ کھولے گہرے خیالات میں ڈوبا ہوا دیوار کو ٹکٹکی لگائے گھورتا رہا۔ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر اسکو کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا وہ جاگ رہا تھا مگر اس کے سارے حواس سو رہے تھے۔۔۔۔ بیٹھے بیٹھے یکبارگی وہ کرسی پر اچھل پڑا۔۔۔۔۔۔۔

شکور اس سے نہایت مودبانہ آواز سے بار بار کہہ رہا تھا "حضور کو بیگم صاحبہ نے یاد فرمایا ہے"۔

بیگم صاحبہ نے؟ کون بیگم صاحبہ؟

شکور: حضور کی بیگم صاحبہ!

انور:۔ (جاگ کر)۔۔ایں۔۔۔ تم ہو شکور! کیا؟ کیا ہوا کیا تم کچھ کہہ رہے تھے؟
شکور: جی ہاں حضور کو بیگم صاحبہ نے اپنے خاص آرام کے کمرے میں یاد فرمایا ہے
انور:۔ خاص آرام کے کمرے میں بلایا ہے؟ کیوں؟ طبیعت تو اچھی ہے؟
شکور: جی ہاں طبیعت اچھی ہے۔۔۔۔
انور:۔ اچھا جاؤ کہدو آتے ہیں۔۔۔۔

انور کا دل یک بیک خوشی سے دھڑکنے لگا۔۔۔ خوشی اسکی کہ کشور نے آج خلاف معمول مجھے یاد کیا ہے۔۔۔ وہ جلدی سے اٹھا اپنے سنگھار کمرے میں گیا۔ آئینہ میں اپنی صورت دیکھی۔۔۔ دو خوبصورت بڑی بڑی جادو بھری آنکھوں کے نیچے دو سُرخ سُرخ گلاب کھلے ہوئے تھے۔۔۔ برش سے اس نے اپنے لہردار بال درست کئے۔۔۔ ٹائی ٹھیک کی۔۔۔ اور آئینہ کی طرف ایک خفیف نگاہ ڈالتا ہوا لمبے لمبے قدم بڑھاتا بہت جلد کشور کے خاص کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا اس کا چہرہ امید سے فروزاں تھا۔۔۔ اس کا دل مسرت سے لبریز تھا۔۔۔ آج اس کو اسکی کشور نے چند دنوں کی ظاہری کشیدگی اور بے پروائی کے بعد اپنے خاص کمرے میں بلایا تھا ایسی دعوت کا فخر اسے آجتک حاصل نہیں ہوا تھا۔۔۔ اگر وہ خوش تھا تو تعجب کیا؟ مگر اس کا دل رقص کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ فرط انبساط سے ایسا گلستان ہو رہا تھا جس میں خزاں کے بعد نئی بہار آئی ہو تو حیرت کیسی؟۔۔۔۔۔ اس نے کسی قدر کانپتی ہوئی انگلیوں سے چق اٹھائی اور کہا:۔

"کیا میں آسکتا ہوں؟"۔۔۔ اندر سے آواز آئی "تشریف لائیے"۔ انور کمرے میں داخل ہو گیا۔۔۔ کشور سامنے ہی کچھ دور پر اپنے پلنگ کے پاس ایک خوش نما مخمل کے گدوں کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک نیا انگریزی ناول اس کے داہنے ہاتھ میں ایک پیپر کٹر تھا۔۔۔ اسکی سفید جارجٹ کی ساڑی

اور اسکی روپہلی بیل اور چاندی کے تاروں کی دلاویز بوٹیاں برقی لیمپ کی دودھیا قمقمے کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اسکے یاقوت کو شرمانے والے ہونٹ کسیقدر ایک دوسرے سے الگ تھے اسکی سحر آگیں آنکھیں بہت سیاہ اور چمکدار تھیں۔ اسکے گالوں پر ہلکی ہلکی سرخی تھی... اسکی نازک انگلیوں پر انگوٹھیوں کے موتی اور جواہرات جگمگا رہے تھے اسکی گوری گوری سڈول کھلی ہوئی باہوں پر سونے کی نبک اور خوبصورت چوڑی کلائیوں پر سچے موتیوں کا دست بند تھا

کرسی پر کشور حسین بیٹھی تھی.... ایک حسن کی ملکہ اپنے تخت پر فروکش تھی!!....

حسن کی یہ بے نظیر تصویر دیکھ کر الیر کے پروانہ وار دل میں ایک نیا ہیجان پیدا ہو گیا..... اس نے گھبرائی ہوئی پرستش بھری نگاہوں سے کشور کو دیکھا.....

کشور کے چہرے پر حسن تھا مگر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اسکی آنکھوں میں تبسم تھا، یکبارگی انور کا دل چلتے چلتے رک گیا... اس کی خوشی پر دفعتاً اوس پڑ گئی۔

وہ کشور کے قریب آیا اور قریب ہی دوسری آرام کرسی پر بیٹھ گیا..... کشور نے نگاہیں نیچی کر لیں.... اور کچھ بولی نہیں۔

انور:۔ (کسی قدر مسکرا کر) کیا تم نے مجھے بلایا ہے؟

کشور:۔ (ایک سرد آواز میں) جی ہاں.....

پھر کشور خاموش ہو گئی اور ناول کے ورق بغیر کسی ضرورت کے الٹنے پلٹنے لگی۔

انور:۔ کیا کوئی خاص کام تھا یا یوں ہی۔

کشور:۔ (اسی سرد آواز میں نگاہیں نیچی کئے ہوئے) اگر کوئی خاص کام نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے خاص آرام کے کمرے میں نہ بلاتی۔

انور:۔ (کسی قدر مسکرا کر) وہ ایسا کیا خاص کام تھا جسکی وجہ سے مجھے یہ عزت بخشی گئی

کشور:۔ (اسی لہجہ میں) مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ آپ کو فرصت ملے تو۔

انور:۔ (مسکرا کر) اس وقت تو مجھے کوئی خاص مصروفیت نہیں ہو تی!

کشور :۔ (طنز آمیز لہجہ میں) ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی ... آپ نے یہ کیسے کہدیا کہ نہیں ہوتی۔

انور :۔ (مسکرا کر) ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی .... مگر اکثر نہیں ہوتی۔

کشور :۔ اور جب ہوتی ہے تو بہت زیادہ ہوتی ہے!!

انور :۔ (سادگی سے) یہ بھی ٹھیک ہے کل ہی میں۔ رات بھر غائب تھا۔

کشور :۔ (طنز سے) اور پرسوں نصف رات تک!! میں نے بارہ بجے رات کو آپ کے پاؤں کی آہٹ سنی تھی۔

انور :۔ ہاں سنی ہو گی۔ پرسوں رات کو جب میں آیا ہوں تو غالباً بارہ بج گئے ہوں گے یا بج رہے ہوں گے!!

کشور :۔ (یکبارگی انور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) ..... اور پرسوں رات کو بارہ بجے تک آپ کیا کر رہے تھے۔

انور کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ نگاہیں زمین پر گڑ گئیں اور کچھ عرصے کے لئے وہ خاموش ہو گیا۔

کشور :۔ آپ کے چہرے کی رنگت آپکی بیجا خاموشی اور نیچی نگاہیں آپ کا جنل خوری کر رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ بارہ بجے رات تک جو کچھ بھی آپ کر رہے تھے اس کے کہنے میں آپ کو صرف تامل ہی نہیں بلکہ ندامت بھی ہے۔

انور :۔ (سنبھل کر) نہیں مجھے ندامت نہیں۔

کشور :۔ یہ بھی ایک معنی میں صحیح ہے۔ ندامت تو اس وقت ہوتی ہے جب فعل کے قابل ندامت ہونے کا احساس ہو......

انور :۔ مجھے واقعی اس کا احساس نہیں کہ میرا فعل قابل ندامت تھا......

کشور :- مبہم الفاظ میں گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ کو اس سے انکار ہے کہ آپ مہ جبین کو اس کی بہن کے گھر سے پرسوں رات کو بھگا لے گئے!!!

انور :- نہیں مجھے انکار نہیں۔ کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے؟ مگر :-

کشور :- معذرت نہ کیجئے۔ معذرت کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں۔

انور :- یہ بھی سچ کہتی ہو! نہ مجھے معذرت کی ضرورت ہے نہ میں معذرت کرنے والا تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری نیت خراب نہ تھی

کشور :- (طنز سے) ممتاز صاحب کا قول ہے کہ دنیا میں بہت سے اچھے کام بُری نیت سے اور بہت سے معیوب کام بڑی اچھی نیت سے کئے جاتے ہیں اور کے گئے ہیں۔ کسی زمانے میں آپ کو اس سے اختلاف تھا مگر اب غالباً آپ بھی ممتاز صاحب کے ہم خیال ہو گئے ہیں۔

انور :- میں اس کو معیوب کام سمجھتا ہی نہیں !!.....

کشور :- اس لئے کہ آپ جیسے اچھے آدمی کوئی معیوب کام کریں بھی تو وہ دفعتاً کارِ خیر ہو جاتا ہے۔

انور :- (شاکی لہجہ میں) آج آپ اس قدر طعن اور طنز سے کیوں باتیں کر رہی ہیں کھلی کھلی صاف صاف باتیں کیجئے۔ مجھے طعن اور طنز کی باتیں زیادہ پسند نہیں ہیں۔

کشور :- (کسی قدر تیزی سے) تو میں اب آپ سے صاف صاف پوچھتی ہوں کہ کیا واقعہ نہیں ہے کہ آپ جبین کے عاشق اور مہ جبین آپ کی معشوقہ ہے !!!

انور :- (خفا ہو کر) نہ آپ کو مجھ سے ایسا بیہودہ سوال کرنے کا حق ہے اور نہ مجھ کو اس کے جواب دینے کی ضرورت ہے۔

کشور :- (خفا ہو کر) مجھے آپ جواب دینا نہیں چاہتے تو نہ دیجئے مگر ذمہ داری کی

عدالت میں آپ کو اس سوال کے جواب دینے کی ضرورت بہت جلد پیش آئے گی!!!

انور:۔ (بگڑ کر) فوجداری کی عدالت سے آپ مجھکو نہ ڈرائیے غالباً اس میں آپکو کامیابی نہ ہوگی۔۔ میں نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور جو کچھ اس کا نتیجہ ہوگا اس کو بھگتنے کے لئے بھی میں بالکل تیار ہوں۔

کشور:۔ (طنزاً) بزدلی کا دھبہ تو آپ پر آپ کے دشمن بھی نہیں لگا سکتے ادم آدمی ہی ایسی دلیری کے کام کرتے ہیں.....

انور:۔ مجھے دلیری کا سارٹیفکٹ بھی دینے کی زحمت گوارا نہ فرمائیے (مسکرا کر) میرا ارادہ ابھی فوج میں نام لکھانے کا نہیں ہے۔

کشور:۔ فوج میں نام لکھانے کی آپ کو ضرورت ہی کیا ہے جب مہ جبین کے عاشقوں کی فوج میں آپ اپنا نام نامی سرفہرست لکھا چکے ہیں:۔

انور:۔ (ایکدم سے ہنس کر)۔۔ کشور آج تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ اگر تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو تو یہ بالکل نئے انداز کا مذاق ہے جس کا میں ابھی عادی نہیں ہوا ہوں

کشور:۔ اور نہ عادی ہونے کی انشاءاللہ آپ کو ضرورت پڑیگی کیونکہ میں نہ آپ سے مذاق کرتی ہوں اور نہ اس وقت مذاق کر رہی ہوں۔

انور:۔ (مسکرا کر طنزاً) نہیں آپ مجھسے کیوں مذاق کرنے لگیں جب مذاق کرنے کے لئے مجھ سے بہت اچھے آدمی موجود ہیں۔

کشور:۔ (بگڑ کر) یہ آپنے کیا کہا؟

انور:۔ میرے خیال میں میں تو بہت صاف اردو بول رہا تھا......
تعجب ہے کہ آپ کو سمجھنے میں اسقدر زحمت ہوئی....

کشور:۔ مجھ سے بہت اچھے آدمی سے آپکا کیا مطلب ہے آپ کو بتانا پڑے گا!!

انور:۔ (مسکرا کر) اپنے سے اچھا آدمی میں کیا بتاؤں! کیونکہ مجھ سے بُرا آدمی

دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔ اور پھر اس سوال کا جواب آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔ کیونکہ آپ میرا مطلب سمجھ نہ گئی ہوتیں تو مجھ سے اس قدر اصرار سے آپ اس طرح بار بار نہ پوچھتیں!!

کشور:۔ تو کیا آپ کا مطلب ڈاکٹر شیرازی صاحب سے ہے؟

انور:۔ اب میں آپ کی کہی ہوئی بات کیسے رد کر سکتا ہوں؟ وہ بلا شبہ مجھ سے بہت اچھے ہیں۔ میرا ان کا تو کوئی مقابلہ نہیں؟

کشور:۔ مگر میں کب ان سے مذاق کرتی ہوں؟

انور:۔ جب وہ یہاں آتے ہیں . . .

کشور:۔ آپ غلط کہتے ہیں۔

انور:۔ آپ سے زیادہ غلط نہیں.... کہ آپ نے مجھ کو بغیر کسی ثبوت کے مہ جبین کا عاشق بنا دیا۔

کشور:۔ بغیر ثبوت کے؟ آپ کو کس قسم کا ثبوت چاہیے؟

انور:۔ (جوش میں) آپ کسی قسم کا ثبوت نہیں دے سکتیں ....

کشور:۔ ایک تو اسے بھگا لیجانا ہی کیا کم ثبوت ہے۔ دوسرے اس کا خط!!

انور:۔ اس نے خط میں بڑی لجاجت سے درخواست کی تھی کہ اسے اس کی بہن نے قید کر دیا ہے۔ کہیں آنے جانے نہیں دیتی اور اس کی عصمت اور آبرو خطرے میں ہے۔

کشور:۔ (طنزیہ مسکرا اور ایک ایک لفظ پر زور دیکر) عصمت اور آبرو؟ ایک طوائف کی عصمت اور آبرو؟ ..... میں نے آج ہی یہ مذاق سنا!! اب کل آپ کہیئے گا۔ ایک چور کی ایمانداری ...... ایک قاتل کی ..... رحمدلی .... ایک شرابی کا زہد و تقویٰ۔

انور:- گو وہ ایک طوائف کے گھر تک پیدا ہوئی ہے مگر وہ طوائف نہیں ہے۔

کشور:- میں سمجھ گئی۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ اب خانگی ہو گئی ہے ...... معاف کیجئے گا مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ اب وہ آپ کی سرپرستی میں ہے۔

انور:- یہ ایک سفید جھوٹ .... ایک بے سروپا بہتان ہے ......

کشور:- اور یہ بھی بے سروپا بہتان ہے کہ آپ رات کو اس کے گھر جاتے تھے اور یہ بھی ایک سفید جھوٹ ہے کہ اُس نے آپکو ایک کڑھا ہوا رومال بطور یادگار محبت کے دیا تھا اور یہ بھی ایک غلط اتہام ہے کہ آپ اس رومال کو بڑی محبت سے اپنی اچکن کی جیب میں آج تک بطور ایک یادگار کے نہایت حفاظت سے رکھے ہوئے تھے!! کہہ دیجئے! کہہ دیجئے! کہ یہ بھی سب سفید جھوٹ اور بے سروپا بہتان ہیں

انور:- نہیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے مجھے رومال دیا تھا۔ میں نے اُسے شروع میں لینے سے انکار کیا مگر مجبور ہو کر لے لیا۔ محض اخلاقاً نہ بطور یادگار محبت کے۔ میں مانتا ہوں کہ میں صرف ایک مرتبہ رات کو اس کے گھر گیا تھا۔

کشور:- (طنزاً) اور وہ بھی محض عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے!! کسی اور غرض سے نہیں!! ...... اور تہجد؟ کیا ابھی تک اسکے گھر پر تہجد پڑھنے کا آپکو اتفاق نہیں ہوا؟ یاد تو کیجئے! ذرا ذہن پر زور تو ڈالئے! ضرور ہوا ہوگا!!

انور:- (مسکرا کر) آج کشور تم ماشاء اللہ خوب باتیں کر رہی ہو! ... مگر مذاق نہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں وہاں نہیں جا رہا تھا۔ مگر ممتاز مجھے زبردستی مجبور کر کے لے گئے۔

کشور:- ٹھیک تو ہے جماعت میں زیادہ ثواب ملتا ہے اور پھر علاوہ اسکے آپ سارے کام مجبوراً ہی کیا کرتے ہیں! مثلاً مجبوراً آپ نے رومال لے لیا ... مجبوراً آپ نے اسے اپنی اچکن میں رکھ لیا ... مجبوراً آپ نے اس اچکن کو

سوٹ کیس میں بند کر دیا.... مجبوراً آپ اس کے گھر چلے گئے.... مجبوراً آپ اس پر عاشق ہو گئے.... مجبوراً آپ اُسے بھگا لائے۔.......

انور بیساختہ ہنسنے لگا..... اور خوب ہنسا..... پھر کہنے لگا "بھئی آج ہم تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج تمہاری طبیعت بہت حاضر ہے۔"

کشور :۔ (یک بیک غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو کر) انور صاحب آپ ہر ایک بات کو ہنسی مذاق میں نہ ٹالئے.... یہ ترکیب چلے گی نہیں!.... میں مانتی ہوں کہ آپ بڑے ہوشیار اور عقلمند آدمی ہیں مگر میں بھی بہت بے وقوف نہیں ہوں اور جب تک میں بیوقوف تھی... تھی اب میں بے وقوف نہیں رہی اور نہ اب آپ مجھے بیوقوف بنا سکتے ہیں خاطر جمع رکھئے! مجھے اب آپ دھوکا نہیں دے سکتے.... وہ دن گئے! بقول مسٹر ممتاز کے آپ پرانی وضع کے مقدس گنہگار ہیں.. آپکا قول کچھ اور فعل کچھ اور ہے۔ آپ کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے۔ مکاری میں آپ ماہر ہیں، عیاری میں آپ طاق ہیں۔ آپ شراب پئیں گے تو مسجد کے وضو کرنے والے بدھنے میں آپ بچا کھیلیں گے تو وضو کر کے اور مصلیٰ بچھا کر۔ آپ کسی کو لوٹینگے تو اسکے گلے میں باہیں ڈالکر آپ کسی کو قتل بھی کرینگے تو ہنس ہنس کر مسکرا مسکرا کر.... آپ کسی پر احسان کرینگے تو اس سے آیندہ ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے۔ آپ کسی سے بھلائی کریں گے تو اسے آیندہ احمق بنانے کیلئے۔

انور :۔ (انتہائی تعجب سے).... کشور! تمہیں واقعی آج ہو کیا گیا ہے؟ تم کیسی بے سر و پا اور بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔ تم کچھ سمجھتی بھی ہو کہ کیا کہہ رہی ہو؟ کچھ جانتی بھی ہو کہ کیا کر رہی ہو؟

کشور :۔ (اسی لہجہ میں) اگر مجھے کچھ ہو گیا ہے تو محض آپکی اصلی حالت کا انکشاف ہو گیا ہے۔ رہا جاننا اور سمجھنا تو خدا کا شکر ہے کہ جتنا میں اس وقت جانتی اور سمجھتی ہوں آج تک نہ کبھی میں اتنا جانتی تھی نہ سمجھتی تھی ... سنئے انور صاحب! آپ میری ذات سے

بہت فائدہ اٹھا چکے اب آپ براہ مہربانی میری جائداد کے انتظام سے فوراً دست بردار ہو جائیے۔

انور:۔ اگر میں دست بردار ہو جاؤں تو تمھاری جائداد کا انتظام کون کریگا؟

کشور:۔ کوئی بھی کرے اس سے آپکو مطلب؟

انور:۔ مجھے صرف اتنا مطلب ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے مگر میں ڈاکٹر شیرازی کو تو تمھاری جائداد کا انتظام حشر تک نہ کرنے دونگا۔

کشور:۔ (بلند آواز سے) اور میں کہتی ہوں کہ اب ڈاکٹر شیرازی ہی میری جائداد کا انتظام کریں گے!۔

انور:۔ (بہت سنجیدگی سے) تو میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ آپ ایک ایسی بات کی پیشین گوئی کر رہی ہیں جو ہرگز نہیں ہونے والی ہے۔

کشور:۔ کیوں؟ کیوں؟ میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟

انور:۔ اس لئے کہ جب تک میں آپکی ذات اور جائداد کا ولی ہوں، اسوقت تک بجز میرے آپکی جائداد کا کوئی اور انتظام نہیں کر سکتا!!۔

کشور:۔ اور آپ میری ذات اور جائداد کے ولی اسی وقت تک ہیں جب تک میری اور آپکی فرضی شادی کا حال نہیں کھلتا!!

انور:۔ اور میری اور آپکی فرضی شادی کا حال اسوقت کھلیگا۔ جب میں اور تنہا میں چاہوں گا اور اتفاق سے میں سوقت اسکے فرضی ہونیکا حال کھولنا نہیں چاہتا۔

کشور:۔ تاکہ آپ میری جائداد پر قابض رہکر اُسے خوب اُڑائیں اور برباد کریں۔

انور:۔ جی نہیں۔ بلکہ اسلئے کہ ڈاکٹر شیرازی آپ کی جائداد پر قابض ہوکر اُسے ہضم نہ کر جائیں اور

کشور:۔ آپ پریشان نہ ہوں ان کا ضمیر آپ سے اچھا نہیں ہے آپ میں

اس قدر زیادہ انحصار کیوں ہے؟

انور:۔ (مخلصانہ لہجہ میں) کشور میں تم کو بطور تمہارے سچے دوست اور خیر خواہ کے آگاہ کئے دیتا ہوں کہ تمہارے سب سے بڑے دشمن ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال ہیں اور یہ دونوں رحیم بھائی سے مل کر میرے اور تمہارے خلاف ایک بہت گہری سازش کر رہے ہیں انکی نیت مجھ کو نکال کر تمہاری جائداد پر تصرف بیجا کرنے کی ہے اور اسی غرض سے وہ میرے خلاف تمہارے کان بھر رہے ہیں۔

کشور:۔ جو قصہ سازش کا آپ نے اسوقت برجستہ تصنیف کیا ہے وہ سراسر مہمل اور بالکل جھوٹا ہے۔ ایسی بھدی تصنیف سے آپ کسی کو دھوکہ نہیں دیسکتے!! دیکھئے انور صاحب آپ یہ ساری چکمہ بازی اور افترا پردازی کہیں تہ کرکے رکھ دیجئے۔ اب میں آپکے پھندے میں آنے کی نہیں!! اپنی عیاریوں سے باز آیئے اب مجھ سے آپکی عیاریاں چلیں گی نہیں!!...... اور براہ مہربانی مجھے وہ فارخطی اور اپنی دستخطی تحریر واپس کیجئے جو آپ کے پاس بطور امانت کے رکھی ہوئی ہیں۔

انور:۔ اب تو وہ میرے پاس نہیں ہیں۔

کشور:۔ (غصہ میں) آپ جھوٹ بولتے ہیں!!

انور:۔ میں بالکل سچ کہتا ہوں وہ اب میرے پاس نہیں ہیں زہرہ جمال وہ دونوں کاغذ میرے بکس سے چرا کر رحیم بھائی کو دے آئی تھیں مگر رحیم بھائی کے پاس بھی اب وہ نہیں ہیں کیونکہ کل ہی شام کا واقعہ ہے کہ وہ کاغذ ہوا میں اڑ کر سمندر میں گر پڑے اور بہہ گئے۔

کشور:۔ اس قسم کے بھدے اور مہمل قصوں کے بجائے کچھ بھی نہیں ہو سکا کہا سکتے!! کیا اب آپ کے افلاس ذہنی کی یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ قابل اعتبار جھوٹ بھی آپ نہیں بول سکتے!!—

انور:۔ اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو رحیم بھائی اور جمیلہ سے خود جا کر پوچھ لو...

کشور:۔ جمیلہ سے کیا مطلب؟

انور:۔ جمیلہ سے مطلب یہ ہے کہ وہ کاغذ جمیلہ ہی کے ہاتھ سے گر کر سمندر میں چلے گئے۔

کشور:۔ اچھا وہ کاغذ اگر بقول آپکے کھو گئے تو انہیں کھو جانے دیجئے۔ براہ مہربانی اسی مضمون کے دو کاغذ آپ مجھے لکھکر دیدیجئے۔ یہ تو آپ کر ہی سکتے ہیں یا یہ بھی آپ نہیں کر سکتے۔

انور:۔ ہاں کر تو سکتا ہوں مگر میں کرونگا نہیں۔

کشور:۔ (بیحد غصہ میں) کرونگا نہیں! ..... کیوں؟ کیوں نہ کرینگے؟۔

انور:۔ یہ میری اک مصلحت ہے۔ یہ میرا اک راز ہے! میں اسے ابھی بتانا نہیں چاہتا۔ جب وقت آئے گا تو بتا دونگا۔

کشور:۔ (غصے کے جوش میں) یہ مصلحت نہیں دغابازی ہے!!!

انور:۔ یہ دغابازی نہیں۔ یہ وفاداری ہے!!

کشور:۔ خدا کے لئے اس ریاکاری سے باز آیئے۔ للّٰہ اپنے دعدوں کا پاس کیجئے۔ ایسی نفرت انگیز بے حیائی اور بے ایمانی پر یکبارگی نہ اتر آیئے! انور صاحب ڈریئے! ڈریئے! خدا سے ڈریئے!! ایک دن آپ کو بھی خدا کو منھ دکھانا ہوگا۔

انور:۔ آپ میرے لئے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ خدا کو انشاءاللہ میں بہت اچھی طرح منھ دکھا لوں گا۔

کشور:۔ تو پھر میں یہ سمجھوں کہ آپ دونوں کاغذ دینے سے بھی انکار کرتے ہیں اور اسی مضمون کے کاغذ لکھنے سے بھی آپ کا انکار ہے!! کیوں؟

انور:۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ وہ دونوں کاغذ ضائع ہو گئے میرے پاس نہیں ہیں۔

اب چاہے آپ کو یقین آئے یا نہ آئے! اور مشکل کاغذ میں لکھ تو سکتا ہوں مگر ابھی لکھو سکتا نہیں کیونکہ اس میں میری ایک خاص مصلحت۔ اسمیں میرا ایک خاص راز ہے جو میں ابھی آپکو بتانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ جسطرح آپنے میری ہر ایکبات کو ابھی تک جھوٹ اور افترا قرار دیکر بلا تکلف رد کر دیا ہے آپکو اس پر بھی یقین نہ آئیگا آپ سے بعید نہیں میری افترا پردازی عیاری یا ریاکاری کی طرف بلا تامل منسوب کر دینگی!!! آپ یونہی مجھے بہت اچھی طرح ذلیل کر چکی ہیں۔ اب میں اور ذلیل ہونا نہیں چاہتا۔

کشور:۔ تو پھر میں یہ سمجھوں کہ آپ انکار کرتے ہیں!!!

انور:۔ ہاں آپ یہی سمجھ لیجئے کہ میں انکار کرتا ہوں!!!

کشور:۔ (جوش میں ہانپتے ہوئے) کوئی پروا نہیں۔ میں آپ پر مقدمہ چلاؤنگی اور شادی کا فرضی ہونا زبانی شہادت سے بخوبی ثابت کر دونگی۔

انور:۔ (خاموش متانت سے) کس کی شہادت سے؟

کشور:۔ (غصے میں) اپنی شہادت سے مسز ممتاز کی شہادت سے عذرا کی شہادت سے۔

انور:۔ بس یہی ساری پونجی ہے! آپ تو خود مدعیہ ہو گئیں لہذا آپکی شہادت پر کون اعتبار کرے گا۔ بڑی مشہور مثل ہے۔

باطل است انچہ مدعی گوید

رہی ممتاز کی شہادت تو وہ اس بنا پر مانی نہ جائیگی کہ ان کو مجھ سے اب اتنی ہی دشمنی ہو گئی ہے۔ جتنی پہلے دوستی تھی۔ اور عذرا! اول تو وہ میرے خلاف گواہی دینے آئینگی نہیں اور اگر کسی کے دباؤ سے آبھی گئیں تو انکا بھی حشر ممتاز کے ساتھ ہو گا بخلاف اسکے میں بمبئی کے ۱۵ یا ۲۰ نہایت معزز اور سربرآوردہ آدمیوں کو جو نکاح کے وقت اور شادی کی دعوت میں ممتاز کے گھر پر موجود تھے پیش کر سکونگا۔ ان کی شہادت سے آپکی۔ عذرا اور ممتاز کی شہادتوں کی کامل تردید ہو جائیگی۔ پھر قاضی کا رجسٹر ہے۔

اور اس پر آپ کی دستخط ہے اور آخر میں مگر سب سے زیادہ اہم خود آپکا جج کے اجلاس پر حلفیہ بیان موجود ہے جس میں آپ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں اقدِ نکاح تسلیم کر چکی ہیں..... لہٰذا مقدمہ تو سرسبز ہو سکتا نہیں..... اسکے دائر کرنیکی تو آپ تکلیف گوارا کیجئے گا نہیں۔ مفت میں زحمت اور شرمندگی ہو گی... مگر میں اس کا وعدہ آپ سے کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہتی ہیں گو میں اسکی تعمیل چند مجبوریوں سے ابھی نہیں کر سکتا مگر وقت مناسب پر آپکے ہر ایک حکم کی انشاء اللہ بلا پس و پیش تعمیل کروں گا۔"

کشور کے جسم میں آگ تو لگی ہی ہوئی تھی۔ انور کی اس تقریر نے اُسے اور بھی مشتعل کر دیا۔ اور اسکو اپنی بے بسی اور عاجزی کا یقین کامل دلا دیا..... اب تو اسکی جھنجھلاہٹ اور غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کو یقین کامل ہو گیا کہ انور سے زیادہ جھوٹا۔ زیادہ دغا باز مکار۔ بے ایمان اور بدچلن شخص دنیا میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا!! وہ غصہ سے کانپتی ہوئی کھڑی ہو گئی اسکو اپنے اوپر قابو نہ رہا۔ اور یک بیک انور پر اسطرح برس پڑی۔

"تم انتہا درجے کے بے ایمان۔ دغا باز۔ مکار۔ جھوٹے۔ اوباش۔ لالچی۔ عیار شخص ہو۔ خدا تم کو اور تمہاری عیاریوں کو غارت کرے..... تمہارا صورت فرشتوں کی سی مگر تمہاری سیرت شیطان سے بھی ہزار گونہ بدتر اور نفرت انگیز ہے۔"

انور۔ (نہایت ضبط و تحمل و سنجیدگی سے)..... کشور یہ تم کیا کہہ رہی ہو اور کیا کر رہی ہو؟ کچھ سمجھتی بھی ہو؟ کیا تم کو دوست و دشمن اپنے و بیگانے کی پہچان نہیں رہی؟ مجھے تعجب ہے کہ تم اپنی زبان سے کیوں اور کیسے یہ نالائق و دلشکن الفاظ نکال رہی ہو؟ کیا تربیت اور تعلیم سب تم پر ضائع ہو گئی یا تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے؟..... کیا تم وہ کشور نہیں ہو؟ کیا میں وہ انور نہیں رہا؟ خدا کے لئے کشور ذرا آنکھیں کھولو!..... ہوش میں آؤ.....

کشور۔ (اور بھی برافروختہ اور بے قابو ہو کر) خدا کی شان ہے کہ تمہارا ایسا شیطان مجسم۔ اور ابلیس کامل۔ مجھکو اخلاق پر لکچر دے! میں کہتی ہوں کہ تمہاری ریاکاری

کوئی حد اور انتہا بھی ہے؟... کیا تم ایک ناپاک مندی روح کی طرح ہمیشہ مجھ پر مسلط رہو گے اور میرا گھر کبھی نہ چھوڑو گے۔ میں تمہیں قسم دیتی ہوں اس جان کی جسے تم دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے ہو کہ تم اپنے کثیف وجود سے میرا گھر اور میری زندگی ہمیشہ کیلئے پاک کردو!! تم جس کو چاہتے ہو اس کا ہو ہو اگر تم یہاں سے ابھی چلے نہ جاؤ اور میرا گھر فوراً خالی نہ کردو۔ ....

انور نے فرط غم سے اپنا منہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا.... اسکے مجروح دل میں اس وقت یہ خیالات گذر رہے تھے" آہ کشور! تم مجھے نادانستہ ایسی ہی قسم دے رہی ہو کاش تم سے میں کہہ سکتا! کاش تم کو میرے کہنے کا یقین آ سکتا!!.... مگر نہیں میں صبر کرونگا میں ضبط کرونگا اے خدا مجھے ضبط و صبر کی طاقت اور توفیق دے!!.... یا اللہ میں کیا سمجھا تھا اور کیا ہوگیا....؟ آہ مجھے اپنی وفاداری! اپنی جان نثاری اپنی محبت کا خوب معاوضہ ملا..... افسوس!..... صد افسوس!......"

بدنصیب انور کی خوبصورت آنکھیں دفعتاً سرخ ہوگئیں اور ان میں بڑے بڑے آنسو چھلک آئے! اسکو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا دل ٹوٹ گیا اور اسکی ساری زندگی کسی بالو کی عمارت کی طرح گر کر ایک تودۂ خاک ایک مزار تمنا ہوگئی.........

کامرانی محبت کا آفتاب غروب ہوگیا اور یاس و ناکامی کی سیاہ اور ڈراؤنی رات نے اسکی زندگی کے کونے کونے پر قبضہ کرلیا ....

کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے چہرے سے اپنے ہاتھ ہٹائے... وہ سفید کاغذ کیطرح سفید بے رونق بے نور۔ ستا ہوا غم آلود چہرہ جیسے کسی مرنے والے کا ہو جسکے آخری لمحے بڑی کرب و تکلیف سے ختم ہوئے ہوں... کچھ دیر تک وہ ایک دیوانے کیطرح پھٹی پھٹی اشک آلود مبہوت آنکھوں سے کمرے کی ہر چیز کو غیر ضروری انہماک کے ساتھ دیکھتا رہا...... پھر ہمت کر کے کسی ناتواں اور خستہ

مریض کی طرح وہ کرسی سے اٹھا اور تھرتھراتے ہونٹ اور پُر درد گریہ آلود بھرائی ہوئی آواز سے اس نے رُک رُک کر کہا۔

کشور۔ ..... خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے اور پھولا اور آفت سے بچائے" اگر تمہارا حکم یہی ہے تو میں اس کی تعمیل کروں گا ..... میں تم سے مجبوراً یا دل شکستہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا ہوں ..... کشور! ..... خدا حافظ!! ..."

باوجود انتہائے ضبط کے بڑے بڑے موتیوں جیسے دو قطرے اس کی آنکھ آنکھوں سے نکل پڑے اور اسکے چہرے پر بہ گئے!! ..... وہ انکی نمی پونچھتا ہوا آہستہ آہستہ کمرے سے ایک درد و حسرت بھری رخصتی نگاہ کشور پر ڈالتا ہوا ... باہر جانے لگا۔

کشور پہلے تو انتہائے سرد مہری اور سنگدلی سے کھڑی ہوئی دیکھتی رہی پھر نہایت حقارت آمیز طنزیہ لہجے میں بولی ..... اوہ! یہ شخص کیسا کامل بہروپیہ ہے!! اگر کوئی اسکو پہلے سے نہ جانتا ہو تو واقعی دھوکا کھا جائے!!" انور کے زخمی ٹوٹے ہوئے دل میں ایک اور زہر میں بجھی ہوئی برچھی لگی۔ اس نے کشور کو چند سکنڈ تک خاموشی سے ملامت بھری آنکھوں سے دیکھا ..... اور پھر بیچارگی کمرے کے باہر چلا گیا

.... اس وقت بھی بدبخت وفادار انور کے دل میں یہ خیال گزرا .... ضرور اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے!! ورنہ میری کشور کبھی ایسی نہ تھی!"

....

زہرہ بڑی دیر سے کشور اور انور کی گفتگو دروازے کے قریب رکی چھپی ہوئی سن رہی تھی۔ اس کا دل کامیابی کی مسرت سے اچھل رہا تھا جیسے ہی انور کمرے سے نکلا وہ جلدی سے ایک بڑے کروٹن کے گملے کے پیچھے جو قریب ہی تھا چھپ گئی اور جب انور کچھ دور چلا گیا تو شکاری بلی کی طرح دبے پاؤں اسکے پیچھے پیچھے دور تک چلی گئی اور پھر کھڑی ہوئی دیکھتی رہی یہاں تک کہ انور بنگلے کے پھاٹک سے باہر کی سڑک پر نکل کر اسکی نظروں سے غائب ہو گیا۔!!!

انور کے کمرے سے چلے جانے کے بعد کشور بے پروائی سے اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گئی ....
کچھ دیر تک وہ اپنی ناول کے ورق بے خیالی میں الٹتی رہی .... پھر دفعتاً کسی دیوانے
کی طرح وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں کھول کر روشنی میں دیکھنے لگی کہ ان میں کہیں
خون تو نہیں لگا ہے .... نہیں معلوم اسے کیوں خیال ہوا کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہے
جب اس نے دیکھا کہ اسکی ہتھیلیوں پر خون نہیں ہے تو وہ کسی قدر جھنجھلا کر اپنے
دل ہی دل میں کہنے لگی "کیا میں پاگل تو نہیں ہو گئی ہوں؟ .... مجھے یہ کیوں
خیال آیا کہ میرے ہاتھوں میں خون لگا ہے ......؟ واقعی .... میں بھی بڑی
وہمی ہوں .... پیچھے سے اس کے کانوں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے ....

"اور محسن کش بھی ....."

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا .... تو کوئی نہ تھا ....

ایک برف سی سرد جھرجھری مثل کسی برقی لہر کے اسکے جسم میں آ کر گذر گئی!

.... اس کا دل دھڑکنے لگا ....

اس کے چہرہ پر پسینہ آ گیا ......

اس نے گھبرا کر برقی گھنٹی کئی مرتبہ بجائی ....

زہرہ نے گھنٹی کی آواز سنی اور فوراً دوڑی ہوئی کشور کے کمرے میں گئی
دیکھا کہ کشور کے چہرہ پر زردی، آنکھوں میں خوف اور پیشانی پر پسینے کے
بڑے بڑے قطرے ہیں۔

زہرہ :- کیوں کیوں کشور کیسی ہو؟ تم اسقدر گھبرائی ہوئی کیوں معلوم ہوتی ہو
کشور :- (زہرہ کو دیکھ کر کسی قدر اطمینان ہے مگر ایسی آواز سے جس پر اسکو ابھی
پوری طور سے قابو نہ تھا) کچھ نہیں۔ میں بیٹھے بیٹھے دفعتاً ڈر گئی!! ۔

زہرہ :- کیسے ڈر گئیں؟ کیا ہوا؟ کیوں کر ہوا؟

کشور :- کچھ نہیں! سب میرا وہم تھا..... میں کمرے میں اکیلی تھی.... مگر مجھے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی اور جب میں نے مڑکر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔

زہرہ :- (ہنستے ہوئے) واہ واہ۔ واہ!! اسقدر تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہوکر ایسی باتیں!! تعجب ہے کہ اس قسم کے بے سر دپا توہمات سے تم کیسے متاثر ہو جاتی ہو؟؟۔

اس کے بعد زہرہ اِدھر اُدھر کی دلچسپ باتیں کرنے لگی.... کشور کا دل بہل گیا.... جب کشور تھوڑا بہت مسکرانے لگیں تو زہرہ نے کہا:۔

مبارک ہو۔ انور صاحب تو یہاں سے سیدھے چلے گئے.... جھگڑا پاک ہو گیا مگر خدا کرے اب وہ واپس نہ آئیں"

کشور :- نہیں وہ ایسے حیادار اور احمق نہیں ہیں کہ واپس نہ آئیں۔ وہ کھوٹے سکے کی طرح ضرور واپس آئیں گے آج نہ آئیں گے تو دو چار دن کے بعد آئیں گے! کسی نہ کسی بہانے سے مگر آئیں گے ضرور!!

زہرہ :- نہیں اب وہ غالباً نہیں آئیں گے۔ بے حیا تو ہیں وہ ضرور مگر اب ایسے بے حیا بھی نہیں ہیں۔

کشور مسکرانے کو تو مسکرائی مگر اسکے دل میں واقعی کوئی خوشی یا مسرت کی لہر نہیں پیدا ہوئی بلکہ کچھ عجیب طرح کا بوجھ سا اسکو اپنے دل پر محسوس ہوا۔

اگر وہ اپنے دل کی حالت کی زیادہ گہری جانچ کرتی تو اُسے معلوم ہوتا کہ اس خیال سے اب انور واپس نہ آئے گا۔ اسے خوشی سے زیادہ فکر تھی اور اطمینان سے زیادہ تشویش!!

....

اُنیتسواں باب

کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

شکستہ دل انور، تباہ حال انور وفادار انور ایک خاموش دیوانے کی شان سے کشور کے بنگلے سے نکلا! ....

یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

اس کے دماغ میں ایک چکر تھا۔ اس کے دل میں جذبات کی ایک سیاہ آندھی چل رہی تھی دنیا اسکی آنکھوں میں اندھیری ہو گئی تھی۔ وہ بغیر سوچے سمجھے چلا جا رہا تھا اسے کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا اور نہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے ..... اسکی رفتار کی تیزی اسکے خیالات اور جذبات کی تیزی کا ایک جزو تھی۔ کسی جگہ ٹھہر جانا اسکے لئے بالکل ناممکن ہو گیا تھا۔ صرف حرکت پیہم ہی میں اسکے متلاطم دل و دماغ کو کچھ برائے نام سکون محسوس ہوتا تھا...... وہ سوچتا رہا اور چلتا رہا اور چلتا رہا اور سوچتا رہا..... یہاں تک کہ وہ بمبئی کے باہر کئی میل نکل گیا.......
تعجب یہ تھا کہ کسی موٹر یا ٹریم کے نیچے دبا کیوں نہیں؟ چلتے چلتے وہ آخر کار بالکل تھک گیا۔ زیادہ چلنے کا وہ عادی بھی نہیں تھا.... تھک کر وہ سڑک کے ایک چھوٹے سے پل کی دیوار پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

قریب گیارہ بجے رات کا وقت تھا چودھویں رات کی چاندنی تھی....
آسمان بالکل صاف تھا بادل کا ایک ٹکڑا بھی کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ تارے بیشمار تعداد میں آسمان پر کھلے ہوئے تھے جیسے کسی نے کروڑوں ہیرے خوبصورتی سے ٹانک کر ایک ایک ...

سیاہ چینگیری میں ٹانک دینے ہوں ہوا بھی ٹھنڈی خوشگوار اور نشہ انگیز تھی :
بقول غالب :۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

مگر فطرت کی ساری دلفریبیاں انور کے لئے نہ تھیں اسوقت اسکے ستم رسیدہ غم زدہ دل میں انکا احساس بھی نہ تھا۔ انور کی دنیا میں دراصل چاند کا عجیب و غریب حُسن۔ چاندنی کی دلفریبی۔ تاروں بھرے آسمان کی خوبصورتی۔ فضا کی جاذبیت ہوا کی نشہ پروری۔ رنگا رنگ پھولوں کی خوشبو سب کشوری کی وجہ سے تھیں بلکہ حقیقتاً وہ سب کشوری کی دلفریبی کا عکس اور اسی کے حسن کا پرتو تھیں !! ..... چاند میں کشوری کا حُسن تھا۔ چاندنی میں اسی کی دلفریبی تھی۔ تاروں بھرے آسمان میں اس کی خوبصورتی تھی۔ فضا میں اسی کی جاذبیت تھی۔ ہوا میں اسی کا نشہ تھا پھولوں میں اسی کا رنگ اسی کی خوشبو تھی۔ ......

وہ انکی دنیا سے نکل گئی تو اس کے لئے چاند تاروں اور پھولوں کی ساری رعنائیاں جاتی رہیں۔ انکی خوبصورتی کسی نے دفعتاً سلب کر لی ..... ان سے وہ رنگینی وہ رعنائی وہ کشش وہ جاذبیت یک بیک کسی نے چھین لی !!

نمی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار گل از یار و یار از من

سچ ہے مکان کی رونق مکین ہی سے ہوتی ہے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کی دلچسپی اور دلاویزی محبوب ہی کی ذات سے ہوتی ہے ورنہ دنیا اور اسکی چیزوں میں بذات خود نہ کوئی دلچسپی ہے نہ دلاویزی !! ....

....

جسکی مہک تھی اگلے برس ان پھولوں میں باس نہیں ہے
بیلا پھر دیسا ہی پھولا اب کی وہ بو باس نہیں ہے

. . . .

اور گرد و پیش کی دلچسپیوں سے بے خبر تھکا ہوا خستہ اور مبہوت اسی پل کی دیوار پر پاؤں لٹکائے ہوے بیٹھا تھا اسکے دل میں اس قسم کے خیالات گذر رہے تھے۔

"یا اللہ کیا واقعی میں بے وفا ہوں! دغاباز ہوں! جھوٹا ہوں۔ کیا واقعی مجھ سے بُرا دنیا میں کوئی نہیں؟ یا دنیا میں انصاف ہی نہیں؟ جنس وفا کا کوئی خریدار ہی نہیں بچی۔ بے غرضی گہری بے زبان محبت کی کسی کو قدر ہی نہیں؟

آہ . . . . کشور . . . . تمہارا وجود میرے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے دنیا کے لئے آفتاب کا وجود! بغیر تمہارے میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ بغیر تمہارے حُسن کی روشنی کے میری دنیا بالکل اندھیری۔ میرا جینا قطعاً محال۔ میری زندگی ایک مستقل جانکنی ہوگی!؟ وہ یہ شعر پڑھتا تھا" وہ روتا تھا اور یہ شعر پڑھتا تھا۔

آغاز محبت میں جینے ہی کے لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے

آہ۔ میرا حال تو یہ ہے لیکن تم؟ تمکو نہ میری قدر ہے نہ میری پرواہ نہ میری محبت نہ میری ضرورت۔ بلکہ حقیقتاً تم کو مجھ سے بیحد اور بے حساب نفرت ہے!! تمہاری نظروں میں مجھ سے زیادہ جھوٹا۔ کمینہ۔ بیوفا۔ دغاباز۔ خود غرض مطلب آشنا دنیا کے پردے میں کوئی نہیں . . . . تم نے تو جی بھر کے میری توہین اور تذلیل کر کے مجھ کو شیطان مجسم ابلیس کامل بنا کر اپنے گھر سے نکال دیا . . . . تاکہ میرے ناپاک وجود سے صرف تمہارا گھر ہی نہیں بلکہ تمہاری زندگی بھی ہمیشہ کے لئے پاک ہو جائے۔ بیشک

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

افسوس..... کشور! تم نے میرے دل کی سچی پرستش میری قربانیوں میری جانفروشیوں کا کچھ بھی پاس نہ کیا مطلق قدر نہ کی!! ....

اک جفا تیری کہ کچھ بھی نہیں تو سب کچھ ہے
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

میں خوب جانتا ہوں کہ یہ سب کس ذات شریف کی کارفرمائی ہے۔

قتلم از عشوہ نمائیست کہ من می دانم
سر ایں فتنہ ز جائیست کہ من می دانم

یہ ڈاکٹر شیرازی ایسے شیطان فریب عیار کی خفیہ سازش ہے!! مجھے اسی خوبصورت زہریلے سانپ نے ڈسا ہے.... جب میں کشور کی تنہائی کی شکایت رفع کرنے کی نیت سے لیڈی کمپنین کی تجویز کر رہا تھا تو مجھے کیا خبر تھی کہ میں اپنے ہی حق میں کانٹے بو رہا تھا۔ اپنی ہی بیخ کنی کر رہا تھا۔ اپنی ہی زندگی کی تخریب و تباہی کا سامان کر رہا تھا.... زہرہ آستین کا سانپ نکلی.... مجھے اس پر کس قدر بھروسہ کیسا کچھ اعتبار تھا؟ غالباً جس وقت وہ مجھ پر اپنا حسین ترین تبسم صرف کر رہی تھی وہ ساتھ ہی میری زندگی پر بجلی گرا کر اسے خاک سیاہ کرنے کا بھی انتظام کر رہی تھی!! زہرہ جمال نے کشور کے خوب کان بھرے اور ڈاکٹر شیرازی نے آ کر اسکے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔ کس قدر جلد اس پر اپنا نقش جما لیا۔ کیسا آخر اس نے کشور پر دیکھتے ہی دیکھتے تسلط کر لیا۔ کیسی آسانی سے کشور کے دل کو اس نے چھین لیا اسکی مرضی کو اپنے تابع کر لیا.... کشور پہلے ہی دن سے اسی کے دماغ سے سوچنے لگی اسی کے دل سے سمجھنے لگی.... کیا ایک انسان کا دوسرے انسان پر قبضہ اور اس قسم کا تسلط ہو سکتا ہے۔

جمیلہ کہتی تھی کہ ڈاکٹر شیرازی کا مقابلہ بہت مشکل ہوگا لیکن مجھے تو مشکل ہی

نہیں بلکہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے...... اس کے پاس ایک تو حسن بے کمال ہے
اس پر دنیا بھر کی مکاریاں۔ چالاکیاں۔ منتر اور فریب ہیں...... اور مجھ بدنصیب
کے پاس کیا ہے۔ صرف ایک سچا اور وفادار دل...... اور بس!! بلاشبہ مقابلہ سخت ہے
اور بہت سخت ہے!! سچ کا جھوٹ سے، ایمان کا کفر سے مقابلہ ہے لیکن اگر اس
دنیا میں خدا کا وجود ہے اور اگر خدا عادل اور منصف بھی ہے تو مجھے ہراساں ہونا
چاہئے مجھے ہمت نہ ہارنا چاہئے۔ مجھے سپر نہ ڈال دینا چاہئے!!...... انشاءاللہ میرا
سچا اور باوفا دل ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوگا!! مجھ کو اسی اُمید۔ اسی اعتقاد
اسی ایمان پر قائم رہنا چاہئے!!...... لیکن اب میں کروں تو کیا کروں؟ کشور نے
مجھے اتنی بڑی قسم دیدی ہے کہ اس کے گھر جانے کا تو سوال ہی نہیں رہتا۔ اور میں
بمبئی میں بھی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ مجھے کشور کی زندگی کو اپنے وجود سے پاک کر دینا چاہئے
بمبئی میں رہ کر یہ ہو نہیں سکتا!!! اور اس سے بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ میری غیرت اور میری
خودداری اسکو ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ جہاں سے میں اس ذلت اور خواری سے
نکالا گیا ہوں وہاں میں پھر دوڑا ہوا جاؤں..................

یہ اور بات ہے کہ میں پیاری کشور کی محبت کو اپنے دل سے نہ مٹا سکوں مگر میں
کشور کی زندگی سے ضرور اپنے آپکو مٹا سکتا ہوں اور مٹا دوں گا........ میں
رفتہ رفتہ اپنے دل کو سمجھا لوں گا کہ بمبئی کی زندگی ایک نہایت پیارا اور لفریب رنگین
خواب تھی جس سے مجھے کشور نے میرے دل میں خنجر بھونک کر جگا دیا۔ لیکن کشور کو
اس شیطان اور اسکی بہن کے ساتھ اکیلا چھوڑ دینا بھی تو خطرناک ہے۔ ڈاکٹر شیرازی تھا
کشور سے ابھی شادی تو کر سکتا نہیں کیونکہ اسکی کنجی میرے پاس ہے!.... مگر ہاں
یہ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ میری عدم موجودگی میں کشور کے جائداد کے انتظام میں وہ
ضرور دخیل ہو جائیگا اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی وہ ضرور کریگا!!۔

رہا کشور کی زندگی کا خطرہ تو وہ ابھی زیادہ نہیں ہے کیونکہ جبتک ڈاکٹر شیرازی کشور سے شادی نہ کرلیگا اس وقت تک کشور کو زہر دینے یا اسکی جان لینے سے اسکا کوئی مالی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم مجھے در پردہ کشور کی ذات اور جائداد کی نگہبانی کرنا چاہیئے کیونکہ علاوہ میری محبت کے مطالبات کے جبتک میں اس کا ولی ہوں میرا اخلاقی اور قانونی فرض بھی یہی ہے!! ..... کیسے میں اس اہم فرض کو چھپ کر پس پردہ انجام دونگا بہت مشکل سوال ہے!۔ اور گو از کم اس وقت میرا دماغ اس کے حل کرنے کے قابل نہیں ہے .... مگر انشاء اللہ میں اس کو حل کر کے چھوڑونگا۔

. . . .

اس وقت ایک گزرتے ہوئے موٹر نے انور کو اس کے خیالات کے خواب سے جگا دیا۔ اس کو اب عالم تصور سے عالم مادی کی طرف لوٹنا پڑا۔

چاند اس وقت قریب قریب وسط آسمان میں تھا اس سے قیاس کیا جا سکتا تھا کہ ۱۲ یا ایک کا وقت ہوگا..... انور کے دل میں بھی یہی خیال پیدا ہوا .... وہ سوچنے لگا کہ آج وہ اپنی رات کہاں بسر کرے۔ اس کا خیال آتے ہی اس کو وہ بات یاد آگئی جب اس نے کشور کو پہلے پہل دیکھا تھا۔ اس رات میں بھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے!! مگر اس رات اور اس رات میں کتنا فرق تھا.... وہ محبت کی ابتدا ریہ انتہا وہ آغاز یہ انجام تھا

انور:۔ (آہ بھر کر دل میں) اب یہاں سے چلنا چاہیئے .... مگر میرے تو پیر شل ہو گئے ہیں۔ میں اب زیادہ چل بھی تو نہیں سکتا......"

بمشکل تمام انور قریب دو میل اور چلا۔

دو میل چلکر وہ پھر ٹھہر گیا اور سوچنے لگا کہ اب کہاں تک چلے سامنے ایک خوبصورت عالیشان عمارت دکھائی دی وہ اسکی طرف بڑھا۔ اسکا لوہے کا پھاٹک

اندر سے بند تھا۔ لیکن پھاٹک کے دونوں کھمبوں کے سامنے سنگ مرمر کے "چھوٹے
چھوٹے چبوترے تھے! انور چبوترے پر بیٹھ گیا اسکے ہونٹ خشک اسکی زبان میں
پیاس کی شدت سے کانٹے پڑ گئے تھے۔ اسکی آنکھیں جل رہی تھیں تھک کر وہ بالکل چور ہو گیا
تھا اور چونکہ اس نے کھانا بھی کھایا نہ تھا اور چائے کی صرف آدھی پیالی پی تھی اسے بھوک
کی بھی تکلیف دیر سے محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ مگر آدھی رات کو ایک سنسان سڑک پر وہ
کس سے کھانا یا پانی مانگتا؟۔۔۔ ہر ایک تکلیف سے بڑھ کر تو اس کو روحانی اور
دماغی تکلیف تھی۔۔۔ اس وقت کوئی دیکھتا تو سمجھتا کہ عرصہ کا مریض ہے!!

ٹھنڈے ٹھنڈے سنگ مرمر کے چبوترے پر بیٹھنے سے اسے ذرا کچھ تسکین
ہوئی ادھر ادھر اس نے دیکھا مگر کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا

انور نے دل میں "اف بڑی پیاس لگی ہے!!۔۔۔ کہیں دو گھونٹ پانی ہی
مل جاتا۔۔۔ مگر یہاں تو کوئی دو گھونٹ پانی دینے والا بھی نہیں۔۔۔" دیر تک
دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے زانو پر کہنیاں ٹیکے۔ گردن جھکائے وہ بیٹھا رہا۔
پھر ایک لمبی سی ٹوٹی ہوئی ٹھنڈی سانس لے کر اس نے سر اٹھا لیا۔۔۔
"کوٹ اور ویسٹ کوٹ اتار کر اسی کا تکیہ بنانا چاہیئے۔ اور یہیں لیٹنا چاہیئے!
آج کی رات تو کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتی۔۔۔ معلوم نہیں صبح کب ہوگی اور کیسے ہوگی؟"
کوٹ اور ویسٹ کوٹ تہ کر کے اور ہاتھ پر سر رکھ کر وہ لیٹ گیا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پتھر
اسکے گرم گرم جسم کو بڑا اچھا معلوم ہوا۔۔۔ مگر نیند کسے آتی؟ ہر لمحہ پریشان خیالات
کی یورش تھی۔ طرفہ حالیست کہ عاشق شب ہجراں دارد

خواب ناکردن و صد خواب پریشاں دیدن

۔۔۔ نہ اس کے دل کو چین تھا نہ دماغ کو سکون تھا۔ تھکن کی خستگی اور بھوک
پیاس کی تکلیف بھی عجیب تکلیف تھی آجتک اسکو کبھی اس کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔۔۔

دیر تک وہ مضطربانہ انداز سے کروٹیں بدلتا رہا... مگر نیند کم بخت سولی پر بھی آجاتی ہے... معلوم نہیں کب اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا.....

. . . .

. . . .

. . . .

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

صبح ہونے لگی..... وہ ہلکی ہلکی مدھم مدھم ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی جو چاندنی سے بھی زیادہ بھلی، روح افزا اور نشاط آفریں معلوم ہوتی ہے ہر طرف آہستہ آہستہ پھیلنے لگی... چھوٹی چھوٹی معصوم چڑیاں درختوں پر ایک دوسرے سے خوش الحانی میں مقابلہ کرنے لگیں... ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے خواب آور جھونکے سونے والوں سے اٹھکیلیاں اور رازفروشیاں کرنے لگے..... انور سنگ مرمر کے چبوترے پر اپنے بازو پر سر رکھے کروٹ لئے بے خبر سو رہا تھا.... اسکی بڑی بڑی آنکھوں کی لمبی لمبی نوکدار پلکیں اسکے عارض رنگین پر ہلکا سا سایہ ڈال رہی تھیں۔ اسکے گھنے گھنے کالے کالے ریشم جیسے بال جن میں قدرتی لہریں پڑی ہوئی تھیں۔ نسیم سحری کی چھیڑ چھاڑ سے کبھی بن بن کر بگڑتے تھے کبھی بگڑ بگڑ کر بنتے تھے۔

دفعتاً زنجیر کھڑکی، پھاٹک کے کھلنے کی آواز آئی... اور عذرا باہر نکلی.... کسقدر دبلی ہوگئی تھی۔ شام کو اکثر اسے حرارت ہو جاتی تھی ڈاکٹروں نے اسے تبدیل آب و ہوا کی رائے دی تھی اور وہ حفظان صحت کے لئے روز علی الصباح سیر کرنے نکل جاتی تھی اور آفتاب نکلنے کے پہلے واپس آجاتی تھی آج بھی وہ حسب معمول سیر کی غرض سے نکلی تھی۔

پھاٹک کے باہر نکلتے ہی اس کی نظر سوتے ہوئے انور پر پڑی!!....
پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ انور ہے!! کہاں انور اور کہاں یہ شخص جو ایک معمولی راہگیر یا بھٹکے ہوئے غریب مسافر کی طرح چبوترے پر پڑا ہوا سو رہا تھا

مگر دوسری ہی نظر میں اس کو یقین کامل ہو گیا کہ سونے والا انور ہی ہے!! انور کو پہچاننے کے بعد عذرا عذرا نہ رہی حیرت اور استعجاب کی ایک زندہ تصویر بن گئی! اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور سوچنے لگی!! یا اللہ کیا ماجرا ہے؟ انور اور اس حالت میں!!

وہ آگے بڑھی اور اس نے آہستہ سے انور کا شانہ ہلایا۔ مگر انور بے خبر سوتا رہا پھر اس نے دوبارہ شانہ ہلایا اور پکارا "انور! انور!" انور نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

عذرا نے پھر کہا "انور"

انور نے تعجب سے سر اٹھا کر لیٹے لیٹے عذرا کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا "عذرا.... تم کہاں؟" اور یہ کہہ کر فوراً اٹھ بیٹھا۔

عذرا:۔ اور۔ انور۔ تم یہاں کہاں؟

انور:۔ (ادھر ادھر وحشت بھری آنکھوں سے دیکھ کر).... آہ....
پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک ہاتھ سے اپنا سر پکڑ کر اپنی گردن جھکا لی اور خاموش ہو گیا......

عذرا کا دل انور کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا! وہ فوراً آگے بڑھ گئی اور انور ہی کے قریب چبوترے پر بیٹھ کر اس نے اس کا ایک ہاتھ ہمدردانہ انداز سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں اور رکی ہوئی آواز سے اس نے کہا "انور! یہ میں تمہیں آج کس حالت میں دیکھ رہی ہوں؟"

انور:۔ (عذرا کی طرف اک نگاہ ہزار داستاں سے دیکھ کر) بہت اچھی حالت میں خدا آدمی کو جس حالت میں رکھے وہی حالت اچھی ہے!!

عذرا:۔ للہ انور! تم یہاں نہ بیٹھو! تم کو اس طرح یہاں بیٹھے ہوئے مجھ سے دیکھا نہیں جاتا،... (خود اٹھ کر اور انور کا ہاتھ پکڑ کر) اٹھو! اٹھو! چلو! بنگلے میں چلو!

انور:۔ میں کسی بنگلے میں جانے کے قابل نہیں ہوں!... (بھرائی ہوئی آواز میں) میں ایک نہایت جھوٹا۔ دغاباز۔ خود غرض۔ عیار شخص ہوں۔ میں ایک شیطان مجسم ایک ابلیس کامل ہوں۔ عذرا! مجھ سے پرہیز کرو مجھ سے دور بھاگو..... نہیں تو میں تم کو بھی اپنے دام فریب میں گرفتار کروں گا۔

عذرا:۔ (پریشان ہو کر) انور! انور! یہ تم کیا بک رہے ہو! ذرا ہوش میں آؤ! ہوش کی باتیں کرو!

انور:۔ (دفعتاً) عذرا مجھے پانی پلا دو! میں بہت پیاسا ہوں!!!

عذرا:۔ تم نے کب سے پانی نہیں پیا۔؟

انور:۔ میں بمبئی سے یہاں تک پیدل چلکر آیا ہوں۔ میں رات بھر کا پیاسا ہوں۔ مجھے جلدی سے پانی پلا دو!

عذرا:۔ (بیحد تکلیف کے لہجے میں) اچھا اٹھو۔ اٹھو۔ میرے ساتھ چلو۔ چلو چلکر بنگلے میں آرام سے بیٹھو! میں تمہارے لئے ابھی پانی لاتی ہوں۔

انور اٹھا اور کراہتا عذرا کے ساتھ بنگلے میں گیا اور جا کر برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

عذرا دوڑی گئی اور فوراً ایک گلاس میں پانی لے آئی۔

انور نے عذرا سے پانی کا گلاس بے صبری سے چھین لیا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گیا اور پھر گلاس عذرا کو دیکر کہنے لگا:۔ اور

عذرا پھر دوڑی گئی اور پانی لائی۔ انور نے پھر پورا گلاس اسی طرح ختم کر دیا اس کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی اور کہا او ہو! پیاس بھی کیسی بری چیز ہوتی ہے۔ .... (کچھ دیر کے بعد) مجھے پانی نہ ملنے کی بات کو کیسی تکلیف تھی!! معاذ اللہ۔

عذرا:۔ یہ کیسا عجیب اور افسوسناک اتفاق ہے کہ تم میرے ہی گھر پر پھاٹک کے باہر کس تکلیف میں رات بھر پیاسے پڑے رہے، اور میں اپنے پلنگ پر پڑے آرام سے سوتی رہی... خدا کے لئے انور بتاؤ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ مجھ سے اب صبر نہیں ہوتا

انور:۔ کیا بتاؤں؟ مختصر یہ ہے کہ میں کشور کا کشتہ، کشور کا مقتول ہوں! کشور نے کل رات کو دس بجے مجھے۔ جھوٹا۔ عیار۔ دغاباز۔ خودغرض شیطان مجسم اور ابلیس کا ل بنا کر اپنے مکان سے نکال دیا اور حکم دیدیا کہ ہمیشہ کیلئے ان کے گھر اور انکی زندگی کو اپنے ناپاک وجود سے پاک کر دوں۔ میں وہاں سے فوراً چلدیا مجھے ہوش نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں جب مجھے ذرا ہوش آیا تو بمبئی سے بہت دور نکل آیا تھا کچھ دور چلنے کے بعد راستہ میں نے ذرا دم لیا اور دم لیکر پھر چلدیا اور چلتا چلتا یہاں پہنچا۔ یہاں آکر میں اس قابل نہیں رہا کہ آگے جا سکوں۔

عذرا:۔ تو پھر تم صرف پیاسے ہی نہیں بلکہ رات بھر کے بھوکے بھی ہو گے؟

انور:۔ پانی تک تو مجھے ملا نہیں۔ کھانے کو کون کہے۔!!

عذرا:۔ تم نے بھی غضب کیا! اگر میں تم سے نہ پوچھتی تو تم کہتے بھی نہیں۔ مجھ سے اور اتنا تکلف؟ اچھا خیر جاؤ! جا کر ٹھنڈے پانی سے خوب نہالو۔ رات کی تکان دور ہو جائے گی!! میں جب تک تمہارے لئے کھانا تیار کراتی ہوں

چنانچہ انور نے غسل کر کے کھانا خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر عذرا نے کہا تم جاؤ۔ جا کر سو رہو! پھر جب تم اٹھو گے تو میں پوری تفصیل کیساتھ تمہاری سرگذشت سنونگی اسوقت میں تم کو تکلیف دینا نہیں چاہتی انور قریب دو ڈھائی بجے تک بےخبر سوتا رہا پھر اٹھکر وضو

منہ ہاتھ دھو کر وہ عذرا کے پاس بیٹھا اور اس نے شروع سے آخر تک تمام واقعات بالتشریح عذرا سے بیان کر ڈالے کوئی بات نہیں چھپائی اور چھپانے کی بات ہی کونسی تھی؛ اس طرح عذرا کو ممتاز۔ مہ جبین۔ جمیلہ۔ ڈاکٹر شیرازی۔ زہرہ جمال۔ رحیم بھائی کنور کے تمام واقعات معلوم ہو گئے اور کچھ اسکو پہلے سے بھی ممتاز کے زبانی معلوم ہو چکے تھے

عذرا:۔ انور میری رائے ہے کہ تم میرے ساتھ ہی اسی بنگلے میں رہو!

انور:۔ میں تمہارے ساتھ اس بنگلے میں ہوں ؟ تم نے بھی کمال کیا۔ عذرا وہ دن گئے جب میں تمہارے ساتھ مثل تمہارے حقیقی بھائی کے رہا کرتا تھا۔ اسوقت ممتاز دنیا میں میرا سب سے بڑا دوست اور محسن تھا اب وہ میرے خون کا پیاسا ہے!

عذرا:۔ مگر یہ بنگلہ تو میرا ہے۔ ممتاز کا تھوڑا ہی ہے؟ اور نہ ممتاز یہاں کبھی آتے ہیں۔ پھر تم اگر یہاں رہو تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟

انور:۔ ہرج یہ ہے کہ میرے خون کا تو پیاسا ممتاز ہے ہی تمہارے خون کا بھی پیاسا ہو جائیگا۔ اسکی دماغی حالت آج کل اچھی نہیں ہے۔ نہ معلوم وہ کیا سمجھے اور کیا کر بیٹھے!! عذرا میں دیدہ و دانستہ تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔

عذرا:۔ مگر کیا تم میرے ساتھ ایک ہی مکان میں پورے پانچ برس نہیں رہے؟

انور:۔ ہاں بیشک رہا ہوں۔ مگر (آہ سرد بھر کر) وہ دن اور تھے!! عذرا تو وہی ہے اور خدا گواہ ہے کہ انور بھی۔ . . . . مگر ممتاز وہ نہیں رہا . . .

عذرا! میری کوئی سگی بہن نہیں تھی مگر تم نے مجھ سے سگی بہن سے بھی زیادہ مہربانی اور محبت کا برتاؤ کیا۔ خدا تم کو اس کا اجر دے۔ . . تم نے اور ممتاز نے مجھے اس وقت پالا اور میری اس وقت پرورش کی جب دنیا میں میرا کوئی نہ تھا! اور اب بھی تم ہی میری ہمدرد۔ غمخوار اور غمگسار ہو!! . . . . مگر خدا کے لئے مجھ سے اس پر اصرار نہ کرو کہ میں اس بنگلے میں تمہارے ساتھ رہوں۔

عذرا:۔ تو انور! تم اگر یہاں نہ ٹھہروگے تو پھر کہاں ٹھہروگے؟ کہاں
جاؤگے آخر تمہارا کیا ارادہ ہے؟

انور:۔ میں تم سے کہہ ہی چکا ہوں کہ کشور کا برتاؤ خواہ کچھ بھی ہو وہ مجھے
کچھ بھی سمجھے مگر میرے دل سے اس کی محبت نہیں جا سکتی۔ وہ مجھے چھوڑ دے۔ مگر میں اسے نہیں
چھوڑ سکتا!!... میں پردہ اس کی نگہبانی کرونگا۔ یہی وجہ ہے کہ گو میں بمبئی میں نہیں رہ سکتا
مگر بمبئی سے دور بھی نہیں رہ سکتا!! میرا ارادہ ہے کہ میں باندرے میں کوئی مکان
لے لوں اور وہیں ایک پوشیدہ غیر معروف زندگی بسر کروں... رہا میری گذر بسر کا
طریقہ تو میرا خیال ہے کہ میں فی الحال کام چلانے کیلئے دو ایک پرائیوٹ ٹیوشن کر لوں!

عذرا:۔ (تعجب سے) پرائیوٹ ٹیوشن؟ کسی تجارتی حلقے میں کیوں ملازمت
نہیں کر لیتے؟ ایسی ملازمت زیادہ مفید ہوگی۔

انور:۔ ہاں اس میں کلام نہیں۔ مگر چونکہ میں پوشیدہ اور غیر معروف زندگی
بسر کرنا چاہتا ہوں میرے لئے تجارتی ملازمت کسی طرح موزوں نہ ہوگی۔

عذرا:۔ اس لئے کہ تجارتی حلقوں میں لوگ تم سے اچھی طرح واقف ہوگئے ہیں؟

انور:۔ ہاں اور علاوہ اس کے اگر ڈاکٹر شیرازی اور رحیم بھائی وغیرہ کو معلوم
ہوگیا کہ میں یہاں ہوں تو میری اسکیم بگڑ جائے گی۔!!!

عذرا:۔ تو پھر تم پرائیوٹ ٹیوشن کروگے؟

انور:۔ سوائے اس کے میں اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔؟

عذرا:۔ میں بتاؤں۔ تم مجھ سے کچھ روپیہ لے لو۔ میرے پاس روپیہ ہے!!۔

انور:۔ نہیں عذرا نہیں۔ مجھ پر تمہارے احسان یوں ہی کیا کم ہیں۔

عذرا:۔ اچھا تو تم بطور قرض کے لے لو۔ پھر مجھے ادا کر دینا اس میں کیا حرج ہے؟

انور:۔ کچھ نہیں اور بہت کچھ! مجھکو تو ابھی عرصہ تک یوں ہی زندگی بسر کرنا ہے۔

آخر میں کب تک قرض پر کام چلاؤں گا؟... نہیں عذرا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا۔

عذرا:- اچھا تمہارا یہی ارادہ ہے تو مجھے ایک جگہ معلوم ہے جہاں تمہیں ملازمت مل سکتی ہے۔ ایک صاحب خان بہادر فخرالدین ہیں سنیا گروز میں رہتے ہیں وہ بہت متمول ٹھیکہ دار ہیں۔ انکو اپنی چھوٹی لڑکیوں کے لئے ایک پرائیویٹ ٹیوٹر کی ضرورت تھی... میں ایک تعارفی خط انہیں لکھ دونگی۔ تم وہ خط لیکر ان سے جا کر مل لینا۔

انور:- اچھا... تو تم ایک خط لکھ دو... میں ابھی ان کے پاس جاتا ہوں۔

عذرا:- (تعجب سے) ابھی؟... ابھی ایسی کیا جلدی ہے؟

انور:- نہیں میں ابھی جاؤں گا۔

عذرا نے ایک تعارفی خط لکھ دیا۔ انور عذرا کا شکریہ ادا کر کے خط لیکر جانے لگا

عذرا:- تو انور میں تمہارا رات کو کھانے پر انتظار کرونگی!! تم رات کو یہیں رہنا۔

انور:- نہیں تم میرا انتظار نہ کرنا۔ میرا کوئی ٹھیک نہیں ہے میں اب ایک دوسری زندگی میں قدم رکھ رہا ہوں.... عذرا معلوم نہیں اب تم سے ملاقات بھی ہو یا نہ ہو!!... تمہاری عنایتوں کا شکریہ...... خدا حافظ...."

یہ کہکر قبل اس کے کہ عذرا کچھ کہہ سکے انور چلا گیا... عذرا ایک غم آلود سکوت سے دیر تک اس کھلے ہوئے دروازے کو دیکھتی رہی جس سے انور باہر گیا تھا۔

وہ دل میں سوچ رہی تھی۔ کیسا سچا غیور، خوددار شخص ہے!! مگر افسوس مستانہ اور کشور نے اس کی ذرا قدر نہ کی!.... واقعی وہ سچ کہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ اکیلا اس بنگلے میں کیسے رہ سکتا ہے.... انور..... خدا تمہاری مدد کرے۔

تیسواں باب

کیا سُناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پر مرنے سے تو آساں ہوگا

سنیتا کروز، باندرہ سے قریب ۴ میل پہ خان بہادر فخرالدین ایک خوبصورت بنگلے میں رہتے تھے ... بڑے اعلیٰ خاندان کے امیر، تعلیم یافتہ آدمی تھے مگر مغربی تعلیم و تہذیب کا ان پر اور ان کے گھرانے پر بہت گہرا اثر تھا۔

انور ان کے بنگلے تک راستہ پوچھتا ہوا پہنچا۔ احاطے کے اندر داخل ہوا مگر کسی قدر جھجکتا ہوا۔ وہ شخص جو لاکھوں کی جائداد کا منتظم رہ چکا تھا اور جسکے تحت سینکڑوں آدمی کام کرتے تھے اب ایک معمولی ملازمت کی تلاش میں جا رہا تھا۔

کشادہ برآمدے میں قسم قسم کے چھوٹے اور بڑے گملے رکھے ہوئے تھے ایک کونے میں چند نوجوان لڑکیاں آرام کرسیوں پر بیٹھی ہوئی قہقہوں پر قہقہے لگا رہی تھیں ان میں سے دو تقریباً اٹھارہ برس کی تھیں اور تین پندرہ سولہ برس کی تھیں۔ مگر غالباً ایک ہی اسکول میں سب پڑھتی تھیں اور آپس میں بہت بےتکلف تھیں۔ جب انور برآمدے کے قریب پہنچ گیا تو اسکو دیکھ کر سب لڑکیاں یکبارگی خاموش ہو گئیں اور ان میں وایک نے جو انور کے بالکل سامنے بیٹھی تھی ساڑی کا آنچل ذرا چہرے پر کھینچکر اسکی طرف برائے نام پیٹھ پھیر کر اپنی کرسی تھوڑی سی پھیر لی۔ بقیہ لڑکیوں میں سے کسی نے اپنے بال ہاتھ سے ذرا درست کر لئے کسی نے کنکھیوں سے انور کی طرف دیکھکر منہ اس انداز سے بنایا جیسے ان کو اس قسم کے دوپایوں کی نہ کبھی پروا تھی اور نہ زندگی میں کبھی پروا ہو سکتی ہے!!

انور ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اور سوچنے لگا کہ کس کے ذریعہ سے خان بہادر صاحب کو اپنے آنے کی اطلاع کرے۔۔۔۔ اس وقت اتفاقاً ایک نوجوان طرحدار خادمہ بیچ کے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی۔۔۔۔۔۔

انور:۔ (ذرا ہمت کرکے) ذرا سنیئے گا۔ ایک بات سن لیجیئے!!

خادمہ کو اس تعظیم سے مخاطب کرنے پر لڑکیوں کے مجمع کی طرف سے دبی ہوئی ہنسی کا خفیف سا شبہ ہوا۔

خادمہ:۔ (قریب آکر اور شوخی سے انور کو دیکھکر) فرمائیے کیا ارشاد ہے!!

انور:۔ (ذرا شرما کر اور نگاہیں نیچی کرکے کیونکہ وہ ایک غیر شعوری طریقے سے محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حلیہ کا فرقۂ اناث میں بہت بڑھی ہوئی دلچسپی سے جائزہ لیا جا رہا ہے)۔۔۔ خان بہادر فخر الدین صاحب کا بنگلہ یہی ہے؟

خادمہ:۔ جی ہاں یہی بنگلہ ہے۔۔۔۔ مگر آپ اس قدر شرمائے کیوں جاتے ہیں؟

اس فقرے پر تو لڑکیوں کے مجمع سے نہ رہا گیا۔ کوشش تو انھوں نے بہت کی کہ انکی "کھی! کھی! کھی!" کی آواز زیادہ بلند نہ ہونے پائے مگر اس میں انہیں بہت کامیابی نہیں ہوئی۔ انور نے صاف اپنے کانوں سے ایک لڑکی کو آہستہ سے کہتے ہوئے سنا "حرام زادی کہیں کی۔ بڑی چنچلی طبیعت دار بنی ہے۔ صاحبزادے کو حسین پاکر خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی کر رہی ہے!!"۔۔۔ انور کا یہ پہلا سابقہ تھا۔ شرم سے عرق عرق ہو گیا۔ بہت دیر تک سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑا رہا۔ آخر کار اسی خادمہ نے اسے جگایا۔

خادمہ:۔ ارے صاحب کچھ تو فرمائیے! آپ نے تو معلوم ہوتا ہے ہنسنے کی قسم کھا لی ہے۔ ذرا سا مسکرا ہی دیجئیے گا تو کیا آپ کا چالان ہو جائے گا۔

اس پر پھر لڑکیوں کے گروہ سے دبی ہوئی ہنسی کی سرجھیں اٹھیں اور بیچارہ انور پھر عرق شرم میں ڈوب گیا۔ آجتک اسکو کبھی اسکی نوبت نہیں آئی تھی کہ وہ نوکری کرنے

کے لئے کسی کے گھر پر جاتا۔ شروع ہی سے ممتاز نے اس کیلئے سب کچھ کیا۔ اسکی سرپرستی بھی کی۔ اسے تعلیم بھی دی! اس کیلئے ملازمت بھی تلاش کردی۔ ابتک اسکو زندگی کے نرم اور چکنے پہلو ہی کا تجربہ تھا۔.. اسے زندگی کے نشیب و فراز کا تجربہ نہ تھا۔ اس نے ابھی تک نہ جھٹکے اور ٹھوکریں نہیں کھائی تھیں... اور واقعی وہ ابھی بالکل کمسن اور ناتجربہ کار تھا... اسکی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی... قاسم بھائی کریم بھائی اور کشور کے یہاں کا کام وہ صرف اپنی غیر معمولی ذہانت و اصول تجارت سے پوری واقفیت کی وجہ سے نہایت خوش اسلوبی سے کرلیتا تھا۔ ورنہ علاوہ تجارت کے وہ دنیا کے اور کاموں اور شعبوں سے قطعی نابلد اور بے بہرہ تھا... قبل کشور اور مہ جبین کے وہ عورتوں کی دنیا میں صرف غدار کو جانتا تھا اور غدار کو بھی محض بطور اپنی سگی بہن کے کم از کم ایسی چنچل خادمہ اور بننے والی لڑکیوں کا ابھی تک تجربہ نہیں تھا

یہ رعب حسن کا منشا رہے آنکھ اُدھر نہ اُٹھے
یہ شوخیوں کا تقاضا ہے۔ دیکھنا ہو گا!!

خادمہ:۔ ارے صاحب۔ آپ تو نہ ہنستے ہیں نہ بولتے ہیں نہ مسکراتے ہیں بس بت بنے کھڑے ہیں.... آخر کچھ فرمایئے تو سہی۔ آپ یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟....

انور:۔ (کچھ جرات کرکے) کیا خان بہادر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔

خادمہ:۔ سرکار تو کہیں باہر گئے ہیں... آپ کو ان سے کیا کام ہے؟

انور:۔ کچھ آپ کو معلوم ہے کہ وہ کب تک آئیں گے۔؟

خادمہ:۔ (مسکراکر)... میں کوئی پنڈت یا جوتشی تو ہوں نہیں کہ ساعت گھڑی ٹھیک بتادوں۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ آٹھ بجے تک وہ

آجائیں گے۔

انور:۔ اچھا تو میں جاتا ہوں ..... پھر آؤں گا۔

انور واپس جانے لگا.......

ایک لڑکی:۔ (جب انور دور نکل گیا).... او کمبخت مُردار تیرے منہ سے یہ بھی نہ ہوا کہ بیٹھئے ابھی جائیے نہیں۔ اب آتے ہی ہونگے .... شوقین بہت ہے بات کرنے کا ڈھنگ نہیں۔

دوسری لڑکی:۔ (خادمہ سے).... ارے او گدھی۔ بلالے .... اب بھی بلالے!!

تیسری لڑکی:۔ (دانت پیس کر) نہ معلوم اس بیہودہ کو آج کیا ہوگیا ہے کہ اسکی آواز ہی نہیں نکلتی۔ بلالے۔ بلالے۔ ابھی وہ پھاٹک ہی پر ہے۔ بلالے۔ بلالے او کتیا بلا نہیں لیتی!!

خادمہ:۔ (آگے بڑھ کر) اے صاحب اے صاحب۔ ذرا سنئے سنئے۔ ایک بات سُن لیجئے۔ انور نے مڑ کر دیکھا تو خادمہ اسے اشارے سے بلا رہی تھی اور خود بھی اس کی طرف بڑھی آرہی تھی.... انور لوٹ کر بنگلے کی طرف پھر چلا۔

خادمہ:۔ اے صاحب آپ کہاں چلے جاتے ہیں؟ سرکار سے ملاقات نہ کیجیئے گا۔

انور:۔ مگر وہ تو ابھی بہت دیر میں آئیں گے!!

خادمہ:۔ جی نہیں اب آتے ہی ہونگے۔ کبھی وہ پہلے بھی تو آجاتے ہیں۔ کچھ آٹھ نو بجے کی انھوں نے قسم کھائی ہے نہیں..... آئیے تشریف رکھیے۔ ان سے ملاقات کرکے جائیے گا۔

انور بیچارہ غرضمند تو تھا ہی۔ لوٹ آیا خادمہ نے برآمدے میں کرسی ڈالدی انور اسپر بیٹھ گیا! انور اور پریوں کے غول میں صرف چار پانچ گز کا فاصلہ تھا گو بیچ میں کروٹن اور کھجور کے گملوں کی ذرا آڑ تھی!... انور سیدھے سادے مسلمان پہلے تو کچھ دیر تک سر

جھکائے ہوئے بیٹھے رہے۔ پھر جب گردن جھکے جھکے دکھ گئی تو جیسے کوئی تصویر کھنچوانے کے لئے بیٹھتا ہے۔ یہ چاندنی کی طرف نظر جمائے اکڑے ہوئے سیدھے بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے بہت دیر تک خدا معلوم کیا دیکھا کئے!

ادھر لڑکیوں کے غول میں بڑے مزے کی ہنڈیا پک رہی تھی۔ مگر انور کچھ سمجھ نہ سکتے تھے کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ بس ان کے کانوں تک ایک بھن بھن بھن کی آواز آتی تھی جیسے قریب ہی شہد کی مکھیوں کا کوئی چھتا لگا ہو!!!......

سروری:۔ (خان بہادر صاحب کی صاحبزادی)... بیچارہ بڑا سیدھا ہے! بالکل اللہ میاں کی گائے معلوم ہوتا ہے۔

پریم کنور:۔ (سروری کی دوست) گائے نہیں.... بچھڑا!... بیچارے کے سینگ تک تو ابھی نکلے نہیں۔

کملا دیوی:۔ (بناوٹی آواز میں) ہاں مرکھنا تو نہیں معلوم ہوتا....

اس پر سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

پریم کنور:۔ توبہ تم سب بھی تو ایسی ڈھیٹ ہو گیا تم سب کے دیدے کا پانی مر گیا ہے؟...... اس طرح ہنستی ہو جیسے صاحبزادے بلند اقبال کے گویا کان ہی نہیں ہیں!!......

سروری:۔ (ہنسکر آہستہ سے) واہ کان کہاں ہیں۔ کان کو کوا لے گیا... تمھیں کچھ سوجھائی بھی دیتا ہے؟ بی بی آنکھیں بنواؤ آنکھیں۔ نہیں تو پھر کسی سے بھیک ہی مانگ لو!!......

کملا:۔ اس کا نام اور پتہ تو ذرا دریافت کراؤ!!

سروری:۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ ضرور دریافت کراؤ۔ زینب کو بھیجو جاکر پوچھے!

اس پر زینب (وہی خادمہ) بلائی گئی۔ کانا پھوسی ہونے لگی" اے زینب جانی! پوچھو آپکا اسم مبارک ..... اور یہ بھی پوچھنا کہ دولت خانہ کہاں ہے" اور باتوں میں اسکو لگائے رہنا۔ ذرا اس کی بھولی بھولی شرمیلی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور دیکھو اس پر عاشق نہ ہو جانا بہت تمہاری رال ٹپک رہی ہے ..... "

الغرض زینب بہت سکھا پڑھا کر انور کے پاس بھیجی گئی!

زینب :۔ (انور کے قریب آکر) اے صاحب ..... کیا یہیں کے رہنے والے ہیں؟

انور :۔ (اپنے خیالات سے چونک کر) جی ہاں میں یہیں کا باشندہ ہوں۔

زینب :۔ کیا آپ کا غریب خانہ۔ اے تو بہ دولت خانہ۔ آپکا دولت خانہ یہاں سے بہت دور ہے؟

انور :۔ میرا گھر دور تو نہیں ہے۔ مگر ایسا بہت قریب بھی نہیں ہے۔

زینب :۔ (شوخی سے مسکرا کر) میں کہتی ہوں کہ اس محلہ کا کوئی نام بھی ہے؟ ..... کہیں شرمانے والوں کے محلے میں تو نہیں رہتے؟

انور :۔ (خفیف مسکراہٹ کے ساتھ) آپ کیوں پوچھتی ہیں؟

زینب :۔ (مسکرا کر) ارے یوں ہی۔ ڈریئے نہیں ..... آپ کے گھر پر ڈاکہ واکہ ڈالنے کا ارادہ نہیں ہے .....

انور اس پر مسکرا دیا۔

زینب :۔ اور صاحب آپ نے اپنا اسم مبارک تو بتایا نہیں۔

انور :۔ مجھے انور محمود کہتے ہیں!!

زینب :۔ (مسکرا کر) انور؟ ..... انور یا ثنا؟

انور :۔ آپ نے بھی کمال کیا۔ کہاں میں کہاں انور یا ثنا؟

سروری :۔ (زینب سے مخاطب ہو کر مگر اتنی زور سے کہ انور اور زینب دونوں نے سن لیا۔)

اے۔ زرا یہاں آؤ ....

انور کی نگاہ بیساختہ سروری کی طرف اُٹھ گئی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوگئیں صرف دو سکنڈ کے عرصہ میں اِدھر بجلی چمکی اُدھر گری۔ سروری کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کا دل اسکے سینے سے نوچ کر نکال لیا۔ اس کے جسم میں عجیب قسم کی برقی لہریں دوڑ گئیں اس کا چہرہ دل کے شدید اختلاج سے زرد پڑ گیا۔ پھر دفعتاً خون کھولتا ہوا خون گرم چشموں کی طرح اُبلتا ہوا اس کے چہرے پر پہنچا اور اس کے گلرنگ رخساروں میں دریا کی موجوں کی طرح لہریں مارنے لگا۔

پریم کنور اور کملا گو حسین بھی اچھی تھیں مگر سروری ان میں کالبدر فی النجوم تھی اسکی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی تھی۔ اس وقت اس کا عنفوان شباب تھا سرو ایسا قد۔ سانچے میں ڈھلا ہوا بدن۔ رسیلی آنکھیں لمبی لمبی ریشمی پلکیں گھنے گھنے کالے بال نگاہوں کے تصادم سے سروری کی حالت غیر ہوگئی۔ اسکے رخسار انگاروں کی طرح جلنے لگے اس کے نظام عصبی میں ایک شدید ہیجان پیدا ہوگیا وہ حالت بیداری میں ایک عجیب و غریب اور نہایت دلفریب خواب دیکھنے لگی!!

زینب سروری کے پاس آئی اور اس نے پوچھا فرمایئے کیا کام ہے؟

سروری اپنے ہوش میں ہوتی تو جواب بھی دیتی۔ زینب نے کئی مرتبہ یہ سوال کیا مگر سروری بے خبری کے عالم میں بت بنی بیٹھی رہی۔

پریم کنور:۔ ابھی تو انور کو کہہ رہی تھیں مگر خود ان کو خبر نہ تھی کہ کوا انہیں کے کان لے گیا ہے .... ارے بھئی سنتی نہیں۔ کیا افیون کھائی ہے کیا؟ یا کچھ سبزی پی لی ہے؟ تم نے آخر زینب کو کیوں بلایا تھا؟

سروری:۔ (جیسے کوئی گہرے خواب سے یک بیک جگا دیا ہو۔) ایں کیا؟ زینب؟ کون زینب؟

کملا:- میرے کان گئے تھے تو گئے تھے۔ ہوش بھی جاتے رہے۔ یہ اور تماشہ دیکھو!

سروری:- (ہوش میں آکر)... یہ کیا بک ہی ہو کچھ ہوش کی باتیں کرو تو سمجھ میں بھی آئیں!... (مسکرا کر) تم کچھ مجھ سے کہہ رہی تھیں یا پشتو میں بھیک مانگ رہی تھیں؟

پریم کنور:- لو اور سنو! پشتو میں بھیک مانگنے کی بھی خاصی رہی اور میں کہتی ہوں کہ آدمی اس قدر افیون بھی نہ کھائے کہ پینک آجائے!!

سروری:- ہشو بھی! وہی افیون! افیون! افیون! نہ معلوم کب سے تم کو اس کی لت ہو گئی ہے۔ ہشو ذرا زینب سے باتیں کرنے دو۔ زینب بیبی اے دیکھو جاؤ! ان کے لئے پان بنا لاؤ۔ اور کریم بخش سے کہو کہ فوراً چائے لے آئے۔!

کملا:- اوہو! اوہو! ایشور خیر کرے۔ بڑی خاطر ہو رہی ہے! آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

سروری:- تو تم کاہے کو سیخ کباب ہوئی جاتی ہو!! اگر کوئی کسی کو نظروں سے کھا سکتا ہے تو خدا کی قسم میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اس بیچارے معصوم کو نظروں نظروں میں کھائے لیتی ہو۔

پریم کنور:- لے ہاں سروری۔ سچ کہتی ہو۔ ان کی نگاہیں اس لڑکے کے اردگرد ایسی بے چینی سے منڈلا رہی ہیں جیسے حلوان پر بھو کی چیل منڈلائے!!

کملا:- (شرما کر) یہ لیجئے یہ ان سے بھی دو ہاتھ بڑھی چڑھی نکلیں واہ بی بی مینڈکی واہ! تمھیں بھی زکام ہو گیا۔

فیروز سہراب جی:- (چوتھی لڑکی جسکی عمر قریب ۱۵ سال کے تھی مگر بڑی طرار تھی) لے بکملا بہن کی نہ کہیئے۔ یہ خدا رکھے بڑی عاشق تن ہیں۔ ابھی اسی دن کی بات ہے ایک پارسی لڑکے کو کھڑی گھور رہی تھیں۔ کیا کہنا ہے!! بڑی ستھری طبیعت

پانی ہے۔

کملا:۔ (شرمائی ہوئی نگاہیں لڑا کر) اے پرپا تما!! یہ سفید جھوٹ کہیں ایسے جھوٹ پر چھت نہ ٹوٹ پڑے تو تیرے ساتھ ہم سب بھی جائیں۔ ابھی سے یہ پر پرزے نکالے ہیں تو ایشور ہی خیر کرے۔ آئندہ کیا کیا غضب ڈھاوگی

ہر ایک ادا ان کی اک فتنۂ محشر ہے
کیا ہونگے جوانی میں آفت ہیں لڑکپن میں

سروری:۔ بھئی خدا لگتی کہیں گے۔ فیروز کہتی سچ ہے!! جو تم بڑی عاشق مزاج اس کا سارٹیفکٹ تو ہم بھی دیدیں گے۔ گلے گلے پانی میں ہو کہدیں گے کہ زلیخا مرحومہ کا خرقہ تمہیں کو ملنا چاہیئے

کملا:۔ لے توبہ یہ تو سب کی سب میرے ہی پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئیں نہ ہاری مانتی ہیں نہ جیتی۔ ذرا سا چھیڑ کر سب کی گنہگار ہو گئی!..... سب مجھ ہی کو کہے جاتی ہیں اور بی سروری کو کوئی نہیں کہتا کہ:۔

چھن گیا دل بس اک نگاہ کے ساتھ
ہوش رخصت ہوا بس اک آہ کے ساتھ

سروری:۔ جو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی سب اُسے کہتے ہیں.... زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

کملا:۔ ارے بس بہنے بھی دو۔ چوری اور اس پر سینہ زوری اسی کو کہتے ہیں اس وقت زینب چاندی کے خاصدان میں پان لے کر انور کے پاس گئی۔

زینب:۔ لیجئے پان نوش فرمائیے۔

انور:۔ معاف کیجئے گا میں پان نہیں کھاتا

زینب:۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے چھوٹی بیگم صاحب نے بھیجے ہیں آپ کو کھانا ہوگا!!

انور :۔ چھوٹی بیگم صاحب کون ؟

زینب :۔ (شوخی سے) اب آپ کو آم کھانے سے مطلب یا پیڑ گننے سے !!

انور :۔ اچھا تو میں الائچی کھالوں گا۔

سروری :۔ (شوخی سے دھیمی آواز میں) نہیں پان کھانا ہوگا۔

انور نے سُن لیا بیساختہ اسکی نظر پھر سروری کی طرف اُٹھ گئی۔ پھر نگاہیں لڑیں پھر سروری کے دل میں جذبات کی موجیں اٹھیں۔ پھر ہوا میں بجلی کی لہریں تڑپیں سروری کا زیرلب تبسم اختلاج سے بدل گیا اور انور کے انکار نے اقرار کی شکل اختیار کرلی۔

اسوقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ زینب فوراً اسکے پاس گئی اور ریسیور اٹھالیا۔۔۔ اور کسی سے باتیں ہونے لگیں۔ "آپ کہاں سے بولتے ہیں"... "آپ کون صاحب ہیں؟"

... "جی ہاں"... "میں ہوں زینب"... "جی!"... "جی!"... "بہت اچھا"...

... "کل کس وقت تشریف لایئے گا؟"... "جی؟"... "بہت اچھا"... "جی"...

"چھوٹی بیگم صاحبہ یہیں بیٹھی ہیں"... "ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں؟

..." "کل کس وقت آئیں"... "کس وقت"... "۶ بجے؟"........

"بہت اچھا"........

زینب :۔ (باتیں ختم کرکے اور ریسیور اپنی جگہ پر رکھ کر انور سے) سرکار ایک کام سے بمبئی جارہے ہیں... کل شام کو آئیں گے۔ آپ کو ۶ بجے بلایا ہے!!...

انور :۔ (اُٹھکر) ۶ بجے شام کو... اچھا تو اب میں جاتا ہوں!!

زینب :۔ ابھی آپ کیسے جاسکتے ہیں؟ چاء تو پی لیجئے۔ چاء ابھی آتی ہی ہوگی۔

انور :۔ نہیں مجھے معاف کیجئے میں چاء نہ پیوں گا۔

زینب :۔ چاء بھی کیا شراب ہے جو آپ کو اس قدر انکار ہے۔

انور:۔ (مسکرا کر) میں نے پان کھا لیا۔ یہی ایک غلطی کی! چا بہ میں بہت زیادتی ہے اس وقت سروری نے پھر زینب کو بلایا۔ زینب سروری کے پاس ہو کر واپس آئی اور کہنے لگی۔ چھوٹی بیگم صاحب کہتی ہیں پان کھانا غلطی ہے تو چارے انکار کرنا دوسری غلطی ہے۔ ایک غلطی تک تو مضائقہ نہیں مگر پانچ منٹ میں دو غلطیاں کرنے کا آپ کو بھی حق نہیں"

انور نے بہت معذرت کی اور کسی نہ کسی طرح زینب سے پیچھا چھڑا کر چلا گیا۔۔۔ راستے میں سوچنے لگا۔ "وہ کیسی خوبصورت لڑکی تھی۔ میں نے اس سے ملتی جلتی صورت کہیں اور بھی دیکھی ہے۔ کہاں دیکھی ہے یاد نہیں پڑتا۔۔۔۔ ہاں ہاں مہ جبین سے اور اس لڑکی سے کچھ مشابہت معلوم ہوتی ہے!! ہاں ٹھیک ہے! مہ جبین ہی کی صورت کا شائبہ اسکی صورت میں بھی ہے یا شاید یہ میرا محض ایک خیال ہو! مگر کشور!! آہ کشور کی بات ہی کچھ اور ہے!! وہ اپنی بیوفائیوں میں بھی سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے

دل غمگین بلبانی زجفائے تو خوش است

لے جفاہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں

.... مگر اب کہاں میں اور کہاں کشور!!.... کشور کے لئے میرا تڑپنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ناسمجھ بچے کا چاند کے لئے مچلنا.... آہ.... میری زندگی تباہ ہو گئی برباد ہو گئی!! میں کہیں کا نہ رہا.... کیا عورتیں سب ایسی ہی تلون مزاج اور طوطا چشم ہوتی ہیں؟.... کیا انکی محبت یا عنایت کو کوئی قرار و قیام نہیں ہوتا کیا جس سے صبح کو پرجوش محبت کا اظہار کرتی ہیں اس پر وہ دوپہر کو شک کرتی ہیں اور شام کو اسے دل سے اتار دیتی ہیں؟.... عورت کی محبت واقعی بہت اتھلی ہوتی ہے!.... عورت کا دل بڑا شکی اور بدگمان ہوتا ہے.... وہ بہت جلد خوش ہو جاتی ہے اور بہت جلد خفا ہو جاتی ہے.... وہ آج مرد پر ایمان لاتی ہے اور کل کافر

ہو جاتی ہے... کیا ممتاز سچ کہتا تھا کہ عورت کو سچائی اور خلوص کی قدر نہیں... وہ چاہتی ہے کہ مرد اس سے ہمیشہ جھوٹ بولے اور مرد کے ایک خوبصورت جھوٹ پر وہ اپنی ساری زندگی بسر کر سکتی ہے!! اگر کشور کو ناحق الزام دے رہا ہوں... اس نے مجھ سے کب اظہار محبت کیا ہے اس نے کب مجھ سے کوئی عہد و پیمان کیا؟ یہ تو میرا ہی قصور ہے کہ میں نے اپنی محبت سے مغلوب ہو کر اسکی عنایتوں کو محبت سمجھ لیا۔ اسکی خوش اخلاقی کو فریفتگی سے تعبیر کیا۔ اسکی احسانمندی کو گرویدگی قرار دیا... یہ سب فریب میری ہی محبت کے تھے... ورنہ کشور نے جبلتاً یا صریحاً کبھی کوئی امید نہیں دلائی...

مجھے برباد کر ڈالا رضا میری محبت نے
اسی ظالم نے سمجھایا تھا انکو بھی محبت ہے

خیر... یہ تو ایک درد بھری داستان ہے جس کو میں یاد کر کر کے عمر بھر روؤں گا اور پچھتاؤں گا... مگر سوال تو یہ ہے کہ مجھے اب کرنا کیا چاہیئے؟... خان بہادر فخر الدین سے اب کل ملاقات ہوگی... اس وقت تک میں کیا کرونگا؟... میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہے... میں نے بیکار عذرا سے تکلف کیا... کچھ روپیہ اس سے بطور قرض کے لے لیتا تو اچھا تھا... مگر میں کیا کروں میری طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ اس سے قرض لوں کیونکہ اس کا روپیہ در اصل ممتاز کا روپیہ ہے اور اب میں کسی صورت سے بھی ممتاز کے زیر احسان ہونا نہیں چاہتا... تو پھر کیا آج فاقہ کرنا ہوگا؟ مجھے بھوک لگی تھی۔ مگر میں نے خان بہادر کے یہاں چائے سے انکار کر دیا۔ میں اپنی طبیعت کو کیا کروں؟... میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں دوسرے کے گھر چائے پیوں۔ اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو خیر کوئی مضائقہ نہ تھا مگر جب میں بالکل نادار اور مفلس ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا ان کے یہاں چائے پینا ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر یا محتاج کا دیا ہوا کھا لینا۔ وہ چائے نہ تھی میرے لئے بھیک تھی!!...

انور بلا کسی ارادے کے چلتا رہا اور اسی قسم کے خیالات اسکے دماغ میں چکر لگاتے رہے۔۔۔ باندرے سے وہ پیدل آیا تھا اور بلا کسی مقصد کے وہ ایک گھنٹے سے زیادہ تک اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔۔۔۔ بالآخر وہ تھک کر ایک مسجد کے زینوں پر بیٹھ گیا۔۔۔ ادھر سے آنے جانے والے آدمیوں میں سے کوئی تو اسے غور سے گھورتا تھا۔ جیسے وہ کوئی نئی قسم کا جانور ہو۔ کوئی سرسری نظر سے دیکھ کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ کسی کو اپنے کام یا شغل کے انہماک کیوجہ سے اس کی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی۔۔۔ مگر جو اسے دیکھتا تھا تعجب سے دیکھتا تھا۔۔ مسجد کے زینوں پر ایک شریف اور حسین شخص سوٹ پہنے بیٹھا ہو!! رات کو پہن کر سونے سے اس کا سوٹ شکن آلود ہو گیا تھا۔ اور گھٹنوں کے پاس ابھر آیا تھا۔۔۔۔ یک بیک مغرب کی اذان نے اسے چونکا دیا۔۔ اس نے عرصہ سے نماز نہیں پڑھی تھی۔۔۔۔ خدا پر اسکو اعتقاد ضرور تھا مگر دنیوی مصروفیتوں کیوجہ سے خدا کا خیال کبھی دماغ میں آنے ہی نہیں پاتا تھا۔ گو سینکڑوں مرتبہ اس نے مسجدوں کی اذانیں سنی تھیں مگر بے خیالی اور بے پروائی سے۔ آج کی اذان میں خدا معلوم کیا بات تھی کہ انور چونک اٹھا اور ایک ایک لفظ اس نے غور سے سنا۔ ہر لفظ نے اسکے دل پر ایک عجیب اثر کیا۔۔۔ آج اسے پہلی مرتبہ صحیح خدا کا بھی خیال آیا۔ آج سے اسے یہ محسوس ہوا کہ وہ ابھی تک مذہب سے کس قدر بے خبر تھا اور خدا کو کس قدر بھولا ہوا تھا!!۔۔۔"

وہ اذان ہونے پر اٹھ کھڑا ہوا۔ مسجد میں جا کر اس نے وضو کیا اور سر میں رومال باندھ کر اس نے جماعت کے ساتھ یکسوئی اور حضوری قلب سے نماز پڑھی اور بہت دیر تک محویت اور استغراق کے عالم میں اپنے اچھے مہربان خدا سے دعا مانگتا رہا۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ سب نماز پڑھ کے اٹھ گئے مگر انور اپنے خدا کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا رہا! اس کو اس خیال سے جھجک نہیں ہوئی کہ عرصہ سے نہ اس کا سر سجدے میں جھکا تھا نہ اس کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے تھے۔ اور جس کو وہ آج اپنے درد مند دل کی

گہرائیوں سے پکار رہا تھا۔ اس کو اس نے ایک مدت سے یاد بھی نہیں کیا تھا وہ مسجد میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی اپنے موروثی گھر میں آتا ہے۔ وہ خدا کے سامنے اس طرح آیا جیسے کوئی شریر بچہ جو دن بھر ادھر ادھر کھیلتا رہا ہو اپنے پیارے اور مہربان باپ کے سامنے آتا ہے۔

اس وقت انور کو خدا سے وہ قرب حاصل تھا جو صوفی عالی مقام کو تہجد میں بھی میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا سے قرب محض تسبیح و مصلے سے نہیں ہوتا۔ خدا سے قرب محض اشراق و تہجد سے نہیں ہوتا۔ خدا سے قرب دل کے انتہائی خلوص سے قلب کی شدید سچائی سے ہوتا ہے۔

جس وقت انسان کا یہ احساس ترقی کر جائے کہ اگر کوئی اس کا غمخوار ہے تو خدا ہے کوئی اس کا رازدار ہے تو خدا ہے۔ کوئی اس کا دوست ہے تو خدا ہے کوئی مددگار ہے تو خدا ہے۔ کوئی حقیقی مالک اور با اختیار حاکم ہے تو خدا ہے اور بجز اس کے کسی کو قوت و اختیار نہیں۔ اس وقت اس کے اور اس کے خدا کے بیچ میں کوئی پردہ حائل نہیں رہتا۔ اس وقت وہ ماں باپ سے زیادہ شفیق زیادہ مہربان۔ زیادہ محبت کرنے والے خدا کی گود میں کھیلتا رہتا ہے۔

یہ کیفیت دل کی ایک کیفیت ہے جو صوفی کو بھی ہو سکتی ہے اور اس گنہگار کو بھی جس کے منہ سے ابھی شراب کی بو آ رہی ہو۔ جس کی مست آنکھوں میں ابھی شب عشرت کے خمار کا اثر باقی ہو..... فی الحقیقت دنیا میں اول چیز اور آخر چیز ایمان ہے دنیا کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد ایمان ہے... خدا کی کارسازی۔ قدرت اور شفقت پر سچا پختہ کامل ایمان عقل بیکار ہے۔ اگر اس کا مطلوب ایمان نہ ہو۔ علم بے سود ہے۔ اگر اس کا مقصود ایمان نہ ہو۔ ایمان اس کاغذ میں نہیں ہے جس پر سیاہ روشنائی سے عربی میں آیتیں لکھی ہوں۔ ایمان مسجد کی اینٹ اور گارے کے فرش میں نہیں ہے جس پر لوگ دن میں پانچ مرتبہ ماتھے رگڑتے ہیں۔

ایمان قلب کی ایک کیفیت دل کا ایک جذبہ ہے جو خدا کے لیے کم سے کم وہی احساس پیدا کر دے جو انسان کو اپنے جاں نثار محبت کرنے والے والدین سے ہوتا ہے۔ یہی احساس ایمان ہے اور یہی احساس اگر ترقی کر جائے تو ایمان کامل ہو جائے!

خدا کو ہم اپنا سچا دوست اور غمخوار نہیں سمجھتے۔ خدا کو ہم محض ایک ہیبتناک خونخوار ہستی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دعائیں ہمارے منہ پر پھینک ماری جاتی ہیں۔ کبھی شرف قبولیت نہیں پاتیں۔ دعا مانگتا ہو تو خدا کے سامنے اسطرح مچل جائے جیسے بچہ اپنے ماں کے سامنے مچل جاتا ہے۔ خوب ہی روئے۔ خوب ہی ضد کرے۔ خوب ہی مچلے۔ شفیق خدا۔ مہربان خدا۔ ماں باپ سے زیادہ محبت کرنیوالا خدا۔ اس مچلنے والے کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا لیگا۔ اپنے سینے سے لگا لیگا۔ اپنی گود میں بٹھا لیگا۔ اور جتنا وہ مانگتا ہے اس کا دس گنا اسے دیگا۔ مگر کوئی خدا کے سامنے اس شان مشتاقانہ سے مچلے تو کوئی اس سے اسطرح ناز تو کرے۔ پھر خدا کی عدیم النظیر شفقت دیکھے۔ پھر اسکی عدیم المثال محبت دیکھے

پھر اس کی شان کریمی کے حوصلے دیکھے
گنہگار یہ کہدے گنہگار ہوں میں

. . . .

. . . .

بعد دعا کے انور کے دل شوریدہ کو اک سکون اور اطمینان سا ہو گیا۔ اسکو ایسا معلوم ہوا جیسے چودھویں رات کے چاند کے چہرے سے سیاہ بادل ہٹ گئے اور چاند کی سکون بخش ٹھنڈک اور سرور آمیز روشنی فضا میں پھیل گئی اور فضا میں پھیل کر اس نے ایک روح پرور نشہ بخش کیفیت پیدا کر دی۔

وہ سجدے سے اٹھا۔ زینوں سے نیچے اترا اور سیدھے اسٹیشن پہنچا وہ وہاں کیوں گیا

اسے خود معلوم نہ تھا۔ اس کا اسٹیشن جانا ایک بالکل غیر ارادی فعل تھا۔ ایک نادیدہ طاقت تھی جو اسے وہاں لے گئی۔ وہاں ایک صاحب ریل کا انتظار کر رہے تھے اور وقت کاٹنے کے لئے قریب ہی ایک بجلی کے کھمبے کے نیچے ایک انگریزی اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے ان صاحب نے اخبار پڑھتے پڑھتے جو سر اٹھایا تو انور پر نظر پڑی اور جیسا عموماً لوگوں کی عادت ہوتی ہے پوچھنے لگے "کیوں جناب" کتنی دیر میں ریل آ جائیگی؟"

انور:۔ (گھڑی کی طرف دیکھکر) پانچ منٹ باقی رہیں۔ اب آتی ہی ہوگی۔

وہ صاحب:۔ آپ کہیں پڑھتے ہیں؟

انور:۔ جی ہاں مکتب دنیا کے پہلے درجہ میں۔

وہ صاحب:۔ (مسکرا کر) ماشاء اللہ آپ بہت ذہین معلوم ہوتے ہیں۔

انور:۔ یہ آپ کی عنایت ہے۔ مگر میں نے تو ابھی تک ذہانت کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ اس کی پیشین گوئی کرنے کے لئے کہ ریل پانچ منٹ کے اندر آ جائیگی بہت بڑے پیغمبر ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ صاحب:۔ (مسکرا کر) کیا آپ بھی چلیں گے؟

انور:۔ (اپنی ناداری کا خیال کرکے ایک افسردہ لہجہ میں)۔۔۔ جی۔۔۔ نہیں!!
یہ کہکر انور نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چپ ہو گیا۔

وہ صاحب:۔ آپ مجھے کچھ متفکر سے معلوم ہوتے ہیں۔

انور:۔ (مسکرانے کی کوشش کرکے) معاف فرمائیے گا۔ اب تو آپ بھی ذہانت کا ثبوت دینے لگے۔

وہ صاحب:۔ (ہنسکر) آپ کی باتیں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں۔۔۔۔
۔۔۔۔ کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔

انور:۔ میری خدمت!۔۔۔ جی نہیں۔۔۔۔ میں خادم ہوں مخدوم نہیں!!

وہی صاحب:۔ خادم و مخدوم کی بحث تو چھوڑیئے۔ یہ بتایئے کہ کیا میں آپ کے کسی کام آسکتا ہوں.... مجھے بیحد خوشی ہوگی اگر میں آپکی کوئی خدمت کرسکوں۔

انور:۔ میں اس وقت کسی ملازمت کی تلاش میں ہوں۔

وہی صاحب:۔ ملازمت! کیا آپ بی اے پاس کر چکے ہیں۔

انور:۔ جی ہاں۔ بی اے تو عرصہ ہوا میں پاس کر چکا ہوں۔

وہی صاحب:۔ (تعجب سے) اتنی کم عمر میں۔

انور:۔ (مسکرا کر) تو کیا بی اے پاس کرنے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ہونا چاہیئے؟

وہی صاحب:۔ (ہنستے ہوئے) آپ غالباً مذاق کر رہے ہیں!!

انور:۔ میں اپنی زندگی میں کبھی اس وقت سے زیادہ سنجیدہ نہ تھا۔

وہی صاحب:۔ آپ کو اردو۔ اور انگریزی اخبارات سے کچھ ذوق ہے؟

انور:۔ بہت خاصہ.... طالب علمی کے زمانے میں اکثر اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھا کرتا تھا۔ مگر آپ کیوں دریافت فرماتے ہیں۔

وہی صاحب:۔ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہفتہ وار اخبار "جام جم" کے نائب مدیر ہو جائیں۔ میں آپ کو فی الحال ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار دوں گا۔ کھانا آپ میرے ہی ساتھ کھائیں گے اور میرے ہی ساتھ آپ رہیں گے بھی۔ کیا ان شرائط پر آپ میرے اخبار کا نائب مدیر ہونا پسند کریں گے؟

انور:۔ (خوشگوار تعجب سے) نہایت خوشی سے اور بیحد شکریہ کے ساتھ۔

وہی صاحب:۔ (مسکرا کر) تو پھر، در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست میرے ساتھ چلیئے۔ میرا دفتر چل کر دیکھ لیجیئے! اور دفتر ہی سے ملے ہوئے دو بڑے بڑے آراستہ کمرے ہیں۔ ایک میں میں رہتا ہوں دوسرے میں آپ رہیئے گا...

اس وقت ریل آتی ہوئی دکھائی دی۔ انور ان صاحب کے ساتھ ریل پر سوار ہو گیا ان صاحب کا نام منصور احمد انصاری تھا۔ تیس بتیس برس کی نئی عمر تھی۔ سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ عینک لگائے تھے اور داڑھی اور مونچھیں حجام کی نذر ہو چکی تھیں۔ رنگ ان کا کھلتا ہوا سانولا۔ مگر صورت شکل زیبا زیب تھی۔ آدمی بہت ذہین اور تعلیم یافتہ تھے۔۔۔۔ اور ساتھ ہی شریف سچے خلیق اور خوش مذاق بھی تھے۔۔۔۔ راستے میں انور سوچ رہا تھا۔ پھر وہی دیڑھ سو ماہوار۔ اور کس قدر خلاف امید! خدا درد مند دل کی صدا کس قدر جلد سنتا ہے۔۔۔۔ ورنہ آج اور کل اور نہ معلوم کب تک مجھے فاقہ کرنا پڑتا اور میری حالت ابھی سے خراب تھی۔ تھوڑی دیر میں دفتر آ گیا۔ انور اور منصور اتر گئے۔ دفتر ابھی کھلا ہوا تھا۔ اس کا دونوں نے معائنہ کیا۔ پھر انور نے اپنے رہنے کا کمرہ دیکھا۔ بہت آراستہ اور آرام دہ کمرہ تھا۔ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ جس قدر وہ منصور کی باتیں سنتا اور برتاؤ دیکھتا تھا۔ اس کا دل منصور کی طرف کھنچتا جاتا تھا۔ منصور کو بھی انور سے پہلی نگاہ میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور وہ لمحہ بہ لمحہ انور کا گرویدہ ہوتا جاتا تھا۔

کمرہ وغیرہ دیکھ کر منصور اور انور کھانے کی میز پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گئے۔

منصور:۔ مسٹر انور۔ چلیئے۔۔۔۔ آج تھیٹر دیکھنے چلیں۔۔۔۔ تاکہ کل آپ کو ہندوستانی تھیٹر پر ایک مضمون کا کافی مسالہ مل جائے!!

انور:۔ خیال تو اچھا ہے۔۔۔۔ چلیئے۔۔۔۔ ہندوستانی تھیٹر واقعی اس قابل ہے کہ اس پر مضمون لکھا جائے۔

منصور:۔ عجیب حالت ہے اسکی۔ ہندوستانی تھیٹر درحقیقت یہاں کی ونکی اور انگریزی ڈرامے کی ناجائز اولاد ہے۔۔۔۔ ماں باپ کی خوبیاں تو اس میں آئیں

نہیں دونوں کی برائیاں ضرور اس کی ذات واحد میں مجتمع ہو گئیں۔

انور:۔ (مسکرا کر) ایسی اولاد میں اکثر یہی خصوصیات پائی جاتی ہیں!!

منصور:۔ (ہنستے ہوئے) بالکل وہی کیفیت ہے جیسے اونٹنی کے پیٹ سے ہاتھی کا بچہ۔ بکری کے پیٹ سے بیل پیدا ہو!!

انور:۔ (ہنستے ہوئے) .... اور لطف یہ ہے کہ ہندوستان میں ہر شعبۂ زندگی میں تو ترقی ہوئی مگر ترقی نہیں ہوئی تو تھیٹر میں۔ یہ ڈھن کا پکا جہاں سو برس پہلے تھا وہیں اب بھی دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ اس کے استقلال کی تو داد دینا چاہیئے!!

منصور:۔ حالت یہ ہے کہ ہر تماشے کے پہلے سین میں بہت سے بدصورت بھتنے عجیب قسم کی پوشاک پہنے جو نہ ہندوستانی ہوتی ہے۔ نہ انگریزی۔ غیر ضروری مقدار میں پوڈر منہ پر پوتے ہونٹ نہایت بھدے سرخ رنگ سے رنگے ہوئے بھنویں کالک سے ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہاتھ جوڑے "توہی داتا .... کا گیت مل کر گاتے ہیں اور اس خوبی کے ساتھ کہ باوجود جہاد اکبر کرنے کے اگر ایک نقطہ بھی سمجھ میں آجائے تو یہ صرف ہمارے کانوں کی تعریف ہے ان بیچاروں کا قصور نہیں!!

انور:۔ یہ تو ہر تھیٹر میں ہر تماشے کا ضروری دیباچہ ہے ... تھیٹر کی خوش فعلیوں اور خدائے پاک کی حمد و ثنا سے کیا خاص تعلق ہے اس کے بھی سمجھنے میں عجیب و غریب پیچیدگیاں محسوس ہوتی ہیں۔

منصور:۔ نہیں۔ اس میں ایشیائی مذاق کی رعایت رکھی گئی ہے یعنی ہر کام کے پہلے خدا کا نام لینا چاہیئے۔ چنانچہ ناچ و رنگ بھی خدا کے نام سے شروع ہونا چاہیئے۔ اور اسی وجہ سے غالباً رنگے ہوئے بھتنے "داتا" والا گیت گانے گاتے ناچنے لگتے ہیں۔

انور:۔ خیال تھا غالباً یہ ہو گا کہ شراب بسم اللہ کہہ کر پینا چاہیئے اسی لئے

شراب متبرکہ نہیں تو کم از کم حلال ضرور ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے زیلہ مناسب تو یہ ہوتا کہ تماشا دو رکعت نماز یا آرتی کے بعد شروع کیا جاتا۔۔۔۔۔۔

منصور:۔ اور دوسرے سین میں عموماً ایک خوبخوار آدمی ریشمی یا مخملی زرق برق پوشاک پہنے ہوئے نہایت غضبناک آنکھیں نکالے۔ سرخ رنگ گالوں پر ملے ہوئے گردن ایک طرف غرور سے اینٹھے ہوئے آتا ہے اور نہایت ہی مہمل اور مصنوعی آواز میں پہلے تو چنگھاڑنے لگتا ہے اور دفعتاً گانا شروع کر دیتا ہے اور پھر چنگھاڑنے میں بدل وجان مشروف ہو جاتا ہے۔

انور:۔ گانے کا عنصر تو ہمارے ہندوستانی تھیٹر میں خوب اور بہت خوب ہے۔ سلطنت کی پالیسی پر گفتگو بادشاہ کر رہا ہے اور گا رہا ہے کسی ظالم کے جور و ستم سے بیکر کوئی سسک سسک کے رو رہا ہے اور گا رہی ہے کسی بیگناہ کا خون کرنے کوئی جا رہا ہے اور گا رہا ہے۔ گانا کیا ہے ایک بلائے بے درماں ہے۔ ایک شدنی مصیبت ہے جس سے نجات ملنا محال ہے اور یہ گانا اکثر بے ہنگم اور ہمیشہ مہمل اور حماقت مآب ہوتا ہے!!

منصور:۔ اور واہ ایکٹر پارٹ بھی کیسا بے مثل کرتے ہیں کہ یاد ہی شاید! رنج کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پکے مالدے آم کی طرح بلا نوٹس فرش پر گر پڑے اور پھر گراموفون کے کتے کی تقلید میں دونوں ہاتھوں کے بل بیٹھکر زور زور سے منہ پھیر کر سسکیاں لینا شروع کر دے۔ یہ ہے اظہار غم کا بہترین طریقہ!! علاوہ اس کے چودھویں صدی کے آدمی کا بیسویں صدی کی پوشاک پہنا اس میں تو کوئی ہرج ہی نہیں۔ باپ کا اپنی جوان بیٹی کو فرط محبت سے سینے سے لپٹانا اور بیچ بیچ کر پیار کرنا یہ تو کوئی بات ہی نہیں خنجر ہاتھ میں لیکر سوتے ہوئے بادشاہ کو مارنے کے لئے چھڑی اگنگنے کے بیترے بدل بدل کر جانا یہ تو

ہندوستانی تھیٹروں کے قاتلوں کا خاص انداز ہے !!!

انور:- (ہنسکر) اور بادشاہ کے مرنے کی ادا بھی تو قابلِ رشک ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بڑے سے تربوز میں چھری بھونک دی گئی ہو... ذرا ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ جان تو پرواز کرنے کے لئے حلق پر بیٹھی ہوئی پر تولتی ہوتی ہے، اِدھر خنجر لگا اُدھر جان پرواز کر گئی۔ توبہ کیجئے کہاں کی تڑپ کیسی جانکنی.... اور پھر جب کسی مردے کو لوگ اٹھا کر اسٹیج پر سے لیجانے لگتے ہیں وہ مردہ بیچارہ بھی اس کارِ خیر میں مختلف طریقوں سے امداد کرتا ہے۔

منصور:- اور بول چال بھی ایسی مقفیٰ و مسجع ہوتی ہے کہ سبحان اللہ کیا کہنا فسانۂ عجائب کے مصنف مرحوم اگر وہ عبارتیں کہیں سن لیں تو اپنی قبر میں کباب سیخ کی طرح کروٹیں بدلنے لگیں اور نقل میں مجمع کو ہنسانے کا طریقہ صرف لپا ڈگی۔ دھول دھپا۔ گالی گلوج۔ مار پیٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور لطف یہ کہ خوش مذاق حاضرین ہیں کہ اسی پر لوٹن کبوتر ہو جاتے ہیں۔

انور:- جیسی روح ویسے ہی فرشتے۔ ڈرامہ کی کیسی مٹی پلید کی ہے۔ توبہ۔ توبہ۔

منصور:- ڈراما کا مقصد تو یہ تھا کہ زندگی کی سچی تصویر بے کم و کاست اسٹیج پر پیش کرے اور ایکٹنگ اس قدر فطری۔ قدرتی اور بے تکلف ہو کہ دیکھنے والوں کو کچھ عرصہ کے لئے یہ دھوکہ ہو جائے کہ اصلی رنگ کے واقعات اُن کے سامنے گذر رہے ہیں۔

انور:- او تقریب قریب یہی حال ہندوستانی ناول کا ہے....

منصور:- بالکل !! ہندوستانی ناول کو حقیقت سے تو کوئی مناسبت ہی نہیں ہوتی.... اور اس کا مقصد محض خون کو کچھ عرصے کیلئے کھولا دینا ہوتا

ہے۔ عموماً پلاٹ یہ ہوتا ہے کہ کوئی طبیعت دار پندرہ سال کی صاحبزادی کسی مکان کے دروازہ یا چلمن یا کسی ریل گاڑی کی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی ہیں۔ عاشق مزاج صاحبزادے کسی طرح انہیں دیکھ لیتے ہیں اور دیکھکر بلا تکلف فوراً بیہوش ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے کوئی یارِ غمگسار ان کو بہزار دقت ہوش میں لاکر جوں توں گھر لے جاتے ہیں۔ مگر صاحبزادے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے برابر گنگا جمنا بہتی رہتی ہے تلسی گرگی کی دھونکنی کی طرح آہیں کرتے ہیں، اور ریلوے انجن کی طرح چیختے اور نالہ و فغاں کرتے ہیں۔ کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ نیند ان سے مقاطعت قبول کرنے لگتی ہے اور ہوش و حواس ان سے ترک موالات کر بیٹھتے ہیں کہ عجیب مصیبت ہوتی ہے

ادھر ان کا یہ حال ہوتا ہے ادھر صاحبزادی جنکو ابھی صرف پندرہ برساتوں کا تجربہ ہوا ہے۔ بیحد غمگین اور بیقرار ہوتی ہیں۔ آہستہ آہستہ آہیں بھرتی ہیں چپکے چپکے آنسو بہاتی ہیں۔ بالآخر عاشق نامراد کے دوست کسی لالچی بڑھیا چالاک پھل والی یا بساطن کو کچھ دے دلاکر کٹنی بننے پر راضی کر لیتے ہیں۔ پھر مرزا عاشق تن ایک پرجوش خط لکھتے ہیں جس میں وہ اپنے مقابلے میں مجنوں کو ایک ناتجربہ کار الّو اور فرہاد کو ایک بوالہوس گدھا بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ للہ ملنے کی کوئی راہ نکالو نہیں تو ہم پنساری کے یہاں سے سنکھیا لیکر چٹ کر جائیں گے۔ حجام سے اُسترا چرا کر گلا کاٹ لیں گے۔ کنوئیں میں کود کر مر جائیں گے۔ چاہے پھر مولوی صاحب کو بیچارے ہم ڈول کے چار سو ڈول پانی نکلوانا پڑے۔ چنانچہ کٹنی صاحبہ خط لاکر کسی نہ کسی ترکیب سے صاحبزادی اشظار بیگم کو دیدیتی ہے وہ اس کو پڑھتی ہیں۔ چومتی ہیں۔ آنکھوں سے لگاتی ہیں۔ خوش ہوتی ہیں۔ خفا ہوتی ہیں۔ ہنستی ہیں۔ بگڑتی ہیں اور قصہ مختصر یہ کہ چوری چھپے مرزا عاشق تن سے جاکر خوب خوب گلے ملتی ہیں اور اس کے بعد ہی زہر عشق والا قصہ پیش آتا ہے۔ یعنی

اقرباء سارے ہو گئے آگاہ
تم سے ملنے کی اب نہیں کوئی راہ

پھر یا تو کچھ دنوں تک آنکھ مچولا کھیلنے کے بعد صاحبزادے صاحبزادی کو سطرح لیکر چلدیتے ہیں جیسے چھوری بلی گھر کی ہر دلعزیز مرغی کو اڑا لیجاتی ہے یا پھر والدین مجبور ہو کر دونوں کی شادی کر دیتے ہیں یا اگر دونوں میں سے ایک بھی بات ظہور پذیر نہیں ہوتی تو صاحبزادے بیچارے زہر کھا کر مرنے کی تکلیف گوارا کر لیتے ہیں مگر اکثر صاحبزادے اس درجہ حیادار نہیں ہوتے۔ لہذا مرنے کا فرض بیچاری صاحبزادی ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے اور مرنے کا سنہرا موقع یوں ملتا ہے کہ ادھر بیچارے والدین گھبرا کر انکی شادی جلدی میں کسی ایسی جگہ کرنیکا انتظام کرتے ہوتے ہیں اور ادھر بیچاری ننھی دلہن صاحبہ یعنی مس زلیخا شادی ہی کے دن زہر کھا کر حق محبت ادا کر بیٹھتی ہیں یعنی خودکشی کر کے سیدھی جہنم پہنچ جاتی ہیں!!! راستہ میں کوئی روک ٹوک بھی نہیں کرتا۔

یہ ہے اصلی ڈھانچہ ہندوستانی ناولوں کا۔ اب یا پنی اپنی جدت ہے کہ ناول نویس صاحب اس ڈھانچہ پر مختلف قسم کا گوشت پوست چڑھا دیں اور اس گوشت و پوست کو مختلف قسم کے کپڑے پہنا دیں۔ مگر چاہیں کچھ بھی کریں ڈھانچہ ہی بنا رہیگا!!

انور:۔ واقعی آپ نے یہاں کی ناول نویسی کی جو دراصل صرف افسانہ نویسی ہے ایک حد تک صحیح تصویر کھینچی ہے۔

منصور:۔ (ہنسکر) تصویر تو نہیں اسے کارٹون کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

انور:۔ درحقیقت ہندوستانی ناول کا مطمح نظر صرف دلچسپ قصہ گوئی ہوتا ہے اور بس... وہ صرف دل کو خراب کرتا ہے دماغ کو درست نہیں کرتا۔ وہ صرف خطرناک جذبات کو ابھارتا ہے خیالات کو بلند نہیں کرتا۔ وہ صرف زندگی کی ایک غیر فطری اور بگڑی ہوئی تصویر کھینچتا ہے! انسان کے قدرتی خیالات اور فطری جذبات اور اسکی

اصلی زندگی کے روزمرہ کے واقعات کی صحیح عکاسی اور سچی مصوری نہیں کرتا۔

منصور:۔ اور فن کیرکٹر نگاری تو اس ملک میں قریب قریب معدوم ہی ہے!!

انور:۔ بیشک بالعموم ہے تو ایسا ہی مگر بعض اساتذۂ فن نے کیرکٹر نگاری میں بھی اپنا کمال دکھایا ہے۔

منصور:۔ ہاں لیکن پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے اس میں اس قدر غلو کیا ہے کہ اپنے کیرکٹرز کو غیر حقیقی بنا دیا ہے۔ یعنی اگر آپ ڈھونڈیں بھی تو ایسے آدمی کا وجود نہ دنیا میں ہے اور نہ ہونا ممکن ہے!!

انور:۔ پھر بھی یہاں کے ناول کی حالت ڈرامے سے بہت اچھی ہے اور روز بروز اچھی ہوتی جاتی ہے... لیکن ڈرامے کی اگر یہی حالت کچھ دن اور رہی تو یا تو ڈراما ہی ناپید ہو جائیگا یا پھر پبلک کی بے حسی اور بد مذاقی ہی حد سے گزر جائیگی!!

منصور:۔ اچھا چلیے۔ ہندوستانی ڈرامے کی ناقابل برداشت تکلیف چل کر ایک مرتبہ اور برداشت کر لیجئے۔ پھر دکھے ہوئے دل سے جب آپ مضمون لکھئے گا تو قلم بھی خوب چلیگا۔

انور:۔ (مستعدی سے اٹھکر)... چلئے میں تیار ہوں ہر بلا کہ از آسمان آید بگذرد۔ کیا کریں گے جو کچھ کوفت اور خلش قسمت میں لکھی ہوئی ہے وہ برداشت کرنا ہے برداشت کر لیجئے!!

اس کے بعد منصور اور انور ہندوستانی تھیٹر کی ستم ظریفیوں کی لذیذ مصیبت برداشت کرنے کے لئے چلدیئے۔..........

....

تھیٹر جاتے وقت انور کے ذہن سے یہ خیال اتر گیا کہ وہ سٹیاکروزین ایک پوشیدہ اور غیر معروف زندگی بسر کرنے کے ارادے سے آیا تھا

تھیٹر ہوتا رہا اور انور اور منصور اس پر ہنستے اور فقرے چست کرتے رہے...

وہی...تو بھی وہ تانا گیت اس طرح گایا گیا۔ وہی خونخوار آدمی پیچ پر ہو کے شیر کی طرح بپھرا کیا۔ اور پھر پھر کر بلبل بوم صفت کی طرح گاتا رہا۔ وہی غیر فطری ایکٹنگ وہی لیپا پوتی۔ وہی ڈھول دھپّا۔ وہی گرا ہوا بازاری مذاق۔ وہی بیوقت کی جھنجھنا کی طرح بجل اور بے سر و پا گانا ہوتا رہا۔ اور تماشائی ہنس ہنس کر خوب لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ وہی ساری خوش فعلیاں اور حماقت نوازیاں ہوتی رہیں۔ جس کیلئے ہندوستانی تھیٹر مخصوص اور مشہور ہے!!

صرف انور کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ تیز اور خطرناک آنکھیں دو گھنی گھنی بھنووں کے نیچے سے اسے برابر گھورتی رہیں... اور جب وہ منصور کے ساتھ واپس گیا تو وہ بھاری مضبوط پیر آہستہ آہستہ اس کے پیچھے پیچھے کچھ دور پر برابر قدم بقدم چل رہے تھے!!

اس کو یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ جب وہ اپنے کمرے میں نہایت گہری نیند سو رہا تھا تو ایک بدصورت۔ قوی۔ خوفناک شخص اس کے مکان کے اندر گرد لاگو شیر یا لکڑ بھگے کی طرح دبے پاؤں گھوم رہا تھا...... وہ سنگدل اور کالا شیطان جس کا نام ڈاکٹر شیرازی تھا۔ انور کے چلے جانے کے بعد ایک رات بھی مطمئن نیند نہ سو سکا....

.....وہ جانتا تھا کہ انور آسانی سے شکست کھانے والا شخص نہیں ہے اس کی کامیابی کے لئے انور کا صرف بمبئی ہی سے ناپید ہونا کافی نہ تھا بلکہ انور کا دنیا سے بھی ناپید ہو جانا ضروری تھا.......

چنانچہ اس نے انور اور کشور کی خانہ جنگی کے دوسرے ہی دن صبح ہر طرف اپنے جاسوس دوڑا دیئے تھے!!......مگر بیگناہ انور ان خفیہ سازشوں سے بالکل بے خبر تھا۔
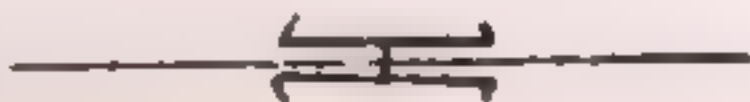
اکتیسواں باب

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
واللہ وہ زمین نہیں وہ آسماں نہیں

انور کے غائب ہو جانے کے دوسرے دن مہ جبین نے اپنے گلے کا خوبصورت قیمتی طلائی تعویذ اُتار کر شکور کو دیا اور کہا یہ تعویذ بہت پرانا اور میلا ہو گیا ہے جاؤ اسے توڑوا کر پان کی شکل کا بنوا لاؤ اور گنڈہ ہوا بھی لانا مجھے چوکور تعویذ اب اچھا نہیں معلوم ہوتا۔"

شکور تعویذ لیکر ایک سنار کی دکان پر پہنچا سنار نے سونا گلانے کے لئے تعویذ کھولا تو اس میں ایک کاغذ تہ کیا ہوا نکلا شکور نے اس کاغذ کی تہیں کھولیں اس پر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور بیچ بیچ میں چکر بنے ہوئے تھے جن کے خانوں میں مختلف ہندسے لکھے تھے شکور کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا وہ سوچنے لگا۔ تعویذ نہ تو ایسے ہوتے ہیں اور نہ وہ اس طرح ہندی میں لکھے جاتے ہیں۔ یہ تو کوئی جنم پتر سا معلوم ہوتا ہے میں نے اسی قسم کے جنم پتر اور بھی دیکھے ہیں۔" وہ فوراً اٹھا اور سیدھا ایک طاقانی جوتشی کے پاس پہنچا اور اسے جنم پتر دکھا کر پوچھنے لگا کہ بتاؤ یہ کس کا جنم پتر ہے اور اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ جوتشی دیر تک جنم پتر غور سے پڑھتا رہا اور پنسل سے کچھ حساب لگاتا رہا پھر بولا کہ یہ جنم پتر نواب صاحب فخر الدین کی دوسری کنیا کا

شکور:۔ اور کنیا کا نام

جوتشی:۔ وہ تو نہ اس میں لکھا ہے اور نہ عام طور سے لکھا جاتا ہے۔

شکور:۔ اور خاں صاحب فخرالدین کون ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ اس میں کچھ لکھا ہے؟

جوشی:۔ نہیں۔ مگر یہ تو تمہیں خود جاننا چاہیئے!

شکور:۔ میں تو اس نام کے کسی شخص کو بھی نہیں جانتا.............

اور لڑکی کی عمر کیا ہے؟

جوشی:۔ کیا عمر اب حساب سے ۱۹ سال پانچ مہینہ سات دن ہونا چاہئیے

شکور:۔ (دل میں) یہ تو مس مہ جبین ہی کی عمر معلوم ہوتی ہے مگر ان کے باپ کا نام خاں صاحب فخرالدین ہے! یہ کیا؟....

دیر تک بڑے غور و فکر میں رہا پھر وہاں سے اُٹھ کر اور جوشی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور جنم پتر ہاتھ میں لیے سیدھا مہ جبین کے پاس پہنچا اور ایک عجیب اضطرابی کیفیت سے اُس نے مہ جبین سے پوچھا "آپ خاں صاحب فخرالدین کو جانتی ہیں؟

مہ جبین:۔ (تعجب سے) نہیں۔ میں تو نہیں جانتی مگر تم کیوں پوچھتے ہو؟

شکور:۔ وہ تعویذ جو آپ نے مجھے دیا تھا آپ ہی کا تھا یا کسی اور کا؟

مہ جبین:۔ وہ تو میرا ہی تھا میں اسے اپنے بچپنے سے پہنتی تھی۔

اس وقت چمپا بھی آ گئی اور دونوں کی متحیر صورتیں دیکھ کر پوچھنے لگی خیریت تو ہے؟ آپ دونوں کے چہرے کیوں اس قدر پیلے پیلے معلوم ہوتے ہیں؟"

شکور:۔ چمپا تم خاں صاحب فخرالدین کو جانتی ہو؟

چمپا:۔ (ناز سے) اُئے ہے کچھ بھنگ تو نہیں پی ہے؟ میں کیا جانوں تمہارے خاں صاحب فخرالدین کو اور مجھے انھیں جاننے کی وجہ؟

شکور:۔ سچ بتاؤ تم نے خاں صاحب فخرالدین کو کیا مس مہ جبین کی والدہ کے یہاں آتے جاتے کبھی بھی نہیں دیکھا؟

چمپا:۔ (ناز سے) اے سنا۔ تم یہاں نشہ وشہ پی کے نہ آیا کرو۔ ہاں مجھے نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ بڑے آئے وہاں سے۔ کہہ تو دیا اور کس طرح کہا جاتا ہے کہ میں کیا میرے فرشتہ خاں بھی تمہارے چہیتے خاں صاحب فخرالدین کو نہیں جانتے۔ خیریت تو ہے۔ یہ آج خاں صاحب فخرالدین تمہارے سر پر کیوں سوار ہیں؟

شکور:۔ (چمپا کو نظر انداز کرکے مہ جبین سے)... آپ کو معلوم ہے کہ آپکی عمر اس وقت کیا ہے؟

چمپا:۔ ہاں مجھے معلوم ہے۔ ان کی عمر قریب ۱۶ سال کی ہے مجھ سے ان سے کوئی ڈیڑھ سال کی چھوٹائی بڑائی ہے!!

مہ جبین:۔ ہاں چمپا ٹھیک کہتی ہے!!

شکور:۔ (مہ جبین سے) مس ماہ لقا بھی کبھی تعویذ پہنتی ہیں؟

مہ جبین:۔ نہیں تو۔ میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔

چمپا:۔ اور نہ میں نے۔

شکور:۔ اور آپ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو ان کی کیا عمر تھی؟

مہ جبین:۔ باجی کہتی تھیں کہ پچپن سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

شکور:۔ اور ان کے انتقال کو کتنا عرصہ ہوا؟

مہ جبین:۔ سات سال ہو گئے۔ اب یہ آٹھواں لگا ہے......

شکور:۔ اور ماہ لقا آپ سے کتنے سال کی بڑی ہیں۔

مہ جبین:۔ قریب انیس یا بیس سال!!

شکور:۔ ایک بیک نہایت پرجوش لہجے میں) میں آپ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ مس ماہ لقا آپ کی بہن ہیں اور نہ آپ کسی طوائف کی لڑکی ہیں بلکہ آپ ایک شریف اور معزز گھرانے کی لڑکی ہیں اور آپ کے والد کا نام خاں صاحب فخرالدین ہے!!

مہ جبین (تعجب سے) یہ تم کیا کہہ رہے ہو! اور یہ ہو ہی کیسے سکتا ہے؟ شکور آج

تم واقعی کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو ایسی باتیں جن کا نہ سر ہے نہ پیر!.......

شکور:۔ اور میں بالکل سچ کہتا ہوں کہ آپ کے والد صاحب کا نام خاں صاحب فخر الدین ہے اور آپ ان کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ اس کے بعد شکور نے جنم پتر کا سارا قصہ مہ جبین سے بیان کر دیا اور پھر کہنے لگا۔

بتلایئے اب بھی آپ کو اس میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہیں مہ جبین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کو ایک سکتہ سا ہو گیا اسکے ہونٹ خشک اس کا منہ فرطِ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کے جسم میں سر سے پیر تک ایک عجیب سنسنی سی پیدا ہو گئی۔ اس کا دل کسی برقی پنکھے کی طرح نہایت تیزی سے چلنے لگا۔

واقعات سب صحیح تھے اور جو نتیجہ ان سے نکلتا تھا وہ بھی بالکل صاف تھا۔ تعویذ مہ جبین ہی کا تھا۔ وہ اسے اپنے بچپن ہی سے پہنتی چلی آئی تھی اس لئے جنم پتر بھی اسی کا تھا۔ اور اس کی مزید تصدیق اس سے او بھی ہوتی تھی کہ جس لڑکی کا جنم پتر تھا اسکی عمر اور مہ جبین کی عمر قریب قریب ایک ہی تھی پھر اگر جنم پتر اسی کا تھا تو وہ خاں صاحب فخر الدین کی دوسری لڑکی بھی ضرور تھی۔ البتہ یہ نا ممکنات سے نہ تھا کہ وہ خاں صاحب فخر الدین کی بھی لڑکی ہو اور اپنی طوائف پیشہ ماں کی بھی لڑکی ہو مگر اس خیال کی تردید کئی باتوں سے ہوتی تھی۔ اول تو یہ کہ خاں صاحب فخر الدین اگر اسکے باپ ہوتے تو مہ جبین ضرور انکو اپنی ماں کے یہاں کبھی نہ کبھی آتے جاتے دیکھتی پھر کوئی شریف شخص ایسی اوا دار خاص کر لڑکی کے لئے جو کسی طوائف سے پیدا ہوئی ہو جنم پتر نہیں بنوا تا۔ علاوہ اسکے ماہ لقا کے پاس کسی تعویذ کا نہ ہونا اور اس کا مہ جبین سے انیس یا بیس سال بڑا ہونا اس کی صریحی تردید تھی کہ ماہ لقا خانصاحب فخر الدین کی پہلی لڑکی ہے اور آخری مگر سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ تھی جس پر مہ جبین نے اب تک کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ اگر سگی ماں آج زندہ ہوتی تو اسکی عمر قریب ۶۲ سال کے ہوتی لہذا مہ جبین کی پیدائش کے وقت حساب سے اسکی ماں کی عمر قریب ۴۵ یا ۴۶ سال کی ہوتی تھی جس سے

صاف ظاہر تھا کہ مہ جبین اس کی لڑکی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اول اس عمر میں اولاد ہوتی ہی نہیں اور بہر صورت خاں صاحب فخر الدین کا ایک ۴۵ یا ۴۶ سال کی عمر کی طوائف پر فریفتہ ہونا بالکل بعید از قیاس تھا۔

لیکن یہ ایک معمہ ضرور تھا کہ اگر مہ جبین اپنی فرضی ماں کی بیٹی نہیں تھی تو پھر وہ اس کے گھر میں بچپن سے پل کیسے اور خاں صاحب فخر الدین نے ابتک اس کی خبر کیوں نہیں لی۔ تاہم بیچاری مہ جبین کیلئے اس حقیقت کا انکشاف بھی کیا کم تھا کہ وہ واقعی طوائف زادی نہیں بلکہ شریف زادی ہے!!..... کس قدر اس کو اپنے کم نسبت ہونے کا رنج تھا اور کس قدر اب اس کو عالی نسبت ہونے کی مسرت ہوئی.... وہ بار بار اپنے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھتی تھی کیا واقعی یہ سچ ہے میں شریف ماں باپ کی بیٹی ہوں یا یہ محض ایک خوش رنگ دلفریب خواب ہے جو میں اپنی دلی خواہشات کی وجہ سے دیکھ رہی ہوں اور جس سے بہت جلد میں جاگ اٹھونگی اور جب میری آنکھ کھلے گی تو میں اپنے آپ کو پھر وہی بدتر کم نصیب طوائف زادی پاؤنگی جیسی کہ میں ہمیشہ سے تھی ہا!..............

دل میں۔ ہائے... یقین کرنے کو تو بہت جی چاہتا ہے مگر یقین نہیں آتا کہ یہ روح افزا خبر سچ ہے!! کیا واقعی میرے ماتھے سے یہ کلنگ کا ٹیکا ہمیشہ کیلئے مٹ گیا؟ کیا درحقیقت میں شریف زادی ہوں؟ کیا سچ مچ میں اس قید بے زنجیر سے رہا ہو گئی جس میں اب تک گرفتار تھی؟..... اور اگر یہ سب سچ ہے تو اے میرے خدا اے میرے مالک میں کیونکر اور کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں؟ یا اللہ میں ہوں تو وہی مہ جبین جو پہلے تھی مگر صرف ایک خیالی انقلاب صرف ایک زاویۂ نظر بدل جانے سے میں کیا سے کیا ہو گئی!!!...... (کچھ دیر بعد)......

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں گندگی اور نجاست میں تھڑی ہوئی تھی اور کسی نے مجھے نہلا دھلا کر تازہ پھولوں میں بسا ہوا ایک بیش بہا خلعت پہنا دیا..... میں یہ

محسوس کر رہی ہوں جیسے میں ایک بہت بڑے بوجھ سے دبی ہوئی پڑی تھی اور کسی نے دفعتاً وہ بوجھ مجھ پر سے ہٹا دیا اور میں بالکل ہلکی پھلکی آزاد اور سبکدوش ہو گئی!!......

اب مجھے کوئی حقارت کی نظر سے نہ دیکھیگا۔ اب میں دنیا میں اپنا سر اور اپنی نگاہ اٹھا کر چل سکوں گی.... اب مجھ پر ہر طرف سے انگلیاں نہ اٹھینگی کہ وہ دیکھو بمبئی کی حسین ترین طوائف جا رہی ہے.... اور میرا انور!.... میرا پیارا انور اب مجھے ذلیل نہ سمجھیگا۔

اب وہ مجھ سے پرہیز نہ کریگا..... اب اس کو مجھ سے نفرت نہ ہوگی!!.......

آہ۔ پیارے..... اگر اس وقت تم میرے پاس ہوتے تو تجھے کیسی دلی مسرت ہوتی!...

(پھر کچھ دیر کے بعد) خدا کرے میرے ابا جانی ابھی زندہ ہوں اور مجھے جلدی سے مل جائیں .... اور میری امی جان؟ ہائے انھیں مجھ بچھڑی ہوئی کو اپنی چھاتی سے لگانے میں کیسی خوشی ہوگی؟.... اور میری سگی بہن میری اصلی باجی جب مجھے دیکھیں گی تو کس مسرت بھرے جوش سے وہ مجھ سے لپٹ جائیگی.... اور ممکن ہے کہ میرا کوئی حقیقی بھائی بھی ہو! میں تو جانتی بھی نہیں کہ بھائی کی محبت کیسی ہوتی ہے.....

یا اللہ یہ کیسا پیارا دلفریب رنگین خواب ہے جو اس وقت میں دیکھ رہی ہوں! خدا نہ کرے کہ یہ محض ایک خواب نکلے! اے خدا مجھے جلد اس ناپاک زندگی کے منحوس دائرے سے نکال دے جس میں اب تک قید رہی ہوں اور مجھے اپنے اصلی خاندان سے ملا دے .... ہائے میرے پروردگار تو مجھے بہت آزما چکا۔ اب تو مجھے بہت جلد سلامتی کے کنارے پر لگا دے!! ہائے میرے خدا تو بڑا شفیق بڑا رحیم بڑا کارساز ہے!!"

ادھر حسین اپنے خیالات میں محو تھی ادھر چھپا اور شکور اپنے خیالات میں ڈوبے ہوئے خاموش بیٹھے تھے!!

بالآخر شکور بولا۔ اچھا! اب میں جاتا ہوں! اب مجھے آپکے والد صاحب کا پتہ لگانا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے پیارے آقا کو بھی تلاش کرنا ہے.... خدا کرے میں اپنے

ان دونوں ارادوں میں کامیاب ہو جاؤں۔"

مہ جبین:۔ (اپنے خیالات سے چونک کر)۔۔۔ تیکو رہیں تمھاری بیحد ممنون ہوں اور ہمیشہ ممنون رہوں گی۔

شکور:۔ یہ آپ کیا فرماتی ہیں اگر میری جان بھی آپ کے کام آجائے تو خدا کی قسم مجھے جان دینے میں ذرا بھی دریغ نہ ہو گا۔

یہ کہکر شکور باہر چلا گیا اور مہ جبین اور چمپا زندگی کے اس نئے باب کی نئی مسرتوں اور نوخیز امیدوں کی بابت آپس میں دیر تک باتیں کرتی رہیں۔۔۔۔۔۔۔

بتیسواں باب

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے

رات کیا آتی ہے مجھ پر کہ عذاب آتا ہے

ڈاکٹر شیرازی اور کشور سلطانہ کی برق رفتار دوستی لمحہ بلمحہ ترقی کر رہی تھی ڈاکٹر شیرازی کشور پر دل و جان سے فریفتہ تھا اور کشور ڈاکٹر شیرازی کا کلمہ پڑھتی تھیں۔ نہ کشور کو بغیر ڈاکٹر شیرازی کے چین تھا نہ ڈاکٹر شیرازی کو بغیر کشور کے قرار تھا۔

ڈاکٹر شیرازی کی صحبت کیا تھی بادۂ گلگوں کا نشہ تھا کہ جب تک نشہ رہتا تھا کشور دنیا کے سارے رنج و افکار بھولی رہتی اور ادھر ڈاکٹر شیرازی سے جدائی ہوئی اور ہر قسم کی ناقابل بیان تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔ ہر طرف سے افکار و تردّدات کی یورش ہوتے لگتی تھی اور زمانۂ ماضی کے حسین اور خوفناک خیالات دلدوز اور پُر لذت تصور رات آکر اسے ہر طرف سے گھیر لیتے تھے اور عجیب عجیب طرح سے اُسے ستاتے اور اسکے سکون قلب اور اطمینان دماغی کی بنیادیں ہلا ہلا دیتے تھے۔۔۔۔ وہ جب تک ڈاکٹر شیرازی

کے ساتھ مختلف تفریحات میں منہمک رہتی تھی اسے ساری باتیں فراموش رہتی تھیں۔ وہ ہنستی بھی تھی مسکراتی بھی تھی مذاق بھی کرتی تھی قہقہے بھی لگاتی تھی۔ مگر جب وہ رات کو سونے کیلئے لیٹتی تھی اور بالکل تنہائی ہوتی تھی۔ اس وقت کمرے کا کوئی گوشہ کوئی حصہ ایسا نہ تھا (اور یہ وہی کمرہ تھا جس میں اسکی اور انور کی آخری ملاقات ہوئی تھی) جہاں سے انور کی غمناک صورت اسے دکھائی نہ دیتی ہو۔ انور کی وہ خوبصورت تاشک آلودہ آنکھیں وہ حسرت آگین ملامت بھری نگاہیں ہر سمت سے اُسے گھورتی تھیں۔ وہ آنکھیں بند کر کے دل سخت کر کے کوشش کرتی تھی کہ یہ صورتیں اسے نظر نہ آئیں مگر اسکی ساری کوششیں بے سود تھیں۔ وہ صورتیں اسکی بند آنکھوں کے سامنے ویسی ہی پھرتی رہتی تھیں جیسی اسکی کھلی ہوئی آنکھوں کے سامنے وہ اسے گھورتی اور ملامت کرتی تھیں۔

مشہور ہے کہ قاتل کو تنہائی میں ہر تاریک گوشے سے مقتول کی صورت نظر آتی ہے کشور کے قلب کی حالت بھی ایک قاتل کی قلبی کیفیت سے زیادہ مختلف نہ تھی..... باوجود ڈاکٹر شیرازی کی جبتی محبت اور جادو اثر گفتگو کے بار بار اسکے دل میں یہ خیال اگر نشتر کی طرح چبھتا تھا کہ معنوی حیثیت سے وہ انور کی قاتلہ ہے! اکئی کئی گھنٹوں تک اور بعض اوقات رات رات بھر وہ اپنے نرم نرم بستر پر اس طرح بے چینی سے کروٹیں بدلتی تھی جیسے وہ نوکدار کیلوں کا بستر ہو.....

انور کے غائب ہونے کے قریب ایک ہفتہ کے بعد ایک رات کشور اسی طرح کروٹیں بدل رہی تھی اور سوچ رہی تھی.... ہائے! میں نے یہ کیا غضب کیا! اس پھول کو میں نے اپنے پیروں سے کچل ڈالا جو میری گلستان محبت میں اکیلا کھلا تھا..... کیا انور کی وفاداری اور محبت کا تقاضا یہی تھا؟..... کیا اسکے احسانوں کا بدلہ یہی تھا؟ اسکی جانبازی اور جاں نثاری کا صلہ یہی تھا؟..... آہ! میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھر میں آگ لگادی.... نہیں معلوم انور کہاں چلا گیا؟ میں سمجھتی تھی کہ وہ دو ایک

دن میں واپس آجائیگا۔ مگر میرا خیال بالکل غلط نکلا!!۔۔۔۔ کہیں خدا نخواستہ ایسا تو نہیں
ہوا کہ اس نے غم کی شدت میں اپنی جان دیدی ہو۔ خودکشی کرلی ہو!۔۔۔ (ایک ٹھنڈی جھر
جھری اسکے جسم میں ہو کر گزرگئی اور وہ کانپنے لگی۔ جلدی سے اس نے اپنا مخملی کمبل اپنے منھ پر
کھینچ لیا اور دیر تک وہ منھ لپیٹے پڑی رہی پھر آہستہ آہستہ کھولکر) مگر نہیں وہ خودکشی نہیں
کریگا۔۔۔ انور کم ہمت پست حوصلا اور بزدل نہیں ہے!!۔۔۔ بہت ممکن ہے کہ ڈاکٹر شیراز ی
جو کچھ انور کے خلاف میرے کان بھرا کرتے ہیں۔ اس کا سبب محض حسد اور رقابت ہو۔۔
اور زہرہ بھی غالباً اپنے بھائی ہی کی طرفداری میں ہر وقت انور کی بُرائیاں کرتی رہتی ہے
اگر انور کو میری دولت اور جائداد کی حرص ہوتی تو وہ مجھے اس طرح چھوڑ کر چلا نہ جاتا وہ
میری چیز کیا اپنی بھی کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔۔۔ خدا معلوم کیسے اسکی گذرتی ہوگی!
۔۔۔ دولت کے بھوکے ایسے نہیں ہوتے!! دولت کے بھوکے اس طرح دولت چھوڑ کر
نہیں چلے جاتے!! رہا یہ کہ انور مہ جبین کے حسن کا دلدادہ ہے تو اس پر مجھے خفا ہونے
کا حق ہی کیا ہے؟ کیا انور جس سے اس کا جی چاہے اس سے محبت نہیں کرسکتا؟ کس قانون
اور کس معاہدہ کی رو سے مجھ سے محبت کرنے پر مجبور تھا؟ اگر میں اس کو چاہتی ہوں تو
کیا یہ بھی کوئی ضروری بات ہے کہ وہ بھی مجھے چاہے!! اور پھر کیا معلوم کہ وہ میرے دل کی
اصلی کیفیت سے واقف بھی ہے یا نہیں کیونکہ میں نے آج تک اس سے اپنی محبت کا اظہار کبھی
اشارۃً یا کنایۃً بھی نہیں کیا!! علاوہ اسکے محبت میں حکومت کیسی میں ہزار اسکو چاہوں
ہزار اس پر جان و دل فدا کروں مگر میں کیا دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسے
اس پر مجبور کرسکے کہ وہ بھی ضرور مجھے چاہے؟

اور وہ مجھے کیسے چاہے اور کیوں چاہے؟ میں نے مہ جبین کو دیکھا ہے اور اس میں
شک نہیں کہ حسن اس پر ختم ہے۔ وہ حسن کی ملکہ اور حسن کی دیوی ہے۔ میں اسکے پاؤں کا
دھوون بھی نہیں ہوں پھر انور اگر اس پر فریفتہ ہے تو تعجب کیا؟ مگر ہائے میں کیا کروں کہ میرا یہ

نادان، زود رنج، دل رقابت کی جلن اور خلش برداشت نہیں کر سکتا! میں یہ نہیں دیکھ سکتی کہ میں انور کو چاہوں اور انور کسی اور کو چاہے...... میں اس کی تاب نہیں لا سکتی کہ میں انور پر جان قربان کروں اور وہ کسی اور پر دل نثار کرے... محبت اور عقل سلیم دو بالکل برعکس چیزیں ہیں..... اسی وجہ سے مشہور ہے کہ محبت اندھی ہوتی.... اور بہری ہوتی ہے۔ اور بقول پیارے انور کے گونگی بھی ہوتی ہے... پھر جو چیز اندھی اور بہری اور گونگی ہو اسے عقل سے کیا سروکار؟... محبت کی دنیا میں عقل کی نہیں چلتی... محبت کی دنیا میں صرف جذبات کی آندھیاں ہوتی ہیں اور خون کا ابلتا ہوا طوفان..... اور بجز ان دو چیزوں کے کوئی تیسری شے نہیں ہوتی!!.....

خدا معلوم کیوں کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے؟ یہ عقدہ نہ آج تک حل ہوا اور نہ حشر تک حل ہوگا!! میں کیسے اس کا جواب دوں کہ مجھ کو انور سے کیوں محبت ہے؟ اور انور کو مجھ سے کیوں محبت نہیں.... یہ ایک معمہ ہے جو ہمیشہ معمہ رہیگا!.....

آج مجھے نیند تو آتی نہیں! یہاں اس کمرے میں کروٹیں بدلنے سے فائدہ؟ چلوں ذرا انور کے کمرے میں چلوں! وہاں اس کا پلنگ ہے!.... اس کے کپڑے ہیں! اس کی چیزیں ہیں!... اس کی خوشبو ہے!!!

اور یہاں صرف اس کی غمگین صورت ہے۔ یہاں صرف اس کی ملامت بھری آنکھیں ہیں جنھوں نے میری آنکھوں سے نیند اڑا دی ہے۔ میرا چین میرا آرام مجھ سے چھین لیا ہے!!

اس کمرے میں میری سنگدلی میری خود غرضی محسن کشی کی بو آتی ہے۔ انور کے کمرے میں انور کی محبت کی خوشبو ہوگی......

کشور اٹھی اور اٹھ کر آہستہ سے اپنے کمرے سے باہر نکلی اور دبے پاؤں انور کے کمرے تک گئی۔ رات کے دو بجے تھے.... ہر طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ہر چیز

حالت سکوت وجمود میں تھی صرف موٹروں اور ریلوں کے چلنے کا شور فاصلے اور رات کی تاریکی سے ڈھکا ہوا کبھی کبھی سنائی دیتا تھا کبھی کبھی کسی انجن کی چیخ ہوا کیساتھ لہراتی ہوئی کانوں سے آکر ٹکراتی تھی اور کبھی کسی پولیس والے کی سیٹی یا چوکیدار کی آواز رات کے سکوت کو توڑتی تھی... کشور کے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے اور اس کی کمر سے کچھ نیچے تک لہرا رہے تھے۔ اسکے پاؤں میں ایک خوبصورت اور سبک مخمل کا سلیپر تھا اور کمرے سے چلتے وقت اس نے ایک ہلکا سا بوٹی دار ریشمی گون بے پروائی سے اپنے اوپر ڈال لیا تھا... اسکے ہونٹ سرخ اور خشک۔ اس کا چہرہ اسکے اندرونی جذبات سے گرم اور رنگین تھا۔

انور کے کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا بند نہ تھا۔ ذرا سا دھکا دینے سے وہ کھل گیا۔ اسکے کھلتے ہی ایک مانوس خوشبو جو انور کی شخصیت کے ساتھ مخصوص تھی کشور کو محسوس ہوئی۔ اس نے کمرے کے اندر داخل ہو کر دروازہ آہستہ سے بند کر کے بجلی کی روشنی جلا دی۔

ہر چیز اسی حالت میں تھی جس حالت میں انور چھوڑ کر چلا گیا تھا کشور نے خاص طور سے ہدایت کر دی تھی کہ کمرے کی کوئی چیز اپنی جگہ سے ہٹائی نہ جائے۔ جو چیز جہاں پر ہو وہیں رہنے دی جائے۔ چنانچہ کمرے کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انور ابھی کسی کام سے دروازہ کھول کر باہر گیا ہے اور ابھی واپس آتا ہی ہوگا..... پلنگ پر وہی چادر بچھی ہوئی تھی جس پر انور سوتا تھا۔ سرہانے وہی ریشم کا کڑھا ہوا پھول دار نرم نرم تکیہ تھا۔ پائنتی وہی ہلکے فالسائی رنگ کی ریشمی چادر تہ کی ہوئی رکھی تھی قریب ہی ایک کرسی پر اسی طرح انور کا چین ڈوریے کا کرتا اور پاجامہ پڑا ہوا تھا!! اور کرسی کے پاس ہی اسکے ساتھ وارنش کے پمپ قاعدے سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے رکھے تھے... کشور نے نہ معلوم کیوں انور کا کرتہ آہستہ سے اٹھایا اور اسے سونگھا تو اس میں گلاب کے عطر کی بھینی بھینی سی خوشبو ابھی تک موجود تھی..... اسکی خوشبو سے کشور کا دل یک بیک عجیب طرح سے دھڑکنے لگا۔ انور کو گلاب کی خوشبو بہت پسند تھی اور کشور کو تو

معلوم تھا... کچھ دیر تک اس کے قلب کی عجیب حالت رہی جو وہ نہ خود بیان کر سکتی تھی اور نہ ہم بیان کر سکتے ہیں... اس کے دل میں اس وقت یہ متضاد احساس تھا کہ انور اس سے کس قدر قریب ہے اور پھر کس قدر دور ہے۔

سنگھار میز پر کشور کی نظر پڑی تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے ابھی ابھی انور اپنے بال بنا کر باہر گیا ہے۔ کنگھا ٹیڑھا رکھا ہوا تھا اور برش ایک دوسرے سے الگ اس طرح بے پروائی سے پڑے ہوئے تھے جیسے کسی نے جلدی سے بال سنوارے ہوں اور پھر فوراً ہی باہر چلا گیا ہو......

کشور آئینے کے سامنے دیر تک کھڑی رہی اور بے خیالی میں اپنی صورت دیکھا کی... دل میں اس کے یہ خیال آ آ کر چٹکیاں لے رہا تھا کہ اسی آئینہ میں انور اپنی صورت دیکھا کرتا تھا۔ پھر وہ سوچنے لگی کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اس وقت انور کی صورت اس آئینہ میں دیکھ لوں... مگر آہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر اس کے دل کی خواہش یہ تھی کہ انور کی صورت دیکھے تو یہ خواہش اس کی فوراً ہی پوری ہو گئی۔ آئینہ میں تو نہیں مگر آئینہ کے سامنے ہی چاندی کے چوکھٹے میں انور کی ایک نہایت خوبصورت تصویر رکھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی کشور کی نظر اس پر پڑی اس نے وہ تصویر ایک مضطربانہ انداز سے اٹھالی اور اٹھا کر عجیب جوش سے اس نے نہ معلوم کتنے مرتبہ اسے بار بار پیار کیا اور پھر وہیں آئینہ کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر ایک ہاتھ سے تصویر........ اپنے سینہ سے لگا کر اور ایک ہاتھ سنگھار میز پر اور اس ہاتھ پر اپنا سر رکھ کر بے اختیار رونے لگی..... اور دیر تک روتی رہی یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بند ہو گئیں......

اس کو اس وقت انور کی ساری وفاداریاں اور جاں نثاریاں یاد آ رہی تھیں اور مقابلتاً اپنی بیدردی اور سنگدلی۔ اس کو اس وقت انور کی شرافت، خلوص اور سچائی یاد آ رہی تھی، اور مقابلتاً اپنی بدزبانی اور احسان فراموشی۔ اس کو اس وقت انور کی

قابلِ پرستش ہنستی صورت یاد آ رہی تھی اور مقابلتاً اپنی ناقدر دانی اور بے انتہائی ناشکری!!.......

دل میں :- ہائے مجھے میرا انور اگر مل جائے تو میں سب کچھ معاف کر دونگی میں ساری باتیں بھول جاؤنگی - میں اس کے ہاتھ جوڑکر اس کے پیروں پر گر کر اپنی ساری خطائیں معاف کراؤنگی .... اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضرور معاف کر دیگا کیونکہ میرے انور پر شرافت اور خوش اخلاقی ختم ہے!!.... اگر مجھ کو میرا انور مل جائے تو اب میں کبھی اسے جانے نہ دونگی - میں کبھی اسے ناراض نہ کرونگی - میں کبھی کوئی ایسی بات نہ کرونگی جس سے اس کے دل کو ذرا بھی رنج پہنچے یا جو اسے ذرا بھی ناگوار ہو.......

میں نے اس کی بڑی ناقدری کی - اب میں اس کی دل سے قدر کرونگی ... خدا معلوم مجھے اس منحوس رات کو کیا ہو گیا تھا - میرے سر پر اس وقت شیطان سوار تھا - میری زبان سے اس وقت شیطان بول رہا تھا - میرے دل پر اس وقت شیطان حاوی تھا میں اندھی ہو گئی تھی - میں بہری ہو گئی تھی - میری عقل اور سمجھ اس وقت مجھے چھوڑکر چلی گئی تھی...... انور نہیں بدلا تھا ... میں خود بدل گئی تھی .... انور احسان فراموش نہیں میں خود احسان فراموش تھی - انور بے وفا نہیں تھا ... میں خود بیوفا تھی .... انور پر دولت کا نشہ نہیں تھا - میں خود ہی دولت کے نشہ میں چور تھی ... انور نے دغابازی نہیں کی تھی ... میں خود اس سے دغابازی کر رہی تھی! انور میں کوئی خرابی نہ تھی - ساری خرابی خود میرے ہی دل اور میرے ہی دماغ کی تھی.........

وہ روتی رہی اور سوچتی رہی - وہ سوچتی رہی اور روتی رہی - بالآخر جب آنسوؤں کا طوفان فرو ہوا جب پیشانی کا پسینہ خشک ہوا تو کشور نے اپنا سر اٹھایا - آئینہ سے دو خوبصورت کسی قدر سُرخ آنسو بھری آنکھیں اس کو دیکھ رہی تھیں ، اور جو چہرہ آئینہ میں دکھائی دے رہا تھا اس پر ایک طرف اس کی چوڑیوں کا سُرخ سُرخ

نقش تھا۔ اس کے بال پریشان اس کے ماتھے پر پسینہ تھا۔ ۔ ۔

یک بیک بلا کسی وجہ کے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ سنگھار میز کی چھوٹی چھوٹی درازیں کھولے اور کھول کر دیکھے ۔ ۔ ۔ ایک دراز بالکل خالی نکلی۔ ایک دراز میں ایک پنسل اور قلم ملا تیسری دراز میں ایک کھلا ہوا لفافہ ملا۔ لفافہ پر انگریزی میں انور کا نام اور پتہ لکھا تھا مگر طرز تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی عورت کی تحریر ہے کشور سوچنے لگی کہ اسے یہ خط کھولنا چاہیئے یا نہیں۔ وہ اپنے دل سے یہ بحث کر رہی تھی کہ اسے انور کے خط کھولنا چاہیے یا نہیں وہ اپنے دل سے یہ بحث کر رہی تھی کہ اسے انور کے خط کھولنے کا کوئی حق ہے یا نہیں کہ دفعتاً اس کی نگاہ اتفاق سے خط کے اندر کے حصے کے چند الفاظ پر پڑی جو لفافے کے زیادہ پھٹ جانے سے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے "زخمی دل شکستہ مہ جبین"۔ کشور کی نگاہ ان الفاظ پر پڑی اور وہیں جم کر رہ گئی۔ یکبارگی ایک شعلہ اس کے دل سے بھڑک اٹھا اور آناً فاناً اس شعلہ نے کشور کے جسم میں چوٹی سے ایڑی تک آگ لگا دی یہ شعلہ رقابت کا شعلہ تھا۔ یہ آگ حسد کی آگ تھی۔ !!!

کشور:۔ (دل میں دانت پیس کر) اسی کمبخت مہ جبین نے مجھ سے میرے انور کو چھین لیا اسی مکر و فریب کی دیوی نے میرے انور کو اپنے جال میں پھنسا لیا مجھ کو اسی زہریلی ناگن نے ڈسا ہے۔ ورنہ جب میں انور کے لئے دیوانی تھی تو یہ ناممکن تھا کہ انور مجھے نہ چاہتا۔ اسی جادوگرنی نے جادو کر کے میرے انور کو مجھ سے اور مجھ کو میرے انور سے جدا کر دیا مگر ۔ ۔ ۔ یہ اپنے آپ کو "زخمی اور دل شکستہ" کیوں لکھتی ہے؟ کیا جس سے انور ایسا شخص محبت کرے جس پر انور ایسا شخص فریفتہ ہو وہ اپنے آپ کو کبھی زخمی اور دل شکستہ لکھ سکتی ہے؟ یہ تو نہایت غیر معمولی الفاظ معلوم ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ مہ جبین اپنے آپ کو "زخمی اور دل شکستہ" کیوں لکھتی؟ ۔ ۔ ۔ سمجھ میں نہیں آتا ۔ ۔ ۔ ۔ اب تو چاہے کچھ بھی ہو میں ضرور ہی پڑھونگی۔ بغیر پڑھے میں اب رہ نہیں سکتی ۔ ۔ ۔ ۔ "

کشور نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے لفافے میں سے خط نکالا۔ خط تین ورقوں پر دونوں طرف لکھا ہوا تھا۔

کشور نے نیچے کے ہونٹ کو دانتوں سے دبا کر دھڑکتے ہوئے دل سے خط پڑھنا شروع کیا۔۔۔۔ (القاب پڑھ کر)۔۔۔ ایں۔۔۔ یہ "بیوفا انور" کیا؟ آخر انور نے مہ جبین سے کون ایسی بیوفائی کی جو اس کو بیوفا انور کے لقب سے اس نے یاد کیا؟۔۔۔ (پھر خط پڑھنے لگی اور کچھ پڑھ کر دفعتاً رک گئی) یہ تو عجیب بات میں نے پڑھی۔۔۔ سخت تعجب ہے!! (پھر اسی کو دوبارہ پڑھ کر) میں جانتی ہوں کہ اس کا تم پر کوئی اثر نہ ہوگا اور پھر بھی تم کو لکھ رہی ہوں۔ دارفتگی اسی کا نام ہے! میں جانتی ہوں کہ تم میری پرواہ نہیں کر سکتے اور پھر بھی میں تم پر مری جاتی ہوں دیوانہ پن اسی کو کہتے ہیں!!۔۔۔ تو کیا انور مہ جبین سے بے پروائی کرتے تھے؟ کیا انور مہ جبین کو نہیں چاہتے تھے؟ مجھے یقین نہیں آتا۔ مگر کیسے یقین نہ کروں۔۔۔۔ (پھر خط پڑھنے لگی اور چند سطروں کے بعد اس نے پڑھا) میں جانتی ہوں کہ تم کشور سے دل ہار چکے ہو! تم ان کے عاشق ان کے دیوانے ہو! وہ شمع ہیں اور تم ان کے پروانے ہو! (شدت استعجاب سے) آخر مہ جبین یہ کیا لکھ رہی ہے؟ دیوانی تو نہیں ہو گئی ہے؟ انور مجھ سے دل ہار چکے ہیں! انور میرے عاشق میرے دیوانے ہیں؟ یہ آخر اسے کیا معلوم ہوا؟ مگر بغیر واقفیت یا اصلیت کے اس نے لکھا کیسے اور پھر اس پرزور طریقے سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا (پھر آگے پڑھ کر) یہ بھی میں جانتی ہوں کہ نہ تم میرے ہو اور نہ میرے ہو سکتے ہو مگر اپنے بدنصیب اور بے حیا دل کو کیا کروں کہ جس قدر تم مجھ سے کھینچتے ہو اسی قدر میں تمہاری طرف کھینچی ہوں کیا قہر ہے جتنا کہ وہ چاہت سے رکے ہے اتنا ہی اسے چاہے ہے دل! اور زیادہ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو اپنے اوپر بالکل اختیار نہیں باقی رہا۔ تم کشور کے اختیار میں ہو اور میں تمہارے اختیار میں۔ (انتہائی تعجب سے) یہ تو کچھ اور ہی نقشہ نظر آتا ہے۔ یہ تو کچھ اور ہی

باعث معلوم ہوتی ہے۔ ایسی بات جو میرے وہم گمان میں ابھی تک نہیں آئی تھی یعنی یہ کہ انور مجھ سے محبت اور مہ جبین سے پرہیز کرتا تھا۔ مجھے یقین آتا ہے اور پھر نہیں آتا۔

وہ پھر خط پڑھنے لگی وہ پڑھتی جاتی تھی اور اس کی حیرت بڑھتی جاتی تھی ہر جملے کے ساتھ اس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر ہر چیز اور ہر ہر واقعے پر ایک بالکل نئی روشنی پڑتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب اس نے خط ختم کیا تو گذشتہ واقعات کی صورت ہی بالکل بدل گئی اور مہ جبین کشور کی آنکھوں میں کچھ سے کچھ ہو گئی۔ کہاں تو وہ اس کو ایک نہایت ہی ذلیل اور قابل نفرت ہستی سمجھتی تھی اور کہاں اب وہ اسکو ایک نہایت ہی سمجھدار بلند خیال مستقل مزاج اور پاکدامن لڑکی خیال کرنے لگی اور سب سے زیادہ مسرت آمیز راز جو اسے دریافت ہوا وہ یہ تھا کہ انور مہ جبین کا نہیں بلکہ خود اسی کا دیوانہ تھا۔

کشور نے اس خط کو کئی مرتبہ پڑھا اور ہر مرتبہ اس کو یہ محسوس ہوا کہ اس خط نے اس کی دنیا ہی بالکل بدل دی۔ اس خط نے اس کی مردہ امیدوں کو پھر جلا دیا اس خط نے اس کی زندگی میں ایک نئی روح پھونکدی۔ اس خط نے اسکے خیالات میں دفعتاً ایک نہایت مسرت آمیز اور عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔

وہ بہت دیر تک اپنے دانتوں سے انگلی دبائے پر سرور حیرت کی تصویر بنی ہوئی بیٹھی رہی۔ تمام گذشتہ واقعات سینما کی متحرک تصویروں کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گذر رہے تھے۔ مگر ہر واقعے کی شکل بدلی ہوئی تھی ہر واقعے پر ایک نئی روشنی پڑ رہی تھی۔

کشور:۔ (دل میں) انور ہی عالی دماغ اور پاکیزہ خیال تھا۔ اس نے مہ جبین کو اس کی بہن کے گھر سے بھگایا نہیں تھا اس نے صرف ایک عالی حوصلہ بلند خیال لڑکی کو اس کی عصمت کے دشمن سے بچایا تھا۔ انور مہ جبین کا دلدادہ نہیں تھا

بلکہ وہ میرا شیدائی تھا ممتاز میرے پاس انور کا دوست بن کر نہیں آیا تھا۔
ممتاز میرے پاس انور کا شکست خوردہ رقیب بن کر آیا تھا اور دنیا میں سب سے
خطرناک دشمن وہ ہمراز دوست ہوتا ہے جو دشمن ہو جائے ۔۔۔۔۔۔۔

انور میری دولت کا حریص نہ تھا۔ بلکہ خود میرا حریص تھا۔ اور فارغخطی
واپس کرنے کی وجہ صرف وہ سچی خاموش بے غرضی اور گہری محبت تھی جو
اس کو مجھ سے یقیناً تھی۔ وہ غالباً سمجھتا تھا کہ میں ڈاکٹر شیرازی کے قبضہ میں
آگئی ہوں اور اس سے فارغخطی اس لئے مانگتی ہوں کہ ڈاکٹر شیرازی سے شادی
کروں پھر انور کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مجھے فارغخطی واپس کر دے
یا دوسری لکھدے!!!۔۔۔۔۔

آہ میں نے بڑا غضب کیا۔ میں نے اپنے مخلص ترین دوست کو
اپنا بدترین دشمن سمجھ کر اس کی کیسی سخت ذلت اور توہین کی ۔۔۔۔۔۔
اُف!۔۔۔ اُف! ایسے جرم کی تلافیاں کیا ہو سکتی ہیں!! ہائے انور دل میں
مجھے کیا کہتا ہوگا؟۔۔۔ میں کیسی احمق کیسی پاگل تھی کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکی
کہ جو شخص میرا دل وجان سے شیدائی ہو وہ میرا دشمن یا بدخواہ کیسے ہو سکتا ہے؟
مگر۔ اول تو میں اس راز سے واقف ہی نہ تھی کہ انور مجھے واقعی چاہتا ہے اور علاوہ
اسکے زہرہ اور ڈاکٹر شیرازی نے میرے دل و دماغ کو رفتہ رفتہ اس قدر خراب کر دیا
تھا کہ میں کسی بات کو صحیح زاویہ نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔۔۔۔

یا اللہ۔ میں تو اب اس رنج میں زندہ درگور ہو جاؤنگی کہ میں نے اپنے
ہی ہاتھ سے اپنے گھر میں آگ لگا دی۔ میں نے اپنے ہی ہاتھ سے اس دل میں زہر
میں بجھا کر خنجر بھونک دیا جو صرف میری محبت سے لبریز تھا! ہائے میرا انور اب مجھے
مل جائے تو میں اس کے قدموں پر سر رکھ کر اپنی ساری ہی خطاؤں کی

معافی مانگ لوں مگر آہ اب وہ مجھے کہاں ملیگا کیسے ملے گا کس طرح ملیگا۔۔۔ اور اگر خدانخواستہ وہ مجھے نہ ملا تو یااللہ کیا ہوگا میں کیا کروں گی؟ میرا اور میری زندگی کا کیا حشر ہوگا؟۔۔۔۔۔

کشور سنگھار میز کے آئینہ کے سامنے آنکھیں بچھائے مبہوت خاموش بیٹھی۔ ایک ہاتھ میں اس کے وہ خط تھا دوسرے ہاتھ میں انور کی تصویر تھی! اور اس کے دماغ میں ایک شدید تلاطم اسکے دل میں ایک طوفان عظیم برپا تھا۔۔۔۔۔ لمحے منٹوں میں اور منٹ گھنٹوں میں تبدیل ہوتے رہے یہاں تک کہ رات نے اپنی سیاہ چادر اتار کر صبح کی سفید چمکتی ہوئی چادر اوڑھ لی مگر کشور اسی طرح ساکت اور مبہوت بیٹھی رہی۔۔۔۔۔۔۔

جس قدر پریشانی جس قدر رنج اور روحانی خلش جس قدر روحانی صدمہ اور دلی ندامت اس وقت بیچاری کشور کو تھی اس کا ایک حصہ بھی اگر قتل کرنے کے بعد کوئی قاتل محسوس کر سکتا تو یقیناً وہ قتل اس کے حق میں کار ثواب اور وہ گناہ اس کیلئے باعث نجات ہوجاتا۔۔۔ غالباً ندامت گناہ کے چند لمحوں کی تکلیف دوزخ کی شعلہ آگ کی سالہا سال کی تکلیف سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ کم نہیں ہوسکتی!!۔۔۔۔

تینتیسواں باب

سازش قتل

ڈاکٹر شیرازی اپنے ڈرائنگ روم میں آنکھیں نکالے منہ کسی قدر کھولے اچنبے کی شکل بنائے ہوئے بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ایک ادھیڑ عمر کا شخص جو وضع قطع سے ملازم معلوم ہوتا تھا مودبانہ کھڑا تھا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (خفگی کے لہجہ میں) اگر تم نے میری اور اس کی باتیں کیسے سنیں اور کیوں سنیں۔

وہی شخص :حضور مجھے کیا معلوم تھا میں تو لکڑی کی دیوار کے اس طرف کرسیوں اور میزوں وغیرہ کی گرد جھاڑ رہا تھا۔ یہ بالکل ایک اتفاق تھا کہ میں نے باتیں سن لیں۔ میں نے کچھ جان بوجھ کر تو سنی نہیں۔ اور پھر اگر میرے دل میں چور ہوتا تو میں آپ سے خود ہی آکر کیوں کہتا کہ میں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں کیونکہ آپ کو تو یہ معلوم تھا نہیں کہ میں نے سن لی ہیں۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (کسی قدر مطمئن ہو کر) ہاں یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم مجھے ایماندار اور سچے آدمی معلوم ہوتے ہو!!

وہی شخص :۔ حضور کی عنایت ہے ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا۔ میں نے آپ کا گو دو چار دن ہی نمک کھایا ہے۔ مگر کھایا تو ہے۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ خطرے میں ہیں اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کو آگاہ کردوں ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ خواہ مخواہ آپکے اور اس شخص کے معاملے میں دخل دیتا

ڈاکٹر شیرازی :۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہاری رائے نہایت معقول رائے ہے مگر کیا واقعی وہ شخص اعتبار کے قابل نہیں ہے؟

ملازم :نہیں حضور ہرگز نہیں۔ میں اس کی قبر تک سے واقف ہوں وہ بڑا فطرتی اور بے ایمان شخص ہے۔ بمبئی میں بس ایک ہی چھٹا ہوا ہے۔ نہیں معلوم کتنوں کو تو وہ جیلخانے بھجوا چکا ہے اور کتنوں کو پھانسی پر لٹکا چکا ہے پہلے تو وہ خوب روپیہ وصول کرتا ہے پھر......

ڈاکٹر شیرازی :۔ یہ تو تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ روپیہ تو اس نے مجھ سے بہت کچھ وصول کر لیا ہے اور ابھی کام کچھ بھی نہیں کیا ہاں باتیں بہت بناتا ہے

ملازم :- جی ہاں یہی تو ان بدمعاشوں کا قاعدہ ہے... اور جب روپیہ خوب وصول کر چکتے ہیں تو خود جرم کر کے دوسرے کو پھنسا دیتے ہیں، اور جرم کے بعد پھر دھمکیاں دے کر عمر بھر روپیہ وصول کرتے رہتے ہیں، اور جو لوگ ان بدمعاشوں کے پھندے میں ایک مرتبہ آجاتے ہیں وہ عمر بھر اپنی حماقت پر افسوس کرتے ہیں۔ اب اسی شخص کو دیکھئے۔ اگر یہ انور صاحب کو مارنا چاہتا تو اب تک دس مرتبہ مار چکا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی آپ سے اور روپیہ وصول کرنا ہے اس لئے روز ایک نہ ایک بہانہ یہ ضرور کر دیتا ہوگا۔

ڈاکٹر شیرازی :- بالکل سچ کہتے ہو۔ واقعی روز آتا ہے اور بہانے کر کر کے روپیہ لیجاتا ہے۔ اور کام بھی کچھ نہیں کرتا......

ملازم :- حضور چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ مگر گستاخی معاف ہو تو میں کچھ عرض کروں۔

ڈاکٹر شیرازی :- ہاں ہاں کہو! کہو! بے تکلف کہو۔

ملازم :- حضور میری ناچیز رائے ہے کہ اگر آپ مسٹر انور کا خاتمہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو پستول یا چھرے سے نہ کیجئے۔

ڈاکٹر شیرازی :- (ادھر ادھر خوف زدہ نگاہوں سے دیکھکر) آہستہ آہستہ بولو آہستہ کہیں کوئی سنتا نہ ہو۔

ملازم :- حضور اگر میری رائے لیں تو پستول اور خنجر کو تو حضور رکھیں طاق پر قتل کرنے کے لئے اب یہ بہت دقیانوسی آلے ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر شیرازی :- (ادھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے جیسے سانپ پھنکار مارتا ہے) پھر کیسے کسی کی جان لی جائے۔

ملازم :- (ہر لفظ پر زور دے کر) زہر سے! ہلکے مگر قاتل زہر سے!!...

ڈاکٹر شیرازی:۔ یعنی؟

ملازم:۔ یعنی ایسا زہر جس کا بظاہر احساس نہ ہو مگر چھ مہینہ دو مہینے میں شرطیہ جان لیلے!!..... آپ تو اتنے مشہور اور لایق ڈاکٹر ہیں آپ کو تو ایسے ایسے سینکڑوں زہر معلوم ہونگے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (تعریف سے خوش ہو کر) ہاں معلوم تو ہیں مگر مشکل تو یہ ہے کہ زہر دے کون؟ کوئی ایسا شخص ہونا چاہئیے جو ہر وقت دشمن کے ساتھ رہے تاکہ روز کسی نہ کسی کھانے پینے کی چیز میں اسے زہر ملانے کا موقع ملتا رہے اور یہی نہیں بلکہ ایسا زہر کامیابی سے دینے کے لئے دینے والا بہت ہی ہشیار آدمی ہونا چاہئیے۔!! مگر ایسے آدمی ملتے کہاں ہیں اور اسی وجہ سے زہر والا نسخہ چلتا نہیں!!

ملازم:۔ اور تو میں کچھ نہیں جانتا مگر زہر آپ بنا دیجئے۔ دے میں دونگا اور کسی کو کانوں کان خبر ہو تو میرا ذمہ!! اور میں حضور سے کچھ معاوضہ بھی نہیں مانگتا! جب حضور کا کام ہو جائے اور حضور کا جی چاہے تو مجھے خوش کر دیجئے گا۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (بہت خوش ہو کر) واقعی اس کا بیڑا اٹھاتے ہو۔

ملازم: سو میں ہزار میں اور نہایت خوشی سے کیا مجال کہ چیونٹی کو بھی خبر ہو جائے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو اگر تم تیار ہو تو زہر مہیا کرنے میں کتنی دیر لگے گی تم یہیں رہو۔ میں ابھی لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر شیرازی جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے چلے گئے۔

ملازم عجیب طریقے سے بے چین نگاہوں سے کمرے کے ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اسے خیال ہو کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

ڈرائنگ روم نہایت ہی خوبصورتی سے سجا ہوا تھا سب دروازے کھلے ہوئے

تھے۔ دوپہر کا وقت تھا اور اس میں بہت کافی روشنی تھی کمرہ بہت بڑا اور کشادہ تھا کمرے کے وسط میں کچھ ذرا ہٹ کر ایک بہت بڑی اور خوبصورت محراب تھی جو کمرے کے اس سرے سے اُس سرے تک چلی گئی تھی۔ اس محراب کے نیچے سبز اور دبیز بانات کا پردہ پیتل کے چھلوں سے ایک وارنش کی ہوئی چکنی لکڑی سے آویزاں تھا اور اس لکڑی کے دونوں سرے بریکٹ پر رکھے ہوئے تھے۔ پردے کے اس طرف ڈرائینگ روم تھا اور اس طرف کھانے کا کمرہ۔ پردہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھینچا ہوا تھا اور اس کے دونوں سروں پر کشمیر کے کھدوائے ہوئے لکڑی کے خوبصورت چار چار پائے والے پردے آرائش کیلئے لگا دیئے گئے تھے اگر کوئی چاہتا کہ کھانے کے کمرے میں پہنچ کر کشمیر کے چوبی پردوں اور بانات کے پردوں کے بیچ میں چھپ کر کھڑا ہو جائے تو وہ نہایت آسانی سے کھڑا ہو سکتا تھا۔ غالباً اسی ڈر سے ڈاکٹر شیرازی کا ملازم بار بار ان چوبی پردوں کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر بے چینی سے دیکھ رہا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اگر کمرے کے اندر بالکل چھپ کر بھی کسی جرم کی سازش کی جائے تب بھی مجرم کے دل سے پکڑے جانے کا ڈر اور انتشار دور نہیں ہو سکتا! زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر شیرازی واپس آ گئے ان کے ہاتھ میں دو شیشیاں تھیں ایک بڑی سی تھی اور ایک بہت چھوٹی اور پتلی سی جس میں پچیس تیس قطروں سے زیادہ دوا نہیں آ سکتی تھی۔ بڑی شیشی میں ایک بالکل سفید پانی جیسی دوا تھی اور چھوٹی شیشی خالی تھی۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (ملازم کو دیتے ہوئے) رفیق (ملازم کا نام) یہ لے آیا اس بڑی شیشی میں تو نہایت ہلکا گر بے حد قاتل زہر ہے اور یہ چھوٹی شیشی پیمانہ ہے ایک وقت میں اس چھوٹی شیشی کے برابر زہر دینا چاہئے۔ اس چھوٹی شیشی کو بھر لینا اور بھر کر اپنے پاس رکھ لیا کرنا اور جب موقع ملے تو مسٹر انور کے کھانے یا پینے میں چپکے سے

ڈال دیا کرنا۔ اگر روز تم اس کو دے سکو تو ایک مہینے کے اندر موت لازمی ہے اور ہر خوراک کے بعد ایک غیر محسوس طریقے سے مرنے والے کی صحت روز بروز خراب ہوتی جائیگی اور......

(دفعتاً چونک کر) ایں یہ "چیک" سی آواز کہاں سے آئی۔ اور یہ کہکر ڈاکٹر شیرازی ادھر اُدھر خوف زدہ آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ قیصر بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہر طرف دیکھنے لگا

قیصر۔ (سہمے ہوئے لہجے میں) حضور کیسی آواز؟ میں نے تو نہیں سنی!!

ڈاکٹر شیرازی :۔ (اپنی پیشانی سے پسینہ کے قطرے رومال سے پونچھکر) ایسی آواز جیسے کوئی چھپنے سے صندوقچے کو بند کر کے کنجی لگائے!!

قیصر :۔ نہیں حضور۔ میں نے تو نہیں سنی یہ آپ کا محض خیال ہوگا! اگر کوئی ایسی آواز ہوتی تو میں نہ سنتا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (مسکراکر) ہاں ہاں۔ کچھ نہیں۔ وہم بڑی بڑی چیز ہے انسان کو خواہ مخواہ آوازیں سنائی دیتی ہیں حالانکہ ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا...

ہاں تو سمجھے۔ بہت آسان ترکیب ہے۔ کیا تم یہ کام ہوشیاری سے کر سکوگے؟

قیصر :۔ اس میں مشکل ہی کیا ہے؟ یہ تو نہایت ہی آسان ترکیب ہے! کیا اس سے بھی آسان کوئی ترکیب ہو سکتی ہے؟

ڈاکٹر شیرازی۔ تم واقعی بڑے سمجھدار ہو! قیصر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس زہر سے تم نے سرانور کو جہنم پہنچا دیا تو میں تمہیں دس ہزار روپے انعام دونگا! اور یہ لو پانچسو روپے پیشگی!

یہ کہکر ڈاکٹر شیرازی پانچسو کے دس دس روپے کے نوٹ کی گڈی قیصر کو دینے لگے

قیصر :۔ نا حضور میں ابھی تو ایک پیسہ بھی حضور سے نہ لونگا کام ہو جانے پر جو حضور کی مرضی ہوگی دیجیے گا۔ مگر ابھی نہیں۔ ورنہ مجھ میں اور دوسروں میں کیا فرق ہوگا میں تو جس کا نمک کھاتا ہوں اس کے لئے جان دیدینا بھی ایک معمولی سی بات سمجھتا ہوں۔ بڑا محمود وہ ملازم ہے جو اپنے آقا پر جان قربان کرے... حضور مجھ کو ابھی جانتے نہیں ہیں۔ میری

رگوں میں لیسے باپ کا خون ہے جس نے اپنے مالک کے لئے ایک بورے میں پڑتے پڑتے اپنی جان دیدی... میں کوئی ایسا ویسا نہیں ہوں، ابھی حضور کو میری جانثاری کا تجربہ ہی کیا ہوا ہے!..... والد مرحوم مجھ سے مرتے وقت یہ وصیت کر گئے تھے کہ بیٹا جس کا نمک کھانا اس کے لئے اپنی جان ہمیشہ ہتھیلی پر رکھے رہا کرنا!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (بہت متاثر ہوکر) بیشک بالیقین ملازم کو ایسا ہی ایمان دار جان نثار ہونا چاہئے!! مگر قیصر یاد رکھنا تمہاری وفاداری رائگاں نہ جائے گی۔

قیصر:۔ دیکھئے اللہ مالک ہے!!

یہ کہکر قیصر نے ڈاکٹر شیرازی سے بڑی اور چھوٹی دونوں شیشیاں لے لیں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ اچھا تو اب تم مسٹر انور کے یہاں کب جاؤ گے۔

قیصر:۔ میں تو آج ہی جانے کو تیار ہوں اور یوں جب حضور حکم دیں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں تم آج ہی چلے جاؤ مسٹر انور کا پتہ یہ ہے۔ نمبر ۲۵ مال روڈ سینا کروز۔

قیصر:۔ بہت اچھا حضور، میں پتہ لگا لونگا اور خدا نے چاہا تو آج ہی ان کے یہاں نوکری بھی کر لونگا..... اور ہاں حضور خوب یاد آیا۔ اس بڑی شیشی کا لیبل تو بالکل سادہ ہے... اس پر جس دوا کا جی چاہئے نام لکھدیجئے تاکہ کوئی دیکھ بھی لے تو شبہ نہ ہو۔ حالانکہ اس احتیاط سے میں اس کو رکھوں گا کہ کسی کے فرشتے کو بھی خبر نہ ہوگی ... (بے پروائی سے) یا اگر ضرورت نہ سمجھے تو نہ لکھئے۔ رہنے بھی دیجئے دیکھا جائیگا۔ خدانخواستہ اگر کوئی ایسا ویسا موقع ہوا تو میں کوئی نہ کوئی بات بنا لونگا... مگر ذرا اتنا بتا دیجئے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھے تو کہہ دوں کہ یہ کیا ہے.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ کہہ دینا کہ پھٹکری کا پانی ہے آنکھ دھونے کے لئے!! اور لاؤ میں اس پر لکھ ہی نہ دوں.... اچھا ہے کسی کو شبہ نہ ہوگا۔ ڈاکٹر شیرازی نے اپنے

فاونٹین پن سے بڑی شیشی کے لیبل پر انگریزی میں لکھدیا "پینگری کا پانی۔
دن میں صرف ایک مرتبہ استعمال کیا جائے"

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو یہ میں نے لکھدیا۔ اب کسی کو شبہ بھی نہ ہوگا۔ مگر ذرا
اس کو احتیاط سے رکھنا... کوئی دیکھنے نہ پائے

قیصر:۔ نہیں حضور! میں کسی کو دکھلا کے خواہ مخواہ اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالونگا

ڈاکٹر شیرازی:۔ اور دیکھو قیصر۔ جہاں تک ممکن ہو۔ روز آکر مجھ سے
سارا حال بتا جایا کرنا......

قیصر:۔ بہت اچھا حضور۔ نہایت خوشی سے..... مگر مجھے زیادہ تر
وقت رات ہی کو ملے گا.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ کوئی ہرج نہیں۔ تم جس وقت بھی آؤ مجھے بلا تکلیف جگا لینا۔ سمجھے

قیصر:۔ بہت اچھا..... مگر میں تھوڑی ہی دیر میں اب چلا جاؤنگا (مسکرا کر)
ابھی تو مسٹر انور کو اس پر راضی کرنا ہے کہ وہ مجھے نوکر رکھ لیں.... دیکھیے کیا ہوتا ہے
امید تو ہے کہ اس میں زیادہ دشواری نہ ہوگی..... مگر حضور اب کوئی اور ترکیب
مسٹر انور کا کام تمام کرنے کی کسی اور ذریعہ سے نہ کیجیے گا.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ نہیں! نہیں۔ اب کیا ضرورت ہے! میں دیوانہ تھوڑا ہی ہوں

قیصر:۔ اور پھر کام ایسا کرنا چاہیے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے

ڈاکٹر شیرازی:۔ بیشک!.....

قیصر:۔ اور وہ تو میں بھول ہی گیا.... حیدر کو آپ آج ہی بلا کر سمجھا دیجیے گا
کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے اور وہ اب کوئی کارروائی مسٹر انور کے خلاف
نہ کرے! ورنہ پھر ہمارا اور اس کا معاملہ بگڑ جائے گا......

ڈاکٹر شیرازی:۔ نہیں! تم خاطر جمع رکھو۔ میں اس کو آج ہی بلا کر منع کردونگا

قیصر:۔اور حضور (ہاتھ جوڑکر) اور خدا نخواستہ مجھ پر کوئی ایسا ویسا وقت آپڑے تو ذرا غلام کی پیٹھ پر ہاتھ رکھے رہیئے گا پھر جو کچھ جھیلنا ہو گا وہ تو میں جھیل ہی لونگا آپ ذرا اندیشہ نہ کیجیے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ معاملہ کہیں پھوٹے اور میں دھر لیا جاؤں تو بمبئی کا جو سب سے اچھا بیرسٹر ہو اسے میری طرف سے کر دیجیے گا۔ پھر آگے قسمت ہے!! دیکھا جائیگا!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ہاں ہاں۔ ضرور ضرور!! اس کے لئے بھی تمہیں کہنے کی ضرورت ہے تم جب اپنی جان پر کھیل رہے ہو تو کیا میں تمہارے لئے اتنا بھی نہ کروں گا یہاں کا بہترین بیرسٹر تمہارے لئے کیا جائے گا اور جو کچھ بھی خرچ ہو گا میں نہایت خوشی سے خرچ کرونگا تم اطمینان رکھو!!

قیصر:حضور کی سرپرستی رہے۔ پھر مجھے کسی کا ڈر نہیں......

یہ کہکر قیصر ڈاکٹر شیرازی جھک کر سلام کر کے کمرے کے باہر چلا گیا اور ڈاکٹر شیرازی ایک آرام کرسی پر لیٹ کر اور پاؤں پھیلا کر آہستہ آہستہ سیٹی بجانے لگے اور انور کی موت کے دل خوش کن خواب دیکھنے لگے.......

اسی وقت ایک کمر خمیدہ درزی بغل میں ایک بقچی دبائے ہوئے ڈاکٹر شیرازی کے مکان سے نکل کر سڑک پر آ کر پارن بی روڈ کی طرف رواں ہو گیا معلوم نہیں ڈاکٹر شیرازی کے یہاں آج اس کا کیا کام تھا؟ مگر قیصر کی زبانی اور نوکروں کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ڈاکٹر شیرازی کے ڈرائنگ روم کی کرسیاں کہیں کہیں سے پھٹ گئی تھیں۔ درزی ان ہی کو سینے کے لئے آیا تھا۔

چونتیسواں باب

رنگ بھنگ

عذرا تبدیل آب و ہوا کے لئے باندرے چلی گئی تھی اور کچھ عرصے سے وہیں مقیم تھی، ممتاز ایک تو یوں ہی کیا کم آزاد تھے لیکن عذرا کا اثر اٹھ جانے کے بعد وہ خوب ہی کھل کھیلے۔ لقمان منزل بمبئی کے متمول طبقہ کے مطلق العنان رنگین مزاج غیر ذمہ دار نوجوانوں کا مستقل مرکز بن گئی۔ ہر وقت وہاں بزم عشرت جمی رہتی تھی۔ ہر شب کو وہاں طبلے کی تھاپ اور سارنگی کے نغمے کسی خوش گلو کی تانوں کے ساتھ مل کر فضا میں گونجا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً کسی مخمور حسینہ سے نکلے ہوئے قہقہے کا شور موسیقی پر غالب آ جاتا تھا۔ اور کبھی شراب کی بوتلوں کے کاگوں کے کھلنے کی آوازیں حافظ کے اشعار اور عمر خیام کی رباعیات میں مخلوط ہو کر فضا میں لہراتی تھیں، اور اس محفل رنداں اور انجمن مے پرستاں کے صدر خود جناب ممتاز تھے

چنانچہ آج رات کو بھی محفل رقص و سرود گرم تھی۔ ایک نازنین برق جمال نہایت جوش و خروش سے الاپ رہی تھیں اور تین عدد حسن فروش پریاں ادھر ادھر بیٹھی ہوئی چند نوجوانان حسن پرست کو ناز و انداز دکھا رہی تھیں اور غمزے اور چہلیں کر کر کے اپنی دانست میں ان کو لبھا رہی تھیں۔ ایک طبلچی صاحب دو عدد طبلوں سے نہایت شد و مد کا دو زوریاں کر رہے تھے رنگ ان کا آبنوس کو شرماتا تھا۔ اور جسم ان کا غلام پہلوانوں سے ٹکر کھاتا تھا۔ ان کے گھٹے ہوئے سر پر تربوز کا دھوکا ہوتا تھا اور پیٹ کی جیب وسعت کو دیکھ کر جلندھر کا شبہ ہوتا تھا۔ طبلوں سے مسلسل لڑتا تھا پانی کا بالآخر یہ ہوا کہ کرتا پسینہ میں شرابور ہو کر ان کے جسم سے جا بجا چپک گیا تھا اور بیساختہ محرم کے زمانے کے وہ سقّے یاد دلاتا تھا جن سبیل پلانے والے بھیگا ہوا کپڑا اوڑھا دیا کرتے ہیں۔ طبلہ بجاتے وقت ان کا سر اس انداز سے مسلسل ہلتا تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جسم کا گنبد بقیہ عمارت سے کسی قدر الگ ہو کر اور ڈھیلا

پڑے کچھ ڈگمگانے لگا ہے۔ الاپنے والی نازنین کے بائیں ہاتھ پر ایک سفید وہ وراندیش بزرگ دوپلی ٹوپی زیب سر کئے مونچھیں بہ نہایت احتیاط سے شرعی طور پر کتروائے سارنگی بجا رہے تھے۔ ان کے متعلق بہت سے مستند اشخاص گواہی دینے کے لئے تیار رہتے تھے کہ جب کبھی وہ مسجد میں اور بالخصوص نماز جمعہ پڑھنے کے لئے گئے ہیں تو انہوں نے ہمیشہ ان بزرگ کو وضو کرتے ہوئے یا صف اول میں بیٹھے ہوئے یا نہایت خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ چنانچہ بعض ضعیف الاعتقاد اصحاب نے بار بار یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان کو کسی غیر معلوم ذریعہ سے تصدیق ہو چکی ہے کہ یہ بزرگ یا تو بمبئی کے قطب ہیں اور اگر قطب نہیں ہیں تو ابدال ضرور ہیں اور محض خلق خدا کے تعاقب سے بچنے کے لئے انہوں نے نیک نیتی سے طوائفوں کا سارنگیا ہونا مجبوراً گوارا کر لیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مگر تاہم بھی کہیں سے کہ ان کے ماتھے پر ایک سیاہ گھٹا ضرور تھا گو اس کی تحقیق نہیں ہوئی تھی کہ یہ گھٹا حضرت ابلیس کو سجدہ کرنے سے نمودار ہوا تھا یا پروردگار عالم کو..... منجملہ دیگر فرائض کے ان کا ایک فرض یہ بھی تھا جب عرصہ دراز تک سامعین میں سے کوئی بازوق یا احمق فن نغمہ سرا نازنین کی تعریف ضد یا کسی اور وجہ سے نہیں کرتا تھا تو یہ اس غریب کی حوصلہ افزائی کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے فرسودہ پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے "واہ واہ" کرتے تھے اور وجدانی کیفیت کے ساتھ اپنی گردن اس طرح بار بار ہلاتے تھے کہ اس میں موچ آ جانے یا مستقل کجی پیدا ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہونے لگتا تھا۔ ابت رفتار کے داہنے بازو والا فرشتہ بھی ترچھی ٹوپی پہنے بیچ سے مانگ نکالے مونچھیں چڑھائے گردن کج کئے سینہ ابھارے ریشمی رنگین واسکٹ زیب تن کئے سارنگی بجا رہا تھا۔ تیل کے وافر استعمال سے اس کا سر پیشانی چہرہ اور چہرہ پر جا بجا چوپادوں کا جنگل جما ہوا تھا روشنی میں چمک رہا تھا اور پبلک میں یہ بد عقیدگی پھیلا رہا تھا کہ یہ فرشتہ کسی تیلی کے گھر میں سر ڈال کر اس جلدی میں بھاگا کہ ہم تک پونچھنے کی اسے مہلت نہیں ملی..... رقاصہ صاحبہ کی عمر پچیس یا چھبیس

سال اور عمر صرف پندرہ سال تھی۔ ان کی ناک میں سونے کی ایک نتھ ابھی تک آویزاں تھی جس کی وجہ سے عوام الناس میں مختلف قسم کی دلچسپ اور عجیب و غریب جائز و ناجائز غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ رنگ انکا چمپا کے پھول کی طرح زرد تھا۔ ناک ان کی اگر زیادہ ابھری ہوئی اور گالوں کی ہڈیاں کم ابھری ہوئی ہوتیں تو یقیناً ان کے عقیدت مندوں کا دائرہ نسبتاً وسیع تر ہوتا۔ آنکھوں کے متعلق بھی اکثر نکتہ چین احباب سے شکایتیں سننے میں آئی تھیں کہ کسی قدر چھوٹی ہیں۔ ان نکتہ چین احباب میں بعض کا خیال تھا کہ ان کی تعمیر کسی کام چور فرشتہ کے سپرد ہوئی تھیں جس نے نہایت ہی بے پروائی اور اختصار سے کام لیا۔ اور بعض احباب عرصہ تک اس موضوع پر بحث کرسکتے تھے کہ ساری فروگذاشت اس چمارن کی تھی کہ جس نے ان کو نہلا دھلا کر دنیا میں بلایا تھا کیونکہ اگر وہ پیدائش کے بعد ہی سر پٹ سے انکی آنکھوں کے کونے ذرا ذرا سے کاٹ دیتی تو زخم اب تک کب کے اچھے ہو گئے تھے اور لوگوں کو بے محل شکایتیں اور بد مذاق نکتہ چینیاں کرنے کا موقع بھی نہ ملتا... قد ان کا بوٹا سا تھا اور جسمانی ساخت دیکھ کر رہ رہ کے تپ دق یا سوکھے عارضے کا خیال آتا تھا مگر بعض نقادان حسن نے اس ظاہری عیب میں بھی ایک خوبی پیدا کر دی تھی کیونکہ وہ بضد تھے کہ یہ مرض نہیں بلکہ نازک بدنی ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جناب ذوق اور حضرت جلیل کے متعدد اشعار بار بار پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے جس پر چند بدلحاظ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ دنیا میں بدشکل سے بدشکل مرد اور بدصورت سے بدصورت عورت کی کہیں نہ کہیں کھپت ضرور ہو جاتی ہے یعنی اس کا کوئی نہ کوئی قدردان زمین کے کسی نہ کسی گوشے سے کبھی نہ کبھی نکل ہی آتا ہے!!! گانے والی کی آواز کی بابت بھی سامعین میں بہت شدید اختلافات تھے۔ تپ دق کے وجود کے جو قائل تھے وہ تو یہ کہتے تھے کہ چونکہ مسماۃ کا ایک پھیپھڑا اس مرض کی نذر ہو چکا ہے لہٰذا بسماندہ پھیپھڑے سے اگر زیادہ آواز نہیں نکل سکتی اور سامعین کی کیفیت غالب ہے تو کوئی بہت تعجب کی بات نہیں۔ مگر بقول ممتاز دنیا آپس کے اختلافات کی وجہ سے قائم ہے

اس لئے بعض معتقدوں کا اصرار تھا کہ بہترین گانا مدھم سُروں میں ہوتا ہے اور بائے وار آواز اور گدھے کا نغمۂ سحری ایک ہی خیال کی دو مختلف تفسیریں ہیں!! آپس میں دو بہنیں کمی عمریں جو ادھر اُدھر بیٹھی ہوئی ناز فروشیاں کر رہی تھیں۔ بظاہر سترہ اور پچیس کے درمیان میں تھیں اور یوں خدا بہتر علیم و دانا ہے ان میں سے ایک تھی سانولی ایک گوری ایک گندمی رنگ کی تھیں سانولی بائی کا نقشہ اچھا تھا اور یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات بھی نہ تھی کیونکہ اگر ان کا بھی نقشہ اچھا نہ ہوتا تو وہ غالباً اسوقت کہیں اینٹیں یا گارا ڈھوتی ہوئی دکھائی دیتیں اور کم از کم اس محفل میں تو ہرگز نظر نہ آتیں۔ آنکھیں ان کی بڑی اور بڑی رسیلی تھیں اور ہونٹ بھی ان کے ذرا پتلے پتلے تھے جسم کا تناسب قابل قدر تھا اور لوگوں نے بالاتفاق یہ اقدام کر لی تھی کہ تقسیم ازل کے وقت جب انکو رنگ نہیں ملا تو یہ تھوڑی سی کمی لیکر بھاگ آئیں گوری بائی کا نقشہ حسب معمول خراب تھا کیونکہ تنگ پیشانی معمولی آنکھیں فراخ نتھنے۔ فراخ تر دہانہ، ستے ہوئے گال۔ اور لمبا لمبا چہرہ اگر خراب نقشہ نہیں ہے تو ہم سے اچھا کہنے کو بھی تیار نہیں۔ بدن چھریرہ قد غیر معمولی طور پر کشیدہ تھا جس سے غیر ذمہ دار لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا تھا کہ ان کی والدہ مرحومہ اور لیلیٰ کی ناقہ مرحومہ دور کی بہن لگتی تھیں۔ انھوں نے آنکھوں میں ضرورت سے زیادہ کاجل بھر لیا تھا اور انکے کونوں میں دنبالہ کھینچ لیا تھا جس سے پہلی نظر میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جانیکا سخت اندیشہ تھا کہ ان کی آنکھیں قدرتی چیانے سے بہت زیادہ بڑی ہیں۔

گندمی بائی خدا کی ان غیر ضروری مخلوقات میں تھیں جن کو اچھا کہنا گناہ اور برا کہنا بیدردی ہے ان کی صورت میں کوئی خصوصیت ہی نہ تھی یعنی آج دیکھئے اور کل بھول جائیے چنانچہ اکثر ناظرین کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ خدا انسان کو جیسا بھی بنائے مگر صورت شکل ایسی دے کہ دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی کسی نہ کسی اچھی یا بری خصوصیت کا دھندلا تک نہیں تو کم از کم کچھ دیر تک تو اثر رہے۔

اس مجمع میں اس خیال کی تائید کرنے والوں کی تعداد بہت کم نہ تھی جن کا قول تھا کہ قضا و قدر نے بہت سی صورتیں ٹھیکہ پر بنوائی ہیں اور ٹھیکے کا کام جیسا ہوتا ہے ظاہر ہے چنانچہ گندی بالی کی عامیانہ صورت بھی غالباً ٹھیکہ ہی پر بنی تھی لہٰذا اسکو بالتفصیل بیان کرنا ایک غیر ضروری زحمت ہے۔

سامعین کی تعداد ایک درجن سے زیادہ نہ تھی سب میں منجملہ دیگر خصوصیات کے ایک مشترکہ خصوصیت یہ ضرور پائی جاتی تھی کہ سوائے دو ایک کے انمیں کوئی قبول صورت نہ تھا اور کثرت بدصورتوں کی تھی مگر ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ اپنے آپ کو اگر یوسف نہیں تو یوسف کا سوتیلا بھائی ضرور سمجھتا تھا۔ انہیں سے ایک عاقل خشک کا یہ فلسفہ تھا کہ اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ یقین کامل ہو جائے کہ وہ درحقیقت بدصورت ہے تو وہ فوراً خودکشی کرلے۔ اسیوجہ سے دنیا میں ہر شخص نے غالباً صحیح منطق سے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو یہ سمجھا لیا ہے اگر وہ بہت خوبصورت نہیں ہے تو بہت بدصورت بھی نہیں ہے اور اسی غلط فہمی میں وہ زندہ ہے!!.........

ایک دوسری مشترکہ خصوصیت ان سامعین میں یہ بھی تھی کہ ہر شخص ان حسن فروش پریوں سے پھیکے اور بھدے مذاق کرنیکی کوشش کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس سے زیادہ خوش مذاق اور ظریف مجمع میں اور کوئی نہیں اور چاروں پریاں اگر کسی سے متوجہ ہیں یا ہوسکتی ہیں تو اسی کی ذات واحد و جاذب ہے اور بجز اس کے اور کوئی مستحق توجہ اور قابل التفات نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے!!!.......

ایک تیسری مشترکہ خصوصیت ان سامعین میں یہ تھی کہ گو ان میں سے تقریباً ہر شخص کی شادی ہوچکی تھی اور انمیں اکثر کی بیویاں ان حسن فروش پریوں سے بدرجہا زیادہ قبول صورت اور دلچسپ تھیں مگر باوجود اس کے ہر شخص ان میں اس کا متمنی تھا کہ ان کرایہ کی عورتوں میں سے اگر سب نہیں تو کم از کم ایک ہی کسی نہ کسی عنوان سے اُن

سے متوجہ ہو جائے مگر ! ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعضوں کی یہ تمنا بھی پوری نہیں ہوئی۔ تاہم انھوں نے بے تیل برام واپس جا کر اپنی بیویوں سے اس کا اظہار کرنا ضروری سمجھا کہ پریاں کوہ قاف کی تھیں اور بیحد انکے پیچھے پڑی ہوئی تھیں، مگر وہ بالکل انکی طرف ملتفت نہیں ہوئے !!! ....

ممتاز آج راجہ اندر بنے ہوئے تھے ، رنگین ریشمی موزے ۔ چوڑی دار پاجامہ جالی بنیان اور اس پر ایک سفید اور مہین ریشم کا کرتہ جس میں سونے کی خوبصورت زنجیر دار بٹن لگے ہوئے تھے یہ ممتاز کے جسم کی آرایش تھی ۔ اور دماغ کی آرایش شمپین کی بوتلیں بہت کچھ کر چکی تھیں اور جو کمی رہ گئی تھی ۔ وہ رفتہ رفتہ اب پوری ہو رہی تھی !

اس وقت وہ ایک گاؤ تکیہ پر کہنی ٹیکے ہوئے ایک جالیدار سونے کے خاصدان سے پان کھا رہے تھے۔

ایک دوست بول اٹھے ۔ ارے بھئی خاصدان ادھر بڑھاؤ ۔ تم سارے پان چرے جاتے ہو !! کچھ ہم لوگوں کے لئے بھی چھوڑو گے یا نہیں ؟

ممتاز ۔ ہرگز نہیں ! ..... کیونکہ تمہارے چرنے کیلئے بڑے بڑے سبزہ زار بیکار پڑے ہوئے ہیں اور اگر دور جانے سے گریز ہے تو جاؤ باہر ہمارے لان ہی پر گھاس لہرا رہی ہے اسی میں دو چار منہ مار آؤ !! اور بڑا لطف تو یہ ہے کہ آج جسے دیکھئے وہی اس امید موہوم پر بے تکان پان کھائے چلا جا رہا ہے کہ اس کے حسن میں کسی طرح ترقی ہو جائے ۔ گر حسن ہو تو حسن میں ترقی بھی ہو اور جب یہ بدصورتی ہی بدصورتی ہے پان کھانے سے خدا جانے گا تو بدصورتی ہی میں ترقی ہوگی .... اور یوں بھائی جان تمہیں اختیار ہے ہمارے مہمان ہو اسلئے ہم کچھ کہہ نہیں سکتے !!! مگر نہیں کہتے ہیں تو بھی ہم سے رہا نہیں جاتا ! اس پر سب لوگوں نے جنھوں نے شراب فروش سے زیادہ پی لی تھی زور سے قہقہہ لگایا اور پان مانگنے والے دوست اس پرشور قہقہے سے شرما کر کھنکارنے

لگے منہ ان کا سُرخ ہو گیا مسکرانے کی مہمل کوشش میں دانت ان کے کھلے کے کھلے رہ گئے اور آنکھیں انکی بے چین ہو ہو کر ہر شخص سے پوچھ رہیں تھیں کہ ہم اب کس طرف دیکھیں!!

ایک دوسرے دوست ...... بھئی واہ بائی جی واہ۔ بڑے مزے سے گا رہی ہو واللہ! کیا کہنا؟ دل بے چین ہوا جاتا ہے؟

تیسرے دوست ۔ او ہو ۔ بڑی قدر ہو رہی ہے ۔ معلوم نہیں گانے والی کی قدر ہے یا گانے کی!!

گوری بائی ۔ (ایک صاحب سے جو ایک سگریٹ کے ڈبہ سے سگریٹ نکال کر جلا رہے تھے ۔) ذرا مہربانی فرما کر ایک سگریٹ ادھر عنایت کیجئے گا۔

وہ صاحب ۔ (سگریٹ مونہوں سے دباتے ہوئے) ..... ضرور! لیجئے! لیجئے!!

مسٹر ظریف ۔ (جو سگا رہی رہے تھے اور اپنے آپکو غلط فہمی سے واقعی ظریف سمجھتے تھے) بائی جی ...... سگریٹ تو بہت بُری چیز ہے آپ سگار پیا کیجئے ..... اگر آپ میری لیجئے!

پانچویں دوست ۔ یہ آپ نے طوائفوں کو بلا فیس مشورہ دینے کا پیشہ کب سے اختیار کر لیا ہے!!

مسٹر ظریف ۔ جب سے آپنے دخل در معقولات کے نامعقول فرض کے لئے اپنے آپ کو موزوں سمجھ لیا ہے!!

چھٹے دوست ۔ اس وقت تو خدا کے فضل سے ہر شخص کی طبیعت بہت موزوں ہے یہاں تک کہ ان بیچاروں کی طبیعت بھی موزوں ہے جنکی طبیعت کبھی موزوں نہیں ہوتی

ساتویں دوست ۔ بجا فرماتے ہیں آپ مثلاً ایک آپ اپنے ہی کو دیکھ لیجئے!

اس پر کچھ لوگ ہنسنے لگے ..... اور بیچارے موزوں دوست کی طبیعت پھر ناموزوں ہو گئی۔

ممتاز بولے ۔ ہاں بھئی ایک بات تو ہمنے بھی محسوس کی ہے کہ مردوں کے کسی

مجمع میں کیسی ہی عورت ہو اُسے جھا دیجئے۔ کچھ اسکی شرط نہیں کہ اس کے دانت بڑے بڑے اور ناک چپٹی نہ ہو۔ پھر اس مجمع میں ہر شخص ایک چینی کا تماشہ دیکھئے کہ کس کس طرح سے وہ ہنستا ہے۔ کس کس انداز سے وہ مسکراتا ہے۔ کس کس عنوان سے وہ خوش اخلاقی کرتا ہے کس کس بہانے سے وہ اپنی طرف توجہ دلاتا ہے!!... میرے خیال میں مردوں کی یہ خاصیت ابتدائی حیوانات کا ایک باقیماندہ تبرک ہے!!

مسٹر ظریف۔ جی ہاں یہ خاصیت اور جانوروں میں خیر زایل ہو گئی مگر طبیعت دار کتوں میں ابھی تک باقی ہے!!

آٹھویں دوست۔ بھئی واللہ کمال ہے! بعضوں کو کس قدر اپنی جنس سے واقفیت ہوتی ہے!!

اس پر ہنسنے والے پھر ہنسنے لگے۔ اس مجمعۂ رنداں میں کچھ اسکی شرط نہیں تھی کہ صرف ہنسنے ہی کی بات پر ہنسا جائے!!

ایک دوست۔ ارے بھئی گانا سنو گانا...... تم لوگوں کو آخر یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ وہ بیچاری کس قدر ریاض کر رہی ہے۔

دوسرے دوست۔ اور کس قدر کم موسیقی پیدا کر رہی ہے!! اور کس اطمینان سے آہستہ آہستہ کیسے مزے لے لے کر گا رہی ہے۔

ممتاز۔ یہ بیچاری گانا بطور فن کے نہیں بلکہ بطور ایک فرض کے گاتی ہے!!

اس وقت گیت ختم ہو گیا اور ساز خاموش ہو گیا۔ سازندے بیڑی پینے لگے رقاصہ صاحبہ پان نوش کر کے سگریٹ کے کش لگانے لگی۔

ادھر محفل رنداں میں بڑے مزے کی کھچڑی اور مختلف قسم کی ہنڈیاں پکنے لگیں

ایک صاحب (ساقولی جان سے) کیوں بائی جی اب آپ کب تک اپنا نکاح کیجئے گا؟.........

سانولی بائی۔ (شوخی سے) جب کبھی مجھے کوئی پیدائشی احمق مل جائے........
وہی صاحب (مسکراکر) اچھا!!..... یعنی آپ سے شادی صرف ایک پیدائشی احمق ہی کر سکتا ہے؟ کسی اور سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہو سکتا!!
دوسرے صاحب (سانولی جان سے) اگر یہی شرط ہے تو پھر آپ چراغ کیا گیس کی لالٹین بھی لیکر ڈھونڈیے گا تو ہندوستان بھر میں ہمارے ان دوست سے بہتر آپ کو کوئی شوہر نہ ملیگا!!..........
سانولی بائی۔ (ہنسکر) اور نہ آپ ایسا کوئی صاف گو!!
ممتاز۔ میرے خیال میں اگر دنیا میں ہر طوائف کی شادی ہو جائے تو بہت سی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورتیں طوائفیں ہو جائیں!!!
مسٹر ظریف۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ دنیا میں طوائفوں کا وجود معاشرتی زندگی کیلئے طبی نقطۂ نظر سے ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ میونسپلٹی کے لئے مہترانیاں!!
ممتاز۔ دنیا کو طوائفوں کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر تم کو مذاق لطیف اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے!!
ظریف۔ یا تم کو شراب اور مہ جبین کی!!
ممتاز دفعتاً خاموش ہو گیا اس کا چہرہ کسی قدر زرد پڑ گیا۔ جیسے کسی نے اس کے دل پر دفعتاً زور سے گھونسہ مار دیا ہو!! وہ کچھ دیر تک سر جھکائے چپ بیٹھا رہا۔ پھر ایک آہ سرد بھر کر اس نے کہا۔
"ہاں سچ کہتے ہو جس قدر مجھ کو مہ جبین کی ضرورت ہے اس قدر نہ دنیا کو کسی چیز کی ضرورت ہے نہ دنیا والوں کو...... اور اگر مہ جبین مل جائے تو پھر مجھے نہ دنیا کی ضرورت ہے اور نہ دنیا والوں کی۔"
اس کے بعد ممتاز اٹھا اور یہ کہکر "میں ابھی آیا" کمرے کے باہر چلا گیا اور پائین باغ کی

روش پر اس سرے سے اس سرے تک اور اس سرے سے اس سرے تک حالت اضطراب میں ٹہلنے لگا۔ اس کی عادت تھی کہ جب اس کے جذبات برانگیختہ ہو جاتے تھے تو اس کو سکون صرف ٹہلنے میں ملتا تھا۔

ایک دوست۔ (مسٹر ظریف سے) تم کو مذاق کرنیکا اچھا خاصہ جنون ہے مگر تمیز آجتک نہ آئی...... آخر اس وقت مہ جبین کا کون مذاق تھا جو تم اس بے تکے پن سے کر بیٹھے۔ جانتے ہو کہ مہ جبین کے لئے ممتاز کی دیوانگی کا کیا حال ہے اور پھر دیدہ ودانستہ اسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑتے ہو...... انسان کی صورت لیکر پیدا ہو جانا تو بہت آسان ہے۔ مگر انسان ہونا بہت مشکل ہے!!

مسٹر ظریف۔ (کسیقدر شرماکر مگر معترضانہ) تو اب ممتاز کیا ہوئے بالکل زا چھو ہو گئے۔ مہ جبین کا نام سننا بھی وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ خوب! کیا کہنا!! مجھ کو اس عمر میں ان کے یہ نخرے نہیں اچھے معلوم ہوتے...... تم لوگوں نے تو اور بھی کہہ کہہ کے ان کو تماشا بنا دیا ہے!!! یہ بھی آخر کوئی بات ہے۔

وہی دوست۔ تمہارے پہلو میں انسان کا دل تو ہے نہیں۔ ہاں کسی پرانے پارسی خور چڑھے گدھے کا دل ہو تو ہو۔ تم کو تو کسی بات کی حس ہی نہیں۔ خدا معلوم کس جانور کے بھٹ میں تم نے تربیت پائی ہے...... تم تو بیچارے ممتاز کا دل بہلانے خیال بٹانے کیلئے یہ سب جلسے محفلیں کرتے ہیں اور تم ہو کہ تمہیں اس کے ہرے ہرے زخموں کو بار بار نشتر سے چھیڑنے میں لطف آتا ہے...... مہربان من اگر عقل تمہارے حصہ میں نہیں آئی تھی تو کسی سے بھیک ہی مانگ لی ہوتی۔ اور گر بھیک بھی نہیں مل سکتی تھی تو عزیز از جان تم بھینس ہی پیدا ہوئے ہوتے تو بھی کسی نہ کسی طرح ہم اپنے دل کو سمجھا لیتے اور ہمیں صبر آجاتا...... اس پر چاروں طرف سے فرمایشی قہقہوں کے شور نے کمرے کی چھت اڑا دی۔

...... اور بیچارے ظریف بہت شرمندہ ہوئے۔ اور خود بھی کھسیانی ہوئی ہنسی ہنسنے لگے......

ادھر ممتاز پائیں باغ میں اسی طرح مضطربانہ انداز سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے مجروح دل میں شعلے بھڑک رہے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا۔ ہائے مہ جبین..... میں اب تمہیں کہاں پاؤں۔ تم مجھے اب کہاں ملو گی اور اگر قسمت نے مجھے تم سے ملا دیا بھی تو کیا؟ تم مجھ سے اسی تنفر، اسی بے رخی، اسی سنگدلی سے پیش آؤ گی جیسے تم ہمیشہ مجھ سے پیش آتی ہو...... آہ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میری محبت ایک وقتی جذبہ، ایک عارضی جنون نہیں ہے میں تمہیں اپنے روپیہ اپنی دولت سے خریدنا نہیں چاہتا میں تم پر اپنا دل اپنی جان نثار کر کے تمہارے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ کر تمہیں لینا چاہتا ہوں مجھے عذرا سے جو محبت تھی وہ آغاز جوانی کا صرف ایک ابال تھا۔ وہ کھولتے ہوئے خون کا محض ایک طوفان تھا جو شادی کے بعد فرو ہو گیا..... مگر مہ جبین تمہاری محبت کے سامنے عذرا کی محبت بچوں کا کھیل معلوم ہوتی ہے۔ تمہاری مفارقت میں دوزخ کی سی تپش ہے۔ تمہاری ایک نگاہ غلط انداز میں نسیم جنت کی سی پاکیزہ مستی ہے! عذرا کی محبت میں اگر چشمہ کی شیرینی اور سبک پن تو تمہاری محبت میں سمندر کی گہرائی، سمندر کا جوش و خروش، سمندر کی شان اور شاہانہ جبروت ہے.... جب میں نے عذرا کو چاہا تھا تو وہ ایک ناتجربہ کار نوجوان کی ضد تھی جس نے ابھی نئی نئی زندگی میں پہلی مرتبہ ایک حسین عورت کو دیکھا تھا۔ مگر مہ جبین تم کو میں نے دنیا کے نشیب و فراز دیکھ کر دنیا کی ہر ایک چاشنی چکھ کر دنیا کی اچھائیوں اور برائیوں سے آگاہ ہو کر دنیا کی گوناگوں لذتوں سے لطف اندوز ہو کر چاہا ہے اور مجبور ہو کر چاہا ہے...... تمہارے حسن جہاں سوز سے مسحور ہو کر چاہا ہے..... لوگ مجھے کروڑ پتی کہتے ہیں... مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ میرے کروڑوں روپے کس قدر بیکار ہیں! لوگ مجھے بڑا خوش قسمت سمجھتے ہیں.... مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو پھر دنیا میں بد قسمت کون ہے؟" اس وقت ممتاز کے وہی ہمدرد دوست جو ظریف پر برس پڑے تھے آ گئے اور ممتاز

کو شش ہوا دیکھ کر انہوں نے کہا: ارے میاں ممتاز تم یہاں پر کب تک چہل قدمی کرتے رہوگے؟ وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

ممتاز۔ اکبر میں ابھی آتا ہوں۔ ان سب سے کہدو کہ میری اس تھوڑی دیر کی غیر حاضری کو اپنے دلچسپ مشاغل میں خلل انداز نہ ہونے دیں۔

اکبر۔ بہت اچھی رہی۔ کہیں بغیر دولہا کے بھی بارات ہوتی ہے؟ دلچسپی تمہارے ساتھ ہی رخصت ہوگئی۔ اب بغیر تمہارے وہاں دلچسپی کہاں؟

ممتاز۔ اکبر۔ اس وقت میری طبیعت ٹھکانے نہیں ہے ..... ذرا مجھے کچھ سکون ہووے تو میں وہاں چلوں.....

اکبر۔ ممتاز تم اتنے سمجھدار ہوکر ایسی نادانی کی باتیں کرتے ہو.... کیا اس طرح خون جگر پینے اور مہ جبین کے لئے جان کھونے سے تمہیں مہ جبین مل جائیگی اس کو تو خبر بھی نہ ہوگی کہ تم پر کیا گزر رہی ہے پھر اس طرح دل کو خون کرنے سے فائدہ؟ پائیں باغ کے وسط میں سنگ مرمر کا ایک گول حوض تھا جسکے بیچ میں ایک خوبصورت فوارہ جاری تھا۔ بجلی کے بہت سے رنگین قمقمے اس فوارے کے اردگرد روشن تھے اور پانی کی پھوار بجلی کے رنگین قمقموں کی خوشنما روشنی میں بہت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

اکبر کا رنگ سانولا تھا مگر نقشہ دیدہ زیب تھا۔ بال گھنے گھنے اور بڑے بڑے تھے آواز اسکی بہت ہی سریلی تھی اور فن موسیقی سے وہ بخوبی واقف تھا۔ عمر اس کی چوبیس یا پچیس سال کی تھی۔ بدن دبلا پتلا مگر بہت ہی متناسب تھا۔ اس کے والد ہائیکورٹ کے جج رہ چکے تھے اور وہ خود انجینیر تھا۔ موسیقی اور مصوری سے اس کو خاص شغف تھا۔

ممتاز۔ کہتے تو تم سچ ہو۔ مگر یہ دوست اور دشمن دل جو نہیں مانتا اسے میں کیا کروں؟

اکبر۔ اچھا چلو فوارے کے کنارے پر چلکر بیٹھیں۔

ممتاز اکبر کے پہلو میں سنگ مرمر کے حوض کے کسیقدر اونچے کنارے پر اچھل کر بیٹھ گیا

اکبر۔ ممتاز آج ہم تمہیں اپنا گانا سنائیں گے۔ دیکھو ہم اچھا گاتے ہیں یا وہ آفت زمانہ جو اتنی دیر سے ہم لوگوں کی جان پر بنی ہوئی ہے!!.........

ممتاز۔ (خفیف تبسم کے ساتھ) ہاں اکبر آج تم کچھ ہمیں سناؤ۔ بہت دنوں سے ہم نے تمہارا گانا نہیں سنا۔ اکبر نے مدھم سروں میں۔ نہایت سریلی اور دلکش آواز میں راگ نکالنا شروع کیا۔

اکبر۔ دیکھو تمہیں خیام کی ایک بڑی اچھی رباعی سنائیں .... (گنگنانے کے کچھ دیر بعد آہستہ آہستہ)

تا کے زغم زمانہ محزوں باشی — با چشم پُر آب و دل پُرخوں باشی
مے نوش و بعیش کوش و خوش دل می باش — زاں پیش کزیں دائرہ بیروں باشی

رباعی تو اچھی تھی مگر اکبر کی آواز رباعی سے بھی اچھی تھی۔ ممتاز کو بہت پسند آئی اس نے تعریف کی۔ اکبر نے رباعی دو چار مرتبہ دہرائی .... پھر کہا "دیکھو یہ بھی کیسی اچھی رباعی ہے۔ خیام ہی کی ہے!"

اے دل ز زمانہ رسم احساں مطلب — در گردش دوراں سرو ساماں مطلب
درماں طلبی درد تو افزوں گردد — با درد بسازد، ہیچ درماں مطلب

ممتاز۔ خیام واللہ خوب کہتا ہے! واہ! واہ! واہ۔ با درد بسازد، ہیچ درماں مطلب۔ کیا خوب کہا ہے؟ ذرا پھر کہنا۔

اکبر۔ (رباعی دہرا کر) سنو۔ تمہیں حضرت جامی کی ایک غزل سنائیں....

(گا کر) .... ہر دم ز تو بر سینہ صد داغ جفا خواہم
با درد تو خو کردم حاشا کہ دوا خواہم

ممتاز۔ سبحان اللہ کیا پیارا شعر ہے۔

اکبر نے کئی مرتبہ اس شعر کو دہرایا اس کے بعد غزل کے اور شعر گائے۔ وہ یہ تھے۔

ہر کس بہ ہوائے دل داروز تو مقصودے
اے جملہ طفیل تو من از تو ترا خواہم

دی از تو و فا جستم کردی بہ جفا وعدہ
باز آمدہ ام امروز کان وعدہ وفا خواہم

گفتی کہ مرا خواہی از خیل بتاں جامی
چشمیست مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

ہر دم ز تو بر سینہ صد داغ جفا خواہم
با درد تو خو کردم حاشا کہ دوا خواہم

ممتاز (جب اکبر نے غزل ختم کی)..... محبت میں بھی ایک عجیب شان مسیحائی ہوتی ہے محبت ہر چیز میں ایک جان ڈال دیتی ہے۔ محبت ہر شئے میں ایک تازہ روح پھونک دیتی ہے مثلاً اشعار ہی کو دیکھو جن اشعار کو ہم پڑھتے تھے اور بے پروائی سے نظر انداز کر دیتے تھے ان ہی میں محبت ایک نئی چاشنی ایک نیا لطف پیدا کر دیتی ہے!!

اکبر۔ بیشک! محبت ایک سحر کار چاندنی ہے جو ہر شئے کو حسین اور دلفریب بنا دیتی ہے۔

ممتاز۔ نہیں۔ محبت آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والی ایک بجلی ہے جو ایک ہی وقت میں انسان کی تاریک زندگی کو روشن اور پر نور بھی بنا دیتی ہے اور اسکو جلا کر خاک و سیاہ بھی کر دیتی ہے!!......

اکبر۔ محبت ایک تند شراب ہے جس کی مستی دنیا کی تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کو بھلا دیتی ہے۔

ممتاز۔ یا یوں کہو کہ محبت ایک تیز آگ ہے جو خس و خاشاک کو تو جلا دیتی ہے اور اصلی چاندی اور خالص سونے کو اور بھی چمکا دیتی ہے!!

اکبر۔ (مسکرا کر) مگر ممتاز میں نے سنا ہے کہ کسی وقت میں تمہارا خیال تھا کہ محبت کے باپ کا نام خون اور ماں کا نام حرارت ہے اور وطن شریف اس کا حماقت ہے اور محبت جذبات حیوانی کا ایک خوبصورت فریب ہے!!

ممتاز۔ ہاں وہ میں بالکل ٹھیک کہتا تھا نئی نئی جوانی یا لڑکپن کی محبت کیسی

ہی ہوتی ہے!! اور اس وقت میں جس محبت کا ذکر کر رہا ہوں وہ ایک ذی ہوش آزمودہ کار شخص کی محبت ہے جو دریائے زندگی کے پچھلے کنارے پر کھڑا ہوا الہڑ کمسن نہیں رہا ہے بلکہ جو زندگی کا تیز اور طاقتور دھارا قریب قریب پار کر چکا ہے.....

اکبر۔ اور عذرا؟ مہ جبین کے سامنے عذرا کا کیا حشر ہوگا۔؟

ممتاز۔ وہی جو آفتاب کے سامنے چراغ کا حشر ہوتا ہے۔ وہی جو ماہتاب کے سامنے کرمک شب تاب کا حشر ہوتا ہے!!

اکبر۔ مگر بیوی کے حقوق۔

ممتاز۔ (جھلا کر) شاہزادہ احمقستان بیوی کے حقوق میں خوب جانتا ہوں اور تم سے بہتر جانتا ہوں۔ بیوی کے حقوق اس شریک سفر کے حقوق سے ہرگز زیادہ نہیں جس سے کسی جہاز یا ریل پر تم سے دوستی ہو جائے!!... بیوی سے محبت کرنا نہ شرعاً فرض ہے اور نہ قدرتاً ممکن ہے!!.... ذرا خیال تو کرو کہ سال میں تین سو پینسٹھ دن ہر روز اسی ایک عورت کو پیار کرنا اسی کو اوڑھنا اسی کو بچھانا اگر انسان کے لئے ایک درد ناک مصیبت ایک سنگین سزا نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟..... میں کہتا ہوں کہ بڑی سے بڑی اور گہری سے گہری محبتیں بھی ایسی روح فرسا آزمایش اس صبر آزما امتحان سے جانبر نہیں ہو سکتیں!! میں تو یہاں اگر حضرت مجنوں رحمتہ اللہ علیہ بھی اس بلا میں کہیں مبتلا ہو جاتے تو یقیناً وہ بھی بیکار گی چیخ اٹھتے اور اگر ضبط کرنے کی کوشش کرتے تو وہ صرف نام ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اور ایماناً مجنوں ہو جاتے!!

اکبر۔ (کھلکھلا کر ہنستے ہوئے) آخر آ گئے نا تم اپنے اصلی رنگ پر!!

ممتاز۔ (مسکرا کر) اصلی رنگ پر کیا؟ بلند اقبال ابھی تمہاری شادی خانہ بربادی تو ہوئی نہیں ہے تم کیا جانو۔ مگر ہاں شادی کے پانچ برس کے بعد میں تمہاری محبت کی ماتم پرسی کرونگا۔ اس وقت اصلی کیفیت معلوم ہوگی۔... اور ابھی کیا ہے ابھی تو ہر چیز تم کو ہری

ہری جادو بھری نظر آتی ہے..... میرا دعوے ہے کہ شادی کے بعد جو شخص خوش و خرم اور بے غم نظر آئے وہ یا تو حیوان مطلق ہے یا کوئی برگزیدہ فرشتہ!!! مگر انسان وہ ہرگز نہیں ہو سکتا چاہے شکل اس کی انسانوں ہی کی سی کیوں نہ ہو!!......

اکبر۔ (خوش ہو کر کہ ممتاز پھر ممتاز ہو گیا)..... بہت ممکن ہے کہ تم سچ ہی کہتے ہو ..... مگر تمہارے سب مہمان ڈیرے تمہارا انتظار کرتے ہونگے..... وہیں چلو... وہیں چل کر گل افشانیاں کرنا۔

ممتاز۔ ہاں ہاں چلو! واقعی وہ سب کہتے ہونگے کہ خانہ بہ مہماں گزاشت!!

اس کے بعد ممتاز اور اکبر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے پھر بزم عشرت میں داخل ہوئے۔ ساتولی بائی گا رہی تھیں اور غالباً اچھا گا رہی تھیں کیونکہ باتیں اور شور وغل نہیں ہو رہا تھا۔ سب خاموش اور یک گونہ محویت کے ساتھ گانے کی طرف متوجہ تھے۔

ساتولی بائی غزل گا رہی تھی اور نہایت سرور انگیز جوش اور مستانہ وار ادا سے رقص کر رہی تھیں۔

اپنا ہی سا اے نرگس مستانہ بنا دے	میں جب تجھے جانوں مجھے میخانہ بنا دے
ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے	دیوانہ بنا دے مجھے دیوانہ بنا دے
جب مائل الطاف و کرم ہو وہ ستمگر	تو ہر نگہ شوق کو افسانہ بنا دے
کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا	کونین کو خاک در جانانہ بنا دے
تجھ کو نگہ یار قسم میرے جنوں کی	ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے
میں تیرے قدموں پہ مجھے کچھ نہیں کہنا	اب جو بھی ترا لطف کریمانہ بنا دے

اس غزل کی تو ممتاز نے بھی تعریف کی بس ساتولی بائی نے جھک جھک کر کئی ایک سلام کئے اور بہت خوش ہوئیں کیونکہ ممتاز کی تعریف کوئی معمولی تعریف نہ تھی۔ وہ بہت شاذ کسی کے گانے کی تعریف کرتا تھا مشہور تھا کہ بمبئی میں ممتاز سے زیادہ اصول فن موسیقی

میں کسی کو دسترس نہ تھی ....

ساونلی بائی نے دو چار چیزیں اور سنائیں اور سب نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے سنیں۔ اس کے بعد مس گوری بائی نے گانے کے بہانے سے شور مچانا شروع کیا تو محفل زنداں نے بھی جواباً ہنسنا اور ہنسانا اور قہقہہ لگانا شروع کر دیا..... مگر باوجود اس ہنگامے کے مس گوری بائی نہایت صبر و استقلال کے ساتھ گاتی رہیں۔ اس آڑے وقت میں اگر کوئی انکے کام آیا تو وہ وہی قلب و راز ریش تھے جو اس وقت سارنگی بھی بجاتے جاتے تھے اور ساتھ ہی اس کے نہایت شد و مد سے اپنی منی گردن کو خطرناک جھٹکے دے دیکر اور سبحان اللہ کیا کہنا" "واہ واہ" کے نعرے بلند کر کے مس گوری بائی کی حوصلہ افزائی کرتے جاتے تھے۔ اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس آزمایش کے وقت اگر وہ بزرگ یہ خوش فعلیاں نہ کرتے تو مس گوری بائی کے لئے یقیناً گاتے گاتے بجز رو دینے کے اور کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا ....

مسٹر ظریف سے آخر کار رہا نہ گیا اور بول ہی اٹھے۔

ارے صاحب آپ لوگ تو خواہ مخواہ کو ہنستے ہیں۔ اِن بیچاری کا پیشہ گانا تھوڑا ہی ہے۔ گانا تو محض ایک بہانا ہے۔!..... اس پر کچھ زندہ دل نوجوانوں نے زور سے قہقہہ لگایا اور حضرت ظریف اپنے کامیاب مذاق پر بہت محظوظ ہوئے۔

ایک زندہ دل۔ بھئی خدا کی قسم اس عورت کے استقلال کو تو ذرا ملاحظہ فرمائیے ..... جیتے ماحول کے خراب اثرات سے بے نیاز ہوجانا اسی کو کہتے ہیں!

دوسرے زندہ دل۔ میری ناچیز رائے ہے کہ ہر غبی خچر کو اس تصویر استقلال کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا چاہیئے اور ہر غیر مقلد گدھے کو آنکھ بند کر کے اس کی تقلید کرنا چاہیئے ....

تیسرے زندہ دل۔ اور ذرا اس کی تہذیب اور قابلیت اور بردباری تو دیکھیئے کہ

ہم لوگوں کی بدتہذیبی پر بُرا بھی نہیں مانتی !!

ممتاز۔ تہذیب اور روشن خیالی کے لحاظ سے تو ہندوستان کے طبقۂ ناش میں طوائفوں کا فرقہ حریت پسند عورتوں کیلئے مایۂ ناز ہونا چاہئے !!! یہ بھی ایک ناقابل انکار تاریخی واقعہ ہے کہ اس ملک میں سب سے پہلے پردے کی دولہ کش اور شباب سوز رسم اٹھانے کا فخر اسی ذی ہوش اور روشن خیال طبقے کو حاصل ہے چنانچہ اس فرقے کی بیباک آزادی اور بے پردگی ہی اسکی ترقی اور خوشحالی کا اصلی راز ہے !!!

مسٹر ظریف۔ اور غالباً ممتاز بطور ایک تاجر کے اس کی تصدیق کرینگے کہ تجارتی دنیا نے خرید و فروخت کے تمام بڑے بڑے اصول اور قیمتی راز اسی جماعت سے حاصل کئے ہیں اور حریت نسواں کی عمارت کا سنگ بنیاد بھی اسی جماعت نے رکھا ہے ....

احرار الزماں (حریت نسواں کے ایک بڑے حامی جنکے جسم کے بالا خانے کو قدرت نے آراستہ کرنے میں تکلیف دہ بخل کیا تھا بڑے جوش سے) غلط ہے بالکل غلط ہے سراسر غلط ہے! میں نے اس موضوع پر متعدد کتابیں پڑھی ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ حریت نسواں کی تحریک بالکل ایک جدید تحریک ہے اور اس کی محرک خدا کی قسم صرف تعلیم مغربی ہے۔ طوائفوں کی جماعت نے ہرگز ہرگز اسکی تحریک نہیں کی ہے ......

آپ لوگوں کے یہی تو بے محل الزامات ہیں جن سے خواہ مخواہ عورتوں کو اشتعال پیدا ہوتا ہے۔

مسٹر ظریف۔ فی الحال تو اشتعال آپ ہی کو ہو رہا ہے حالانکہ ہم سب ابتک آپ کو اپنی ہی جماعت میں شمار کیا کرتے تھے۔ بڑی غلطی ہوئی معاف فرمائیے گا!

احرار الزماں۔ (اور زیادہ مشتعل ہو کر) عورتوں کو آپ ہمیشہ حبس بیجا میں نہیں رکھ سکتے۔ آپ۔

حضرت ظریف۔ (بات کاٹ کر) حبس بیجا پر تو مجھے جج اکبر کی ایک رباعی یاد آگئی وہ فرماتے ہیں۔

یہ پردہ در کو سوئے توم کس نے بھیجا ہے کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجہ ہے
یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن ازار بند کو کہدیگے حبس بیجا ہے

اس پر چند زندہ دلوں نے بہت زور سے قہقہہ لگایا۔

احرار الزماں۔ (جامہ سے باہر ہو کر) آپ تو ہیں بیہودہ۔ مجھے اس بیہودگی سے سخت نفرت ہے!! ادھر میں۔ نہیں کیا نام کہ آپ۔ جملہ تو پورا نہیں ہوا مگر ان کے منھ سے کف جاری ہو گیا۔

ممتاز۔ (احرار الزماں کے کاندھے پر ناصحانہ انداز سے ہاتھ رکھ کر) ارے بھئی احرار تم خفا کیوں ہوتے ہو۔ آخر اسمیں اسقدر خفا ہونے کی کونسی بات تھی۔ رہے ظریف تو یہ کیا کچھ آج سے بیہودہ ہیں۔ انکی عمر اسی بیہودگی میں کٹ گئی۔ بال سب ان کے سفید ہوگئے۔ مگر مذاق کرنے کی انھیں آجتک تمیز نہ آئی۔ اب تم ان کو اسی بیہودگی میں مرجانے دو بس انکی یہی سزا ہے .... سچ تمہارے حریت نسواں سے بھرے ہوئے مرکی قسم!! .... اور اگر تمہارا دل اس وقت بحث ہی کرنے پر مچلا ہوا ہے تو آؤ تم ہم سے بحث کرو۔ .... یہ بڑے بُرے ہیں۔ تم ان کے منھ نہ لگا کرو ...... ظریف! حریف۔ خریف کہیں کے! ..... ہمارے پاکباز زن پرست احرار کو بناتے ہیں؟ بڑے آئے یاں سے!! ہاں ہاں میاں احرار تو تم کیا کہہ رہے تھے ..... کہ عورتوں کو ہمیشہ ہم لوگ حبس بیجا میں نہیں رکھ سکتے؟ ....

احرار الزماں۔ جی ہاں بیشک .... عورتیں اپنے حقوق اور آزادی کے لئے لڑ رہی ہیں اور بہت جلد لڑ کر آزاد ہو جائیں گی ....

ممتاز۔ (بظاہر نہایت سنجیدگی سے) ہاں ہاں بیشک مگر نہیں یہ بھی معلوم ہے

کہ کون عورتیں اپنے حقوق اور آزادی کے لئے خم ٹھونک ٹھونک کر لڑتی ہیں؟

احرار۔ جی نہیں۔ آپ ہی فرمائیے!!

ممتاز۔ (اسی مضحکہ انگیز سنجیدگی سے) آزادی اور حقوق کیلئے وہی عورتیں خم ٹھونک کر لڑتی اور گلا پھاڑ پھاڑ کر شور مچاتی ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں کسی مرد کو نہیں چاہا ہوتا اور جنکو ان کی زندگی میں کسی کانے کبڑے، لولے، لنگڑے، ٹوٹے پھوٹے مرد نے بھی نہیں چاہا ہوتا۔ ورنہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ وہ عورت جس کے لب اسکے چاہنے والے کے لبوں سے بوسۂ محبت سے ملے ہوئے ہوں۔ کیسے حقوق نسواں کیلئے فریاد کرنیکی مجرم ہو سکتی ہے اور وہ عورت جس کے گلے میں اس کے وفادار محبوب کی بانہیں پڑی ہوں اور جو اس کی آغوش محبت میں مقید ہو کیسے اور کس لئے آزادی کا مطالبہ کرنے کی حماقت کر سکتی ہے!!! عورت کا سب سے بڑا حق مرد کے دل پر حکومت کرنا ہے مگر یہ حکومت پلیٹ فارم پر تھرکنے یا جنگلی بلیوں کی طرح لڑنے اور شور مچانے سے نہیں ملتی بلکہ قسمتوں سے ملتی ہے۔ عورت کی سب سے بیش قیمت آزادی اس کا مرد کی محبت میں گرفتار ہونا ہے مگر یہ گرفتاری دار القوانین یا سیاسی مجاہدات سے نہیں ہو سکتی بلکہ نصیبوں سے ہوتی ہے۔

یہ کیفیت اسے ملتی ہے ہو جس کے مقدر میں
مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں

کون مہمل قانون اور کون پاگل عقل کسی مرد کو اس جرم میں پھانسی دے سکتا ہے کہ وہ کسی کج فہم بدصورت یا بدمزاج بیوی کی ناز برداری نہیں کر سکتا اور یہ آپ کو ماننا پڑیگا کہ بیوی اگر کج فہم نہیں ہوتی تو بدصورت ضرور ہوتی ہے اور اگر بدصورت بھی نہیں ہوتی تو بدمزاج ہونا اس کیلئے لازمی ہے میرا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس میں ان تینوں صفتوں میں سے کم از کم ایک صفت موجود نہ ہو اور اگر کسی بیوی میں ان تینوں صفتوں میں سے ایک صفت بھی

موجود نہ ہو تو وہ بیوی ہی نہیں وہ معشوقہ ہو گی اور اُسے معشوقہ ہونا ہی چاہیئے۔

احرار الزماں۔ (کسیقدر متاثر ہو کر) ہاں ہاں یہ تو تم سب ٹھیک کہتے ہو مگر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا مرد عورتوں پر ظلم نہیں کرتے؟ کیا عورتوں کے حقوق اور آزادی!

ممتاز۔ (بات کاٹ کر) میاں صاحبزادے میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ جو عورتیں حقوق اور آزادی کے لئے مردوں کے منہ اور داڑھیوں میں ہاتھ ویدے کھینچتی اور ریلاتی ہیں وہ اکثر بد صورت اور ہمیشہ بد مزاج ہوتی ہیں اگر تمہیں اسمیں شک ہو تو تم گورنمنٹ سے کمیشن مقرر کروا کے باقاعدہ تحقیقات کرا لو۔ وہ نہ چاہنے کے قابل ہوتی ہیں اور نہ کوئی صحیح العقل انسان انھیں چاہ سکتا ہے! خدا ان مظلوم اور بدقسمت شوہروں کی مغفرت کرے جن کا قانونی فرض ایسی عورتوں کو چاہنا یا ان سے محبت جتانا ہو۔ میں تو دعوے سے کہتا ہوں کہ جب کبھی تم کسی عورت کو مردوں پر جہاد بالقلم یا جہاد باللسان کرتے ہوئے دیکھو تو فوراً بلا تامل سمجھ لو کہ یہ عورت یا تو مردوں کی محبت سے قطعاً نا امید ہو چکی ہے یا پھر ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے!!!

اس وقت مس گوری بائی نے تھک کر اور در اصل ہمت ہار کر گانا بند کر دیا دو ایک سامعین محفل نے محض عادتاً یا اخلاقاً بددلی سے تعریف کر دی جس سے مس گوری بائی کی دفعتاً باچھیں کھل گئیں یعنی بالفاظ دیگر ان کے وسیع دہانے میں عارضی طور پر ایک ہیبت ناک وسعت پیدا ہو گئی۔ علاوہ اس کے رات کے دو بج گئے تھے سب خستہ ہو رہے تھے۔ شراب کا نشہ تو سب پر تھا ہی نیند کا غلبہ بھی ہو چلا تھا بتوں کی آنکھوں میں سرخی چہروں پر خستگی پیدا ہو گئی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کے ان کو بار بار لگاتار جمائیاں آ رہی تھیں۔ پریوں کے چہرے بھی شب بیداری اور ریاض سے کملا گئے تھے۔ ان کو بھی جمائیوں کا مرض شروع ہو گیا تھا جس کا علاج وہ سگریٹ پی پی کر کر رہی تھی اور دل ہی دل میں ڈر رہی تھیں کہ کوئی غیر ذمہ دار شخص کسی گیت کی بے تکی

فرمائش کرنے تو مصیبت آجائے انجمن رندان میں کوئی کہہ رہا تھا کہ بھئی ہمیں کل علی الصباح ایک ضروری کام سے کہیں باہر جانا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ کئی راتوں کا جاگا ہوا ہے۔ اب اس کی آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں۔ غرضکہ محفل کا رنگ اکھڑ گیا تھا۔۔۔ اور ممتاز کو بھی کچھ غیر معمولی تکان سی محسوس ہو رہی تھی اس سے جلسہ برخاست کرنے کا حکم دینے میں اسے زیادہ تامل نہیں ہوا۔ جس پر پریوں میں اور بالخصوص آن کہنہ مشق گنہگاروں میں جو ان کے ساتھ تھے دفعتاً ایک نئی جان پڑ گئی اور جلدی جلدی اپنا ساز و سامان باندھنے میں مصروف ہو گئے!!

تھوڑی دیر میں سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ کمرہ خالی ہو گیا۔ اور ممتاز اپنے پلنگ پر لیٹ کر مہ جبین کی خیالی تصویر کی پوجا کرتے کرتے کچھ عرصہ کے بعد سو گیا!......

پینتواں باب

(۱)

مہ جبین عرف نور جہاں

جام جم کے دفتر میں شام کے وقت انور میز کے ایک کونے پر پاؤں لٹکائے آزادی سے بیٹھا ہوا تھا اور شکور اس کا وفادار ملازم اس کے سامنے کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔

انور۔ شکور تم بھی کمال کے آدمی ہو...... تم کو تو خفیہ پولیس میں کوئی بہت معزز عہدہ ملنا چاہیئے......

شکور۔ نہیں حضور میں کس قابل ہوں... مگر ہاں خدا کرے یہ تدبیر کارگر

ہو جائے ......

انور: نہیں اب کیا ہے۔ اب تو اس کو انشاء اللہ سوائے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے کے اور کوئی مفر ہی نہ ہوگا۔

شکور: جی ہاں امید تو یہی ہے مگر وہ ایک ہی چالاک فطرتی آدمی ہے اُسے سینکڑوں فن یاد ہیں۔ وہ کوئی معمولی دل و دماغ کا آدمی نہیں ہے...... مگر خیر دیکھا جائیگا..... اور حضور ایک خوشخبری اور سنانے آیا ہوں۔

انور: (مسکراکر) وہ کیا؟

شکور: وہ یہ کہ مس مہ جبین طوائف کی لڑکی نہیں ہیں بلکہ کوئی خانصاحب فخرالدین ہیں ان کی لڑکی ہیں۔

انور: (تعجب سے) خانصاحب فخرالدین..... ایک خان بہادر فخرالدین تو یہیں سینٹاکروز میں رہتے ہیں۔ اور یہاں کے بہت متمول ٹھیکہ دار ہیں۔

شکور: (بہت خوش ہوکر) تو حضور یقیناً وہی ہونگے۔ پہلے خانصاحب تھے اب خان بہادر ہو گئے ہوں گے۔

انور: مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مہ جبین انکی لڑکی ہو۔

شکور: اس میں تو اب کوئی شک نہیں کہ مس مہ جبین کسی شریف خاندان کی لڑکی ہیں اور غالباً ان ہی خان بہادر فخرالدین کی صاحبزادی ہیں۔ اس کے بعد شکور نے تعویذ کا سارا قصہ انور سے دہرا دیا۔ انور کو سن کر بید خوشی ہوئی اور اس نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ مہ جبین کی رگوں میں ضرور شریف والدین کا خون ہے ورنہ اس میں یہ بلند خیالی یہ عالی حوصلگی۔ یہ عزت اور آبرو کا پاس کیسے آسکتا تھا ...... مگر شکور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایک طوائف کے گھر میں کیسے پہنچ گئی......

شکور: یہ گتھی تو میں بھی ابھی تک نہیں سلجھا سکا۔ حضور چلئے اسی وقت

خان بہادر فخر الدین صاحب کے یہاں چلیے۔ بہت ممکن ہے کہ ان سے باتیں کرنے کے بعد یہ عقدہ حل ہو جائے۔

انور:۔ ہاں ہاں چلو میں تیار ہوں۔۔۔۔ ضرور چلنا چاہیئے۔۔۔۔ مگر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ پر حسین اب ہمیشہ کے لئے خراب اثرات سے محفوظ ہو جائیگی۔۔۔۔ کیا ظلم ہوتا اگر ایسی حسین اور بلند خیال لڑکی طوائف ہو کر اپنی زندگی خراب و برباد کر دیتی۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر انور شکور کے ساتھ دفتر سے نکلا اور ایک ٹیکسی کر کے دونوں خان بہادر فخر الدین کے بنگلے کو روانہ ہو گئے۔۔۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ خان بہادر فخر الدین اپنے بنگلے کے سامنے سنگ مرمر کے گول چبوترے پر آرام کرسی پر لیٹے ہوئے تھے ان کی عمر پچاس سے کچھ تجاوز کر گئی تھی۔ قد ان کا لانبا تھا۔ بدن مائل بہ فربہی تھا۔ داڑھی کی زینت سے وہ محروم تھے۔ مگر مونچھیں انکی نواب شجاع الدولہ مرحوم کے لگ بھگ تھیں غالباً داڑھی ہی کی مونچھوں سے پوری کی گئی تھی۔ جوانی میں خان بہادر ضرور غیر معمولی طور پر حسین ہونگے۔ کیونکہ اب بھی "آثار بدید ست صنادید عجم را" کا نقشہ تھا۔ بڑی مہری کا پاجامہ اور مہین ڈوریئے کا کرتا پہنے ہوئے تھے ایک چھوٹی سی میز پر گھومنے والا بجلی کا پنکھا چل رہا تھا اور دوسری چھوٹی میز پر ایک بجلی کا دودھیا قمقمے والا لیمپ سبز شیڈ کے نیچے روشن تھا اور اسکے قریب ہی ایک دوسری آرام کرسی پر سروری بیٹھی ہوئی خان بہادر صاحب کو بمبئی کرانیکل پڑھکر سنا رہی تھی۔ اس وقت ایک ٹیکسی بنگلے کے پھاٹک کے سامنے آکر رکی۔ اور اس پر سے انور اور شکور اترے۔۔۔۔۔۔

سروری اخبار پڑھتے پڑھتے رک گئی اور موٹر کی طرف دیکھنے لگی خان بہادر صاحب بھی پھاٹک کی طرف گھورنے لگے۔۔۔۔ مگر چونکہ چبوترے پر روشنی اور پھاٹک پر اندھیرا تھا اس لئے دونوں میں سے کسی کو کچھ صاف دکھائی نہ دیا۔۔۔۔۔

سروری کو یا خان بہادر کو زیادہ انتظار کرنے کی زحمت نہیں ہوئی کیونکہ چند ہی سکنڈ میں انور السلام علیکم کہتا ہوا چبوترے پر چلا آیا۔ اور اس کے پیچھے شکورا آکر کھڑا ہو گیا۔ خان بہادر نے وعلیکم السلام کہہ کر انور کو بلا تکلف گھورنا شروع کر دیا۔۔۔ اور ادھر سروری کے ہاتھ سے دفعتاً اخبار چھوٹ گیا اور وہ بھی بڑے تعجب سے انور کو دیکھنے لگی۔

انور نے طلسم سکوت یہ کہہ کر توڑا (خان بہادر سے مخاطب ہو کر) کیا مجھے خان بہادر فخر الدین صاحب سے گفتگو کرنے کا فخر حاصل ہے؟......

خان بہادر:۔ جی ہاں۔ میرا ہی نام فخر الدین ہے..... تشریف رکھئے

انور ایک آرام کرسی خان بہادر کے ذرا قریب کھینچکر اس پر بیٹھ گیا شکورا انور کی کرسی کے پیچھے کھڑا رہا۔

انور:۔ (خان بہادر سے) میرا نام انور محمود ہے!!

خان بہادر:۔ انور محمود؟ ہاں مجھے یاد آگیا قریب ایک ہفتہ ہوا شاید آپ ایک مرتبہ اور بھی تشریف لائے تھے میں اس وقت موجود نہیں تھا

انور:۔ جی ہاں۔ مگر اس وقت جو خاص ضرورت مجھے آپکے پاس لائی ہے وہ بالکل دوسری ہے اور بہت اہم ہے.....

خان بہادر:۔ بجا ہے۔ میں پوچھ سکتا ہوں وہ خاص اور اہم ضرورت کیا ہے؟

انور:۔ قبل اس کے کہ میں وہ ضرورت بیان کروں میں آپکے خاندانی معاملات میں دخل دینے کی معافی چاہتا ہوں:۔ خان بہادر کرسی پر لیٹے ہوئے تھے مگر اب یکبارگی بیٹھ گئے اور انور کا سراپا پھر از سر نو انھوں نے غور سے دیکھا اور کسیقدر گھبرا کر بولے میں سمجھا نہیں کہ میرے خاندانی معاملات میں دخل دینے

سے آپ کا کیا مطلب ہے ؟"

انور :- معاف فرمائیے گا مگر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی کتنی صاحبزادیاں ہیں ؟

خان بہادر (کسیقدر برافروختہ ہو کر) آپ کو میری صاحبزادیوں یا ان کی تعداد سے کیا سروکار ؟

انور :- (مسکرا کر مگر متانت سے) مجھے آپکی صاحبزادیوں کے معاملے میں تعلق سے بہت گہری دلچسپی پیدا ہو گئی ہے !!" اس جملہ پر تو سروری بہت تلملائیں اور خان بہادر کے مزاج کا پارہ ذرا اوپر چڑھ گیا اور کسی قدر خشونت آمیز لہجے میں بولے جناب من - میں تعلیم اور آزادی نسواں کا حامی ضرور ہوں لیکن اگر آپ شادی کا پیغام دینے کے لئے تشریف لائے ہیں تو معاف فرمائیے گا ، اُس کا میرے خاندان میں یہ طریقہ نہیں ہے !!

انور :- میں اس قسم کی جرأت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ آپ اطمینان رکھئے آپ کی صاحبزادیوں کی تعداد دریافت کرنے میں میری ایک خاص غرض ہے ۔ براہ کرم مہربانی کر کے برافروختہ نہ ہوں۔

خان بہادر :- عالی جناب میری صرف ایک لڑکی ہے اور وہ یہی ہے جو آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے .....

انور کو اس جواب سے خلاف امید مایوسی ہوئی مگر اُس نے پھر فوراً ہی کہا لیکن اسکے علاوہ آپ کی ایک لڑکی اور بھی تو تھی ؟".... خان بہادر کرسی پر سے اُچھل پڑے اور بہت ہی پرہیجان لہجے میں بولے تھی تو ! مگر آپ کو کیسے معلوم ؟ آپ کو کیونکر معلوم ہوا ؟ '

انور :- (خان بہادر کا سوال نظرانداز کر کے) .... تو کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں

کہ وہ لڑکی موجود ہے یا ۔۔ ؟

خان بہادر کے گلے میں کچھ تشنج سا پیدا ہونے لگا اور وہ ایک بھرآئی ہوئی آواز میں بولے ۔ میں نہیں جانتا کہ وہ لڑکی زندہ ہے یا مر گئی !! اس کی عمر پورے تین سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ دفعتاً غائب ہو گئی ہم نے اسکی بہت تلاش کروائی مگر کہیں پتہ نہ چلا معلوم نہیں کوئی اُسے چرا لے گیا یا کسی نے اُسے مار ڈالا ؟

انور :۔ آپ کو یہ خیال کیسے ہوا کہ کسی نے اُسے مار ڈالا ہے ؟

خان بہادر :۔ اس وجہ سے کہ اس کے گلے میں سونے کا ایک قیمتی تعویذ تھا

انور :۔ (بہت خوش ہو کر) اور تعویذ کی شکل ؟ تعویذ کی شکل کیسی تھی ؟

خان بہادر :۔ جہاں تک مجھے خیال پڑتا ہے وہ تعویذ چوکور تھا جیسے عام طور سے تعویذ ہوتے ہیں

انور :۔ (خوش ہو کر) اور اس واقعہ کو آج سے کتنا عرصہ ہوا ؟

خان بہادر :۔ قریب تیرہ سال ! اگر وہ لڑکی ہوتی تو اس وقت قریب سولہ سال کی ہوتی ۔۔ میں آپ سے کیا عرض کروں کیسی خوبصورت لڑکی وہ تھی ۔۔۔۔۔ حسین سے حسین بچے کا آپ خیال کیجئے وہ اس سے بھی زیادہ حسین تھی !!۔۔۔

انور :۔ تو خان بہادر صاحب میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ وہ لڑکی آپ کی زندہ ہے !!

خان بہادر (بے حد پریشان لہجے میں) زندہ ہے ؟

انور (نہایت اطمینان اور یقین کے لہجے میں) جی ہاں زندہ ہے ! اور میں آپ کو آپکی گمشدہ لڑکی سے ملا بھی سکتا ہوں !" خان بہادر شدت اضطراب سے کھڑے ہو گئے سر دی خوشی اور تعجب سے کانپنے لگے۔

خان بہادر (مجنونانہ انداز سے) ۔۔۔ زندہ ہے ؟ میری نور جہاں زندہ ہے ۔۔ للہ مسٹر انور آپ مجھے اسے دکھا دیجئے ۔۔۔ آپ جو کچھ بھی مجھ سے سوال کریں گے میں جانے میں تامل

اور نہایت خوشی سے اُسے منظور کرونگا۔ مگر آپ مجھے اُسے دکھا دیجئے۔

انور:۔ میں آپ سے اس وقت کوئی سوال کرنے نہیں آیا ہوں۔ آپ کو تو جس قدر بھی خوشی ہو وہ کم ہے۔ مگر مجھے بھی اس کی کم خوشی نہیں ہے کہ وہ آپکی لڑکی ہے ..... اچھا تو اگر آپ اپنی نورجہاں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً اپنا موٹر منگوائیے میں ابھی آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

خان بہادر:۔ ابھی۔ ابھی۔ ابھی لیجئے (چلا کر) ارے کوئی ہے؟ محبوب!! عبدالقادر!! کریم بخش!! سب مر گئے کمبخت!! کوئی بولتا ہی نہیں!!

اتنے میں کریم بخش نے آواز دی۔ جی، آیا حضور!

خان بہادر:۔ ادھر آؤ نالائقو! کس وقت پر غائب ہو جاتے ہو!!... جاؤ عبدالقادر سے کہو کہ فوراً بڑا موٹر لے آئے!! فوراً! خبردار منٹ بھر کی بھی دیر نہ ہونے پائے......

سروری:۔ میرے ابا جانی.... میں بھی آپ کے ساتھ چلونگی!!.....

خان بہادر:۔ ہاں ہاں بیٹی تم بھی چلنا...... ہائے میری نور!.... مجھے کیا معلوم تھا کہ تو ابھی تک زندہ ہے اور مجھے مل بھی سکتی ہے...... میں تو مایوس ہو کر تجھے صبر کر چکا تھا اے خدا میں تیرا شکریہ کس زبان سے ادا کروں؟...... کیوں انور صاحب میری نورجہاں اچھی تو ہے نا؟

انور:۔ (خان بہادر کے ہیجان اور اضطرابی حالت سے متاثر ہو کر) جی ہاں۔ بہت اچھی ہیں۔

خان بہادر:۔ انور صاحب وہ ہے کہاں اور کس کے پاس ہے اور اب تک کس کے پاس تھی اور صورت اس کی ماشاءاللہ بڑی اچھی ہوگی۔

انور:۔ جی ہاں بہت اچھی ہیں......

خان بہادر:۔ وہ تو بچپن ہی میں بالکل چینی کی گڑیا معلوم ہوتی تھی !!
اتنے میں موٹر آگیا۔ بڑی "بیوک" کار نہایت خوبصورت شاندار اور آراستہ سیلون.... پیچھے کی سیٹ پر پہلے انور پھر خان بہادر پھر سرودی اور اگلی سیٹ پر ڈرائیور اور شکور بیٹھے۔
انور:۔ (ڈرائیور سے) سیدھے بمبئی لے چلو......
خان بہادر:۔ تیز۔ خوب تیز۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں پہنچ جاؤ بلکہ اس سے بھی پیشتر!
موٹر تیزی سے نکلا۔ اور بمبئی کا راستہ چالیس اور پچاس اور کہیں کہیں ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے کرنے لگا..... انور نے راستہ میں تعویذ کا سارا قصہ خان بہادر سے کہہ دیا مگر مصلحتاً یہ نہیں ظاہر کیا کہ نورجہاں اب تک کس قسم کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ خان بہادر کو بھی پورا یقین ہو گیا کہ جس لڑکی سے وہ ملنے جا رہے تھے وہ ان ہی کی نورجہاں ہے۔
انور:۔ (مسکرا کر) مگر خان بہادر صاحب آپ نے اپنی نورجہاں کو یا تو تیرہ سال ہوئے دیکھا تھا یا پھر آج دیکھیں گے۔ اُس وقت وہ صرف تین سال کی تھی اور اب وہ قریب سولہ سال کی ہے.... آپ اُسے پہچانیںگے کس طرح؟
خان بہادر:۔ (پرجوش لہجے میں) میں!..... میں اُسے اپنی محبت سے پہچان لوں گا میں اسے اپنے خون کی تڑپ سے پہچان لونگا..... اور ہاں مجھے خوب یاد آیا نورجہاں کی پیٹھ پر ایک لہسن تھا بالکل گلاب کی پھول کی شکل کا۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی گلاب کے پھول پر سو گئی ہو اور پھول کے دب جانے سے اس کی پیٹھ پر اس کا نشان پڑ گیا ہو!!
سرودی:۔ ہاں ہاں.. باجانی مجھے بھی یاد آ گیا۔ نورجہاں کی پیٹھ پر گلاب

کے پھولوں کا ایک چمن تھا.......

اس قسم کی باتیں آپس میں ہو رہی تھیں کہ شکور نے ڈرائیور سے کہا موٹر کو

خان بہادر:۔ کیوں؟ کیوں؟ موٹر روک کیوں دیا؟

انور:۔ جس مکان میں آپ کی نور جہاں ہیں وہ مکان آگیا۔

خان بہادر:۔ (بے چین ہو کر)؟..... مکان آگیا؟ میری نور..... اسی اسی..... اسی مکان میں ہے؟"..... یہ کہہ کر خان بہادر موٹر سے نیچے کودنے ہی والے تھے کہ انور نے انکے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ خان بہادر صاحب بس ذرا ایک دو منٹ اور ٹھہر جائیے..... میں ابھی آتا ہوں۔

خان بہادر:۔ مگر میں بھی آؤں نا؟ کوئی حرج ہے؟

انور:۔ (موٹر سے اتر کر یک گونہ لجاجت سے) جی نہیں میں ابھی آتا ہوں جہاں آپ نے اتنے برسوں تک صبر کیا وہاں ایک دو منٹ اور سہی۔

خان بہادر:۔ اچھی بات ہے..... تو آپ جلدی جائیے اور میری نور سے کہہ دیجئے کہ اس کا بچھڑا ہوا باپ اس کے لئے تڑپ رہا ہے..... اور اتنا کہہ کر بیچارے خان بہادر کی آواز رک گئی۔ آنکھیں ڈبڈبائیں۔ اور آنسو جاری ہوگئے۔

....

....

....

....

(۲)

مہ جبین..... (نور جہاں)........ ایک انگریزی ناول پڑھ رہی تھی جو شکور اس کے لئے لے آیا تھا۔

دروازہ پر کسی نے دستک دی...... نورجہاں چونک اٹھی...... اور بولی
"ایں یہ کس نے دروازہ کھٹکھٹایا...... دیکھنا تو چمپا...... شاید شکور ہو......"
کیتلی گیس کے چولہے پر دھری تھی۔ چائے کا پانی گرم ہو رہا تھا۔ چمپا چائے کا سامان ایک چھوٹی سی میز پر رکھ رہی تھی فوراً دروازہ کھولنے نیچے گئی جس کمرے میں نورجہاں بیٹھی تھی وہ کوٹھے پر تھا اور دروازہ مکان کی پہلی منزل پر تھا......
چمپا: (دروازے پر آکر) کون ہے جو دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے...... شکور؟
انور: کھولو...... میں ہوں......
چمپا نے انور کی آواز پہچان کر فوراً دروازہ کھول دیا اور انور کو دیکھ کر خوشی سے چیخنے ہی والی تھی کہ انور نے اسے اشارے سے روکا اور آہستہ سے کہا: "تم یہیں رہو میں ابھی آتا ہوں......"
انور زینہ پر جلدی جلدی چڑھنے لگا...... نورجہاں سمجھی کہ سوائے شکور کے اور یہ کون سکتا ہے...... جب اس کے کمرے کے باہر قدم کی آہٹ ہوئی تو اس نے کسیقدر بے پروائی سے دروازہ کی طرف نظر اٹھائی۔ کمرہ میں بجلی کی روشنی تھی۔ بجلی کی روشنی اور نورجہاں کی نظر ایکساتھ انور کے مسکراتے ہوئے حسین چہرے پر پڑی...... اچنبھا۔ خوشی...... مسرت آمیز تعجب پھر شبہ کہ شاید اس کی نگاہ غلطی کر رہی ہے پھر یقین کہ نہیں آنیوالا اس کا انور ہی ہے...... یہ کیفیتیں یکے بعد دیگرے اس کے دل و دماغ میں پیدا ہوئیں...... کتاب اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ ایک جست کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور کسی چھوٹے سے بچے کیطرح وہ فرط مسرت سے اپنے دونوں ہاتھ انور کیطرف پھیلائے یہ کہتی ہوئی بڑھی......: "انور! میرے انور! یہ تم کیسے آگئے؟"
انور نے شرما کر۔ نورجہاں کے دونوں نرم نرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور مسکرا کر کہا "کہو اچھی تو رہیں......"

نورجہاں۔ اچھے رہے یا برے رہے تمہاری بلا سے مگر انور تم نے مجھے بہت دکھ دیا۔

انور۔ اب میں تمہیں سکھ دینے آیا ہوں

نورجہاں۔ (مسکراکر) تمہیں خدا کی قسم سچ کہنا۔ کیا تمہارا کام کبھی سکھ دینا بھی ہو سکتا ہے

انور۔ (ہنسکر) ہاں ہاں کیوں نہیں...... میں نے تمہارے ابا جانی...... تمہاری سگی بہن..... تمہارے خاندان کا پتہ لگالیا۔

نورجہاں۔ (تحیر آمیز خوشی سے) سچ کہیئے۔ کب؟ کہاں؟ کیسے؟ مجھے یقین نہیں آتا!!

انور۔ (مسکراکر) تو اس میں کیا ہے بتاؤ۔ اگر میں تم سے تمہارے ابا جانی اور تمہاری سگی باجی کو ملادوں تو تم مجھے کیا دو گی؟

نورجہاں۔ خدا کی قسم جو کچھ بھی آپ کہیں گے میں اس سے انکار نہ کرونگی....

انور۔ (ہنسکر) موقع پڑتا ہے تو لوگ جھوٹی قسمیں بھی کھا لیتے ہیں اور جھوٹے وعدے بھی کر لیتے ہیں اور پھر جب کام نکل جاتا ہے تو اپنے عہدو پیمان سے مکر جاتے ہیں

نورجہاں۔ وہ کیسے لوگ ہیں جو عہدو پیمان سے مکر جاتے ہیں۔ یہاں تو جو زبان سے کہدیا وہ کر گذرتے ہیں۔

انور۔ اچھا تو سنو۔ تمہارے ابا جانی خان بہادر فخر الدین صاحب اور تمہاری باجی سروری نیچے سڑک پر موٹر میں ہیں.... میں صرف تمکو اطلاع دینے کیلئے آیا ہوں۔

نورجہاں۔ (مسرت انگیز تعجب سے)....اے سچ۔ کیا وہ یہیں ہیں۔ .....یہیں؟ یہیں؟ یہیں؟

انور۔ ہاں یہیں! یہیں؟ اچھا تو اب میں جاتا ہوں اور انکو بلائے لاتا ہوں۔ مگر ایک بات یاد رکھنا! اپنی گذشتہ زندگی پر ابھی پردہ ہی پڑا رہنے دینا جو جی میں آئے کہدینا۔ مگر اصلیت سے کسی کو آگاہ نہ کرنا تمہیں!! بس یہی تم سے کہنے آیا تھا...

....

مہ جبین عرف نورجہاں یا نورجہاں عرف مہ جبین کا اپنے والد اور اپنی بہن سے ملنا ایک نہایت ہی پرکیف اور جذبات انگیز منظر تھا۔ جو باپ اپنی گمشدہ بیٹی کو صبر کرکے بیٹھ گیا ہو اگر اسے یک بیک اس کے جگر کا وہ کھویا ہوا ٹکڑا مل جائے تو اسکے قلب کی حالت کیسی ہوگی اور کیا ہو سکتی ہے؟ جو لڑکی اپنے آپ کو ایک نہایت ذلیل و خوار اور دنیا میں بالکل بیچ و تنہا بے بس اور بیکس ہستی سمجھ چکی ہو اس کو اگر یکبارگی یہ معلوم ہو کہ وہ ایک بڑے امیر اور شریف خاندان کی چشم و چراغ ہے اور اس کا محبت کرنیوالا باپ اسے اپنے سینہ سے لگا رہا ہو اور اسکی چہیتی بہن اسکے گلے میں اپنی باہیں ڈالکر بیٹھی ہو اس لڑکی کی دلی مسرت اور حیرت آمیز خوشی کی کیفیت کیسی ہوگی اور کیا ہو سکتی ہے؟ سب کی آنکھوں میں آنسو اور سب کے دلوں میں نوخیز خوشی کا پرکیف سرور تھا!!

انور دیدہ و دانستہ خان بہادر اور سروری کو مہ جبین کے کمرہ تک پہنچا کر پیچھے چلا گیا۔ نیچے پہنچکر اس نے محسوس کیا کہ وہ چمپا اور شکور کے راز و نیاز میں مخل ہے اس لئے وہ باہر جاکر موٹر میں بیٹھ گیا۔

کچھ عرصے کے بعد خان بہادر معہ سروری اور نورجہاں اور چمپا کے باہر آئے اور موٹر ڈرائیور سے پوچھنے لگے "انور صاحب کہاں ہیں" انور خان بہادر کی آواز سنکر موٹر سے نکل آیا۔ خان بہادر نے انور سے اپنا منشا ظاہر کیا کہ وہ نورجہاں اور چمپا کو اپنے ساتھ اسی وقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس تجویز سے انور نے بھی اتفاق کیا اور پوری پارٹی اسی موٹر میں بیٹھ کر پھر سنیا کروز روانہ ہوگئی۔ صرف شکور پیچھے رہ گیا کیونکہ اس کو بہت سے متفرق فرائض بمبئی میں ادا کرنا تھے اور سنیا کروز میں اس کا اس وقت کوئی کام نہ تھا۔

چھبیسواں باب

انور اور ڈاکٹر شیرازی

دوسرے دن رات کو قریب آٹھ بجے انور، شکور اور خفیہ پولیس کے ایک آزمودہ کار انسپکٹر اور دو کانسٹیبل ڈاکٹر شیرازی کے مکان میں داخل ہوئے۔ انور تو ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور شکور اور خفیہ پولیس کے انسپکٹر اور کانسٹیبل قریب ہی ایک دوسرے کمرے میں ایک بنچ پر بیٹھ گئے اور سگرٹ اور پان سے شغل کرنے لگے۔

انور کو ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ڈاکٹر شیرازی ایک اچھا ڈریس سوٹ پہنے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت دو حسین شخصوں کا مقابلہ تھا۔ انور کی وضع بہت سادہ تھی مگر اس کے بے تکلف حسن میں ایک عجیب پراثر روحانیت تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے میں ایک شان ملکوتی تھی۔ برعکس اس کے ڈاکٹر شیرازی ایک قیمتی ڈریس سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کے غیر معمولی حسن میں ایک عجیب حیوانی قوت۔ اس کے حسین چہرے میں خاص کشش اس کی سیاہ خوبصورت چمکدار آنکھوں میں ایک طاقتور مقناطیسیت تھی۔ انور کو دیکھ کر اس کو تعجب تو ہوا مگر نہایت اخلاق سے بڑھ کر اس نے انور سے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا اور اپنے شیریں ترین تبسم سے کہا "اخاہ! مسٹر انور آپ ہیں مجھے اس غیر متوقع ملاقات سے بے اندازہ خوشی ہوئی تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے۔ آپ کے مزاج تو اچھے ہیں؟"

انور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور اس کے قریب ہی ایک کرسی پر ڈاکٹر شیرازی بڑی شان سے رونق افروز ہو گئے۔

کمرے میں بجلی کی روشنی بہت خوشنما تھی اور آنکھوں کو بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی

ڈاکٹر شیرازی نے اطلس پیچ کی خوبصورت رنگین پتھر کی میز پر سے سگرٹ کا بکس اٹھایا اور بڑے اخلاق سے انور کے سامنے مسکرا کر یہ کہتے ہوئے پیش کیا "مسٹر انور لیجئے! آپ سگرٹ تو ضرور پیتے ہونگے" انور نے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ کہئے انور صاحب آج کل کن مشاغل میں آپ اس قدر مصروف تھے کہ کہیں آپ دکھائی نہیں دیئے!!

انور:۔ (خشک لہجے میں ڈاکٹر شیرازی کو غور سے دیکھ کر) میں آج کل اپنی جان بچانے کی فکر میں مبتلا تھا!!......

ڈاکٹر شیرازی:۔ (بھنویں چڑھا کر مصنوعی انداز استعجاب سے) جان بچانے کی فکر میں؟ مگر آپکی جان کی فکر میں کون ہو سکتا ہے؟... (پھر دونوں پاؤں پھیلا کر اور دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھ کر ہنستے ہوئے) او ہو اب میں سمجھا... کسی برق ماہ پیکر کی محبت میں آپکی جان کے لالے پڑے ہیں... مسٹر انور آپکی خوش قسمتی کی تو قسم کھانا چاہیئے!!

انور:۔ کیوں نہیں۔ میری خوش قسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے اشاروں پر میں مارا جاؤں؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مصنوعی تعجب سے مگر کسی قدر خوف زدہ ہو کر) میرے اشاروں پر؟ اور آپ مارے جائیں؟ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے؟... میں نے تو کئی سال سے اس سے زیادہ مہمل بات کوئی سنی ہی نہیں۔

انور:۔ اور شاید آپ نے یہ مہمل بات بھی نہ سنی ہو گی کہ دوسروں کی جان لینے میں جو آپ بالکل نئے نئے تجربے کر رہے ہیں اس میں یہاں کی پولیس کو بھی ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

ڈاکٹر شیرازی کے چہرہ کا رنگ دفعتاً بدل گیا۔ اس کی آنکھیں زمین پر گڑ گئیں اور اس کے ہونٹوں میں جو یک بیک سفید ہو گئے تھے ایک خفیف سی لرزش محسوس ہونے لگی مگر

صرف چند لمحوں تک ۔ اور اس کے بعد پھر اس نے اپنے اوپر قابو پا کر بظاہر مطمئن آواز میں ایک مصنوعی تبسم کے ساتھ کہا: مسٹر انور! آپ کو اس قدر تعجب کیوں ہے؟ ڈاکٹروں کا کام تو مارنا اور جلانا ہوتا ہی ہے ۔ دنیا میں کون ایسا ڈاکٹر ہے کہ جس نے دس پانچ کی جانیں نیک نیتی سے نہ لی ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پولیس کو ان مشاغل میں دلچسپی لینے کی ضرورت کیا ہے ...... کیا آج کل ان کے پاس کوئی اور ضروری کام نہیں رہ گیا؟

انور: جی ہاں غالباً وہ اسی مسئلے کے حل کرنے کو بہت ضروری کام سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر شیرازی نے بمبئی کے سزا یافتہ بدمعاش حیدر کو کیوں میرے قتل کے لئے مامور کیا؟........

ڈاکٹر شیرازی کا حلق خشک ہو گیا اور زبان تالو سے لگ گئی ۔ اور اس کے خوبصورت چہرے اور آنکھوں پر اس ہرن کی سی وحشت اور خوف کا نقشہ دکھائی دینے لگا جس کا تعاقب شکاری بڑی بے دردی سے کر رہے ہوں ۔ مگر چونکہ وہ بڑے مضبوط اعصاب کا آدمی تھا اس لئے اسے اپنے آپکو سنبھالنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی اور اس نے پھر سنبھل کر جواب دیا "نہیں معلوم آپ کیا ہذیان بک رہے ہیں ۔ میں نے تو آجتک حیدر کا نام تک نہیں سنا آپکے قتل کے لئے اسے مامور کرنا تو درکنار ...."

انور: حیدر سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے بعد بھی آپ کا اسے نہ جاننا تعجب خیز بات معلوم ہوتی ہے ۔ غالباً کثرت کار کی وجہ سے حافظہ آپ کا بہت غیر معتبر ہو گیا ہے ۔

ڈاکٹر شیرازی: میرے پاس تو ہر ایک قسم کے آدمی آتے جاتے ہی رہتے ہیں اور میں ان سے باتیں بھی کرتا ہوں مگر مجھے کیا کسی ڈاکٹر کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان میں سے کون حیدر ہے اور کون مکنداس ہے!! غالباً آپنے یہ مذاق یا توجیہ کے کسی

دشمن سے یا خود حیدر سے شراب کے نشے میں سنا ہوگا اور چونکہ آپ ایک خوش عقیدہ مسلمان ہیں آپ اس پر فوراً ایمان لے آئے ۔۔۔۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر شیرازی بہت ہنسے اور پھر نہایت اطمینان سے چھت کی ساخت پر غور کرتے ہوئے سگریٹ پی کر اپنے گلابی ہونٹوں سے دھواں دائروں کی شکل میں خارج کرنے میں مصروف ہوگئے۔

انور۔ (کسیقدر گرم ہوکر) دیکھئے ڈاکٹر صاحب آپکی لیاقت میں تو غالباً شیطان کو بھی شک نہ ہوگا مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ آپکی مشہور لیاقت آپکی مشہور حماقت ہو جائے ۔۔ لہٰذا میں اب اس امر کی آپکو اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا ہمراز قیصر میرا ہی وفادار ملازم نوکر تھا ۔۔۔ اور میں نے آپ کو ہر طرف سے اس طرح جکڑ دیا ہے کہ آپ کی شاہانہ بے پروائی کے مصنوعی انداز بجز تھیٹر کے اسٹیج کے غالباً کہیں اور کامیاب نہ ہونگے ۔۔۔۔"

اس غیر متوقع انکشاف سے تو ڈاکٹر شیرازی عارضی طور پر گونگے ہوگئے ۔ اور حالانکہ منہ ان کا کئی مرتبہ کھلا اور بند ہوا لیکن اگر ان کی نیت یہ تھی کہ اس میں سے کوئی آواز نکلے تو اس مہم میں انہیں سخت ناکامیابی ہوئی ۔ وہ سر سے پاؤں تک پسینہ پسینہ ہوگئے ۔ ان کے ڈریس سوٹ کے اندر ان کا خوبصورت جسم غیر ضروری اصرار سے کانپنے لگا ۔ اور ان کی خوف زدہ اور بے چین نگاہیں گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے لگیں مگر انھیں کہیں قرار نہ تھا ۔ ڈاکٹر شیرازی کے قلب اور جسم کی کچھ بھی حالت ہو گئی ہو ان کا غیر معمولی دماغ برابر بجلی کی طرح اپنا کام کر رہا تھا چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں وہ کوشش کرکے پھر سطح آب پر آ گئے اور ایک خشک ہنسی کے ساتھ انور سے یوں مخاطب ہوا ۔

" مسٹر انور آپ تو غالباً سمجھدار آدمی ہیں مگر تعجب ہے کہ آپ اتنی بات نہ سمجھ سکے کہ اگر قیصر مجھے دھوکا دیسکتا ہے تو آپ کو بھی دھوکا دیسکتا ہے ۔۔۔ جس کو آپ وفاداری

سمجھتے ہیں وہ دراصل بس کی قابلِ نفرت دنیا داری ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس حیلے سے آپ کا خیر خواہ بنکر غالباً مجھ سے ناجائز طور پر روپیہ وصول کرنا چاہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

انور:- اس کو آپ سے اگر روپیہ ہی وصول کرنا ہو تو وہ نہایت بے پروائی سے آپ کے پانچسو کے نوٹ واپس نہ کر دیتا ۔

ڈاکٹر شیرازی:- (خوف زدہ ہو کر) مگر بعض لوگوں کی عادت خواہ مخواہ جھوٹ بولنے کی بھی تو ہوتی ہے ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کا وفادار ملازم بھی اسی انسانی کمزوری کا شکار ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

انور:- برخلاف اس کے میری ناقص رائے یہ ہے کہ مسٹر شیرازی آپ خود اس انسانی کمزوری کے سب سے بڑے شکار ہیں ۔

ڈاکٹر شیرازی (غصّہ ضبط کر کے) اور میری ناچیز رائے یہ ہے کہ آپ احمقانہ غلط فہمیوں کے سب سے بڑے شکار ہیں ۔

انور:- میں آپ کی رائے سے اتفاق کر لیتا مگر بدقسمتی سے میں شکور کو جھوٹا نہیں سمجھتا ۔

ڈاکٹر شیرازی:- اگر آپ اپنے وفادار ملازم کو راجہ مہیندر کا قریبی رشتہ دار سمجھتے ہیں تو پھر آپ کو اختیار ہے ۔ ۔ ۔ مگر غالباً آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ میرے بیان کے مقابلہ میں علاوہ آپ کے دنیا میں اور کوئی اس کے بیان کا اعتبار نہ کرے گا اور نہ ہی شک کر سکتا ہے !!

انور:- لیکن میرے خیال میں دنیا شکور کا بیان باور کرنے کے لئے بار بار استخارہ اس وجہ سے نہ دیکھیگی کہ زہر کی شیشی پر آپ ہی کے دست مبارک کی یہ تحریر ۔ "بھنگری کا پانی ۔ دن میں صرف ایک مرتبہ استعمال کیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔"

ڈاکٹر شیرازی کی زبان میں تشنجی کیفیت شروع ہو گئی وہ پھر سنبھلکر بولا ۔ اول تو میں اس سے قطعی انکار کرتا ہوں کہ وہ میری تحریر ہے !! اور اگر بالفرض محال وہ میری

تحریر ہو بھی تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں نے کسی غلطی پر یہ الفاظ تحریر کئے ہوں اور شکور نے مجھے پھنسانے کے لئے اس میں زہر بھر دیا ہو!! یہاں پر پھر میرے اور شکور کے بیان کا مقابلہ ہوگا اور کم از کم مجھے اس کا اطمینان کامل ہے کہ میری حیثیت کے شخص کے مقابلہ میں ایک کمینہ ملازم کی کیا حقیقت ہے اگر اس کا آقا بھی آجائے تو دنیا میرا ہی اعتبار کرے گی کیونکہ دنیا ایک طوائف کو بھگا لے جانے والے آقا پر مشکل سے ایمان لانے پر راضی ہوگی!!

انور۔ (بمشکل غصہ ضبط کرکے) ڈاکٹر شیرازی آپ کو اپنی ذہانت اور فطرت پر بڑا ناز ہے مگر آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ جو شخص کسی کے خدمتگار سے شکست کھا جائے وہ اس کے آقا کا کس منہ سے مقابلہ کر سکتا ہے!!

ڈاکٹر شیرازی۔ (غصہ میں کھڑا ہو کر فخریہ لہجے میں) شکست کھانے والے صرف تم ہو۔!! اور شکست دینے والے کا نام ڈاکٹر شیرازی ہے!... ڈاکٹر شیرازی اور شکست دو متضاد الفاظ ہیں! ڈاکٹر شیرازی اور شکست سے آج تک نہ کبھی سابقہ پڑا ہے اور نہ آئندہ کبھی سابقہ پڑ سکتا ہے!! (شعلہ بار آنکھوں سے اور دانت پیس کر) انور مجھ پر ذرا سنبھل کر وار کرنا۔ کیونکہ آج تک مجھ پر وار کرنے والا اپنے گھر صرف دفن ہونے کے لئے واپس گیا!! (جوش میں) یہ سمجھ لینا کہ ناگ شیر کی دم مروڑ کر صحیح سلامت نکل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے!! مجھے اعلان جنگ کر کے تم اپنی موت کو دعوت نہ دو!!! انور! ابھی تم بالکل بچے ہو ابھی تم بہت کمزور ہو بہت کمزور بہت ناتجربہ کار ہو میری تمہاری برابر کی لڑائی نہیں ہے!!

انور:۔ (جو ڈاکٹر شیرازی کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا پر جوش لہجے میں) یہ آخری جملہ شاید پہلا سچ ہے جو تم نے اپنی زندگی میں بولا ہے!! واقعی میری اور تمہاری برابر کی لڑائی نہیں ہے۔ کیونکہ تم اس وقت بالکل میری مٹھی میں ہو۔ اور انشاءاللہ بہت جلد ثابت ہو جائیگا۔ کہ ڈاکٹر شیرازی اور شکست دو متضاد الفاظ نہیں بلکہ دو ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں۔

تم اپنی خام خیالی سے سمجھے ہو کہ تمہارے جرم کا تحریر شکور کے بیان کے اور کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مگر شاید تم نے یہ تصویر نہیں دیکھی ہے۔ لو اسے دیکھو اور غور کرو کہ تم میں اور جیل خانے کی بیڑیوں میں اب کتنا فاصلہ ہے !!۔ ۔ ۔

انور نے تصویر ڈاکٹر شیرازی کے ہاتھ میں دیدی ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر شیرازی نے بے پروائی سے تصویر لے لی اور بیحد حقارت کی نظر سے سرسری طور سے اسے دیکھنے لگا۔ مگر دو سکنڈ نہیں گزرے تھے کہ اس کی آنکھیں پھیل گئیں ۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا ۔ اس کی سانس پھولنے لگی اس کے بدن میں رعشہ پڑ گیا ۔ ۔ ۔ کیونکہ اس نے تصویر میں جو بہت صاف کھنچی ہوئی تھی ۔ دیکھا کہ وہ قیصر کو وہی زہر کی شیشی اسی کمرے میں کھڑا ہوا دے رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔

انور ۔ اور اگر اب بھی تم کو اپنے خطرے کا یقین نہ ہوا ہو تو پھر اس تصویر کو بھی ذرا غور سے دیکھ لو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انور نے ایک دوسری تصویر ڈاکٹر شیرازی کے کانپتے ہوئے ہاتھ میں دی ۔ ڈاکٹر شیرازی نے پھٹی پھٹی خوف زدہ آنکھوں سے جب اس تصویر کا معائنہ کیا تو اس نے دیکھا کہ اسی ڈرائنگ روم میں وہ نوٹ کی ایک گڈی قیصر کو دے رہا ہے ۔ یہ دیکھکر اس کی حالت اور بھی متغیر ہو گئی ۔ خون کا ایک قطرہ بھی اس کے چہرے پر باقی نہیں رہ گیا اس کی آنکھیں بالکل بے نور ہو گئیں ۔ اس کے بدن میں ایک شدید لرزے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ۔ ۔ ۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے بڑے بڑے قطرے کھڑے ہو گئے ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دونوں تصویریں اس کے ہاتھ سے فرش پر گر گئیں !! ۔ ۔ ۔ اس وقت دیکھنے والا بالکل پہچان نہ سکتا کہ یہ کانپتا ہوا مجرم وہی مغرور و متکبر شخص ہے جو وہی منٹ پہلے شیر ببر کی طرح گرج رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انور ۔ تم نے تصویریں تو دیکھ ہی لیں ۔ اب میں تمہیں یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ تصویر کھینچنے والا یہاں کی خفیہ پولیس کا ایک بڑا پرانا اور آزمودہ کار افسر ہے

جو اس دن تمھارے یہاں درزی کا بھیس بدل کر آیا تھا اور جس نے تمھاری اور قیصر کی گفتگو حرف بحرف اسی چوبی کشمیری پردے کے پیچھے سے سنی تھی اور وہیں سے اس نے یہ دونوں تصویریں بھی لی تھیں۔ . . . . اور ڈاکٹر شیرازی اس وقت (اشارہ کرکے) اس کمرے میں وہی خفیہ پولیس کا افسر اور دو کانسٹبل تمھیں گرفتار کرنے کے لئے منتظر بیٹھے ہیں۔ . . . . .

ڈاکٹر شیرازی کے پیر دفعتاً ڈگمگائے اور لڑکھڑا کر انور کے قدموں پر گر پڑا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ایک دردانگیز التجا بھری کانپتی ہوئی گریہ آلود آواز میں کہنے لگا۔ "رحم کرو! رحم کرو! اللہ انور مجھ پر رحم کرو! میری آبرو، میری آزادی میری زندگی اس وقت تمھارے ہی ہاتھ میں ہے!! . . . تم چاہو تو مجھے عمر بھر کے لئے ذلیل اور روسیاہ کردو اور چاہو تو اپنی بلند حوصلگی اور شرافت سے میری بےبسی پر رحم کھا کر مجھے معاف کردو۔ میں مانتا ہوں کہ کوئی بے ایمانی کوئی دغابازی کوئی کمینہ پن ایسا نہیں ہے جو میں نے تم سے نہ کیا ہو۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی برائی نہیں ہے جو میں نے تمھارے لئے اٹھا رکھی ہو۔ . . . . مگر انور میں اندھا ہوگیا تھا۔ میری عقل سلب ہوگئی تھی۔ میرا دماغ خراب ہوگیا تھا۔ . . . . آہ! کشور کی محبت نے مجھے بالکل دیوانہ بنا دیا تھا۔ . . . . . . میں جانتا تھا کہ کشور تمھیں چاہتی ہے اور مجھے نہیں چاہتی! میں جانتا تھا کہ جب تک تم موجود ہو وہ ہرگز میری نہیں ہوسکتی! میں نے اس لئے اپنے مجنونانہ لمحوں میں حسد اور رقابت کی آگ سے جلتے ہوئے دل کی صلاح پر تمھاری جان لینے کا ناپاک ارادہ کیا تھا!! . . . . مگر خدا نے تمھیں کامیاب اور مجھے ذلیل کیا۔ . . تم کو فاتح اور مجھے مفتوح کیا۔ . . اب تمھیں اختیار ہے کہ جو چاہو مجھ سے سلوک کرو۔ چاہے تم مجھے برباد کردو . . . چاہے تم مجھے اپنے احسان سے خرید لو! انور تم نے بھی محبت کی ہے۔ انور تمھارے

کبھی پہلو میں ایک درد بھرا دل ہے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ ٹھکرائی ہوئی محبت کی چوٹ کیسی ہوتی ہے؟ تم خود قیاس کر سکتے ہو کہ رقابت کا زخم کیسا ہوتا ہے؟ ۔۔۔ انور اگر تم کشور کو چاہتے ہو تو میں بھی اسی کو چاہتا ہوں مگر ہاں یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ تم کامیاب ہوا اور میں ناکام ہوں تم سرفراز ہوا اور میں سرنگوں ہوں؟ ۔۔۔ انور میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔۔۔ مجھ کو اپنی محبت کے صدقے میں معاف کر دو۔ انور تمہیں کشور اور اس کے حسن کی قسم مجھے معاف کر دو دیکھو میں شکست کھا کر ذلیل ہو کر تمہارے پیروں پر گر کر معافی مانگ رہا ہوں انور دیکھو میں تمہیں کشور کا واسطہ دیتا ہوں مجھے معاف کر دو!"

صاف دل، شریف النفس، بلند حوصلہ انور کا دل پسیج گیا۔ وہ سوچنے لگا۔۔۔ "یہ بھی تو اسی بت کو پوجتا ہے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ اس کے دل میں بھی تو وہی آگ لگی ہے جو میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ میں فاتح اور یہ مفتوح ہے میں کامیاب ہوں اور یہ ناکامیاب ہے۔۔۔ یہ میرا رقیب سہی۔ یہ میرا دشمن جانی سہی۔ مگر میری شرافت کا تقاضا یہی ہے میری محبت کا مطالبہ یہی ہے کہ میں اسے معاف کر دوں میں اسے اس آگ سے بچاؤں جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے جلائی ہے۔۔۔"

یہ خیال آتے ہی انور نے ڈاکٹر شیرازی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر اسے اٹھا لیا۔ اور کہا۔ ڈاکٹر شیرازی تم نے گو مجھ سے بہت برائی کی ہے مگر میں تم سے بھلائی کرونگا۔ میں تم سے انتقام لے سکتا ہوں مگر انتقام نہ لونگا۔۔۔ جاؤ۔۔۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔۔۔ اور خدا بھی تمہیں معاف کرے!۔۔۔

ڈاکٹر شیرازی۔ (انور کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر) رحمدل انور! شکریہ۔ ہزار صد ہزار شکریہ!۔۔۔ مجھ کو تمہاری شریفانہ طبیعت سے یہ امید تھی۔۔۔ مجھکو تمہاری بیچ

نثراوی اور بلند آہنگی سے ہی توقع تھی... اور اب میں بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں دو ہی چار دن کے اندر یہ سب چھوڑ کر ہندوستان کے کسی دور دراز کنارے پر جا کر بس جاؤنگا اور وہیں اپنی زندگی کے بقیہ دن ختم کر دونگا۔ تاکہ میں اپنی ناکام محبت کا غم اپنی جلا وطنی میں بھول جاؤں۔ اگر میں یہاں رہونگا تو یہاں کے در و دیوار یہاں کا چپہ چپہ یہاں کا ذرہ ذرہ مجھے اپنی ناکامی اور بدقسمتی کی یاد دلاتا رہے گا۔ اور مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہاں رہ کر خدانخواستہ پھر کہیں میری نیت میں فتور میرے دل میں برائی میرے دماغ میں فتنہ و فساد پیدا ہو جائے!!....

انور۔ تم یہاں رہو یا کہیں باہر چلے جاؤ.... یہ تمھاری ذاتی معاملہ ہے اور تم اسے بہتر جانتے ہو... مگر میں تمھیں یہی دوستانہ صلاح دونگا اور یہی مجھے تمھاری فہم و دانش سے بھی امید ہے کہ خیر اب تک جو ہوا سو ہوا مگر اب آئندہ سے تم میرے معاملات میں کسی قسم کا دخل نہ دوگے!!

ڈاکٹر شیرازی۔ ہرگز نہیں! کبھی نہیں! مطلق نہیں تم مجھ سے جس طرح کی چاہو قسم لے لو میں تیار ہوں۔

انور۔ مجھے تم سے قسم لینے کی ضرورت نہیں۔ اور علاوہ اس کے جو شخص زبان سے کہکر اس سے پھر سکتا ہے وہ قسم کھا کر بھی اپنی قسم سے پلٹ سکتا ہے!....

یہ کہکر انور "خدا حافظ" کہتا ہوا کمرے کے باہر چلا گیا جہاں تشکو را اور خفیہ پولیس کے انسپکٹر اور کانسٹبل اور کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ انور کو دیکھتے ہی انسپکٹر نے کہا "کہئے انور صاحب کیا رائے ہے.... اب ہم لوگ چلکر اپنا فرض ادا کریں؟...."

انور:۔ نہیں۔ ابھی نہیں.... ابھی ان کو میرے کہنے سے مہلت دیدیجئے پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا....

انسپکٹر۔ (تعجب سے) آپ نے بھی کمال کیا... سانپ کو بجائے اس کا سر کچلنے ہوئے

زندگی چھوڑ دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انور۔ (مسکرا کر) اچھا آئیے تو میرے ۔ ۔ ۔ ساتھ آئیے میں راستے میں بتا دونگا اور وہاں ان کو حراست میں لینا یہ تو آپ ہر وقت کر سکتے ہیں۔ یہ بھاگ کر جائیں گے کہاں؟

انسپکٹر۔ ارے صاحب یہ بڑے زہریلے ہیں۔ ان کا کاٹا لہر نہیں لیتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ بھی کس خیال میں ہیں؟

انور۔ آخر یہ کر ہی کیا سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ یہی نا کہ مجھے کسی سے قتل کرا دیں گے ۔ ۔ تو اس کی مجھے فکر نہیں کیونکہ اگر میری قسمت میں قتل ہی ہونا لکھا ہے تو ہندوستان کیا ساری دنیا کی پولیس مجھے موت سے نہیں بچا سکتی۔ اور علاوہ اس کے جس قدر مجھ کو زندہ رہنے کی خواہش ہے اس سے ہزار گونہ زیادہ زندہ رہنے کی خواہش خود ڈاکٹر شیرازی کو ہے!! اور یہ جانتے ہوئے کہ اقدام بالقتل کا سارا مسالہ ان کے خلاف پولیس کے قبضہ میں موجود ہے یہ مجھے قتل کرنے یا قتل کرانے کا کبھی ارادہ نہ کریں گے کیونکہ وہ سمجھدار آدمی ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ پھانسی پر لٹکنے میں گردن کو الگ تکلیف ہوتی ہے اور جان الگ نکل جاتی ہے ۔ ۔ ۔ ''

انسپکٹر صاحب بے ساختہ ہنس پڑے ان کی عمر قریب چالیس سال کی تھی اور نام جگدیش کمار سنگھ تھا۔ ممتاز کے وہ بڑے دوست تھے اور ممتاز ہی کی وجہ سے انور سے بھی ان کے مراسم بہت اچھے تھے اور بہت خاصی بے تکلفی تھی ۔ ۔ ۔ گو پولیس کے محکمے کے خلوص اور اعتبار کے متعلق سنتے ہیں کہ اکثر لوگوں کے تجربات بہت تلخ ہیں اور بدعقیدگی عام ہے مگر حسن اتفاق سے یہ مستثنیات میں تھے ۔ ۔ ۔ ممتاز اکثر ان سے کہا کرتے تھے کہ جگدیش تم پیدائش ہی سے اتنے اچھے آدمی تھے کہ باوجودیکہ پولیس میں اتنے عرصے تک رہنے کے تم میں ابھی تک بہت سی خوبیاں باقی ہیں اور اگر تم سوائے محکمہ پولیس کے کہیں اور ہوتے تو خدا کی قسم تم زندگی میں بہت

بڑے جیاتھا اور مرنے کے بعد ایک مشہور بادشاہ ہو جاتے۔" تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد انور نے جگدیش کمار کو سمجھا لیا اور یہ سب کے سب ڈاکٹر شیرازی کے مکان سے نکل کر اپنے اپنے گھر چلے گئے..... انور تو شاید روز واپس آکر کچھ عرصہ تک کشور کا خیال کر کے سو گئے. مگر جگدیش کمار کو اپنے بستر پر دیر تک نیند نہیں آئی۔ کروٹیں بدلا کئے۔ بالآخر انھوں نے ایک خفیہ پولیس کے کانسٹبل کو بلا کر اسے کچھ ہدایتیں دیں اور روانہ کر دیا..... اور اس کے بعد آکر سو گئے!!...........

. . . .

. . . .

ادھر ڈاکٹر شیرازی اپنی آنکھوں سے دروازے کے شیشوں میں سے انور اور اس کے ساتھیوں کو نکلتے ہوئے دیکھ چکے تھے اس لئے ان کو انور کے بیان کی تصدیق اور اپنے خطرے کا قوی احساس ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد وہ دیر تک اپنے دانت پیسا کئے اور ہونٹ چبایا کئے مگر دانت پیسنے یا ہونٹ چبانے سے بظاہر کوئی نتیجہ نہیں نکلا..... اس لئے انھوں نے کچھ عرصے کے بعد یہ ورزش چھوڑ دی..... اور سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے!....

(دل میں) گو میں پہلے سے سمجھتا تھا کہ کمبخت انور آسانی سے شکست کھانے والا حریف نہیں ہے مگر مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ اس طرح بازی مجھ پر ہی الٹ دیگا۔ اور مجھ کو میری زندگی کی پہلی اور آخری شکست دیگا..... مجھے کیا ہو گیا تھا جو میں اس رنگے سیار قیصر کو نہ پہچان سکا بلکہ منہ کے بل کس آسانی سے اس خندق میں گر پڑا جو اس نے میرے لئے کھود دی تھی..... اب میری سمجھ میں آیا کہ جنگل کا مست اور زبردست ہاتھی کیوں اور کیسے اس خندق میں گر پڑتا ہے جس کے اوپر ان کے پھنسانے والے برائے نام معمولی سبزہ اور پتے اور کمزور شاخیں پھیلا دیتے ہیں.....

دھوکا کھانے کے بعد ہی انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ کیسا معمولی دھوکا تھا۔ کاش اس کا احساس پہلے ہی ہو جاتا ------!! (پھر کل واقعہ پر نظرِ ثانی کر کے کسی قدر مسکرا کر)... اور بھی باوجود ذہین اور سمجھدار ہونے کے ساتھ سیدھا اور ناتجربہ کار لڑکا ہے!! اور اس میں شک نہیں کہ اُس نے بڑی بھولی اور شریف طبیعت پائی ہے!! مگر دنیا میں شرافت ایک آفت اور معصومیت ایک گناہ ہے!! دنیا میں صرف جھوٹ اور دغابازی کامیاب ہو سکتی ہے بشرطیکہ جھوٹ ہوشیاری سے بولا جائے اور دغابازی موقع سے کی جائے!! آج میں کیسا برا پھنس گیا تھا مگر اسی جھوٹ اور دغابازی کی بدولت کیسا صاف نکل آیا! واقعی اگر میں ڈرامے کی دنیا میں داخل ہو گیا ہوتا تو آج یقیناً میں اس دنیا کا سب سے درخشاں ستارہ ہوتا... میری آخری اپیل بھی کیسی تیر بہدف ثابت ہوئی.... بس بس دنیا میں جو کچھ ہے وہ سوجھ بوجھ ہے.... مگر ہاں شرط یہ ہے کہ وقت پر سوجھ جائے!!... خواہ وہ میدان جنگ ہو! یا سیاسی شطرنج ہو! تجارت ہو یا تیمارداری ہو۔ غرض دنیا کا کوئی بھی کام ہو عین وقت پر کسی بات کا سوجھ جانا بس یہی کامیابی کی کنجی ہے اور اسی پر ہمیشہ دنیا میں ہار و جیت ہوتی ہے!! اور آج جو میں بال بال بچا وہ بھی اسی الہام وقتی سے..... آج کی شکست بھی فی الحقیقت میری کامیابی ہے!! اس شکست نے میری آنکھیں کھول دیں مجھے اپنے گرد و پیش کے خطروں سے متنبہ کر دیا... اب میں اپنا جال اور زیادہ ہوشیاری سے بچھاؤں گا۔ اب میں اپنا وار اور زیادہ محفوظ طریقہ سے کروں گا.... زخمی شیر اور چوٹیلے سانپ سے زیادہ خطرناک دنیا میں کوئی چیز نہیں.... اور میری بعینہٖ وہی حالت ہے جو ایک زخمی شیر یا چوٹیل سانپ کی ہوتی ہے!!.. انور!! انور!! ابھی بہت خوشیاں نہ مناؤ.... ابھی بہت ہنسو نہیں... کیونکہ سب سے اچھی ہنسی اسی کی ہوتی ہے جو آخر میں ہنستا ہے!!"

اس کے بعد وہ دیر تک پیشانی پر بل ڈالے دانت جمائے ہوئے بڑی گہری سوچ میں بیٹھا رہا۔ اس کے قیافے سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی بہت ہی پیچیدہ تدبیر عمل کی اپنے دماغ میں داغ بیل ڈال رہا ہے۔۔۔۔۔

وہ بارہواں سگریٹ ختم کر رہا تھا کہ چلا اٹھا "بس! بس یہی تدبیر ہے! یہی تدبیر ہے! سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔۔۔ کشور! کشور! تم کو میں آسانی سے نہ ہاروں گا۔۔۔ تم میری ہو۔۔۔ اور میری ہو کر رہو گی! دیکھیں کون تمہیں میرے قبضہ سے نکال لیجا سکتا ہے۔۔۔۔ اور انور تم نے بڑے بڑے گھر بیجا دخل دیا ہے۔ ڈاکٹر شیرازی کا راستہ کاٹ کر کوئی آج تک صحیح سلامت گھر واپس نہیں گیا۔۔۔ اگر تم نے مجھ پر وار کیا ہے تو پھر میرے وار کے لئے بھی تیار ہو جاؤ۔"

یہ کہکر وہ اٹھا اور ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر زہرہ جمال سے باتیں کرنے لگا۔۔۔

زہرہ:۔ (ٹیلیفون نالی سے) میں آپ سے بالکل تنہائی میں باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ ٹیلیفون سے اس طرح باتیں کرنا بہت خطرناک ہے۔ نوکر آ جا رہے ہیں۔۔۔ اور نا معلوم کشور کس وقت آ پڑیں۔۔۔ آپ فوراً موٹر پر یہاں آ جائیے۔ میں آپ کو بنگلہ کے پھاٹک پر ملوں گی۔ اس کے بعد ہم لوگ ہینگنگ گارڈنس میں جا کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ اچھا تو تم تیار رہو۔ میں ابھی دس منٹ کے اندر اپنے موٹر پر پہنچ جاؤں گا۔۔۔۔

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر شیرازی کا موٹر مالابار ہلز کی طرف رخ کئے اس کے مکان سے بڑی تیزی سے نکلا۔

اسی وقت ایک دوسرا موٹر اسی قدر تیزی سے ڈاکٹر شیرازی کے موٹر کے پیچھے

ان کے مکان کے قریب ہی سے روانہ ہوا اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس کا رخ بھی مالابار ہلز ہی کی طرف تھا اور اس سے عجیب تر یہ بات تھی کہ اس موٹر اور ڈاکٹر شیرازی کے موٹر کے درمیان میں کبھی تیس گز سے کم اور پچاس گز سے زیادہ کا فاصلہ نہیں ہوا۔ اور اس کی صرف چھوٹی روشنیاں جل رہی تھیں! اگرچونکہ ڈاکٹر شیرازی اپنا موٹر خود ہی چلا رہے تھے اس لئے انھیں پیچھے آنے والے موٹر کی خوش عملیوں کا احساس نہیں ہوا!! اگر ان کو موٹر کے معائنہ کرنے کا موقع ملتا تو وہ دیکھتے کہ اس میں ایک ڈرائیور اور دو خفیہ پولیس کے آدمی سادے لباس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ ہمارے جگدیش کمار صاحب کے تعینات کئے ہوئے آدمی تھے۔

سینتیسواں باب

تیاریاں

زہرہ جمال ہیوٹی وولا کے پھاٹک سے کچھ آگے بڑھکر سڑک کے کنارے پر کھڑی ہوئی ڈاکٹر شیرازی کے موٹر کا انتظار کر رہی تھی کہ اتنے میں وہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اور اس کے قریب آکر رک گیا۔ زہرہ جمال اس میں فوراً بیٹھ گئی اور موٹر ہنگنگ گارڈنز کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہنگنگ گارڈنز پہنچکر دونوں ایک بنچ پر بیٹھکر ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔ بنچ کے دو چار قدم پیچھے ایک لمبی گھنی جھاڑی تھی جس کے آڑ میں تین یا چار منٹ سے زیادہ نہیں گزرے ہوں گے کہ خفیہ پولیس کا ایک آدمی دبے پاؤں آکر پیچھے سے چھپکر بیٹھ گیا اور ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ کی باتیں بڑے غور سے کان لگا کر سننے لگا۔ لیکن یہ دونوں اس طرح آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ باوجود انتہائی

کوشش کے اسے کچھ صاف سنائی نہیں دیا۔ تاہم وہ نہایت صبر و استقلال سے اسی جگہ پر اسی امید موہوم پر بیٹھا رہا کہ شاید دو چار الفاظ ہی وہ سن لے جن سے وہ ان کی گفتگو کا پتہ چلا سکے تھوڑی دیر میں باتیں کرتے کرتے ڈاکٹر شیرازی کا لہجہ پر جوش اور اس کی آواز کسی قدر بلند ہو گئی۔ انداز گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں میں کسی مسئلہ پر پُرزور بحث ہو رہی ہے۔ رفتہ رفتہ نادانستہ دونوں کی آوازیں کسی قدر اور بلند ہو گئیں یہاں تک کہ اب ان کی گفتگو سمجھ میں آنے لگی۔

زہرہ کہہ رہی تھی "بھائی جان آپ تو اپنے جوش انتقام میں ذاتی خطرات کا بالکل خیال ہی نہیں کرتے۔ اور میں کہتی ہوں کہ اگر گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو؟"

ڈاکٹر شیرازی:۔ بس ذہنی عورت کی بزدلانہ صلاح جو ہمیشہ ناکامیابی اور شکست کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ زہرہ تم سمجھتی نہیں۔ ہم دونوں یعنی میرے اور انور کے لئے یہ چھوٹا سا گھومتا ہوا سیارہ جسے زمین کہتے ہیں بہت ہی تنگ ہے۔ ہم دونوں اس میں ایک ہی وقت میں نہیں رہ سکتے۔ اگر انور زندہ رہتا ہے تو مجھے اس دنیا کو خیرباد کہہ دینا چاہیئے۔ اور اگر میں زندہ رہتا ہوں تو انور کو بہت جلد یہ دنیا چھوڑ دینا چاہیئے۔

زہرہ:۔ اور اگر آپ میری تدبیر پر عمل کریں تو آپ دونوں کے لئے دنیا میں نہایت آسانی سے کافی جگہ نکل سکتی ہے یعنی انور کے لئے عمیق ترین تہ خانے میں اور آپ کے لئے بلند ترین بالا خانے پر۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ نہیں نہیں میں متفق نہیں ہوں۔ انور کو مرنا چاہیئے۔ اور ایک ذلیل کتے کی موت مرنا چاہیئے۔

زہرہ:۔ نہیں انور کو جینا چاہیئے اور ایک ذلیل کتے کی طرح جینا چاہیئے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ کیا انور کے غیر معمولی حسن نے تمہارے دل کو بھی متاثر کر دیا۔

جو تم اس کی زندگی کے لیے اس قدر اصرار سے وکالت کر رہی ہو۔

زہرہ۔ (مسکرا کر) آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ انور کے غیر معمولی حسن نے نہیں بلکہ آپ کے غیر معمولی خطرے نے میرے دل کو متاثر کیا ہے۔ پولیس کے پاس آپ کے خلاف اس قدر مواد جمع ہے کہ اگر اس وقت انور دفعتاً اپنی ہی قدرتی موت سے مرجائے یا کوئی اور اُسے مار ڈالے تو سب سے پہلے آپ ہی اس کے قاتل قرار دئیے جائیں گے اور پھر کوئی طاقت نہیں جو آپ کی گردن پھانسی کے پھندے سے بچا سکے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو میں اس کو وہاں لیجا کر ماروں گا جہاں بجز خاموش آسمان اور ساکت زمین کے کوئی اور گواہ ہی نہ ہو۔۔۔ کل کا لڑکا اور مجھ پر وار کر کے یوں صاف نکل جائے۔ یہ ہرگز نہیں۔ یہ کبھی نہیں۔ یہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ نہیں۔ انور کو مرنا چاہیئے اور کوئی قوت اسے میرے انتقام سے بچا نہیں سکتی۔

زہرہ۔ (خوف زدہ آواز میں) اللہ بھائی جان آہستہ بولئے آہستہ! آپ تو اپنے غصہ اور جوش میں آپے سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی سن لے تو کیا ہو بڑا غضب ہی ہو جائے اتنے سمجھدار ہو کر آپ ایسی بے احتیاطی کرتے ہیں!!۔

اس تنبیہ پر ڈاکٹر شیرازی نے اپنی آواز دفعتاً بہت دھیمی کر لی چنانچہ اس کے بعد دونوں کی گفتگو پھر ناقابل سماعت ہو گئی۔ دو یا تین مرتبہ گفتگو میں "جہانگیر" کا نام سنائی دیا۔ ایک مرتبہ "قیدبے زنجیر" کے الفاظ سننے میں آئے۔ آخر میں کشور کا نام کئی مرتبہ آیا۔ مگر کچھ یہ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ الفاظ کس سلسلے میں استعمال ہوئے تھے۔ پندرہ بیس منٹ تک دونوں بھائی بہن میں بہت آہستہ آہستہ باتیں ہوتی رہیں۔ پھر آخر میں ڈاکٹر شیرازی یہ کہکر اٹھ کھڑا ہوا خیر تمہاری کہا ہی سہی میں کیلئے اس کا بھی تجربہ کر کے دیکھ لو۔ مگر یاد رکھو کہ پھر اسی راہ پر واپس آنا پڑے گا جو اس وقت میں بتا رہا ہوں"

دونوں ادھر اُدھر بے چین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ

چوروں کی طرح اپنے موٹر کی طرف واپس گئے اور اس پر سوار ہو کر چلد یے۔

خفیہ پولیس کا موٹر بھی سایہ کی طرح ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر شیرازی کے مکان تک رہا۔ اور وہاں سے انسپکٹر جگدیش کمار سنگھ کے مکان کو گیا۔ خفیہ پولیس والوں نے انھیں تمام حالات سے با تفصیل آگاہ کر دیا اور آئندہ کے لئے ہدایتیں طلب کیں پہلے جگدیش کمار بڑی گہری سوچ میں پڑ گئے۔ پھر وہ ایک خاص انداز سے مسکرائے اور کچھ ہدایتیں دیکر اپنے ماتحتوں کو روانہ کر دیا اور خود جا کر سو گئے۔

دوسرے دن صبح کو ہوٹل دلاس میں زہرہ جمال کشور سلطانہ کے ساتھ اس بے تکلفی اور اطمینان کامل سے چار نوش فرما رہی تھیں جیسے گذشتہ شب کو ان میں اور ڈاکٹر شیرازی میں محض شعر و شاعری اور ادب لطیف پر دلچسپ گفتگو ہوئی تھی نہ کہ قتل و خون پر!! کشور ایک ہلکی آسمانی رنگ کی جارجٹ کی ساڑی پہنے ہوئے تھی جس پر زری کے تاروں کے خوبصورت بڑے بڑے پھول جا بجا بنے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ کسی قدر زرد اور پریشان معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں بھی اس کی اداس تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی پرخلش فکر اس کے دل و دماغ کو بہت متاثر کئے ہوئے ہے!! یہ فکر وہی انور کی جانثاری اور اپنی احسان فراموشی اور جفاکاری کی فکر تھی ۔۔۔ بار بار اس کو یہ پچھتاوا ہوتا تھا۔ ہائے میں نے یہ کیا کیا؟ ۔۔۔ اوہ آہ!! اب میں کیا کروں"! زہرہ جمال نے کشور سے کئی مرتبہ پوچھا کہ وہ اس قدر کیوں متفکر رہتی ہے مگر کشور نے ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے مسکرا کر ٹال دیا۔

زہرہ:۔ (چار پیتے ہوئے اپنی شیریں ترین مسکراہٹ کے ساتھ) اے بھئی کشور تم تو ایسی ہاتھ دھو کے بمبئی کے پیچھے پڑی ہو کہ وہ بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا کہیں باہر جانے کی تو تم نے بس قسم ہی کھالی ہے حالانکہ آج کل یہاں بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ میں ابتک زندہ کیسے ہوں؟ سب لوگ ادھر ادھر سیر و تفریح اور

تبدیلِ آب و ہوا کے لئے پہاڑوں پر جا رہے ہیں مگر تم ہو کہ کہیں آنے جانے کا نام ہی نہیں لیتیں!! آخر تمھیں ہو کیا گیا ہے؟ میں سمجھتی ہوں کہ یہاں پڑے پڑے طبیعت نہیں گھبرائی؟

کشور:۔ (مسکرانے کی کوشش کر کے) گھبرائی کیوں نہیں مگر ابھی تک مجھے اتفاق سے کہیں آنے جانے کا کچھ خیال ہی نہیں ہوا... اور پھر آجکل طبیعت ایسی پژمردہ اور گری ہوئی سی رہتی ہے کہ کہیں باہر جانے کا خیال بھی دل پر گراں گزرتا ہے۔

زہرہ:۔ بھئی واہ یہ بھی تم نے اچھی کہی۔ اور تم نے کبھی اپنے آپ سے یہ بھی پوچھا کہ تمھاری طبیعت کی پژمردگی کا باعث کیا ہے؟... یہی اس موسم میں بمبئی میں گوندنی کی طرح جما رہنا... اگر تبدیل آب و ہوا کے لئے تم چلی جاتیں تو تمھاری طبیعت کی یہ پژمردگی اس کے پہلے ہی رخصت ہو جاتی۔

کشور:۔ تو آخر کوئی کہاں جائے؟ تم ہی بتاؤ۔ میں تو کچھ جانتی و انتی نہیں کہ کون جگہ کیسی ہے کون کیسی نہیں؟۔

زہرہ:۔ واہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ کہیں جانا چاہو تو بہت سے خوشگوار اور پُرفضا مقامات ہیں جہاں تم جا سکتی ہو۔ ایک مہابلیشر ایسی جگہ ہے جہاں گرمیوں میں بمبئی کا بہترین طبقہ تبدیل آب و ہوا کے لئے جاتا ہے۔ اور مہابلیشر ہی پر کیا منحصر ہے مہابلیشر کے قریب ہی بڑے اچھے اچھے بہت سے پُرفضا مقامات ہیں مگر تم کہیں جانے کا بھی تو ارادہ کرو!!

کشور:۔ (مسکرا کر) خوب کیا کہیں آنے جانے کے لئے نماز کی طرح نیت باندھنا شرط ہے... اب تم نے خیال دلایا ہے تو مجھے بھی خیال آیا۔ چلو مہابلیشر ہی چلیں۔ یہاں تو واقعی جی بہت گھبرا گیا ہے۔ اور خاص کر یہ مکان تو مجھے بس کاٹے کھاتا ہے۔

زہرہ:۔ تو اس میں تعجب کیا۔ بہشت میں بھی اگر کوئی عرصے تک پڑا رہے تو بہشت بھی اس کے لئے دوزخ ہو جائے... دیکھو بھائی جائیں تو ان سے

بھی رائے لیجائے کہ کہاں چلنا چاہیئے۔ ان کی رائے بہترین رائے ہوگی۔

کشور:۔ ہاں نہیں معلوم کیا بات ہے کہ وہ کئی دن سے یہاں آئے نہیں

زہرہ:۔ آج کل بمبئی میں ملیریا کا ایسا زور ہے کہ شہر میں ہر جو تھا شخص ملیریا میں مبتلا ہے اسی وجہ سے بھائیجان کو یہاں آنیکی فرصت نہیں ملی ورنہ وہ اور یہاں نہ آتے ان کا حال تو یہ ہے کہ بجز تمہاری صحبت کے انکا کہیں جی ہی نہیں لگتا۔

کشور:۔ (شرماکر) ہٹو بھی۔ تمہاری ان ہی باتوں سے تو میرا جی جلتا ہے۔ ....مگر ہاں اس میں شک نہیں کہ جب وہ آجاتے ہیں تو وقت بڑے لطف سے گزر جاتا ہے۔ ان کے دلچسپ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

زہرہ:۔ (شوخی سے) کاش تم یہ سب باتیں ان ہی کے سامنے کہتیں تو وہ کسقدر خوش ہوتے۔

یہ جملہ مشکل سے ختم ہوا تھا کہ ڈاکٹر شیرازی کا موٹر بنگلے میں داخل ہوا۔

زہرہ بولیں" اے لو! وہ خود ہی آگئے۔ بڑی عمر ہوگی ان کی"

ڈاکٹر شیرازی نہایت قیمتی اور خوبصورت ہندوستانی لباس پہنے ہوئے جس میں انکا دہاری دار رنگین صافہ خاص طور پر نمایاں تھا اور جس نے ان کے قدرتی حسن کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ موٹر سے مسکراتے ہوئے اُترے اور کشور کی نظر اس مہمان کی طرح پڑے جس کا آنا ہمیشہ پسندیدہ خاطر ہو۔

ڈاکٹر کیا آئے ہوٹی والا کا سماں ہی بدل گیا۔ ہر چیز نے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا۔ ہر شئے خوشنما ہوگئی۔ فضا میں بجلی کی لہریں دوڑ گئیں۔ ہواؤں میں شراب کی سی تاثیر پیدا ہوگئی۔ اور سب سے زیادہ تبدیلی کشور میں پیدا ہوگئی۔ اس کی آنکھیں اس کا چہرہ ایک عجیب خوشی سے فروزاں ہوگیا۔ اس کا پژمردہ حسن یک بیک ایسا نکھر آیا جیسے گرمیوں میں ایک ہلکی سی پھوار پڑنے کے بعد کمہلائے ہوئے پھولوں کا حسن

نکھر آتا ہے۔ واقعی ڈاکٹر شیرازی ایک حسین ساحر تھا اور اسکی سحر کاری سے سب سے زیادہ اور جلد متاثر ہو جانے والی کشور تھی۔

ڈاکٹر شیرازی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر کشور مسکراتی ہوئی سر قد کھڑی ہو گئی اور ہنستی ہوئی آنکھوں اور رنگین فرد زاں چہرے سے اس نے ڈاکٹر شیرازی کا استقبال کیا۔

زہرہ:۔ بھائی جان۔ آپ بعض اوقات ایسے موقع سے آجاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آپکو خاص طور پر بلایا ہے۔ ابھی چند ہی سکنڈ گذرے ہوں گے کہ آپ کا ذکر ہو رہا تھا۔ اور ادھر آپ کا نام آیا اُدھر آپ آگئے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکرا کر) انگریزی میں تم جانتی ہی ہو کہ مثل مشہور ہے ادھر شیطان کا نام لو اُدھر وہ پہنچ جاتا ہے تو اس حساب سے تو میں شیطان ہوا۔

کشور:۔ (ہنستے ہوئے) واہ وہ پرانی مثل تو اب تبدیل ہو گئی۔ اب تو مثل یہ ہے۔ فرشتوں کا نام لو اور ان کے پر دکھائی دینے لگتے ہیں۔"

ڈاکٹر شیرازی:۔ (خوش ہو کر) اس قدر افزائی کا بہت بہت شکریہ۔ مگر فرشتہ ہونے سے زیادہ تو مجھے انسان ہونے پر فخر ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ فرشتوں ہی نے تو آدم کو سجدہ کیا تھا اور جس نے سجدہ نہیں کیا وہ شیطان ہو گیا۔

یہ فقرہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک دوسرا موٹر بنگلہ میں آکر رکا اور ممتاز اس سے اترے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکراتے ہوئے) لیجیے شیطان کا ذکر ہو ہی رہا تھا کہ ممتاز صاحب آپہنچے۔ اس پر سب ہنسنے لگے مگر ممتاز فوراً بولے (ڈاکٹر شیرازی سے مخاطب ہو کر اور ان سے بڑے تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے) سچ کہتے ہو مجھ میں اور شیطان میں کوئی فرق ہو تو ہو مگر اس وقت تو ذرا بھی فرق نہیں۔ آپ ہی دیکھ لیجیے تاکہ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے!

اس پر دوسرا قہقہہ ہوا۔

کشور:۔ (ہنستے ہوئے) ممتاز صاحب آپ اس وقت خوب آئے۔ میری طبیعت بہت گھبرا رہی تھی۔

ممتاز:۔ (ہنس کر) تعجب ہے! ڈاکٹر شیرازی ایسے طبیب حاذق کے آنے سے بھی آپ کی شکایت رفع نہ ہوئی۔ خفقانِ دل کیلئے تو ان سے بہتر بمبئی میں کوئی نسخہ ہی نہیں۔ ان ہی کی شان میں تو غالباً کسی نے کہا ہے کہ "خود مرض دِجلہ مرض را دوا ست" اس فقرے سے ایک طرف کشور کٹ کر رہ گئیں دوسری طرف ڈاکٹر شیرازی۔ کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ یہ کمی دیکھتے ہوئے زہرہ جمال دونوں کی کمک کو آئیں اور بولیں۔

ممتاز صاحب آپ کی زبان تو بس شمشیر بے پناہ ہے۔ اس سے تو وہی بچ سکتا ہے جسے خدا بچائے!

ممتاز:۔ آپ کو ڈر نہیں معلوم ہوتا کہ ڈاکٹر شیرازی کے سامنے آپ اس طرح بیدھڑک خدا کا نام لے لیتی ہیں اور یہ بھول جاتی ہیں کہ ان سے اور اللہ میاں سے تو حضرت آدم کے وقت ہی سے بڑی سخت رنجش چلی آ رہی ہے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکرا کر) یہ آج تم میرے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔ کیا مجھے بھی تم نے مہ جبین سمجھ لیا ہے......

ممتاز:۔ نہیں تو مجھے تم پر مہ جبین کا دھوکہ تو نہیں ہوا اگرچہ اتنا ضرور کہوں گا کہ تم میں اور مہ جبین میں مشابہت اور بہت خاصی مشابہت ہے یعنی۔ مہ جبین ایک نہایت خطرناک عورت ہے اور تم ایک نہایت خطرناک مرد! مہ جبین مردوں کیلئے اور تم عورتوں کے لئے خطرناک ہو! تمہاری اور مہ جبین کی مشترکہ خصوصیت یہ ہے کہ تم دونوں کا غیر معمولی حسن اور اس پر فنِ موسیقی میں حیرت ناک مہارت پہلے ہی وار میں عقلِ سلیم کو مسحور کر کے اسے معطل کر دیتی ہے اور پھر اسکے بعد انسان جذبات کا بندہ ہو کر وہ حرکتیں کرتا ہے کہ دنیا کے مسلّمہ دیوانے بھی اس پر ہنستے اور

تالیاں بجاتے ہیں ...؟

کشور حیرت سے ممتاز کا منہ تکنے لگی اور ڈاکٹر شیرازی کشور کے متحیر چہرے کو کسیقدر متردّد نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ زہرہ جمال کچھ جھنجھلاہٹ کچھ تعجب سے ممتاز کے ایک ایک جملے ایک ایک لفظ پر غور کرنے لگی اور سوچنے لگی: "کیا ممتاز صرف مذاق کر رہا ہے یا اسے اصلیت کا بھی کچھ پتہ چل گیا ہے"......

اس نے ممتاز کی صورت کا بہت ہی غائر نگاہوں سے تجزیہ لیا مگر اس میں بجز ظرافت آمیز سنجیدگی کے اور کچھ نہ پایا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (طنزاً) تم نے ایک طوائف سے تشبیہ دیکر میری بڑی عزت افزائی کی ... سنتے ہیں کہ بیچارے مجنوں کو بھی ہر چیز میں لیلیٰ نظر آتی تھی۔ اگر تم کو ہر چیز میں مہ جبین دکھائی دیتی ہے تو تعجب کیا؟ ... مگر اتنی مہ جبین کے عشق میں بجائے زیادتی کے کچھ کمی ہونی چاہیئے تھی کیونکہ میں نے سنا ہے کہ تمہارا عاشقی یا کر اب باکیا انور حق دوستی و حسن پرستی ادا کر رہا ہے ... کہئے۔ اب انور کی بابت جناب کا کیا خیال ہے؟۔

ممتاز :۔ انور ایک خوبصورت احمق ایک ذہین، بیوقوف ایک نیک نیت گنہگار ہے!! میں نے کل ہی ایک معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ مہ جبین انور کو بھی چھوڑ کر کسی دوسرے کے ساتھ بھاگ گئی......

ڈاکٹر شیرازی :۔ مگر اس کی تو بڑی شہرت تھی کہ مہ جبین انور پر بڑی بری طرح سے فریفتہ ہے۔

ممتاز :۔ عورت اور محبت دو برعکس الفاظ ہیں۔ عورت میں فطرت نے محبت جنسی کی قابلیت ہی نہیں پیدا کی .... عورت ایک آئینہ ہے جسمیں صرف مرد کی محبت کا عارضی عکس دکھائی دیتا ہے۔ چاند کی طرح عورت کا دل ایک تاریک اور بے نور پتھر یلا سیارہ ہے۔ اسمیں بذات خود کوئی روشنی نہیں ہوتی بلکہ اسکی ساری روشنی اور

خوبصورتی مرد کے آفتاب محبت کا پرتو ہوتی ہے۔

ڈاکٹر شیرازی: تمہارا فلسفہ تو پارے کی طرح کبھی ایک نقطے یا سمت پر قایم ہی نہیں رہتا۔

ممتاز: ایک مقام پر قایم ہوجانا اور پھر وہاں سے جنبش نہ کرنا صرف ایک ضدی اور وضعدار خچر کی خاصیت ہے!! فلسفے کی خاصیت نہیں۔ فلسفہ نئے واقعات نئے حالات کی بدلتی ہوئی فضا میں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے.....

کشور: ممتاز صاحب مجھے بھی یاد پڑتا ہے کہ ایک دن آپ ہی عورت کی محبت کے دوام و استحکام پر گل افشانیاں کر رہے تھے۔ اور آج میں آپ ہی کی زبان سے سن رہی ہوں کہ عورت اور محبت دو متضاد الفاظ ہیں۔

ممتاز: بیشک .... فطرت نے عورت کو محبت کرنے کے لئے پیدا ہی نہیں کیا!! عورت صرف اسلئے پیدا ہوئی ہے کہ اس سے محبت کیجائے۔ عورت فطرتاً صرف "معشوق" ہوسکتی ہے عاشق نہیں ہوسکتی.... عورت محبت پرست نہیں ہوتی۔ عورت صرف خود پرست ہوتی ہے.... وہ مرد کو چاہنے کا اقرار صرف اس وجہ سے کرتی ہے کہ مرد اسکو چاہتا ہے..... اور عورت اس کو اور صرف اسکو چاہتی ہے جو سب سے زیادہ اپنے قول یا اپنے فعل سے اس کے حسن ظاہری اور حسن باطنی کی تعریفیں کرسکے!!!...

عورت کی طبیعت کے صرف دو اجزا ہوتے ہیں۔ خود پرستی۔ اور خود نمائی اور ان ہی دو اجزا کا نام عورت ہے!! (کشور سے) آپ کو یہ بُرا ضرور معلوم ہوگا... مگر حقیقت امر یہی ہے!! اور حقیقت ہمیشہ بدنما اور بدمزہ معلوم ہوتی ہے۔

کشور: حقیقت تو یہ نہیں ہے مگر تجربات کی تلخی نے آپکی طبیعت اور آپکے خیالات کو بھی تلخ کردیا ہے۔ اگر مہ جبین نے آپسے ایسی بے رخی اور بیوفائی نہ کی ہوتی تو آج آپ عورت کی محبت کی اس بیدردی سے دھجیاں نہ اُڑاتے۔

ممتاز :۔ اس سے مجھے انکار نہیں کہ میرے خیالات میں میرے تجربات کو بہت کچھ دخل ہے۔ اور فی الحقیقت میرے تجربات نے میری آنکھیں اچھی طرح کھولدیں۔ میں نے عورت کی محبت اور اسکی ساری اصلیت اور حقیقت دریافت کرلی۔ اپنی جنس کی صحیح فطرت کا اندازہ آپکو اسوقت ہوگا جب آپ عالم حیوانات میں دونوں جنسوں کے تعلقات عادات اور خصائل پر غور فرمائینگی۔ اسوقت آپ پر یہ حقیقت روشن ہوجائے گی کہ محبت اور بے لوث جان نثاری اور وفاداری صرف میری ہی جنس کا حصہ ہے۔

کشور :۔ آپ آفتاب پر اسطرح دھول نہیں ڈال سکتے۔ عورتوں کی محبت جان نثاری اور وفاداری کا اگر آپ کو ثبوت چاہیے تو تاریخ عالم کے صفحوں پر جلی قلم اور زریں حروف میں لکھے ہوئے آپ کو بے حساب اور بے شمار ثبوت ملیں گے۔

ممتاز :۔ (عجیب طنز سے) تاریخ عالم ؟ تاریخ عالم کی بھی آپنے خوب ہی کہی ؟ غیر ذمہ دار افواہوں اور بے سروپا قصوں کا ایک غیر معتبر ذخیرہ !! واقعات تاریخی محض دلچسپ سمعی افسانے ہیں جو چند خوش عقیدہ یا بے باک بزرگوں نے (جنکی صداقت یا کیرکٹر کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں) نہ معلوم کہاں سے اور کس سے سنکر اور ان میں اپنے قیاسات توہمات اور تعصبات کا رنگ بھر کر دنیا کے سامنے تاریخ کی شکل میں پیش کردیئے ہیں اور جو محض امتداد زمانہ سے مقدس اور معتبر خیال کئے جانے لگے ہیں۔ درحقیقت تو یہ ہے کہ جو واقعہ کل شام کو ہمارے سامنے ہوتا ہے اُسے آج ہم دس آدمیوں کی زبانی دس طریقوں سے سنتے ہیں۔ اور مختلف اخباروں میں مختلف شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل کچھ عرصہ کے بعد تاریخ ہندوستان میں واقعہ تاریخی کی متبرک اور مقدس صورت اختیار کرے گی اور ہمارے لڑکے اسپر ایمان لائیں گے اور ہمارے پوتے اُسکی صداقت کی لمبی لمبی قسمیں کھائیں گے۔۔ یہ ہے آپ کے فن تاریخ نویسی کا ایک مختصر سا خاکہ !!

ڈاکٹر شیرازی:۔ آج ممتاز تم غالباً ساری دنیا سے بیزار ہو کر آئے ہو آج تم ہر شخص اور ہر چیز پر بے طرح حملے کر رہے ہو۔

ممتاز:۔ اور کیوں نہیں سمجھئے کہ میں آج ہر نئے اور ہر پرانے جھوٹ کو وحشیانہ بے دردی سے بے نقاب کر رہا ہوں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (ہنسکر) اخاہ! یہ تم مجدد وقت کب سے بن گئے اور یہ روپ تم نے کب سے بدلا؟

ممتاز:۔ (ہنسکر) میں مجدد نہیں، میں ایک آئینہ جہاں نما ہوں جس میں ہر چیز اور ہر شخص کی اصلی صورت اگر کوئی دیکھنا چاہیئے تو بخوبی دیکھ سکتا ہے۔

زہرہ جمال:۔ (ہنستے ہوئے) مگر در پردہ حملہ کرتے ہوئے) تو اسے آئینہ جہاں تماب سے پہلے ہمیں اس راز سے آگاہ کر کہ اس وقت تیری مہ جبین کہاں ہے؟

ممتاز:۔ (بلا تکلف) اس وقت میری مہ جبین میرے دل میں اور آپ کی زبان پر اس پر سب بیساختہ ہنس پڑے اور زہرہ جمال کو ندامت سے خاموش ہو جانا پڑا۔

کشور:۔ ممتاز صاحب آپ سے زبانی جنگ میں کوئی جیت ہی نہیں سکتا اس فن کے تو آپ استاد کامل ہیں۔ زہرہ خواہ مخواہ کوشش کرتی ہیں۔ مگر اس وقت میں آپ کی توجہ ایک ایسے مسئلے کی طرف دلانا چاہتی ہوں جو گو ایسا دلچسپ نہیں ہے مگر نہایت ضروری ہے!!

ممتاز:۔ (کسیقدر تعجب سے) وہ کیا؟ ضرور فرمائیے! میں ہمہ تن گوش ہوں۔

کشور:۔ وہ یہ کہ میری طبیعت بمبئی کی موجودہ آب و ہوا سے متاثر ہو کر اکثر پژمردہ رہتی ہے۔ لہذا آپ یہ تجویز کیجیے کہ تبدیل آب و ہوا کے لیے میں کہاں جاؤں؟ ... ہم لوگوں کا خیال ہے کہ مہابلیشر اچھا مقام ہے مگر میں دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کی اور ڈاکٹر شیرازی صاحب کی اسکے متعلق کیا رائے ہے؟

ممتاز:- جبالپور تو بلاشبہ اس جوار میں نہایت ہی پرفضا مقام خیال کیا جاتا ہے
ڈاکٹر شیرازی:- میں بھی ممتاز کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں ..... اور
جبالپور سے تھوڑے ہی فاصلوں پر بے حد دلکش۔ حسین اور روح افزا
مقامات و مناظر اور بھی تو ہیں۔
ممتاز:- ہاں ہاں ضرور ہوں گے.... گو مجھے صرف اس کا تجربہ ہے کہ
وہاں جنگل بہت بڑے بڑے اور گھنے گھنے ہیں اور جنگلی درندوں اور جانوروں
کا شکار خوب ہے۔
زہرہ:- بھئی مجھے تو ایسے جنگلوں میں بڑا ڈر معلوم ہو.....
ممتاز:- (مسکرا کر) واہ واہ! ڈر کیسا؟ ... وہاں تو بیچ بیچ میں لمبی لمبی سڑکیں
جنگلوں میں سے کاٹ کاٹ کر نکالی گئی ہیں اور جا بجا چھوٹے چھوٹے خوبصورت آرام دہ
بنگلے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ان جنگلوں میں جو کوئی بھی جاتا ہے ایک مسلح جماعت کے
ساتھ جاتا ہے جنگلی جانور بڑے سمجھدار ہوتے ہیں۔ اسلئے ہمیشہ ایک محفوظ فاصلہ پر رہتے
ہیں۔ قریب نہیں آتے اور آتے بھی ہیں تو انسان کو دیکھتے ہی بھاگ جاتے ہیں۔ میں خود اسطرف
کئی مرتبہ گیا ہوں.....(ڈاکٹر شیرازی) اور تم بھی تو کئی مرتبہ شکار کیلئے جا چکے ہو۔
ڈاکٹر شیرازی:- ہاں ہاں کئی مرتبہ میں ان مقامات سے
بہت اچھی طرح واقف ہوں۔
ممتاز:- بعض بعض حصے جنگل کے سنتے ہیں کہ بہت ہی خوفناک
ہیں۔ یعنی علاوہ شیر اور چیتوں وغیرہ کے سانپ اور اژدہے وغیرہ بھی
بہت ہی بڑے بڑے اور نہایت ہی زہریلے اور خطرناک ہیں۔
زہرہ:- تب تو بھائی جان میں کبھی اس کا رخ بھی نہ کروں گی محض
خیال ہی سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

کشور :- (ہنستے ہوئے) واہ زہرہ واہ! تم کیسی ڈرپوک ہو!! لطف تو خطروں ہی میں پڑکر ان سے نکل جانے میں ہے۔

ممتاز :- مسز انور آپ نے بڑی پکی بات کہی۔ بلند حوصلہ اور بےخوف طبیعتوں کیلئے جسقدر زیادہ شدید خطرہ ہوتا ہے اس سے زیادہ انہیں اس میں لطف آتا ہے۔ حسین ترین مناظر میں وہ جاذبیت وہ دلکشی نہیں ہوتی جو خوفناک مناظر میں ہوتی ہے۔ خوفناک مناظر کی جاذبیت اور دلکشی کا سارا راز محض وہ پر لطف ہیجان قلب ہے جو ان سے پیدا ہوتا ہے دراصل ..... حقیقی زندگی شورش و ہیجان ہے اور شورش ہیجان حقیقی زندگی ہے!!

کشور :- واقعی دنیا کے معمولی تجربات اور معمولی مناظر میں تو کوئی لطف ہی نہیں؟ اُن سے لطف اندوز ہوتے ہوتے تو جی اکتا جاتا ہے۔ دلکشی اور دلفریبی تو واقعی ان تجربات اور مناظر میں ہوگی جو غیر معمولی ہوں ....

ممتاز :- بیشک! جن تجربات اور جن مناظر سے خون رگوں میں بجلی کیطرح دوڑنے لگے اور دل شدت سے دھڑکنے لگے وہی تجربات اور مناظر اصلی مقتضائے حیات ہیں اور جس زندگی میں سنسنی پیدا کرنیوالے تجربات اور اختلاج انگیز حالات نہ ہوں وہ زندگی نہیں وہ جمود ہے۔ وہ حیوانیت مطلق ہے۔ وہ گاجر اور مولی گوبھی اور شلجم کی زندگی ہے۔ ایسی ساکن منجمد یکسانیت پسند زندگی کو جس میں طوفان کا شور اور آندھیوں کے جھونکے نہ ہوں۔ جو نباتات اور جمادات کی طرح اپنے مرکز مستقل سے جنبش نہ کر سکے جس میں [illegible] کے مانند صرف کھانا پینا سو رہنا۔ لڑنا بچے پیدا کرنا اور مر جانا ہو۔ جسکے امروز و فردا میں کوئی فرق نہ ہو۔ جسکا ہر ایک دن گذشتہ دن کیطرح بدرنگ۔ بدمزہ، پھیکا اور غیر دلچسپ اور جسکا ہر آنیوالا دن اپنے ساتھ کوئی توقع خیز امید کوئی نیا مژدہ کوئی تازہ پیام مسرت نہ لائے۔ ایسی زندگی کو زندگی کہنا جرم ہے، اسکو زیادہ سے زیادہ صرف سانس لینا

سسک سسک کر جینا کہہ سکتے ہیں۔ حیوانات نباتات اور جمادات کی خاصیت جمود
وسکوت ویکسانیت ہے۔ مگر انسانیت کا طرۂ امتیاز حرکت، شورش اور ہیجانیت ہے!!
آخر.... انسان کو کوئی بات تو ایسی کرنی چاہیئے جو درختوں اور جانوروں سے اسے
تمیز وممتاز کر سکے!! ورنہ پھر انسان انسان کہاں رہ جاتا ہے؟ وہ بھی جمادات وحیوانات
کے محدود دائرے میں مقید ہو کر ان ہی کا سا ذلیل وخوار بے مصرف اور بیکار ہو جاتا ہے!!!
حقیقی زندگی حاصل کرنے کی یہی خواہش انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اسے شورش وہیجان
میں تلاش کرے۔ چنانچہ کوئی ہیجان دلی اور شورش دماغی کو شراب میں ڈھونڈتا ہے
کوئی رقص میں۔ کوئی موسیقی میں۔ کوئی گناہ میں کوئی عبادت میں کوئی جنگ میں کوئی
صلح میں کوئی عشق حقیقی میں کوئی محبت مجازی۔ غرضکہ ہر شخص اپنے خیال اور اپنی
ہمت اور استعداد کے مطابق شورش اور ہیجان تلاش کرتا ہے کیونکہ شورش
اور ہیجان حاصل زندگی اور سرمایہ حیات ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ آج میں ایک عرصے کے بعد تمہارے خیالات سے اتفاق
کرتا ہوں۔ واقعی ٹھنڈی پھیکی، بزدلانہ اور یکسانیت پسند زندگی سے ہزار درجہ
بہتر اور قابل رشک انسان کے لئے رنگین۔ پر ہیجان اور دلیرانہ موت ہے!!

کشور:۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ دونوں نے میری تائید کی اور زہرہ
اکیلی رہ گئیں۔ آج یہ پہلا اتفاق ہے کہ وہ مجھے شکست نہیں دے سکیں۔

زہرہ:۔ ہاں ہاں مجھے تسلیم ہے۔ میں ہاری اور تم جیتیں۔ مگر اب تو مہد لشتر
جانے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا۔؟

کشور:۔ بالکل نہیں۔

زہرہ:۔ اور صرف مہدلشتری نہیں بلکہ اس کے قرب وجوار میں خطرناک
مگر قابل دید مقامات ہیں ان کا دیکھنا بھی طے ہے نا؟ فرمایئے طے ہے یا نہیں؟

کشور: ہاں ہاں قطعی طور پر! آپ ذرا بھی نہ گھبرائیں۔ ڈر سے تو آپ ہی بھی جاتی تھیں۔
زہرہ: خیر! میں ہی ڈرپوک سہی۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ کون کون جائے گا۔؟
کشور: تم اور میں اور ڈاکٹر شیرازی صاحب۔
زہرہ: بھائیجان! واہ! وہ کیسے اپنے مریض اور دواخانہ وغیرہ چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟
کشور: اب جیسے بھی ہو۔ میں نہیں جانتی۔
ڈاکٹر شیرازی۔ نہیں میں چلونگا۔ میں ضرور چلونگا (مسکرا کر) بھلا میری مجال ہے کہ میں آپ کے حکم سے سرتابی کروں؟
کشور: شکریہ مجھے یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ اور ممتاز صاحب آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ واقعی چلئے ممتاز صاحب! بغیر آپکے تو مہابلیشور بالکل سونا معلوم ہوگا!
ممتاز: نہیں۔ میری کیا ضرورت؟ غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں اور پھر (مسکرا کر) دو شیطانے دو اقلیمے نہ گنجند۔ پھر آپ ہی بتائیے میں اور ڈاکٹر شیرازی کیسے ایک ساتھ مہابلیشر جا سکتے ہیں؟
کشور: (شرمیلی شوخی سے) بس آپ تو ہر بات کو مذاق میں اڑا دیتے ہیں (تانے سے) میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو چلنا ہوگا اور عذرا کو بھی ساتھ لے چلئے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سچ بڑی دلچسپی رہے گی۔؟
ممتاز: (مسکرا کر) لیجئے اور سنئے عذرا کا بھی اضافہ ہوگیا۔ یک نہ شد دو شد۔ ۔ ۔ ۔ (سنجیدگی سے) نہیں۔ مسز انور۔ مجھے تو آپ معاف ہی کیجئے۔ آجکل مجھکو ایسی اہم تجارتی مصروفیتیں ہیں کہ میرا یہاں سے ایک دن کے لئے بھی ہٹنا مناسب نہیں۔ ورنہ اس میں شک نہیں کہ آپ سے دس گونہ زیادہ مجھے آپ کے ساتھ چلنے میں مسرت اور دلچسپی ہوتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ واقعی یہ سچ کہتے ہیں۔ آج کل تو ان کے یہاں ایک ایک داؤں پر لاکھوں اور کروڑوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ بھلا یہ کیسے اس زمانہ میں بمبئی سے ہٹ سکتے ہیں؟

زہرہ:۔ ممتاز صاحب آپ کے نہ جانے کا مجھے بھی قلق ہوگا کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سے زیادہ جادو بیان۔ زندہ دل اور دلچسپ شخص بمبئی تو کیا ہندوستان میں کوئی نہ ملے گا۔

ممتاز:۔ (ہنستے ہوئے) آپ نے تو ایک ہی جملے میں میری اسقدر تعریف کر ڈالی کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اب کس کس الزام سے انکار کروں۔

کشور:۔ زہرہ نے آپ کی بالکل صحیح تعریف کی ہے اور میرے خیال میں کم کی اور بہت کم کی۔ آپ اس سے کئی گونہ زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔

ممتاز:۔ (کھڑے ہوکر مسکراتے ہوئے) اب مجھے فوراً یہاں سے چلا جانا چاہیئے، نہیں تو میں بالکل خراب ہوجاؤنگا۔ کسی کام کا نہ رہ جاؤں گا۔۔۔ شراب اور تعریف کی خاصیت یکساں ہوتی ہے۔ تھوڑی مقدار میں ہو تو فائدہ پہنچاتی ہے زیادہ مقدار میں ہو تو انسان کو تباہ کردیتی ہے۔۔۔۔ (کشور سے) اچھا تو اب اجازت چاہتا ہوں۔ آپ کب تک مہابلیشر جائیے گا؟۔

کشور:۔ غالباً یہی دو ایک دن میں۔

ممتاز:۔ خیر جائیے۔ خدا حافظ۔ بسلامت روی و باز آئی۔ اگر حسن اتفاق سے مجھے جلدی فرصت مل گئی تو انشاء اللہ میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔

کشور: مجھے کیسی کچھ خوشی ہوگی۔ خدا کرے آپ کو جلد فرصت مل جائے۔

جس وقت کشور اور ممتاز میں یہ مکالمہ ہو رہا تھا اسوقت ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ میں متردد نگاہوں کا تبادلہ ہو رہا تھا جن کا صریحاً مفہوم یہ تھا کہ لو یہ اور

مشکل ہوئی۔ کہیں اگر یہ خطرناک جن عین موقع پر پہنچ گیا تو بڑی مصیبت ہوگی۔
سارا نقشہ ہی بگڑ جائے گا!"

ممتاز کے جانے کے بعد ڈاکٹر شیرازی۔ زہرہ جمال۔ اور کشور میں یہ طے ہوا کہ دوسرے ہی دن صبح کو جابلیشر روانہ ہوجائیں گے۔ مکان کے متعلق کشور نے پوچھا کہ کیا انتظام ہوگا تو ڈاکٹر شیرازی نے کہا کہ "یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ آج ہی صبح کو ایک دوست کا میرے پاس تار آیا ہے کہ اگر مجھے ضرورت ہو تو ایک نہایت ہی اچھا بنگلہ بہت ہی مناسب قیمت پر مل سکتا ہے۔ لہٰذا اب میں انھیں فوراً تار دیئے دیتا ہوں کہ وہ بنگلا آپ کی طرف سے فوراً لے لیں۔ اور میں کسی ہوٹل میں ٹھیر جاؤں گا۔"

کشور بہت خوش ہوئی۔ اور ڈاکٹر شیرازی سے باصرار کہا کہ بنگلا ہاتھ سے نہ نکلنے پائے اس کے لئے فوراً تار دیدینا چاہئے ... ڈاکٹر شیرازی رخصت ہونے لگے تو زہرہ جمال نے عجیب ناز سے کہا "بھائیجان مجھے بھی شہر میں کچھ چیزیں خریدنا ہیں۔ میں بھی آپکے ساتھ چلوں اگر آپکو زحمت نہ ہو؟" ......

ڈاکٹر شیرازی:۔ عجیب لڑکی ہے سگے بھائی سے بھی اسقدر تکلف کرتی ہے! اس کے لئے بھی پوچھنے کی ضرورت تھی؟ چنانچہ زہرہ بچوں کی طرح تالیاں بجاتی ہنستی اور یہ کہتی ہوئی میرے بھائیجان بڑے اچھے ہیں" موٹر پر ڈاکٹر شیرازی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

موٹر موتی ولا کی پھاٹک تک بھی نہ پہنچا ہوگا کہ زہرہ دانت پیس کر بولیں۔
"اس شیطان کے بچے ممتاز کو بھی آج اسی وقت آنا تھا...؟"

ڈاکٹر شیرازی:۔ (موٹر چلاتے اور سگار سے دھواں نکالتے ہوئے) میں تو سمجھا کہ اب ساری اسکیم کا خاتمہ ہوا۔ مگر اتفاق کی بات اس نے بھی ہاں میں ہاں ملادی۔ میری تو جان کی پڑ رہی تھی کہ کہیں یہ کمبخت کوئی دوسرا مقام نہ بتادے۔ اور اگر کہیں وہ کسی اور مقام کے لئے اڑ جائے تو بس پھر تو غضب ہی ہوجائے کیونکہ اسکی زبان کے آگے

میری ایک نہ چلتی اور سارا شیرازہ بکھر جاتا ۔۔۔ کیسا کشور اور ممتاز دونوں کے منہ سے جہابلیشر نکلا ۔۔۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے ۔۔۔۔۔۔

زہرہ: ہاں مگر اس میں بھی بھائی جان ابھی ایک دغدغہ لگا ہوا ہے وہ یہ کہ کہیں ممتاز کمبخت جہابلیشر میں بلائے ناگہانی کی طرح آ پہنچے!!

ڈاکٹر شیرازی: نہیں! اس نے تو غالباً یہ مشروط وعدہ محض کشور کو ناخوش نہ کرنے کیلئے کر دیا ہے ورنہ وہ کیا جہابلیشر آئیگا۔ اول تو اسکی تجارتی ضروریات اُسے گھیرے رہیں گے اور پھر اس کو مہ جبین کی تلاش ہی سے کب فرصت مل سکتی ہے جو وہ جہابلیشر آنے کا ارادہ کرے!!

زہرہ: اور اگر بفرض محال وہ آ گیا تو؟

ڈاکٹر شیرازی: تو بھی کچھ نہیں۔ ہم اس کے پہلے ہی اپنا کام کر گزرینگے۔ میری تدبیر ایک کامل تدبیر ہے۔ اور وہ کبھی ناکامیاب نہیں ہو سکتی۔

زہرہ: بھائی جان نہ معلوم کیا بات ہے مگر کل رات سے مجھے بار بار وہم ہو رہا ہے کہ ہم دونوں پر کوئی بڑا برا وقت آنے والا ہے۔

ڈاکٹر شیرازی: پرانے دانشمندوں کا پرانا قول ہے کہ کسی سازش میں عورت کو شریک کرنا افشاء راز اور ناکامیابی کو دعوت دینا ہے۔

زہرہ: نہیں یہ بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ عورتیں بمقابلہ مردوں کے زیادہ ذکی اور ذی حس ہوتی ہیں اور آنے والی مصیبتوں کا سب سے پہلے ادراک عورت ہی کی لطیف روحانیت کو ہوتا ہے۔

ڈاکٹر شیرازی: آنے والی مصیبتوں کا لطیف ادراک تو نہیں گھبراہٹ کے آثار تم میں ضرور معلوم ہوتے ہیں ۔۔۔۔ مجھے تعجب ہے کہ اسقدر ذہین اور بلند ہمت ہو کر تم کیوں اور کیسے اس قسم کی نادانی اور پست ہمتی کا ثبوت دے سکتی

ہوا!! میں آج رات کو تمہیں ایک دوا دونگا۔ وہ پی لینا۔ تمہارے غیر ضروری حس رکھنے والے اضطراب کا تشنج اس سے بہت جلد رفع ہو جائے گا۔....

زہرہ: (کسی قدر ندامت آمیز لہجے میں) اچھی بات ہے مگر بھائیجان اگر انور اس دھوکے میں نہ آیا تو پھر کیا ہوگا؟

ڈاکٹر شیرازی۔ بیوقوف لڑکی!..... انور کیا چیز ہے انور کے فرشتے بھی اس دھوکے میں نہایت آسانی سے آجائیں گے۔ تم بھول جاتی ہو کر جال میرے ہاتھ کا بنا ہوا اور بچھایا ہوا ہے اور جس کو میں نے اس کام کے لئے مامور کیا ہے عیاری میں بمبئی میں کوئی اس کا ثانی نہیں ہے!!! اور وہ اور اسکے آزمودہ کارگروہ والے آج سے نہیں عرصے سے میرے نہایت فرمانبردار اور عقیدتمند مرید ہیں۔

زہرہ: خیر خدا کرے۔ آپ کامیاب ہوں اور ہم لوگوں کی محنت سوارت ہو!!

ڈاکٹر شیرازی: (مسکرا کر) خدا کا اس معاملہ میں کون دخل ہے؟ ہاں گرد ھاراج شیطان کا نام لیتیں تو بات بھی تھی۔!!

زہرہ:۔ (خوف زدہ لہجے میں) بھائیجان جب آپ ایسی باتیں کرتے ہیں تو مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے!!

ڈاکٹر شیرازی۔ ڈر؟ ڈر کا لفظ تو میری لغت میں ہے ہی نہیں۔ میں جانتا ہی نہیں کہ ڈر کس چیز کا نام ہے!!

کچھ دیر میں ڈاکٹر شیرازی کا موٹر بمبئی کی بے شمار سڑکوں پر غائب ہو گیا۔ اور قریب پندرہ بیس منٹ کے بعد جب زہرہ ڈاکٹر شیرازی کی میز پر بیٹھی ہوئی سگریٹ پی رہی تھی اس کا شگفتہ چہرہ اور مطمئن تبسم اس کے سکون قلب کی گواہی دے رہا تھا۔

اڑتیسواں باب

مس انور؟

دوسرے دن قریب ۵ بجے باندرہ کی ایک سڑک پر ایک خوبصورت عورت جسکی عمر پچیس یا چھبیس برس سے زیادہ نہ تھی نہایت ہی بیش قیمت ساڑی پہنے ہاتھ میں لیڈیز بیگ بک اور خوشنما زنجیر سے لٹکائے ہوئے اسٹیشن کی طرف تیز قدم اٹھائے چلی جارہی تھی۔ خوبصورت معصوم کالی کالی آنکھیں، سرخ سرخ ہونٹ کیوپڈ کی کمان کیطرح تنے ہوئے ٹھوڈی میں ایک خوشنما گڑھا جو اسکے تبسم سے اور نمایاں ہوجاتا تھا۔ چمکتا ہوا گورا رنگ، دبلی پتلی نازک اندام، بوٹا سا قد جسکی وجہ سے وہ دیکھنے میں بالکل لڑکی سی معلوم ہوتی تھی۔ اور ایسی بھولی بھالی پیاری مسکراہٹ کہ دیکھنے والا اسی ایک ادا پر بیساختہ فریفتہ ہوجائے اس کی تیز چال سے قیاس ہوتا تھا کہ اسے کوئی بہت ضروری کام ہے۔ بار بار وہ ادھر ادھر بے چین نگاہوں سے دیکھتی تھی جیسے اُسے کسی کا انتظار ہو۔ داہنی طرف کی گلی سے دفعتاً انور اسی سڑک پر نکلا۔ وہ بھی اسٹیشن کی طرف جارہا تھا۔ جب ذرا قریب آیا تو اس عورت نے اسکو کسی قدر جھکتی ہوئی اگر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور اسکی طرف بڑھی۔ انور کو اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر کچھ تعجب سا ہوا اگر اس عورت نے اپنی دلاویز بھولی بھالی مسکراہٹ سے کہا... آپ مجھے ایک شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ میری کچھ مدد کرسکتے ہیں؟ انور ٹھٹک کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید اسکو روپیہ کی ضرورت ہے پھر اسے خیال ہوا کہ بظاہر یہ مرفہ الحال معلوم ہوتی ہے اسے روپیہ کی ضرورت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس خاتون نے انور سے کہا "میں اسوقت بالکل اکیلی ہوں (کچھ دور پر پیچھے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے) دیکھئے وہ دو آدمی مجھے بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔

(کسقدر آبدیدہ ہوکر) مجھے یہاں اکیلا اور بے بس پاکر وہ میرے پیچھے آرہے ہیں اور
انکی نیت مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ میں آپکی بیحد ممنون ہونگی اگر تھوڑی دور تک آپ
میرے ساتھ ساتھ چلنا گوارا کریں مجھے امید ہے کہ آپ کو میرے ساتھ دیکھ کر وہ لوگ
میری توہین کرنے کی جراءت نہ کرسکیں گے!! اور واپس چلے جائیں گے۔

کیسے ممکن تھا کہ انور کی فطری شرافت اجنبی خاتون کی اس استدعا کا اثر نہ لیتی
اس نے نہایت ہمدردانہ لہجے میں کہا میں آپکے ساتھ چلونگا۔ آپ بالکل اندیشہ نہ کیجئے"۔

اجنبی خاتون:۔ (کسیقدر سہمے ہوئے لہجے میں) مگر وہ لوگ مجھے بڑے بے باک
اور شریر معلوم ہوتے ہیں..... کہیں آپ کو وہ نقصان نہ پہنچائیں۔

انور:۔ (مسکرا کر نہایت اطمینان سے) آپ بالکل فکر نہ کیجئے۔ میں اپنی اور
آپ کی حفاظت انشاءاللہ بخوبی کر سکونگا)۔

اجنبی خاتون:۔ (شرمیلے انداز سے) میں آپکا شکریہ کسطرح ادا کروں"

انور:۔ (مسکرا کر) اس نیک شکریہ ادا کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ آپ شکریہ ادا نہ
کیجئے۔ مگر کیا میں آپ سے دریافت کرسکتا ہوں کہ آپ کے مکان کا پتہ کیا ہے؟

اجنبی خاتون:۔ (بلا تکلف) ۱۳۴۔ مال روڈ میں اسوقت اسٹیشن ایک نہایت
ہی ضروری تار دینے جارہی ہوں۔ مگر بدقسمتی سے مجھے انگریزی نہیں آتی کہ تار خود لکھ سکوں
..... یہ کہہ کر اس نے پھر انور کو اپنی خوبصورت آنکھوں سے دیکھا۔ اس کی
نگاہیں کہہ رہی تھیں:۔ اگر آپ ہی لکھ دیتے تو بڑا اچھا ہوتا:۔

انور:۔ (اسکا منشا سمجھ کر)... تو اس میں کیا ہے تار میں آپ کی طرف سے
لکھ دونگا چلئے میں آپ کے ساتھ اسٹیشن چلتا ہوں۔

اجنبی خاتون:۔ اگر آپ میری طرف سے تار لکھ دیتے تو بڑی عنایت ہوتی
مگر اسٹیشن یہاں سے کم از کم ایک میل ہوگا وہاں تک آپ کو زحمت دینے کی ہرگز

جرات نہیں کر سکتی۔۔۔۔!!

انور: نہیں کوئی زحمت نہیں۔ میں خود اس طرف ایک صاحب سے ملنے جا رہا ہوں جو اسٹیشن کے آدھ میل اسی طرف رہتے ہیں۔

اجنبی خاتون: پھر آپ کو آدھ میل اور چلنا پڑیگا اور اس کے بعد آدھ میل واپس آنا پڑیگا میں آپ کو اتنی تکلیف کسی صورت نہ دوں گی اور نہ دیکھتی ہوں۔ جانیئے وہ بنچ پڑی ہے۔ میں آپکو کاغذ و قلم دونگی۔ آپ بنچ پر بیٹھکر تار لکھدیجئیگا پھر کچھ دور تک مجھے پہنچا دیجئیگا۔ جب وہ لوگ غائب ہو جائیں تو آپ مجھے چھوڑ دیجئیگا میں چلی جاؤنگی مجھے اُمید ہے کہ آپ میری جسارت معاف فرمائیں گے کہ میں بغیر کسی تعارف کے آپ کو اسقدر تکلیف دینے پر آمادہ ہو گئی۔۔۔۔۔"

انور اور اجنبی خاتون میں باتیں ہوتی جاتی تھیں اور دونوں ساتھ ساتھ اس بنچ کی طرف چلے جا رہے تھے جو کچھ فاصلہ پر سڑک کے کنارے ایک طرف پڑی ہوئی تھی اجنبی خاتون بار بار وحشت بھری نگاہوں سے ان دو آدمیوں کو مڑ مڑ کر دیکھتی جاتی تھی جو قریب پچاس ساٹھ گز کے فاصلہ پر آہستہ آہستہ انکی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

انور نے بھی دو ایک مرتبہ ان آدمیوں کو مڑ مڑ کر دیکھا۔ اور ایک طرف تو اس کا خون انکی نازیبا حرکت پر غصے سے کھولنے لگا اور دوسری طرف اس کے دل میں اجنبی خاتون سے ہمدردی اور بھی بڑھ گئی۔ بنچ پر آ کر اجنبی خاتون اور انور بیٹھ گئے۔ اجنبی خاتون نے اپنے بیگ سے ایک سادہ ورق اور فاونٹن پن نکالکر انور کو دیا اور کہا "پتہ یہ لکھ دیجئے۔ اسلم خاں۔ بیرسٹرایٹ لا ۲۱ کننگ روڈ الہ آباد"

مضمون یہ لکھئے۔ میں آج ہی شبکو سیدھی حیدر آباد دکن جا رہی ہوں ہاں چونکہ مجھے یہاں سے بہت اچھی جگہ مل رہی ہے اسلئے یہاں کی ملازمت کرنا مجھے اب منظور نہیں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ حیدر آباد بمبئی سے زیادہ دلچسپ ہوگا۔

انور نے ان جملوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اسی کاغذ پر لکھ دیا۔

اجنبی خاتون: — (کچھ دیر کے بعد) لکھ دیا آپ نے؟

انور: — جی ہاں لکھ تو دیا۔ (مسکرا کر) مضمون ہی کتنا تھا؟

اجنبی خاتون: — اور آخر میں نام بھی تو لکھا جاتا ہے۔ نام بھی لکھ دیجئے۔

انور: — (مسکرا کر) کیا نام لکھوں۔

اجنبی خاتون: — "انور"۔

انور: — (تعجب سے مسکرا کر) انور؟ کیا آپ کا نام انور ہے؟

اجنبی خاتون: — (مسکرا کر تیکھے انداز سے) آپ کو اسقدر تعجب کیوں ہوا اور آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟ کیا انور بُرا نام ہے؟

انور: — (ہنس کر) نہیں! نہیں! معاف کیجیگا۔ انور نام بُرا کیوں ہونے لگا بڑا اچھا نام ہے۔

اجنبی خاتون: — (بھولی مسکراہٹ سے) تو پھر آپ مسکرائے کیوں؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں؟

انور: — (ہنستے ہوئے) اس لئے کہ اتفاق سے میرا نام بھی انور ہے۔

اجنبی خاتون: — (بڑے تعجب سے، واقعی!... (بھولی مسکراہٹ سے) مجھے بڑی خوشی ہوئی... مگر کیا اتفاق ہے!!! انور ہنسنے لگا۔ اور ہنستے ہوئے اس نے تار کے آخر میں "انور" انگریزی حروف میں لکھ دیا۔

اجنبی خاتون: — انور سے لکھا ہوا تار لیکر اسے تہ کرتے ہوئے شیریں تبسم کیا (تو) آپکا بہت بہت شکریہ۔ بڑی زحمت ہوئی۔ معاف کیجیگا (پھر ہنس کر) مگر یہ خوب اور بڑا دلچسپ اتفاق ہے کہ آپکا نام بھی انور ہے اور میرا نام بھی انور ہے اور اصل میں میرا پورا نام تو انورالنساء ہے۔ مگر سب مجھے "انور انور" کہتے ہیں۔

انور ہنستا رہا۔ اجنبی خاتون نے لکھا ہوا کاغذ اور قلم اپنے بیگ میں رکھ کر بیگ بند کیا اور اسے ہاتھ میں لٹکا کر کھڑی ہو گئی۔ اور انور سے کہا: "چلیے اب چلیں مگر وہ دیکھیے وہ دونوں آدمی کتنے قریب آ گئے۔

انور: اونہہ۔ آنے بھی دیجیے۔ آپ بیکار خوف زدہ ہوتی ہیں۔ میں تو اب آپ کے ساتھ ساتھ ہوں ہی۔ وہ آپ سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔"

اجنبی خاتون: ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر ..... خیر ..... دیکھا جائے گا۔

انور اجنبی خاتون کے ساتھ ساتھ ہو گیا۔ اتفاق سے اس وقت سڑک پر بجز ان دو آدمیوں کے جو پیچھے پیچھے آ رہے تھے اور کوئی راہگیر دور تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ انور بیس پچیس قدم نہ گیا ہو گا کہ ایک بڑی سیلون کار اسکے پیچھے سے تیزی سے آتی ہوئی دکھائی دی انور مع اجنبی خاتون کے سڑک پر ایک کنارے پر ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کار جس تیزی سے آ رہی ہے اسی تیزی سے گذر بھی جائے گی مگر اسکو حیرت ہوئی جب وہ کار اسکے پاس آ کر رک گئی۔ ایک نوجوان آدمی سوٹ پہنے ہوئے اُسے چلا رہا تھا اور پیچھے کی سیٹ پر دو شریف صورت آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں ہٹے کٹے تازے توی ہیکل معلوم ہوتے تھے۔

نوجوان: (موٹر روک کر) آہا۔ مس انور صاحبہ۔ آپ پیدل کہاں جا رہی ہیں۔ آئیے آئیے میں پہنچا دوں۔

اجنبی خاتون: نہیں! نہیں! میں چلی جاؤں گی۔ آپ تکلیف نہ کیجیے مگر اس عنایت کا شکریہ!

نوجوان: (خوش اخلاقی سے) آپ تو تکلف کر رہی ہیں۔ کار میں بہت کافی جگہ ہے۔ آئیے چلی آئیے۔ اور اپنے دوست کو بھی ساتھ لے آئیے۔!!

اجنبی خاتون: (انور سے) آئیے چلیے نا۔ اسی کار پر چلے جائیں۔ آپ راستہ میں جن صاحب کے یہاں جا رہے تھے وہاں اتر جائیے گا۔ پیدل جانے میں علاوہ زحمت کے وقت بھی زیادہ

ہوگا چلیے، ہرج ہی کیا ہے! یہ میرے دوست ہیں۔ ان سے کوئی تکلف تھوڑے ہی ہے"

انور: مگر اس میں تو دو صاحب پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھیں تکلیف نہ ہوگی

اجنبی خاتون: (نوجوان سے) مسٹر پشپن جی ہم دونوں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں مگر آپ کے دوستوں کو تکلیف تو نہ ہوگی۔

پشپن جی: تکلیف کیسی؟ آپ دونوں کو ملا کر پانچ ہی تو آدمی ہوئے اور سات سیٹ کی کار ہے۔ آئیے سب بڑے آرام سے بیٹھ جائیے اور پھر بھی دو کی جگہ خالی رہے گی۔

اس اثناء میں وہ دو آدمی جو پیچھے پیچھے آرہے تھے انور اور اجنبی خاتون کے بالکل قریب پہنچ گئے۔

اجنبی خاتون: (انور سے) دیکھیے وہ دونوں بدمعاش بھی آگئے چلیے بھی پیدل چلنے میں اگر یہ لوگ کچھ گستاخی کریں گے تو خواہ مخواہ کو بات بڑھے گی۔ اور کار پر بیٹھ کر چلیں گے تو یہ لوگ منہ دیکھ کر رہ جائیں گے۔ (آہستہ سے) دیکھیے تو حرامزادے کیسے گھور رہے ہیں؟۔

... (پھر انور کا بازو کسی قدر بے تکلفی سے پکڑ کر اور اپنی پرکار بھولی مسکراہٹ سے) چلیے بھی! آپ تو خواہ مخواہ کا تکلف کر رہے ہیں۔ دو منٹ میں تو پہنچ ہی جائیں گے۔

انور رضامند ہو کر موٹر کی طرف بڑھا۔ ان دونوں آدمیوں نے جو پیچھے کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے انور کو آتے ہوئے دیکھ کر نہایت خوش اخلاقی اور تپاک سے کہا۔

'ارے صاحب آئیے! بہت کافی جگہ ہے'! اجنبی خاتون مسٹر پشپن جی کے ساتھ اگلی سیٹ پر اور انور دونوں آدمیوں کے بیچ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار فوراً چل دی اور تیز ہو گئی.....

اجنبی خاتون: (مڑ کر انور سے) انور صاحب آپ خوب آرام سے بیٹھ گئے؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟!!

انور جواب دینے والا ہی تھا مگر جواب دینے کا اسے موقع نہیں ملا.....

دفعتاً دونوں قوی ہیکل آدمی جو اس کے اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے تھے اپنی پوری طاقت سے اس پر ٹوٹ پڑے!! ان میں سے ایک شخص نے انور کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اسے پوری قوت سے سیٹ پر دبا دیا۔ دوسرے شخص نے ایک چھوٹا سا تولیہ (جو کلوروفارم میں بھیگا ہوا تھا) انور کے منہ پر ڈال دیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے انور کا منہ اس نے بند کر دیا.....!!

یہ سب کچھ چند سکنڈ میں ہو گیا۔ بیچارے انور کو اچانک حملے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ وہ اس کے لئے بالکل تیار ہی نہ تھا۔ اور قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھے کہ یہ کیا ہوا یا سنبھل سکے اسے ان دونوں قوی ہیکل آدمیوں نے بالکل بے قابو کر دیا۔ ہاتھ پیر مارنا تو درکنار وہ چلا بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ پورا زور صرف کر کے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا مگر وہ دونوں کے بیچ میں اس طرح سے دبا ہوا بے بس پڑا تھا کہ اس کی ساری زور آزمائی اور کشمکش بالکل بیکار ثابت ہوئی۔

تولئے سے منہ بند ہونے کی وجہ سے وہ مشکل سے سانس لے سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ کلوروفارم کا اس پر اثر ہونے لگا۔ پہلے تو وہ اُسے محسوس ہوا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور اس پر بیہوشی طاری ہونے لگی..... آخری بات کا اُسے احساس باقی رہ گیا تھا وہ موٹر کی گڑگڑاہٹ تھی۔ اور موٹر کے بگل کی آواز اُسے ایسی سنائی دیتی تھی جیسے وہ کسی تہ خانے میں ہو اور آواز بہت دور سے باہر سے آرہی ہو۔ چند منٹ کے بعد اس کا یہ احساس بھی جاتا رہا اور وہ بالکل بیہوش ہو گیا۔ اس کے داہنے اور بائیں فرشتے اسکو پکڑے ہوئے تھے کہ کہیں وہ گر نہ پڑے۔

انور بیہوش پڑا ہوا تھا۔ موٹر تیزی سے چل رہا تھا اور مسٹر "لیسٹن جی" اور باجی خانم آہستہ آہستہ آپس میں راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے۔

لیسٹن جی کہہ رہا تھا۔ اور اگر مسٹر انور موٹر میں آنے سے انکار کر دیتے تو آپ کیسا

کرتیں تو پھر کیسے انکو موٹر میں لیجاتیں!!

اجنبی خاتون (مسکراتے ہوئے) تو پھر زبردستی انھیں موٹر میں لے جانا پڑتا۔ ایسی حالت میں اگر ضرورت پڑتی تو ہمارے ان دو ساتھیوں کو بھی مدد دینی پڑتی جن کے تعاقب سے بچنے کے لئے میں نے مسٹر انور سے مدد مانگی تھی ..... مگر مجھے یقین تھا کہ اس کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوگی۔ دنیا میں بہترین اور کامیاب ترین وہی فریب ہوتے ہیں۔ جو بالکل سادے ہوں اور انسانی فطرت پر ڈھالے گئے ہوں۔ (پیچھے مڑ کر ان دونوں میں سے مخاطب ہو کر جو انور کو پکڑے ہوئے تھے) دیکھو ان کی مشکیں چمڑے کی رسی سے کس دو اور آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔ آخر کب تک انکو اسطرح پکڑے بیٹھے رہو گے ؟ کلوروفارم کا تولیہ منہ پر سے ہٹا دو۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے!!

ان دونوں آدمیوں نے ایسا ہی کیا یعنی انور کی مشکیں کس کے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے چھوڑ دیا اور تولیہ اس کے منہ پر سے ہٹا دیا۔

اجنبی خاتون پھر پستن جی سے نہایت اطمینان سے باتیں کرنے لگیں .....

پستن جی نے دریافت کیا۔ "مگر اس تار کا جو آپ نے مسٹر انور سے لکھایا ہے آپ کیا استعمال کیجئے گا؟"

اجنبی خاتون :۔ (ہنسکر) تم بھی کیسے بیوقوف ہو ..... اس کا اوپر کا حصہ جہاں پتہ لکھا ہے بقیہ حصہ سے کاٹ کر الگ کر دیا جائیگا۔ اور بقیہ حصہ ایک لفافے میں رکھکر اور لفافے پر مسٹر منصور انصاری ایڈیٹر جام جام کا پتہ ٹائپ کر کے ڈاک میں ڈالدیا جائیگا تاکہ مسٹر انصاری کو معلوم ہو جائیگا کہ ان کا سب ایڈیٹر انھیں چھوڑ کر حیدرآباد چلا گیا جہاں اسکو اچھی ملازمت مل رہی ہے۔ آیا آپ کی سمجھ میں ؟ ..... مرد بھی ایسے کند ذہن ہوتے ہیں کہ بعض اوقات بڑی کوفت ہوتی ہے!!

پستن جی :۔ (ہنستے ہوئے) خیر یہ تو میں سمجھ گیا مگر مسٹر انصاری کو یہ امر خلاف

معمول :۔ معلوم ہوگا کہ مسٹر انور بغیر ان سے ملے ہوئے چلے گئے !!

اجنبی خاتون :۔ معلوم ہوا کرے میری بلا سے ! مگر جب وہ انور کے ہاتھ کا لکھا مضمون اور نیچے ان کا نام دیکھیں گے تو ان کے یکایک چلے جانے پر ناک بھوں چڑھا کر خاموش ہو جائیں گے ۔

بیتن جی :۔ مگر انور کا اسباب جو ان کے گھر پڑا ہوا تھا اسے چھوڑنے کے کیا معنی ؟

اجنبی خاتون :۔ (قہقہہ لگا کر) اول تو اسباب ان کا تھا ہی کتنا ۔ مگر وہ بھی گزشتہ رات کو چوری ہو گیا ۔

بیتن جی :۔ (متعجب) چوری ہو گیا !! کس نے چرایا ؟

اجنبی خاتون :۔ تمہارے ہی ساتھیوں نے ...... اور لطف یہ کہ انور کے اسباب کے علاوہ مسٹر انصاری کا بھی کیش بکس غائب کر دیا گیا جس میں حسن اتفاق سے ساڑھے تین سو نقد نکلا ۔ اب جب مسٹر انصاری کو انور کا یہ خط کل بذریعہ ڈاک ملیگا تو اور لطف آئیگا ۔ وہ یہ سمجھیں گے کہ چوری کا قصہ بالکل فرضی تھا در اصل انور ہی نے انکا کیش بکس غائب کیا ہے اور کیش بکس غائب کرکے خود بھی غائب ہو گیا ....

وہ بھی خیال کریں گے کہ انور کیسا تھا شریف بدمعاش تھا !! اور یہ سب اسلئے کیا گیا کہ پولیس کو انور کے یکایک غائب ہو جانے سے ڈاکٹر شیرازی پر شک شبہہ نہ ہو !!

بیتن جی :۔ تدبیر تو بڑی گہری اور چلتی ہوئی ہے !!

اجنبی خاتون :۔ (مسکرا کر) ہم لوگوں کی تدبیر کوئی ایسی ویسی تھوڑا ہی ہوتی ہے !! اور واقعہ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر شیرازی بڑے دل و دماغ کا آدمی ہے ۔ یہ ساری اسکیم اسی کے دماغ کی جدت ہے !!

بیتن جی :۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے کہ آپ کا ایسا ان اسکیموں کو کامیابی سے انجام دینے والا بھی تو کوئی ہو ! بغیر آپ کے تو ڈاکٹر شیرازی ایک قدم بھی چل نہیں سکتے !

اجنبی خاتون:- ہاں۔ مگر داماغ تو اسی کا ہے....

بسنت جی:- جرائم پیشہ دنیا کا ڈاکٹر شیرازی اگر شاہزادہ ہے۔ تو آپ اس دنیا کی شہزادی ہیں.... اور ہم سب محض شطرنج کے پیادے ہیں۔ آپ کی ایک ایک ادا پر ہزار ہزار مرتبہ بچے ہوئے!! سچ تو یوں ہے ہم سب اپنی دنیا اور آخرت محض آپ کی ایک بھولی مسکراہٹ پر کھو بیٹھے ہیں

اجنبی خاتون:- مرد بھی بڑے خوشامدی ہوتے ہیں.... کوئی کیسی بھی ہو۔ مگر ہاں شرط صرف یہ ہے کہ وہ عورت ہو۔ پھر اسکے سامنے مردوں کی کوئی لسانیاں دیکھئے

انور بیہوش پڑا رہا.... موٹر چلتا رہا.... باتیں ہوتی رہیں۔

. . . .

. . . .

اس وقت ایک شخص جبالشیر سے چند میل کے فاصلے پر ایک گھنے نیل کے درخت کے نیچے موٹر میں بیٹھا ہوا اس موٹر کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جس میں بیہوش انور کسا اور بند صاحب اگرفتار پڑا تھا....

کیا اس کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ یہ شخص وہی عیار زمانہ ڈاکٹر شیرازی تھا؟

انتالیسواں باب

مہابلیشر

جسوقت انور گرفتار کیے ہوئے ڈاکٹر شیرازی کے چیلے موٹر پر جا رہے تھے کشور اسوقت انور کے حال سے بالکل بے خبر مہابلیشور کے ایک وسیع خوبصورت و آراستہ

بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی نہایت اطمینان اور خوشی سے زہرہ جمال کیساتھ شطرنج کھیل رہی تھی۔ ڈاکٹر شیرازی بمبئی سے کشور کے ساتھ ساتھ آیا اور اس کو بنگلے پر اتار کر وہ قریب ہی ایک ہوٹل میں جا کر ٹھہر گیا۔ رخصت ہوتے ہوئے وہ کشور سے کہہ گیا کہ اب ان سے صبح کو ملاقات ہوگی۔

جہاں کشور شطرنج کھیل رہی تھی اس کمرے میں کچھ فاصلہ پر وفادار بڑی بی بڑے اطمینان اور خاطر جمعی سے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے ایک خوبصورت مرادآبادی پاندان کھلا تھا اور وہ منہ میں پان دبائے کسی سیدھی سادھی نیک بخت خوش مزاج بھینس کی طرح آہستہ آہستہ جگالی کرتی جاتی تھی اور سروتے سے ڈلی کترتی جاتی تھیں۔ اور کبھی کبھی کھلی ہوئی اونچی کھڑکیوں میں سے مہابلیشر کی نظر فریب اور دلکش روشنیوں کو وہ بے پروائی سے نگاہ اٹھا کر دیکھ لینے کی زحمت بھی گوارا کر لیتی تھیں۔ روشنیاں رات کی سیاہی میں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے وہاں نہایت شاندار دیوالی منائی جا رہی تھی یا بہت سے جگنو نہایت ہی خوش قاعدگی اور خوبصورتی سے پہاڑ کے وسیع دامن میں دور تک پھیلے ہوئے جگ مگ جگ مگ کر رہے ہیں۔ موسم بہت ہی اچھا تھا۔ ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی اور سرور افزا تھی۔ اسکے جھونکوں میں برقی تاثیر تھی اس فضا میں سانس لینے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خودبخود خون بڑھ رہا ہے اور روح تازہ ہو رہی ہے۔ کشور کے دل میں بھی مسرت کی موجیں رہ رہ کر اٹھ رہی تھیں اور وہ بار بار بات بات پر خوب کھلکھلا کر ہنستی تھی اور زہرہ جمال تو اس قدر خوش تھیں جیسے کسی نے انھیں خوب شراب پلادی ہو!!......

بنگلے کا نام "گرے کاٹیج" تھا اور مہابلیشر میں وہ بہت اونچے اور پر فضا مقام پر واقع تھا۔

بیٹھے بیٹھے بڑی بی بولیں "ہائے بیٹی کشو! پان کھاؤ گی؟ تمہارے لئے پان

لگا دوں؟" کشور نے شطرنج پر نظر جمائے ہوئے مسکرا کر کہا "ہاں! ہاں! ہاں! ہاں ضرور کیوں نہ لگے اور کھانے کی وجہ؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ تم پان بناؤ اور ہم نہ کھائیں!!!
بڑی بی بہت محظوظ ہوئیں اور ہنسیں!!..... اگر بڑی بی ایسی قابل قدر نہ ہوتیں جیسی کہ وہ تھیں تو یقیناً اعتراض کرنے والے یہ اعتراض ضرور کر بیٹھتے کہ بڑی بی کی ہنسی موسیقیت سے ایسی ہی بے نیاز تھی جیسی ایک مضمون نگار بیوی یا ایک مشہور مصنف شوہر سے بے نیاز ہوتی ہے!!....

بڑی بی بیچاری جب ہنستی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بڑھی بطخ کو کالی کھانسی ہوگئی ہو!... لیکن انصاف کی بات تو یہ ہے کہ کچھ بیچاری بڑی بی ہی پر منحصر نہیں دنیا میں پچاس فیصدی عورتوں اور پچانوے فیصدی مردوں کے پھیپھڑوں میں جب گدگدی پیدا ہوتی ہے تو جو مختلف قسم کی آوازیں انکے حلق سے نکلتی ہیں وہ کچھی بطخوں اور مرغیوں کی آوازوں سے اگر بہت زیادہ مشابہ نہیں ہوتیں تو ان سے بہت زیادہ ترنم خیز بھی نہیں ہوتیں اور بعضوں کی ہنسی پر تو اچھے اچھے سمجھدار ہیویوں کو بھی اپنے عزیز چوپایوں کا کچھ دیر کے لئے دھوکہ ہو جاتا ہے۔ لہذا جب دنیا کا عموماً یہ حال ہے تو اچھی بڑی بی کی اسکی ظاہری کمزوری پر کسی کو سختی سے نکتہ چینی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے!!

ہنسنے کے دلچسپ اور طولانی مشغلے سے فارغ ہونے کے بعد بڑی بی نے پان لگائے اور پان لگا کر ایک چاندی کی تشتری میں جو خود پان کی شکل کی تھی کشور کے سامنے پیش کئے! کشور نے دو پان کھائے ایک اپنی خواہش سے اور ایک بڑی بی کے اصرار سے۔ زہرہ نے بھی "خوش اخلاقی" کا ثبوت دینے کے لئے ایک پان اپنے رنگے ہوئے ہونٹوں میں دبا لیا۔

کشور:۔ کہو اماں جان ملیشیر تمہیں کچھ پسند آیا۔

بڑی بی:۔ ہاں۔ آن۔ کیوں نہیں۔ بڑا اچھا مقام ہے اور موسم بھی بہت

پیارا لگے!!

کشور:۔ (مسکرا کر) تو پھر ممبئی چھوڑ کر ہی نہ رہا جائے؟ کیوں اماں؟ تمہاری کیا رائے ہے؟

بڑی بی:۔ خیال تو برا نہیں ہے! اگر بغیر انور میاں کے تو مجھے ہر چیز سونی سونی سی معلوم ہوتی ہے۔ انور میاں کو بھی بلا لو تو بالکل کشور کے حسن میں اور چار چاند لگ جائیں۔ (زہرہ جمال سے) کیوں مس صاحب؟ کیا میں کچھ غلط کہتی ہوں؟

زہرہ:۔ (مسکرا کر) نہیں بڑی بی واہ! غلط نہیں تم بالکل سچ کہتی ہو؟ اگر کشور کی جگہ میں ہوتی تو تم دیکھتیں!! مجال تھی کہ انور یوں ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جاتے!! بدصورت شوہروں کو تو دور اندیش بیویاں اپنے پلو سے ہر وقت باندھے رہتی ہیں۔ باہر کی ذرا ہوا نہیں لگنے دیتیں۔ اور انور ایسے خوبصورت شوہر کو تو شیشے کے بکس میں بند کر کے قفل لگا کر سمندر کی تہہ میں رکھنا چاہئیے تھا اور ایسی ہی کوئی بہت سخت ضرورت ہوتی تو خیر آپ باہر نکال لیا جاتا ورنہ نکالنے کی ضرورت نہ تھی!!! ارے کوئی ٹھیک ہے خدانخواستہ کہیں ان کی نظر نظر لگ جائے یا چالاک عورتیں مسکرا کر اسے پھسلا لیں یا مرد ہی تو ہے وہ خود ہی کہیں ایسی ویسی جگہ اوندھا گر پڑے تو خدا نخواستہ کون میٹھے بٹھائے زندگی کو روگ ہی تو لگ جائے اور کیا ہے؟ احتیاط ہمیشہ اچھی ہوتی ہے!! کیوں بڑی بی کیا میں کچھ غلط کہتی ہوں؟

یہ کہہ کر زہرہ بڑی بی کو تبسم اور شریر نگاہوں سے دیکھنے لگی

بڑی بی:۔ (سادگی سے) نہیں مس صاحب۔ آپ بالکل سچ کہتی ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ ہی ہوتا ہے بڑا نازک!! جتنی بھی احتیاط کی جائے کم ہے!!

زہرہ:۔ (منہ بنا کر) ہاں ہاں اور نہیں تو کیا۔ نہیں تو ان کی طرح کہ شوہر کا دور دور پتہ نہیں اور یہ ہیں کہ کس قابل رشک اطمینان سے بیٹھی شطرنج کھیل رہی ہیں'

بھلا کوئی بات ہے؟ ایسا بھی پتھر کا کلیجہ نہ ہونا چاہیے! توبہ!

کشور: ــ (ہنس کر) ہائے۔ اماں تم کس کی باتوں میں آ گئی ہو؟ یہ تم سے مذاق کر رہی تھیں اور تم ایسی سیدھی اللہ میاں کی گائے ہو کہ تم سچ مچ سمجھ گئیں کہ حکیم لقمان کی خالہ ہیں اور جو کچھ کہہ رہی ہیں بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی ہیں۔

بڑی بی: ــ تم ہزار ہنسی میں اڑاؤ مگر کہتی سچ ہیں۔ بیٹی برا نہ ماننا مگر عرصے میں دیکھ رہی ہوں کہ انور میاں کی طرف سے تم کچھ ایسی بے پروا اور کھنچی کھنچی سی معلوم ہوتی ہو کہ میں نہیں جانتی کہ کیا سمجھوں کیا نہ سمجھوں!! تم نے تو اس بیچارے کو ایسا اپنے دل سے گرا دیا کہ کچھ کہا نہیں جاتا!! ایک وفاداری اور جان نثاری کا تمہارے یہاں یہی انعام ملتا ہے؟ میں تو سب دیکھتی ہوں اور اندر ہی اندر کڑھتی ہوں کہ آخر یہ کیا ہو گیا ہے؟ تم پر خدانخواستہ کسی نے کوئی جادو ٹونا تو نہیں کر دیا جو تم دیکھتے ہی دیکھتے ایسی بدل گئی ہو کہ پہچانی نہیں جاتیں؟..... میں تو اب تک اس ڈر سے اپنی زبان سے کچھ نہیں نکالتی تھی کہ تم کہیں برا نہ مان جاؤ۔ مگر آج مجھ سے رہا نہ گیا اور جو کچھ میرے دل میں تھا وہ میری زبان پر آ گیا؟

کشور کی ہنسی اس کے چہرے سے رفتہ رفتہ ایسی غائب ہوئی جیسے آفتاب کے چہرے پر بادل کا ٹکڑا آ جانے سے چمن سے دھوپ غائب ہو جاتی ہے!! انور کا ذکر آتے ہی اسکے زخمی دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ انور! خوبصورت! وفا شعار! بہادر! جان نثار انور کی یاد کشور کے دل میں اسطرح آئی جیسے سمندر میں بار آتی ہے!! کشور اپنے پیارے محبوب کے تصور میں یکبارگی ڈوب گئی! دفعتاً شطرنج کی دلچسپی جاتی رہی، جہاں بیٹھ کر کی دلفریبیاں فراموش ہو گئیں ہنسی کے سوتے یک بیک خشک ہو گئے۔ حسین چہرے کی شگفتگی اور رنگین کسی خوبصورت مگر اڑنے والے رنگ کیطرح اڑ گئی اور اسکے دل میں گذشتہ واقعات کے کانٹے پھر کھٹکنے لگے۔ اس کی خوشی میں گھن لگ گیا اور وہ پھری

بی مغموم - افسردہ خاطر - دل شکستہ کشور ہوگئی جیسی وہ بمبئی میں تھی -

دل میں چوٹ لگنے سے اسکی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے - اس نے نگاہیں نیچی کر لیں - گردن رنج اور شرمندگی سے جھکالی - اور تخلیت وہ خیالات میں وہ بالکل کھوگئی - پھر کچھ دیر میں بڑے بڑے آنسو اس کے گلابی رخساروں پر سے ڈھلک ڈھلک کر اس کے دامن پر گرنے لگے -

بڑی بی نے جو یہ دیکھا تو فرط محبت سے کشور کو لپٹا لیا - اور اس کے سیاہ گھنے گھنے بالوں کو پیار کر کے کہنے لگیں "میری کشور رو نہیں ... میں نے یہ سب اس لئے تھوڑا ہی کہا تھا کہ تم ہنستے ہنستے اس طرح رو دو! ... میری بچی! میری آنکھوں کا تارا خدا تجھے خوش رکھے! پروان چڑھائے - تیرا دولھا خیریت سلامتی سے واپس آئے! یہی ہر وقت تیرے لئے میرے دل سے دعا نکلتی ہے!! زہرہ جمال نے جو یہ رنگ دیکھا تو وہاں ٹھیرنا مناسب نہ سمجھا اور علاوہ اس کے اُس کو یہ فکر سخت پریشان کئے ہوئے تھی کہ انور گرفتار ہوا یا نہیں اور ان کے برادر معظم کی تدبیر کامیاب ہوئی یا نہیں لہذا یہ کہہ کر میں ذرا کچھ دیر کے لئے بازار ہو آؤں کمرے سے نکلکر سیدھی ڈاکٹر شیرازی کے ہوٹل میں پہنچی!!

ڈاکٹر شیرازی اسوقت تک اپنے فرائض منصبی انجام دیکر یعنی انور کو ایک محفوظ حبس میں بند کئے جانے کا انتظام کر کے ہوٹل واپس چلے آئے تھے اور کسی قدر اطمینان سے آرام کرسی پر لیٹے ہوئے دونوں پیر نہایت شان سے پھیلائے ہوئے سگار کے لمبے لمبے کش لگا رہے تھے. زہرہ کے آنے پر انہوں نے اپنے پیر تو سمیٹ لئے مگر آرام سے کرسی سے اٹھے نہیں اور مسکرا کر بولے - زہرہ تم آگئیں - کاہیکو تمہیں وہاں چین آیا ہوگا -

زہرہ : - مسکرا کر، واقعی بھا نجان میں کشور سے شطرنج تو کھیل رہی تھی مگر

دل پر ایساں لگا ہوا تھا کہ کام سب خیر و خوبی سے ہو گیا؟

ڈاکٹر شیرازی :۔ (خوشی کے لہجے میں) ڈاکٹر شیرازی کی تدبیر بھی آج تک کبھی پٹ پڑی ہے یا پڑ سکتی ہے! اسٹرابو اس وقت میرے قلعہ میں نہایت حفاظت سے اگر بند نہیں ہیں تو بہت جلد بند ہو جانے والے ہونگے۔ کیونکہ میرے خیال میں موٹر اگر وہاں ابھی تک نہ پہنچا ہوگا تو اب پہنچنے ہی والا ہوگا۔

زہرہ :۔ خورشید ہمفرجی نے اپنا کام بڑی کامیابی کے ساتھ کیا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ ہاں! ہاں! بھلا اس کا نشانہ خالی جاتا ہے!! بمبئی میں تو کوئی اس کا ثانی ہے نہیں۔ بلا کی ذہین اور ہوشیار عورت ہے!!

زہرہ :۔ تو پھر جب آپ کو وہ اس قدر پسند ہے تو آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

ڈاکٹر شیرازی :۔ نہیں وہ میری بیوی ہونے کے قابل نہیں ہے۔ میں شادی اگر کر سکتا ہوں اور کرونگا تو صرف کشور سے اور وہ دن اب بہت دور نہیں ہے!!

زہرہ :۔ خدا وہ دن بہت جلد لائے۔ حالانکہ تم جانتی ہو کہ مجھے خدا سے اور خدا کا نام لینے والوں سے کسقدر نفرت ہے!! خدا کی ہستی کو بھی لوگوں نے خوب تصنیف کیا ہے ع۔ چو ندید حقیقت رہ افسانہ زدند۔ ورنہ کیا خدا؟ کہاں کا خدا؟ بچوں کو بہلانے اور ڈرانے کے لئے چالاک و بنیاد ار ملاؤں نے یہ قصے معلقاً گڑھ لئے تھے مگر دنیا ہے کہ ابھی تک اسی دقیانوسی دھوکے میں پڑی ہوئی جھک مار رہی ہے!!!

خدا نہ کہیں ہے اور نہ اس کے ہونے کی ضرورت ہے!!!

جو کچھ ہے دنیا ہے اور دنیا کی زندگی ہے۔ اس خیال سے بھی مہمل اور خلاف عقل کوئی خیال ہو سکتا ہے کہ موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہوگی یا ہو سکتی ہے!!....

پوچھئے مرنے کے بعد آج تک کوئی زندہ ہوا ہے؟؟..... مذہب بھی انسان کو
کیسا سنگین احمق بنا دیتا ہے۔ ادھر مذہب آیا اُدھر عقل منہ چڑا کر رخصت ہو جاتی ہے
مگر بھاوج بھی اس ذکر کو۔ اس پر وقت صرف کرنا بھی ایک ناقابل معافی حماقت ہے۔
زہرہ :۔ ہاں ہاں ہٹائیے بھی۔ مجھے بھی آپ کی ان باتوں سے وحشت معلوم
ہوتی ہے... ہاں تو بھائیجان میں آپ سے دریافت کرنے آئی تھی کہ اب کشور کیلئے کیا
کیا جائے؟ کیا کشور کو یہاں سے وہاں لیجانے کے لئے اسکو یہ دھوکا دینے کی ضرورت
ہے کہ آپ کا بنگلہ گوجنگل کے وسط میں ہے مگر بڑے پرفضا مقام پر ہے جیسی پرسوں
ممتاز کے سامنے باتوں ہی باتوں میں پیش بندی کیگئی تھی.....
ڈاکٹر شیرازی :۔ نہیں میرے خیال میں تو اس کی ضرورت نہیں۔ اور نہ یہ مناسب
ہی ہوگا.... کیونکہ فرض کرو کہ ہم اس سے وہاں چلنے کو کہیں اور وہ کسی وجہ سے
انکار کر بیٹھے یا یہی کہہ دے کہ ابھی تو بھائیجان آئے ہیں ابھی کچھ دن یہیں رہیں گے پھر
کہیں اور جائینگے۔ تو خواہ مخواہ کو حوالت ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل ہی رات کو انھیں
یہاں سے منتقل کر دیا جائے اور ترکیب تو تم ہی جانتی ہو۔ میں سارا انتظام کر رکھونگا!!
زہرہ :۔ جی ہاں میں آپ سے بالکل اتفاق کرتی ہوں۔ اب ہمیں فوراً کام شروع
کر دینا چاہیئے۔ بیکار کی طوالت سے کیا فائدہ؟... کہیں ایسا نہ ہو کہ کمبخت
ممتاز بلائے ناگہانی کی طرح یہاں آ پہنچے تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے!!
ڈاکٹر شیرازی :۔ اگر میں کسی کی قابلیت کو خاطر میں لایا ہوں۔ تو صرف اس
شخص کی بمبئی میں تو کوئی اس کے ٹکر کا ہے نہیں۔ بلا کا ذہن ہے ظالم نے
اور پھر اس کے ہدیہ کی مار بڑی سخت ہے۔ اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں
لیکن ہاں اگر اس نے جھکنے کھائی تو صرف منہ جیبیں سے!!
زہرہ :۔ بھائیجان مجھے بعض وقت ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہ ممتاز ہم لوگونکی

اصلیت سے کسی قدر واقف ہے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کیسے چبھتے ہوئے فقرے بعض وقت وہ باتوں ہی باتوں میں کہہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر شیرازی:- ہاں ہاں اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا گرگ باراں دیدہ ہے، مگر ساتھ ہی اس کے وہ خوب جانتا ہے کہ ڈاکٹر شیرازی بھی کوئی معمولی شخص نہیں ہے بہت سوچ سمجھ کر وہ میرا راستہ کاٹیگا!

زہرہ:- یہ تو سب ٹھیک ہے مگر اُس سے بیکار کو بھڑنیکی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام کر گزریں!!

ڈاکٹر شیرازی:- ہاں ہاں تو میں کب اس کے خلاف ہوں؟

اس کے بعد دونوں بھائی بہن دیر تک آہستہ آہستہ راز دیانہ کی باتیں کرتے رہے.... اور جب زہرہ "گڑے کا بچ" کو واپس جا رہی تھی تو اس کا چہرہ دلی مسرت سے چمک رہا تھا اور وہ خوش خوش آہستہ آہستہ گاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

(×)

چالیسواں باب

کشور اور مس ہرمزجی

دو بجے دن رات کو گھڑی نے ڈیڑھ بجے کا گھنٹہ بجایا کشور بے خبر سو رہی تھی اسکے کمرے میں بجز بجلی کے ایک سبز قمقمے کے مدھم روشنی کے اور کوئی روشنی نہ تھی وہ اس وقت یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ سمندر میں وہ یکہ و تنہا ایک کشتی پر سوار ہے اور اس سے کچھ ہی فاصلے پر ایک دوسری کشتی پر انور بیٹھا ہوا کشتی کھے رہا ہے۔ آسمان بالکل صاف ہے۔ تارے کھلے ہوئے ہیں۔ چودھویں کے چاند کی چمکدار چاندنی کی کرنیں سمندر کی

چھوٹی چھوٹی موجوں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مزے مزے سے چل رہے ہیں اسکی کشتی بغیر کھئے ہوئے خودبخود آہستہ آہستہ پانی پر بہی چلی جا رہی ہے کبھی کبھی نشہ میں متوالی موجیں اسکی کشتی سے آآ کر ٹکراتی ہیں اور کچھ دیر تک لڑکھڑا کر پھر سو جاتی ہیں۔

انور ایک سفید چمکتی ہوئی ریشمی پہنے ہوئے ہے۔ اس کے لہرداربال جب کبھی ہوا میں اڑکر اس کے چہرے پر چلے آتے ہیں تو وہ کھیتا ذرا دیر کیلئے روک کر اپنے ہاتھ سے بال اپنے چہرے سے ہٹا دیتا ہے اور پھر کھینے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ کشور کی کشتی اس کے بالکل قریب ہی پیچھے آ رہی ہے لیکن انور پیچھے مڑکر اسکی طرف ارادتاً نہیں دیکھتا اور جب کبھی کشور اسکے بہت قریب آجاتی ہے تو وہ آہستہ سے اپنی کشتی آگے بڑھا لیتا ہے۔۔۔ دفعتاً کشور کی کشتی کسی چھوٹی سی چٹان سے جو سطح آب کے کچھ ہی باہر نکلی ہوئی تھی مگر دکھائی نہیں دیتی تھی زور سے ٹکرائی اور اس میں پانی بھرنا شروع ہو گیا۔ کشور خوف زدہ ہو کر چلائی۔ انور نے اسے پہلی مرتبہ مڑکر دیکھا اور فوراً ہی اپنی کشتی کے قریب لاکر کشور کو آہستہ سے اٹھا کر اپنی کشتی میں بٹھا لیا لیکن خاموشی سے بغیر کچھ بولے ہوئے! کشور نے انور کا چہرہ دیکھا تو وہ بہت کشیدہ اور مغموم تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے۔۔۔ کشور سے دیکھا نہ گیا اور اس نے انور کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر التجا بھری آواز میں کہا۔ "انور! انور! تم اسقدر اداس کیوں ہو؟ انور! اللہ میری خطا معاف کر دو! میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے معاف کر دو!! مجھ سے بڑی غلطی ہوئی! مجھے بڑا سخت دھوکا دیا گیا، اور میں نادانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے دھوکا کھا گئی۔۔۔ میرے انور! تمہیں خدا کی قسم مجھے معاف کر دو!" اس پر بھی انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔ مگر چاند کی کرنوں میں اسکی پلکیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگیں اور خاموش آنسو اس کے حسین چہرے سے

پر آہستہ آہستہ بہنے لگے۔۔۔ کشور کا دل بھی امڈ آیا۔ اور وہ بھی رونے لگی اور رو رو کر کہنے لگی۔ "انور! تم مجھ سے آخر بولتے کیوں نہیں؟ کیا تم مجھ سے اب اس قدر خفا ہو؟ کیا تم مجھے معاف کرنا نہیں چاہتے؟ میرے انور خدا کے لئے بتاؤ ان آنسوؤں کا سبب کیا ہے! تم اس قدر رنجیدہ اور دل شکستہ کیوں ہو؟"۔

جواب میں انور کی پلکیں اور زیادہ نم ہو گئیں۔۔۔ اس نے اپنا منہ پھیر لیا اور آستین سے اپنے آنسو پونچھنے لگا۔ کشور نے انور سے کہا۔ "میرے انور۔ اب مجھ سے خوش ہو جاؤ! میری غلطی معاف کر دو۔ اور معاف کر کے اسے فراموش کر دو۔ جہاں تم نے میرے لئے اتنے ایثار کئے ہیں وہاں تم سے کیا یہ ایک آخری ایثار نہیں ہو سکتا کہ تم اپنی نادم اور دلگرفتہ کشور کو خوشی سے معاف کر دو۔

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بد گمانی کا ٭ محبت میں تیرے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

یہ کہہ کر کشور نے اپنی باہیں انور کے گلے میں ڈالدیں اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھدیا اور بے اختیار رونے لگی۔ مگر تھوڑی دیر میں اسے معلوم ہوا جیسے انور کا جسم نرم ہو رہا ہے اور نرم ہوتے ہوتے ہوا کے مثل ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولدیں تو وہاں انور نہ تھا اور کشتی پر وہ بالکل اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔۔ اور جہاں انور تھا وہیں ایک کاغذ پڑا ہوا تھا اور کاغذ پر بڑے بڑے چمکتے ہوئے حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

یاد کرو! کہ مجھے کسی نے قسم دی تھی کہ میں تمہاری زندگی اپنے وجود سے پاک کر دوں! اور یہ قسم مجھے اسکی جان کی دی تھی جسکو میں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔۔۔ اب اگرچہ تم کو مجھ سے محبت ہے تو میں تمہاری زندگی میں دخیل نہیں ہو سکتا اور اگر میں تمہاری زندگی میں دخیل ہوتا ہوں تو تمہاری محبت کو مجھے خیر باد کہنا پڑے گا۔ کمان سے نکلا ہوا تیر پھر واپس نہیں آ سکتا۔ ٹوٹا ہوا دل پھر جوڑا نہیں جا سکتا۔ ٹھکرائی

ہوئی محبت پھر حاصل نہیں ہوتی۔ کوئی مر کر بھی پھر دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہوتا
کشور یہ تحریر بار بار پڑھتی تھی اور زار و قطار روتی تھی یہاں تک کہ اسے رفتہ
رفتہ ایک عجیب قسم کی کمزوری محسوس ہونے لگی۔ اسکے ہاتھ پیر پہلے بالکل ڈھیلے اور
کمزور پڑ گئے اور پھر بالکل بیجان ہو گئے اس کو ایسا معلوم ہوا کہ کشتی کے نیچے کا تختہ یک بیک
نکل گیا اور وہ آہستہ آہستہ چمکتے ہوئے تاروں بھرے ٹھنڈے پانی میں ڈوبنے لگی
اور ساتھ ہی ساتھ اس پر رفتہ رفتہ بیہوشی طاری ہونے لگی ۔۔۔ اسکے بعد وہ بیہوش ہو گئی

* * * * *

* * * * *

* * * * *

کشور خواب ہی میں نہیں بلکہ حقیقت میں اپنے بستر پر بیہوش پڑی تھی۔ اسکے سرہانے
زہرہ جمال کھڑی تھی اور زہرہ جمال کے ہاتھ میں بیہوشی پیدا کرنیکا ایک چھوٹا سا آلہ تھا۔
ایک ہاتھ میں اس کے ایک موٹی سی شیشی تھی جس میں دوا بھری ہوئی تھی شیشی میں
دو چھوٹے چھوٹے ربڑ کے ٹیوب لگے تھے۔ ایک ٹیوب کے آخر میں ربڑ کا الٹا پیالہ تھا جو
کشور کے منہ کے قریب زہرہ لگائے ہوئے تھی اور دوسرے ٹیوب کے سرے پر ربڑ کا ایک
چھوٹا سا گیند تھا جس کے دبانے سے شیشی میں سے ایک نہایت ہی لطیف اور خوشبودار
گیس آہستہ آہستہ ربڑ کے پیالے میں سے ہو کر نکلتا تھا ۔۔۔

زہرہ قریب پانچ منٹ سے یہ گیس کشور کو سنگھا رہی تھی۔ اس گیس کی خاصیت
یہ تھی کہ اگر کسی سوتے ہوئے کو سنگھایا جائے تو پہلے تو سونے والے کو نیند اور بھی گہری اور
بیخبر ہو جاتی تھی اور پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ اس پر بیہوشی طاری ہونے لگتی تھی اور
وہ بالآخر بیہوش ہو جاتا تھا۔ چنانچہ بعینہٖ یہی حال کشور کا ہوا۔
جب زہرہ جمال کو یقین ہو گیا کہ اب کشور بالکل بیہوش ہو گئی ہے تو وہ اسے

اسی حالت میں چھوڑ کر بنگلے کے باہر چلی گئی۔ اور پھر وہاں سے دو آدمیوں کیساتھ واپس آئی یہ دونوں آدمی ربڑ کے جوتے پہنے ہوئے تھے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے مگر قد وقامت اور چال ڈھال سے یہ وہی آدمی معلوم ہو گئے تھے جنہوں نے انور کو پکڑ کر کلوروفارم سنگھایا تھا۔۔۔ ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے کشور کو اٹھالیا اور دوسرے آدمی سے زہرہ نے کہا۔" اسی سے ملا ہوا جو کمرہ ہے اس میں ایک بوڑھی عورت بیہوش پڑی ہوگی جاؤ تم اس کو اٹھا کر باہر جہاں ڈانڈیاں ہیں وہاں لے آؤ۔۔۔۔۔

تقریباً دو گھنٹہ کے بعد دو پردہ دار ڈانڈیاں ایک موٹر کے پاس آکر رکیں ایک ڈانڈی میں کشور بیہوش پڑی تھی اور ایک میں بڑی بی کسی نہ کسی طرح کشور اور بڑی بی موٹر میں آدھی بٹھا دی گئی اور آدھی لٹا دی گئیں۔ ڈاکٹر شیرازی موٹر کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ زہرہ ان سے کچھ دیر تک آہستہ آہستہ باتیں کرتی رہیں پھر ان سے رخصت ہو کر ایک ڈانڈی پر بیٹھکر "گرے کاٹیج کی طرف روانہ ہو گئی، ڈاکٹر شیرازی نے موٹر میں بیٹھکر کشور کو سنبھالا اور ایک آدمی نے بڑی بی کو پکڑا موٹر چلدیا۔ رات اندھیری تھی۔ اور اس کے سناٹے میں صرف موٹر کے انجن کی خراب آور آواز سنائی دیتی تھی۔ موٹر کی روشنی رات کی تاریکی کو چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چیرتی ہوئی اور سڑک پر دور تک ایک چمکدار نقرئی چادر بچھاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

سڑک جنگل کے بیچ میں سے ہو کر گئی تھی جسقدر موٹر مہابلیشور سے دور ہوتا جاتا تھا سڑک کے دونوں طرف جنگل اور زیادہ گھنا ہوتا جاتا تھا کہیں کہیں سڑک بہت خراب تھی اس لئے مجبوراً موٹر کی رفتار بہت کم کردینی پڑتی تھی۔ قریب دو ڈھائی گھنٹے کے بعد موٹر ایک وسیع مگر سنسان اور تاریک احاطے کے پھاٹک کے باہر رکا۔ پھاٹک مضبوط لکڑی اور لوہے کا تھا اور اندر سے بند تھا۔ احاطے کی دیوار تقریباً ۱۲ فٹ اونچی تھی۔ غالباً جنگلی جانوروں اور درندوں سے محفوظ رہنے کی غرض اس قدر

اونچی ہوا لی گئی تھی۔ موٹر کا بگل کئی مرتبہ بجایا گیا تھوڑی دیر میں ایک آدمی نے اندر سے پھاٹک کھولا اور موٹر احاطے کے اندر داخل ہوا۔ احاطہ بہت لمبا چوڑا تھا بیس پچیس بیگھہ پختہ سے کسی طرح کم رقبہ نہ تھا۔ بیچ میں ایک پختہ سڑک تھی جو پھاٹک سے بنگلہ تک گئی تھی۔

ڈاکٹر شیرازی نے ٹارچ کی روشنی کشور اور بڑی بی پر ڈالی دونوں اسی طرح بیہوش پڑی تھیں۔ اس وقت وہی اجنبی خاتون جس نے انور کا شکار کیا تھا اور جس کا اصلی نام مس خورشید ہرمزجی تھا مسکراتی ہوئی ڈاکٹر شیرازی کی طرف بڑھی اور ان سے یوں مخاطب ہوئی: "کہئیے! آگئے آپ؟ اور آپ کی مہمان؟"

ڈاکٹر شیرازی:۔ وہ بھی میرے ساتھ ہیں۔ موٹر میں بیہوش پڑی ہیں۔۔۔ ۔۔۔ جائیے کشور کو لیجا کر ڈرائنگ روم کے بغل والے کمرے میں اچھے سے بستر پر لٹا دیجئے اور بڑی بی کو دوسرے کمرے میں ڈالدیجئے۔

مس ہرمزجی:۔ بہت اچھا۔ ابھی۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ اور انور کا کیا حال ہے؟

مس ہرمزجی:۔ اچھا حال ہے۔ بہت محفوظ طریقے سے آپ کے جیلخانے میں بند ہیں۔ اور آپ کو دعا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ اچھا میں تو اب جاتا ہوں سونے۔ اب تم جانو تمہارا کام جانے!

مس ہرمزجی:۔ (ہنس کر) ہاں! ہاں جائیے! خوب اطمینان سے سو لیجیے میں سارا کام کرلوں گی۔

ڈاکٹر شیرازی نے ٹارچ جلائی اور احاطے کے شمالی حصہ میں ایک چھوٹی سی عمارت بنی تھی اسکی طرف چلدیا اور مس ہرمزجی نے کشور اور بڑی بی کو موٹر سے اترواکر کشور کو ایک آراستہ کمرے میں مسہری پر لٹا دیا اور اسے ہوش میں لانیکی تدبیریں کرنے لگی۔

کچھ دیر میں کشور کو ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے مس ہرمزجی کو دیکھا ادھر اُدھر اس نے نظر دوڑائی تو اُسے محسوس ہوا کہ نہ وہ اُس کا کمرہ ہے اور نہ وہ اپنے پلنگ پر لیٹی ہے۔

اس نے مس ہرمزجی سے پوچھا "میں کہاں ہوں؟ نہ تو یہ میرا کمرہ ہے اور نہ یہ میرا پلنگ ہے!! اور آپ کون ہیں؟!!

مس ہرمزجی: "میں اتنے سوالات کا ایک سانس میں جواب نہیں دے سکتی آپ گھبرائیے نہیں میں تھوڑی دیر میں ہر ایک بات آپ کو سمجھا دونگی۔ کشور اٹھ کر بیٹھ گئی اور وحشت بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

مس ہرمزجی نے پھر اسے اطمینان دلایا مگر کشور نے التجا آمیز لہجے میں مس ہرمزجی سے کہا۔ خدا کے لئے مجھے آپ بتا دیجئے کہ میں کہاں ہوں اور میں یہاں کیسے پہنچ گئی؟ اور مجھے یہاں لانے والا کون ہے؟"

مس ہرمزجی: "آپ ایک بہت بڑے جنگل کے بیچ میں ایک نہایت آرام دہ بنگلے میں ہیں۔ آپ یہاں ایک رات بیہوش کر کے لائی گئی ہیں اور لانیوالی آپکی میں ہوں"

کشور: (مضطربانہ انداز سے) "مگر آپ مجھے رات ہی رات میں ایسے مقام پر کیوں لائیں اور یہاں مجھے لانے سے آپ کی غرض کیا ہے؟

مس ہرمزجی: "ان سب کا جواب ابھی آپ مجھ سے نہ طلب کیجئے صبح کو میں ان سب سوالوں کا جواب دونگی۔ فی الحال میری رائے ہے کہ آپ آرام سے سوئیے اور اطمینان رکھئے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا نہ آپ کو نقصان پہونچانے کی کسی کی نیت ہے۔

کشور:۔ جب تک آپ میرے سوالات کا جواب نہ دیں گی۔ اس وقت تک نہ مجھے اطمینان نصیب ہوگا اور نہ مجھے نیند آئے گی۔

مس ہرمزجی:۔ اچھا تو پھر آپ ہی بتائیے کہ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میں کون ہوں؟

کشور:۔ میں تو آپ کو جانتی نہیں مگر اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ آپ ایک حسین اور شریف خاتون ہیں

مس ہرمزجی:۔ جی نہیں نہ میں حسین ہوں اور نہ شریف ہوں آپ کے دونوں قیاسات بالکل غلط ہیں۔

کشور:۔ تو پھر آپ کیا ہیں؟

مس ہرمزجی:۔ (آنکھیں لڑا کر کرخت لہجے میں) میں بمبئی کے خوفناک ترین ڈاکوؤں کی سردار ہوں۔

کشور:۔ (خوف زدہ ہو کر) آپ؟ آپ؟ آپ؟

اس کے بعد انتہائی حیرت سے اس کی زبان بندی ہوگئی اور وہ مبہوت اور دم بخود ہو کر مس ہرمزجی کو آنکھیں پھاڑے بغیر پلک مارے دیکھنے لگی۔

مس ہرمزجی:۔ ہاں ہاں میں! میں! میں بمبئی کے خوفناک ترین ڈاکوؤں کی سردار ہوں! ان کیلئے جو میرے احکام کی تعمیل بلا چون چرا کریں مجھ سے زیادہ رحمدل مہربان اور خلیق کوئی نہیں مگر انکے کیلئے جو میرے احکام کی تعمیل سے ذرا بھی گریز کریں مجھ سے زیادہ بیرحم سنگدل اور خونخوار بھی کوئی نہیں۔۔ میں کیسی خطرناک عورت ہوں اس کا اندازہ آپ صرف اسی سے کر سکتی ہیں کہ میں عورت ہو کر ایک نہایت ہی بیرحم اور ظالم گروہ کی سردار ہوں (اپنی پیٹی سے ایک خوبصورت طپنچہ نکالکر) اس نازک ہاتھ اور اس خوبصورت پستول نے ابھی تک صرف سترہ مرد اور عورتوں کی جانیں لی ہیں۔ اور ہماری شریعت میں انسان کی جان لینا ایسا ہی دلچسپ شغل ہے جیسے کڑکڑاتے جاڑے میں گرم چاء پینا۔ ساتھ ہی ہم سب نہایت ہی مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ اور آپ کو یہ سنکر خوشی نہیں تو تعجب ضرور ہوگا کہ میں

بمبئی یونیورسٹی گریجوایٹ ہوں۔ ۔ ۔ ۔

بیچاری کشور کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں چہرہ زرد ہونٹ سفید بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ دل میں شدید اختلاج کیفیت پیدا ہو گئی۔ زمین پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ کمرہ اور کمرے کی ساری چیزیں اس کے ارد گرد گھومنے لگیں۔

مس ہرمزجی:۔ دیکھئے میں کہہ رہی تھی کہ ابھی مجھ سے یہ سوالات نہ کیجئے مگر آپ بضد ہو گئیں اور مجھے مجبوراً آپ کے سوالات کا جواب دینا پڑا۔ مگر میں پھر آپکو اطمینان دلاتی ہوں کہ گو جان لے لینا ہمارے یہاں ایک بہت معمولی سی بات ہے مگر ہمارا اصلی مقصد صرف روپیہ حاصل کرنا ہے اور جب تک ہمیں اس مقصد میں کامیابی ہوتی ہے ہم لوگ خواہ مخواہ کسی کی جان نہیں لیتے!!

کشور:۔ (کانپتی ہوئی آواز میں) تو آپ کیا چاہتی ہیں؟ مجھے صاف صاف بتا دیجئے۔ اگر میرے امکان میں ہوگا تو میں انکار نہ کروں گی۔

مس ہرمزجی:۔ میں آپ سے آپکی جان نہیں بلکہ صرف آپکا روپیہ چاہتی ہوں! اور چونکہ آپ ایک تعلیم یافتہ ذہین اور معاملہ فہم خاتون ہیں اس لئے مجھے اس کی پوری امید ہے کہ آپ معاملات کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے طے کریں گی اچھا سنئے۔ ۔ ۔ اس سے تو غالباً آپ انکار نہ کریں گی کہ پندرہ لاکھ روپیہ نقد آپکا بنک میں جمع ہے

کشور:۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ میرے انکار کرنے یا نہ کرنے سے فائدہ؟

مس ہرمزجی:۔ اچھا تو اس پندرہ لاکھ میں نصف ہمارا اور نصف آپ کا ہے ساڑھے سات لاکھ اکیلے آپ کیلئے کافی سے بھی زیادہ ہیں۔ اور ذرا خیال کیجئے کہ بقیہ ساڑھے سات لاکھ میں صرف میں ہی نہیں ہوں بلکہ اس میں میرے تمام ساتھی جن کی تعداد پچیس سے کم نہیں ہے شریک ہیں اور ہونگے۔ واقعی دنیا میں دولت کس قدر غیر مساوی اور ناہموار تقسیم ہے؟ اور یہی دولت کی غیر مساوی اور ناہموار تقسیم دنیا کے فتنے

فیصدی خرابیوں کی ذمہ دار ہے معلوم نہیں خدا کے یہاں تقسیمِ دولت کے نظم کا انتظام کیوں اس قدر
بے قاعدہ اور بے اصول ہے! بہرحال مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارا اور آپکا آدھے آدھے بٹوارہ ہو جائے تو
ہمیں ہم لوگوں کیا تھوڑا زیادہ نا انصافی نہ ہوگی! اور آپکی تو اس میں پورے ساڑھے سات لاکھ کی بچت!!
کشور:- جس کا ذہن پہلے صدمہ سے اب کچھ سنبھل چکا تھا۔ ساڑھے سات لاکھ
آپ نہایت خوشی سے لے جائیے۔ مگر غالباً آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں ابھی
قانوناً نابالغ ہوں۔ اور زمانہ نابالغی میں یعنے ۲۴ برس کی عمر تک مجھے بنک سے
ایک پیسہ بھی نکالنے کا اختیار نہیں ہے مگر ہاں جو کچھ زیورات وغیرہ میرے قبضہ
میں ہیں وہ سب آپ بخوشی لیجا سکتی ہیں۔ مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔
مس ہیر مرجی:- زیورات کا ہم لوگوں کو زیادہ شوق نہیں۔ ہم لوگ صرف نقد
روپیہ کے قدر دان ہیں۔ لہذا ہمارا سوال صرف ساڑھے سات لاکھ روپیہ نقد کا ہے۔
اور میری ناچیز رائے ہے کہ آپ کی جان ساڑھے سات لاکھ روپیہ سے بہت زیادہ قیمتی ہے
کشور:- آپنے غالباً میری مجبوریوں پر غور نہیں کیا بنک سے میرا روپیہ صرف میرے
قانونی ولی مسٹر انور نکال سکتے ہیں اور بدقسمتی سے آج وہ لاپتہ ہیں۔
مس ہیر مرجی:- اچھا تو آپ ایک کام کر سکتی ہیں۔ آپ ایک خط مسٹر انور کو
لکھ دیجئے کہ آپ کی جان اور آزادی کی قیمت ساڑھے سات لاکھ روپیہ مقرر کی گئی ہے لہذا!
اگر انکو آپکی جان اور آزادی عزیز ہے تو وہ ساڑھے سات لاکھ روپیہ بنک سے کسی نہ
کسی طرح نکال کر ہمارے حوالے کر دیں اس وقت آپ کو ان کے حوالے کر دیں گے،
مسٹر انور کو ڈھونڈھ نکالنا تو اس کی آپ فکر نہ کیجئے۔ یہ ہمارا کام ہے!!
کشور:- (یہ سمجھ کر کہ انور انھیں ملیگا کہاں) ہاں مجھے یہ منظور ہے جس مضمون
کا خط آپ کہیں گی میں مسٹر انور کو لکھ دونگی . . . . .
مس ہیر مرجی:- میں آپ کی ذہانت اور معاملہ فہمی کی تعریف کرونگی اور یہ واقعہ ہے

کہ گو مجھ کو اپنا کام کرتے ہوئے ایک خاصی مدت گذر گئی لیکن بجز آپکے مجھے آج تک کوئی ایسا نہیں ملا جس نے اسقدر سچائی صفائی اور عقلمندی سے باتیں کی ہوں اور معاملے کی ہو... اکثر یہی اتفاق ہوا کہ ہمارے شرائط ماننے میں لوگوں نے پس و پیش کیا اور ہمیں مجبوراً پستول سے فوراً ان کا کام تمام کر دینا پڑا.... اچھا تو میں اب جاتی ہوں آپ نہایت اطمینان اور آرام سے سوئیے کیونکہ اب آپ صحیح معنوں میں ہمارے مہمان ہیں ... ہاں مگر ایک بات ہے... وہ یہ کہ عہد پر قائم رہیئے گا یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کیجئے گا کیونکہ ایسی کوشش صرف بیکار ہی نہیں بلکہ آپکے حق میں نہایت ہی مضر ثابت ہو گی (دانشکر) آپ کو فی الحال تین کمرے دیئے جاتے ہیں۔ یہ تو آپ کے سونے کا کمرہ ہے وہ سامنے کا کمرہ آپ کا ڈرائنگ روم ہے اور اس طرف والا کمرہ آپکا ڈریسنگ روم اور باتھ روم ہے ان تینوں کمروں کے علاوہ کہیں اور باہر جانے کی آپ کو فی الحال اجازت نہیں ہے!! یہ کہہ کر مس ہرمزجی کمرے کے باہر چلی گئی۔ اور دروازہ باہر سے بند کر لیا

کشور :- اپنے پلنگ پر لیٹی ہوئی مختلف خیالات میں غلطاں و پیچاں رہی آخر صبح ہوتے ہوتے اُسے خلاف اُمید نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔

اکتالیسواں باب

مریض غم کی نہ پوچھو حالت جو تم کو ملنا ہو جلد مل لو
پھر یہ ملی لکھنؤ ہچکیاں ہیں نبض بتاؤں کیا تم کو حال کیا ہے

ممتاز اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا حسب معمول اپنے تجارتی کاموں میں بڑے انہماک اور استغراق سے مصروف تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک چپراسی ایک تار لیئے ہوئے اندر آیا اس نے کہا "حضور یہ تار آیا ہے" ممتاز ایک نہایت ضروری مثل دیکھ رہا تھا۔ اس نے بغیر سر

اٹھائے کہدیا " میز پر رکھدو" چپراسی ممتاز کے سامنے ہی میز پر تار رکھ کر چلا گیا اور ممتاز اسی انہماک سے مِثل کے مطالعے میں مصروف رہا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو تار پر اس کی نظر پڑی۔ گو وہ سمجھتا تھا کہ یہ کوئی معمولی تجارتی تار ہے اور اس کے دیکھنے کی کوئی ایسی جلدی نہیں ہے مگر نہ معلوم کیا اس کے دل میں آیا کہ اس نے تار اٹھا لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔

تار کا مضمون یہ تھا۔

باندرہ ۱۲ بجے دن

میری حالت دفعتاً بہت ہی خراب ہو گئی ہے جینے کی بالکل اُمید نہیں۔ فوراً آئیے کہ میں اپنی زندگی میں آخری مرتبہ آپ کو دیکھ لوں۔۔۔۔

"عذرا"

ممتاز پر پہلے تو چند منٹ تک کوئی اثر ہی نہیں ہوا پھر اس کے چہرے پر یک بیک زردی چھا گئی۔ سر سے پیر تک اس کا سارا جسم سنسنانے لگا۔ اور اس کا دل یکبارگی اس زور سے دھڑکنے لگا کہ ساری زندگی میں اس طرح کبھی نہیں دھڑکا تھا۔ اس کا دماغ سُن ہو گیا اور اسکے سفید ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ پھٹی پھٹی بے نور آنکھوں سے تار اور اس کا مضمون دیکھ رہا تھا مگر درحقیقت اسکی آنکھوں کو کچھ سُجھائی پڑتا تھا نہ اس کا دماغ کچھ کام کر رہا تھا۔ اس کے تمام قویٰ عارضی طور پر مفلوج ہو گئے تھے۔۔۔۔ وہ اسی طرح بالکل بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تار کو دیر تک گھورتا رہا۔ باہر سڑک پر بمبئی کی ٹریفک کا شور تھا اور کمرے میں ایک عجیب سناٹا تھا! ممتاز بیٹھا ہوا تھا اور وقت گذر رہا تھا۔۔ عرصے تک وہ پتھر کی مورت کیطرح خاموش بیٹھا رہا۔۔۔ پھر یک بیک خیالات کا ایک سیلاب آیا جذبات کا ایک طوفان آیا۔ اور وہ اسمیں سر تا بقدم ڈوب گیا اور یہ زبردست سیلاب اُسے اپنے ساتھ بہالے گیا۔۔۔ اور بمبئی کا شہزادہ تجارت! فلسفہ حیات کا بہت بڑا ماہر۔ عذرا کی محبت

کا سب سے بڑا سنکر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور جلتے ہوئے آنسو اسکے چہرے پر سے بہہ کر اسکے دامن کو تر کرنے لگے ۔ ۔ ۔ ۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جب اسکے آنسو خشک ہوئے تو وہ عالم محویت میں دیوار کی طرف ٹکٹکی لگائے دردناک خیالات اور پرالم جذبات کی گہرائیوں میں کھو گیا ! عذرا جس کی محبت وہ سمجھتا تھا کہ اسکے دل سے فنا ہو چکی ہے ۔ عذرا ! جس کو وہ مہ جبین کے عشق کے جنون میں بالکل فراموش کر بیٹھا تھا ! ! عذرا جسکو وہ اپنے خیال میں محبت کے تخت زرین سے اتار چکا تھا اور نظروں سے گرا چکا تھا ۔ ۔ ۔ عذرا ! جس کے وجود کو وہ اپنے لئے ایک بالکل غیر ضروری وجود سمجھنے لگا تھا ۔ ۔ چشم زدن میں پھر وہی عذرا ہو گئی جیسی وہ اسکے شباب کی صبح صادق میں تھی ۔ ممتاز کی چشم تصور نے دیکھا کہ ایک بھولی بھالی خوبصورت شرمیلی گلاب کی طرح تازہ اور شگفتہ رو لڑکی سمندر کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھی ہوئی غروب ہوتے ہوئے سنہرے آفتاب اور تیتلی کے پروں کی طرح رنگین بادلوں کے ٹکڑوں اور چمکتی ہوئی سنہری لہروں کی تصویر عجیب مسرت اور انہماک سے کھینچ رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پھر اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان بائیس یا تئیس برس کی عمر کا ایک خوبصورت اور قیمتی سوٹ پہنے ہوئے آیا اور بنچ کے پیچھے کھڑا ہو کر اس حسین لڑکی اور اس خوبصورت تصویر کو پرستش بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا ۔ لڑکی اپنے کام میں ایسی محو تھی کہ کچھ دیر تک تو اسے اس کا احساس ہی نہیں ہوا کہ کوئی اسکے پیچھے کھڑا ہوا ہے پھر دفعتاً اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور تصویر جو وہ کھینچ رہی تھی بنچ سے زمین پر گر پڑی ۔ نوجوان نے بڑی خوش اخلاقی سے مسکرا کر وہ تصویر فوراً اٹھائی اور اپنے ریشمی رومال سے اس کی گرد جھاڑ کر لڑکی کو دی کر ایک ایسی مسکراہٹ سے جسمیں وارفتگی تھی مگر بے ادبی نہ تھی کہنے لگا ۔ آپکی دلچسپی میں بیجا مخل ہونیکی بے ادبی کی معافی چاہتا ہوں مگر آپ ایسی خوبصورت تصویر اس بے تکلفی سے کھینچ رہی تھیں کہ میں اس تصویر کو آپکے پیچھے کھڑے ہو کر دیکھنے کی جرأت اور گستاخی کرنے پر مجبور ہو گیا ۔ اس نوعمری میں آپ نے مصوری میں ایسی حیرتناک

حماقت کیسی پیدا کر لی مجھے سخت تعجب ہے!!.... لڑکی کے بڑے بڑے سیاہ چمکدار بال صندلی
تیز ہوا میں لہرا لہرا کر اس کے رنگین چہرے کا بار بار محاصرہ کر لیتے تھے اور وہ بار بار مسکرا کر
انھیں ہٹا ہٹا دیتی تھی.... یہ آغاز محبت کا پہلا نشہ انگیز باب تھا۔ وہ بھولی بھالی
شرمیلی اور حسین لڑکی وہی عذرا تھی جو آج پڑی ہوئی اپنی غمناک زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی
اور وہ نوجوان وہی بیوفا ممتاز تھا جو مہ جبین کے عشق میں عذرا اور اس کی ساری دلنواز اداؤں
اور جاں نثاریوں کو فراموش کر بیٹھا تھا.... پھر ممتاز کی چشم تخیل نے دیکھا کہ یہی حور وش لڑکی
دلہن بنی ہوئی چاندی کی ایک نہایت ہی خوبصورت اور آراستہ مسہری پر ایک دلفریب شرمیلے انداز سے لیٹی ہوئی
ہے اور عطر عروسی سے مہک رہی ہے اور وہی نوجوان دولہا بنا ہوا خوشبودار پھولوں کی بدھیاں
پہنے ہوئے اس مسہری کے کنارے بیٹھا ہوا مسکرا مسکرا کر کہہ رہا ہے۔ پیاری عذرا.... آج
آخر تم بولتی کیوں نہیں.... تم تو کبھی اتنا مجھ سے شرماتی نہیں تھیں۔ یہ آج تمہیں کیا ہو گیا؟
.... ہائے وہ مسہری کے پردوں کا ہوا میں آہستہ آہستہ اڑنا۔ وہ تازہ پھولوں کی بھینی بھینی دل
میں خوشگوار اختلاج پیدا کر دینے والی خوشبو عطر عروسی میں لپٹی ہوئی! وہ چمن جارجٹ کے
بھاری زردوزی دوپٹے میں کسی کا اپنا چاند سا مکھڑا بار بار چھپا لینا۔ وہ بڑی بڑی
مشکلوں اور خوشامدوں سے کسی کا صورت دکھانا وہ پھر وہ جھکی ہوئی نگاہوں سے شرما شرما کر رک
رک کر کسی کا باتیں کرنا!! وہ تاروں بھرے آسمان کے روشن چاند کی روپہلی جادو بھری
کرنوں کا اس مسہری کی ریشمی جالی میں چھن چھن کر اندر آنا اور نئی نویلی دلہن پر آ آ کر
نثار ہونا.... آہ وہ پر کیف سحر آگیں سماں وہ حسن و محبت کی عمر بھر نہ فراموش ہونے والی جادو
بھری رات! وہ حسین چاند کا مسکرا مسکرا کر کہنا اے عشق و محبت کے متوالو میں آج صرف تمہارے
ہی لئے چمک رہا ہوں!!.... ممتاز کیسا انہی یادوں سے محو کر دیتا ہے.... اور پھر یہ خیال کر وہی
حسن و محبت کی دیوی آج بستر عروسی پر نہیں بلکہ اپنے بستر مرگ پر اکیلی پڑی ہوئی موت کو بلا
رہی ہے کہ اے موت ابھی ٹھہر جاؤ مجھے ذرا سی اور مہلت دیدو کیونکہ ابھی مجھے اپنے پیارے

بیوفا ممتاز کو حسرت بھری نگاہوں سے ایک مرتبہ اور اسکی زندگی میں آخری بار دیکھنا ہے...
ممتاز کے آنسو پھر جاری ہو گئے... اس نے بہت ضبط کیا مگر وہ ہچکیاں لے لیکر رونے لگا
اور رومال اس نے اپنے دانتوں میں زور سے دبا لیا کہ اس کے منہ سے آواز نہ نکل جائے اور دفتر
کے آدمی سن نہ لیں کہ وہ سب کو ہنسایا کرتا تھا آج چھوٹے ناسمجھ بچوں کی طرح رو رہا ہے...
وہ رو رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا۔" آہ میری عذرا! میں تجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا...
مجھ سے زیادہ خود غرض' بے وفا دشمن اور قابل نفرت انسان دنیا میں کوئی نہ ہوگا! میں نے
تیری بڑی ناقدری کی.... میری عقل. میرے ہوش و حواس سب میری حیوانیت مطلق نے سلب
کر لئے تھے.. میں اپنے آپکو بڑا عقلمند اور فہیم سمجھتا تھا مگر میرے حسن کے ناپاک جنون نے
مجھے کہیں کا نہ رکھا اور اس نے مجھے وہ وہ حرکتیں کرنے پر مجبور کر دیا جو دنیا کا سب سے بڑا
احمق بھی نہ کرتا.... آہ میری عذرا! میں نے تیری ذرا بھی قدر نہ کی... تو ایک بیش بہا ہیرا تھا
مگر میں نے تجھے ایک معمولی شیشے کا ٹکڑا سمجھ کر بے پروائی سے پھینک دیا.... اور مجھے اپنی
غلطی اسوقت معلوم ہوئی جب میں نے تجھے ہمیشہ کے لئے کھو دیا... ہائے عذرا! کیا میں واقعی
تجھے ہمیشہ کے لئے کھو دونگا؟ کیا میرے دل کی شاہزادی. میری رفیق زندگی. میری شریک
حیات ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھوٹ جائیگی اور وہ مجھے چھوڑ کر ایسی جگہ چلی جائے گی جہاں
جا کر پھر کوئی واپس نہیں آتا؟... کیا مجھ کو اس سنسان اور ڈراونی دنیا میں زندگی کی
مصیبت اکیلے اور تن تنہا جھیلنا پڑیگی؟ آہ میں نے تو اب تک کبھی خیال بھی نہیں کیا
تھا کہ میری پیاری عذرا کی زندگی کا موت دفعتاً خاتمہ کر سکتی ہے میں نے آج تک اس
پر سنجیدگی سے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ ہر ایک انسان کو ایک دن واقعی مرنا ہے
اور موت زندگی کے ساتھ ایسی ہی وابستہ ہے جیسے دن کے ساتھ رات!!
میں نے ابھی تک اس کو پوری طور پر محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ جس طرح دنیا کی ساری دولت
دنیا کا سارا علم دنیا کی ساری قوتیں زمین کو اپنی گردش سے اور دن کے پیچھے پیچھے رات کو آنے

سے نہیں روک سکتیں اسی طرح انسان اور انسان کی تمام تدبیریں اور طاقتیں زندگی کے پیچھے پیچھے موت کو بھی آنے سے باز نہیں رکھ سکتیں!! میں دنیا کے بکھیڑوں میں خون کے تا پاک ابال میں شراب کے خمار میں۔ محبت کے نشے میں۔ اب تک بدست پڑا ہوا تھا اور میرے دل میں کبھی اس کا خیال نہیں گذرا کہ۔

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

افسوس صد افسوس! وہ حسن و محبت ایثار و وفاداری کی دیوی جس پر کبھی میں ہزار جان سے فریفتہ تھا جس کے لئے میں شام سے صبح تک کروٹیں بدل بدل کر راتیں کاٹتا تھا اور جس کے خیال میں صبح سے شام تک میں محو و مدہوش اور اس کی جدائی میں بے چین و بیقرار رہتا تھا، آہ اسکو مجھے ٹھنڈی زمین پر لٹا کر معمولی ذلیل مٹی سے دبا کر ہمیشہ کے لئے سلا دینا پڑیگا؟۔۔۔۔

یہ بھی قدرت کا ایک عجیب دردناک تمسخر ہے کہ انسان اپنی زندگی کے کسی اہم واقعہ کیلئے اپنے آپ کو کبھی تیار نہیں پاتا اور حیات انسانی کا ہر اہم واقعہ انسان کے سامنے ہمیشہ ایک ناگوار اچنبھے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔۔۔ آخری وقت کی عاجزانہ دعائیں نیک ارادے اور ندامتیں بجز حسرت و یاس کے اور کوئی نتیجہ نہیں پیدا کرتیں!!۔۔۔۔ ۔۔۔ دیکھا دگی چونک کر اگر معاذ اللہ میں بھی کیسا بیوقوف خیال پرست اور بے مصرف آدمی ہوں۔۔۔۔ خدانخواستہ وہاں دم توڑ رہی اور میں اپنی گذشتہ زندگی کی فروگذاشتوں پر یہاں بیٹھا ہوا افسوس کر رہا ہوں۔۔ مجھے تو فوراً باندرے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ ایک منٹ بھی میرا یہاں ٹھہرنا ایک ناقابل معافی جرم ہے!!۔۔۔ یہ کہہ کر ممتاز فوراً کھڑا ہو گیا اور جلدی جلدی باندرے جانے کی تیاری کرنے لگا۔

چند ہی منٹ کے بعد ممتاز کا رولس رائس باندرے کیطرف نہایت ہی تیزی سے چلا جا رہا تھا مگر ممتاز کو وہ تیز رفتاری بھی بہت آہستہ معلوم ہو رہی تھی۔۔۔ ہر قسم کے

خیالات ہر قسم کے خوف ہر قسم کے توہمات اسکے دل و دماغ پر ہر طرف سے یورش کر رہے تھے
عجیب عجیب ڈراونے اور وحشتناک منظر اسکی آنکھوں کے سامنے مختلف صورتوں میں بار بار
آتے تھے اور غائب ہو جاتے تھے۔ اسکے دل کو یہ روح فرسا دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں
ایسا نہ ہو کہ وہ بہت دیر میں پہنچے!! کبھی وہ سوچتا تھا کہ جب میں پہنچوں تو شاید عذرا کی
آنکھیں پتھرا گئی ہوں شاید اسکے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی ہو اور وہ بول نہ سکتی ہو
کبھی وہ سوچتا تھا کہ عذرا اگر ابھی تک ہوش میں ہوگی تو ضرور اسکے کان میرے موٹر کی بگل کی
آواز پر لگے ہونگے۔ وہ بار بار دروازے کیطرف دیکھتی ہوگی کہ شاید میری خبر کوئی اسکو
دینے آتا ہو۔ ممکن ہے کہ عذرا کے دلمیں یہ وہم بھی گذرتا ہو کہ شاید میں اسکی زندگی میں نہ پہنچوں
وہ سوچتی ہوگی کہ بہت ممکن ہے کہ میں کہیں باہر چلا گیا ہوں اور مجھے اسکا تار نہ ملا ہو یا اگر
ملے بھی تو بہت دیر میں ملے۔ شاید میری گذشتہ سرد مہری اور بے اعتنائی کی بنا پر اسے یہ
بدگمانی ہو کہ ممکن ہے کہ میں تار پانے پر بھی آنے میں تساہلی کروں۔ محض اس خیال سے کہ بیچاری
عذرا کو صدمہ ہوگا۔ اور خدا نہ کرے کہ کہیں ایسا ہو کہ یہی بدگمانی وہ اپنے دلمیں لئے ہوئے
دنیا سے رخصت ہو جائے!! آہ اگر کہیں ایسا ہوا تو میں اپنے آپکو کبھی نہ معاف کر سکوں گا!!
آہ میری عذرا۔ میری پیاری عذرا! ... میں نے تیری کبھی بھی قدر نہ کی! میں نے تجھ سے
بڑی بڑی برائیاں کیں! میری خود غرضی! میری نفسانیت! میری بے پروائی نے تجھے
موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ عذرا! عذرا میں ہی ... صحیح معنوں میں تیرا قاتل ہوں! ...
ممتاز نے اضطراری انداز سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ
کسی نہایت ہی منحوس منظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹانا چاہتا ہو! .. اسکے بعد بڑی ہی
مضطربانہ انداز سے اس نے گڑگڑا گڑگڑا کر اس خدا سے دعائیں مانگنا شروع کر دیں جسے
اس نے مدتوں سے بجز تمسخر آمیز الفاظ کے ساتھ کبھی یاد نہیں کیا تھا ...
اے میرے اللہ ... تو میری عذرا کو موت سے بچا لے!! یا اللہ تو اسے اچھا

کردے! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں کبھی اس سے بے پروائی نہ کرونگا... اب میں اسکی دل سے قدر کرونگا۔ یا اللہ میری خطائیں معاف کردے۔ میری عذرا کو بچا دے۔ اسے ابھی اور زندہ رہنے دے۔ یا اللہ میں بغیر عذرا کے کیسے جیوں گا؟......
وہ دعائیں مانگ رہا تھا اور اس کے آنسوں اس کے غم زدہ چہرہ پر بہہ رہے تھے۔

....

....

شاید آنے والی موت کا خیال اکسیر کی تاثیر رکھتا ہے!! موت کے سیاہ سائے میں زندگی کی تلخیاں مٹ جاتی ہیں۔ عمر بھر کی چھوٹی اور بڑی عداوتیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ مرنے والے کی برائیاں سب بھول جاتے ہیں اور صرف اس کی خوبیاں یاد رہ جاتی ہیں۔

مفارقت دائمی کا احساس مرنے والے کی اصلی قیمت اور ضرورت کو نمایاں کردیتا ہے موت زندگی کی اہمیت اور حقیقت کو روشن کردیتی ہے۔ موت دراصل فلسفۂ حیات کا سرچشمہ ہے۔ موت علاوہ سیلاب غم لانے کے اپنے ساتھ صلح و آشتی کا پرسکون پیام بھی لاتی ہے.... کیونکہ کشمکش پیہم کے ختم ہو جانے کا نام موت ہے! طوفان زندگی کے فرو ہو جانے کا نام موت ہے۔ ہنگامۂ ہستی کے خاموش ہو جانے کا نام موت ہے۔ زندگی کی شدید تپ کے اُتر جانے کا نام موت ہے!!

قضا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

....

....

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی ۔ رگ رگ میں نیش غم ہے کچھ لے کہاں کہاں کی!

رولس رائیس عذرا کے بنگلے میں نہایت تیزی سے داخل ہوا۔ ممتاز نے حیرت سے ہیم در جائیں تجسس نگاہوں سے بنگلے کو دیکھا کہ آیا عذرا ابھی زندہ ہے یا نہیں مگر خموش دیوار و در خاموش دروازوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ برساتی میں پہنچنے سے پہلے ہی اس نے موٹر کا پٹ کھول لیا اور موٹر برساتی میں رکنے نہیں پایا تھا کہ وہ اس سے کود پڑا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اونچی کرسی کے چند زینے طے کرتا ہوا برآمدے میں پہنچا اسی وقت باسط عذرا کا خدمتگار۔ غالباً موٹر کی آواز سنکر کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا اور ممتاز کو دیکھ کر جھکے ادب سے اس نے سلام کیا۔ ممتاز نے باسط کے چہرہ کا تیز سوالیہ نگاہوں سے معائنہ کر کے فوراً پوچھا۔ کیسی ہیں؟... جب تک جواب نہیں ملا بیچارے ممتاز کا دل ٹھہرا رہا سانس رکی رہی اور ایسا معلوم ہوا جیسے باسط نے بہت دیر میں جواب دیا حالانکہ باسط نے فوراً کہا۔ "پہلے سے کچھ طبیعت سنبھلی ہوئی ہے۔ آپکا انتظار کر رہی ہیں .." ممتاز کی زبان سے بیساختہ نکلا "یا اللہ تیرا شکر ہے"۔ اور وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا پردہ اٹھا کر عذرا کے کمرے میں داخل ہو گیا اور سیدھا عذرا کی مسہری کے پاس پہنچ کر گھٹنوں پر گر کر اس نے عذرا کا چھوٹا سا ملائم ٹھنڈا ٹھنڈا ہاتھ اپنے مضبوط گرم گرم ہاتھوں میں لے لیا اور ایک جنون انداز سے اسے اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا اور کچھ دیر تک لگاتار اسکے بوسے لیتا رہا... پھر جب ذرا اسے ہوش آیا تو اس نے ایسی آنکھوں سے جو آنسوؤں کی کثرت سے دھندلی ہو گئی تھیں عذرا کو دیکھا اور ٹوٹی ہوئی گریہ آلود آواز میں باوجود انتہائی کوشش کے وہ صرف یہ کہہ سکا "میری عذرا۔ مجھے معاف کر دو ... گو میں معافی کے قابل نہیں" اسکے بعد کہا نہ گیا آنسوؤں اور سسکیوں سے اس کی آواز گھٹ گئی اور عذرا کے بازو پر اپنا سر رکھ کر وہ بے اختیار رونے لگا۔ عذرا کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا خاموش طوفان جاری تھا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی مگر آواز پر قابو نہ ملا۔ اس نے اپنے دانتوں سے اپنا ہونٹ دبا لیا۔ ممتاز کے

خوبصورت گھنے گھنے بالوں پر آہستہ آہستہ محبت بھری ادا سے وہ اپنا کمزور ہاتھ پھیرتی جاتی تھی اور آنکھیں بند کئے ہوئے رُوتی جاتی تھی۔ پھر اُس نے ممتاز کی طرف کھسک کر آہستہ سے اس کا سر اپنی طرف کھینچکر اپنے سینہ سے لگا لیا ....

دو لیڈی نرسیں جو ممتاز کے آنے کے وقت عذرا کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں ممتاز کے آتے ہی اس کو اور عذرا کو اکیلا چھوڑکر چپکے سے کمرے کے باہر چلی گئیں ....

یہ عبرت خیز اور کیف انگیز منظر کچھ عرصے تک رہا.. جب رفتہ رفتہ دونوں کو کچھ سکون ہوا تو ممتاز فرش پر سے اُٹھکر عذرا کی مسہری پر بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ اسکا عذرا کے اس طرف بستر پر تھا اور ایک ہاتھ سے وہ عذرا کا ہاتھ پکڑے اسپر جھکا ہوا تھا... عذرا کے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے اور اسکا چہرہ ایک خاموش ملکوتی تبسم سے شگفتہ تھا۔ ممتاز کے آنکھوں کے سامنے بھی آنسوؤں کا پردہ اب حائل نہیں تھا اور اسکے چہرے پر بھی ایک مسرت آمیز سکون اور اطمینان عکس فگن تھا.........

عذرا نے ممتاز کا ہاتھ دبا کر کمزور لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین نہیں تھا کہ میں آپ کو دیکھ سکوں گی"

ممتاز:- میری عذرا! ایسی باتیں نہ کرو۔ انشاء اللہ تمہاری طبیعت رفتہ رفتہ سنبھل جائے گی اور تم بالکل اچھی ہو جاؤ گی۔ ....

عذرا:- میرے ہاتھ پیر سب ٹھنڈے پڑ گئے تھے سخت اختلاجی کیفیت تھی دل بیٹھا جاتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں آہستہ آہستہ ڈوب رہی ہوں! اسوقت میں نے آپکو تار دلوایا۔ مو شرکوئی اسوقت یہاں تھا نہیں کہ میں اُسے آپکے لئے بھجوا دیتی۔ قریب آدھ گھنٹہ سے میری طبیعت ذرا کچھ سنبھل گئی ہے۔ مگر بہت ممکن ہے کہ پھر وہی دورہ ہو

ممتاز۔ (محبت سے عذرا کا سانہ چھوکر) ... نہیں پیاری۔ میں ابھی کرنل بیکاکو موٹر بھیج کر بمبئی سے بلواتا ہوں۔ انشاءاللہ تمہیں دورہ نہ ہوگا۔ تم پریشان نہ ہو۔

عذرا۔ (عجیب طرح مایوسانہ انداز سے مسکرا کر) پریشان ہونے سے فائدہ؟ ... موت کو بھلا کون روک سکتا ہے؟ مگر خیر ... اب مرنے میں مجھے زیادہ تکلیف نہ ہوگی کیونکہ جس کیلئے جان اٹکی ہوئی تھی وہ میری خوش قسمتی سے آگیا!!

ممتاز۔ خدا کے لئے عذرا۔ ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ تمہیں تو اس وقت صرف کمزوری ہی کمزوری ہے ... دو چار دن کے علاج میں تمہیں طاقت بھی آجائیگی۔ خدا کے فضل سے اب تم بہت اچھی ہو ... تمہارے چہرے پر صحت کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔

عذرا۔ (پھر اسی طرح مایوسانہ انداز سے مسکرا کر اور ایک آہ سرد بھر کر) ...

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق ؛ وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

غالب کا تو یہ محض ایک تخیل تھا مگر ہم نے اور آپ نے اسے سچ کر دکھایا ...

ممتاز۔ میں کہتا ہوں کہ تمہاری طبیعت کا جب یہ حال تھا تو تم نے ابھی تک مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ یہ تو بڑا ستم تھا!! آخر مجھے تمہارا حال معلوم ہوتا تو کیسے معلوم ہوتا؟

عذرا۔ (پھر اسی انداز سے کسیقدر شاکی لہجے میں) خوب ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا ......

ممتاز۔ نہیں پیاری عذرا۔ میں تمہیں الزام نہیں دیتا ... اور قصور؟ ... قصور تو یہ سب تمہارا میرا ہے۔ اور میری کھوٹی ہوئی عقل اور پھوٹی ہوئی قسمت کا ......

عذرا۔ خدا نکرے ... آپکی قسمت پھوٹی ہوئی کیوں ہونے لگی ... نہ مردوں میں آپ سا کوئی خوش قسمت ہوگا اور نہ عورتوں میں مجھ ایسی کوئی خوش نصیب۔

ممتاز۔ یہ تم نے کیا کہا؟ میں سمجھا نہیں!!

عذرا۔ جس شوہر کی بیوی، اسکی جوانی میں مرجائے اس شوہر سے زیادہ کوئی

خوش قسمت نہیں۔ اور جو بیوی اپنے شوہر کے سامنے ہی دنیا سے اُٹھ جائے اس بیوی سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہیں!!

ممتاز:۔ عذرا! عذرا! میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو!! مجھے اپنے جرم کا اقبال ہے میں جانتا ہوں کہ میری زندگی نہایت ہی ذلیل۔ میرا دامن گناہوں سے تر۔ میرا برتاؤ تمہارے ساتھ نہایت ہی کمینہ اور وحشیانہ تھا .... اور تمہاری یہ حالت میرے ہی نفرت انگیز طرزِ عمل کا نتیجہ ہے .... مگر میں اپنے خدا کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کر چکا ہوں اور اب تم سے پھر التجا کرتا ہوں کہ للہ عذرا تم مجھے دل سے معاف کر دو۔ اور معاف کر کے میری گذشتہ بد اطواریوں کو بھول جاؤ .... پیاری عذرا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اور خدا میرا گواہ ہے کہ میں تمہارے لئے اب پھر وہی ہوں اور ویسا ہی ہوں گا جیسا میں شادی کے پہلے تھا میری عذرا تم میری عارضی لغزشوں اور میرے وقتی جنوں کو دل سے فراموش کر دو۔ مجھ سے اب کبھی ایسی مجنونانہ حماقتیں نہ ہوں گی۔ عذرا تمہارا تار ملنے کے بعد سے دنیا میرے لئے اچھی خاصی دوزخ ہو گئی ہے اور میں اپنی گذشتہ کردہ زندگی کو دفن کر کے تمہارے پاس آیا ہوں اور اپنے ساتھ میں وہی سچا۔ پاک اور وفا پرست دل لایا ہوں جس پر تمہیں کبھی اعتماد تھا .... میری عذرا مجھے معاف کر دو للہ مجھے معاف کر دو! .... کیا تم اپنے ممتاز کو معاف نہیں کر سکتیں؟ ......

عذرا نے ممتاز کے گلے میں مخلصانہ سادگی سے اپنی باہیں ڈالدیں اور کہا "میرے پیارے تمہیں کب کی معاف کر چکی .... جب تم مجھ سے بیوفائیاں کر رہے تھے اسوقت بھی بجز تمہارے لئے دُعائے خیر کرنے کے کبھی تم سے میں ناراض نہیں ہوئی۔ گو میری خاموش ستم کشی نے میری زندگی کا خاتمہ اور میرے دل کا خون کر دیا مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ان ہی خون کے قطروں نے تمہاری کملائی ہوئی محبت کو پھر تر و تازہ کر دیا ... میں جانتی تھی کہ میرا صبر ضائع نہ جائیگا۔ میرا عقیدہ تھا کہ میری بے زبان محبت ضرور اپنا اثر دکھائے گی میرا ایمان

تھا کہ میرے وفادار دل کی خاموش شورش کبھی نہ کبھی ضرور رنگ لائے گی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ وہی ہوا۔ میرے دل کے زخم آج سب بھر گئے۔ مجھے میری کھوئی ہوئی دولت واپس مل گئی۔ اب میرے لئے موت کا خوف جاتا رہا۔ موت کے خیال کی وحشت باقی نہیں رہی۔ اب موت جس طرح سے بھی آئے!! میں اس کے لئے خوشی سے تیار ہوں!!!

دم لبوں پر تھا دل زار کے گھبرانے سے
آ گئی جان میں جان آپ کے آجانے سے

اس وقت دونوں یوروپین نرسیں کمرے میں چلی آئیں اور ان میں سے ایک نے ممتاز سے آکر انگریزی میں کہا۔۔۔ "میرے خیال میں آپ کا زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ مریضہ میں ابھی اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ زیادہ دیر تک کسی قسم کا ہیجان برداشت کرسکیں۔ براہ مہربانی آپ کچھ دیر کے لئے باہر چلے جائیے!"

عذرا نے تیوریاں چڑھا کر اس حکم کی مخالفت کی اور ممتاز بھی کچھ کہنے والے تھے مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئے۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ اچھی بات ہے۔ میں جاتا ہوں اور کرنل بکر کو بلانے کے لئے اپنی کار بھیجے دیتا ہوں"۔ پیچھے سے کمرے کے باہر چلے گئے۔

ایک نرس تو عذرا کے پاس بیٹھ گئی اور دوسری ممتاز کے ساتھ ڈرائنگ روم تک آئی اور وہاں آکر اس نے ممتاز سے کہا کہ وہ اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے۔ ممتاز نے اُسے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اسکے پاس بیٹھکر اُس نے کہا۔ "فرمایئے وہ کون ضروری باتیں ہیں جو آپ مجھ سے کرنا چاہتی ہیں"۔ نرس نے اپنا چہرہ پہلے تو غیر معمولی طور پر سنجیدہ بنایا پھر ممتاز سے یوں مخاطب ہوئی۔ "آپکی بیوی کو انی پلیورسی" کی شدید شکایت ہے

اور دل ان کا اس درجہ کمزور ہو گیا ہے کہ ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ اسکی حرکت کہیں دفعتاً
بند نہ ہو جائے!! انکو کامل سکون ملنا چاہیئے.... حرکت یا ہیجان سے انکی جان کا خطرہ ہے"
ممتاز:۔ کسقدر پریشان ہوں کہ مجھ کو معلوم نہیں تھا ورنہ میں انکے پاس نہ جاتا۔
نرس:۔ خیر آپکا آنا بھی بہت ضروری تھا بغیر آپکے انکی حالت بدتر ہوتی جاتی تھی۔
آپکے آجانے سے انہیں غالباً اب کسی قدر سکون ہو جائیگا... مگر میں آپ سے پھر کہنا چاہتی ہوں کہ
انکی حالت بہت ہی نازک ہے اور انکی جان بیحد خطرے میں ہے آپکو چاہیئے کہ صرف کرنل بکر
ہی کو نہیں بلکہ بمبئی کے تین یا چار قابل ترین ڈاکٹروں کو بلوا کر انہیں دکھائیے تاکہ آپس میں
مشورہ کر کے وہ انکا علاج کریں۔ اس میں ذرا بھی تساہل نہ ہونا چاہیئے!!

ممتاز بیچارے کو عذرا کی ظاہری حالت دیکھکر یک گونہ اطمینان سا ہو گیا تھا اور امید
بندھ گئی تھی کہ اب وہ اچھی ہو جائیگی مگر نرس کی باتیں سن کر اسکے ہاتھوں کے طوطے
اڑ گئے اور اسکا دل پھر تکلیف دہ طریقے سے دھڑکنے لگا۔ اس نے گھبرا کر نرس سے پوچھا۔
کیا آپکے خیال میں مریضہ کے اچھے ہو جانے کی امید نہیں ہے؟"

نرس:۔ آپ تو سمجھدار اور تعلیم یافتہ آدمی ہیں مجھے آپ سے صاف صاف باتیں کرنی
چاہیئے!! میرے خیال میں مریضہ صرف چند گھنٹوں کی اور مہمان ہیں.... انکے چہرے
پر جو آپ اسوقت ایک طرح کی بشاشت اور چمک دیکھ رہے ہیں اس سے دھوکا نہ کھائیے گا۔ انکی
حالت سنبھلی نہیں ہے بلکہ یہ محض موت کا سنبھالا ہے!! تاہم انسان کو آخری وقت تک ناامید نہ
ہونا چاہیئے!! اور بہتر سے بہتر جو علاج ہو سکے وہ کرنا چاہیئے۔ اگر فائدہ ہو جائے تو کیا کہنا
اور اگر نہ ہو تو بعد میں اسکی حسرت باقی نہ رہ جائے۔ کہ فلاں علاج ہو سکتا تھا مگر نہیں ہوا۔

ممتاز کے چہرے کا رنگ پھر اڑ گیا۔ پھر اسکے دل میں ایک ہوک سی اٹھنے لگی۔ پھر
عذرا کی زندگی سے وہ ناامید ہو گیا۔ پھر دنیا اسے تیرہ و تاریک نظر آنے لگی۔ پھر سنگین مناظر
اسکی آنکھوں کے سامنے مختلف شکلوں میں آ کر اسے ڈرانے لگے۔ پھر اسکے گزشتہ برتاؤ کی ندامتیں اسکے غم زدہ

دل کیلئے سانپ، زہجو بن گئیں۔ پھر شمع اُمید کچھ دیر تک فروزاں رہ کر یکبارگی بجھ گئی۔
پھر اس کا دل بھر آیا اور گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگے۔

نرس نے جو اس کا متغیر چہرہ دیکھا تو اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا " بچ کر رہنے
کیلئے تو بہت زمانہ باقی ہے مگر علاج کرنے کے لئے وقت بہت کم ہے ہر منٹ کا ضائع
ہونا نا اُمیدی مطلق سے قریب تر ہوتا ہے ڈاکٹروں کو فوراً بلوایا جائے اس میں تاخیر
نہ کی جائے۔......

ممتاز اپنے پردرد خیالات سے جاگ اُٹھا اور اس نے کرنل بیکر کو جلدی سے
ایک خط لکھا کہ وہ فوراً آئیں اور اپنے ساتھ چار ڈاکٹروں کو جن کی قابلیت پر
انہیں بھروسہ ہو لیتے آئیں۔ اور خط لکھ کر اپنے ڈرائیور کو دیا کہ فوراً جائے
اور ڈاکٹروں کو لے آئے......

ممتاز کا رولس رائیس جو کسی زمانہ میں مہ جبین کے بنگلے کا طواف کیا کرتا تھا آج
عذرا کے لئے ہوا سے باتیں کرتا ہوا بیلی کی طرف لیے تحاشا چلا جا رہا تھا......

دونوں نرسیں عذرا کے پاس خاموش بیٹھی ہوئی تھیں اور عذرا ان کی ہدایت
کے موافق آنکھیں بند کئے ہوئے مسہری پر لیٹی تھی۔

ممتاز کچھ دیر تک ڈرائینگ روم میں ایک آرام کرسی پر ہراس نا اُمیدی کا بت
بنا ہوا بیٹھا رہا...... کچھ عرصے کے بعد اس نے اپنی آنسو بھری آنکھیں اُٹھا کر گھڑی کی
طرف دیکھا اس میں دو بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے......

ممتاز۔ (دل میں)...... ابھی تک ڈاکٹر نہیں آئے!!...... اور اگر وہ آئیں اور اگر
وہ بھی نا اُمیدی مطلق کا پیغام سنا جائیں تو کیا ہوگا؟...... پھر عذرا کی جان کیسے بچ سکے گی اور کون بچائیگا۔
ایک کروڑ پتی کی خوبصورت بیوی! ایک کروڑ پتی کی نوجوان محبوبہ ایک کروڑ پتی کے دل کی
حکمراں شاہزادی!...... معمولی فاقہ مست غریبوں کی طرح۔ بدبودار تھپیڑے پہننے والے

فقیروں کی طرح۔ لولے لنگڑے ننگے بھک منگوں کی طرح .... مجبوری اور بے بسی میں مرجانے!!
یہ کیسی دنیا ہے اور کہاں کا انصاف ہے؟ کیا کروڑوں روپئے اور چند ٹوٹی ہوئی کوڑیوں میں
کوئی فرق نہیں ہوتا؟ کیا امیر اور فقیر دولتمند اور محتاج میں موت کوئی امتیاز نہیں کرتی؟..
کسی نے آہستہ سے اسکے کان میں کہا۔" ان سنگ مرمر کے محلوں میں عیش کرنیوالے اور ٹوٹے
ہوئے جھونپڑوں میں مر مر کے زندگی بسر کرنے والے قبر کی ٹھنڈی زمین پر ایک
ہی قسم کا لباس پہنکر سوتے ہیں" ....

گدا و شاہ سے یکساں معاملہ ہے وہاں
کوئی بتائے کہ مہلت کسے قضا نے دی

بیالیسواں باب

بال و پر ٹوٹے ہوئے پرواز کی طاقت نہیں
تاک میں صیاد اور گلشن کی دیواریں بلند

کشور کی گرفتاری کی صبح کو مس برمزجی انور کے پاس آئی اور اُسے ایک بند لفافہ
دیکر اس نے نہایت ہی شیریں لہجے میں مسکرا کر کہا۔ لیجئے مسٹر انور اسے پڑھ لیجئے اور براہ مہربانی
ذرا کافی طور پر غور کرکے اور سمجھ بوجھ کر مجھے اسکا مناسب جواب دیدیجئے!!

انور ایک کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بیچ میں ایک میز تھی اور دوسری طرف مس
برمزجی بیٹھی ہوئی مسکرا رہی تھی اور اسکے ادھر اُدھر دو قوی آدمی ہاتھوں میں بھرے ہوئے پستول
لئے ہوئے کھڑے تھے اور انور کو خوفناک نگاہوں سے گھور رہے تھے .... انور نے کسیقدر تعجب مگر نہایت
اطمینان سے لفافہ لیکر کھولا اور خط پڑھنے لگا۔ کشور کی تحریر دیکھکر اُسے ایک اچنبھا سا ہوا اگر

اُس نے اپنے چہرے سے اُسے ظاہر نہیں ہونے دیا اور دیر تک بڑے غور سے وہ تحریر پڑھتا رہا اس کا مضمون یہ تھا۔

"ڈیرسٹ! میں اس وقت بڑی سخت مصیبت میں گرفتار ہوں۔ ایک مجھو نا سا کاٹیج قید ہوں اور ڈاکوؤں کے قبضے میں رہوں۔ ڈاکوؤں کا مطالبہ یہ ہے کہ میں انہیں ساڑھے سات لاکھ روپیہ دوں تو وہ مجھے رہا کر دینگے۔ میں نے اپنی مجبوریاں ظاہر کیں تو انہوں نے میرا اعتبار نہیں کیا اور مجھے کوڑے دیے دن رات میں کئی مرتبہ بیدردی سے مارتے ہیں یہاں تک کہ میں قریب بیہوش ہو جاتی ہوں میرے سارے جسم پر بڑے بڑے زخم ہو گئے ہیں اب مجھ میں کوڑوں کی مار برداشت کرنے کی طاقت باقی نہیں رہی بڑی مشکل سے یہ لوگ اس پر راضی ہوئے ہیں کہ آپ کو خط لکھوں کہ جسطرح سے ہو آپ ساڑھے سات لاکھ روپئے کا مطالبہ پورا کر دیجئے۔ اگر یہ مطالبہ جلد سے جلد پورا نہ ہوا تو یہ لوگ مجھے سخت سے سخت سزا دینے پر تلے ہوئے ہیں اور مجھے ہر طرح سے ذلیل کرنے کی دھمکیاں بھی دیتے ہیں مجھے انکی بے رحمی اور وحشیانہ بیدردی دیکھ کر کامل یقین ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے زیادہ یہ کر دکھائینگے۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کسطرح انکا یہ مطالبہ پورا کرینگے مگر خدا کے واسطے مجھ پر رحم کھائیے اور جس طرح سے بھی ہو سکے ان لوگوں کو راضی کیجئے ورنہ میری جان کی خیر نہیں ہے...

آپکی غمزدہ کشور

اگر انور ایسا ذہین قوی اور جری شخص نہ ہوتا جیسا کہ وہ تھا تو یقیناً یہ خط پڑھکر اسکی حالت خراب ہو جاتی۔ باوجود انتہائی ضبط کے اسکے دل میں ایک ناقابل بیان تکلیف شروع ہو گئی۔ مس ہرمزجی کی تیز نگاہیں انور کے چہرے پر یہ دریافت کرنے کے لئے گڑی ہوئی تھیں کہ اسپر اس تحریر کا کیا اثر ہوتا ہے۔ مگر اُسے کچھ پتہ نہ چلا۔

انور کچھ دیر تک خط پڑھنے کے بہانے سے سوچتا رہا کہ وہ اسکا کیا جواب دے۔ پھر اُس نے دفعتاً اپنی نگاہیں اُٹھا کر مس ہرمزجی کو کسیقدر سختی سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال

دیکھا اور طنز آمیز لہجے میں کہا۔" اگر ڈاکٹر ڈانس آپکا پیشہ ہے تو مجھے افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ ابھی بہت کچی ہیں .... اس قسم کے فرضی مظالم کی داستان اور مصنوعی تحریروں سے اگر آپ کسی کو دھوکا دینا چاہتی ہیں تو یہ آپکی بہت بڑی غلطی ہے !!....؟"

مس ہرمزجی اس جواب کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔ اس نے کوشش کی کہ انور کی تجسس نگاہوں کی زد سے بچ جائے مگر انور کے غیر متوقع جواب اور اسکی مقناطیسی آنکھوں کے سامنے مس ہرمزجی کی آنکھیں بیاختہ جھک گئیں اور اسکے چہرے کے یک بیک سُرخ ہو جانے سے اور بھی اسکی گھبراہٹ اور ندامت کا راز افشا کر دیا۔ مگر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولی۔

"مسٹر انور ہمارے پیشے نے ہمیں اور کچھ سکھایا ہو یا نہ سکھایا ہو مگر اتنا ضرور سکھا دیا ہے کہ بعض اوقات لوگ اطمینان اور سکون کا غیر ضروری اصرار سے اظہار کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ انکے قلب کی حالت درحقیقت قابل رحم ہوتی ہے !"

انور:۔ میں بالکل آپ سے اتفاق کرتا ہوں مگر صرف اس ترمیم کے ساتھ کہ اگر میرے قلب کی آپنے یہ تشخیص کی ہے تو یہ آپکی دوسری بہت بڑی غلطی ہے۔

مس ہرمزجی:۔ (کسیقدر تلخی سے) جسکو آپ اپنی غیر معمولی ذہانت سے مظالم کی فرضی داستان سمجھتے ہیں وہ اتفاق سے بالکل سچی داستان ہے اسکی بابت شک کرنے میں آپ عقلمندی کے پردے میں محض اپنی سنگدلی اور بے حسی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ (اتفاقاً یہ زور دیکر اور بغرض محال یہ مظالم ابھی تک نہیں بھی ہوئے ہیں آپکو یقین دلاتی ہوں کہ وہ اب ہونگے اور اس شدومد سے ہونگے کہ آپ بھی عمر بھر یاد کرینگے .... (آنکھیں لال کر جوش میں) مسٹر انور آپ مجھے عورت نہ سمجھئے گا .... میں عورت نہیں ہوں میں ایک خونخوار بیرحم ڈائن ہوں۔۔ ڈائن ....!! اور اگر آپکو اس دعوی کا ثبوت چاہئے تو میں بہت جلد اسکا ثبوت دیسکتی ہوں اور ایسا ثبوت دونگی کہ آپکے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں !! میں کنور کو آپکے سامنے لاکر اس بیرحمی سے اسکے کوڑے لگواؤنگی کہ آپ کیا سنگدل سے سنگدل دیکھنے والے سے بھی دیکھا نہ جائیگا"

جب تک آپ اپنی آنکھوں سے کشور کے جسم کے زخم اور ان زخموں سے خون کے فوارے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے آپکو اپنے خط یا میری دھمکیوں کا یقین نہ آئیگا...." (غصے کے جوش میں کھڑی ہو کر) "بس! بس!.....اب جو کچھ ہوگا آپ ہی کے سامنے ہوگا... تاکہ آپ خود اپنی آنکھوں سے کشور پر جو ظلم ہونگے وہ دیکھ لیں اور خود اپنے کانوں سے وہ معصوم چیخیں جو کشور کے منہ سے نکلیں گی سن لیں!! بس! اب یہی ہوگا!.....اور یہی ہوگا!.... اب کشور کی ضیافت آپکی آنکھوں ہی کے سامنے کی جائے گی!!"

اگر کسی عورت کی شکل و شباہت کسی خونخوار بپھری ہوئی شیرنی کی سی ہو سکتی ہے تو اس وقت مس ہرمزجی کی شکل و شباہت ایسی ہی تھی..... اسکا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ اسکی آنکھیں دو سرخ دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ عورت نہیں ایک مردم خوار بلا ایک ہیبتناک ڈائن معلوم ہو رہی تھی.......

یہ بیرحم دھمکیاں سن کر انور کا چہرہ دفعتاً زرد پڑ گیا۔ اسکے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کا دل دہل گیا... وہ اٹھا اور اسنے مس ہرمزجی کو بڑی لجاجت سے روکنا چاہا مگر اس شعلہ رو آتش فشاں ہستی نے اسکی لجاجت اور خوشامد کا مطلق خیال نہیں کیا اور ایک آخری خوفناک دھمکی دیتی ہوئی وہ اپنے دونوں ساتھیوں کو لیکر فوراً کمرے کے باہر چلی گئی اور باہر سے کمرے کا دروازہ بند کر کے اس میں قفل لگا دیا۔ انور کھڑکی کے جنگلے سے پکارتا رہا مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اور مس ہرمزجی درختوں اور جھاڑیوں میں غائب ہو گئی۔

انور ایک مقید شیر کی طرح تڑپ کر رہ گیا... اسوقت اسکے دل و دماغ میں جو عجیب کیفیت تھی اسکا بیان کرنا محال ہے۔ وہ سیکڑوں کوڑے خود کھا لیتا۔ وہ ہزاروں تکلیفیں خود اٹھا لیتا وہ ہیبتناک سے ہیبتناک سزا خود برداشت کر لیتا مگر اسکو اسکی برداشت نہ تھی کہ اس کی خوبصورت ناکردہ گناہ نازک بدن کشور پر برائے نام بھی کسی قسم کی آنچ آئے۔ محض یہ خیال کہ یہ بیرحم انسان نما درندے کشور پر مشق ستم کریں گے اور وہ انتہائی بے بسی اور بیچارگی سے کشور کی تکلیف اور تڑپ

اپنے قید خانے سے دیکھے گا ایسا ہولناک خیال تھا کہ اس سے اسکی روح کانپ اٹھی اور اسکے ننھے دل
میں ایک قیامت سی برپا ہوگئی .... اسے اب یقین کامل ہوگیا کہ ان ظالموں سے کچھ بعید نہیں ہے کہ
جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ کرکے بھی دکھا دیں اور اب اسکو کشور کے خط کے واقعات کی صداقت کا
بھی یقین آنے لگا اور جیسے جیسے اسکا یقین بڑھتا جاتا تھا ویسے ویسے اسکے دل و دماغ کی حالت
ابتر ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ وہ بے اختیار چلا اٹھا۔

"یا اللہ کشور پر رحم کر..... اے میرے خدا جو کچھ ہونا ہے مجھ ہی پر ہو جائے مگر میری کشور پہ
کوئی آفت نہ آئے!! ہائے وہ نازک معصوم لڑکی کیسے یہ ساری سختیاں برداشت کرے گی؟
اے میرے خدا یا تو کشور کو ان ظالموں سے بچا لے یا پھر مجھے اسکے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لے!"

وہ وہیں فرش پر دوزانو بیٹھ گیا اور ہاتھ جوڑے آنکھیں بند کیے ہوئے وہ دیر تک اپنے دل کے
مخلص ترین جوش سے دعائیں مانگتا رہا... جب ذرا اسے سکون ہوا تو وہ سوچنے لگا کہ اب اسے
کیا کرنا چاہئے؟ بغیر جج کی اجازت کے وہ کشور کا ایک روپیہ بھی برآمد نہیں کر سکتا تھا پھر بھلا
ساڑھے سات لاکھ روپیہ برآمد کرنے کے لئے آخر وہ کیا وجہ بیان کریگا اور کیا وجہ بیان کر سکتا
ہے؟... ایک تدبیر اسکے خیال میں آئی۔ وہ یہ کہ بطور کشور کے ولی کے اسکے چند مکانات اور
گاؤں بیچ کر اتنا روپیہ فراہم کرے۔ مگر اس میں یہ قباحت تھی اسکے لئے بھی جبتک بیعنامہ کی بھی اجازت
وہ جج سے حاصل نہ کرلے کوئی شخص بیعنامہ لکھانے یا روپیہ دینے پر تیار نہ ہوگا۔ یہ سوال کشور کو
بچانے کے لئے اسقدر روپیہ دیا جائے اس نے پہلے ہی طے کر لیا تھا۔ ساڑھے سات لاکھ
کی کیا حقیقت تھی۔ اگر ساری دنیا کی دولت بھی کشور کی رہائی کی یا اسکو بدسلوکی سے محفوظ رکھنے
کی قیمت ہوتی تو انور کے خیال میں وہ زیادہ نہ تھی.... مگر سوال تو یہ تھا کہ یہ روپیہ فراہم کہاں سے
ہو اور کسطرح ہو؟... انور کرب بے چینی کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا اور
سوچنے لگا کہ وہ اس معمے کو کسطرح حل کرے... مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کوئی صورت
نظر نہیں آتی تھی۔ کئی مرتبہ اسکے دل میں خیال آیا کہ آج اسکے پاس روپیہ ہوتا تو وہ اسے کسی شخص

سے کشور پر صدقہ کر دیتا ۔۔۔۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا ۔۔۔ پھر دفعتاً اسکو ممتاز کا خیال آیا اور ممتاز کے خیال کیساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ ممتاز اگر چاہے تو اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے۔ ممتاز کیلئے ساڑھے سات لاکھ روپیہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ وہ اسقدر روپیہ اگر کشور کو قرض دینا چاہے تو منٹوں میں دے سکتا ہے ۔۔۔ مگر ممتاز کے پاس یہ سوال کرنے کون جائے؟ اگر میں خود جاتا ہوں تو کیا منہ لیکر جاؤں؟

مانا کہ میں نے درحقیقت ممتاز کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے مگر ممتاز کو یہ کون سمجھا سکتا ہے؟ اور پھر اسوقت ممتاز کے پاس یہ غرض لیکر جانا اور اس سلسلے میں اپنی صفائی پیش کرنا ایک ناقابل برداشت ذلت ہوگی جسکو میں کسی طرح منظور نہیں کر سکتا۔ کشور کو بچانے کے لئے اگر مجھے اسقدر ذلیل ہونا پڑے تو کیا مجھے اپنے آپکو اس درجہ گرا دینا چاہیئے؟ یہ بھی ایک بہت ادق سوال ہے ۔۔۔!! اور پھر کیا معلوم کہ اسقدر اپنے آپکو گرا دینے کے بعد بھی ممتاز اتنی کثیر رقم دینے پر ضرور ہی راضی ہو جائیگا!! کیونکہ ممتاز اور کشور میں جو کچھ راہ و رسم تھی وہ میری ہی وجہ سے اور میری ہی دوستی کے سلسلے میں تھی اور جب یہی رشتہ منقطع ہو گیا۔ خواہ کسی کی غلطی سے ہوا ہو۔ تو ممتاز کو کشور سے کیا دلچسپی باقی رہ سکتی ہے اور گو میرے لئے کشور کی ہستی دنیا میں عزیز ترین ہستی ہے اور میں کشور کیلئے ہر قسم کی قربانی کر سکتا ہوں مگر ممتاز کے لئے کشور کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ ممتاز کی نظروں میں کشور کیا ہے؟ ایک غدار دوست کی دشمن کی محبوبہ!! ممتاز میرے اور کشور کے لئے اسقدر ایثار کرنے کیلئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا کہ وہ آنکھ بند کر کے بلا کسی ضمانت کے ساڑھے سات لاکھ روپیہ فوراً ادا کر دے ۔۔۔ اور علاوہ ان سب باتوں کے ڈاکوؤں کا گروہ کب اسپر راضی ہو سکتا ہوگا کہ انکی خفیہ سازش کا ذکر کسی عنوان سے بھی ممتاز سے کیا جائے کیونکہ ممتاز کے وسیع اثر۔ قوی شخصیت اور غیر معمولی ذہانت کا بمبئی میں کون ایسا شخص ہے جو قائل نہیں ہے!! ۔۔۔۔

یہی سب مختلف اور متضاد خیالات انور کے دماغ میں آ رہے تھے اور جا رہے تھے اور وہ بڑے شش و پنج میں تھا کہ وہ کیا تدبیر کرے کہ اتنے میں اسکی وحشت زدہ آنکھوں نے جنگلے میں سے دیکھا آگے آگے مس ہرمزجی اور اسکے پیچھے پیچھے وہی دو آدمی کشور کو کھینچتے ہوئے لا رہے ہیں اور کشور

کی مشکیں چمڑے کی رسی سے کسی ہوئی ہیں اور اسکا چہرہ زرد اور اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ رو رو کر بڑی منت اور لجاجت سے کہہ رہی ہے "خدا کے لئے مجھے نہ مارو ......
میں جو کچھ تم کہو گی وہ کرنے کیلئے تیار ہوں"! اور پیچھے پیچھے ایک قوی ہیکل شخص ایک چمڑے کا بہت بڑا کوڑا لئے ہوئے جس کے بیچ بیچ میں بہت سی گرہیں پڑی ہوئی تھیں آرہا تھا...
یہ خوفناک جلوس اسکی کھڑکی سے قریب بیس بائیس قدم پر آکر رک گیا۔

انور کے دل کی حرکت عارضی طور پر بند ہو گئی۔ اسکا چہرہ فق ہو گیا۔ سر سے پیر تک وہ پسینہ میں ڈوب گیا۔ اور اسکا سارا جسم کانپنے لگا ..... اگر وہ اپنی پوری طاقت سے جنگلے کے آہنی دونوں ہاتھوں سے نہ پکڑے رہتا تو یقیناً وہ فرش پر گر پڑتا کیونکہ اسوقت اسکے پیروں میں اسکے جسم کو سنبھالنے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی......

اس نے کوشش کی کہ چلائے مگر اسکے منہ سے آواز نہیں نکلی .... کئی مرتبہ کوشش کے بعد اسکے منہ سے ایک چیخ نکلی جس نے مس ہرمزجی کو اسکی طرف متوجہ کر دیا مس ہرمزجی کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر انور نے چلا کر کہا "ٹھیرو! ٹھیرو! خدا کے لئے ٹھیرو!...
میں جو کچھ تم کہو گی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر کشور کو نہ مارو۔ میری کشور کو نہ مارو"

کشور نے وحشت بھری نگاہوں سے جنگلے کیطرف چونک کر دیکھا اور انور کو پہچان کر اس نے بیساختہ ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔ دو آدمیوں نے کشور کو پکڑ کر وہیں پڑی پڑی گھاس پر لٹا دیا۔ اور مس ہرمزجی انور کی طرف بڑھی۔ انور نے بے انتہا عاجزی اور لجاجت سے کہا۔
"خدا کے لئے۔ یہ ظلم نہ کرو۔ یہ ظلم اسوقت کرنا جب میں تمھاری کسی بات سے انکار کر دوں۔ میں ہر شرط پر راضی ہوں مگر للہ تم مجھ سے پہلے باتیں تو کر لو"

مس ہرمزجی:۔ (جنگلے کے سامنے قریب آکر) کہئے! کہئے! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

انور:۔ (عاجزانہ لہجے میں) آپ مجھ سے خواہ مخواہ ناراض ہو کر چلی گئیں۔ میں نے آپ کو روکنا بھی چاہا اگر آپ نہیں رکیں۔

مس ہرمز جی :۔ اچھا خیال فرمائیے۔ آپ کیا کہتے ہیں۔ میں سن رہی ہوں۔
انور :۔ میں آپ کا مطالبہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جو طریقہ بھی مطالبہ ادا کرنے کا آپ بتائیے۔ مجھے منظور ہے۔
مس ہرمز جی :۔ (اور قریب آ کر) ہاں! اب آپ نے معاملہ کی بات کہی۔ بڑی بات!!
اچھا تو سنئیے۔ آپ ہر پانچویں دن ہمیں بیس ہزار کے دو یا تین چیک لکھ کر دیدیا کیجئے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا جب تک ساڑھے سات لاکھ کی پوری رقم ادا نہ ہو جائے؟
انور :۔ ہاں ہاں مجھے منظور ہے۔۔ میں چیک لکھونگا۔۔ مگر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو میرے پہلے چیک کا روپیہ بھی نہ ملیگا۔
مس ہرمز جی :۔ یہ کیوں؟
انور :۔ اسلئے کہ گو کشور کا ولی میں ہوں مگر کشور کا سارا روپیہ جج ہی کے قبضہ میں ہے اور میں بغیر اس کی تحریری اجازت کے محض اپنی دستخط سے ایک روپیہ بھی بنک سے نہیں نکال سکتا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ بالکل سچ ہے اور اگر آپ کو شک ہو تو اسکی تصدیق کر لیجئے۔
مس ہرمز جی :۔ (کسقدر متفکر ہو کر) تو پھر آپ میرا مطالبہ کس طرح پورا کرینگے۔
انور :۔ جس طرح آپ کہئیے۔۔۔ آپ نے ہم دونوں کو گرفتار کر لیا مگر اس قانونی رکاوٹ کا آپ نے خیال کیا۔
مس ہرمز جی :۔ (ہٹ کا لہجہ اختیار کر کے) میں کچھ نہیں جانتی۔ ہمیں روپیہ ملنا چاہئیے۔ آپ جہاں سے لائیے یا جس طرح سے لائیے۔
انور :۔ یہ تو بڑی زبردستی ہے!! کیا میں خود روپیہ بن جاؤں؟ آخر میں کیا کروں اور کیا کر سکتا ہوں؟ خود آپ ہی بتائیے!!
مس ہرمز جی :۔ (اسی لہجہ میں) ہم یہ ساری قانونی رکاوٹیں نہیں جانتی آپ روپیہ لائیے۔ کہیں سے لائیے!! ہمیں اس سے مطلب نہیں۔ اور اگر آپ اس کا

کوئی انتظام نہیں کرسکتے ہیں تو پھر ہم کو مجبوراً آدمی کا بوائی شروع کرنا پڑیگی!!

انور:- خدا کے لئے ذرا تو انصاف سے کام لیجئے۔ آخر میں یہاں پر گرفتاری کی حالت میں کیسے روپیہ کا انتظام کرسکتا ہوں؟ ہاں اگر آپ مجھے آزاد کردیجئے تو البتہ میں کسی نہ کسی طرح سے یہ کثیر رقم فراہم کرنیکی کوشش کرسکتا ہوں۔ مس ہمرزجی نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک گہری سوچ میں پڑگئی اور کچھ عرصہ تک خاموشی سے سوچتی رہی۔ پھر بولی "اچھا اگر فرض کیجئے کہ ہم آپ کو آزاد کردیں تو آپ روپیہ کا انتظام کس طرح کیجئے گا۔؟ ذرا مجھے سمجھا دیجئے!"

انور:- میں جا کر جائیداد کا انتظام کروں گا۔ کچھ اس کے منافع سے اور کچھ لوگوں سے قرض لے کر آپ کا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

مس ہمرزجی:- (طنزاً) اور ایک طریقہ مطالبہ پورا کرنے کا یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ آزاد ہوکر پہلا کام یہ کیجئے کہ پولیس کو اطلاع دیکر ہمارے پیچھے لگا دیجئے!!

انور:- یہ کہکر آپ غالباً میری نیک نیتی کا امتحان لینا چاہتی ہیں کیونکہ آپ اتنا تو خود ہی سمجھ سکتی ہیں کہ جب تک کشور آپکے ہاتھ میں ہے میں بھی آپکے ہاتھوں میں ہوں میری آزادی محض برائے نام ہوگی ورنہ فی الحقیقت مجھ سے زیادہ زنجیروں میں جکڑا ہوا کوئی انسان نہ ہوگا۔

مس ہمرزجی:- آدمی تو آپ ذہین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر میں صرف اتنا اور کہنا چاہتی ہوں کہ اگر آپنے یا آپ کے کسی ہمدرد یار کسی نے ذرا بھی دغابازی کی یا ہمیں اس کا شبہ بھی ہوا تو پھر یہ سمجھ لیجئے گا کہ پولیس تو ہمیں بعد میں پکڑیگی مگر اسسے قبل ہی آپکی کشور کے جسم کی بوٹیاں چیلیں، ورکوے اور چہرہ لگدہ ایسی معصوم چڑیاں نہایت ہی شوق سے کھاتی ہوئی نظر آئینگی!! اور اب تو غالباً آپ کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں باقی رہی ہوگی کہ میری دھمکیاں صرف گفتگو کی دلچسپی بڑھانے کے لئے نہیں ہوتی!!.....

انور:- میں خوب سمجھ گیا ہوں براہ مہربانی آپ مجھے زیادہ سمجھانیکی کوشش نہ کیجئے!!

مس ہرمزجی:- اچھا تو پھر ایک بات کا اور تصفیہ ہو جائے۔ وہ یہ کہ آپ سے بات چیت یا ملاقات کرنیکا کیا طریقہ ہوگا؟

انور:- دیکھ سوچکر، میرے خیال میں سب سے آسان طریقہ تو یہ ہوگا کہ جب آپ یا آپکے آدمی مجھ سے ملنا چاہیں تو آپ ملنے کے لئے جو مقام اور وقت پسند کریں اس سے بذریعہ ڈاک یا ٹیلیفون کے مجھے اطلاع دیجئے۔ میں اسی مقام پر اور اُسی وقت پر حاضر ہو جاؤنگا مگر للہ مطالبہ ادا ہونے تک آپ کشور کو کوئی تکلیف نہ دیجئے گا!!!

مس ہرمزجی:- نہیں ہرگز نہیں۔ جب تک آپ اپنے عہد پر ایمانداری سے قائم رہیں گے اس وقت تک ہم بی بی کشور کو نہایت آزادی سے رکھیں گے اور ہر طرح سے انکی خاطر اور تواضع کرینگے۔ کیونکہ ہمارا مقصد کسی کی جان لینا نہیں ہے۔ ہمارا مقصد صرف روپیہ لینا ہے اور ہم جان اُسی وقت لیتے ہیں جب ہمیں روپیہ نہیں ملتا یا جب ہم سے کوئی دغابازی کرتا ہے!!

انور:- اچھا تو چونکہ معاملہ میں صفائی ہمیشہ اچھی ہوتی ہے میں ایک بات اور آپ سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ روپیہ میں آپکو قسطوں میں نہ دونگا، بلکہ یکمشت دونگا اور ایک ہاتھ سے روپیہ دونگا اور دوسرے ہاتھ سے کشور کو لونگا۔

مس ہرمزجی:- بڑی خوشی سے۔۔۔ معاہدے کی پابندی اور قول و اقرار کی پختگی ارے فرقے کی ایک نہایت مشہور و معروف صفت ہے۔ آپ بالکل اندیشہ نہ کیجئے۔

۔۔۔ مگر میں آپ سے پیر کہتی ہوں کہ اگر آپنے ذرا بھی معاہدے کے خلاف کیا یا ہمیں نقصان پہنچانے کی ذرا بھی کوشش کی تو پھر آپ نے عمر بھر پچھتائے گا اور کشور سے الگ ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

انور:- نہیں آپ خاطر جمع رکھئے۔ میں بدعہدی نہ کرونگا اور بدعہدی کے نتائج کا بھی مجھے پوری طور سے احساس ہے۔

مس ہرمزجی:۔ اچھا تو آج ہی رات کو ہم موٹر پر آپ کو بمبئی پہنچا دینگے مگر آپ
پھر آپکی آنکھوں میں پٹی بندھی نہ رہیگی اور بمبئی کے قریب پہنچکر پٹی کھولدی جائے گی

انور:۔ ہاں! ہاں! مجھے منظور ہے۔ اس میں کوئی ہرج نہیں... اچھا اب
آپ براہ مہربانی کشور کو یہاں سے لیجائیے۔ اور اس کو ہوش میں لانے کی فکر کیجیے۔ آپ کو
خدا کی قسم اسے کوئی تکلیف نہ دیجئے گا!!!....

مس ہرمزجی نے وعدہ کیا اور انور سے رخصت ہو کر وہ سیدھی کشور کے پاس
پہنچی ابھی تک بیہوش پڑی تھی مس ہرمزجی نے ایک پلنگ منگوایا اور پلنگ پر
کشور کو لٹا کر اُسے لیکر چلی گئی!!!

انور ناقابل بیان جذبات کے ساتھ اور اشک آلود آنکھوں سے کشور کو دیکھتا رہا!!!
اس کے دل میں بار بار یہ شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ کشور سے ملنے کی اجازت کے لئے
مس ہرمزجی سے درخواست کرے مگر پھر کچھ سوچ کر اور واقعات گذشتہ پر تبصرہ کر کے اس نے
اپنے آپ کو روک لیا اور اس خواہش کا اظہار نہیں کیا... بلاشبہ انور کی تمام مصیبتوں
اور اس کی زندگی کی تمام ناکامیابیوں کا راز اس کی غیر معمولی خودداری تھی۔ اور
اتفاق سے اسکی یہی غیر معمولی خودداری ہی اسکے خوبصورت کیریکٹر کا غیر معمولی حسن بھی تھا۔

تینتالیسواں باب

خدا بخشے کسی جانباز الفت کا مقولہ تھا
کہ قبل از مرگ مرجانا حیات جاودانی ہے

کرنل بکر مع تین مشہور ڈاکٹروں کے آئے اور آکر انھوں نے عذرا کو بہت اچھی طرح دیکھا

اور نرسوں سے عذرا کے تمام حالات دریافت کئے۔ اور پھر چاروں ڈاکٹر ایک علیحدہ کمرے میں چلے گئے اور دیر تک آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ دوسرے کمرے میں جو اس کمرے سے ملحق تھا ممتاز ایک غیر معمولی اضطرابی حالت میں ٹہل رہا تھا اور اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کا انتہائی بے چینی سے منتظر تھا۔ عذرا کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کے خیال نے اس کی کھلائی ہوئی محبت کو پھر تر و تازہ کر دیا تھا۔ عذرا کے مرنے کے خوف نے اس کے الحاد پسند دل میں خدا کا خوف اور مذہب کی اہمیت کا احساس پیدا کر دیا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور کمرے سے ڈاکٹر لمبے لمبے چہرے لئے ہوئے نکلے.....

انکی یاس انگیز صورتیں دیکھ کر ممتاز کا دل بیٹھ گیا۔ مگر اُس نے ہمت کر کے پوچھا۔ کہئے آپ لوگوں نے کیا رائے قائم کی؟ کرنل بیکر نے ممتاز کے کاندھے پر ہمدردانہ انداز سے ہاتھ رکھ کر کہا۔" مسٹر ممتاز ہم اپنی انتہائی کوشش کرینگے مگر ہم آپ کو اُمید نہیں دلاسکتے.... کیونکہ موت کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔"

ممتاز کا دل چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے اپنا ہونٹ اپنے دانتوں سے دبا لیا۔ پھر قابل رحم یاس بھری نگاہوں سے اس نے کرنل بیکر کیطرف دیکھ کر کہا۔" کیا واقعی میں اس کا یقین کر لوں کہ آپ عذرا کو موت سے نہیں بچا سکتے؟"

کرنل بیکر:۔ "ہمدردی ہے، ہم کیا دنیا میں کوئی طاقت کسی کو موت سے نہیں بچا سکتی!!!.....

ممتاز:۔ اس جملے پر پہلے تو بالکل خاموش ہو گیا پھر کچھ دیر بعد یکبارگی وہ ایک مجنونانہ ہنسی ہنسا اور ایک فوری جذبے سے مغلوب ہو کر باآواز بلند ی پر جوش لہجے میں کہنے لگا۔ کہتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی؟ اگر تم کسی انسان کو موت سے نہیں بچا سکتے تو کیا تمہارے فن کی معراج بس یہی ہے کہ تم صرف زکام اور کھانسی کا علاج کر سکتے ہو اور کبھی کبھی بخار اور درد سر بھی تمہاری دوا سے اچھا ہو جاتا ہے؟ کیا تمہارے یہاں صرف چھوٹے۔

چھوٹے غیر اہم امراض کا علاج ہے جن سے بغیر دوا کے بھی آدمی اچھا ہو سکتا ہے اور ان بڑے بڑے اہم امراض کا کوئی علاج نہیں جو انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں!... بس یہی تمہارا سارا فن طبابت ہے اور یہی تمہاری ساری مہارت ہے جسکا دنیا میں اسقدر چیخ پکار رہتے ہو! بس بس معلوم ہو گیا... تمہارا فن محض ایک عظیم الشان فریب ہے اور تمہاری مہارت محض شعبدہ بازی ہے... ڈیک بیک آواز اور زیادہ بلند کر کے. اور دنیا کو دھوکہ دینے والو.... جاؤ اور تمہیں جو سب سے پہلا کنواں ملے اس میں جا کر ڈوب مرو!... تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جب تم دوسروں کو زندہ نہیں رکھ سکتے!! خدا کی قسم تم سب کے سب ملک الموت کے دلال ہو!!"

چاروں ڈاکٹر ممتاز کو حیرت سے دیکھنے لگے کہ اُسے دفعتاً یہ کیا ہو گیا. مگر کرنل بیکر نے ممتاز کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت بھرے انداز سے بڑی متانت سے کہا: "پیارے دوست! تم ہم سب پر بلا وجہ ناراض ہو!... اگر ہمارا کوئی قصور ہے تو صرف یہ ہے کہ ہم انسان ہیں خدا نہیں ہیں. ہمیں تو صرف تکلیف دور کرنے بھر کا اختیار ہے اور موت کے سامنے تو ہم بالکل اسی قدر مجبور ہیں جیسا کہ دنیا کا ایک وحشی سے وحشی ترین وحشی!! ہمکو تم سے دلی ہمدردی ہے. تمہارا دل اسوقت ناامیدی کے صدمے سے بہت مجروح ہے اسلئے تمکو اپنی زبان اور اپنے خیالات پر قابو نہیں باقی رہا ہے... میری رائے ہے کہ تم جاؤ اور منہ ہاتھ دھو کر کچھ دیر آرام کرو.... اور مسز ممتاز کے لئے جو کچھ بھی ہم کر سکتے ہیں ہم نہایت ہی خوشی اور دل سوزی سے کرینگے. تم بالکل اطمینان رکھو."

ممتاز (اسی جنون آمیز انداز سے بڑبڑا)... خدا!! کیا مجھے دنیا میں اب کوئی طاقت بچا نہیں سکتی؟ کیا انسان جو ہر وقت خدا کی تمام مخلوقات کا شہنشاہ ہونے کے نعرے بلند کیا کرتا ہے موت کے سامنے اسقدر بیکس مجبور اور ایسا بے بس اور لاچار ہے...؟"

اسوقت ایک یورپین نرس ادھر سے گذری. کرنل بیکر نے اُسے اشارہ سے بلایا

اور کہا "انکو اپنے ساتھ لیجائیے" اور اس کے بعد آہستہ سے اس نرس کے کان میں کچھ کہا
نرس ممتاز کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر دلجوئی کی باتیں کرتی ہوئی اسے اپنے
ساتھ لے کر چلی گئی۔

ممتاز کے جانے کے بعد ڈاکٹروں میں پھر باتیں ہونے لگیں۔ ڈاکٹر مہتہ نے
کہا "مسٹر ممتاز کی دماغی حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی . . . ناامیدی کے
صدمہ کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا ہے"!

ڈاکٹر لارنس :- واقعی ایسی حسین اور کمسن بیوی کی زندگی سے ناامید
ہو جانا کوئی معمولی صدمہ نہیں ہے۔

کرنل سپکر :- (ہمنوں سے مخاطب ہو کر) مجھے امید ہے کہ آپ لوگ ممتاز کی نالائم
گفتگو کا بُرا اثر نہ لیں گے کیونکہ وہ بدقسمت شخص اس وقت اپنے آپے میں نہیں ہے۔

ڈاکٹر لارنس :- نہیں! نہیں! نہیں! اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی
کیا ہم لوگ خود نہیں سمجھ سکتے؟ . . . . .

اس کے بعد ڈاکٹر عذرا کے لئے دوا وغیرہ کا انتظام کرنے میں مصروف ہو گئے۔۔۔

. . . .

. . . .

ممتاز کا ہاتھ منہ دھلوا کر اور چاء وغیرہ پلوا کر نرس اس سے دل خوش کن اور
اُمید افزا باتیں کرنے لگی۔ مگر ممتاز کے دل و دماغ پر گو صدمے کا وہ پہلا اثر باقی نہیں رہ
گیا تھا اور اس کی طبیعت بھی کسیقدر قابو میں آگئی تھی تاہم اس کے اندرونی ہیجان میں
ابھی زیادہ کمی نہیں تھی۔ وہ نرس کی باتوں کا بددلی اور بے پروائی سے مختصر سا
جواب دیتا تھا اور پھر خاموش ہو جاتا تھا۔ بالآخر نرس بھی خاموش ہو گئی ممتاز نے
نرس کے ہاتھوں سے ایک باتصویر اخبار لینے کو تو لے لیا مگر اس نے نہ اس کی کوئی تصویر دیکھی

اور نہ کوئی سطر پڑھی ۔ وہ اپنے غم آلود خیالات میں ڈوبا ہوا خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ
رہا تھا "بمبئی کے بہترین ڈاکٹر سب کوشش کر چکے!! اب کیا رہ گیا۔۔ بجز ناامیدی
مطلق اور افسوس اور ماتم کے؟ ۔۔۔ ختم ہو گئیں!۔۔۔ آہ ختم ہو گئیں!۔۔۔ تمام انسانی
تدبیریں ختم ہو گئیں!!۔۔۔ موت کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا!۔۔۔ موت کا کسی کے
پاس کوئی جواب نہیں!۔۔۔ کیا یہی دنیا ہے اور یہی اس کی ساری قوت ہے؟ کیا
اسی پر انسان کو اس قدر گھمنڈ ہے؟ ۔۔۔ واہ دیکھ لیا بس کچھ لیا۔۔۔ انسان سے
زیادہ کمزور کوئی ہستی نہیں!!۔۔۔ انسان سے زیادہ جاہل کوئی مخلوق نہیں!!۔۔۔
جس علم پر اسے اتنا ناز ہے۔۔۔ جس دولت پر اسے اتنا غرور ہے جس بلند فکری
اور خوش تدبیری پر اسے اس قدر غرہ ہے وہ سب زندگی کی دشمن موت کے سامنے
کیا ہیں ایک کھیل ہیں ایک تماشا ہیں ایک مذاق ہیں۔۔۔ ایک شعبدہ ہیں۔۔۔ اور کچھ نہیں
علم کی کوئی حقیقت نہیں۔۔۔ دولت کی کوئی قوت اور قیمت نہیں۔۔۔ اور فکر و تدبیر محض
ناسمجھ دل کی تسلی کے جھوٹے بہانے ہیں!!! تو پھر۔۔۔ اب کیا کروں؟ کس سے اپنا درد
دل کہوں؟ کس سے مدد مانگوں؟ کس سے فریاد کروں؟ کون ہے جو میری فریاد
سنے گا؟ کون ہے جو میری مدد کریگا؟ کون ہے جو مجھ دل شکستہ کی دلجوئی کر سکتا ہے؟
کون ہے جو میری ناامیدی میں امید پیدا کر سکتا ہے؟ کون ہے جو میری اجڑنے والی
دنیا کو اجڑنے سے بچا سکتا ہے؟ کون ہے جو میری تیرہ و تاریک زندگی سے ابر غم کی سیاہی
ہٹا سکتا ہے؟۔۔۔ آہ۔ کون اس دل کو ڈھارس دے سکتا ہے جس کا دنیا میں
کوئی ڈھارس دینے والا نہ رہ گیا ہو؟ کون اس انسان کو سہارا دے سکتا ہے جس کا دنیا میں
کوئی سہارا دینے والا نہ رہ گیا ہو؟۔۔۔ اے خدا!۔۔۔ اے خدا۔۔۔ بس تیری ہی ایک ذات
ہے جس سے شکست خوردہ انسان! وہ مجبوریوں کی زنجیروں میں کسا ہوا انسان یاس و ناامیدی
کا سیاہ ڈراؤنی رات میں آنسو بھری آنکھوں سے درد بھرے دل سے

پکارتا ہے اور تو ہی پھر اس کی زیادہ سنتا ہے اس کی مشکل کشائی اور دستگیری کرتا ہے!!
اس کے آنسو پوچھتا ہے۔ اس کے مایوس دل کو ڈھارس دیتا ہے!! تیری روح افزا ہوا
مُردہ اُمیدوں کو زندہ کرتا ہے! تیرا ہی قول ہے کہ تو نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے گنہگار
کے ڈوبتے ہوئے دل کا سہارا ہو جاتا ہے!!... اے خدا..... میری گذشتہ زندگی گناہوں
کا ایک مجموعہ تھی۔ نافرمانیوں کا ایک مرقع تھی غرور اور غفلت کی ایک داستان تھی!!
لیکن اگر تو یہ جانتا ہے کہ میری زندگی ایک سلسلہ تھی گناہوں کا تو تو یہ بھی خوب جانتا ہے
کہ میں نے گناہ کیوں کئے!! اور اگر تجھے میری نافرمانیوں کی خبر ہے تو میری مجبوریوں
اور کمزوریوں کو بھی خوب سمجھتا ہے۔ اے خدا میں اپنے غرور سے بہت پشیمان ہوں
میں اپنی غفلت پر بہت نادم ہوں! تو میرے گناہ بخش دے۔ میری نافرمانیوں
کو معاف کر دے میرے غرور اور غفلت سے درگذر کر۔۔۔ اب میں توبہ کرتا ہوں۔
اور تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک میں اپنی توبہ پر قائم رہونگا! اے خدا میرے
ارادوں کو استقلال اور میرے عہد و پیمان کو پختگی عطا کر۔۔ اور اے میرے غفور الرحیم۔
میری عذرا کو تو اچھا کر دے۔ عذرا کی یہ حالت میری ہی گذشتہ غفلت اور جہالت کا
نتیجہ ہے۔ میں ندامت گناہ کی آگ میں بہت جل چکا!! میری سزا بہت ہو چکی! دنیا ہی میں
میں نے اپنے کئے کا خمیازہ بھگت لیا۔ مگر اے میرے اللہ یہ سزا بے حد سخت ہے کہ تو میری
عذرا کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا۔۔۔ اے خدا گو میں ہر ایک سزا کا مستوجب ہوں
مگر مجھے یہ سزا نہ دے کہ میں عذرا سے اور عذرا مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائے!!...
میں سب کچھ برداشت کر لوں گا مگر اے میرے مولیٰ مجھ سے یہ ہولناک سزا برداشت نہ ہوگی!!

. . . .

. . . .

ممتاز بہت دیر تک ان ہی اندوہناک خیالات میں کھویا رہا اور اسے رحمٰن کا اپنے

خدا سے دل ہی دل میں بڑی عاجزی اور خلوص سے دعائیں مانگتا رہا۔ کمرے میں ہر چیز خاموش تھی۔ مگر کار زندگی ..... پر ایک خوبصورت ہاتھی دانت کی گھڑی "ٹک ٹک ٹک ٹک ٹک" کر رہی تھی ..... وہ زبان حال سے کہہ رہی تھی "اے غافل انسان تو مجھے سمجھا نہیں۔ میری آواز تیری قریب آتی ہوئی موت کا ہولناک پیام ہے!!! تو دنیا کے دھندوں میں لگا ہوا ہے اور میں ہر وقت اس شغل میں ہوں کہ تیری عمر میں سے ایک ایک سکنڈ ایک ایک منٹ ایک ایک گھنٹہ آہستہ آہستہ کاٹتی رہوں۔ یہاں تک کہ تیری عمر ایک دن ختم ہو جائے!!! اور جب تیرے مرنے پر تیرے عزیز و اقارب رو رہے ہونگے اس وقت بھی میں یوں ہی چلتی ہونگی اور تیری زندگی ختم کرنیکے بعد پھر تیرے دیکھنے والوں کی زندگی ختم کرنے میں مصروف ہو جاؤں گی ... سب لوگ اسی غفلت میں پڑے ہیں کہ میرا کام دنیا کو صرف یہ بتانا ہے کہ وقت کیا ہے!!! ... حالانکہ میرا اصلی کام یہ ہے کہ میں آہستہ آہستہ انسان کو اس کی موت کی طرف کھینچتی رہوں اس طرح پر کہ اُسے معلوم نہ ہونے پائے!! اور ہر تیس منٹ کے بعد میرا گھنٹہ بجانا محض گھنٹہ بجانا نہیں ہے بلکہ درحقیقت کاروان عمر کی روانگی کے جرس کی عبرتناک آواز ہے!! .....''

ممتاز اپنے خیالات میں غرق تھا۔ گھڑی چل رہی تھی۔ اور عذرا کی عمر گھٹ رہی تھی۔

. . . .

. . . .

(۲)

دو تین ہچکیوں میں درم نزع کہہ گیا
شرح دماغ زندگی مختصر کو میں

عذرا کے والد کا تو عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر انکی والدہ زندہ تھیں۔ اور بمبئی

ہی میں رہتی تھیں۔ جب ممتاز کو تار گیا تھا تو ایک تار عذرا کی والدہ کے پاس بھی روانہ کر دیا تھا کہ سہ پہر تک وہ مع عذرا کے بڑے بھائی حامد اور اس کی چھوٹی بہن صفیہ کے وہاں پہنچ گئیں۔ عذرا کو نیند آ گئی تھی اور وہ اس وقت سو رہی تھی۔ ڈاکٹروں نے انکو سمجھا دیا تھا کہ عذرا کو جگائیں نہیں اور نہ اس سے باتیں کریں اور صرف اس کو چپکے سے دیکھ لیں اور وہاں سے ہٹ آئیں ۔ ۔ ۔ ۔

صفیہ نے باسط (ملازم) سے دریافت کیا کہ "دولھا بھائی" کہاں ہیں؟ اس نے کہا ڈرائنگ روم میں ہیں۔ عذرا کی والدہ اور حامد تو اپنا اسباب وغیرہ رکھوانے کے لیئے چلے گئے اور صفیہ سیدھی ممتاز کے پاس پہنچی۔ ممتاز کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور دیوار کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ صفیہ کے آنے سے وہ چونک اٹھا۔ اور چہرے پر مصنوعی شگفتگی کے آثار پیدا کر کے اس نے صفیہ کا خیر مقدم کیا اور پوچھا "کیوں صفو! تم کب آئیں؟"

صفیہ:۔ (قریب ہی کرسی پر بیٹھ کر) ابھی تو آ رہی ہوں۔ آپکو خبر نہیں ہوئی؟ آپا کی ذرا آنکھ لگ گئی ہے۔ انکو دیکھ کر میں سیدھی یہاں چلی آئی۔ اماں اور بھائی جان بھی آئے ہیں۔ ذرا اسباب رکھوا رہے ہیں۔۔ کیوں دولھا بھائی کیا آپا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی؟ ڈاکٹر تو کہتے تھے کہ اب سکون ہے۔ اور نیند بھی آ گئی ہے۔

ممتاز:۔ ہاں اختلاج کا دورہ ہوا تھا۔ مگر پھر خدا کے فضل سے طبیعت سنبھل گئی۔!!

صفیہ:۔ اور یہ آپکا چہرہ کیوں اترا اترا سا معلوم ہوتا ہے!! طبیعت تو اچھی ہے؟

ممتاز: اچھا تو ہوں دراصل بات یہ تھی کہ رات ذرا نیند کم آئی تھی!!

صفیہ: اور تعجب ہے کہ آپا نے اب تک ہمیں اپنی طبیعت کا کچھ حال ہی نہیں لکھا آج ایک دم سے جو تار پہنچا تو ہم سب کے ہوش اڑ گئے۔

ممتاز:۔ ہاں مجھے بھی تو کوئی خبر نہ تھی۔ تار ہی سے مجھے بھی معلوم ہوا۔ ایک ہفتہ سے انہیں اختلاج کی شکایت ذرا بڑھ گئی تھی تو انہوں نے خود بخود نرسوں کو بلا لیا اور کسی کو غالباً اس لئے خبر نہیں کی کہ وہ سمجھتی تھیں کہ معمولی شکایت ہے۔ دو چار دن میں چلی جائے گی۔ سب کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟

صفیہ:۔ ڈاکٹر تو اطمینان دلاتے ہیں کہ بہت جلد انشاء اللہ صحت ہو جائیگی... تار دیکھ کر تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا... راستہ بھر دل کی عجیب کیفیت رہی مگر خیر یہاں آ کر ذرا کچھ اطمینان نصیب ہوا۔ خدا کرے آپا جلدی سے اچھی ہو جائیں بیچاری بہت دُبلی اور کمزور ہو گئی ہیں!!

ممتاز:۔ مرض چلا جائے تو کمزوری جاتے کتنی دیر لگتی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دفعتاً ایک نرس دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی اور جلدی جلدی سانس لیتے ہوئے ممتاز سے کہنے لگی۔ چلئے! چلئے! مریضہ کی حالت دفعتاً بہت خراب ہو گئی ہے چلئے!! مریضہ دم توڑ رہی ہیں!! جلدی چلئے!!

ممتاز کا چہرہ فق ہو گیا!! صفیہ تھر تھر کانپنے لگی!!! دونوں بے تحاشا عذرا کے کمرے کی طرف دوڑے۔ دوسری طرف سے حامد اور عذرا کی والدہ دوڑتی ہوئی پہونچیں سب کمرے میں ایک ساتھ داخل ہوئے تو دیکھا کہ عذرا چت لیٹی ہے سانس اُس کی اکھڑی اکھڑی چل رہی ہے۔ اور آنکھیں پتھرا گئی ہیں.....

ہر شخص منہ کھولے آنکھیں پھاڑے رنج و غم حیرت و استعجاب کی تصویر بنا ہوا عذرا کو دیکھ رہا تھا.....

ممتاز: (سفید سفید کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نرس کو مخاطب کر کے) جلدی سے ڈاکٹروں کو بلا لاؤ جلدی!!! بہت جلدی!!!

نرس فوراً باہر دوڑی گئی۔ ڈاکٹر دلو ہی آ رہے تھے۔ کرنل بکر سب سے پہلے کمرے

میں داخل ہوا اور جاکر عذرا کی نبض پر ہاتھ رکھ کر وہ دیر تک دیکھتا رہا۔ ممتاز مجنونانہ انداز سے کبھی ڈاکٹر کا منہ کبھی عذرا کا چہرہ تک رہا تھا۔۔۔۔۔
ڈاکٹر نبض پر سے آہستہ سے ہاتھ ہٹا کر ممتاز سے کہا: "اب مریضہ کے لئے دعا کیجئے! دوا کا وقت گیا!" ممتاز کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے جسم کی ساری طاقت کسی نے دفعتاً سلب کر لی۔ وہ سر سے پیر تک بید کی طرح کانپنے لگا۔ اسکا دماغ سُن ہو گیا اور دل کی کیفیت اس کی یہ تھی کہ اُسے معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹا اب ٹوٹا۔۔۔۔۔
عذرا کی والدہ گریہ آلود دلگرفتہ آواز میں بولیں: "ہائے میری عذرا کو یہ کیا ہو گیا! اے میرے اللہ کیا تو نے مجھے اسی دن کے لئے زندہ رکھا تھا کہ آج میں اپنی بچی کو اس طرح اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے ہوئے دیکھوں؟! ہائے۔۔۔ میری عذرا۔ خدا تجھ پر رحم کرے!"۔۔۔ اور یہ کہہ کر وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ صفیہ ممتاز کا شانہ پکڑ کر روتی ہوئی کہنے لگی: "دولہا بھائی! دولہا بھائی! ہائے میری آپا کو یہ کیا ہو گیا!" اور یہ کہہ کر ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔
ممتاز کے چہرے پر خون کا ایک قطرہ نہ تھا۔ اور آنکھوں میں ایک آنسو نہ تھا۔ قوت گویائی اس کی جاتی رہی تھی اور وہ اس طرح کھڑا ہوا تھا جیسے کوئی دیوانہ ہو!!! حامد بہت دیندار، سلجھا ہوا اور سمجھدار شخص تھا۔ اس نے صفیہ کو ممتاز سے الگ کر کے اپنی والدہ سے کسیقدر سختی سے کہا: "اماں اس وقت دھاڑیں مار مار کر رونے کا وقت نہیں ہے۔۔۔ کلمہ پڑھیئے کلمہ۔۔۔ دعا کیجئے کہ اس کی مشکل آسان ہو۔۔۔ رونے کے لئے ابھی بہت وقت پڑا ہے!" یہ کہہ کر حامد با آواز بلند کلمہ پڑھنے لگا۔۔۔ عذرا کی والدہ بھی روتی جاتی تھیں اور کلمہ پڑھتی جاتی تھیں۔ صفیہ بھی کلمہ پڑھنے لگی۔ ممتاز نے کوشش کی کہ وہ بھی کلمہ پڑھے ہونٹ تو اس کے ہلے مگر نہ اس کی زبان سے الفاظ نکلے اور نہ اس کے منہ سے آواز!!!
عذرا کی حالت میں بھی رفتہ رفتہ کسی قدر تغیر پیدا ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں تو اٹھ

پتھرائی ہوئی آدھی کھلی اور آدھی بند تھیں!! مگر سانس پہلے سے مقابلتہً کم ہو گئی تھی اور درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی تھی... جیسے کوئی سانس لیتے لیتے تھک گیا ہو!! عذرا کی سانس رفتہ رفتہ کم نہیں ہو رہی تھی بلکہ کوئی خوبصورت چراغ آہستہ آہستہ بجھ رہا تھا.....

ممتاز عذرا کی مسہری سے بہت ہی قریب کھڑا ہوا تھا مگر اس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عذرا اس سے بہت دور بیٹھی ہوئی ہے اور ہر ایک چیز اس کی ایسی دکھائی پڑتی تھی جیسے اس سے بہت فاصلہ پر ہو۔ اور کلمہ پڑھنے کی آوازیں بھی اسکے کانوں میں اسطرح آرہی تھیں جیسے کسی بہت گہرے تہ خانے کے اندر لوگ کلمہ پڑھ رہے ہیں...

عذرا کی سانس کم ہوتی گئی.... یہاں تک اب یہ بہت مشکل سے محسوس ہوتا تھا کہ سانس ابھی لے رہی ہے یا نہیں۔

پھر یکے بعد دیگرے کچھ رک رک کر اور کسیقدر جھٹکے کے ساتھ دو مرتبہ ہچکی سی آئی اور اسی کے ساتھ فرشتہ سیرت بلند خیال، عالی ہمت وفادار عذرا کی پاک روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی!!! ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بھولا معصوم بچہ آہستہ آہستہ روتے روتے اور سسکیاں لیتے لیتے سو گیا ہو!!

حامد "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہتا ہوا آگے بڑھا اور مجبے تھرائے ہاتھ سے اس نے عذرا کی نیم باز آنکھیں بڑی آہستگی اور نرمی سے بند کر دیں۔ ہاتھ سیدھے کر دیئے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا "عذو! عذرا کے دولار کا نام! تم بہت جاگ چکیں اب آرام سے سو جا... خدا تمہیں جنت نصیب کرے!!! پھر اسکے بعد مستقل مزاج حامد سے بھی رہا نہ گیا۔ اور یہ کہتے ہوئے ہائے میری عذو! تیرے یہ دن مرنے کے نہ تھے!!" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور روتا ہوا کمرے کے باہر چلا گیا!!.......

کچھ دیر بعد کرنل بیکر ممتاز کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے باہر لے آئے اور ایک صوفے پر لا کے

بٹھاکر اس کو تسلیاں دینے لگے۔

ایک نرس نے صفیہ اور عذرا کی والدہ سے کہا "اب آپ بھی باہر چلیئے۔ یہاں ٹھہر کر اب کیا کیجئے گا!" عذرا کی والدہ نے رو کر کہا "ہائے ابھی میری بچی سے مجھ کو الگ نہ کرو!!! وہ مری نہیں ہے!! وہ تو سوگئی ہے ..... اسی طرح وہ بچپن میں کبھی کبھی سسکیاں لیتے لیتے سو جاتی تھی!... " اور اتنا کہہ کر وہ پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں .... نرس اس کے بعد ان سے کیا کہتی مگر صفیہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بڑی ہمدردی سے وہ اسے لیئے ہوئے کمرے کے باہر چلی گئی!!! دوسری نرس اور عذرا کی والدہ کمرے میں رہ گئیں!!! نرس نے عذرا کا جسم حسب دستور درست کر کے اُسے سر سے پیر تک ایک شال اوڑھادی عذرا کی والدہ کچھ عرصہ تک تو زار و قطار روتی رہیں پھر جب روتے روتے ذرا ان کے آنسو کچھ کم ہوئے تو انھوں نے لوبان وغیرہ جلوایا اور کرسی عذرا کی مسہری کے قریب کھینچ کر قرآن شریف لے کر بیٹھ گئیں اور تلاوت کرنے لگیں ... رہ رہ کر آنسو ڈپٹہ سے پونچھتی جاتی تھیں اور تلاوت کرتی جاتی تھیں!!! ....

....

....

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

سارے گھر پر ایک غیر معمولی سناٹا چھایا ہوا تھا غم آلود خاموشی نے ہر چیز پر اپنا تسلط کر لیا تھا۔ لوگ چلتے پھرتے تھے تو بہت آہستہ آہستہ دبے پاؤں اور باتیں کرتے تھے تو بہت چپکے چپکے جیسے کوئی سو رہا ہو اور خیال یہ ہو کہ ذرا سی آہٹ یا شور سے کہیں اسکی آنکھ نہ کھل جائے!!... ڈاکٹر اٹک سر جھکائے مغموم سنجیدہ صورتیں بنا کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فی الحقیقت یہ مرنے والی کی تعظیم نہ تھی بلکہ اس میں

بلائے نئے مہمان کا خوف اور احترام تھا جس کا نام موت ہے!! موت کے سامنے سرکش اور مغرور انسان کیسا ساکت اور صامت ہو جاتا ہے؟ موت کے سامنے خواہ وہ کسی کی بھی ہو... امیر آدمی اپنی امارت مغرور آدمی اپنا غرور۔ بد دماغ آدمی اپنی بد دماغی بیرحم آدمی اپنی بیرحمی۔ ملحد اپنا الحاد اور کافر اپنا کفر کچھ دیر کے لئے بھول جاتا ہے!!! موت کے سامنے زندگی ہیچ دنیا کم قیمت اور اس کی لذتیں پھیکی غیر حقیقی اور بیہودہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ موت اصلی زندگی کی منزل اول ہے۔ اور دنیا کے تمام مذہبوں اور فلسفوں کی بنیاد موت ہے۔ موت کا دل ہلا دینے والا عبرت خیز نظارہ عذرا کا وجود اور مذہب کی ضرورت دلوں پر نقش کر دیتا ہے... چنانچہ عذرا کی موت نے اور سب پر تو جو اثر کیا تھا وہ کیا ہی تھا مگر ممتاز کی طبیعت کو ممتاز کے خیالات کو اُس نے دفعتاً منقلب کر دیا!!

. . . .

دفعتاً منقلب کر دیا!!.....

عذرا کا جنازہ قریب ۹ بجے رات کو اٹھایا گیا.... اسوقت تک ممتاز کے دوست احباب اور عذرا کے عزیز واقارب اور جاننے والوں کا ایک کثیر مجمع ہو گیا تھا بمبئی میں عذرا اور ممتاز سے زیادہ کوئی ہر دلعزیز نہ تھا جنازے کے ساتھ سینکڑوں آدمیوں کا ہجوم تھا۔ اور جنازہ اٹھتے وقت کوئی آنکھ نہ تھی جو پر اشک نہ ہو کیونکہ کوئی دل نہ تھا جس میں عذرا کی فرشتہ سیرت زندگی اسکے بے مثل خلق۔ اور شریفانہ برتاؤ کا گہرا نقش نہ موجود ہو!!

یہ ایک مشہور بات تھی کہ کسی شخص نے آج تک عذرا کی پیشانی پر شکن نہیں دیکھی تھی۔ ذرا ذراسی بات پر اس کا چہرہ ہنسی یا مسکراہٹ سے کسی خوشرنگ پھول کس طرح شگفتہ ہو جاتا تھا۔ لوگ ہنسیں ٹھٹھا کیا کرتے تھے کہ گو عذرا اور اسکے سالہا سال

کے مراسم تھے مگر انھوں نے کبھی اس کو کسی کی برائی یا غیبت کرتے نہیں سنا۔ اور جب کبھی اس کے سامنے کوئی کسی کی بُرائی کرتا تھا تو وہ ان کے ان افعال کی جن پر نکتہ چینی کی جاتی تھی کوئی نہ کوئی اچھی تاویل کرنے کی کوشش ضرور کرتی تھی اور ممتاز سے جو اس کو محبت تھی وہ محبت نہ تھی بلکہ ایک پرجوش مگر خاموش مستقل ملکوتی جذبۂ ایثار تھا جو بڑی سے بڑی آزمائشوں پر حقارت سے مسکراتا تھا اور برائے نام بھی کبھی ان کا اثر نہیں لیتا تھا۔

وہ ممتاز کو چاہتی تھی پھر ممتاز کی برائیاں بھی تو ممتاز ہی کا ایک جزو تھیں اس لئے اس کو وہ برائیاں بُرائیاں ہی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ اس کو ممتاز کی برائیوں سے بھی محبت تھی۔ اس کی محبت کا مقولہ یہ تھا "سب کچھ دیدو اور کچھ لینے کی خواہش نہ کرو۔" رقابت سے زیادہ سخت محبت کا کوئی امتحان نہیں ہوتا۔ مگر عالی ظرف عذرا اس سے بھی کبھی متاثر نہیں ہوئی۔

محبت چوں تمام افتد۔ رقابت از میاں خیزد٭ بہ طوف شعلے پروانہ با پروانہ می سازد

اس کا عقیدہ تھا کہ آزادی کامل ہی کی فضا میں محبت پھل پھول سکتی ہے اور گرفتاری میں محبت اگر فنا نہیں ہو جاتی تو مجروح ضرور ہو جاتی ہے!! وہ اکثر کہا کرتی تھی میرا ایمان ہے کہ سچی محبت کبھی ناکامیاب نہیں ہوتی اور ناکامیاب وہی محبتیں ہوتی ہیں جو جھوٹی ہوتی ہیں اس کی شریعت کا یہ بھی ایک خاص اصول تھا کہ دنیائے محبت میں بیوفائی محض ایک تکلیف دہ مرض ہے اور محبت ہی اس کی دوا ہے اور بیوفائی اور اخلاقی لغزشیں ہمیشہ عارضی ہوتی ہیں بشرطیکہ محبت سچی گہری اور بے غرض ہو!! خواہ وہ کسی فریق کی ہو!!!

غرض کہ عذرا ایک بیش بہا اور بے نظیر ہستی تھی اور وہ عذرا کا جنازہ نہیں تھا بلکہ وہ جنازہ تھا حسین ترین محبت کا بلند ترین ایثار کا جسے لوگ اپنے کاندھوں پہ اٹھائے

سے لئے جا رہے تھے !!!

عذرا کو سپردِ خاک کر کے جب ممتاز واپس آیا تو ممتاز وہ ممتاز ہی نہیں رہ گیا تھا وہ بالکل ایک بدلا ہوا شخص تھا...... عذرا کی ناگہانی موت نے ممتاز کو دفعتاً ایک نئی زندگی بخش دی۔ عذرا کی زندگی کا انجام ممتاز کی زندگی کا آغاز تھا.... عذرا نے مر کر ممتاز کو زندہ کر دیا۔ دراصل جو عذرا کی زندگی نے نہیں کیا وہ عذرا کی موت نے کر دکھایا.........

گھر واپس آکر ممتاز نے اپنی عمر میں شاید پہلی مرتبہ حضوریِ قلب اور انتہائی خشوع و خضوع سے نماز ادا کی اور نماز کے بعد اس کی ندامت کے آنسو عرصہ تک تھمے نہیں۔ وہ اپنے آپ کو عذرا کی موت کا ذمہ دار سمجھتا تھا اور اس کا یہ احساس اتنا قوی تھا کہ اگر وہ عذرا کو اپنے ہاتھ سے بھی قتل کرتا تو شاید اُسے اپنے جرم کا اس سے زیادہ احساس نہ ہوتا... ساری رات اس نے توبہ و استغفار اور گریہ وزاری میں صرف کی۔ اور علی الصباح وہ نماز پڑھ کر عذرا کی نئی نئی قبر پر گیا اور اس کے سرہانے بیٹھ کر دیر تک اس مٹی کے ڈھیر کو دیکھتا رہا جس کے نیچے عذرا پڑی سو رہی تھی۔ قبر کی مٹی ابھی تک ویسی ہی نم تھی اور پھولوں کی چادر جو اس پر بچھائی گئی تھی ابھی تک ویسی ہی تروتازہ تھی۔ قبر کو دیکھتے دیکھتے ممتاز سوچنے لگا۔ کیا زندگی کا ماحصل یہی ہے؟ کیا دنیا کے جتنے راستے ہیں سب اسی مقام پر آکر ختم ہو جاتے ہیں؟ ظالموں کے راستے اور مظلوموں کے راستے۔ جابروں کے راستے اور مجبوروں کے راستے۔ امیروں کے راستے اور فقیروں کے راستے۔ شاہوں کے راستے اور گداؤں کے راستے۔ حسینوں کے راستے اور بدصورتوں کے راستے۔ شریفوں کے راستے اور ذلیلوں کے راستے۔ کیا سب گھوم پھر کر اسی مختصر سی مٹی کے گھر تک آتے ہیں اور یہاں پر آکر گم ہو جاتے ہیں؟۔ یہیں آکر دنیا کا اہم ترین سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مختصر سی مٹی کے گھر کے آگے کیا ہے؟ اس کے آگے صرف مُردوں ہی مُردوں کی خاموش بستی ہے یا کچھ

آگے زندوں کی بھی کوئی نئی اور پُراسرار دنیا آباد ہے؟ کیا موت کے بعد کوئی دوسری زندگی بھی ہے یا موت کے بعد صرف نیستی ہی نیستی ہے؟ کیا موت ایک خاتمۂ ابدی ہے یا موت محض ایک تبادلۂ مکانی ہے؟ کیا فانوس عنصری سے علٰحدہ ہو جانے کے بعد شعلۂ روح بدستور فروزاں رہتا ہے یا جس طرح شمع جلتے جلتے یک بیک بجھ جاتی ہے روح بھی یکبارگی یوں ہی فنا ہو جاتی ہے اور جس طرح شمع کے بجھ جانے کے بعد یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی روشنی کیا ہوئی اور کہاں گئی اسی طرح کیا زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد بھی کچھ سراغ نہیں ملتا کہ روح کیا ہوئی اور کہاں چلی گئی۔؟؟

یہی وہ بھول بھلیاں ہے جہاں عقل انسانی راستہ کھو بیٹھتی ہے اور ادھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہے!! اور یہیں پر انسان کو اپنے علم و عقل کی انتہائی قلت اور مذہب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے!! اور مذہب بھی کیسا مذہب؟ انسان کی ناقص اور محدود عقل کا ایجاد کیا ہوا مذہب نہیں وقتی ضروریات اور دنیوی مصلحتوں کے سانچے میں ڈھلا ہوا مذہب نہیں بلکہ خدا کا الہام کیا ہوا مذہب۔ خدا کا بنایا ہوا مذہب خدا کا بھیجا ہوا مذہب۔ وہی اور صرف وہی اس بھول بھلیاں سے انسان کی بھٹکتی ہوئی کم بضاعت عقل کو نکال کر صحیح شاہراہ پر لگا سکتا ہے؟ وہی انسان کے غیر مطمئن دل کو اطمینان اور پریشان دماغ کو سکون بخش سکتا ہے!!!.........

انسان کی چند روزہ زندگی میں اگر کوئی اہم اور یقینی چیز ہے تو وہ موت ہے مگر یہ ایک عجیب تماشہ ہے کہ ہر انسان بجز اپنے سب کو حادث اور فانی سمجھتا ہے! اور یہ خیال کہ اس کو بھی ایک دن مرنا ہے اُسے صرف اسی وقت آتا ہے جب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے کسی کو دم توڑتے یا دفن ہوتے یا اس کی لاش کو جلتے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ بھی صرف ذرا سی دیر کے لئے!! دنیا میں موت اور قبر ہی دو ایسی سبق آموز اور عبرت انگیز چیزیں ہیں جو نہایت ہی موثر پیرائے میں انسان کو اس کا فانی ہونا اور

ساتھ ہی اس کے خدا کے وجود کی یاد دلاتی ہیں !!! اور یوں تو دنیا میں ہر چیز خدا کی تعلیم دیتی ہے اور ہر مخلوق وجود خالق کی ناقابلِ انکار دلیل ہے !!!

آہ۔ عذرا۔ ابھی کل تک تم اسی قدر زندہ تھیں جیسا اس وقت میں ہوں!!! اور آج تم زمین کے نیچے پڑی ہو اور میں زمین کے اوپر بیٹھا ہوں اور گو میں تم سے کس قدر قریب ہوں مگر آہ کس قدر دور ہوں!!! ابھی کل تک تم مجھ کو اپنی محبت بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ تمہاری نازک باہیں میرے گلے میں پڑی ہوئی تھیں۔ تم مجھ سے باتیں کررہی تھیں شکوے شکایتیں کررہی تھیں۔ تم مجھے اپنے سینہ سے لگائے ہوئے تھیں۔ اور میرے گرم گرم آنسو تمہاری ریشمی قمیض کو تر کر رہے تھے۔ اور آج آہ آج۔ میری عذرا تم کفن میں لپٹی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی زمین پر خاموش اور بے حس و حرکت پڑی ہو اور میں نہ تمہارے نرم نرم ہاتھوں کے بوسے لے سکتا ہوں نہ تمہارے حسن ملکوتی سے فروزاں چہرے کو دیکھ سکتا ہوں۔ نہ اپنے دل کا راز تم سے کہہ سکتا ہوں اور نہ تمہارے دل کی بات تم سے سن سکتا ہوں..... آہ میری عذرا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مرنے والی ہو تو میں تم سے کبھی بیوفائی نہ کرتا۔ کبھی تمہیں کوئی تکلیف نہ دیتا کبھی تمہارے نازک دل کو اذیت نہ پہنچاتا..... میں کیسا بے عقل۔ کیسا اندھا۔ کیسا کمینہ۔ کیسا ذلیل تھا۔ میں تمہاری خوبیاں نہ پہچان سکا۔ تمہاری قدر نہ کرسکا۔ تم سے ویسی محبت نہ کرسکا جس محبت کی تم ہر طرح سے مستحق تھیں۔!!!..... آہ تمہیں کھو کر مجھے معلوم ہوا کہ تم کیا تھیں؟ تم مجسمۂ محبت تھیں! تم تصویر ایثار تھیں! تم ظاہر میں عورت اور باطن میں فرشتہ تھیں!!! اور اگر تم واقعی عورت ہی تھیں تو عذرا میں اب بحلف کہہ سکتا ہوں کہ ایثار کا مل ترین نام عورت ہے..... اور عورت کی محبت وہ بلند جذبۂ ملکوتی وہ کیفیت الوہی ہے جس کی دور ترین سرحد کے قریب بھی مرد کی محبت نہیں پہنچ سکتی!!! مرد کی محبت کا جزو اعظم بہیمیت ہے عورت کی محبت کا جزو اعظم روحانیت ہے!!! اور یہی نہیں ساری کائنات عالم میں عورت

فی الحقیقت ہر معنی میں جنس لطیف ہے!! بمقابلہ مرد کے عورت یقیناً خدا اور ملائکہ سے قریب تر ہوتی ہے اور بہ نسبت مرد کے عورت زیادہ صابر۔ زیادہ باحیا۔ زیادہ معصوم زیادہ پاکیزہ خیال زیادہ وفا پرست ہوتی ہے۔ دنیا میں عورت محض مرد کی عارضی تفریح کے لئے نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ عورت مرد کی طبیعت خام کی تنظیم و تخلیق کے لئے پیدا کی گئی ہے!! عورت مرد کو زندگی کے بلند زینوں پر لیجانے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مرد کی مادیت اور عورت کی روحانیت ایک دوسرے کی محتاج ہے اور دونوں کا مناسب اتحاد مقصد حیات اور مطمع زندگی ہے!!.......

"دنیا کی عظیم الشان ہستیاں۔ دنیا کے شاندار فاتح۔ دنیا کے مشہور فلاسفر۔ دنیا کے بزرگ ترین پیغمبر۔ عورت ہی کے خون سے بنے ہیں۔ عورت ہی کی گود میں پلے ہیں عورت ہی کی بے نظیر محبت اور ایثار کے گہوارے میں انھوں نے نشوونما پائی ہے پھر عورت جائز فخر کے ساتھ کیوں نہ کہے "جنت؟ میرے قدموں کے نیچے جنت ہے!!.........

"مگر میرے تمام خیالات کس قدر بے سود ہیں! میری یہ تمام مذاہتیں کس قدر بیکار ہیں۔ میرا یہ سارا فلسفۂ حیات کس قدر بے محل اور بے مصرف ہے..... میں نے فلسفہ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ انسان کو خوشی یا مصیبت سے متاثر نہ ہونا۔ چاہئے۔ خوشی یا مصیبت کا عکس انسان کے قلب پر صرف اِسی قدر اور اِتنی ہی دیر تک پڑنا چاہئے جیسا ایک آئینہ پر کسی اڑتی ہوئی خوبصورت یا بدصورت چڑیا کا عکس گذرتے ہوئے پڑتا ہے!! مگر یہ سب خوشنما خرافات صرف محراب و ممبر ہی سے اچھے معلوم ہوتے ہیں! دراصل بذات خود فلسفہ بالکل بیکار ہے اور خیالات کا محض ایک الجھاؤ اور فریب ہے فلسفہ مجھے کچھ نہیں سکھاتا ہے مگر صرف یہ کہ میری عذرا مر گئی اور اب وہ مجھے پھر نہیں مل سکتی!!! (بیکبارگی فرط غم سے) آہ عذرا! عذرا! تو مری نہیں! تجھے کسی کی بیرحمی نے مارا ہے!

تجھے کسی کی بیوفائی نے مارا ہے! تیری جان اسی نے لی ہے جس پر تو جان نثار کرتی تھی ہائے عذرا! تیرا قاتل تیرا پیارا۔ راممتاز ہے" یہ کہہ کر ممتاز اپنے گھٹنوں پر گر پڑا اور عذرا کی نرم نرم قبر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس نے اپنے سینہ سے لپٹا لیا اور بے اختیار زار و قطار رونے لگا یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں!!......

صبح کا وقت تھا مشرق کے افق پر بڑھتی ہوئی سرخی طلوع ہونے والے آفتاب کی پیشوائی کر رہی تھی!! قبرستان بالکل سنسان پڑا تھا۔ اس میں کوئی متنفس نہ تھا..... لیکن اگر کوئی ہوتا بھی تو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ اور کوئی نہیں بلکہ بمبئی کا مشہور و معروف کروڑپتی اور آزاد خیال دہریہ ممتاز ہے جو حالت وارفتگی میں دیوانہ وار ایک تازہ قبر کو سینے سے لپٹائے ہوئے معمولی ناسمجھ انسانوں کی طرح رنج و ندامت کے آنسو بہا رہا ہے!!!

اس وقت فضا میں اس ندامت انگیز شعر کا نغمۂ الم اندوز گونج رہا تھا۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

....

....

چوالیسواں باب

کہاں ہم اور کہاں سالک وہ ہنگامے محبت کے
اب اک گوشہ میں بیٹھے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں

عذرا کے انتقال کے قریب پندرہ دن کے بعد نعمان منزل کے بالاخانے

ایک کمرے میں ایک شخص مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد مصلّے پر بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ تسبیح پڑھ رہا ہے۔ چہرے پر اس کے کچھ جھریاں سی پڑی ہوئی ہیں۔ رنج و غم نے اس کے رُخ اور پیشانی پر اپنا خاص کتبہ لکھدیا ہے۔ اُس اداس چہرے پر ایک مختصر سی بھورے رنگ کی فرنچ کٹ داڑھی نے اس کے قیافے کی متانت میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے!! آنکھیں اس کی بند ہیں۔ اور اس کے بشرے سے انتہائی استغراق نمایاں ہے......

کمرے میں صرف ایک سبز بجلی کے قمقمے کی ہلکی ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی ہے........

کسی نے آہستہ سے چق اٹھائی اور کمرے کے اندر چلا گیا۔ یہ ایک خوشرو نوجوان تھا جو انگریزی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور پھر اس کی نظر اس شخص پر پڑی جو آنکھ بند کئے ہوئے تسبیح پڑھ رہا تھا۔ وہ سمجھا کہ یہ کوئی مہمان ہے جو اس کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے اور اس وقت عبادت میں مشغول ہے.... وہ فوراً باہر آیا اور ملازم کو اُس نے پھر بلا کر پوچھا.... "ممتاز کہاں ہیں؟" ملازم نے کہا۔ ابھی تو گھر ہی میں تھے مگر شاید نیچے چلے گئے ہوں آپ چل کر وہیں بیٹھئے میں نیچے جاکر دیکھتا ہوں۔" نوجوان پھر اسی کمرے میں داخل ہوا۔ مگر اب اس کے اندر آنے میں کچھ دروازہ کھٹکا۔ مصلّے پر جو شخص بیٹھا ہوا تھا اُس نے سر اٹھایا اور آنے والے کو نگاہ بھر کر دیکھا...... بیساختہ اس کے مُنہ سے نکل گیا "انور؟" انور نے تعجب سے پھر اس شخص کی طرف غور سے دیکھا اور یکبارگی پہچان کر اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ "ارے ممتاز؟"

ممتاز فوراً ایک عجیب جوش و اضطراب سے اٹھا اور وہ بے تحاشا انور سے لپٹ گیا۔ انور نے بھی ممتاز کے گلے میں باہیں ڈال کر اُسے خوب زور سے اپنے سینے سے لگا لیا..........

دونوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور دونوں بچھڑے ہوئے

دوست اس طرح ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر رونے لگے جیسے دو عاشق و معشوق ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہوں۔ دیر تک دونوں کی یہی حالت رہی رفتہ رفتہ ذرا انور کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ ممتاز کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب ہی ایک صوفے کے پاس لے گیا اس پر اسے بٹھا کر خود بھی اس کے پاس اسے اپنے پہلو میں لپٹائے ہوئے بیٹھ گیا ممتاز کے آنسو کسی طرح تھمتے ہی نہ تھے۔ نہ معلوم کیا کیا خیالات اسکے دل میں گذر رہے تھے؟ اس کو اپنی اور انور کی ابتدائی ملاقات۔ پھر گہری دوستی۔ پھر سچی محبت کا خیال آ رہا تھا اس کو مہ جبین کا اس کے اور انور کے درمیان آنے کا منظر دکھائی دے رہا تھا پھر انور سے کشیدگی پھر مخالفت پھر دشمنی پھر مہ جبین کی محبت کا جنون۔ اور عذرا کی خودداری، وفاشعاری اور بے نظیر ایثار و استقلال پھر عذرا کی انور کے ساتھ خوش عقیدگی۔ پھر اپنی بے رخی سنگدلی بیوفائی۔ اور عذرا کی صحت کا رفتہ رفتہ خراب ہونا اور اس کی بے پروائی۔ پھر عذرا کا آخری تار۔ اس سے آخری ملاقات اور پھر عذرا کی موت۔ اور اس کی ندامت۔ اس کی توبہ اس کی زندگی کا حیرت انگیز انقلاب!! پھر انور کا اس حالت میں اس کے پاس خود بخود آنا جیسے ممتاز نے اس کے ساتھ کوئی برائی ہی نہیں کی تھی!!! یہ سب باتیں اُسے عجیب چبھتے ہوئے درد کے ساتھ یاد آ رہی تھیں اور اس کے دل میں نیش و نشتر کا کام کر رہی تھیں!!

انور کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کہے اور کس طرح ممتاز کی دلجوئی کرے! لہذا اس نے محبت سے ممتاز کا سر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور اس کے سر کو آہستہ آہستہ خاموشی سے اس طرح تھپ تھپانے لگا جیسے کوئی کسی بچے کو تھپ تھپاتا ہے اور خود بھی رہ رہ کر وہ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتا جاتا تھا۔ بالآخر جب اس کو ذرا اپنے اوپر قابو ہوا تو اس نے بھاری بھاری آواز میں ممتاز سے کہا...... "ممتاز بس اب نہ رو دو بھی جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔" ممتاز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ابھی اس قابل نہیں ہوا تھا کہ جواب دے سکے۔ انور نہایت محبت آمیز انداز سے ممتاز سے تسلی بخش باتیں

کرتا رہا۔ اور اسے مختلف طریقوں سے سمجھاتا رہا۔ ہوتے ہوتے ممتاز کو کسی قدر سکون ہوا۔ اور وہ رفتہ رفتہ انور سے کچھ کچھ باتیں کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں ممتاز نے ایک آہ سرد بھر کر کہا۔ انور میری طبیعت میں کچھ عجیب قسم کا انقلاب ہو گیا ہے مجھے تو اب معلوم ہوتا ہے کہ پیاری عذرا کے بعد زندگی میں کسی چیز سے مجھے کوئی دلچسپی ہی نہیں باقی رہ گئی مجھے زندگی ایک عظیم الشان دھوکا اور دنیا کی ہر چیز بالکل مصنوعی۔ اور غیر حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ انور دنیا اور زندگی میں اگر کسی چیز کو حقیقی اور یقینی کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف موت ہے!!

انور:۔ تمہارے دل و دماغ پر یہ محض ایک عارضی اثر ہے جو کچھ عرصے کے بعد خود بخود زائل ہو جائے گا۔..........

ممتاز:۔ معلوم نہیں۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے تمہارا خیال بالکل صحیح ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل غلط ہو!!

انور:۔ خدا جس سے محبت کرتا ہے اس کی سختی سے تنبیہہ بھی کرتا ہے اور جن کی تنبیہہ نہیں ہوتی ان کو جو کچھ ملنا ہوتا ہے وہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور نہ انصافاً ہونا چاہیئے!! ممتاز میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ یہ اثر تم پر عارضی نہ ہو بلکہ مستقل اور دیرپا ہو!!

ممتاز:۔ انور۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ عذرا مرحومہ۔ آہ مجھے عذرا کو آج مرحومہ کہنا پڑتا ہے۔ افسوس زندگی بھی کیسا عجیب و غریب ڈرامہ ہے اور کیسے جلدی جلدی اس کے پردے اور سین بدلتے ہیں۔!! (آہ سرد بھر کر) ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ عذرا مرحومہ تمہاری بیحد معتقد تھیں۔ جب میں تمہارا جانی دشمن ہو رہا تھا اس وقت بھی وہ تمہاری نہایت پرجوش وکیل تھیں!! ان کا اعتقاد تمہاری سچائی۔ تمہارے خلوص اور تمہاری محبت پر بڑی سے بڑی آزمائشوں میں بھی کبھی متزلزل نہیں ہوا.... عجیب فرشتہ صفت طبیعت اس لڑکی نے پائی تھی!! بے شبہہ وہ ایک انوکھی ہستی تھی!!........

انور:۔ سب سے پچھلی مرتبہ میری ملاقات عذرا سے باندرے میں ہوئی تھی ایں کیا جانتا تھا کہ وہ میری آخری ملاقات ہے.... جب ساری دنیا میرے خلاف تھی اس وقت صرف عذرا میرے موافق تھیں...... مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ابھی کل کی بات ہے!!

ممتاز:۔ ہاں۔ انور میں اپنی باتوں میں تم سے تمہاری سرگذشت پوچھنا تو بھول ہی گیا۔ یوں تو میں نے تمہارے متعلق قسم قسم کی افواہیں سُنی مگر اب میں خود تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

انور:۔ بہت طول طویل داستان ہے مگر خیر تم سننا چاہتے ہو تو سنو۔

اس کے بعد انور نے اپنی اور مہ جبیں کی پہلی ملاقات سے لیکر اپنی گرفتاری اور رہائی تک کے تمام واقعات نہایت تفصیل اور تشریح کے ساتھ ممتاز سے بیان کردیئے ممتاز بڑے انہماک سے سنتا رہا اور جب انور نے اپنی سرگذشت ختم کی تو یہ کہنا مشکل تھا۔ کہ حیرت مع ندامت۔ افسوس۔ اور انتشار میں سے کون جذبہ اسکے قلب پر زیادہ حاوی تھا... دہ دیر تک عجیب سناٹے میں بیٹھا رہا۔ انور نے کہا خیر مجھ پر جو کچھ گذری وہ گذر ہی چکی۔ اس کا افسوس ہی کیا۔ مگر اس وقت سب سے اہم اور مشکل عقدہ یہ ہے کہ کشور کو ان بیرحم ظالموں کے پنجوں سے کس طرح رہا کیا جائے؟

ممتاز نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اسی طرح عالمِ سکوت و جمود میں بیٹھا رہا۔ انور نے پھر کچھ دیر تک جواب کا انتظار کرکے پوچھا "بتاؤ۔ ممتاز میں کیا کروں؟ تم ہی کوئی راہ نکالو۔ میری تو عقل کام نہیں کرتی۔"

ممتاز:۔ کیا بتاؤں؟ میری بھی سمجھ میں اس وقت کوئی تدبیر نہیں آرہی ہے ساڑھے سات لاکھ روپیہ دینے کا سوال تو کوئی ایسا مشکل سوال نہیں ہے کیونکہ اتنی رقم تو میں خود نہایت آسانی سے تمہیں دے سکتا ہوں۔ مگر جس عیار اور بیرحم گروہ سے تمہارا سابقہ پڑا ہے اس سے یہ سمجھنا کہ ساڑھے سات لاکھ روپیہ دیکر تمہیں نجات مل جائے گی بہت

بڑی غلطی ہے...... یہ تو ایک غیر متناہی سلسلۂ جبر کی پہلی کڑی ہو گی۔ اور جب تک تمہیں اور کشور کو وہ کوڑی کوڑی کا محتاج نہ کر دیں گے وہ تم دونوں کی جان نہ چھوڑیں گے اور مجھے تو یہاں تک بدگمانی ہے کہ اس وقت بھی تم دونوں کو زندہ چھوڑنا ان بدخصالوں کی مصلحت کے خلاف ہو گا۔

انور:۔ تم بالکل سچ کہتے ہو!! میرا ذہن اس طرف گیا ہی نہ تھا میں تو ابھی تک سات لاکھ کے فراہم کرنے ہی کے ادھیڑ بن میں مبتلا تھا۔

ممتاز:۔ یہی تو اس میں ایک نکتہ ہے اور اسی لئے میں اس وقت یہ نہیں سوچ رہا ہوں کہ روپیہ کہاں سے لاؤں یا کشور کو کس طرح ان کی قید سے چھڑاؤں بلکہ یہ سوچ رہا ہوں کہ بغیر تمہاری یا کشور کی جان کو خطرے میں ڈالے ہوئے میں اس ناپاک گروہ کا کس طرح پوری طور سے قلع قمع کر دوں!!

انور:۔ حیرت سے! قلع قمع تم کیسے ان کا کر سکتے ہو اور ان کے قلع قمع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہمیں تو صرف کشور کو کسی نہ کسی طرح ان کے پنجوں سے چھڑا لانا ہے۔!!

ممتاز:۔ یہی تو تمہاری ناتجربہ کاری ہے..... تم تو دنیا میں اپنی ہی طرح سب کو سچا نیک اور ایماندار سمجھتے ہو۔ حالانکہ دنیا میں ایماندار بہت کم اور دغاباز بہت زیادہ ہیں اور اگر بہترین نہیں تو محفوظ ترین اصول عمل دنیا میں یہی ہے کہ ہر شخص کو ناقابل اطمینان سمجھو جب تک کہ وہ قابل اطمینان ثابت نہ ہو جائے!!..... اس وقت صرف کشور کی گرفتاری یا آزادی ہی کا سوال نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے کون نیست و نابود ہو۔ یہ خطرناک اور ناپاک گروہ یا تم اور کشور؟........

انور:۔ لیکن ممتاز اگر تم نے برائے نام بھی کوئی کارروائی ان درندوں کے خلاف کی تو پھر کشور کی خیریت نہیں ہے اور نہ میری خیریت ہے اس کا تو مجھے پورا یقین ہے!! میرا خیال ہے کہ میرے پیچھے ہر وقت ان کا ایک جاسوس لگا رہتا ہے اور مجھے تعجب نہ ہو گا کہ اس وقت بھی کوئی جاسوس تمہارے مکان کی نگرانی کر رہا ہو۔

ممتاز:۔ یہ تو بالکل لازمی ہے۔ اس میں شک کیا ہے؟ وہ لوگ ایسے احمق اور بلید نہیں ہیں کہ تم کو

آزاد بھی کردیں اور تمھاری نقل و حرکت کی جاسوسی بھی نہ کریں۔۔۔۔ یہی تو سب بھید کیاں ہیں جنہوں نے اس معاملے کو اس قدر مشکل اور خطرناک بنادیا ہے!!

یہ کہہ کر ممتاز کھڑا ہو گیا اور سر جھکائے ہوئے کمرے میں خاموشی سے ٹہلنے لگا۔

۔۔۔۔ انور بھی فرش پر نگاہیں جمائے گہری سوچ میں پڑ گیا۔

ممتاز:۔ (ٹہلتے ٹہلتے رک کر) ۔۔۔۔ انور تمہارا ایک نوکر تھا۔ شکور۔۔۔۔ آجکل وہ کہاں ہے؟

انور:۔ (خیالات سے چونک کر)۔۔۔ شکور؟۔۔۔۔ ہے تو!! وہ میرے ساتھ ہی ہے!!

ممتاز:۔ ہوں!!۔۔۔۔۔ !!۔۔۔۔۔

ممتاز پھر اسی طرح گردن جھکائے ہوئے ٹہلنے لگا! انور پہلے تو اس کی متفکر صورت امید وبیم کی حالت میں خاموشی سے کچھ دیر تک دیکھتا رہا پھر وہ بھی دیوار کو ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھنے میں مصروف ہو گیا

کچھ دیر کے بعد ممتاز نے انور کو اس طرح مخاطب کیا" اچھا تم ایک کام کرو۔ شکور کو یہاں آج ہی رات کو قریب دو بجے بھیج دو۔ اس سے کہہ دینا کہ بھیس بدل کر آئے!! اور اب تم یہاں نہ آنا۔۔۔ مجھ سے اور تم سے اب صرف ٹیلیفون کے ذریعہ سے باتیں ہونگی یا شکور کے ذریعہ سے۔ اور تم سے اگر سوال ہو کہ میرے یہاں کیوں آئے تھے تو یہ کہدینا کہ۔۔۔۔ تم کچھ روپیہ قرض لینے آئے تھے مگر کسی اور کام کے بہانے سے اور میں نے سختی سے انکار کر دیا۔۔۔۔ اور دیکھو ابھی میں تمہیں بیچ اپنے احاطہ کے پھاٹک تک رخصت کرنے جاؤنگا۔ احاطہ میں پہنچکر تم مجھ سے خفگی سے باتیں کرنے لگنا اور میں تمہیں خفگی سے جواب دوں گا۔ اور پھاٹک تک پہنچتے پہنچتے تم سے اور مجھ سے سخت لڑائی ہوجائیگی!! تم بلند آواز کر کے مجھے سخت سست کہنا اور میں بھی تمہیں اسی طرح جواب دونگا اور آخر میں تمہیں دھکا دیکر پھاٹک سے نکال دوں گا اور تم مجھے برا بھلا کہتے ہوئے اور دھمکیاں دیتے ہوئے چلے جانا۔۔۔ نہایت ہوشیاری سے پارٹ کرنا۔۔۔ جیسے کالج میں ہم تم کیا کرتے تھے!!۔۔

انور:۔ (کسی قدر مسکرا کر) اچھا۔ بات تو تم نے اچھی سوچی ہے۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد کچھ اور تھوڑی سی باتیں کرکے انور اور ممتاز کوٹھے پر سے نیچے اترنے لگے ہوئے تھے

ممتاز نے چپکے سے انور سے کہا میں نے دیکھ لیا ایک شخص میرے پھاٹک سے قریب ۲۰ یا تیس گز کے فاصلے پر کھڑا سگریٹ پی رہا ہے۔ ذرا ہوشیاری سے پارٹ کرنا نیچے احاطے میں پہنچتے ہی دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے پھاٹک کے قریب پہنچکر اُن کی غصے سے بھری ہوئی آوازیں دور دور تک پہنچنے لگیں۔

انور:۔ (خفگی سے) میں تم کو آج تک اپنا سچا دوست سمجھتا تھا مگر تم نہایت طوطا چشم اور جھوٹے ثابت ہوئے......

ممتاز:۔ (بڑی زور سے خفگی کے لہجہ میں) جاؤ! جاؤ! میرے بنگلے سے نکل جاؤ۔ میں فقیروں اور بھک منگوں کا دوست نہیں ہوں اور علاوہ اس کے تم نے میرے ساتھ ایسی ایسی دغابازیاں کی ہیں کہ میں انھیں حشر تک نہ بھول سکتا ہوں اور نہ معاف کرسکتا ہوں۔

انور:۔ بیشک! میں آج تم سے روپیہ نہ مانگتا تو تمہیں میری برائیاں بھی نظر نہ آتیں۔ ساری خرابی تو یہی ہوئی کہ میں نے تم سے قرض مانگا.... جب تم میری مصیبت میں کام نہ آئے تو میں ایسی دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تم سے زیادہ مکار اور خود غرض دنیا میں کوئی نہ ہوگا!!۔

ممتاز:۔ (چلاکر)..... جاتا ہے کہ میں تجھے گردن میں ہاتھ ڈال کر نکال دوں!!!

انور:۔ (چلاکر) بس خاموش۔ زبان سنبھال بات کر۔

اس پر ممتاز نے انور کو مارنے کو ہاتھ اٹھایا انور نے ممتاز کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر ممتاز نے غصے میں انور کو زور سے دھکا دیکر پھاٹک کے باہر نکال دیا...... انور نے خفگی کے لہجے میں چلاکر کہا..... اچھا! ممتاز! اچھا۔ میں اس توہین کو کبھی معاف نہ کرونگا! اس کا ایسا بدلہ لونگا کہ تم بھی عمر بھر یاد کروگے!!!......

یہ کہتا ہوا انور جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور ممتاز بھی انور کو برا بھلا کہتا ہوا اپنے بنگلہ کیطرف روانہ ہوگیا۔ دو تین راہگیر جو اس طرف سے جا رہے تھے اور جو یہ

ٹرالی دیکھنے کے لئے ٹہر گئے تھے آگے بڑھ گئے۔ کچھ دور پر جاکر انور نے ایک خالی ٹیکسی کو جو اُدھر سے
جارہی تھی روکا اور اس پر سوار ہو گیا..... اور اپنے خود ساختہ ڈرامے پر دل
ہی دل میں مسکرانے لگا ....

دوسرے دن صبح کو انور کشور کے موٹر کے کارخانے کے دفتر میں بیٹھا ہوا
تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی..... اس نے ریسور اٹھالیا اور پوچھا "کون ہے؟" جواب
ملا آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے باتیں کر رہے ہیں"۔

انور:- میرا نام انور ہے اور میں امپیریل موٹر اسٹورز سے باتیں کر رہا ہوں۔ آپ کون ہیں؟
جواب ملا "میں ہوں۔ مس انور۔ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟"

انور:- بہت اچھی طرح سے۔ کہئے آپ کہاں سے باتیں کر رہی ہیں؟

مس:- اس سے آپ کو کیا مطلب؟ آپ کے پاس اس وقت کوئی ہے؟

انور:- کوئی نہیں۔

مس:- کیا میں اطمینان سے بلاخوف باتیں کر سکتی ہوں؟

انور:- ہاں ہاں نہایت اطمینان سے!! کہئے! کیا ارشاد ہے!!

مس:- مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مسٹر ممتاز کے یہاں آتے جاتے ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے؟

انور:- صرف اس قدر صحیح ہے کہ میں کل شام کو اُن سے ملنے گیا تھا!......

مس:- اور اُن سے جاکر آپ نے سارا راز کہہ دیا؟

انور:- آپ اتنی سمجھدار ہو کر ایسی باتوں کا یقین کر لیتی ہیں۔ میں تو آپ
سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس کا پورا احساس ہے کہ اگر میں آپ کے خلاف کوئی
سازش کروں گا تو اپنا ہی نقصان کرونگا اور کشور کی جان کو خطرے میں ڈالوں گا......
آپ بیکار بدگمانی کرتی ہیں۔

مس:- تو پھر آپ مسٹر ممتاز کے یہاں کل کیوں گئے تھے!!

انور:۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ میں پُرسے میں گیا تھا۔ اور اُن سے میں نے اُس کی بھی سلسلہ جنبانی کی کہ وہ مجھے ایک خاص ضرورت کیلئے ساڑھے سات لاکھ روپیہ قرض دیدیں مگر انھوں نے نہایت ترشروئی سے انکار کر دیا جس پر مجھ سے اور ان سے سخت تکرار ہوگئی۔۔ اور انھوں نے میری بیحد توہین کی۔۔۔۔ اب میں ہرگز انکے گھر نہ جاؤنگا۔ وہ نہایت نامعقول آدمی ہیں "

مس:۔ (ہنسکر) میں یہ کبھی نہ مانتی مگر اتفاق سے میرے جاسوس نے آپکی لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھی اور مجھ سے کل رات ہی کو اسکی رپورٹ کی۔ اسلئے میں یقین کرنے کو تیار ہوں۔ مگر یہ تو بتائیے کہ آپنے مسٹر ممتاز سے یہ تو نہیں کہا کہ ہم لوگوں کو دینے کیلئے روپیہ درکار ہے ہم۔

انور:۔ (ہنسکر) آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ اگر میں ان سے یہ وجہ بیان کرتا تو پھر پورا راز ہی نہ کہہ دیتا؟ اب میں جاکر کہیں اور کوشش کرونگا۔ ممتاز کے پاس اسلئے گیا تھا اُن سے ساڑھے سات لاکھ یکمشت مل جاتا مگر اب تو تھوڑا تھوڑا کئی جگہ سے قرض لینا ہوگا اور اس میں بھی خاصی دشواریاں ہونگی مگر آپ اطمینان رکھئے کہ میں ہر وقت اسی فکر میں لگا ہوں اور لگا رہوں گا اور جس قدر جلد ہو سکے گا آپ کو روپیہ دیکر کشور کو رہا کراؤنگا۔۔۔۔۔"

مس:۔ اس میں زیادہ دیر نہ ہونی چاہیئے۔ اور میں آپ کو پھر دوستانہ صلاح دیتی ہوں کہ آپ معاہدے کی خلاف ورزی نہ کیجئیگا خیریت اسی میں ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتائے دیتی ہوں کہ ہماری خفیہ پولیس بھی ہر جگہ لگی ہوئی ہے اور ہمیں آپ کی ذرا ذرا سی بات کا پوست کندہ حال برابر معلوم ہوتا رہتا ہے۔۔۔۔ اور یوں آپ کو اختیار ہے۔ جو چاہے کیجئے!!

انور:۔ جیسا مجھے اختیار ہے وہ بھی آپ کو خوب معلوم ہے!! کشور سے زیادہ تو خود میں آپ کے اختیار میں ہوں!!

مس:۔ (ہنسکر) خیر! مجھے اس کی خوشی ہے کہ آپ ابھی تک نہایت سمجھ بوجھ کر کام کر رہے ہیں!!۔۔۔۔ اچھا تو خدا حافظ۔ کشور بہت اچھی طرح سے ہیں۔ خاطر جمع رکھئے!!۔۔۔۔۔

یہاں پر باتوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور انور کے چہرے پر شگفتگی کے آثار نمایاں ہونے لگے!!

دل میں۔ ممتاز کی پہلی تدبیر تو بہت کامیاب ہوئی!! آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ شکور کریں نے رات ہی بھجا دیا، مگر ابھی تک وہ آیا نہیں..... خدا کرے سارا کام خیر و خوبی سے ہو جائے!! اگر ذرا بھی کہیں غلطی ہوئی تو غضب ہی ہو جائے گا..... مگر مجھے یقین ہے کہ ممتاز کی تدبیر میں کوئی خامی نہ ہو گی!!..... بیچارہ کیسا بدل گیا ہے!! میں نے تو ایسا انقلاب کبھی دیکھا ہی نہیں۔ عذرا بھی عجیب چیز تھی!! خدا اس کی مغفرت کرے!!..... اس کی زندگی کس قدر ناکامیاب تھی اور اس کی موت کس قدر کامیاب ہوئی!!"......

پینتالیسواں باب

خیر توبہ کی ہو یا رب کہ بتِ توبہ شکن
دستِ نازک میں لئے جامِ شراب آتا ہے

ممتاز انور سے ملنے کے دوسرے دن قریب ۱۲ بجے اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا ایک خاموش اور فکر مند انداز سے سگریٹ پی رہا تھا اور اس کا غیر معمولی دماغ کسی مشکل اور ثقیل مسئلے سے دست و گریبان تھا۔ استغراق کے عالم میں اس کے سگریٹ کی راکھ برابر اس کے کپڑوں پر گرتی جاتی تھی مگر اس کو اس کا ہوش نہ تھا.......

دفعتاً باہر پورٹیکو میں ایک موٹر آ کر رکا۔ ممتاز کو اس کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ وہ اپنے گہرے خیالات سے اس وقت چونکا جب اس کے خدمتگار نے آ کر کہا "حضور! آپ سے ملنے کیلئے کوئی صاحبہ آئی ہیں!! انہوں نے کوئی کارڈ نہیں دیا۔ صرف یہ کہہ دیا ہے کہ صاحب سے کہہ دینا کہ ان کی ایک جاننے والی ان سے ملنا چاہتی ہیں!!"

ممتاز کسی قدر تعجب سے "میری جاننے والی؟..... کوئی نام نہیں بتایا؟..... آخر

کیسی ہیں وہ؟

خدمتگار:۔ حضور ہیں تو بالکل لڑکی سی۔ بہت ہی کمسن۔ اور کسی شریف اور امیر گھرانے کی معلوم ہوتی ہیں......

ممتاز:۔ (دل ہی دل میں) کون ہو سکتی ہیں؟..... اچھا........ خیر ..... جاؤ...... انھیں یہیں بھیجدو۔!!

تھوڑی ہی دیر میں ڈرائینگ روم کی چق اٹھی اور ممتاز کی حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے مہ جبین کسقدر شرماتی ہوئی آکر کھڑی ہو گئی..... ممتاز اسے اسی طرح حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا حسب عادت اخلاقاً کھڑا ہو گیا..... مہ جبین نے اپنی سریلی آواز میں دلآویز انداز سے کہا "ممتاز صاحب! آداب عرض..... مزاج تو اچھا ہے!" ممتاز نے سلام کا جواب لینے کو تو دیدیا مگر معلوم نہیں اس نے کیا کہا کیا نہیں کہا۔ مہ جبین نے بے تکلفی سے یہ کہتے ہوئے "تشریف رکھئے میں اس قدر تعظیم کی مستحق نہیں" ممتاز کے قریب ہی ایک آرام کرسی پر دلربایانہ ناز و انداز سے ساری کا آنچل سنبھالتی ہوئی بیٹھ گئی۔ ممتاز کہاں تو باتیں کرنے میں بمبئی کے ماہرترین شخص سمجھے جاتے تھے کہاں اسوقت یکبارگی انکے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی اور وہ ایک حالت گمشدگی میں فرش سے نظر بازی کرنے میں مصروف ہو گئے!! مہ جبین نے تکلیف دہ سکوت کو یہ کہکر توڑا۔

"ممتاز صاحب!! مجھے یہاں خلاف امید دیکھ کر آپ کو ضرور ایک اچنبھا سا ہوا ہوگا۔ مگر میں مرحومہ کی تعزیت میں آئی ہوں اور اس کا بھی اظہار و اقرار کرنے آئی ہوں کہ مجھے بےحد قلق ہیکہ میں نادانستہ آپ پر مصیبت لانے کا باعث ہوئی!!..... خدا جانتا ہے کہ میں نے حتی الامکان ہمیشہ سعی کی کوشش کی کہ آپکو باندھ رکھوں مگر یہ میرا قصور نہ تھا کہ میں کامیاب نہیں ہوئی اور کیسے ہوتی؟..... جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو کر رہتا۔ خدا کی مشیئت یہی تھی۔ اس میں انسان کو اختیار ہی کیا ہے؟..... لیکن پھر بھی رہ رہ کر میرے دل میں یہ کھٹک ہوتی ہے کہ اس دلخراش حادثے کی اصلی وجہ میں ہوں۔"

ممتاز:۔ (غمگین لہجے میں) تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں، خود مجھی کو خراب ہونا تھا تم نے تو مجھے جہاں تک ہو سکتا تھا واقعی بہت روکا مگر میں خود ہی آگ میں کود پڑا .... تم کرتیں تو کیا کرتیں؟ .... خیر .... یہ بھی ایک دورِ جنون تھا جو خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ختم ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ......

مہ جبین:۔ (شبہ کے لہجے میں) .... ہاں خدا کرے یہ انقلاب دوامی ہو .... یہ بھی ایک عجیب و غریب اتفاق ہے کہ آپ کے ساتھ ہی ساتھ میری زندگی میں بھی بالکل خلاف امید ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جو آپ کی زندگی کے انقلاب سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے .... مگر شاید آپ ابھی اس سے واقف نہیں۔

ممتاز:۔ نہیں۔ مجھے خوب معلوم ہے۔ آپ کا واقعہ سنکر مجھے بے حد مسرت ہوئی .. میں آپ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ اتفاق سے کل ہی مجھے انور کی زبانی معلوم ہوا۔

مہ جبین:۔ (خوشگوار تعجب سے) .... انور کی زبانی؟ .... وہ آپکو کہاں ملے؟ اُن کا تو عرصہ سے پتہ نہیں۔

ممتاز:۔ ہاں۔ کل تو وہ آئے تھے۔ شب کو دیر تک اُن سے باتیں ہوتی رہیں

مہ جبین:۔ یہ تو آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی .... مجھے بیحد تشویش تھی .... اور میرا خاص مقصد یہاں آنے میں ایک یہ بھی تھا کہ شاید کہ آپ سے انور کا کچھ حال معلوم ہو جائے۔

ممتاز:۔ (کسی قدر طنز سے) مجھے یہ سنکر مسرت ہوئی کہ آپ کی انور پرستی ابھی تک اسی نقطۂ عروج پر ہے جہاں وہ ابتدا میں تھی ......

مہ جبین:۔ (کسی قدر شوخی سے) تو کیا آپکو اس کی بھی امید تھی کہ جنونِ عشق کے انداز کبھی چھٹ بھی جائینگے یا چھٹ بھی سکتے ہیں!! اگر آپ کا یہ خیال تھا تو پھر آپ عورت اور اس کی غیر فانی محبت کو ابھی تک نہیں سمجھے۔ انور کی محبت میری فطرتِ ثانیہ ہو گئی ہے .... میں جبتک اپنے ہوش میں ہوں اُنھیں بھول نہیں سکتی اور شاید بیہوشی میں بھی میری زبان سے اگر کچھ نکلیگا تو

انوری کا نام نکلیگا۔"

مہ جبین کی اس تقریر سے ممتاز کے دل میں ایک چوٹ سی لگی۔ اسے عذرا یاد آ گئی اور عذرا کی عمیق اور غیر فانی محبت یاد..... اس کو وہ دن یاد آ گیا جب وہ رات کو شراب پی کر آیا تھا اور اس کی صبح کو بیٹھا ہوا عذرا سے باتیں کر رہا تھا...... اور عذرا کا اُسے خود اسی کا مقولہ یاد دلانا کہ عورت اپنی زندگی میں صرف ایک ہی شخص کو چاہتی ہے.... اس کے بعد وہ ساری گفتگو اُسے یاد آ گئی جو اُس دن اُس سے اور عذرا سے ہوئی تھی......

اس کا دل یک بیک نہایت خلش آمیز طریقے سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنی گردن جھکا لی اور دیر تک دم بخود بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عذرا اُسے سمجھ نہ سکی۔ باوجود اتنی ذہین اور فہیم ہونے کے وہ مرد کے دل کی اصلی حالت صرف اس وجہ سے نہ سمجھ سکی کہ وہ عورت تھی......

یا شاید سمجھنے کے بعد بھی وہ اپنے دل کو جو پھر بھی ایک عورت اور ایک محبت کرنیوالی عورت کا دل تھا سمجھا نہ سکی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی اندرونی خلش اسی اندرونی کرب کی وجہ سے وہ بالآخر قبر کے منہ کا نوالہ ہو گئی...... اس کے اندوہگیں دل میں پھر عذرا کا غم تازہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اس کا چہرہ مرقع رنج و الم ہو گیا۔ اسکی رگوں میں خون کے ساتھ ندامت کے نشتر دوڑنے اور چبھنے لگے......

مہ جبین کو ممتاز کی غمناک صورت دیکھ کر بہت ترس آیا۔ اس کا دل پسیج گیا۔ اور اُس نے ایک بیساختہ انداز سے ممتاز کا ہاتھ اپنے نرم نرم ہاتھوں میں لے کر بڑے موثر اور ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"ممتاز صاحب!..... مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے.... خدا کیلئے اسقدر رنج نہ کیجئے مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔" مہ جبین کا اتنا کہنا ممتاز کے لئے ستم ہو گیا۔ اسکی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ برانگیختہ جذبات نے اس کی آواز کچل دی۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسکی گردن اور جھک گئی.... سیلاب اشک جذبات کو روکنے کے لئے اسنے اپنی انگلی اپنے دانتوں میں

زور سے دبائی۔۔۔۔۔

اس کا دل دکھا ہوا تھا۔۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ مہ جبین نے بجائے بے رخی اور بیدردی کے اس سے مہربانی اور سچی ہمدردی کا برتاؤ کیا تھا۔ اور یہ کون مہ جبین تھی؟ وہی جسکے لئے اس نے اپنی زندگی خراب کر ڈالی۔ وہی جس کی محبت کے جوش نے اسکو عقل و ہوش سے بیگانہ کر دیا وہی جسکے حاصل کرنے کے لئے اس نے عذرا کو ہمیشہ کے لئے کھو دیا۔ وہی جس نے باوجود اسکی انتہائی وارفتگی۔ وفا پرستی اور ستم کشی کے کبھی اس سے کوئی امید افزا سلوک نہیں کیا۔۔۔ وہی مہ جبین اب کس خلوص اور ہمدردی سے اس کا ہاتھ اپنے نازک ہاتھوں میں دبا کر کہہ رہی ہے "ممتاز صاحب! مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا کے لئے اسقدر رنج نہ کیجئے مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔۔۔"

اور یہ کب کہہ رہی ہے؟۔۔۔ یہ اس وقت کہہ رہی ہے جب اس کی محبت کی آگ قریب قریب بجھ چکی ہے۔ جب عذرا کی موت نے اس کے خون کے ناپاک ابال کو بظاہر ہمیشہ کے لئے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔

یہ بھی زندگی کا ایک المناک اتفاق تھا کہ جب وہ اپنی پہلی زندگی کو دفن کر کے بالکل ایک دوسری زندگی اختیار کر چکا تھا جب وہ توبہ و استغفار کر کے ندامت کے آنسو بہا کر۔ اپنے خدا سے صلح کر چکا تھا۔ اسی وقت مہ جبین جسکی محبت میں اس نے اپنے آپکو مٹا دیا تھا اکیلی اس تک تنہا آئی ہے اور اس سے خلوص اور ہمدردی سے لگاوٹ کی باتیں کرتی ہے!!۔۔۔۔۔

اس کے دل میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا۔ کہیں یہ لڑکی حسن کی دیوی کی شکل میں کوئی شیطان تو نہیں ہے جس نے مجھے تباہ و برباد کرنیکا تہیہ کر لیا ہے؟ اس کا میرے پاس اس طرح یکہ و تنہا آنا میری نئی زندگی کا پہلا امتحان تو نہیں ہے؟ کہیں خدا میرے نئے عہد و پیمان میرے نئے وعدوں اور ارادوں کی آزمائش تو نہیں کر رہا ہے؟۔۔۔

ممتاز نے اپنی جھکی ہوئی گردن اٹھائی اور مہ جبین کے بھولے بھولے چہرے کو تنقیدی نظر سے بغور دیکھنے لگا۔

سرمئی رنگ کی بیحد حسین ریشمی ساری اسکے کندن کیطرح دمکتے ہوئے رنگ کو اور بھی چمکا رہی تھی۔

اسکی لمبی لمبی نرگسی آنکھیں افسونِ شباب لئے ہوئے۔ اس کے نرم اور ملائم یاقوتی ہونٹ
اسکی مختصری پتلی پتلی نازک کمر۔ اس کا نہایت دلربایانہ تناسب۔ اس کا پُر حجاب انداز سے
ممتاز کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے ہوئے اُسے دُزدیدہ نگاہوں سے دیکھنا۔

یہ مہ جبین کی ساری جادوکاریاں ممتاز کی نئی نئی زندگی کے نئے نئے ارادوں کو شکست دینے کی کھلی ہوئی سازش کر رہی تھیں!! مہ جبین کے شباب کی ساری ستم آفرینیاں ممتاز کی توبہ کے مضبوط مگر نوساختہ قلعہ کو توڑنے اور فتح کرنے کے لئے نوچ کشی کر رہی تھی۔ فی الحقیقت بیچارے ممتاز کے نو آموختہ استقلال کو متزلزل کر دینے کے لئے اس پر اس سے زیادہ طاقتور اور خطرناک یورش ہونا غیر ممکن تھی.........

وہ مہ جبین سے صرف ایک فٹ کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مہ جبین کے کپڑوں اور جسم کی مخلوط خوشبو اس کے دماغ میں ایک شورش برپا کرنے لگی۔ مہ جبین کے حسن و شباب کی مقناطیسیت اس کے دل کی رگوں کو یک بیک کھینچنے لگی۔ ممتاز کی طبیعت پر ایک سرور آمیز سُکر کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مہ جبین کی دلفریب اور سحر کار قربت کا اس پر وہی اثر ہونے لگا جو بہت ہی لطیف نشہ آفرین دلکش نغموں کا کسی موسیقی پرست نوجوان پر ہوتا ہے جو اپنے دل میں عشق کی جراحتیں اور محبت کے داغ لئے ہوئے ہو..... اس کے سارے جسم میں ایک خفیف لرزش ٹھنڈی بالکل برف کی طرح محسوس ہونے لگی۔ اس کے دماغ میں اس قسم کے خیالات پیدا ہونے لگے...

میں نے تو توبہ کرلی ہے..... اس کی محبت کو دفن کر دیا ہے..... میرے ندامت کے آنسوؤں نے اسکے حُسن کی لگائی ہوئی آگ کو بجھا دیا ہے مگر اس میں ذرا کلام نہیں کہ حسن اس لڑکی پر ختم ہے!!! اگر دنیا کا بہترین مصور سادگی و پُرکاری بیخودی و ہشیاری اور حسن کے جرأت آزما تغافل کی خوشنماترین تصویر کھینچے تو اُسے اس لڑکی کی نظر فریب صورت کا عکس اتارنا پڑیگا اگر دنیا کا مشہور ترین بت تراش زن نے حسن کا خوبصورت ترین بت بنائے تو اُسے اسی لڑکی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے بدن اور دلربا صورت کی نقل کرنا پڑیگی... اس میں ذرا شک

نہیں کہ اس پیکرِ حسن کے لئے اگر کوئی اپنا دین و ایمان کھو بیٹھے اپنی دنیا و آخرت خراب کر ڈالے تو کوئی تعجب نہیں..... اگر میں نے اپنے آپ کو اسکے لئے تباہ کر دیا تو کون مجھ پر الزام رکھ سکتا ہے! میری یہ حماقت ہزار با عقلمندیوں سے بڑھ کر ہے میری یہ لغزش ہزار ہا عبادتوں سے بہتر ہے!!

..... مہ جبین! مہ جبین!... میری آرزوؤں کی دنیا۔ میری جان تمنا! میری مقصد حیات..... کون سی قربانی دنیا میں ایسی ہے جو تیرے لئے نہ کی جا سکے!! کونسا ایثار دنیا میں ایسا ہے جو تیرے لئے نہیں ہو سکتا؟

..... افسوس تجھے مجھ پر رحم اب آیا..... آہ تیرا دل میرے لئے اب پسیجا!"......

ممتاز مہ جبین کو پرستش بھری اور لرزاں نگاہوں سے دیکھنے لگا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی ساری روح اس کے جسم سے کھینچکر اس کی آنکھوں میں آ گئی ہے..... مہ جبین ممتاز کی مبہوت صورت اور نگاہ ہزار داستان دیکھ کر شرما گئی اور اس نے ممتاز کا ہاتھ جلدی سے چھوڑ دیا۔ اس کی پر حجاب نگاہیں زمین پر گڑ گئیں۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح دمکنے لگا۔

ممتاز نے دبے ہوئے جوش سے کہا "پیاری مہ جبین وہ جملہ ذرا پھر کہنا جو تم نے ابھی کہا تھا۔ تمہارے منہ سے کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے!!"

مہ جبین (نگاہیں جھکائے ہوئے تجاہل عارفانہ کے طور پر) کون سا جملہ؟ میں سمجھی نہیں!

ممتاز :۔ وہی.... کہ مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے خدا کے لئے اسقدر رنج نہ کیجئے مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔

مہ جبین :۔ (اپنی ساری کے آنچل سے کھیلتے ہوئے اور نظریں نیچی کئے ہوئے) تو یہ تو میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔ مجھے درحقیقت آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔

ممتاز :۔ (یاس آمیز لہجے میں)... بس... دلی ہمدردی؟... صرف دلی ہمدردی؟ ..... مہ جبین کیا میں اس سے زیادہ کا مستحق نہیں؟

مہ جبین (نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی سے) ممتاز صاحب تعجب ہے کہ آپ اتنے سمجھدار ہو کر

اب تک یہ نہ سمجھ سکے کہ دنیا میں حق اور استحقاق پر ہمیشہ فیصلہ نہیں ہوتا۔ اور خاص کر دنیائے محبت میں تو کبھی اس پر فیصلہ ہوتا ہی نہیں۔ دل اکثر اسی پر مچلتا ہے جسے بجز ہمارے ساری دنیا غیر مستحق خیال کرتی ہے اور جس کو دنیا مستحق سمجھتی ہے وہ ہمیں اکثر مستحق نظر نہیں آتا اور ہمارا دل اس سے نہ معلوم کیونکر گریز کرتا ہے!! فلسفۂ محبت کا یہ ایک تعجب انگیز معمہ ہے جسے میں ہر وقت محسوس تو کرتی ہوں مگر گونگے کے خواب کی طرح کسی کو سمجھا نہیں سکتی۔

ممتاز:۔ کیسی پیاری بات تم نے کہی ہے!!۔۔۔ کیا پیاری اور خوبصورت لڑکیاں پیاری اور خوبصورت باتیں بھی کرتی ہیں؟ واقعی محبت کے قانون اور قاعدے ساری دنیا سے نرالے ہوتے ہیں!!! آج تک یہی طے نہیں پایا کہ کیوں کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے!!!

مہ جبین (خفیف تبسم کے ساتھ) اور نہ کبھی طے پائیگا!!۔۔۔۔ اب تمثیلاً یہی دیکھئے کہ۔۔۔ مجھے انور سے محبت ہے۔ آپ نہیں۔ انور کو کشور سے محبت ہے۔۔۔ مجھ سے نہیں لیکن اگر عقلی دلائل کو اس میں دخل دیا جائے تو ان دونوں کششوں اور کشیدگیوں کی واقعی کوئی مضبوط یا تسکین دہ وجہ نہیں بیان۔۔۔۔ کیجا سکتی مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ کشش اور کشیدگیاں موجود ہیں اور نہایت ناگوار شدت سے موجود رہینگی میں آپ سے بے رخی کرتی ہوں مگر آپ مجھ سے بیزار نہیں ہوتے کشور سلطانہ انور کو نہایت احسان فراموشی سے ذلیل کر کے اپنے گھر سے نکال دیتی ہیں۔ مگر انور ہیں کہ پھر بھی ان ہی کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ میں انور کی پرستش کرتی ہوں۔ انور مجھ سے بھاگتے ہیں۔۔۔۔ عذرا آپکی پرستش کرتی تھیں۔ آپ اُن سے بھاگتے تھے!! وہ آپکے لئے دست کش اپنی جان کھو بیٹھیں۔ پیوند خاک ہو گئیں مگر آپکے سر سے ابھی تک میری محبت کا سودائے خام نہیں گیا۔ یہ بھی زندگی کی عجیب غریب ستم ظریفیاں ہیں!!!" ممتاز جس کے چہرہ کا رنگ مہ جبین کے دوران تقریر میں بدلنے لگا تھا بجائے جواب دینے کے لاجواب ہو کر بالکل خاموش ہو گیا۔۔۔ اس کے جذبات میں ایک "سری لہر آئی" اس کے خیالات نے یکبارگی ایک پلٹا کھایا۔ اور اسنے خوفزدہ ہو کر محسوس کیا کہ وہ کس بلندی سے کس پستی کیطرف سرعت سے چلا جا رہا تھا۔

قریب تھا کہ عذرا کی علالت کے زمانے کے عہد وپیمان، عذرا کی موت کے بعد اپنی فروگذاشتوں کی ندامت، اپنی رنگین گنہگاری کی توبہ، اپنی نئی زندگی کے نئے وعدے اور نئے ارادے سب یک قلم محض مہ جبین کے ایک دلربایانہ ادا پر وہ قربان کردے۔ کہ حسن اتفاق سے خود مہ جبین ہی نے ایک خوبصورت تازیانہ مار کر اُسے دفعتاً جگا دیا۔ اس کی آنکھیں کھولدیں وہ پھسلا جا رہا تھا اُسے ہاتھ پکڑ کر سنبھال لیا.....

ممتاز فرط ندامت سے عرق عرق ہوگیا۔ اُسے معلوم ہوا جیسے وہ کوئی بڑا اولین جرم کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا۔ اس کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہوگیا اور اُس کی آنکھیں دیر تک زمین سے اٹھ نہ سکیں۔

مہ جبین نے ممتاز کی یہ حالت دیکھی تو اس کی دلجوئی کی غرض سے اُس نے بڑی نسائنت اور خلوص سے کہا۔

ممتاز صاحب!..... خدارا یہ نہ سمجھ بیٹھئے گا کہ میں آپکو کوئی الزام دے رہی ہوں میرا مطلب تو صرف یہ تھا کہ زندگی کی کج ادائیوں کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سارا تماشہ کیا ہے؟ یہ ایک ہستی کی دوسری ہستی کے لئے بے اصل کشش کیوں ہے؟ یہ ایک ہستی کا دوسری ہستی سے بے سبب گریز کیوں ہے؟... غالباً یہ انسانی زندگی کی ایک دردناک پہیلی ہے جو ہمیشہ ایک پہیلی ہی کی صورت میں رہیگی۔ اور جس طرح روز ازل سے آجتک کوئی اسے حل نہ کر سکا اسی طرح روز حشر تک وہ حل نہ ہو سکے گی!!! کیوں ممتاز صاحب آپکی کیا رائے ہے؟

ممتاز۔ میری رائے یہ ہے کہ مہ جبین تم ایک نہایت ہی عجیب و غریب لڑکی ہو!! تم میں پریوں کا حسن اور حوروں کی سی پاکدامنی ہے!! درحقیقت عذرا کو اور تمکو دیکھ کر اک اندازہ ہوتا ہے کہ کائنات عالم میں عورت کا درجہ کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے۔ تم دونوں کے مقابلے میں اخلاقی نقطۂ نظر سے میں اپنے آپکو کس قدر مفلس اور تہیدست پاتا ہوں اور میری پستی مجھے کیسی عبرتناک پستی نظر آتی ہے!!

مہ جبین :۔ اپنی پستی کا دیکھتا ہوا احساس ہی بلندی کی پہلی منزل ہے ! پیا اور خدا کا شکر ہے کہ آپ کی عقل سلیم جذبات کی طغیانی میں ڈوب کر پھر اُبھر آئی ہے ۔

ممتاز :۔ مہ جبین مجھے آج احساس ہوا کہ ہر انسان کے دو دل دو روحیں دو زندگیاں ہوتی ہیں.... ایک ظاہری ایک باطنی، ایک سطحی ایک اندرونی ایک نقلی ایک اصلی..... میں ظاہری دل سے سطحی روح سے نقلی زندگی میں تمہیں چاہتا تھا اور چاہتا ہوں مگر میں اپنے باطنی دل حقیقی روح اور اصلی زندگی میں صرف عذرا کو چاہتا تھا اور صرف عذرا کو چاہتا ہوں مجھ کو حقیقتاً نہ تمہاری ضرورت کبھی تھی اور نہ اب ہے حالانکہ جب تک میں زندگی کی سطح پر تیر رہا تھا مجھے یہی معلوم ہوتا تھا کہ میں بغیر تمہارے زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جب میں نے اپنے دل اپنی روح اپنی زندگی کی گہرائیوں کا غور سے معائنہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مجھے حقیقتاً ہمیشہ صرف عذرا ہی کی ضرورت تھی اور صرف عذرا ہی کی ضرورت ہے ۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف مصیبت کے دھکے غم کے تازیانے ندامت کے نشتر ہی انسان کو اس کی حقیقی روح اور اصلی زندگی سے روشناس کر سکتے ہیں ورنہ انسان غیر حقیقی خیالات اور سطحی جذبات کے خوشنما فریب ہی میں عمر بھر مبتلا رہتا ہے اور ان کے طلسمی دائرے سے باہر نکل نہیں سکتا ۔

مہ جبین :۔ آپ بالکل سچ کہتے ہیں..... واقعی انسان کو چاہیئے کہ وہ غیر حقیقی خیالات اور سطحی جذبات کے خوشنما طلسمی دائرے سے باہر نکل کر دل کی گہرائیوں کو اتنا کھودے کہ اُسے اصلی خوشی اور حقیقی زندگی کا سرچشمہ مل جائے..... یہی اس کی زندگی کی سچی کامرانی ہے ۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں !!

ممتاز :۔ چلو اچھا ہوا آج ہمارے اور تمہارے درمیان یہ مرحلہ قطعی طور پر طے ہو گیا کہ تم انور کو چاہتی ہو اور مجھے نہیں چاہ سکتیں اور میں عذرا کو چاہتا ہوں اور تمہیں نہیں چاہ سکتا اور آج تک جتنی غلطیاں سرزد ہوئیں وہ سب سطحی جذبات اور سراب نما خیالات کے فریب کی وجہ سے ہوئیں..... میں تمہارا بہت ہی ممنون ہوں کہ آج تم نے اور تمہاری حق نما باتوں نے

مجھے زندگی کے حقیقی راز سے آگاہ کر دیا۔

مہ جبین:۔ ہاں مگر مجھے آپ کی مستقل مزاجی پر ابھی پورا بھروسہ نہیں ہے کیا عجب کہ آپ پھر ایک دن اپنے پرانے مذہب کی طرف واپس چلے جائیں۔

ممتاز:۔ مجھ ایسے آزاد خیال اور آزاد طبیعت کیلئے یہ کوئی ناممکن بات تو نہ تھی مگر اب یہ قطعاً ناممکن ہو گئی!! کیونکہ میں زندگی کی گرم و سرد نشیب و فراز سب دیکھ چکا۔ دنیا میں صرف ایک ہستی تھی جو میرے ارادوں میں لغزش پیدا کر سکتی تھی اور وہ تمہاری ہی تھی مگر آج میرے دل کا تمہارے لئے یک بیک بھڑک اٹھنا بجھنے والے چراغ کی آخری بھڑک تھی اور اس آخری بھڑک کے بعد اب وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

مہ جبین:۔ مگر ممتاز صاحب! میری سمجھ میں ابھی تک ایک بات نہیں آئی... میں نے مانا کہ آپکے دل میں عذرا مرحومہ کی محبت کو از سر نو فروغ ہو گیا ہے اور میری محبت کا چراغ آج آخری مرتبہ بھڑک کر بجھ گیا مگر عذرا تو ہیں نہیں آپ اب ان سے محبت کس طرح کیجئے گا۔

ممتاز:۔ اسی طرح جس طرح تم انور سے محبت کرتی ہو......

مہ جبین:۔ (تعجب سے) مگر انور تو خدا رکھے موجود ہیں......

ممتاز:۔ مگر تمہارے لئے تو ان کا وجود اور عدم وجود سب برابر ہے!!!

مہ جبین:۔ یہ تو سچ ہے۔ مگر میں انھیں جب چاہوں دیکھ تو سکتی ہوں!! یہی میرے لئے بہت ہے!!

ممتاز:۔ اور فرض کرو جیسے وہ اب تک غائب تھے۔ ایسے ہی وہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائیں۔ تو؟

مہ جبین:۔ تو بھی میری محبت اسی طرح قائم رہیگی اور میں بجز انکے کسی اور کو نہیں چاہ سکتی

ممتاز:۔ (مسکرا کر) لو۔ تم نے تو خود ہی اپنی زبان سے وہی بات ثابت کر دیا جو میں ثابت کرنا چاہتا تھا محبت کسی کی ذات سے نہیں ہوتی۔ محبت ہمیشہ اس کے خیال سے

ہوتی ہے!! محبت میں ساری لفریبیاں محض تخیل کی ہوتی ہیں محبت میں ساری رنگینیاں اور سرور انگیزیاں محض تصور کی ہوتی ہیں.... محبت کی ساری لذتیں دل کی نہیں۔ دماغ کی ہوتی ہیں.... اس میں شک نہیں کہ ہر آرزومند دل میں محبوب سے ملنے کا اشتیاق ہوتا ہے لیکن نہ ملنے یا نہ مل سکنے سے سچی اور مستحکم محبتیں ختم نہیں ہوجاتیں اور نہ وہ گھٹتی ہیں اور نہ پھیکی پڑجاتی ہیں بلکہ اگر ان میں بڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے تو وہ اور بھی بڑھ جاتی ہیں!! محبت کی انتہا یہ ہے کہ محبت نہ رہے.... درد کی انتہا یہ ہے کہ درماں ہوجائے........

مہ جبین:۔ ہاں آپ باتیں تو بڑی اچھی کر رہے ہیں۔ لیکن میرے دل میں ابھی یہ بات نہیں اترتی کہ جب دنیا میں محبوب کا وجود ہی نہ باقی رہے تو پھر انسان محبت کرے تو کس سے کرے!!......

ممتاز:۔.....مہ جبین!.... محبوب فانی ہوتا ہے مگر محبت فانی نہیں ہوتی۔ ع

حُسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست.... عذرا فانی تھی مگر میری محبت غیر فانی ہے عذرا زندہ نہ سہی مگر عذرا کا خیال تو زندہ ہے اور اب تو میں اسی امید پر جیتا ہوں اور اسی اُمید پر جیونگا کہ موت کا ایک دن معین ہے!.... آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں دوسری زندگی میں میری عذرا مجھے ضرور مل جائے گی، اور سب سے اطمینان بخش اور مسرت خیز خیال یہ ہے کہ اس دوسری زندگی میں مجھ میں اور میری عذرا کے بیچ میں کوئی مہ جبین حائل ہوگی مہ جبین اس پر کچھ شرما کر خاموش ہوگئی۔ پھر کچھ سکوت کے بعد بات بدلنے کی غرض سے وہ بولی ”ہاں ان باتوں میں وہ تو میں پوچھنا بھول ہی گئی کہ انور اس وقت میں کہاں اور مجھے وہ کہاں مل سکتے ہیں؟“......

ممتاز:۔ آج کل تو وہ ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے!!

مہ جبین چونک پڑی۔ اس کے چہرہ کا رنگ زردی مائل ہوگیا۔ اس کی آنکھیں تشویش اور تعجب سے کسی خوبصورت وحشی ہرن کی آنکھوں کی طرح پھیل گئیں۔ اور وہ گھبرا کر بولی۔ ”کیوں؟“

کیوں؟ کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟ مصیبت کیسی؟ مصیبت سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ بتلائیے! بتلائیے۔ مصیبت سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

اسکے جواب میں منتہٰی نے انور اور کشور سلطانہ کی ساری سرگذشت شروع سے آخر تک مہ جبین کو سنادی مہ جبین سنکر ایک سکتے میں آ گئی۔ وہ سوچنے لگی انور بڑے بڑے آدمیوں کے پالے پڑا ہے جنکے کوئی عزت اور جان نہیں! انکو انکے پنجوں سے چھڑانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اور بڑی مشکل تو یہ ہے کہ ذرا سی فروگذاشت یا غلطفہمی سے دونوں کی اور نہیں تو کم از کم ایک جان کا تو بلاشبہ شدید خطرہ ہے۔ اس خیال سے کہ انور خطرے اور سخت خطرے میں ہے مہ جبین ایک نہایت خلش آمیز فکر میں مبتلا ہو گئی۔ عجیب عجیب خیالات اسکے دل میں آنے لگے۔ عجیب عجیب صورتیں اسکے وہم نے اس کے سامنے لاکر کھڑی کر دیں۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ انور کو یہ لوگ مار ڈالیں تو کیا ہوگا؟.... پھر کیا ہوگا؟۔ انور۔ اور وہ مر جائے!! پھر کون زندہ رہیگا؟ وہ دنیا جس میں انور نہ ہو کیسی دنیا ہوگی؟ ایسی دنیا کے سامنے تو دوزخ بھی بہشت سے زیادہ آرام دہ معلوم ہوگی..... پھر اس کے تخیل نے ایک ہولناک منظر اس کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ انور بمبئی کی کسی سڑک پر مرا ہوا پڑا ہے ایک چھرا اس کے سینے میں بھنکا ہوا ہے اور اس کے سینے سے خون کا ایک چھوٹا سا سیاہ چشمہ نکل کر سڑک پر بہ رہا ہے۔ رات کا وقت ہے۔ بجلی کی روشنی دور سے دھندلی دھندلی اسکے خوبصورت چہرہ پر پڑ رہی ہے مگر چہرہ صاف دکھائی نہیں دیتا ہے۔ اور اس کے اردگرد ایک بھیڑ لگی ہوی ہے۔ چھوٹے بچے اور جوان اور بڈھے مرد اور عورتیں سب چاروں طرف سے اسکی لاش کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ہر ایک شخص گردن نکال نکال بھیڑ کو چیر چیر کر لاش کے قریب پہنچنے اور اُسے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دو تین پولیس کے سپاہی پہنچ گئے ہیں اور لوگوں کو دھکیل دھکیل کر پیچھے ہٹا رہے ہیں۔ دفعتاً ایک لڑکی حسین کمسن۔ ننگے سر ننگے پیر۔ بال کھولے شانوں پر بکھرے ہوئے چہرہ اس کا چمپا کے پھول کی طرح زرد خون کا اس میں نام کو بھی کوئی قطرہ نہیں۔ دیوانہ وار بھیڑ کو چیرتی پھاڑتی انور کی لاش کے

قریب پہنچتی ہے اور روتی ہوئی اُس سے لپٹ جاتی ہے اور لپٹ کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ لوگ اُسے پکڑ کر اٹھاتے ہیں اور اٹھا کر وہاں سے لیجانے لگتے ہیں۔ اس وقت وہ اُس لڑکی کی صورت دیکھتی ہے تو اُسے سخت اچنبھا ہوتا ہے اور وہ پہچانتی ہے کہ وہ لڑکی اور کوئی نہیں.... وہ خود ہی ہے..... دفعتاً وہ اس طرح چونک پڑی جیسے وہ کسی نہایت ڈراونے خواب سے یک بیک جاگ اٹھی ہو۔ وہ اپنے دل ہی دل میں کہنے لگی" توبہ! توبہ ..... میرا واہمہ مجھے کہاں کہاں لے گیا.... خدا نہ کرے ..... خدا نہ کرے میرے انور کی کیوں یہ حالت ہونے لگی..... یا اللہ..... میرے انور کو تو تمام آفتوں سے محفوظ رکھ ہائے میں بغیر اس کے کیسے جیونگی.... "ممتاز نے مہ جبین کا فکرمند خاموش چہرہ دیکھا۔ پھر اس کا کچھ دیر کے بعد یک بیک زور سے چونک کر سنبھلنا دیکھا۔ پھر اس کے چہرے اور رنگ کا دفعتاً بدلنا دیکھا..... وہ فوراً تاڑ گیا کہ مہ جبین کے دل پر کیا گذر رہی ہے!!!

وہ سوچنے لگا۔ عورت کا دل!..... ایک سچی چاہنے والی عورت کا دل.... کیسا نازک کیسا خوبصورت مگر کیسا کمزور اور وہمی اور قابل رحم ہوتا ہے!! وہ جس کو چاہتی ہے.... ایسے معمولی سے معمولی خطرے کے وقت بھی کیسے بُرے بُرے خیالات کیسے کیسے ہیبتناک وہم اور دہیلالا اس کے دل میں آنے لگتے ہیں۔ ہر وقت وہ اس خیال سے کانپتی رہتی ہے کہ جس کو وہ اسقدر چاہتی ہے کہیں وہ اس سے دفعتاً چھن نہ جائے!! کہیں وہ اُسے ایک دن کھو نہ بیٹھے۔ پھر وہ کیا کرے گی؟.... وہ اس دشوار زندگی کا بار کیونکر اٹھائیگی؟ اور کس کے سہارے پر وہ جئے گی؟.... عورت.... کمزور.... نازک۔ لطیف جسم اور لطیف تر روح رکھنے والی عورت بغیر ناہموار۔ مادہ پرست۔ مضبوط اور قابل اعتماد مرد کی امداد اور حفاظت کے اکیلی دُنیا کی سنگین اور دشوار مسافت کی آزمایش برداشت نہیں کرسکتی..... امتیاز پسند فطرت نے اُسے اس قابل بنایا ہی نہیں.... برعکس اس کے مرد بغیر عورت کے زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن بغیر عورت کی لطیف روحانیت خاموش محبت۔ سچی ہمدردی اور بے غرض ایثار کے

اس کی زندگی اگر بالکل مہمل اور بیکار سی ہو جائے تو نامکمل بے روح اور بے لطف ہو جانے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ ... یہی دانائے فطرت کا عجیب و غریب راز ہے۔ اسی لئے اس نے مرد کو مضبوط اور عورت کو کمزور پیدا کیا ہے۔ ایک کو دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے!! اور یہی وہ لچکدار قانون توازن خوبصورت کشش تضاد ہے جس پر ساری دنیا قائم ہے .... واقعی .... ایک مضبوط اور قوی ہیکل عورت ایسی ہی خلاف فطرت مہمل اور مضحکہ انگیز ہستی ہے جیسا ایک نہایت دبلا پتلا کمزور مختصر اور زرد رو مرد!! ..... دونوں ہستیاں خلاف فطرت ہیں اور دونوں کو کسی عجائب خانے میں کسی بہت بلند اور نمایاں الماری میں مقفل کر دینا چاہیئے!!"

مہ جبین کی آواز نے ممتاز کو اس کی خیالی دنیا سے واپس بلا لیا۔ وہ کہہ رہی تھی ممتاز صاحب!! انور کو کسی نہ کسی طرح بچانا چاہیئے۔ اور اس کے لئے میں ہر ممکن قربانی کو تیار ہوں۔"

ممتاز :۔ میں بھی کل سے اسی ادھیڑ بن میں پڑا ہوں مگر ابھی تک ___ کوئی مکمل تدبیر میری سمجھ میں نہیں آئی۔

مہ جبین :۔ میرے پاس اس کی کوئی دلیل تو ہے نہیں مگر میرا خیال یہ ضرور ہے کہ ان ڈاکوؤں کے خطرناک گروہ میں ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال کی بھی یقیناً شرکت ہے!

ممتاز :۔ (تعجب سے) کیوں؟ یہ کیوں؟ وہ کیسے اس میں شریک ہو سکتے ہیں؟ ان کو ڈاکوؤں سے کیا تعلق ہے؟

مہ جبین :۔ ان کو ہر برائی سے تعلق ہو سکتا ہے اور ہر برائی کا ان سے تعلق ہو سکتا ہے

ممتاز نے انور کے ہر معاملے کو ہر نقطۂ نگاہ سے دیکھا تھا مگر ابھی تک اس روشنی میں نہیں دیکھا تھا وہ مرد تھا اس نے صرف منطق سے کام لیا تھا۔ مہ جبین عورت تھی لہذا وہ اپنے زائد یعنی چھٹے حواس کی امداد سے معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔

ممتاز :۔ (کچھ دیر تک سوچنے کے بعد) صرف ایک عورت کی بے دلیل قوت ادراک ہی یا

پہنچ سکی تھی جہاں میری مدلل اور باقاعدہ منطق مجھے نہ پہنچا سکی!..... مہ جبین اب میں تمام باتوں کو اس روشنی میں دیکھتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال کو میں کیونکر نظر انداز کر دیا تھا میرا دماغ اتفاق سے اس طرف منتقل ہی نہیں ہوا میں اس معاملے کو تعلیم یافتہ ڈاکوؤں کے گروہ کی ایک جدت سمجھتا تھا مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوا کہ ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال اس حد تک اپنے آپ کو گرا سکتے ہیں۔ تمہارا خیال بالکل صحیح ہے۔ ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال اس میں صرف شریک ہی نہیں بلکہ غالباً نہیں... یقیناً وہ اس تمام سازش کے بانی مبانی ہوں تو تعجب نہیں.... مہ جبین میں تمہارا بہت ہی ممنون ہوں کہ تم نے اس واقعے کی ایک نہایت ضروری گمشدہ کڑی دریافت کر لی اب میں خوب سمجھ سکتا ہوں کہ یہ کس کا دماغ ہے جو اس طرف کام کر رہا ہے!!!

مہ جبین:۔ (خوش ہو کر) میں نے تو یوں ہی جو میرے دل میں پہلا خیال آیا وہ کہہ ڈالا محض اس بنا پر کہ ڈاکٹر شیرازی سے زیادہ خطرناک انور کا کوئی دشمن نہیں اور زہرہ جمال سے زیادہ کشور کے اندرونی حالات سے کوئی واقف نہیں۔

ممتاز:۔ ہاں۔ اور اب مجھے بہت سے واقعات یاد آ رہے ہیں جن سے تمہارے خیال کی مزید تصدیق ہوتی ہے مثلاً ان دونوں کا کشور کو دہا بلیشر جانے کے لئے آمادہ کرنا اور ان کے ساتھ وہاں جانے پر مجھ سے جھوٹ موٹ اصرار کرنا اور میرے نہ جا سکنے پر دل ہی دل میں خوش ہونا اور دہا بلیشر سے کچھ فاصلہ پر جو جنگل ہیں انکے حالات سے ڈاکٹر شیرازی کا بخوبی واقف ہونا!!! ہر بات اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ یہ ڈاکوؤں کا گروہ دراصل ڈاکٹر شیرازی کا گروہ ہے...

اس کے بعد ممتاز نے مہ جبین سے اس دن کا سارا قصہ کہا جس دن وہ اتفاق سے کشور کے یہاں پہنچ گیا تھا اور ڈاکٹر شیرازی اور زہرہ جمال سے کشور سے اور اس سے کشور کے دہا بلیشر جانے کا مشورہ ہوا تھا۔

دیر تک ممتاز اور مہ جبین میں انور اور ڈاکٹر شیرازی وغیرہ کی بابت گفتگو ہوتی رہی

جب مہ جبین رخصت ہونے لگی تو ممتاز نے کہا۔

...... تم زیادہ پریشان نہ ہو...... مجھے انشاء اللہ اپنی تدبیروں میں کامیاب حاصل کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی۔ منزل مقصود کی روشنیاں مجھے ابھی سے دکھائی دینے لگیں... مگر دیکھو... میری ہدایتوں کا بہت خیال رکھنا... چونکہ تم مجھ سے ملنے آئی ہو اسلئے مجھے تعجب نہ ہوگا جو تمہارے پیچھے بھی کوئی جاسوس لگ جائے۔ میرے مکان کے قریب تو کل سے برابر ایک شخص پہرہ دے رہا ہے.... ڈاکٹر شیرازی کی تشویش میں سمجھ سکتا ہوں..... ان کو غالباً میرے متعلق عرصے سے یہ بدعقیدگی ہے کہ اگر بمبئی میں کوئی شخص انھیں رات کو ڈراؤنے خواب دکھا سکتا ہے تو وہ شخص میں ہوں مجھے بہت افسوس ہے کہ میری آئندہ کارروائیاں ابھی اس بدعقیدگی میں غالباً بہت تکلیف دہ اضافہ کردیں گی...

مہ جبین ہمہ رخصت ہونے کی غرض سے اٹھ کر مسکراتے ہوئے) خدا کرے ایسا ہی ہو ممتاز صاحب اگر انور کو آپ اس خطرے سے بچا لیجئے تو جس قدر آپ سے ڈاکٹر شیرازی بدعقیدہ ہیں اسی قدر میں ہمیشہ کے لئے آپ کی نہایت ہی عقیدتمند مرید ہو جاؤں گی......

یہ کہتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی مہ جبین ممتاز سے رخصت ہو کر اپنے موٹر پر روانہ ہوگئی

چھیالیسواں باب

شکور کی جاسوسی

گذشتہ باب کے واقعات سے تیسرے دن علی الصباح جگدیش کمار سنگھ انسپکٹر خفیہ پولیس اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کے محکمے کا ایک سب انسپکٹر آیا اور اس نے ایک خط اُنکے ہاتھ میں دیا اور کہا دیکھئے۔ ایک کبوتر ابھی اڑ کر آیا ہے اور یہ خط لایا ہے۔ خط آپ کے

نام ہے۔ جگدیش کمار نے اضطرابی انداز سے خط لے لیا اور جلدی جلدی کھول کر اسے پڑھنے لگے..... خط کا مضمون یہ تھا۔

"غریب پرور سلامت تسلیم۔ میں حضور کے ارشاد کے مطابق کل دن بھر اور رات کے ۲ بجے تک ڈاکٹر شیرازی کے موٹر کے پیچھے پیچھے اپنا موٹر لگائے رہا۔ مگر اس طرح کہ انھیں کوئی شبہ پیدا ہونے پائے۔ آج بھی سارا دن اسی دوڑ دھوپ میں گذر گیا۔ ڈاکٹر شیرازی برابر بمبئی کے اندر ہی اندر رہے اور زیادہ تر اپنے مکان ہی میں رہے۔ میں کچھ نا امید سا ہو چلا تھا کہ آج رات کو قریب ۸ بجے وہ مع ایک جوان عورت کے اپنے مکان سے اپنے موٹر پر سوار ہو کے جب وہ بمبئی کی سرحد سے نکل کر دہا بیشر والی سڑک پر آگئے تو میں سمجھ گیا کہ وہ ضرور اپنے خفیہ مکان کی طرف جا رہے ہیں۔ چنانچہ اپنا موٹر تیز کر کے ان کے موٹر سے قریب ڈیڑھ دو میل آگے نکال لے گیا اور پھر ذرا موڑ کر اسے اسی سڑک پر ڈاکٹر شیرازی کے موٹر کی طرف لے چلا اور جب ان کا موٹر قریب دو فرلانگ پر رہ گیا تو میں نے اپنا موٹر بیچ سڑک پر روک لیا اور خود اتر گیا اور ڈرائیور کو سمجھا دیا کہ جب ڈاکٹر شیرازی کا موٹر قریب آئے تو اسے اس بہانے سے روک لے کہ اس کے موٹر کا تیل ختم ہو گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا تیل ہو تو دیدیں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ڈاکٹر شیرازی نے اپنا موٹر روک لیا اور جب ہمارے ڈرائیور اور ان سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں اندھیرے میں چپکے سے ان کے موٹر کے پیچھے جا کر لٹکنے لگیج کیریر پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھ جانے کے دو ہی ایک منٹ کے بعد ان کا موٹر چل دیا۔ میری گردن میں ایک چھوٹا سا جھولا پڑا ہوا تھا اس میں آپ کے دئے ہوئے دو کبوتر تھے اور ایک ٹارچ ایک دور بین اور خط لکھنے کا کاغذ اور کچھ پھل وغیرہ اور کھانے کا سامان تھا اور دوسری طرف میری گردن سے لٹکی ہوئی ربڑ کی وہی مشک تھی جس میں سُرخ رنگ بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر شیرازی خود ہی موٹر چلا رہے تھے اور ان کے ساتھ آگے کی سیٹ پر صرف وہی جوان عورت تھی اور کوئی نہ تھا اسلئے میں نہایت اطمینان سے بیٹھا رہا صرف تکلیف یہ تھی کہ آج تک زندگی میں کبھی

اس قدر گرد نہیں کھائی تھی۔ موٹر مہابلیشر کے مکن ہمائے والی سڑک کی طرف مڑ گیا یہ سڑک جنگل کی طرف گئی ہے چند گھنٹوں کے بعد موٹر ایک بہت بڑے قلعے کی پھاٹک کے سامنے آ کر رکا ... میں فوراً اتر گیا۔ اور ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ پھاٹک کسی نے کھولا اور جب موٹر اندر چلا گیا تو پھاٹک بند ہو گیا۔ اندر میں اس لیئے نہیں گیا کہ وہاں جانا بہت خطرناک تھا۔ بہت ممکن تھا کہ مجھے کوئی دیکھ لیتا۔۔۔ مہابلیشر کے پہلے ہی اور خاص طور سے مہابلیشر کے بعد میں نے اندازاً میل میل بھر کے بعد تھوڑا سا رنگ سڑک پر ڈال دیا تھا اس رنگ میں تو آپ جانتے ہی ہیں پھیل جانے کی خاصیت ہے اور چونکہ رنگ بہت ہی تیز اور پکا ہے اس لیئے چند دنوں تک سڑک پر اس کے نشانات ضرور باقی رہیں گے لہذا راستے کا پتہ لگانے میں آپ کو آسانی ہوگی۔

اس قلعے کی دیواریں کم از کم ۱۱ یا ۱۲ فٹ اونچی ہونگی۔ اور پھاٹک لکڑی اور لوہے کا بہت مضبوط بنا ہے قلعہ سیدھی سڑک پر نہیں ہے بلکہ سیدھی سڑک سے قریب ایک میل داہنی جانب پچھم کی طرف ہٹ کر ہے۔ یہ ایک میل کی سڑک بالکل کچی ہے۔ میں نے موڑ پر سے بہت سا رنگ ڈال دیا ہے تاکہ آپ آگے نہ بڑھ جائیں، اندھیری رات ہونیکی وجہ سے مجھے اور کوئی نشانات راستے کے ایسے نہیں دکھائی دیئے جو میں آپکو بتا سکوں مگر رنگ کے نشانات سے آپکو صاف پتہ مل جائیگا۔ کوئی دقت نہ ہوگی۔ یہ خط میں آپ کو ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھا ہوا ٹارچ کی روشنی میں لکھ رہا ہوں۔ یہ بڑا ڈراونا اور خطرناک جنگل معلوم ہوتا ہے اس وقت چاروں طرف سے جنگلی جانوروں اور درندوں کی ہولناک آوازیں آ رہی ہیں میں یہ خط کبوتر کے گلے میں باندھ کر کبوتر کو چھوڑ دونگا۔ سدھا ہوا کبوتر تو ہے ہی اسلیئے امید ہے کہ صبح تک آپکے پاس پہنچ جائے گا میں کسی نہ کسی طرح اس جنگل میں چھپا رہونگا۔ اور رات کسی اونچے گھنے درخت پر گزار دونگا۔ پستول میرے پاس ہے۔ اس لیئے مجھے کسی کا ڈر نہیں میرے پاس صرف دو دن کے کھانے کا سامان ہے اور واپس آنیکے لیے کوئی سواری نہیں ہے

براہ مہربانی میرے آقا اور ممتاز صاحب سے مشورہ کر کے جلد سے جلد اپنا کام کر لیجئے ۔ ورنہ اگر ڈاکٹر شیرازی کو ذرا بھی شبہ ہو گیا تو پھر بڑی مصیبت کا سامنا ہو گا۔.....

جگدیش کمار خط پڑھکر خوشی سے اوچھل پڑے۔ اور دل میں یہ کہتے ہوئے "بھئی پشکور بھی غضب کا آدمی ہے" وہ سیدھے ٹیلیفون پر گئے اور ممتاز سے باتیں کرنے لگے۔

ممتاز :- واقعی یہ پشکور ہی کے سے دلیر اور ہوشیار آدمی کا کام تھا۔ ورنہ اگر تم موٹر یا کسی اور ذریعہ سے اس شیطان کا پیچھا کرتے اور اس کے خفیہ مکان کا اگر پتہ لگ بھی جاتا تو یہ ناممکن تھا کہ اسے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہے۔ ....

جگدیش کمار :- اچھا تو .... یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا چاہیئے ......

ممتاز :- اب کیا ہے؟ اب تم بڑی سے بڑی پولیس کی مسلح .... فوج جو جمع کر سکتے ہو جلد سے جلد جمع کر لو اور رات ہی رات میں اس قلعے کا محاصرہ کر کے حملہ کر دو اور ان تعلیم یافتہ لٹیروں کے پورے گروہ کو گرفتار کر لو ....

جگدیش :- بظاہر تو یہ سب بہت آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس قدر آسان یہ ہے نہیں جتنا تم سمجھتے ہو !! ....

ممتاز :- کیا آسان نہیں ہے؟ کیا تم پولیس کے قریب پچیس مسلح آدمی جمع نہیں کر سکتے؟

جگدیش :- یہ کون مشکل بات ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ اگر ان شیطانوں کو ہمارے حملے کی آدھے گھنٹہ پہلے بھی خبر ہو گئی تو مسز انور کی تو خیریت ہے نہیں۔

ممتاز :- اول تو انھیں خبر ہی کیسے ہو سکتی ہے ہم ایک دو بجے حملہ کرینگے۔ اور اگر خدانخواستہ خبر بھی ہو گئی تو آخر وہ کر ہی کیا سکتے ہیں؟ اگر انور ان کے قبضے میں ہوتے تو خیر اور بات تھی مگر مسز انور کو ڈاکٹر شیرازی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

جگدیش :- نقصان کیوں نہیں پہنچا سکتا؟....

ممتاز :- اس لئے کہ وہ مسز انور پر جان دیتا ہے !!.....

جگدیش :۔ (طنزاً ہنس کر) تم نے بھی کمال کیا!! ڈاکٹر شیرازی ایسا خودغرض اور سنگدل شخص ہے کہ اپنے فائدے کے لئے دنیا میں کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی وہ نہایت بے جگری سے قربانی نہ کر سکے؟.......

ممتاز :۔ مگر یہ تمہارا فقط ایک وہم ہی وہم ہے۔ آخر اس کو ہماری کارروائیوں کی خبر ہو ہی کیسے سکتی ہے!! ہمیں چاہیئے کہ نہایت ہوشیاری سے اپنا سارا کام کریں...... باقی خدا پر چھوڑ دیں۔

جگدیش :۔ ہاں ہاں۔ یہ تو تم سچ کہتے ہو۔ مگر ان کمبختوں کی خفیہ پولیس بھی تو قیامت کی سراغ رساں ہوتی ہے! خیر دیکھا جائیگا..... انتظام کرنا ہمارا کام ہے۔ کامیابی ناکامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہاں خدا انور سے بھی تو باتیں کر لو۔

ممتاز :۔ ضرور ضرور! ابھی! ابھی!..... اچھا اب جاؤ۔ تم اپنا کام کرو۔ اور ہاں تم سپاہیوں سے میری طرف سے یہ کہہ دینا کہ ہر ایک سپاہی کو میں سو سو روپیہ انعام دونگا اور ان میں جو کوئی نمایاں کام کریگا اُسے پانچسو روپیہ سے لیکر ایک ہزار تک انعام دونگا ان کو خوب سمجھا دینا کہ یہ میرا وعدہ ہے اس میں کوئی شک یا شبہ نہیں ہے!!...... ضرورت ہوگی تو تمہیں ٹیلیفون پر بلا لونگا۔ اور میں بھی آج برابر گھر ہی پر رہوں گا۔ جب چاہنا باتیں کر لینا...... اچھا جاؤ خدا حافظ......

جگدیش کمار سے باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا اس کے بعد ممتاز نے ٹیلیفون کے ذریعہ سے انور سے دیر تک گفتگو کی۔ اتفاق سے اس وقت انور کے پاس مہ جبین بھی بیٹھی ہوئی تھی وہ بھی باتوں میں شریک رہی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ انور اور ممتاز دونوں پولیس کے ساتھ ساتھ جائینگے۔ مہ جبین نے بھی سب کے ہمراہ جانے پر اصرار کیا۔

ممتاز نے جواب میں کہا۔ انکی تجویز شکریہ کیساتھ نامنظور کیجاتی ہے!!..... (ہنستے ہوئے) آپنے کیا وہ مثل نہیں سنی۔ لڑکی جو لڑکیوں میں کھیلے (اور اسکے بعد ٹیلیفون میں ایک قہقہہ سنائی دیا)

بیچاری مہ جبین شرما کر خاموش ہو گئی مگر انور نے ہنس کر جواب دیا......

تم بھی باوجود اس قدر روشن خیال ہونے کے کیسے متعصب ہو!

اسی لئے تو تم سے اور نورجہاں سے بنتی نہیں۔

ممتاز:۔ نورجہاں کون؟.... ہاں ہاں! میں بھول گیا! میں بھول گیا بھاگ کرنا اچھا تو اپنی نورجہاں سے یہ کہہ دو کہ دنیا میں جب تک ایک مرد بھی زندہ ہے اسوقت تک عورتوں کو لڑنے کے لئے میدان جنگ میں بھیجنے کی ضرورت نہ پیدا ہوگی۔ کیونکہ قدرت کا مطالبہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ کمزوروں کی بقا کے لئے طاقتوروں کو فنا ہونا چاہیئے بزدلوں کو زندہ رکھنے کے لئے بہادروں کو اپنی جانیں نثار کر دینا چاہیئے۔ نااہلوں کو آرام پہنچانے کے لئے ان ہستیوں کو تکلیف اٹھانا چاہیئے جو اہل ہیں۔ یہی دنیا میں ہوتا ہے اور یہی قدرت کا قانون ہے اس خیال سے زیادہ کوئی غلط خیال نہیں کہ قانون قدرت بقائے بہترین و فنائے بدترین ہے۔ درحقیقت قانون قدرت بقائے بدترین و فنائے بہترین ہے۔ اسی کا زندگی میں روز مشاہدہ ہوتا ہے۔ گھروں کے اندر دیکھو تو یہی نقشہ ہے اور میدان جنگ میں دیکھو تو یہی نقشہ ہے۔ غرضکہ دنیا کے ہر طبقہ کی زندگی کے ہر شعبہ میں فنائے بہترین و بقائے بدترین کا قانون ساری اور جاری ہے۔

انور:۔ تو کیا عورت بدتر اور مرد بہتر ہستی ہے۔

ممتاز:۔ بیشک! آج سے روز ازل سے یہی ہے اور ابد تک یہی رہے گا

انور نے ہنستے ہوئے نورجہاں سے ممتاز کی یہ باتیں دہرا دیں۔

نورجہاں نے فوراً انور سے ٹیلیفون چھین لیا اور ممتاز سے یوں مخاطب ہوئی،

میں نے آپ کی باتیں سنیں۔ اور میرا جواب یہ ہے کہ مرد عورتوں سے بہتر تو نہیں ہیں مگر ہاں نخوت اور غرور میں ضرور مرد عورتوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں کیا آپ بھول گئے کہ جنگ آزادی میں ہندوستانی عورتوں نے کیسی کیسی قربانیاں اور جانفروشیاں کی ہیں

اور بہادری میں اگر وہ مردوں سے آگے نہیں تو پیچھے بھی نہیں رہیں۔

ممتاز :۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ہندوستان کی نامردی اور نااہلی کا اس سے بہتر کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ جنگ آزادی میں مرد تو گھروں میں سہمے ہوئے بیٹھے رہے اور عورتوں اور بالخصوص نوعمر لڑکیوں کو ملک کے لئے لڑنا پڑا...... جس ملک کی یہ حالت ہو اگر اس کو آزادی نہیں ملی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نورجہاں :۔ مگر ہم نے دنیا کو یہ نہیں دکھایا کہ جس ملک کی عورتیں ایسی بہادر ہیں وہاں کے مرد کیسے ہوں گے !!......

ممتاز :۔ (ہنستے ہوئے) آپ نے جنگ آزادی میں جوانمردی تو نہیں مگر ہاں جوان زنی کی ضرور ایک اعلیٰ پیمانے پر نمائش کر دی...... اور آپ نے دنیا کو یہ بھی دکھا دیا کہ ہندوستان میں بہادری کا اسقدر کال ہے کہ بیچاری خانہ نشین عورتوں کو مجبور ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکلنا پڑا......

نورجہاں :۔ مگر ملک کے لئے ملک کی ہر دختر اور ملک کے ہر فرزند پر لازمی تھا کہ اپنا فرض ادا کرے اور عورتوں اور لڑکیوں نے اپنا فرض ادا کیا تو کیا کوئی برائی کی ؟

ممتاز :۔ صرف یہ برائی کی کہ جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دیکر ہم نے اول تو ان صحیح اور مسلمہ قوانین جنگ کی علانیہ مخالفت کی جو دنیا کے ہر مہذب ملک اور ہر قوم میں برابر برسہا برس سے رائج ہیں اور علاوہ اس کے ہم نے عورتوں کو غنیم کے مقابلہ میں کھڑا کر کے کبھی ناجائز اور بزدلانہ فائدہ اٹھایا اور کبھی ان معصوموں کی انتہائی توہین اور بے حرمتی کرائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا بھر میں ہماری ہنسی بھی ہوئی اور کامیابی بھی ہم کو نصیب نہیں ہوئی۔ میری یہ پیشین گوئی آپ خوب یاد رکھئے کہ جنگ آزادی میں آپ کو اصلی کامیابی اسوقت ہو گی جب اس جنگ میں مرد ہی مرد شریک ہونگے اور ہر مرد اپنی جگہ پر یہ محسوس کریگا کہ میدان جنگ میں لڑنا اور مرنا تنہا صرف اسی کا فرض ہے اور اس کی ماں اور بہنوں کا فرض نہیں

لہذا نور جہاں صاحبہ آپ مجھے قائل کرنے کی بے سود کوشش نہ کیجئے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ مگر اس جان جوکھم والے معاملے میں تو میں آپ کو ہرگز شریک نہ ہونے دونگا۔

نور جہاں:۔ اچھا خیر اس میں کیا ہے دیکھا جائیگا کہ بغیر عورت کی امداد کے کامیابی کا سہرا کیسے آپ کے سر ہوتا ہے؟۔

ممتاز:۔ (ہنسکر) ہاں! ہاں! دیکھا جائیگا ضرور دیکھا جائیگا۔۔ آپ چڑاتی کس کو ہیں؟..... اچھا تو اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ انور سے کہہ دیجئے کہ آج کہیں باہر نہ جائیں دفتر ہی میں رہیں۔ کچھ کہنا سننا ہو تو صرف ٹیلیفون سے باتیں کریں۔ کہیں آنے جانے کی کوئی ضرورت نہیں..... اس سے فریق ثانی کو شبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے!!....

نور جہاں:۔ بہت اچھا ایسا ہی ہوگا..... آداب عرض۔

ممتاز:۔ آداب عرض۔

اس کے بعد ممتاز نے ریسور اپنی جگہ پر رکھ دیا اور باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سینتالیسواں باب

ڈاکوؤں کا قلعہ

ڈاکٹر شیرازی کا خفیہ مکان درحقیقت ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے متعلق یہ حکایت بیان کیجاتی تھی کہ اورنگ زیب کے زمانے میں مرہٹوں کے مشہور سردار شیواجی کے متعدد قلعوں میں سے یہ بھی ایک قلعہ تھا۔ اورنگ زیب نے اس کو فتح کر کے اُسے مسمار کر دیا۔ مسمار کرانے کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ یہ قلعہ جنگل کے بیچ میں ہونے کے سبب سے خطرناک خیال کیا جاتا تھا۔ اور اُسے مرہٹے اپنے لئے بہت محفوظ جائے پناہ سمجھتے تھے چنانچہ اورنگ زیب ہی کے زمانے

یہ مسمار شدہ قلعہ اسی شکستہ حالت میں بیکار و بے مصرف پڑا ہوا تھا۔ تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوا کہ مس ہرمزجی کے باپ ڈاکٹر ہرمزجی نے اسے خرید لیا اور خرید کر کے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔ اسکی چہار دیواری قریب ۲ فٹ چوڑی اور ۱۲ فٹ اونچی پختہ بنوائی۔ اور چہار دیواری میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے ششپہل برج بنوائے۔ جن میں ہر طرف بندوق چلانے کے لئے متعدد موکھے تھے۔ اگر کوئی ان کی ضرورت پوچھتا تھا تو کہدیا جاتا تھا کہ محض خوبصورتی کیلئے بنوا دئے گئے ہیں اور اصل عمارت کی ضرورت یہ بیان کردیجاتی تھی کہ اسکا تفریح تبدیل آب و ہوا اور علمی کتب بینی اور علمی تحقیقات اور تجربات وغیرہ کے لئے شوقیہ بنوائی گئی ہے۔

ڈاکٹر ہرمزجی بمبئی کے نہایت ہی مشہور اور مالدار ڈاکٹر تھے۔ اور در پردہ ایک نہایت خطرناک ڈاکوؤں کے گروہ کے سردار تھے جن کا مقصد زیادہ تر لڑکوں کو لوٹنا یا ان کو اور ان کی بیوی بچوں کو زبردستی دھوکہ سے پکڑ لانا اور پھر قسم قسم کی دھمکیاں دیکر ان سے روپیہ وصول کرنا تھا۔

ڈاکٹر ہرمزجی کو مرے ہوئے قریب پانچ سال ہو گئے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد مس ہرمزجی باتفاق رائے بجائے اپنے باپ کے اس خوفناک گروہ کی سردار مان لی گئیں۔

اتفاق سے مس ہرمزجی کا راستہ ڈاکٹر شیرازی نے کاٹا۔ ان کو دیکھتے ہی مس ہرمزجی ان پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گئیں اور چونکہ مس ہرمزجی کا شمار بمبئی کی مشہور عورتوں میں تھا اسلئے ڈاکٹر شیرازی کو بھی ان پر عاشق ہو جانے میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہوئی۔ جب دونوں میں محبت کے پینگ بڑھے تو رفتہ رفتہ مس ہرمزجی نے اپنی شخصیت کا راز ڈاکٹر شیرازی پر افشا کر دیا۔ ڈاکٹر شیرازی کو یہ راز معلوم کر کے فخریہ تعجب سا ہوا اور اس وقت سے وہ بھی اس گروہ کے بہت بڑے رکن اور مس ہرمزجی کے خاص مشیر کار ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مس ہرمزجی اور ان کے گروہ کے ہر فرد کو اس کا یقین ہی نہیں بلکہ ذاتی تجربہ ہو گیا کہ ان کی سرداری کے لئے ڈاکٹر شیرازی سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی شخص نہیں ہو سکتا چنانچہ بظاہر تو مس ہرمزجی مگر درحقیقت اس گروہ کا سردار ڈاکٹر شیرازی تھا۔

قلعہ کے اندر، بڑا وسیع بیگہ زمین تھی۔ اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے درخت تھے اور ادھر ادھر ترکاریاں بھی بوئی ہوئی تھیں۔ وسط میں ایک دو منزلہ مکان تھا۔ جس کے چاروں طرف نہایت خوشنما باغیچہ تھا۔ باغیچہ میں مختلف اقسام کے خوبصورت اور خوشبودار پھول اور درخت اور گملے لگے تھے۔ اور ان کے بیچ میں نہایت ہی دیدہ زیب روشیں بنی ہوئی تھیں جن پر سُرخی پٹی ہوئی تھی دو منزلہ مکان سے کچھ دور پر چھوٹے چھوٹے آرام دہ بنگلے تھے جو اکثر خالی رہتے تھے مگر آج کل آباد تھے مکان کیا تھا ایک چھوٹی سی خوشنما آبادی معلوم ہوتی تھی۔.......

....

سنیچر کا دن تھا شام کا وقت تھا قلعہ کے دو منزلہ مکان کے ایک کمرے میں گھڑی نے پانچ بجائے۔ ڈاکٹر شیرازی نے تعجب سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگے "ایں پانچ بج گئے اور ابھی تک زہرہ نہیں آئی۔ کونسی ایسی بات پیدا ہو گئی؟ وہ تو کہہ گئی تھیں کہ میں دو بجے تک آ جاؤں گی۔"

مس ہرمزجی:۔ وہ نہ کوئی ملاقاتی مل گیا ہوگا یا کوئی کام نکل آیا ہوگا۔ اب آتی ہی ہونگی۔ آخر وہ کہاں جائیں گی وہ!! (مسکرا کر) مگر بات پر بات یاد آتی ہے۔ میں پوچھتی ہوں تم آخر ان کی شادی کیوں نہیں کرتے۔ کیا اس بیچاری کو یوں ہی بٹھائے بٹھائے زیب النساء کی طرح بوڑھی کنواری بنا دو گے؟........

ڈاکٹر شیرازی:۔ (ہنستے ہوئے) اگر وہ شادی ضروری سمجھتی ہونگی تو وہ خود اس کی فکر کریں گی۔ مجھے پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے؟ وہ زمانہ جب باپ اور بھائی بیٹیوں اور بہنوں کی شادی کی فکر میں بیٹھے کے گھوڑوں کی طرح دبلے ہوا کرتے تھے!!

مس ہرمزجی:۔ میں تم سے ایک بات کہوں۔ بُرا تو نہ مانو گے؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ نہیں! نہیں! واہ! برا ماننے کی وجہ؟

مس ہرمزجی :- ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو گیا مجھے یقین ہے کہ زہرہ کا دل انور
کی ناکامیاب محبت سے بہت مجروح ہے اور چونکہ وہ بہت ہی مغرور لڑکی ہے اس
لئے وہ اپنے اصلی جذبات چھپانا چاہتی ہے بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ کو اس
دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے کہ وہ انور کو نہیں چاہتی۔

ڈاکٹر شیرازی :- (یقین کے لہجے میں) بالکل غلط.... تم محبت کو کہتی ہو۔ اور
میں کہتا ہوں کہ زہرہ کو انور سے بے انتہا نفرت ہے......

مس ہرمزجی :- (مسکرا کر) ہو تو تم بلا کے ذہین۔ مگر پھر بھی تم مرد ہو۔ تم عورت کے
دل کا حال کیا جانو اور کیسے جان سکتے ہو؟... واقعہ یہ ہے کہ زہرہ کی نفرت ہی اس کی
محبت کی دلیل ہے۔ دراصل زہرہ کی ظاہری نفرت اس کی پوشیدہ محبت سے پیدا ہوئی ہے
عورت متضاد جذبات و خیالات کی ایک پتلی ہے۔ وہ کہتی کچھ ہے کرتی کچھ ہے۔ اسکے
دل میں ہوتا کیا ہے اسکی زبان پر آتا کیا ہے اس کا ظاہر اس کے باطن کی اور اس کا باطن
اس کے ظاہر کی اکثر تردید کیا کرتا ہے۔ اور خاص کر اس عورت کا جسمیں غیر معمولی غرور یا خودداری ہو
وہ بیچاری تو مدت دراز تک اپنے صحیح جذبات سے آنکھ مچولی کھیلتی رہتی ہے.... وہ خود بھی
تکلیفیں اٹھاتی ہے اور جس کو وہ چاہتی ہے اس کو بھی خوب پریشان کرتی ہے....

ڈاکٹر شیرازی :- ممکن ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ سب بالکل سچ ہو اور
ممکن ہے کہ یہ سب بالکل غلط ہو۔ مگر میرا سوال یہ ہے کہ تم نے آخر کیا دیکھا جس کی بنیاد
پر تم نے خیالات کی یہ لمبی چوڑی عمارت کھڑی کر دی؟....

مس ہرمزجی :- انور کے غیر معمولی حسن سے تو تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔ علاوہ
ازیں انور سے زیادہ سچا۔ شریف النفس اور دلفریب جادوگر ہونا دشوار ہے۔ اس
پر طرہ یہ کہ زہرہ انور کے ساتھ ایک ہی بنگلے میں اتنے عرصہ تک رہی۔

ڈاکٹر شیرازی :- یہ تو سب صحیح ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ زہرہ

انور کو ایک نہایت ہی حسن پرست۔ عیاش طبع اور ناقابلِ اعتبار شخص سمجھتی ہے لہٰذا۔

مس ہرمزجی:۔ (بات کاٹ کر) اور اسی وجہ سے اُسے اور بھی چاہتی ہے......

ڈاکٹر شیرازی:۔ تم بھی عجیب مہمل اور بے سروپا باتیں کر رہی ہو۔ آج تمہیں ہو کیا گیا ہے؟

مس ہرمزجی:۔ (مسکرا کر) کچھ بھی تو نہیں۔ مگر ہاں آج خود تم ہی کو کچھ ہو گیا یا تو تم انجان بن رہے ہو یا سمجھتے ہی نہیں...... عورت کو...... دنیا نے تو معشوق فرض کر لیا ہے۔ مگر فطرت نے اُسے عاشق بنایا ہے۔ اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ مرد عورتوں کی کج ادائیوں اور جفاشعاریوں سے بہت جلد بددل ہو جاتا ہے اور عورت کی بیوفائی یا بے عصمتی سے مشتعل ہو کر عین زندگی میں اُسکی جان کا دشمن اس کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے مگر...... عورت...... مرد کی کج ادائیاں اور جفاکاریاں سہتی ہے۔ اس کی بیوفائیاں بداطواریاں دل میں سمجھتی ہے اور آنکھوں سے دیکھتی ہے مگر پھر بھی اسی جفاشعار و فادشمن مرد کو چاہتی ہے...... وہ رنج کرتی ہے۔ صدمے اٹھاتی ہے۔ نفرت کرنا چاہتی ہے مگر پھر بھی اسی پر اپنا حسن۔ اپنا شباب۔ اپنی ساری زندگی قربان کر دیتی ہے۔ اب آپ ہی انصاف سے کہئے کہ یہ شان معشوقیت ہے یا کمال عاشقی؟..... مرد تو صرف عاشقی کے زبانی دعوے کیا کرتا ہے مگر عورت کی زندگی کمال عاشقی کا عملی ثبوت ہے!!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ تم نے مسلمہ عقائد کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو ابھی تک اس زاویہ نظر سے دیکھا ہی نہ تھا...... مگر اصولی بحث سے قطع نظر کر کے میں پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی زہرہ کو انور سے محبت ہے؟

مس ہرمزجی:۔ مجھے تو اس میں ذرا بھی شک نہیں...... اور میرا خیال ہے کہ جس طرح سے بھی ہو تمہیں زہرہ کی شادی انور سے کرا دینا چاہئے...... اس طرح دو جانی دشمنوں میں یعنی تم میں اور انور میں۔ ایک رشتہ محبت قایم ہو جائے گا......

ڈاکٹر شیرازی :۔ ہاں برا خیال تو نہیں ہے۔ مگر تم اللہ کو جانتی نہیں۔۔ وہ بڑا خود رائے ہے!! اس میں بچوں کی سی ضد اور عورتوں کی سی ہٹ ہے۔ وہ کبھی مانیگا نہیں کیونکہ وہ کشور سلطانہ پر بری طرح فریفتہ ہے۔

مس ہرمزجی :۔ میں مردوں کی فریفتگی کی نہ قائل ہوں اور نہ کبھی قائل ہونگی وہ عورتوں پر اس طرح مچلتے ہیں جیسے بچے نئے کھلونوں پر لیکن اگر کوئی دوسری چیز اُن کو دیدی جائے تو وہ ضرور بہل جاتے ہیں جیسے بچے بہل جاتے ہیں۔ لہذا اگر انور ؔ میں تو اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔!!!

ڈاکٹر شیرازی :۔ (مسکراکر) ہاں۔ انور عورت تو نہیں ہے۔ یہ الزام تو میں بھی باوجود اس کا دشمن ہونے کے اس پر نہیں لگا سکتا۔

مس ہرمزجی :۔ (ہنستے ہوئے) الزام؟ عورت ہونا الزام ہے؟۔۔ اُوفوا مرد کو کتنا اپنے اوپر غرور ہے؟ یعنی عورت ہونا ان کی توہین ہے؟ اللہ اللہ یہی مغرورانہ ذہنیت تو دنیا کی تمام خرابیوں کی ذمہ دار ہے۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (ہنسکر) ہاں تو میں تو عورت ہونا پسند نہ کرونگا چاہے کوئی دس ہزار کروڑ روپیہ بھی مجھے دینے کو راضی ہو جائے۔ مجھے کالا۔ کلوٹا۔ لنگڑا مرد ہونا گوارا ہے مگر خوبصورت سے خوبصورت عورت ہونا گوارا نہیں۔

مس ہرمزجی :۔ (ہنستے ہوئے) آخر یہ کیوں؟ کیا ہم لوگ آپ ایسے گئے گذرے ہوگئے سچ کہتی ہوں میرے سامنے کبھی میرے فرقے کی ایسی سخت توہین نہیں ہوئی تھی

ڈاکٹر شیرازی :۔ (مسکراکر) توہین کیسی؟ عورتوں کی توہین کر کیا رہا ہوں! عورتیں تو بڑی اچھی ہوتی ہیں عورتیں نہ ہوں تو ہم لوگوں کی زندگی حرام ہو جائے!! مگر میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میں عورت ہونا نہیں چاہتا کیونکہ عورتوں کی بعض قدرتی ذمہ داریاں اس قدر تکلیف دہ اور صبر آزما ہوتی ہیں کہ میرا تو محض ان کے خیال ہی سے جی لرزتا ہے

پھر(منہ بناکر) دو ایک باتیں اور بھی ایسی ہیں کہ بھئی میری توبہ ہے..... ہم بد صورت لڑکی ہوکر جی لینگے مگر۔ اس کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے پھر منہ بنایا اور ناک بھوں چڑھانا شروع کر دی اور اسکے بعد دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے..... ان کا قہقہہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ موٹر کے ہارن کی آواز آئی۔ ڈاکٹر شیرازی نے کہا لے لو، وہ زہرہ آگئیں۔ تھوڑی دیر میں برساتی میں آکر موٹر رکا۔ اور زہرہ کسی قدر پریشان اور فکر مند موٹر سے اتر کر سیدھی ڈاکٹر شیرازی کے پاس گئیں۔ ڈاکٹر شیرازی نے پوچھا کیوں زہرہ تم کہاں رہ گئی تھیں جو اتنی دیر ہوگئی زہرہ نے مصنوعی بے پروائی سے کہا۔ کچھ نہیں۔ ذرا کپڑے خریدنے میں کچھ دیر ہوگئی اور مسٹر انور کے یہاں بھی ذرا مصلحتاً چلی گئی تھی:

اس پر مس برجیس نے ڈاکٹر شیرازی کو دیکھا اور آنکھوں میں کچھ کہہ کر مسکرانے لگیں۔

ڈاکٹر شیرازی:- کیوں انور کے یہاں جانے میں کیا مصلحت تھی؟۔

زہرہ:- (مصنوعی بے پروائی سے) ذرا اُن کو یقین دلانے کے لئے کہ ان کی اور کشور کی گرفتاری میں آپ کی یا میری شرکت نہیں ہے (مسکرا کر) میں نے کشور کے متعلق بہت تشویش ظاہر کی اور ان کے رات کو دفعتاً غائب ہو جانے سے قطعی لاعلمی..۔ مسٹر انور کو ہم دونوں پر بالکل شبہ نہیں ہے۔ بلکہ نہ معلوم کیا بات تھی جواب کی دفعہ مجھ سے نہایت ہی اخلاق اور خوش مزاجی سے پیش آئے۔ بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے اور جب میں نے ان سے رخصت کی اجازت چاہی انھوں نے مجھے باصرار روکا اور چاء پینے پر مجبور کیا..... واقعہ یہ ہے کہ مسٹر انور نے بڑی شریف اور بھولی طبیعت پائی ہے..... اور سُنا آپ نے ..... مہ جبین کسی طائف کی لڑکی نہیں ہے بلکہ سینیا کروڑ میں ایک صاحب کوئی خان بہادر فخرالدین مشہور ٹھیکہ دار ہیں ان کی لڑکی ہے۔ بچپن ہی میں کسی نے اُسے چرا کر ماہ لقا کی ماں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ آج کل مہ جبین اپنے والد خان بہادر فخرالدین ہی کے ساتھ رہتی ہے اور اس کا اصلی نام نور جہاں ہے۔

ہم لوگوں کا جو شبہ مسٹر انور پر تھا وہ بالکل اور بے بنیاد تھا۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکرا کر) ایک چاء کی پیالی میں بڑی بڑی کرامتیں تھیں یعنی چاء پلانے والے کا کیریکٹر یکبارگی کس قدر بلند کر دیا اور تمہاری دلی نفرت کو دفعتاً مخلصانہ مدح سرائی سے کیسا بدل دیا؟

اس پر زہرہ غیر معمولی طریقے سے شرما گئیں۔ مگر پھر مسکرا کر بولیں۔

بھائی جان۔ آپ بڑے خراب آدمی ہیں..... آپ مجھے بناتے ہیں؟۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا.... مسٹر انور سے آپ کو اس قدر نفرت ہے کہ آپ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کی کوئی جائز تعریف کی جائے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکراتے ہوئے) نہیں۔ میں انور کا کچھ ایسا مخالف بھی نہیں ہوں کہ اگر تمہیں ان کا ذرا بھی خیال ہو تو میں تمہاری طرف سے نہایت خوشی سے انھیں شادی کا پیغام نہ بھیج سکوں۔ میں بالکل تیار ہوں۔ صرف مجھے تمہارے ادنیٰ سے اشارے یا معنی خیز خاموشی کا انتظار رہے..... سچ مذاق نہیں!!

اس پر کوئی زہرہ کی صورت دیکھتا۔ شرمندگی۔ غصے اور جھنجلاہٹ کی اس کے چہرے پر قابل دید کشمکش تھی۔

اور یہ کہہ کر۔ بھائی جان مجھے اس قسم کا مذاق نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ تو وہ پہلے تو زور سے کچھ دیر تک ہنسی اور پھر دفعتاً رونے لگی اور اس طرح رونے لگی جیسے اس کو بہت سخت صدمہ ہوا ہو.......

مس ہرمزجی نے فوراً بڑھ کر زہرہ کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے لپٹا لیا اور ہنس کر کہنے لگی ہٹی واہ! تم بھی کیسی چھپلٹی کی ہو.... مذاق کی بات پر کوئی اس طرح روتا ہے؟... (اپنے رومال سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے) ہشو بھی... میں ہی سے نخرے! اب ہنسو ہنسو! تمہیں ہنسنا پڑے گا! کوئی بات ہے؟ توبہ! تمہارے بھائی جان لیے

بھیّہ میں... دیکھو آج میں انکی ایسی ایسی سزا دیتی ہوں کہ یہ بھی یاد کریں گے کہ چھوٹی بہن سے جا بیجا مذاق کرنا کوئی دل لگی نہیں ہے!!... اس قسم کی اور باتیں کر کے مس ہرمزجی نے زہرہ کو رفتہ رفتہ منا لیا جب زہرہ کے آنسو خشک ہوئے تو ڈاکٹر شیرازی سے مسکراتے ہوئے بڑے ناز سے بگڑ کر کہنے لگی... جائیے بھائی جان میں آپ سے اب کبھی نہیں بولونگی

مس ہرمزجی :- یہ بھولا پن کسی کا آہ بھولا ہے نہ بھولیگا

وہ رو دینا ہنسی میں اور ہنس دینا وہ رونے میں

ایسا سخت الٹی میٹم نہ دو۔ اگر یہ معافی مانگ لیں اور وعدہ کریں کہ آئندہ اس قسم کا بے ہودہ مذاق نہ کرینگے تو میری زہرہ انہیں معاف کر دینا سمجھیں... ہاں... تم بڑی اچھی ہو۔

ڈاکٹر شیرازی :- (مشکل سے ہنسی ضبط کرتے ہوئے) اچھا ہم وعدہ کرتے ہیں اب کبھی ایسا مذاق نہ کریں گے۔ زہرہ! اب تو ہم سے خوش ہو جاؤ۔

زہرہ :- (مسکرا کر)... میں تو آپ سے بہت ضروری بات کہنے والی تھی اور آپ نے خواہ مخواہ یہ باتیں چھیڑ دیں... میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ انور مسٹر انور کیسے ہی ہوں مگر مجھ کو ان سے سخت نفرت ہے۔ مجھ کو ان سے کلی بغض ہے۔

ڈاکٹر شیرازی :- خیر ہوگا بھی جانے بھی دو۔ مگر ہاں وہ تو مجھے بتاؤ کہ وہ کونسی ضروری بات تھی جو تم مجھ سے کہنے والی تھیں۔

زہرہ :- (ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر) وہ ایک ایسی بات ہے جس سے مجھے بیحد تشویش اور تردد ہے!! میں جب آج صبح یہاں سے موٹر پر کچھ جا رہی تھی تو میں نے کچھ دور جانیکے بعد یہ محسوس کیا کہ سڑک پر کہیں کہیں سرخ رنگ پڑا ہوا ہے۔ شروع میں تو میں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا مگر بعد میں میں نے دیکھا کہ کچھ کچھ فاصلے پر برابر سرخ رنگ سڑک پر پڑا ہوا تھا لیکن ڈبا بلیشر سے کچھ دور کے آگے جانے کے بعد پھر یہ رنگ مجھے نہیں نظر آیا اسلئے میں نے اس واقعہ پر زیادہ توجہ نہیں کی واپس آتے وقت ڈبا بلیشر کے پاس سے میں نے پھر سرخ رنگ کے

نشانات سڑک پر جابجا دیکھے۔ اور آپ کو سُن کر تعجب ہو گا کہ نشانات اتفاقیہ نہیں تھے بلکہ قریب قریب ہر میل ڈیڑھ میل کے بعد اور جبالیشر سے برابر اس مکان تک یہ نشانات موجود ہیں!!
ایک اور عجیب بات میں نے یہ دیکھی کہ موڑ پر جہاں سے موٹر شاہراہ سے اس مکان کی طرف مڑتا ہے۔ بہت سا سُرخ رنگ پڑا ہوا ہے۔ اور موڑ سے لیکر اس مکان تک بھی وہ جگہ جگہ پر پڑا ہے۔۔۔ مجھے یہ بات بہت ہی عجیب اور تشویشناک معلوم ہوتی ہے اور مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہ رنگ ہرگز اتفاقیہ نہیں ہے بلکہ دیدہ و دانستہ ڈالا گیا ہے اور اس کے کچھ معنے ہیں اور بُرے معنے ہیں:

ڈاکٹر شیرازی اور مس ہرمزجی یہ سن کر کچھ دیر تک دم بخود ہو گئے اور بڑے غور میں پڑ گئے پھر کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے کہا۔ تمہارا خیال بالکل صحیح ہے یہ رنگ اتفاقیہ نہیں ہے بلکہ دیدہ و دانستہ ڈالا گیا ہے۔ اور اس کے کچھ معنی ہیں۔ اور بُرے معنی ہیں

مس ہرمزجی۔ مگر رنگ اسطرح پر کون ڈالتا اور کیسے ڈالتا؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی پیدل جبالیشر سے آیا ہو اور رنگ ڈالتا گیا ہو۔ مگر یہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی موٹر پر یہاں تک آیا ہو اور رنگ راستے میں ڈالتا گیا ہو۔ مگر یہ بھی بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی موٹر پر یہاں تک آتا اور ہم لوگوں کو خبر نہ ہوتی۔ ہم اس کی آواز نہ سُنتے تو برجوں پر جو پہرے والے سپاہی رہتے ہیں وہ تو سنتے یا دیکھتے اور علاوہ اس کے اگر کوئی شخص ہماری جستجو میں تھا تو اول تو اُسے ہمارے دروازے تک پہنچنے کی ہمت کیسے ہوئی۔ اور پھر اگر اس کو راستہ ہمارے مکان کا معلوم تھا تو سُرخ رنگ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟۔۔۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتفاقیہ ہے؟

ڈاکٹر شیرازی۔ یہ اتفاقیہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بیسویں صدی میں کرامات اور معجزے نہیں دکھائی دیتے!! اور نہ میں بھوت پریت اور جنات کا قائل ہوں۔ یہ کسی آدمی کا کام

ہے۔ اگر بفرض محال ہمارے موٹر سے یہ رنگ گرا ہے تو پھر اُسے برابر گرنا چاہیئے تھا، کچھ یک لخت ملبے پر کیوں گرا۔ اور علاوہ اس کے ہمارے موٹر پر سرخ رنگ! وہ بھی اس قدر مقدار میں کہ میلوں تک گرتا رہے آتا کہاں سے؟ یہ تم سچ کہتی ہو کہ کوئی پیدل یا موٹر سے نہیں آیا۔ مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی بائیسکل پر آیا ہو اور راستہ میں رنگ گراتا گیا ہو۔

مس ہرمزجی:۔ ہاں یہ تو ہو سکتا ہے......... گو بائیسکل پر اتنی دور آنا اور واپس جانا مجھے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

زہرہ:۔ تو اس میں کیا ہے۔ چلئے۔ باہر چلیں۔ اگر کوئی بائیسکل پر آیا ہوگا تو سڑک پر اور خاص کر کچی سڑک پر بائیسکل کے پہیوں کے نشانات ضرور ملیں گے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ بس بس ٹھیک ہے چلو اٹھو۔ نشانات دیکھے جائیں!!

ڈاکٹر شیرازی کھڑا ہو گیا اور زہرہ اور مس ہرمزجی اٹھ کھڑی ہوئیں اور ڈاکٹر شیرازی کے ساتھ پیدل پھاٹک تک باہر گئیں۔ قریب ساڑھے پانچ بجے کا وقت تھا۔ شام ہو رہی تھی مگر سورج ابھی ڈوبا نہیں تھا۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (چلتے ہوئے زہرہ سے) تم آج گئی ہو۔ اور میں پرسوں صبح کو یہاں سے بمبئی گیا تھا۔ مگر میں نے کوئی سرخ نشانات سڑک پر نہیں دیکھے۔

مس ہرمزجی:۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ تھی میں نے بھی نہیں دیکھے۔ حالانکہ میں تمہارے ساتھ آگے ہی بیٹھی ہوئی تھی.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ رنگ یا پرسوں ڈالا گیا یا کل۔ دن میں کوئی شخص بائیسکل پر اس طرح رنگ ڈالنے کی کوشش کرے گا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہوگا کہ اس سڑک پر ہمارے موٹر اور آدمی برابر آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ رات ہی میں وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یعنی پرسوں رات اور کل رات کو اس نے ایسا کیا۔

قلعہ کے باہر تینوں نے بڑے غور سے سڑک پر بائیسکل کے نشانات تلاش کرنا شروع

سکے۔ سڑک کچی تھی۔ اس پر موٹر کے پہیوں کے نشانات تھے مگر یہ ڈاکٹر شیرازی کے موٹر کے تھے ان کو سب ہی پہچانتے تھے۔۔۔۔ بائیسکل کا نشان کوئی نہیں دکھائی دیا۔

زہرہ نے کہا۔ سوائے گھر کے موٹر کے اور کسی کے نشان تو نظر نہیں آتے لہٰذا کسی دوسرے موٹر کے آنے کا قصّہ تو ختم ہوگیا۔۔۔۔ اور مجھے تو بائیسکل کے نشان بھی کہیں نہیں دکھائی دیتے۔۔۔۔ عجیب معمّہ ہے!!۔۔۔۔۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں واقعی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔۔۔ وہ دیکھو ادھر نشان ہے!! موٹر کے آنے جانے سے کچھ مٹ گیا ہے مگر پھر بھی دکھائی دیتا ہے۔۔۔ اور دیکھو۔ یہ نشان پھاٹک سے مشکل سے پچاس گز فاصلے پر ہوگا۔ ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔

تینوں اسی طرح پھاٹک سے لیکر شاہ راہ تک بائیسکل یا موٹر یا کسی اور چیز کے نشانات کی تلاش کرتے ہوئے گئے مگر سوائے گھر کے موٹر کے اور کوئی نشانات دکھائی نہیں دیئے سب کی عقل دنگ تھی کہ یہ کیا قصّہ ہے اور سب کے دلوں میں عجیب عجیب شبہات اور توہمات پیدا ہو رہے تھے۔ اس جستجو میں خاصی دیر لگ گئی آفتاب ڈوب گیا مگر ابھی تک کچھ کچھ روشنی باقی تھی۔ بالآخر ڈاکٹر شیرازی نے خوف اور غصے کے لہجے میں کہا میں سمجھ گیا!! یہ کارروائی ہمارے ہی کسی آدمی کی ہے جو ہمارے دشمنوں سے ملا ہوا ہے! اسی نے ہمارے محفوظ مکان کا پتہ بتانے کے لئے یہ دغا بازی کی ہے۔۔۔۔ اور وہ شخص سوائے ہمارے ڈرائیور بومن جی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

مس ہرمزجی:۔ کیوں ڈرائیور کیوں۔ اور کوئی شخص کیوں نہیں؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں ممکن ہے کہ پھاٹک کا دربان بھی اس سازش میں شریک ہو مگر ڈرائیور ضرور شریک ہے!! اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

مس ہرمزجی:۔ تم کیا کہتے ہو بومن جی پاپا کے وقت کا ملازم ہے وہ کبھی ایسی نمک حرامی نہیں کر سکتا!!

ڈاکٹر شیرازی :۔ دیکھو! سوائے تمہارے موٹر کے جس کو بومن جی چلاتا ہے۔ تین چار دن کیا اس پورے مہینے میں کوئی موٹر نہ یہاں آیا نہ یہاں سے گیا اور یہ رنگ لیک ایسے شخص نے گرایا ہے جو تمہارے موٹر پر بیٹھا تھا۔ لہٰذا وہ شخص یا بومن جی ہے یا بومن جی اس کو بخوبی جانتا ہے.... اور سنو یہ ساری کارروائی سوائے اس کمبخت ملعون انور کے اور کسی کی نہیں ہو اسی نے کسی نہ کسی طرح بومن جی یا کسی اور شخص کو لا کر یہ کارروائی کرائی ہے .... (ایکبارگی جوش میں آکر)۔ مجھے قسم ہے اپنے والد مرحوم کی جان کی اگر انور نے مجھ سے یہ دغابازی کی ہے تو جب تک انور کا گوشت چیل اور کوے کھاتے ہوئے نہ دکھائی دینگے میں چین سے نہ بیٹھونگا......

(مسز برجی سے مخاطب ہو کر)..... اس حادثے کے ذمہ دار صرف تم ہو اور تمہاری حماقت!! میں منع کر رہا تھا مگر تم نہ مانیں اور تم نے انور کو روپیہ کے لالچ میں چھوڑ دیا..... تم جانتی نہیں کہ وہ کیسا فطرتی اور بے ایمان شخص ہے!!!..... تم عورتوں کا جس کام میں حصہ ہوتا ہے وہ اسی طرح بگڑتا ہے... اب معلوم نہیں کہ کس وقت تم لوگوں پر مصیبت آجائے!!! (غصے میں) بس تم کو اپنی عقل و فراست پر ناز ہے۔ اب تو مجھکو اور مجھے اور زہرہ کو ساتھ لے کر ڈوبو... (دانت پیس کر) انور! دغاباز! بے ایمان انور! تو مجھے ہرگز نہیں ہرا سکتا... اور اگر مجھے شکست بھی ہوئی تو میں بغیر تیری جان لئے نہ چھوڑونگا۔ پہلے تجھ کو جہنم پہنچادونگا پھر اپنے اوپر آنچ آنے دونگا.... ادھر ڈاکٹر شیرازی غصے سے دانت پیس رہا تھا۔ ادھر زہرہ کی عجیب حالت تھی اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کا حلق خشک ہو گیا تھا اس کی زبان تالو سے لگ گئی تھی اور اگر وہ بولنے کی کوشش بھی کرتی تھی تو اسکے منہ سے آواز نہ نکلتی اسکو انور سے محبت تھی اور گہری محبت تھی جس روز اس نے انور اور تہمینہ کو بجلی کے قمقمے کے نیچے فوجی پلیس میں دیکھا تھا اسی دن سے انور کی تصویر اس کے دل پر نقش ہو گئی تھی جب اسکو انور کے دفتر میں پہنچ کر پہلے پہل معلوم ہوا کہ انور کشور سلطانہ کا شوہر ہے تو اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا مگر اتفاق سے اس نے اسی وقت کشور کا خط پڑھ کر یہ بھی دریافت کر لیا کہ انور اور کشور کے تعلقات

جاتے نہیں ہیں۔ رفتہ رفتہ کشور کی ازدواجی زندگی سے اس کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انور اور کشور کی شادی بالکل زبردستی ہے۔ اسی وقت سے اس نے کوشش شروع کر دی کہ کشور اور انور میں نفاق ہو جائے اور کشور کی شادی ڈاکٹر شیرازی سے ہو جائے تاکہ انور اس کو مل جائے۔ چنانچہ اس نے نہایت ہی چالاکی سے اس کی کوشش شروع کی اور اس میں اُسے اپنی اُمید سے بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کو پہلے انور سے یہ شکایت تھی کہ وہ کشور کو چاہتا ہے مگر جب اُس نے محسوس کیا کہ انور مہ جبین کا گرویدہ ہے تو کشور کی خلش اس کے دل سے نکل گئی مگر ایک نئی خلش مہ جبین کی اس کی جگہ پر پیدا ہو گئی اور اسی وجہ سے وہ انور سے بیدرد رہتی تھی۔ آج جب اُسے معلوم ہوا کہ مہ جبین طوائف کی لڑکی نہیں تھی بلکہ شریف زادی تھی اور انور کا اس کی مدد کرنا محض اس کی ہمدردی اور ذاتی شرافت کے سبب سے تھا اس وقت سے اس کا دل ہلکا ہو گیا اور اس کے دل میں جو انور کی محبت آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی یک بیک بھڑک اٹھی۔ مگر یہ بھی ایک عجیب افسوسناک اتفاق تھا کہ آج ہی واقعات نے خلاف امید ایسی ہیبتناک صورت اختیار کر لی کہ اس کا سگا بھائی جو پہلے ہی کشور کی وجہ سے انور کا دشمن ہو رہا تھا دفعتاً اس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ اس کے دل میں ایک عجیب خلش آمیز تپش تھی کہ بھائی کا ساتھ دے یا اپنے محبوب کا اور اسی خلش سے بڑھ کر یہ خوفناک خیال بھی تھا کہ اگر بھانڈا پھوٹا تو مس ہرجی اور ڈاکٹر شیرازی وغیرہ کے ساتھ وہ خود بھی یقیناً ماخوذ ہو گی۔ پھر کیا ہو گا؟ ان ہی تمام پریشان خیالات اور پرخلش جذبات نے اس کے دل کو ایک آتشکدہ بنا دیا اور اس کی وہ حالت ہو گئی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

مس ہرجی نے ڈاکٹر شیرازی کے خشمگین الزامات کا اس طرح جواب دیا۔
ممکن ہے کہ موہن جی پر ہمارا شبہ صحیح ہو مگر ابھی میرے دل میں یہ بات نہیں اترتی۔

ڈاکٹر شیرازی:- (غصے میں) وہ تو جب تک نہ اترے گی۔ عورت کی ضد اور ہٹ تو دنیا میں مشہور ہے اور تم کچھ بھی ہو جاؤ مگر پھر بھی عورت ہی۔ پوچھتا ہوں کہ اگر موہن جی کی یہ سازش نہیں ہے تو کیا شیطان رنگ ڈالنے کے لئے آسمان سے اتر آیا یا زمین میں سرخ رنگ کا کوئی چشمہ ہے

جو ہر میل ڈیڑھ میل پر زمین سے پھوٹ پھوٹ کر نکلا ہے!!! ... میں ابھی بومن جی کو بلاتا ہوں۔ اور اگر اس نے اقبالِ جرم نہ کیا تو میں بلا پس و پیش اُسے گولی مار دوں گا۔ میں سب کچھ معاف کر سکتا ہوں مگر دغابازی نہیں معاف کر سکتا!!!

مس ہرمزجی:۔ ہاں ہاں! اگر اس نے دغابازی کی ہے تو تم کیا میں خود اُسے گولی مار دوں گی مگر پہلے ٹھنڈے دل سے جانچ کر لو۔ پھر جو چاہنا کرنا...... محض جرم سے انکار کرنا اس کے جرم کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ یہ تمہاری کیسی منطق ہے؟.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ یہ رنگ کس نے ڈالا؟

مس ہرمزجی:۔ اچھا پہلے گھر واپس چلو وہاں اطمینان سے بیٹھ کر اس پر غور کرنا اور اگر ضرورت سمجھنا تو اپنے جان نثاروں کو مشورے میں شریک کر لینا۔ ممکن ہے کہ سب مل کر اس پر غور کریں تو یہ عقدہ حل ہو جائے!!........ اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ غصے کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے!!"

یہ نصیحت کچھ ڈاکٹر شیرازی کی سمجھ میں آ گئی اور مس ہرمزجی اور زہرہ کو ساتھ لیکر اسی کمرہ میں جا کر بیٹھ گیا جس میں زہرہ کے آنے کے پہلے وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسی کمرے میں فی الفور پندرہ قابلِ اعتماد آزمودہ کار ڈاکو بھی مشورہ کے لئے بلوائے گئے۔ بومن جی کا بھی بیان لیا گیا اور ڈاکٹر شیرازی نے خوب جی بھر کر اس سے جرح کی مگر بومن جی پر جرم ثابت نہیں ہوا۔ ایک بہت مسکت جواب اس کا یہ تھا کہ پرسوں دن بھر اور رات بھر اور کل دن بھر اور رات کے ۱۲ بجے تک اسکو موٹر سے کوئی تعلق ہی نہ تھا کیونکہ موٹر خود ڈاکٹر شیرازی کے پاس تھی اور وہی اسکو چلا رہا تھا اب رہا گیارہ بجے رات سے صبح تک کا سوال تو ان ہی آدمیوں میں جو وہاں موجود تھے۔ تین آدمیوں نے اس کی شہادت دی کہ بومن جی ان ہی کے کمرے میں گزشتہ رات کو رہا کہیں باہر نہیں گیا اس شہادت پر الزام کا خاتمہ ہو گیا...... مگر الزام کے خاتمہ کے ساتھ پھر وہی سوال پیدا ہو گیا کہ یہ آخر کس کا کام ہے۔

بہت دیر تک اس مسئلہ پر تبادلۂ خیالات اور رائے زنی ہوتی رہی۔ مگر کوئی اطمینان بخش نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بالآخر یہ سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اگر دشمنوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان کے گروہ کی جائے پناہ یہ مکان ہے تو آخر وہ کیا کرینگے اور کیا کر سکتے ہیں؟ ان کے پاس کونسا ثبوت ہے جس پر پولیس انہیں گرفتار کر سکتی ہے؟ ثبوت میں ایک تو انور کی زبانی شہادت ہوگی اور اس کی تائید کشور سلطانہ اور بڑی بی کے بیان سے ہوگی۔ سب سے بڑھ کر تائید اس کی کشور سلطانہ اور بڑی بی کی اس مکان میں موجودگی سے ہوگی۔ لہذا مجمع میں کسی ایک نے یہ رائے دی کہ جو ان کے خلاف ثبوت ہے اسکو درہم برہم کر دینگی سب سے آسان مگر ضروری ترکیب ہوگی کہ پیشتر اس کے کہ پولیس آئے اور انور ابھی جا بھی نہ پائے انور کو گرفتار کر لیں اور بڑی بی اور کشور سلطانہ کو یا تو اسی مکان میں کہیں چھپا دیا جائے یا پولیس کے جانے کے بعد کسی تدبیر سے انہیں نکال کر جنگل کے کسی حصہ میں چھپا دیا جائے مگر انہیں ایک وقت موٹر میں بٹھا کر کسی دور دراز مقام پر پہنچا دیا جائے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ میرا پہلا حکم تو یہ ہے کہ فریدوں جی تم جاؤ اور ایک ایک مسلح سپاہی ہر ایک برج پر بٹھا دو۔ اور خود قلعہ کی دیوار پر گشت لگاتے رہو۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور فریدوں جی فوراً اٹھا اور حکم کی تعمیل کے لئے کمرے سے باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ ..... انور کو اس وقت گرفتار کرنا آسان نہیں ہے۔ اگر انور اس سازش میں شریک ہے جس کا مجھے یقین کامل ہے تو اس وقت وہ یا تو کسی بڑے محفوظ مقام پر ہوگا یا اس پر پولیس کا پہرہ ہوگا۔ بہر صورت اس کا گرفتار کرنا ناممکن ہوگا۔ لہذا انور کو بیکار کرنے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے ....

....

کئی آوازیں:۔ وہ کیا؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ (آنکھیں نکال کر اور ہر لفظ پر زور دیکر) وہ صورت صرف یہ ہے کہ جس طرح سے بھی انور کا جلد سے جلد خاتمہ کر دیا جائے!!۔ بجز اس کے اور کوئی صورت نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے!!

زہرہ اس جملے پر ایسی چونک پڑی جیسے اس کے دل میں کسی نے دفعتاً چھرا بھونک دیا۔

ڈاکٹر شیرازی بولا... میرے بہادر ساتھیو۔ انور کو مرنا چاہیئے۔ اور جلد مرنا چاہیئے ہمارے گروہ کی بہبودی اور بقا اسی پر منحصر ہے۔ ورنہ یہ خوب سمجھ لو کہ اگر انور صحیح سلامت بچ گیا تو پھر پھانسی یا کالا پانی اور ہم لوگوں میں بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ باقی رہ جائے گا۔ مجھے دیکھنا ہے کہ تم میں سے کون بہادر اس نہایت ہی اہم اور ضروری فرض کے انجام دینے کے لئے پیش قدمی کرتا ہے!!"

اس خونخوار گروہ میں سے پہلے ایک آدمی بڑھا پھر دوسرا۔ پھر تیسرا پھر چوتھا پھر سب نے ایک آواز ہو کر کہا۔ ہم سب تیار ہیں جس کے سپرد آپ یہ خدمت کیجئیگا وہی اس کا انجام دینا اپنا فخر سمجھیگا۔" ڈاکٹر شیرازی نے اس گروہ میں سے دو آدمیوں کو جو ان سب میں زیادہ خونخوار اور آزمودہ کار تھے اس کام کے لئے منتخب کر کے مامور کیا۔ پھر سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ لوگ کہاں سے جائیں کس طرح؟ موٹر ایک ہی تھا۔ اور ابھی بڑی بی اور کشور سلطانہ کے لئے فکر کرنا تھی۔ ان میں کے ایک شخص نے کہا میرے خیال میں موٹر میں ششمشیر اور رنجیت کو بھیج دیجئے اور ان دونوں عورتوں کو اس تہ خانے میں بند کر دیجئے جو سنتے ہیں کہ اس مکان کے نیچے بنا ہے!!!

مس ہرمزجی بولی۔ نہیں۔ تم جانتے نہیں۔ انور کے ساتھ علاوہ پولیس کے ایک گرگ باراں دیدہ ممتاز بھی ہوگا۔ اگر پولیس یہاں پہنچ گئی تو ان عورتوں کے ڈھونڈ نکالنے میں اُسے زیادہ وقت نہ ہوگی اور پھر اس کے بعد جو ثبوت ہم لوگوں کے خلاف پیدا ہو جائیگا وہ ہم سب کو حبس دوام کرانے کے لئے کافی سے زیادہ ہی ہوگا۔ اور اگر پولس کے دھوکہ یا کچھ سے ہم لوگوں میں سے کوئی وعدہ معاف مخبر بن گیا تو پھر پھانسی کی سزا بھی ہم میں سے ہر ایک کے لئے بہت ہی ملائم سزا سمجھی جائے گی۔

ایک ڈاکو بولا۔ یہاں سے زیادہ محفوظ کوئی اور مقام نہیں مل سکتا۔ ان کو باہر لے جانے میں بمقابلہ یہاں کے بدرجہا زیادہ خطرہ ہے!!

دوسرا ڈاکو :- بہترین تدبیر تو یہ ہوگی کہ دونوں کو مار کر یہیں دفن کر دیا جائے یا دریا جو یہاں سے بہت قریب ہے اس میں ڈال دیا جائے!!.......

مس ہرمزجی :- میری بھی یہی رائے ہے اور یہی کرنا چاہیئے!!! اس وقت اپنی جان بچانا ہم لوگوں کا پہلا فرض ہے اور اتنے بہادروں کی جانیں بچانے کے لئے ان دونوں عورتوں کی بے مصرف جانیں لے لینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ میرے خیال میں اس وقت نہایت ہی ضروری ہے!!! اگر ہم نے اس معاملہ میں ذرا بھی کمزوری دکھائی تو یاد رکھیئے کہ ہماری بیجا رحمدلی یقیناً خودکشی کے برابر ہوگی۔

مجمع میں سب نے اس رائے سے نہایت جوش و خروش سے اتفاق کیا۔ صرف ڈاکٹر شیرازی خاموش تھا۔ لہذا سب کے سب اس کی صورت سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر شیرازی کا چہرہ کسیقدر زرد ہوگیا تھا مگر اس کی آبروؤں پر بل پڑے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک اور گہرائی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر شیرازی ڈاکوؤں کے سردار اور ڈاکٹر شیرازی کشور کے شیدائی میں ایک نہایت ہی سنگین کشمکش ہو رہی تھی بطور ڈاکوؤں کے سردار کے اس کا فرض یہی تھا کہ جس طرح اس نے انور کے قتل کا بیدھڑک حکم دیدیا تھا اسی طرح وہ کشور کے قتل کا بھی بلا تامل حکم دیدے مگر بطور کشور کے شیدائی کے اس کے دل کا فرمان یہ تھا کہ اس کے تمام ساتھیوں کو پھانسی ہو جائے مس ہرمزجی کو بھی حبس دوام یا موت کا حکم ہو جائے مگر اس کی کشور کو ذرا بھی کوئی گزند یا صدمہ نہ پہنچے۔ اس کو مس ہرمزجی کی برجستہ تائید قتل پہلے تو تعجب ہوا مگر پھر وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ کشور کے قتل کی مس ہرمزجی نے کیوں اسقدر پرجوش تائید کی۔ اتفاق سے ویسا ہی جذبۂ رقابت اُسے انور کے قتل پر اصرار کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ڈاکٹر شیرازی کے دل میں مس ہرمزجی کیطرف سے شدید نفرت کا ایک شعلہ بلند ہوا وہ سمجھ گیا کہ حفاظت خود اختیاری کی دلیل محض ایک بہانہ ہے اور مس ہرمزجی کا اصلی مقصد محض اپنی رقیب کشور کی جان لے کر اس کو اپنے راستہ سے ہٹانا ہے.... لیکن.... وہ

اپنی خود غرضی اور محبت کے جنون میں یہ نہ محسوس کر سکا کہ وہ خود بھی بجنسہٖ اسی جذبے سے مغلوب ہو کر انور کے قتل کا حکم دے چکا تھا۔ وہ اسے محسوس کرتا تو کیسے کرتا کیونکہ خود غرضی اور محبت کی منطق دنیا کی منطق سے صرف مختلف ہی نہیں بلکہ بالکل برعکس ہوتی ہے!!!

جب مس ہرمزجی کی جوشیلی رائے کی ہمہ گیر تائید کا شور کم ہوا اور ڈاکٹر شیرازی کا چہرہ سب کی سوالیہ نگاہوں کا مرکز بن گیا تو اس نے بڑی متانت سے اور گرجتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ خون کرنے میں جان لینے میں آجتک نہیں کبھی کسی کے پیچھے رہا ہوں اور نہ پیچھے رہونگا۔ مگر میرے بہادر ساتھیو خون وہی بہانا چاہیئے جسکے بہانے کی اشد ضرورت ہے جان وہی لینا چاہیئے جس کے لینے کی ناگزیر حاجت ہو!! انور کا قتل اس لئے ضروری ہے کہ وہی اس ساری سازش کا روح رواں ہے وہ انتہا درجے کا بے ایمان ہے دغا باز ہے پیمان شکن ہے۔ اور وہ ہرگز کسی روُرعایت کا مستحق نہیں ہے مگر یہ دونوں عورتیں یعنی کشور سلطانہ اور اسکی بوڑھی خادمہ علاوہ عورت ذات اور بے بس ہونیکے بالکل معصوم اور ناکردہ گناہ ہیں۔ ان بیگناہ عورتوں کی جان لینا صرف ایک اندھی حماقت ہوگی بلکہ اس سے زیادہ نامردی اور بزدلی کا کام نہ ہم سے آجتک سرزد ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ انکو قتل کرنیکی یہ وجہ کہ ہم انکو کامل حفاظت سے کہیں چھپا نہیں سکتے مجھے بالکل لغو اور مہمل معلوم ہوتی ہے تم نے جو یہ خبر سنی ہے کہ اس مکان میں تہ خانے ہیں وہ بالکل صحیح ہے مگر یہ خیال کہ تہ خانے محفوظ نہیں سراسر غلط ہے یہ تہ خانے کسی معمولی شخص نے نہیں بلکہ سر ہرمزجی نے بنوائے ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ کس قدر خوش تدبیر، دور اندیش اور عقلمند شخص تھے.... جو راز ان تہ خانوں کے متعلق میں جانتا ہوں وہ تم میں کوئی بھی نہیں جانتا مس ہرمزجی بھی نہیں جانتی۔ اور میں اس لئے جانتا ہوں کہ قریب تین سال ہوئے کہ حسن اتفاق سے مجھے ایک میز کی دراز میں تہ خانوں کا ایک نقشہ اور نقشے کے ساتھ چند ضروری ہدایتیں خود مرحوم ہرمزجی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مل گئیں۔ اس طرح میں تہ خانوں کی ساخت کے راز

ے اتفاقاً آگاہ ہو گیا اور میں نے اس نقشہ اور ہدایت کی مدد سے تہ خانوں کی پوری جانچ بھی کر لی اور انکی صفائی بھی کروادی میں نہایت خوشی سے تمہیں ان تہ خانوں کے راز سے آگاہ کردوں گا جب سردار ہرمزجی کے حکم اور ہدایت کے مطابق اسکا وقت آجائے گا تمہاری حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں۔ میرے بہادر ساتھیو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمکو مجھپر اور میرے قول پر قطعی اعتبار اور کامل بھروسہ ہے یا نہیں ہے؟

سب نے یک آواز کہا:۔ ہم سب کو آپ پر پورا اعتبار ہے!!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو پھر میرے بھائیو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تہ خانے بالکل محفوظ ہیں۔ اور میں تمہاری حفاظت کا ضامن ہوں۔ پہلے میں تم کو حفاظت کی جگہ پر پہنچادوں گا۔ اس کے بعد میں اپنی حفاظت کی فکر کرونگا۔ کیا اس وعدے کے بعد بھی تم میں سے کسی کو بے اطمینانی ہے؟ اگر ہو تو وہ شخص صفائی سے کہدے تاکہ میں اس کا اطمینان بھی کردوں......

کئی آوازیں:۔ نہیں اب کسی کو بے اطمینانی نہیں ہے۔ ہم آپ کے درس ہرمزجی کے لیئے اپنی جانیں سپر کرنے کے لیئے تیار ہیں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ بیشک! بہادر بھائیو! مجھ کو تم سے یہی امید ہے

اس تقریر کے بعد ڈاکٹر شیرازی شمشیر خاں اور رنجیت سنگھ کو کمرے کے باہر لے گیا اور ان کو علحدہ لے جاکر ہدایت کی کہ وہ فوراً مسلح ہوجائیں اور موٹر پر بیٹھ کر ایک مقام پر (جس کا پتہ اس نے اچھی طرح سمجھادیا) چلے جائیں اور وہاں جاکر کسی گھنے درخت کے نیچے موٹر روک لیں اور اسکی روشنیاں بجھادیں اور اگر وہ رات میں سیٹی دے تو وہ ہر تین سیٹی کے بعد موٹر کی روشنیاں دو سکنڈ تک جلائیں اور پھر بجھادیں۔ اور جب تک انھیں کوئی دوسرا حکم نہ ملے وہ رات بھر اسی مقام پر رکے رہیں۔ اگر دن ہوجائے تو وہ یہ سیدھے بمبئی چلے جائیں۔ اور وہاں پہنچکر موٹر فوراً واپس کردیں........

وہ مقام جہاں ڈاکٹر شیرازی نے ان دونوں آدمیوں کو موٹر روکنے کی ہدایت کی تھی قلعہ سے قریب چار فرلانگ کے فاصلہ پر تھا اور قلعہ کے جنوبی مشرقی سمت پر تھا۔ اس مقام کے پاس ہی دریا بہتا تھا۔

رخصت ہوتے وقت ڈاکٹر شیرازی نے ان کو آخری ہدایت ان الفاظ میں دی... "دیکھو میری ہدایت پر حرف بحرف چلنا۔ اگر تم نے ذرا بھی خلاف ورزی کی تو ساری ذمہ داری تمہاری ہوگی!!" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر شیرازی پھر اسی کمرے میں داخل ہوا جہاں سب لوگ جمع تھے سب کو مخاطب کرکے اس نے کہا: "میں نے شمشیر خاں اور رنجیت سنگھ کو ان کے کام پر بھیج دیا ہے.... اب تم سب بھی اطمینان سے اپنے اپنے مقام پر جاؤ مگر ذرا ہوشیاری سے سونا۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ آج ہی پولیس یہاں آئے۔"

ایک ڈاکو:۔ "مگر سردار آپ نے ہمیں اب تک بتایا نہیں کہ اگر پولیس آپہونچے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے!!"

ڈاکٹر شیرازی:۔ "گھبراؤ نہیں، مقابلہ کرنا ہوگا تو مقابلہ کیا جائے گا ورنہ مصلحت سے کام لیا جائے گا۔ اس کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو......"

سب نے اس فیصلہ کو خوشی سے قبول کیا اور یکے بعد دیگرے تین مرتبہ "سردار زندہ باد" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سب اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔ صرف زہرہ۔ مس ہرمزجی اور ڈاکٹر شیرازی رہ گئے۔

مس ہرمزجی:۔ (محبت کے لہجے میں) "اگر تم میرے اور میرے سارے گروہ کے پشت پناہ نہ ہوتے تو آج ہم لوگوں کا خاتمہ ہی ہوگیا تھا۔ ہر معاملے میں تم کیسی پختہ اور لاجواب رائے دیتے ہو۔ میں تو تمہاری ہمیشہ سے قائل تھی مگر آج تو میں تمہاری مرید ہوگئی میں نے جو کشور سلطانہ اور اُنکی خادمہ کے قتل کی رائے دی تھی وہ محض ایک گھبراہٹ میں دی تھی کہ تہ خانوں کا راز کھل جائیگا اور پولیس کو ہمارے خلاف مکمل ثبوت مل جائے گا۔

میں نہیں جانتی تھی کہ پاپا نے تہ خانوں کا کوئی نقشہ یا ان کے متعلق کچھ تحریری ہدایتیں چھوڑی ہیں۔
ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں۔ بالکل۔ اتفاق سے میں ایک دن تمہارے پاپا کی ایک پرانی میز کی درازیں کھول کھول کر ان میں جو کاغذات تھے ان کا معائنہ کر رہا تھا مجھے تہ خانوں کا نقشہ اور ان کی ساخت اور کھولنے بند کرنے وغیرہ کی تحریری ہدایتیں مل گئیں۔ وہ ہدایتیں سردار ہرمزجی نے اپنے جانشین کے لئے لکھی تھیں مگر شاید وہ لکھ کر بھول گئے یا انھیں ان کاغذات کو تمہیں سپرد کرنے کا موقع نہیں ملا۔
مس ہرمزجی:۔ ہاں۔ پاپا کے قلب کی حرکت تو یک بیک بند ہو گئی کسی سے کچھ کہنے سننے کا تو انھیں موقع ہی نہیں ملا۔
ڈاکٹر شیرازی:۔ ہاں یہی وجہ ہوئی اور میں تو تم سے کہہ دیتا مگر میں نے اس لئے بھی تم سے نہیں کہا کہ سردار ہرمزجی نے اس کی سخت تاکید کی تھی کہ یہ راز ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص کو معلوم ہونا چاہئے، اور وہ شخص اس راز کو اسی وقت ظاہر کرے جب اور کوئی صورت باقی نہ رہ گئی ہو..... چونکہ اتفاق سے بجائے تمہارے مجھکو یہ راز معلوم ہو گیا۔ اس لئے میں نے سردار ہرمزجی کی عدول حکمی کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تم سے بھی میں نے نہیں کہا۔ آج ضرورت پڑی تو مجھے کہنا پڑا......
مس ہرمزجی:۔ نہیں مجھے کوئی شکایت نہیں۔ تم نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم نے تہ خانوں کی صفائی کس طرح کرائی؟......
ڈاکٹر شیرازی:۔ ایک مرتبہ میں نے ایک نہ ایک بہانے سے سب کو یہاں سے رخصت کر دیا اور بمبئی سے کچھ مزدوروں کو بلوایا اور انکی آنکھوں پر پٹی بندھوا کر ان سے تہ خانوں کی صفائی کروا دی اور پھر انھیں رخصت کر دیا۔ انکی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں میں انھیں ادھر ادھر اسقدر چکر دیکر تہ خانوں میں لے گیا اور پھر باہر لے آیا ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی ہو گی کہ وہ کہاں گئے تھے اور کہاں کی انھوں نے صفائی کی

مس ہیرو جی۔ اگر کوئی ہرنانہ سمجھو تو مجھے اور زہرہ کو بھی تہ خانوں کا راز بتا دو اور آج ہی بتا دو۔ پاپا کا یہ کبھی مقصد ہو سکتا ہی نہ تھا کہ انکی لڑکی اور جانشین کو بھی راز معلوم نہ ہو۔ خدا معلوم کیسی پڑے کیسی نہ پڑے اگر علاوہ تمہارے مجھکو بھی یہ راز معلوم ہو جائیگا تو اس سے کچھ فائدہ ہی ہوگا نقصان نہیں ہو سکتا اور زہرہ تو تمہاری سگی بہن ہی ہیں۔ انکی وفاداری اور جان نثاری کا کیا کہنا۔ ایسی بہنیں ہوتی کہاں ہیں؟

ڈاکٹر شیرازی۔ نہیں۔ مجھے تم دونوں پر پورا بھروسہ ہے۔ اور مجھے تم دونوں کو اس راز سے آگاہ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ چلو میرے ساتھ چلو۔ مگر ایک ایک بجلی کی ٹارچ بھی لے لو۔......

جلدی جلدی دونوں اپنے اپنے کمرے سے ایک ایک ٹارچ لے آئیں۔ ڈاکٹر شیرازی نے بھی ایک ٹارچ لے لی۔ اور تینوں ڈرائنگ روم کے دکھن طرف ملا ہوا جو کھانے کا کمرہ تھا اس میں داخل ہوئے۔ تینوں نے ملکر کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے کھانے کے کمرے کا فرش سنگ مرمر اور سنگ اسود کے چوکور تختوں کا تھا۔ کمرے کی مشرقی دیوار کے بیچ میں ایک خوبصورت آتشدان تھا۔ ڈاکٹر شیرازی اس آتشدان کے پاس گیا۔ اور اس کے اندر ہاتھ ڈالکر ایک لوہے کے گیند کو بظاہر آرائش کے لئے آتشدان کے اندر لگا ہوا تھا اوپر سے قریب ۱/۲ فٹ نیچے تک کھینچ لیا۔ اور کہا لوہے کے گیند کو نیچے کھینچنے میں ذرا زور پڑتا ہے معمولی زور سے یہ اوپر سے نیچے نہیں آئیگا۔ یاد رکھو یہ پہلا کام ہے اب آؤ ذرا کھانے کی میز کو پکڑ کر اتر کی طرف کھینچ لو..... (میز قریب ۲ فٹ اتر کی طرف کھینچکر کمرے کی جنوبی دیوار کے پاس جاکر اور جہاں ایک لکڑی کی چوڑی سی کارنس تھی وہاں کھڑے ہو کر) اچھا اب دونوں میرے پاس چلی آؤ۔ اور جہاں پر میز تھی وہاں مت جانا میرے پاس کھڑی ہو اور دیکھو میں کیا کرتا ہوں..... دیکھو اس کارنس کے نیچے بیچ میں ایک لکڑی کا گیند اوپر ہے اور ایک چھ انچ کے فاصلہ پر ادھر ہے۔ دونوں آمنے سامنے ہیں۔ ایک پورب کی طرف ایک پچھم کی طرف

اب دیکھو پورب کی طرف کا گیند میں پچھم کی طرف ڈھکیلتا ہوں جیسے ہی ڈاکٹر شیرازی نے پورب کی طرف کا گیند پچھم کی طرف ڈھکیلا قریب پانچ فٹ مربع سنگ مرمر موسی کا فرش اس مقام سے جہاں پہلے میرتقی دفعتاً اندر کو بغیر کسی آواز کے گر گیا اور کمرے کے فرش میں پانچ فٹ مربع کا غار ہو گیا۔ مگر نیچے گر کر اسپرنگ کے ذریعہ سے دو ہی سکنڈ کے اندر وہ پانچ فٹ مربع فرش کا ٹکڑا ابھر اوپر آ گیا اور فرش کے ساتھ جیسے پہلے لگا تھا ویسے ہی پھر لگ گیا۔ مسں ہرمزجی اور زہرہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ زہرہ نے کہا بڑا اچھا ہوا جو ہم لوگ وہاں کھڑے نہیں تھے۔ اگر کھڑے ہوتے تو دونوں ایک ساتھ اسی غار میں گر پڑتے..... مگر جانیجان یہ تو بتایئے کہ نیچے جانے کا راستہ کہاں ہے؟

ڈاکٹر شیرازی :- نیچے جانے کا راستہ اس وقت پیدا ہوگا جب تم ایک سکنڈ میں پورب کے گیند کو پچھم کی طرف ڈھکیلو اور دوسرے ہی سکنڈ میں پچھم والے گیند کو پورب کی طرف کھینچو۔ یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر شیرازی نے ایسا ہی کیا۔ پانچ فٹ مربع فرش پھر نیچے چلا گیا مگر جانے اور واپس آنے کے وہ نیچے ہی پچھم کی طرف ٹھہر رہ گیا اور پورب کی طرف ایک چھوٹا سا خوبصورت لکڑی کا زینہ اوپر کے فرش سے لیکر نیچے تک خود بخود نکل آیا۔ ٹارچ کی روشنی اندر ڈال کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ نیچے ایک چھوٹا سا کمرہ ہے قریب ۸ فٹ مربع اور اس کمرے کے دکھن کی دیوار میں ایک کھلا ہوا کمرہ ہے اور کمرے کے فرش پر ایک بہت موٹا سا نرم ایرانی قالین بچھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر شیرازی اسی لکڑی کے زینے سے نیچے اتر گیا اور اسی طرح مس ہرمزجی اور زہرہ بھی نیچے اتر گئیں۔ فرش پر پہنچکر اس کھلے ہوئے در میں داخل ہو کر تینوں آدمی ایک نہایت پختہ چوکور کمرے میں داخل ہوئے جو کم از کم ۱۶ فٹ لمبا اور ۱۶ فٹ چوڑا تھا اور اس کی چھت کم از کم ۱۰ فٹ اونچی تھی۔ اور جس کا فرش نہایت چکنی سمنٹ کا بنا ہوا تھا۔ کمرے کی ہر دیوار میں ہوا کے آنے جانے کے لئے ایک ایک چھوٹا سا روشندان تھا اور اسمیں خوب ہوا آ رہی تھی۔ اور چاروں طرف ایک ایک دروازہ بھی تھا۔ یہاں پہنچکر

ڈاکٹر شیرازی نے دونوں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا۔ اب بتاؤ یہاں سے کہاں جاؤ گی؟

زہرہ:۔ (ہنستے ہوئے) واہ ہم کیا جانیں کہاں جائیں گے۔ آپ ہی بتائیے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مسکرا کر) اچھا پہلے تو تمہیں یہ بتا دیں جو بہت ضروری ہے کہ اگر فرش کا ٹکڑا جو اس چھوٹے کمرے میں نیچے لگ گیا ہے تم پھر اوپر کرنا چاہو تو دیکھو اس کمرے کی کارنش کے نیچے بھی اوپر کی طرح دو لکڑی کے گیند ہیں۔ اگر تم پچھم والے گیند کو پورب کی طرف کھینچو گی تو یہ فرش اوپر ہو جائے گا اور جیسے لگا تھا ویسے ہی کر کے فرش سے مل کر لگ جائیگا اور اگر تم پھر اس فرش کے ٹکڑے کو نیچے اپنی جگہ پر جیسے اس وقت ہے کرنا چاہو تو پورب کے گیند کو پچھم کی طرف کھینچ لو۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر شیرازی نے گیندوں کو ادھر ادھر کھینچ کر دونوں کو فرش والے دروازہ کا اوپر جانا اور پھر نیچے چلا آنا دکھلایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے کہا۔ یہ تہ خانہ بھی ایک اچھا خاصہ مکان ہے۔ جیسے اوپر کا مکان ہے اور قریب ویسے ہی اس کے کمرے بھی ہیں۔ چلو میں تمہیں ایک ایک کمرہ دکھا دوں۔

کمرے سب بہت ہی خوبصورت اور نہایت مضبوط اور چکنی سمنٹ کے تھے اور سب میں موٹی موٹی چٹائیاں اور خوش رنگ دریاں بچھی ہوئی تھیں اور سب آراستہ تھے۔ اور بڑے تعجب کی بات یہ تھی کہ تہ خانے کا ہر ایک کمرہ بہت ہی ہوادار تھا۔ سب کمروں کا معائنہ کرا کے ڈاکٹر شیرازی نے کہا کہ اب میں تم کو ایک آخری راز بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس خانے سے ایک نہایت کشادہ اور پختہ سرنگ کے ذریعے سے جو ایک فرلانگ لمبی ہے ایک راستہ قریب دریا کے کنارے تک گیا ہے۔ اس سرنگ کے بیچ میں قریب ستر ستر گز کے فاصلے پر تین بڑے بڑے کمرے ہیں کم از کم ۲۶ فٹ لانبے اور ۲۰ فٹ چوڑے اور قریب ۱۰ فٹ اونچے اور سرنگ اور یہ کمرے اوپر سے نیچے تک سب نہایت ہی مضبوط چکنی اور چمکدار سمنٹ کے

بنے ہوئے ہیں اور ان ہی کمروں کی طرح ہوادار بھی ہیں۔ اس تہ خانے سے سرنگ میں داخل ہونیکا دروازہ اور سرنگ کے اندر جو کمرے ہیں انکے دروازے بھی سب نہایت ہی چکنی مضبوط اور چمکدار سیمنٹ کے بنے ہوئے ہیں اور اس خوبی سے دیواروں میں لگے ہوئے ہیں کہ بہت غور سے دیکھنے کے بعد بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ دیوار کہاں ہے اور دروازے کہاں ہیں۔ بظاہر سامنے ایک لوار ہی دیوار دکھائی دیتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سرنگ یہیں پر آکر ختم ہوگئی ہے اور آگے کچھ نہیں ہے۔ یہی بنانے والے کا کامیاب فن ہے اور یہی اس تہ خانے اور سرنگ کی خوبی ہے۔

زہرہ :- اور بھائی جان یہ سیمنٹ کے دروازے کھلتے کیسے ہیں؟.....

ڈاکٹر شیرازی :- چلو میں تمہیں دکھا دوں.... (چند کمروں سے ہو کر اسی چوکور کمرے میں پہنچکر) دیکھو اس کمرے کی دیواروں میں کئی ایک الماریاں ہیں۔ ان کے بیچ کے تختے اور ان کے پٹ سب لکڑی کے ہیں۔ ان الماریوں میں وہ الماری جو مشرقی دیوار کے بیچ میں ہے اس کے سب سے اوپر کے تختے کو خوب زور لگا کر دیوار کے اندر دھکیلنے سے تختہ اندر پھسل کر چلا جاتا ہے اور دروازہ کھل جاتا ہے پھر دروازے کے بند ہونے سے تختہ خود بخود اپنی جگہ پر چلا آتا ہے یعنیہ یہی انتظام ہر دروازے کے کھلنے اور بند ہونیکا ہے اور دریا کے کنارے کے پاس جہاں سرنگ ختم ہوتی ہے ایک بہت بڑا کمرہ ہے جسکی چھت سیمنٹ کی ہے اسکی چھت میں قریب ۲ فٹ مربع کا دروازہ نیچے گرنے اور پھر اسپرنگ کے ذریعہ سے اوپر جا کر لگ جانیکا ہے۔ چھت کے دروازے کو کھولنے اور بند کرنیکا یہی الماری کے تختوں کو دیوار کے اندر دھکیلنے کا ہے۔ سب سے اوپر کے تختے کو دیوار کے اندر دھکیلنے سے چھت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور باہر کھینچنے سے دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اوپر جانے کے لئے لکڑی کی سیڑھیاں کمرے میں لگی ہوئی ہیں اور اسی کمرے میں ۶ کشتیاں بھی ہلکی ہلکی مگر مضبوط بنی ہوئی رکھی ہیں۔ دریا کی طرف سے اگر اس کمرے یعنی سرنگ کے اندر آنا چاہیں

تو اس کے اندر کی طرف ایک جھاڑی میں لوہے کا اسپرنگ ہے اس کے دبانے سے چھت کا دروازہ کھل جاتا ہے دروازہ کھل جانے پر آدمی نہایت آسانی سے کمرے کے اندر کود سکتا ہے۔۔ بس یہ ہے اس عجیب وغریب تہ خانے سرنگ کا سارا راز۔۔۔۔ تم دونوں اچھی طرح سے سمجھ گئیں ؟

مس ہرمزجی :۔ بہت اچھی طرح سے جب تک کوئی بات معلوم نہیں ہوتی وہ کسقدر مشکل نظر آتی ہے اور جب معلوم ہو جاتی ہے تو کسقدر آسان معلوم ہوتی ہے

اس کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے عملی طور سے تمام دروازے کھولکر اور بند کر کے دکھا دیئے۔ اور مس ہرمزجی اور زہرہ تہ خانے کے راز سے اصولاً اور عملاً دونوں طرح سے خوب واقف ہو گئیں۔ اور اس کمرے سے اس سرے تک ہر چیز کا معاینہ کر کے تہ خانے سے نکلکر جس کمرے میں ڈاکوؤں کو جمع ہوا تھا اسی میں پھر واپس آگئیں۔

. . . .

رات کا کھانا کھا کر مس ہرمزجی اپنے آرام کمرے میں چلی گئیں۔ زہرہ لیٹنے کو تو پلنگ پر لیٹ گئی مگر اسکی نیند دن کے واقعات اڑا لے گئے تھے سب سے زیادہ تکلیف اسکو یہ تھی کہ ڈاکٹر شیرازی نے ان دونوں جلادوں کو انور کا کام تمام کرنے کے لئے بھیج دیا تھا بار بار اس کے دل میں یہ خیال نشتر بن بنکر چبھتا تھا کہ اگر خدانخواستہ ان لوگوں نے میرے انور کو مار ڈالا تو پھر کیا ہوگا ؟۔۔۔۔ بار بار اسے یہ خیال ستاتا تھا کہ کسطرح وہ انور کو خبر کرے کس طرح وہ انور کو موت سے بچالے !!۔۔۔۔ مگر کوئی تدابیر اسکی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔۔۔ وہ اسوقت اپنے دل سے یوں باتیں کر رہی تھیں۔۔۔ ہائے میں کیا کروں ؟ ایک موقعہ تھا وہ بھی چلا گیا نہیں تو میں اسی کو بکر تنہا چل دیتی۔ پھر دیکھا جاتا۔ بھائیجان بعد میں جو چاہتے میری سزا کر لیتے۔۔ کوئی اور طریقہ بھی پہنچنے یا انور کو اس کے خطرے سے

آگاہ کر دینے کا معلوم نہیں ہوتا۔ میں بھائیجان کو چاہتی تو ہوں مگر انور کو ان سے بھی زیادہ چاہتی ہوں۔ حالانکہ وہ ظالم میری ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا... لیکن نہیں... آج تو وہ مجسمہ اخلاق و مہربانی تھا۔ بات بات پر وہ ہنستا تھا۔ کس کس انداز سے وہ مجھ سے خوش مزاجیاں کرتا تھا آج اس کو کسقدر میری خاطر عزیز تھی... مگر کیوں؟ یہ آخر آج بات کیا تھی جو انور مجھ پر اسقدر مہربان تھا.. شاید وہ اپنی گذشتہ بے پروائیوں اور بے اعتنائیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید میری خاموش محبت کا آدرکا اسپر کچھ اثر ہوا ہے!!... یہی وجہ ہے! یہی وجہ ہے!!... اور اس کے علاوہ اور کوئی وجہ ہو ہی کیا سکتی ہے!... انور جبین کو تو یقیناً نہیں چاہتا۔ یہیں تو کوئی شک ہی نہیں... مگر کیا وہ کشور کو بھی چاہتا؟... یہ ذرا مشکل سوال ہے!!.... اتنا تو صحیح ہے کہ وہ کشور کو چاہتا تھا مگر کشور نے اسے کسقدر ذلیل کر کے نکال دیا... ... انور ایسا خوددار ذی حس شخص اس توہین کو کبھی بھول نہیں سکتا اور اس توہین کی خلش آخر جیوں کے ساتھ اسکی محبت کا قائم رہنا محال ہے۔ اسی وجہ سے وہ روپوش ہو گیا۔ اب میرا موقع ہے!... یہی میرا موقع ہے.... مگر ہائے افسوس مجھے موقع ملا بھی تو کب؟! اسوقت جب میرا پیارے انور کے خون کے پیاسے اس کے مکان کے اردگرد منڈلاتے ہونگے.... کچھ بھی ہو جائے مجھے انور کی جان بچانا...... بھائیجان کی محبت پیارے انور کی محبت کے آگے کیسی کمزور اور حقیر معلوم ہوتی ہے!!... بھائی بہن ماں باپ کی محبت کا جوش اور احساس اسی وقت تک رہتا ہے جبتک عورت کو اپنے دل پر اختیار باقی رہتا ہے۔ کسی سے دل ہار جانے کے بعد عورت کی زندگی کا گوشہ گوشہ اسی ایک محبت کی چاندنی سے روشن ہو جاتا ہے۔ اسکی دنیا میں صرف اسی ایک چاند کا اجالا ہوتا ہے اور بھائی بہن باپ ماں عزیز و اقارب کی محبتیں ایک بیک ایسی ماند پڑ جاتی ہیں جیسے چودھویں کے چاند کے آگے ستارے جن کی روشنیاں عورت کی زندگی کے آسمان پر پیارے اسو

تک آب و تاب سے چمکتے اور بھلے معلوم ہوتے ہیں جب تک کہ آسمان پر چاند نہیں نکلتا..... چاند کے نکلنے کے بعد وہی تارے جو پہلے اسقدر روشن معلوم ہوتے تھے دفعتاً ڈوبنے یا ٹمٹمانے لگتے ہیں۔

انور کی زندگی ہی تک میری زندگی کی بھی چاندنی ہے۔ انور کے بعد میری زندگی کو ایک ہولناک تاریکی نگل لیگی..... اور ایک بھائیجان کو کیا چالیس ہزار بھائیجان پھر میری تاریک زندگی کو روشن نہیں کر سکتے۔۔۔

یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس وقت میں کیا کر سکتی ہوں؟..... کل صبح تک تو کچھ ہو سکتا ہی نہیں۔ ہاں کل صبح موٹر واپس آنے کے بعد میں کسی نہ کسی بہانے سے بمبئی جاؤں گی اور انور کو اس کے خطرے سے آگاہ کر دوں گی.... مگر.... مگر .... اسوقت تک... اے خدا..... اے خدا.... میرے انور کو.... (رک کر) ... خدا؟.... خدا کو تو میں نے آج تک کبھی یاد ہی نہیں کیا۔ پھر کس منہ سے خدا سے کسی بات کی التجا کروں؟.....

افسوس میری گذشتہ زندگی کیسی خراب زندگی تھی..... دغا بازی جھوٹ مکاری بے ایمانی کی گندگی میں ڈوبی ہوئی زندگی!... مگر کیا میں اپنی زندگی کی اصلاح نہیں کر سکتی؟ کیوں نہیں؟ انور، تمہاری محبت وہ پاک اور خوبصورت جذبہ ہے جو ہر چیز کو پاک اور خوبصورت کر دیگا۔ محبت وہ کیمیا ہے جو ذلیل سی ذلیل چیز کو دیکھتے ہی دیکھتے خالص اور قیمتی سونا بنا دیتی ہے..... پھر میں کیوں ناامید ہوں؟.... مگر..... کشور اونہہ کشور کیا میرا مقابلہ کریگی!!! اور وہ پھر بھائیجان کے آہنی پنجوں سے بچکر جا ہی کہاں سکتی ہے؟؟..... زہرہ ان ہی خیالات میں ڈوبی ہوئی دیر تک اپنے پلنگ پر اپنے دل سے باتیں کرتی رہی اور کروٹیں بدلتی رہی یہاں تک کہ اسے نیند آ گئی۔

. . . .

اڑتالیسواں باب

مقابلہ

ایک بجے رات کا وقت تھا۔ برجوں پر پہرہ دینے والے سپاہی پہرہ دیتے دیتے کسی قسم کا کھٹکا نہ پاکر مطمئن ہو کر اونگھنے لگے تھے۔ زہرہ جمال اپنے دل سے باتیں کرتے کرتے سو گئی تھی۔ صرف ڈاکٹر شیرازی اور مس سیزرجی ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔ اور باتیں کر رہے تھے۔ دفعتاً ایک موٹر لاری کی روشنی قلعہ کے پھاٹک پر پڑی۔ پہرے کا سپاہی جو پھاٹک کے کمرے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا چونکا۔ خیال پہلے تو وہ گیا کہ قلعہ ہی کا موٹر ہے جو واپس آ رہا ہے۔ لیکن جب موٹر لاری بالکل قریب آ گئی تو اس کو اپنے خیال کی غلطی معلوم ہوئی۔

موٹر لاری پھاٹک کے قریب پچاس قدم پر آکر ایک درخت کے نیچے رکی اور اس میں سے دو مسلح پولیس کے سپاہی اترے اور سیدھے پھاٹک کی طرف بڑھے اور پکارا کو ئی ہے۔ پہرے کے سپاہی نے کڑک کر پوچھا کون ہے جو اس وقت آدھی رات کو یہاں آیا ہے" پولیس کے ایک سپاہی نے جواب دیا "ہم ہیں پولیس کے سپاہی نیچے اترو!"

پہرے دار:۔ پہلے تم بتاؤ کیا کام ہے؟

پولیس کا سپاہی:۔ ڈانٹ کر، پہلے نیچے اترو پھر بتائیں گے کہ ہمارا کام کیا ہے!!

پہرے دار:۔ ہم تو نہ نیچے اتریں گے اور نہ پھاٹک کھولیں گے! تم لوگ ہمیں ڈاکو معلوم ہوتے ہو اور صرف دھوکا دینے کے لئے تم نے پولیس کی وردیاں پہن لی ہیں اگر تم لوگ ایماندار ہو تو دن میں آؤ ہمیں رات کو پھاٹک کھولنے کا حکم نہیں ہے!!...

پولیس کا سپاہی:۔ (بگڑ کر) ...... بے حکم کے نیچے آتا ہے یا ہم خود دروازہ

توڑ تیرے سر پر پہنچ جائیں...

پہرے دار۔ دیکھو طرم خاں میرے پاس بھی بندوق ہے اور جتنے یہ بچ ہیں ان سب میں بھی سپاہی ہیں اور ہر سپاہی کے پاس ایک ایک بندوق ہے تو بس خیریت اسی میں ہے کہ تم چپکے سے واپس چلے جاؤ۔ نہیں تو بندوق سے بات کروں گا اور تم قبرستان کمر دوں سے!!

یہ کہہ کہ پہرہ دار نے خطرہ کی سیٹی کئی مرتبہ بجائی ۔ اس کی سیٹی کے جواب میں ہر برج سے خطرے کی سیٹیاں بجنے لگیں۔

ڈاکٹر شیرازی فوراً کمرے کے باہر نکل آیا۔ پیچھے پیچھے مس ہر فری بھی آئیں اور تھوڑی دیر میں سب کے سب جاگ اٹھے۔ ڈاکٹر شیرازی نے ڈاکوؤں کو فوراً پھاٹک پر کھڑا کر کے جب تک میں حکم نہ دوں گا پھاٹک ہرگز نہ کھولی جائے اگر کوئی زبردستی کرے تو بندوق سے جواب دیا جائے ... دونوں ڈاکو پھاٹک کی طرف بڑھے ڈاکٹر شیرازی نے بقیہ ڈاکوؤں کو حکم دیا کہ کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور اسکی حفاظت کریں...

اس کے بعد ڈاکٹر شیرازی سیدھا کشور کے کمرے میں گیا۔ کشور خود جاگ اٹھی تھی، ڈاکٹر شیرازی نے کشور اور ربی بی سے کہا کہ وہ فوراً اٹھیں اور اسکے ساتھ چلیں۔ کشور نے پوچھنا چاہا کہ کیا بات ہے۔ مگر ڈاکٹر شیرازی نے بجز اس کے کوئی جواب نہیں دیا۔ کوئی کوئی خطرے کی بات نہیں۔ اسوقت مصلحت یہی ہے۔

پانچ منٹ کے اندر کشور اور ربی بی اور چار ڈاکو تہ خانے کے ایک آراستہ کشادہ کمرے میں پہنچا دیئے گئے اور اس کے کمرے میں شمعیں جلادی گئیں۔ ڈاکوؤں کو کچھ ہدایتیں دیکر ڈاکٹر شیرازی تہ خانے کے باہر چلا گیا۔

دو ڈاکو جو پھاٹک پر بھیجے گئے تھے انھوں نے واپس آکر ڈاکٹر شیرازی سے سارا قصہ بیان کیا۔ ڈاکٹر شیرازی نے کہا۔ پہرے دار نے جو کچھ جواب دیا ہے وہ میرے ہی حکم کے

مطابق دیا ہے۔ جو لوگ موٹر لاری پر آئے ہیں ان سے جا کر پھر کہہ دو کہ اگر ان کو آنا ہے تو نہتے ہی آئیں۔ نہیں ڈاکو سمجھ کر ان پر گولی چلا دینے میں ہمیں کوئی تامل نہ ہوگا۔

ڈاکوؤں نے پھر جا کر پہرے دار کے ذریعہ سے سپاہیوں کو جواب دیا سپاہی موٹر لاری کی طرف واپس گئے۔

لاری میں انسپکٹر جگدیش کمار ممتاز اور انور بھی تھے۔ یہ سب مسلح تھے اور ان کے علاوہ قریب ۳۰ مسلح سپاہی اور بھی تھے.... سپاہیوں اور پہرے دار کی باتیں یہ لوگ اچھی طرح سے سن سکتے تھے اور انھوں نے سنیں بھی!!

انسپکٹر جگدیش کمار ممتاز اور انور جو سامنے بیٹھے ہوئے تھے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے

جگدیش کمار:۔ میرے خیال میں ان لوگوں کو ہمارے آنے کی پہلے سے خبر ہو گئی ہے اور یہ سب تیار ہیں۔ میری رائے میں اس وقت ان پر حملہ کرنا نہایت خطرناک اور ایک حد تک بے سود ہوگا۔

انور:۔ خطرناک تو ضرور ہے مگر ان کو ذرا بھی اگر مہلت مل جائے گی تو یہ ضرور کوئی نہ کوئی شرارت کرینگے....

جگدیش کمار:۔ شرارت کیا کریں گے؟ تین لاریوں میں جو پچاس جوان اور آئے ہیں انھوں نے تو اس وقت تک سن قلعہ ناسکان کا محاصرہ کر ہی لیا ہوگا ہم لوگ بھی ذرا پیچھے ہٹ کر اسطرف کی نگرانی کریں۔ ہر طرف سے تو یہ گھرے ہوئے ہیں۔ آخر یہ جائیں گے کہاں؟ اور صبح کو ان کا یہ بہانہ کہ ہم لوگ ڈاکو ہیں چلنے نہ پائیگا۔ اور انہیں پھاٹک کھولنا پڑیگا۔

ممتاز:۔ ہاں.... ہمیں کچھ ایسا حرج تو نہیں معلوم ہوتا۔

انور:۔ آپ دونوں کی رائے صحیح نہیں ہے۔ ان لوگوں کو مہلت دینا بڑی غلطی ہوگی بلکہ جسقدر مہلت انکو مل گئی ہے۔ وہی بہت خطرناک ہے مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے حملہ

میں دیر کی تو کشور کی خیریت نہیں۔ یہ لوگ ضرور اسکو نقصان پہونچائینگے۔ اور علاوہ
اسکے یہ خیال بھی تمہارا غلط ہے کہ صبح کو یہ لوگ تمھیں آسانی سے اندر داخل ہونے دینگے
یہ بھی انکا محض ایک بہانہ ہے۔ صرف مہلت حاصل کرنے کے لئے۔ میرے خیال میں تو ہمیں حملہ ابھی
تو بہ حقیقت حملہ کرنا دن میں کرنے سے بدرجہا بہتر ہے!! اس کا جلد ہی فیصلہ کیجئے۔ ایک ایک
منٹ قیمتی ہے!! خدا کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت کشور کی جان انتہائی خطرے میں ہے
ممتاز:۔ انور سچ کہتے ہیں کشور کی جان ضرور خطرے میں ہے!! مگر اس میں بھی شک نہیں
کہ ان لوگوں کو ہمارے آنے کی پہلے سے خبر ہو گئی ہے۔ اور یہ لوگ پوری طور سے تیار ہیں۔
انور:۔ (اسقدر غصے میں) تیار ہیں تو تیار ہونے دو۔ ہم بھی تیار ہیں.....
میں پھر کہتا ہوں کہ جسقدر دیر ہو رہی ہے ہمارے لئے برا ہے۔ ہمارے بقیہ ساتھی
کب کے جنگل کی آڑ لیتے ہوئے دیواروں تک پہنچ گئے ہونگے اور ہم ہی لوگ
دیر کر رہے ہیں اور غلطی کر رہے ہیں۔
جگدیش:۔ بہت کشت و خون ہوگا۔ کیا فائدہ؟
انور:۔ (خفا ہوکر) اگر کشت و خون ہی کا ڈر تھا تو پھر آپ آئے ہی کیوں؟
جگدیش:۔ کیوں ممتاز؟ کیا کہتے ہو؟
ممتاز:۔ انور کی رائے صحیح ہے۔ حملہ کیا جائے۔
جگدیش:۔ (مسکرا کر) اچھا تو پھر یہی سہی۔ مسٹر ڈرائیور موٹر ہٹوالو اور پیچھے آڑ میں
لے چلو۔ اور دیکھو (ان دو سپاہیوں سے جو پہلے پھاٹک پر گئے تھے) تم یہ وارنٹ تلاشی
لے جاؤ (وارنٹ تلاشی دیکر) اور پھاٹک کے پاس بارٹارچ کی روشنی میں پہرے والے کو دکھاؤ
سمجھا دو کہ عدول حکمی کرنے کی کیا سزا ہوگی اور اگر پھر بھی وہ نہ مانے تو واپس چلے آؤ۔
وہ دونوں سپاہی تو پھاٹک کی طرف گئے اور موٹر پیچھے چلی گئی اور ایک گھنے درخت
کی آڑ میں کھڑی کردی گئی۔ اسکی روشنی بجھادی گئی اور سپاہی سب

نیچے اُتر گئے اور درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔

ادھر قلعہ کے اندر ڈاکٹر شیرازی اور مس ہرمزجی میں بحث ہو رہی تھی مس ہرمزجی کی رائے تھی کہ پھاٹک کھول دیا جائے، اور پولیس کو آنے دیا جائے۔ مقابلہ کرنا مناسب نہیں ڈاکٹر شیرازی کی رائے تھی کہ اس بہانے سے کہ پولیس کے بھیس میں ڈاکو ہیں مقابلہ کیا جائے۔ سارے ملاں تو وہ لوگ بھاگ جائینگے اور اگر انہوں نے مقابلہ کیا تو شکست کھا جائینگے

مس ہرمزجی:۔ یہ تو سب ٹھیک ہے مگر مقابلہ کرنے سے فائدہ۔ وہ تو صرف خانہ تلاشی کے لئے آئے ہونگے خانہ تلاشی کر لیں۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ اور اگر ہم سب کو گرفتار کر لیں تو۔

مس ہرمزجی:۔ گرفتار کس ثبوت پر کریں گے؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ یہ کون کہہ سکتا ہے نہیں معلوم کونسا ثبوت ان کے پاس ہو۔ مس اور علاوہ اس کے پولیس کے ہتھکنڈے تو تم جانتے ہو۔ گرفتاری کے بعد ان کے پاس ثبوت بھی نہ ہوگا تو تم ہی میں کسی کو دھمکی یا لالچ دیکر یہ لوگ مخبر بنا دیں گے اور ہم سب کو پھانسی دینگے یہ تو ان لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے......

مس ہرمزجی:۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ مقابلہ کب تک کرو گے؟ ادھر بمبئی کی ساری پولیس ہے اور ادھر صرف ہم لوگ ہیں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ گھبراؤ نہیں! باقاعدہ جنگ نہیں ہو گی۔ صرف ہوائی فائر ہونگے اگر وہ لوگ ڈر کر بھاگ گئے تو کیا کہنا اور اگر نہ بھاگے تو ادھر مشین چلتی رہیگی اور ادھر رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے سرنگ میں سے سب کو نکال کر اور کشتیوں میں سوار کر کے چپکے سے سب دریا کے پار اُتار دیا جائیگا۔ آخر میں صرف پھاٹک کا پہرے دار رہ جائیگا۔ وہ بھی اگر ممکن ہوگا تو غائب ہو جائیگا۔ اور جب وہ لوگ پھاٹک توڑ کر اندر آئینگے تو سارا مکان خالی پائینگے اور اگر وہ یوں ہی بھاگ گئے تو ہمیں مکان چھوڑنے کی بھی زحمت نہ گوارا کرنی پڑے گی۔

اور علاوہ اس کے مقابلہ میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کی توجہ صرف پھاٹک ہی کیطرف رہے گی۔ اور کسی طرف وہ متوجہ نہ ہو سکیں گے۔

مس ہرمزجی :۔ رائے تو تمہاری صحیح معلوم ہوتی ہے خیر ایسا ہی کرو... مگر میرے دل میں ایک وہم سا ہے کہ آج ہم لوگوں پر کوئی مصیبت آنے والی ہے... تھوڑی دیر ہوئی قریب ہی ایک درخت پر الو بول رہا تھا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (خفگی کے لہجے میں) بس عورت ہے۔ چاہے وہ ڈاکوؤں کی سرداری کیوں نہ ہو۔ تم لوگوں کو تو کسی اہم یا خطرناک مہم میں شریک کرنا ہی حد درجے کی غلطی ہے۔ تم لوگ تو خوبصورت خوش رنگ تیتریاں ہو اور تیتریوں ہی کیطرح تمکو غیر ذمہ دارانہ اور بے غم زندگیاں بسر کرنی چاہیئے... اور ان لوگوں کو تو لوہے کی زنجیروں میں کسکر قریب ترین پاگل خانے میں بھجوا دینا چاہیے جو غیر فطری دعوے کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کا درجہ برابر ہے اور عورت کو وہی حقوق ملنا چاہیئے جو مرد کو حاصل ہیں"

مس ہرمزجی :۔ باوجود اپنے فکر و تردد کے ہنسنے لگی۔ اسپر ڈاکٹر شیرازی بھی ہنس دیا اس کے بعد وہ پھر تہ خانے کے کمرے میں گیا اور تہ خانہ کھولکر قریب بیس ڈاکوؤں کو اسمیں بھر دیا اور سرنگ کے دونوں کمرے کھول دیئے۔ اور انکو سرنگ کے کمرے میں کر کے اور یہ کہہ کر اس میں اسوقت تک رہو جب تک تمہیں دوسرا حکم نہ ملے" وہ پھر تہ خانے سے نکل آیا۔ مگر اسکا دروازہ اس خیال سے کھلا چھوڑ دیا کہ شاید انہیں اور لوگوں کو لیجانے کی ضرورت پڑے

پھاٹک کے باہر پولیس کے سپاہی نے ٹارچ جلا کر وارنٹ تلاشی پہرے دار کو دکھلایا اور عدول حکمی کی سزا کی مختلف دھمکیاں دیں۔ پہرے دار نے کہا "اس قسم کے جعلی وارنٹ بنا لینا تم لوگوں کے لئے کون بڑی بات ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مالک کا سخت حکم ہے کہ چاہے کوئی بھی آئے مگر رات کو پھاٹک ہرگز۔

کھولا جائے... ہم اپنے مالک کی عدول حکمی نہیں کر سکتے۔ اور تم سے کہہ تو دیا کہ دن میں آنا۔ پھر دن میں آنے سے تمہیں کیوں انکار ہے؟ اگر تمہیں مکان ہی کی تلاشی لینی ہے تو مکان کوئی کنکوا تھوڑا ہی ہے کہ رات ہی رات میں اُڑ جائے گا...

غرضکہ سپاہی زچ ہو کر واپس ہوئے...

ان کے واپس جانے کے دو ہی منٹ کے بعد لاری کے پاس سے اور درختوں کی آڑ سے بندوقوں کی ایک باڑھ اور پھر دوسری باڑھ اور پھر تیسری باڑھ، اور تین منٹ میں قریب چالیس گولیوں کے نشان پھاٹک میں بن گئے۔ پھاٹک بہت مضبوط اور مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا اور موٹی موٹی کیلوں اور پتروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

پولیس کی باڑھ کا قلعہ سے جواب ملا۔ اور اس کے بعد دونوں طرف سے متواتر باڑھیں چلنے لگیں۔ کہاں تو جنگل میں ایک سناٹا تھا کہاں وہاں پر ایک چھوٹا سا حشر برپا ہو گیا۔ پولیس کی نیت بظاہر یہی تھی کہ پھاٹک کسی طرح سے ٹوٹ جائے۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس میں سوراخ ہو گئے مگر اور کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔ ادھر قلعہ کی طرف کی گولیاں درختوں میں سنساتی یا ان سے ٹکراتی ہوئی چلی جاتی تھیں مگر پولیس کے آدمیوں میں سے کسی کو انہوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

ڈاکٹر شیرازی برآمدے میں بیٹھا بڑے اطمینان سے سگار پی رہا تھا۔ اور اسی کے پاس مس ہرمزجی بھی کھڑی ہوئی تھی۔ پھاٹک کے پہرے دار کی مدد کے لئے اس نے پانچ مسلح آدمی اور بھیج دیئے تھے۔ تاکہ پولیس کو برابر جواب ملتا رہے۔ مس ہرمزجی کا بار بار اصرار تھا کہ اب سرنگ کے ذریعے نکل جانا چاہیئے کیونکہ پولیس والے بھاگتے نظر نہیں آتے۔ ڈاکٹر شیرازی کہہ رہا تھا کم از کم آدھ گھنٹے تک پولیس کو جواب ملنا چاہیئے۔ اس کے بعد غالباً وہ بھاگ کھڑے ہوں گے

زہرہ جمال بھی خوفزدہ ہو کر وہیں برآمدے میں ڈاکٹر شیرازی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی

تھی، اور مختلف سوالات گھبرا گھبرا کر پوچھ رہی تھی۔ یکبارگی قلعے کے پورب، پچھم اور دکھن سے
بندوقوں کی باڑھیں چلنے لگیں اور گولیاں مکان پر برسنے لگیں۔ دروازوں، شیشوں کے ٹوٹنے
کی آوازیں آنے لگیں۔ ڈاکوؤں میں سے ایک خبر ہوئی کہ پولیس والے قلعے کی دیوار پھاند کر گھس آئے
ڈاکٹر شیرازی نے زہرہ اور مس مہر فرجی کو کمرے کے اندر کر دیا، اور ان سے کہا کہ وہ فوراً تہ خانے
میں چلی جائیں۔ اور فریدہ، ڈاکو جو باہر رہ گئے تھے انکو حکم دیا کہ کمروں میں چلے آئیں اور
اور اندر آ کر بندوقیں چلائیں اور اب واقعی دشمن کو چن چن کر ماریں۔ ڈاکوؤں کو جہاں جہاں
موقع ملا کمروں کے اندر گھس گئے یا برآمدوں کے کھمبوں ہی کی آڑ لے کر اور وہاں سے
گولیاں چلانے لگے۔ مگر بڑی مشکل یہ تھی کہ ساون بھادوں کی رات تھی بے حد اندھیری ہر طرف
گھنگھور اور سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ بڑی سخت آندھی آنے والی ہے اور اس کے ساتھ پانی بھی۔ ایسے خاصے طوفان کی
آمد آمد تھی۔ تاریکی میں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ پولیس کے آدمی کہاں ہیں اور کس طرف ہیں؟
صرف بندوقوں کے چلنے پر جو شعلے نکلتے تھے ان سے ایک اندازہ ہوتا تھا کہ پولیس والے
کس طرف سے بندوقیں چلا رہے ہیں۔ ڈاکوؤں کے گروہ میں ایک ابتری سی پیدا ہو گئی تھی،
مگر ڈاکٹر شیرازی کی گرجتی ہوئی آواز ان کی ہمتیں بڑھا رہی تھی۔ ڈاکو نہایت جوانمردی سے
کمروں سے برآمدوں میں چلے آتے تھے اور کھمبوں کی آڑ کر گولیوں کا جواب گولیوں سے دیتے تھے
کچھ تو اندھیرے کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ پولیس والے زمین پر لیٹے ہوئے درختوں کی
آڑ سے بندوقیں چلا رہے تھے ڈاکوؤں کی گولیاں انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی تھیں۔
ڈاکٹر شیرازی نے ایک آدمی ان ڈاکوؤں کے پاس بھیجا جو سرنگ میں تھے کہ وہ فوراً چلے آئیں
برآمدے کے کھمبوں کی آڑ کافی نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پندرہ ڈاکوؤں میں سے چھ
ڈاکو بری طرح زخمی ہو گئے۔ زخمیوں کو کمرے کے اندر گھسیٹ لیا گیا۔ بھی کچھ لوگ زخمی ہوئے
پولیس کی طرف سے باڑھوں پر باڑھیں چل رہی تھیں گولیاں ہر طرف سے اولوں

کی طرح برس رہی تھی۔ دس آدمیوں کا چالیس آدمیوں سے مقابلہ ہی کیا تھا اگر اندھیری رات کی وجہ سے نہ ڈاکوؤں کو پولیس کی طاقت کا کوئی اندازہ ہو سکتا تھا اور نہ پولیس کو ڈاکوؤں کی طاقت اور تعداد کا کوئی اندازہ تھا۔

پولیس کے آدمی رفتہ رفتہ درختوں کی آڑ میں بڑھتے بڑھتے مکان سے قریب پچاس گز کے فاصلہ پر پہنچ گئے.... اسی اثناء میں وہ ڈاکو جو سرنگ میں چلے گئے تھے آ گئے اور ان کے آجانے سے سب کے دل بڑھ گئے دیواروں اور کھمبوں کی آڑ سے اور قریب قریب ہر کھڑکی اور دروازے سے پولیس پر گولیاں برسنے لگیں۔ پولیس کے کچھ آدمی زخمی ہو گئے۔ ان کے افسر کو جب معلوم ہوا کہ لحظہ بہ لحظہ سنگین ہوتا جاتا ہے تو اس نے حکم دیا کہ مشین گن چلائی جائے مشین گن کا چلنا آفت ہو گیا۔ اس کی باڑھ بے پناہ تھی۔"

ڈاکٹر شیرازی نے جب دیکھا کہ اب مقابلہ صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا ہے تو اس نے ڈاکوؤں کو حکم دیا کہ جلد سے جلد ایک ایک کر کے سب تہ خانے میں چلے جائیں تھکم ملتا تھا کہ تہ خانہ ڈاکوؤں سے بھرنے لگا۔ زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر وہ سب تہ خانے میں لے گئے جب ڈاکٹر شیرازی نے دیکھا کہ سب کے سب تہ خانے کے اندر پہنچ گئے تو سب کے آخر میں وہ گیا اور نیچے جاتے ہی اس نے تہ خانے کا دروازہ بند کر دیا۔ سنگ مرمر اور سنگ اسود کے چوکور تختوں کا فرش برابر ہو گیا اور اس طرح ہموار ہو گیا کہ دیکھنے والے کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ فرش کا کوئی حصہ ایسا بھی ہے جو نیچے ہو سکتا ہے.... جب پولیس والوں نے محسوس کیا کہ ڈاکوؤں کی طرف سے بندوقیں چلنا بند ہو گئیں تو وہ مشین گن اور بندوقیں چلاتے ہوئے اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے آہستہ آہستہ اور آگے بڑھے اور جب انھوں نے ٹارچ کی روشنیاں ڈال ڈال کر دیکھا کہ کمرے سب بظاہر خالی معلوم ہوتے ہیں تو انھوں نے حملہ کر دیا اور مکان میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن جس کمرے میں بھی وہ جاتے تھے وہ خالی ملتا تھا اور ان کا تعجب قدم قدم پر بڑھتا جاتا تھا۔

پولیس کی حملہ آور فوج میں انور، ممتاز اور جگدیش کمار بھی تھے۔ یہ تینوں مع چھ سپاہیوں کے یہی لاری کے ساتھیوں کو بندوق چلانے جانے کی ہدایتیں دیکر آہستہ سے رات کی تاریکی میں جنگل کے اندر ہوتے ہوئے قلعہ کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے اور لوہے کی سیڑھیاں لگا کر دیوار پھاند کر اندر گھس آئے تھے (یہ لوہے) کی سیڑھیاں کئی حصوں میں تھیں مگر اسطرح بنی ہوئی تھیں کہ سب حصے ایک دوسرے سے جڑ جاتے تھے اور چند منٹ میں ہی بے لمبی سیڑھی تیار ہو جاتی تھی اندر گھسکر بھی درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے جا کر مل گئے اور ان کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے مکان میں پہونچ گئے پیا ملک نے ورنج پر پہرے دینے والے ڈاکو بھی ایک ایک کرکے بڑی بڑی مشکلوں سے مکان کے اندر چلے آئے تھے اور تہ خانے میں پہونچ گئے۔

پولیس والوں میں اور خاصکر انسپکٹر جگدیش اور انور ممتاز میں حیرت آمیز باتیں ہو رہی تھیں کہ آخر یہ لوگ دفعتاً کہاں غائب ہو گئے۔ جگدیش جو ذرا کسی قدر ضعیف الاعتقاد تھے کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ ڈاکو نہیں تھے بلکہ بھوت یا جنات تھے۔ اور ایسے وسیع اور گھنے جنگل کے بیچ میں ایسے مکان کے اندر سوائے بھوتوں یا جنات کے اور رہ ہی کون سکتا ہے.... کئی آدمیوں نے انکی اس رائے کی تائید کی اور ہر شخص بطور دلیل بھوتوں اور جنات کے عجیب عجیب قصے بیان کرنے لگا۔

اتفاق سے یہ سارے کھانے ہی کے کمرے میں موجود تھے....
اسی وقت اسی کمرے کے نیچے ڈاکٹر شیرازی اسکی جانچ کرکے سب ڈاکو تہ خانے میں آگئے یا نہیں مس بیرمنرجی سے پوچھ رہا تھا "کشور اور نسیمہ کس کمرہ میں ہیں؟" مس بیرمنرجی نے کہا کشور تو بیچ والے کمرے میں ہیں اور نسیمہ بھی یہیں کہیں ہونگی۔
ڈاکٹر شیرازی:- (کسی قدر تعجب سے) یہیں کہیں ہونگی؟ کیوں وہ تمہارے ساتھ تہ خانے میں نہیں آرہی تھیں۔
مس بیرمنرجی:- نہیں تو جب تم نے کہا کہ ہم دونوں فوراً تہ خانے میں چلے

جائیں تو میں تو سیدھی تہ خانہ کی طرف دوڑی اور کچھ دور تک زہرہ بھی میرے ساتھ نہیں لیکن پھر یہ کہہ کر کہ میں ذرا اوپر سے ایک منٹ میں اپنے زیوروں کا صندوقچہ لیتی آؤں وہ کوٹھے پر چڑھ گئیں۔ میں نے منع بھی کیا مگر وہ نہیں مانیں!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (پریشان ہو کر) تو پھر وہ کوٹھے پر آئیں بھی کہ نہیں؟

مس ہرمزجی:۔ اب میں یہ نہیں جانتی!! اگر ضرور آئی ہوں گی۔ تلاش تو کرو یہیں کہیں ہوں گی۔ آخر وہ جائینگی کہاں؟

ڈاکٹر شیرازی نے مس ہرمزجی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اور کسقدر فکرمند طریقے سے وہ زہرہ کو ڈھونڈنے لگا "زہرہ! زہرہ!" پکارتا ہوا وہ ہر کمرے میں جاتا تھا اور مایوس ہو کر واپس چلا آتا تھا۔ اور سب کو بھی جب معلوم ہوا تو انھوں نے بھی تہ خانے کے ہر کونے میں زہرہ کی تلاش شروع کر دی مگر چند ہی منٹ میں یہ معلوم ہو گیا کہ زہرہ کا تہ خانہ یا سرنگ اور کمروں میں کہیں بھی پتہ نہیں۔

یہ خبر سن کر ڈاکٹر شیرازی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ بالکل بدحواس ہو کر ایک کرسی پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ قسم قسم کے خیالات اور توہمات اسکے دل میں آنے لگے کہیں زہرہ کے گولی تو نہیں لگی؟ وہ زخمی تو نہیں ہو گئی۔ پولیس نے گرفتار تو نہیں کر لیا کہیں وہ غلطی سے یا گھبراہٹ میں کوٹھے پر سے کود تو نہیں پڑی؟ ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ زخمی ہو کر گر پڑی ہو اور وہ بیہوش ہو گئی ہو۔ اس نے زہرہ کو بچپنے سے پالا تھا۔ اور قدرتی طور پر اس کو اس سے خاص محبت تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر کہیں پولیس نے اسکو گرفتار کر لیا تو پھر قیامت ہی ہو جائے گی۔ انھیں معلوم کمبخت کیا کیا اس کے ساتھ بے رحمی کریں۔ محض اس امید پر کہ شاید وہ اقبال جرم کرے نہیں معلوم کیا کیا دھمکیاں یا لالچ وہ اسے دیں اور اسے مخبر بنانے کی کوشش کریں ... افسوس میرا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ اور صرف ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے

جسکا مجھے وہم گمان بھی نہ تھا۔!!! آخر کیا ضرورت تھی کہ زیورات کا صندوقچہ ضرور بچایا جائے!! اگر یہ بھی عورت کی فطری کمزوری!!! اور ایک عورت کی محض اس کمزوری نے میری ساری تدبیر کو جو ایک کامل تدبیر تھی خاک میں ملا دیا۔ کس بری طرح سے اور کسقدر خلاف اُمید ہم لوگ پولیس کے نرغے میں گھر گئے تھے اور کس کامیابی اور خوبصورتی سے میں نے سب کو بچا لیا۔ مگر عین اس وقت جب میں اپنی خوش تدبیری پر مسرور ہو رہا تھا میری تمام خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔

اسوقت مس ہر مزجی اس کے پاس آئی اور اس سے کہنے لگی۔

"اب تم کب تک اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے خاموش بیٹھے رہو گے، آخر کچھ ان سب لوگوں کا بھی انتظام کرو گے جو تمہارے حکم کے منتظر ہیں؟

ڈاکٹر شیرازی:۔ (افسردہ لہجے میں) میں کیا انتظام کروں۔ میرا تو دل بیٹھا جاتا ہے معلوم نہیں۔ میری زہرہ پر کیا گزر رہی ہے اور کیا گذرے!!

مس ہر مزجی:۔ گھبراؤ نہیں۔ جو کچھ ہوا وہ تو اب ہو ہی چکا۔ اس پر نہ تمہیں اختیار تھا نہ اختیار ہے۔ ورنہ اس پر سر دھننے اور افسوس کرنے سے کوئی فائدہ ہے۔ میری رائے میں اب تم ان باتوں کی طرف متوجہ ہو جن پر تمہیں ابھی تک اختیار باقی ہے اور جن کی پیچیدگیاں صرف تمہارا ہی دماغ کر سکتا ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (ایک آہ سرد بھر کر)... کہتی تو تم سچ ہو۔ اچھی پر افسوس کرنا بیکار ہے حال کو سدھارنا چاہئے۔...اچھا...دیکھو.... یہاں صرف میں اور کشور اور انکی خادمہ اور چھ ساتھی ہمارے رہ جائیں۔ باقی سبکو اسی وقت سرنگ سے نکال کر کشتیوں پر سوار کر کے دریا کے اس پار اتار دو۔ اور تم سب وہاں جنگل میں اسوقت تک رہو جب تک یہاں امن نہ ہو جائے۔ صرف ایک کشتی چھوڑ جاؤ۔ شاید اس کی ضرورت ہو۔ کچھ لداریاں لے لینا سرنگ کے آگے آخری کمرے میں کھانے کی تمام چیزیں بھری ہوئی ہیں

اپنے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ جس قدر بھی وہ اپنے ساتھ لیجا سکیں لے جائیں۔

مس ہرمزجی:۔ تم مجھ کو کیوں سب کے ساتھ بھیج رہے ہو۔ مجھے ہمیں اپنے ساتھ کیوں نہیں رہنے دیتے!!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ نہیں پیاری ان لوگوں کے ساتھ تمہارا رہنا نہایت ضروری ہے اگر تم اسوقت انکے ساتھ نہ رہوگی تو یہ سب کے سب بہت جلد بددل اور منتشر ہو جائینگے

مس ہرمزجی:۔ تو پھر اگر یہ ہے تو تم بھی ساتھ چلو۔ تم کیوں نہیں چلتے۔

ڈاکٹر شیرازی: میں ابھی تو جب تک زہرہ کی خیر و عافیت دریافت نہ کروں گا یہاں سے ٹلونگا نہیں۔ اور ابھی مجھ کو کشور اور انکی خادمہ کا بھی تو سارا انتظام کرنا ہے۔ تم گھبراؤ نہیں میں بہت جلد تم سے آملوں گا۔ مجھے خود ہی بغیر تمہارے چین نصیب نہ ہوگا۔ میری پیاری اسوقت مصلحت یہی ہے۔ محبت کی کمزوریوں کو فرائض کے انجام دہی میں دخیل نہ ہونے دینا چاہیئے۔ اسلئے تمکو چاہیئے کہ اپنی اہم ذمہ داریوں کو محسوس کرو اور دل مضبوط کر کے اپنے فرائض کو انجام دو۔ مگر ہرمزجی خاموش تو مگر بہت اداس ہو گئی۔ ڈاکٹر شیرازی فوراً اٹھا اور بڑے جوش سے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ مس ہرمزجی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے سا اور اس نے بیتاب ہو کر اپنی دونوں باہیں اس کی گردن میں ڈالدیں اور اپنا سر اس کے سینہ پر رکھ کر بے اختیار رونے لگی۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (اسے پیار کر کے) میری پیاری۔ تم روتی کیوں ہو؟ — آنسوؤں کا سبب کیا ہے؟

بڑے اصرار کے بعد مس ہرمزجی نے گھٹی ہوئی گریہ آلود آواز میں جواب دیا۔ نہ معلوم کیوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی ہوں۔ آہ میرے پیارے!.... تمہارے ساتھ میری زندگی کے یہ چند لمحے کس لطف و مسرت سے گزرے ہیں۔ یہ تیس برس کا زمانہ میری زندگی کا جادو بھرا زمانہ تھا اور رہیگا

کس قدر جلد وہ گذر گیا ...... میرے پیارے چاہے تم بھول جاؤ
مگر میری عمر کا یہ خوبصورت ترین حصہ مجھے کبھی نہ بھولے گا!!!"
ڈاکٹر شیرازی۔ (مس ہرمزجی کو پھر اپنے سینے سے لگا کر) یہ تم
کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو۔ تم کیسے کہتی ہو کہ یہ ہماری اور تمھاری آخری ملاقات ہے۔
مس ہرمزجی۔ ۔ میں اسلئے کہتی ہوں کہ میرا دل یہی کہتا ہے اور میرا
دل اکثر مجھ کو بالکل صحیح خبر دیتا ہے۔
ڈاکٹر شیرازی:۔ اس قسم کی نا امیدی کی مجھے تو کوئی وجہ نہیں
معلوم ہوتی اور یوں تو قسمت میں جو کچھ ہو گا وہ ہو کر رہے گا .....
قبل مرگ واویلا کرنا بزدلاپن بھی ہے اور حماقت بھی !!
مس ہرمزجی :۔ خیر پیارے خدا حافظ۔ میں عورت ہوں اور تم مرد ہو
اور میں عورت کے دل کا آخری پیام تم سے کہہ رہی ہوں اور وہ یہ کہ چاہے تم مجھے
محبت کرنا ترک کر دو مجھے بالکل فراموش کر دو مجھے اپنے دل سے اور اپنی نظروں سے
گرا دو۔ مگر میں آخری دم تک تمھیں نہ بھولونگی اور نہ تمھیں بھول سکتی ہوں نہ معلوم کتنی عورتیں
اپنے دل کے بیوفا دیوتاؤں سے اسی قسم کا اظہار کر چکی ہیں اور جب تک یہ خوبصورت
خواب نما دنیا قائم ہے۔ کرتی رہیں گی۔ خدا حافظ۔ پیارے خدا حافظ! میں تہ دل
سے تمہاری ممنون ہوں کہ تم نے اپنی تخیلی محبت کی جادو بھری بہشت میں مجھے
کچھ عرصہ تک رہنے اور سیر کرنے کی اجازت تو دی۔ میں اب اسی سرور انگیز
تصور اسی پاکیزہ نشے میں اپنی بقیہ زندگی گزار سکتی ہوں اور گزار دونگی!!"
یہ کہکر اور ڈاکٹر شیرازی کے گلے ایک مرتبہ اور اپنی باہیں ڈالکر اور اسکے لبوں کا
ایک آخری بوسہ دیر تک لیکر مس ہرمزجی جلدی جلدی اس کے کمرے سے چلی گئی۔
ڈاکٹر شیرازی تحیر اور ندامت کے مجرمانہ انداز سے اس دروازے کیطرف دیر تک

دیکھتا رہا جس میں سے مس ہرمزجی ابھی نکل گئی تھی۔

اس لمحے بے ساختہ دل میں یہ خیال گزرا "ہرمزجی کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ کشور کی وجہ سے میں اس سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا چاہتا ہوں؟"

مکان میں پولیس کے داخل ہونیکے صرف چندہی منٹ بعد بڑی شدت کی آندھی آئی اور بارش ہونے لگی۔ آندھی کیا تھی ایک آفت تھی۔ دروازے اور کھڑکیوں کے زور زور سے کھلنے اور بند ہونے کے شور نے آندھی اور پانی کے شور کے ساتھ ملکر ایک اچھی خاصی قیامت برپا کردی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر یہ آفت رہیگی مگر قریباً آدھ گھنٹے کے بعد یک بیک آندھی کم ہو گئی، اور پانی بھی کچھ دیر تک برس کر تھم گیا۔ ممتاز جگدیش کمار اور انور کچھ دیر برآمدے میں ٹہلتے اور باتیں کرتے رہے۔ جگدیش کمار نے کہا کہ چلو کوٹھے پر بھی چلکر دیکھ لیں۔ شاید وہاں کوئی صاحب چھپے ہوئے ہوں گو اسکی اُمید نہیں ممتاز۔ انور اور جگدیش کمار مع چند مسلح سپاہیوں کے کوٹھے پر چڑھنے لگے مشکل سے پانچ یا چھ زینے چڑھے ہونگے کہ انھیں ٹارچ کی روشنی میں سامنے ہی زہرہ جمال بیہوش پڑی ہوئی ملی۔ اسکی ناک اور منہ سے خون جاری تھا اور اسکی ساری پر بھی جا بجا خون کے دھبے تھے۔ انور نے جلدی سے بڑھکر زہرہ کی نبض پر ہاتھ رکھا اور کچھ دیر تک دیکھتے کے بعد اس نے کہا "نبض تو ابھی چل رہی ہے مگر بہت کمزور ہے! غالباً یہ بھاگتے میں گری ہیں اور ان کے منہ اور ناک میں چوٹ آگئی ہے!"

ممتاز:۔ اچھا تو چلو۔ ان کو نیچے لے چلو۔ وہاں کسی مسہری پر لٹا کر ہوش میں لانے کی کوشش کی جائے۔

انور نے زہرہ کو آسانی سے گود میں اٹھا لیا اور نیچے کے کمرے میں جا کر اسے ایک مسہری پر لٹا دیا۔ اسکے بعد انور نے اپنے ریشمی رومال سے زہرہ کے منہ سے خون پونچھ

اور پھر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔

کمرے میں ایک گیس کا لیمپ جل رہا تھا۔ انور زہرہ پر جھکا ہوا اس کی نبض دیکھ رہا تھا کہ زہرہ نے کچھ دیر کے بعد آنکھیں کھول دیں۔ اور انور کو پہلے انتہائی تعجب اور پھر ایک بیساختہ مسرت سے بغور دیکھنے لگی۔

انور نے نہایت ہمدردانہ لہجے میں پوچھا "اب آپکی طبیعت کیسی ہے" زہرہ نے بجائے جواب دینے کے اٹھنے کی کوشش کی اور ادھر اُدھر گھبرائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔ "میں کہاں ہوں؟ ... اور آپ یہاں کیسے آگئے؟ یا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں؟"

انور:۔ (مسکرا کر) یہ خواب نہیں اصلیت ہے۔ آپ کوٹھے پر سے اترتے ہوئے گر پڑی تھیں اور بے ہوش ہو گئیں تھیں۔

زہرہ:۔ کوٹھے پر سے اترتے ہوئے (ماتھے پر ہاتھ پھیر کر) ہاں کوٹھے پر سے میں اتر رہی تھی۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ میرا زیور کا صندوقچہ وہیں کوٹھے پر گر گیا تھا۔ (متردد لہجے میں) میرا زیور کا صندوقچہ! میرا زیور کا صندوقچہ کیا ہوا۔ آپکو معلوم ہے؟"

بجائے انور کے جگدیش نے کھنکارتے جواب دیا۔ "جی ہاں یہ آپ کا صندوقچہ! جہاں آپ گری تھیں وہیں پر یہ پڑا ہوا تھا۔"

زہرہ:۔ میں آپ کی بہت ممنون ہوں۔!!

ممتاز:۔ کوٹھے پر سے اس تیزی سے آپ کہاں جا رہی تھیں؟

زہرہ:۔ (بے خیالی میں) میں کوٹھے پر سے تہ خانہ، نہیں، نہیں، نہیں نیچے اتر رہی تھی۔

ممتاز:۔ اچھا تو آپ تہ خانے کو جا رہی تھیں جہاں اور سب بھی تھے!!

زہرہ:۔ (تعجب سے خوفزدہ لہجے میں) نہیں تو! آپکو کیسے معلوم؟

ممتاز:۔ ابھی تو آپ ہی نے کہا تھا کہ آپ کوٹھے پر سے تہ خانے کو جا رہی تھیں

زہرہ:۔ (گھبرا کر، کچھ جھینپ کر) نہیں۔ میں نے تو یہ نہیں کہا تھا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ میں یہاں نیچے آ رہی تھی۔

ممتاز:۔ ممکن ہے مجھ ہی سے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

جگدیش کمار:۔ اچھا ممتاز صاحب آپ میرے ساتھ آیئے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں اور مسٹر انور آپ ابھی یہیں بیٹھے رہیے جب تک ان کی طبیعت پوری طور سے سنبھل نہ جائے۔

ممتاز اور جگدیش کمار چلے گئے تھے اور انور وہیں رہ گیا۔ انور نگاہیں فرش پر جمائے ہوئے خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا... گیس کی روشنی میں اس کا گورا گورا رنگ ملاحت لئے ہوئے بس آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اور اس کا بھولا بھولا ملکوتی نقشہ کیسا نظر فریب اور دلربا معلوم ہو رہا تھا۔ اسکی بڑی بڑی رسیلی جادو بھری آنکھیں فرش پر جھکی ہوئی تھیں اور ان پر اسکی لمبی لمبی سیاہ ریشمی پلکیں اسکے بکھرے ہوئے حسن میں ایک نظر مقناطیسی کشش پیدا کر رہی تھیں، پھر اسکی مضبوط سڈول گردن۔ اسکے بھرے بھرے بازو۔ چوڑا اکبرا سینہ۔ متناسب جسم۔ سانچے میں ڈھلا ہوا بدن۔ غرضکہ اسکی ہر چیز اسکی ہر ادا اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ یونانیوں کا مشہور حسن کا دیوتا اپالو بھی اس ہندوستانی دیوتا کے سامنے سر عجز و بندگی سے جھکا دیتا... زہرہ کے دل میں بیساختہ یہ خیال پیدا ہوا۔

"اس ظالم کو قدرت نے کیسا بے مثل اور دلستان حسن عطا کیا ہے!! اسکی کس کس چیز کی آنکھیں پرستش کریں۔ اسکے کس کس انداز پر دل نثار ہو!!"

میری نگاہ نے جھک جھک کے بے لئے بوسے
جہاں جہاں سے تقاضائے حسن یار ہوا

بالآخر زہرہ جمال نے ایک پُر حسرت آہ بھر کر آہستہ سے کہا مسٹر انور! انور چونک پڑا، پھر مسکرا کر زہرہ کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔ "زہرہ جمال! فرمایئے! کچھ آپ ارشاد کر رہی تھیں؟"

زہرہ :۔ بی اں میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ زینہ سے یہاں تک مجھے کون لایا تھا۔
انور :۔ (سادگی سے) میں ہی لے آیا تھا۔ (شرمیلے انداز سے) آپ تو اتنی ہلکی پھلکی ہیں مجھے تو کچھ معلوم ہی نہیں ہوا۔
زہرہ :۔ (انور کو احسان مند نگاہوں سے دیکھ کر) آپنے بڑی تکلیف گوارا کی،
انور :۔ (مسکرا کر) تکلیف؟ تکلیف تو اسکو آپ اسوقت کہیں جب مجھے تکلیف ہوتی۔
زہرہ :۔ اور یہ رومال آپ کا کیسے خون میں بھر گیا۔؟
انور :۔ آپکے چہرہ پر خون تھا۔ میں نے جلدی میں اسی رومال سے پونچھ لیا۔ اور پھر ٹھنڈے پانی میں تولیا بھگو بھگو کر آپ کا منہ اور چہرہ کئی مرتبہ دھویا۔
زہرہ :۔ (نگاہیں نیچی کئے ہوئے) آپ ہی نے دھویا؟
انور :۔ (مسکراتے ہوئے) کیوں؟ کیا آپکا چہرہ اتنا لمبا چوڑا تھا کہ اسکو دھونے کے لئے کئی آدمیوں کی ضرورت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ اتنا چھوٹا سا تو آپکا چہرہ ہے!!!
زہرہ کے دل میں ایک ہلکا سا سرور انگیز اختلاج ہونے لگا۔ اس کا خون اسکی رگوں میں دفعتاً بڑی سرعت سے دوڑنے لگا۔ اسکے چہرہ پر اک غیر معمولی چمک اور سرخی پیدا ہوگئی یہ کہنا مشکل تھا کہ اس کو نشہ انگیز خوشی زیادہ تھی یا لذت آمیز تکلیف۔
انور :۔ (زہرہ کو خاموش پاکر) کیوں آپ ایک دم سے خاموش کیوں ہوگئیں؟
زہرہ :۔ کچھ نہیں میں کچھ سوچ رہی تھی۔ ۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ آپکو لوگ انسان کیوں کہتے ہیں فرشتہ کیوں نہیں کہتے ۔ ۔ ۔ ۔ (ٹھنڈا سانس بھر کر) مسٹر انور ۔ ۔ ۔ کونسی توہین کونسی ذلت کونسی تکلیف ایسی ہے جو آپکو میری ذات سے نہیں پہنچی؟ کونسی دشمنی کونسی مخالفت ایسی ہے جو میں نے آپکے ساتھ نہیں کی؟ مگر جب میں زینہ پر زخمی اور بیہوش پڑی تھی تو اتنے آدمیوں میں پہلے شخص آپ ہی تھے جو مجھے اٹھا کر یہاں لے آئے اتنے آدمیوں میں آپ ہی نے تنہا میرے زخم دھوئے مجھے ہوش میں لانیکی تدبیریں کیں اور

جب مجھے ہوش آیا، تو میری خاطر اور دلجوئی کے بجائے آپ ہی بیمار ہو گئے اور سب چلے گئے!!
مسٹر انور آپ اپنی بے مثل اور شریفانہ ادا و ں سے ہر شخص کو بے دام خرید لیتے ہیں آپکے
جانی دشمن۔ آپکے خون کے پیاسے بھی یہ علانیہ تسلیم کرتے۔ کہ آپ سے زیادہ سچا زیادہ
شریف۔ زیادہ رحمدل اور زیادہ بلند خیال انسان مشکل سے کوئی ملیگا میری سمجھ میں
نہیں آتا کہ میں آپکی بے مثل شرافت کا جواب کیا دوں اور کس طرح دوں؟"

انور:۔ اگر واقعی آپ کسی بات کی تلافی احسان کا بدلہ دینا چاہتی ہیں تو
للہ مجھے صرف یہ بتا دیجئے۔ کہ کشور کہاں ہیں اور کیسی ہیں؟ آپ کا بڑا احسان
ہوگا اور میں عمر بھر آپ کا احسان مانوں گا۔

زہرہ کا چہرہ دفعتاً سفید ہو گیا۔ اسکی آنکھیں جھک گئیں اور اسکے قلب و دماغ
میں ایک حشر ساماں شورش برپا ہو گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور دانتوں میں انگلی دبائے
دیر تک حالت جمود میں بیٹھی رہی۔ اسکے چہرے پر مختلف جذبات اسطرح آ جا رہے
تھے۔ جیسے سینما کے پردے پر متحرک تصویریں!!!۔

کئی مرتبہ انور کے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنا سوال واپس لے لے کیونکہ وہ سمجھتا
تھا کہ اس کا سوال زہرہ کیلئے بہت ہی سخت ہے اور اسمیں کسیقدر خود غرضی اور دنیا داری
بھی شامل ہے مگر جب کشور کا وہ خیال کرتا تھا تو اسکے سارے اعتراضات محو ہو جاتے تھے
بالآخر زہرہ کے چہرہ سے ابر ہٹ گیا۔ اور وہ ایک نئے جذبے ایک نئی روحانیت ایک نئے
انقلاب سے چمکنے لگا۔ مختلف اور مخالف جذبات میں ایک دوسرے اسکے دل ہی دل
میں دیر تک جنگ ہوئی مگر آخر کار مجروح زہرہ پر بھی زہرہ نے فتح پالی۔ انور کی محبت نے
بھائی کی محبت کو شکست دی۔ بلند خیالات اور پاکیزہ جذبات نے پست خیالات اور ناپاک
جذبات کو مغلوب کر لیا۔ زہرہ کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک اور حسن پیدا ہو گیا گویا نئے
محبت نے زہرہ کو یک بیک بالکل بدل دیا۔ اور وہ بول اٹھی۔ مسٹر انور آپکی کشور میرے

بھائیجان انکے ساتھ اس مکان کے تہ خانے میں ہیں اور بہت اچھی طرح ہیں۔ آپ بالکل اطمینان رکھئے
انور کا چہرہ فوری خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے دل ہی دل میں اپنے خدائے رحیم و کریم
کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی کشور زندہ ہے اور صحیح اور تندرست ہے!!... پھر وہ حیرت سے
زہرہ کی بدلی ہوئی صورت دیکھنے لگا۔ زہرہ نے کہا "مجھے اُمید ہے کہ آپ کے اطمینان
قلب کے لئے اسقدر افشائے راز کافی ہوگا۔ لیکن اگر آپ مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں سارا
راز فاش کر دوں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں مگر ساتھ ہی اسکے میں آپکو یہ بھی بتا دینا چاہتی
ہوں۔ کہ اس افشائے راز سے میں اپنے بھائیجان کو جنھوں نے مجھے بڑے پیار اور دلسوزی
سے پالا ہے!! اور جن سے مجھے بیحد محبت ہے انتہائی خطرے میں ڈالدونگی۔ یعنی اگر پولیس نے
انکو اور انکے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا تو مجھے خوف ہے کہ بھائی جان اور انکے ساتھیوں کو کوئی
طاقت پھانسی یا حبس دوام سے نہیں بچا سکتی۔ اب میں آپ ہی کے فیصلہ پر چھوڑتی ہوں کہ
وہ بہن جو اپنے سگے بھائی اور محسن کو دھوکہ دیکر اس کا راز فاش کر کے اسے پولیس کی
بیرحمیوں کے سپرد کر دے اور بالآخر اسکو اور اسکے ساتھیوں کو پھانسی پر چڑھوا دے یا
کالے پانی بھجوا دے کیسی بہن سمجھی جائیگی۔ اور کیا دنیا میں ایسی بہن پھر کسی کو منہ دکھانے کے
قابل رہجائیگی؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ ایسی دغابازی کے بعد ایسی بہن کے لئے بجز
خودکشی کر لینے کے اور کوئی صورت باقی نہ رہجائے گی ....
اور ہاں میں یہ بھی کہہ دینا چاہتی ہوں کہ افشائے راز میں صرف آپ ہی سے کرونگی ہو
کرنے کو تیار ہوں۔ پولیس سے نہیں ..... رہا پولیس کا معاملہ تو میں آپ کو یقین دلاتی
ہوں کہ ساری دنیا کی پولیس ان کی بے رحمیاں مجھ سے ایک لفظ بھی اس راز کا نہیں
کھلوا سکتیں..... میں نے نہایت سچائی اور صفائی سے اپنا مقدمہ آپکے سامنے رکھدیا
جو کچھ بھی آپ فیصلہ کرینگے مجھے منظور ہے۔" زہرہ کے اس جواب نے انور کو بالکل ساکت
کر دیا۔ زہرہ نے بڑی سادگی اور جرات سے انور کے سامنے اپنے سارے ہتھیار ڈالدیئے

مگر اس کے طرز عمل نے انور کو بھی ہنستا کر دیا۔

انور نے محسوس کیا کہ زہرہ کی اس گفتگو کے بعد اس کا افشاء راز پر اصرار کرنا کمینہ پن ہو گا۔ اور اسکو سخت حیرت تھی کہ یکبارگی زہرہ میں یہ خوبصورت انقلاب کیوں اور کیسے پیدا ہو گیا۔۔ کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد انور نے کہا "مس زہرہ جمال آپکے اس صاف اور سچے جواب سے میں بہت متاثر ہوا۔ بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ آپ کی لاجواب گفتگو نے میری زبان بند کر دی۔ اور یہ میری انتہائی خودغرضی اور کم ظرفی ہوگی اگر میں آپ سے اب کوئی سوال کروں بجز اسکے کہ کیا آپکو اس کا یقین کامل ہے کہ ڈاکٹر شیرازی کشور کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے"

زہرہ:۔ (مستعدی سے) جی ہاں۔ اس کا تو مجھے یقین کامل ہے۔ آپ ملیان مجھے جسمانی نقصان تو بھائیجان کشور کو پہنچا ہی نہیں سکتے۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے۔ مگر چونکہ وہ کشور پر بہت بُری طرح سے فریفتہ ہیں اسلئے وہ انکی ضرور کوشش کرینگے کہ آپ کا اور کشور کا نکاح جس طرح سے بھی ہو فسخ ہو جائے اور کشور ان سے شادی کرنیکے لئے آزاد ہو جائیں!! ساتھ ہی اسکے وہ اسکے مقابلہ میں آپکے خلاف جو کچھ بھی کریں مگر کشور سے کوئی زبردستی نہ کریں گے نہ کر سکتے ہیں بلکہ ان کی کوشش یہ ہو گی کہ کشور ان کی ہم خیال ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جائیں۔

انور:۔ خیر اگر وہ کشور کو اپنا ہم خیال بنالیں تو مجھے کوئی شکایت ہونی چاہیے لیکن ڈاکٹر شیرازی کے لئے کشور کو کسی قسم کی تکلیف دینا ناممکن ہے تو یہ کیا وجہ ہے کہ کشور کے کوڑے لگائے گئے۔

زہرہ:۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ محض آپ کو دھوکہ دیا گیا تھا اور جو خط آپ کو کشور نے لکھا تھا۔ وہ بھی کشور کو مجبور کر کے لکھایا گیا تھا۔

انور:۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ واقعہ نہیں تھا۔ میں آپکا تہ دل سے ممنون ہوں کہ آپنے میرے دل و دماغ سے یہ تکلیف دہ بوجھ ہٹا دیا۔ اسوقت جگدیش کمار

احمد ممتاز ایک ہیجانی کیفیت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور انور سے کہا "چلو چلو تم سے ایک بہت ضروری کام ہے"۔ انور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا احمد زبیر و جمال سے معذرت کر کے جگدیش اور ممتاز کے ساتھ باہر چلا گیا۔

جگدیش کمار (دوسرے کمرے میں پہنچ کر انور سے) ....ایک ڈاکو مکان میں چھپا ہوا تھا اسکو ہم نے گرفتار کر لیا ہے۔ بہت مار پیٹ کے بعد وہ اقبال کرنے پر راضی ہوا ہے مگر کہتا ہے کہ پولیس کے سامنے اقبال نہ کرے گا۔

انور:۔ تو پھر؟

جگدیش:۔ تو تم چلو۔ شاید تمہارے سامنے اقبال کر دے!!

انور:۔ چلو میں چلنے کو تیار ہوں مگر مجھ میں کیا خصوصیت ہے۔ ممتاز تو پولیس کے آدمی نہیں ہیں۔ ان کے سامنے وہ کیوں اقبال نہیں کرتا۔

جگدیش کمار:۔ نہیں ان کو بھی وہ پولیس ہی کا آدمی سمجھتا ہے....

انور ممتاز اور جگدیش کے ساتھ چلا گیا۔ مکان کے دکھن کی طرف ایک کمرے میں ڈاکو کو پولیس کے دو سپاہی پکڑے ہوئے تھے اسکے ہاتھ پیر رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ جب انور اور ممتاز اور جگدیش اس کمرے میں پہنچے تو ڈاکو ان کے قدموں پر گر پڑا اور بڑی عاجزی سے کہنے لگا کہ وہ ڈاکو نہیں ہے۔ بلکہ مالی ہے اور اس کا کام درختوں پودوں اور پھولوں کی دیکھ بھال ہے۔

جگدیش نے اُسے لات مار کر اور گالی دیکر کہا۔ ابھی تو اقبال کرنے کو کہہ رہا تھا اور ابھی مالی بن گیا۔ ہر منٹ پر تو حرامزادہ اپنا بیان بدلتا ہے۔ (سپاہیوں سے) مارو اس کو یہ یوں نہیں مانیگا۔ سپاہیوں نے ڈاکو کو پھر مارنا شروع کر دیا خوب بہت مارا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دہائی لگائی کہ "اچھا۔ مارو نہیں۔ میں اقبال کرونگا مگر پولیس کے سامنے نہیں.... مجھکو پولیس کے وعدونکا اعتبار نہیں۔"

جگدیش:۔ اچھا سُن حرامزادے۔ انکے سامنے (انور کیطرف اشارہ کرکے) اقبال کریگا ... ڈاکو نے انور کو غور سے دیکھا۔ پھر کہا۔ ہاں یہ تو وہی ہیں جو یہاں بند تھے۔ میں انکو پہچانتا ہوں۔ اں یہ پولیس کے آدمی نہیں ہیں میں ان کے سامنے اقبال کر لوں گا۔

جگدیش:۔ اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ ان ہی کے سامنے اقبال کر ....

ڈاکو۔ (انور سے) مگر حضور آپ قسم کھائیے کہ اقبال کرنے کے بعد مجھے یہ پولیس والے پھنسائیں گے نہیں۔

جگدیش:۔ (انور سے) ہاں تم اس کو یہ اطمینان دلادو۔ میں اسکا ذمہ دار ہوں اسکو ہم مخبر بنا دینگے اور اگر یہ صحیح صحیح بیان کریگا تو اسے چھوڑ بھی دینگے ....

ڈاکو:۔ ہاں حضور بالکل صحیح صحیح۔ اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ ہو تو جو سزا چاہیگا دیجے گا۔

انور نے قسم کھا کر اسے اطمینان دلایا تو اس نے کہا "اچھا آپ میرے ساتھ چلئے اس کمرے میں (دکھائیے کمرے کی طرف اشارہ کرکے) اور کوئی آپ کے ساتھ نہ آئے میں اکیلے میں اور اطمینان سے آپ سے سارا حال کہونگا۔"

سب اس پر راضی ہو گئے جگدیش نے انور کو ایک نوٹ بک اور فاؤنٹین پن دیا اور کہا کہ حرف بحرف اس کا بیان لکھ لینا۔ انور ڈاکو کے ساتھ کھانے کے کمرے میں گیا ڈاکو خود بخود جا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور انور سے اس نے کہا کہ یہیں پر کرسی کھینچ لائیے۔ انور کرسی کھینچ لائے۔ جنوبی کارنس پر گیس کا لیمپ رکھا ہوا تھا۔ ڈاکو نے کہا "حضور اب سب کو یہاں سے باہر کر دیجئے۔ اور کمرے کے دروازے بند کرا دیجئے۔

جگدیش نے آنکھیں دکھا کر "دیکھو (گالی دیکر) اگر تم نے کوئی بھی بدمعاشی کی تو سمجھ لینا کہ کھڑے کھڑے تمہاری کھال کھینچوا لوں گا۔"

ڈاکو: "نہیں حضور! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میرے ہاتھ پیر تو سب بندھے ہوئے ہیں۔ میں کوئی کیا سکتا ہوں؟"

انور نے کہا: "کوئی ڈر کی بات نہیں ہے! تم سب چلے جاؤ میں اس سے سمجھ لونگا"

چنانچہ سب لوگ چلے گئے اور صرف انور اور وہ ڈاکو رہ گیا۔ ڈاکو کے اصرار پر کہ کوئی پولیس والا سن لیگا۔ انور نے اٹھ کر سب دروازے بند کر دیئے۔ جب سب دروازے بند ہو گئے تو ڈاکو ادھر اُدھر دیکھ کر اپنا بیان دینا شروع کیا۔ انور نوٹ بک پر لکھتا گیا۔ پانچ سات منٹ کے بعد ڈاکو نے فرش پر تین مرتبہ پاؤں مارا اور جب انور نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اس کو کسی چیونٹی نے بڑی زور سے کاٹ لیا تھا۔ انور دیکھنے لگا کہ چیونٹی کہاں ہے... کہ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ جس فرش پر وہ بیٹھا ہوا تھا وہ نیچے جا رہا ہے اور دوسرے لمحے میں وہ مع اپنی کرسی اور ڈاکو کے پھسل کر نیچے گر پڑا اور فرش کا ٹکڑا پھر اوپر چلا گیا اور جس طرح پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ دو سکنڈ لگے ہونگے ...انور کے گرنے میں بہت ہی کم آواز ہوئی کیونکہ جس فرش پر وہ گرا اس پر اسقدر موٹا اور ملائم ایرانی قالین بچھا ہوا تھا کہ کوئی آواز ہو ہی نہیں سکتی تھی......

جیسے ہی انور نے سنبھلکر اٹھنا چاہا۔ اس پر ٹارچ کی تیز روشنی پڑی اور تین مضبوط ڈاکو ایک ساتھ اپنی پوری طاقت سے اس پر ٹوٹ پڑے اور آنا فانا اسے بالکل بے قابو کر دیا اسکے بعد اسکے ہاتھ پیر چمڑے کی ربڑ سے خوب اچھی طرح سے کس دیے گئے!

بیچارہ بالکل بے بس ہو گیا اور وہ بے پناہ غصے سے اپنے گرفتار کرنیوالوں کو تیز اور مشتعل نگاہوں سے گھورنے لگا۔ ڈاکو اسکا بے بس غصہ دیکھکر حقارت آمیز طریقے سے ایہر ہنسے اور اسے اٹھا کر سامنے والے کمرے میں لے گئے جو چوکور تھا اور وہاں سے سرنگ کے دوسرے کمرے میں اُسے اٹھا لے گئے اور وہیں تخت پر ڈالدیا۔ کمرے میں دو شمعیں جل رہی تھیں یک بیک انور کے کانوں میں ایک تحقیر آمیز شیطانی ہنسی کی آواز آئی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تو

اس کے سامنے ڈاکٹر شیرازی کھڑا ہوا ہنس رہا تھا اور خوب کھلکھلا کر ہنس رہا تھا۔
انور کے جسم میں آگ ہی تو لگ گئی مگر وہ کرتا تو کیا کرتا.......

ڈاکٹر شیرازی:۔ (مشکل سے ہنسی ضبط کر کے) اخاہ! آداب عرض ہے۔
حضور کے مزاج تو اچھے ہیں؟.... کہئے اسٹر آپکا آنا کیسے ہوا؟ مجھے تو اس غیر متوقع ملاقات کی بالکل اُمید ہی نہ تھی۔ آپ نے بڑا کرم کیا جو یہاں تشریف لاکر میری عزت افزائی فرمائی!! انور غصے سے اپنا ہونٹ کاٹکر رہ گیا اور حقارت آمیز انداز سے اس نے اپنا منہ پھیر لیا!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (پھر ہنس کر) کیوں کیا کچھ طبعیت ناساز ہے! جواب کیوں نہیں دیتے؟
اس دن تو میرے ڈرائنگ روم میں تم بڑی تعلّی کر رہے تھے!! یہ آج کیا ہو گیا؟۔

انور:۔ (ڈاکٹر شیرازی کو خشمگیں نگاہوں سے گھور کر) اُس دن تم میرے قبضے میں تھے اور آج میں تمہارے قبضے میں ہوں۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (خوفناک انداز سے مسکرا کر) ہونہہ!! مگر تھوڑا سا فرق ہے۔
تم نے مجھ پر قابو پا کر اپنی خلقی کمزوری سے مجھے معاف کر دیا تھا۔ مگر میری شریعت میں دشمن پر قبضہ پا کر اس کو معاف کر دینا ایک ایسا گناہ ہے جو کبھی نہیں معاف ہو سکتا!

انور:۔ یہ شیطانوں اور نامردوں کی شریعت ہے۔ شریفوں اور بہادروں کی شریعت نہیں۔.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ (انتہائی طنز سے) پاگل لڑکے! تو شریف کیا بکتا ہے!
جن نااہلوں میں زندگی کی مہمات سر کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی وہ اپنے آپکو شریف کہکر شرافت کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں!! درحقیقت شرافت رحمدلی اور فیاضی صرف بزدلوں اور نالائقوں کی سپر ہے!! دنیا کو شرافت کی کوئی ضرورت نہیں۔ دنیا کو صرف ہمت اور قابلیت کی ضرورت ہے اور اسی کی قدر ہے!! شرافت صرف نیک نیت۔ خیال پرست مجنونوں کا شیوہ ہے عملی دنیا کا شعار نہیں!!! اور یہی وجہ ہے کہ تم ہمیشہ میرے مقابلے میں منہ کی کھاتے ہو اور

ذلتیں اٹھاتے ہو!!!

انور:۔ اگر دنیا میں شیطان انسان کی شکل میں ہے تو خدا کی قسم وہ شیطان تم ہو!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ ہا!ہا!ہا! میں کیا دنیا کا ہر انسان دراصل شیطان ہے مگر بھیس بدلے ہوئے!! مجھ میں اور دوسروں میں اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ میں اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کی جراءت رکھتا ہوں اور دوسروں میں اتنی جراءت نہیں اور وہ عمر بھر اس حقیقت کو مکاری اور دغابازی کے پردوں میں دنیا کی نظروں سے چھپائے رکھتے ہیں......

انور:۔ ہاں ممکن ہے! مگر تم کو غالباً یہ بھی معلوم ہو گا کہ دنیا میں سب سے زیادہ احمق وہ ہے جو اپنے آپ کو سب سے بڑا دانشمند سمجھتا ہے اور دنیا کا سب سے بڑا دھوکا یہ ہے کہ انسان اپنی بابت بہترین رائے اور دوسروں کے متعلق بدترین رائے رکھے!!.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ اتفاق سے میرے پاس ان بلیغ مہملیات کیلئے کافی وقت نہیں ہے۔ مجھے اس سے زیادہ ضروری کام کرنا ہیں۔۔۔اور کاموں میں ایک بہت معمولی مگر کسیقدر دلچسپ کام یہ بھی ہے کہ تمھاری زندگی کو ختم کرنیکا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے!!

انور:۔ (طنزیہ) اتفاق سے میری زندگی کو ختم کرنا تمھارے اختیار میں نہیں ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ تو پھر کس کے اختیار میں ہے؟ تمھارے اختیار میں؟

انور:۔ نہیں! نہ میرے اختیار میں ہے نہ تمھارے اختیار میں۔ میری زندگی کا ختم کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (انتہائی طنز سے) خدا؟.... ہا! ہا! ہا! خدا؟... مجھے یہ سن کر بہت ہی دلچسپی ہوئی کہ پرانی جنات کی یادگار دنیا میں کچھ احمق ابھی تک باقی ہیں۔ جو خدا کا نام لیتے ہیں۔ ہا! کیوں صاحبزادے ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمھارا خدا میرے مقابلہ میں

اس وقت کیا کر سکتا ہے؟.....

انورہ۔ (ایک عجیب پر اثر لہجے میں شعلہ بار آنکھوں سے ڈاکٹر شیرازی کو دیکھتے ہوئے) او اپنی خیالی طاقت کے نشہ میں مست انسان! میرا خدا مجھے تیرے ناپاک پنجوں سے رد کر سکتا ہے اور تجھے انتہائی ذلت اور خواری سے بدل سکتا ہے۔!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (نہایت حقارت آمیز لہجے میں) یہ بعض کے شور مچانے والے جملے مرشد ہی کے پہنچ سے اچھے معلوم ہوتے ہیں یہ جملے اس عقوبت خانے میں بالکل لغو اور بے محل ہیں جہاں تم میرے سامنے ذبح ہونے والی بھیڑ کی طرح بے بس پڑا ہوا ہے اور تیری زندگی یا موت میری اس مٹھی میں ہے!! او عقلمند دیوانے وہ دن گئے جب پیغمبر احمق جاہلوں کو معجزے دکھایا کرتے تھے یعنی ابراہیم کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی تھی اور فرعون پانی کے نیل میں غرق ہو جاتا تھا۔ اور قارون! مع اپنے خزانوں کے زمین میں دھنس جاتا تھا یہ دلچسپ کہانیاں بچوں کو بہلانے یا تم ایسے بیوقوفوں کو بہکانے کے لئے تو بڑی پسندیدہ ہیں مگر اس روشن خیال صدی میں تو الف لیلی کے قصوں سے زیادہ انکی وقعت نہیں!!۔

درحقیقت نہ خدا ہے اور نہ بجز کمزور یا بگڑے ہوئے دماغوں کے کہیں خدا کا وجود ہے!! جو کچھ ہے اس دنیا میں وہ طاقت ہے جو اس دنیا کا حاکم وہی اس دنیا کا مالک ہے اس دنیا کا خدا ہے!!۔۔ اور ... انورہ ... سچ پوچھو تو اس وقت اگر تمہارا کوئی خدا ہے تو وہ تمہارا خدا (اپنے سینہ پر ہاتھ مار کر) میں ہوں!!... تمہاری زندگی اور تمہاری موت اس وقت میرے قبضہ میں ہے جو چاہوں تو تمہیں تمہاری زندگی بخش دوں اور چاہوں تو تمہیں ہلاک کر ڈالوں..... اگر تمہیں کسی خدا کی پرستش کرنی ضروری ہے تو تم میری پرستش کرو کیونکہ مجھ سے بہتر خدا اس وقت تمہیں مل نہیں سکتا!!

انورہ۔ (غصے سے بیتاب ہو کر) او بزدل ملحد!! او پاگل دہریئے!! اگر میں اس وقت آزاد ہوتا تو تجھ کو بتا دیتا کہ تیرے اس ناپاک ہذیان کی سزا کیا ہے۔ مگر تیری ذلیل بزدلی اور

کمینہ پن کی کوئی حد اور انتہا ہی نہیں تو مجھے بے بس اور بے قابو کر کے بے حد حفاظت کے
سامنے کھڑا ہوا بڑے بڑے مغرورانہ تکبر کے دعوے کر رہا ہے!! اگر تجھ میں کچھ بھی ہمت
ہو تو مجھے کھول دے اور پھر میرے سامنے یہ دعویٰ کر!! تو میں تجھے بتا دوں کہ تیرے
اس جاہل اور مجنونانہ غرور کی سزا کیا ہے!.....

ڈاکٹر شیرازی:۔ میں ان اشتعال انگیز باتوں سے مشتعل نہیں ہو سکتا....
اور نہ ان باتوں میں زیادہ وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ابھی بہت دور جانا ہے
اور بہت سے ضروری کام کرنا ہے!!.... رہا تمہارا خاتمہ کرنے کا طریقہ تو میرے خیال میں
اس سے زیادہ رحمدلی اور فیاضی کیا کر سکتا ہوں کہ میں تم ہی سے پوچھوں کہ تمہیں کس قسم
کی موت پسند ہے!!.... ایک طریقہ تو یہ ہے کہ تمہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے تمہاری بوٹی
بوٹی کاٹ کر چیلوں اور گدھوں کی دعوت کے لئے باہر پھینک دوں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ
تمہاری گردن قلم کر کے تمہاری لاش کو اسی تہ خانے میں سڑنے کے لئے چھوڑ دوں تیسرا
طریقہ یہ ہے کہ اس کمرے کی چھت میں جو لوہے کے حلقے لگے ہیں ان میں سے کسی میں لٹکا کر تمہیں پھانسی
دیدوں اور تمہاری لاش اسی کمرے میں نہایت آرام سے سالہا سال تک لٹکتی رہے اور
چوتھا طریقہ یہ ہے کہ میں تمہیں اسی طرح اس تہ خانے میں چھوڑ جاؤں تاکہ تم کئی دن کی
بھوک اور پیاس کی تکلیف کے بعد ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سسک سسک کر تڑپ تڑپ کر جان دو
.... بتاؤ ان چاروں طریقوں میں تمہیں کونسا طریقہ پسند ہے؟......

انور:۔ جب تم کو میری جان ہی لینا ہے تو کاہے کو تمہارے دل کی حسرت باقی رہ جائے
تم میرے مارنے کا وہ طریقہ اختیار کرو جس سے تمہاری سفاک طبیعت کو سب سے زیادہ سیری پہنچے

ڈاکٹر شیرازی:۔ اگر تم مجھ ہی پر چھوڑتے ہو تو مجھے چوتھا طریقہ سب سے زیادہ
مرغوب خاطر ہے۔ یعنی تمہیں اسی طرح کسا اور بندھا ہوا چھوڑ جاؤں تاکہ تمہاری جان بہت
دیر میں اور بڑی تکلیف سے آہستہ آہستہ رک رک کر نکلے.... علاوہ اسکے میں تمہاری گمشدگی

اسلئے نہیں کاٹنا چاہتا کہ شاید کشور نے کبھی ایسی ہی نازک باہیں ڈالی ہوں، میں تمہارے
جسم کی اسلئے بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا کہ شاید کشور نے کبھی تمہیں محبت سے اپنے سینے سے لپٹایا ہو۔
میں تمہاری بوٹیاں کاٹ کاٹ کر اسلئے چیلوں اور گدھوں کو کھلانا نہیں چاہتا کہ کسی زمانے میں
کشور کو تمہاری صورت اور تمہارا حسن غالباً مرغوب تھا...... لہٰذا جس نقطۂ نظر سے بھی غور کرتا ہوں
مجھے یہ طریقہ ہی سب سے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تمہیں بھی پسند
ہوگا.... اور ہاں تمہاری لاش کا محفوظ رہنا مجھے اس وجہ سے اور بھی ضروری معلوم ہوتا
ہے کہ کشور سے شادی کرنے سے پہلے مجھے غالباً اُس کی ضرورت پڑیگی کہ میں ثابت کر دوں
کہ تم واقعی مر گئے ہو اور ممکن ہے کہ موت کی تصدیق کے لئے تمہاری لاش کی ضرورت
پڑے۔ اس لئے تمہاری لاش محفوظ رہنا چاہیئے۔

انور۔ (عجیب طریقے سے مسکرا کر) تمہاری یہ آخری اُمید تو انشاءاللہ پوری
نہ ہوگی کیونکہ بغیر میری موت ثابت کئے ہوئے تم قانوناً کشور سے شادی نہیں کر سکتے!! اور جو
طریقہ بھی مجھے مارنے کا تم اختیار کرو تم دنیا میں میری موت کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (انور کے اس جواب سے کسی قدر متاثر ہو کر مگر پھر سنبھل کر) تو اس میں
کیا ہے جب تم ہی نہ ہوگے تو میں عدالت میں دعوٰی کر کے تمہاری اور کشور کی شادی فرضی
ثابت کر دونگا اور نہایت آسانی سے یکطرفہ ڈگری حاصل کر لونگا۔

انور:۔ عقلمند گدھے!! کہیں اس خیال میں بھی نہ رہنا۔ میں مر جاؤنگا تو کیا میرے
سارے دوست بھی مر جائینگے!!! ان میں ایک اکیلا ممتاز ہی ایسا ہے کہ تم کیا تم ایسے
ہزار ولد کے چھکے چھڑا دے!! اور یکطرفہ ڈگری کا جو تم خواب دیکھ رہے ہو خدا نے چاہا تو
قیامت تک تمہاری یکطرفہ ڈگری نہ ہو سکے گی۔ اور گواہ اگر تم ایک پیش کروگے تو میری طرف سے
دس پیش ہونگے اور دو کاغذی ثبوت شادی کا موجود ہے اسے تم کیسے چاٹ جاؤ گے۔ مجھے مرنیکا
افسوس نہیں بلکہ بہت بڑی خوشی جو میں اپنے دل میں لیکر مرونگا وہ یہ ہے کہ میرے بعد بھی تم

سرنگ کو مرجاؤ گے مگر پیاری کشور سے شادی نہ کر سکو گے !!

ڈاکٹر شیرازی :- (غصے میں) او کشور کو پیاری کہنے والے پاگل تو ہے کس خیال میں!! میں تیری سوکھی ہوئی لاش کو کسی نہ کسی تدبیر سے برآمد کرا کے تیری موت کا یقینی ثبوت مہیا کر دونگا۔ عدالت میں جانیکی مجھے ضرورت ہی پیدا نہ ہوگی۔

انور :- خدا نے چاہا تو تیری یہ آرزو بھی پوری نہ ہونے پائیگی!! زمین کے مہربان کیڑے میری لاش کو اس قابل ہی نہ رکھیں گے کہ اس کی شناخت ہو سکے؟"

اتنے میں ایک ڈاکو گھبرایا ہوا ڈاکٹر شیرازی کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ "کمانے کمرے کا فرش پولیس والے کھود رہے ہیں!!"

ڈاکٹر شیرازی :- اونہہ۔ کچھ ہرج نہیں کھودنے دو ان بیوقوفوں کو کھودنے دو!! ان کے فرشتوں کو بھی تہ خانے کا پتہ نہیں مل سکتا۔ وہ کھودنے کو ساری عمارت کھود ڈالیں تو کیا۔!!۔ کھانے کمرے کے فرش کے نیچے اور تہ خانے کی ہر ایک دیوار اور ہر فرش اور ہر چھت میں لوہے کی موٹی موٹی چادریں لگی ہیں۔ وہ اور انکی اولاد سات پشت تک اگر کھودے تو بھی تہ خانے کا پتہ نہیں لگ سکتا اور اگر بفرض محال کسی طرح پتہ لگ بھی جائے تو انکا اس کمرے تک پہنچنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے آفتاب کا مغرب سے نکلنا!!۔۔۔ یہ تہ خانہ کسی معمولی شخص کا بنوایا ہوا نہیں ہے! بہت بڑے دماغ نے اسے سوچا اور بنوایا ہے!!

۔۔۔۔ اچھا تو اب جلدی کرنا چاہیئے!!۔۔۔ (ایک ڈاکو سے مخاطب ہو کر) کشور سلطانہ اور ان کی بوڑھی خادمہ کو بیہوش کر دیا یا نہیں ؟

ڈاکو :- جی ہاں وہ دونوں سرنگ کے آخری کمرے میں ہیں دیر سے بیہوش پڑی ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر شیرازی :- اچھا تو اب تم لوگ چلو!! اور کشتی باہر نکال کر دریا میں ڈال دو۔

پھر دونوں کو جو بیہوش پڑی ہیں احتیاط سے اُٹھا کر کشتی میں لیجاؤ۔ اور خود بھی اس میں بیٹھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔

سب چلے گئے اور ڈاکٹر شیرازی اور انور اکیلے اس کمرے میں رہ گئے!!۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ اچھا تو انور اب ہم بھی تم سے رخصت ہوتے ہیں۔ تمہارے خدا کا اگر کہیں وجود ہو تو وہ تمہاری مشکل آسان کرے!! کہو کچھ تمہیں کشور سے کہنا ہے؟ اگر کچھ کہنا ہو تو کہو۔ میں تمہارا آخری پیام کشور کو پہنچا سکتا ہوں۔

انور حالت اضطراب میں کسی نہ کسی طرح اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُسکے دونوں ہاتھ اسکی پیٹھ کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اسکے پیر مضبوط تسموں سے جکڑے ہوئے تھے۔ مگر اسکے چہرے پر جذبات کا ایک طوفان تھا۔ بڑی مشکل سے اُن پر قابو پا کر اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ آہ! تم نے یہ کیوں کہا؟ تم نے چلتے چلتے اپنا سب سے زیادہ زہریلا تیر میرے زخمی دل پر تاک کر کیوں مارا؟ ...... میرا...... آخری پیام! ہائے کشور سے اپنا آخری پیام کیا کہوں؟... مجھے معلوم نہیں کہ جسکے لئے میں نے اتنی قربانیاں کیں۔ جس پر میں نے اپنی زندگی نثار کردی۔ جسکی محبت کے جرم میں مجھے ایسی ہولناک موت کی سزا مل رہی ہے آہ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے دل کی حالت کیا ہے؟ ڈاکٹر شیرازی مجھے موت کا خوف یا رنج نہیں! مجھے صرف اس کا قلق ہے کہ میری بدنصیب کشور تمہارے پہلو میں رہیگی!! اور تم نے اپنے زہریلے اثر اور شیطانی عیاریوں سے اسکو مجھ سے بیزار کردیا ہے اور خود اس بھولی معصوم لڑکی پر اپنا رنگ جما لیا ہے۔

(بڑے جوش میں)۔ مگر خدا نے چاہا تو تم کامیاب نہ ہوگے کیونکہ جھوٹ کبھی سچ کو شکست نہیں دیسکتا۔... آہ... کشور!... اگر اس زندگی میں تم میری نہیں ہوسکتیں تو میں خدا کے یہاں تمہیں دعویٰ کر کے لے لونگا... تم میری پاک اور سچی محبت بھی ٹھکرا نہیں سکتیں کیونکہ سچی محبت کبھی ناکامیاب نہیں ہوتی!! عذرا مرحومہ بھی

یہی کہتی تھیں۔

ڈاکٹر شیرازی دوبارہ کا ٹکرا اور یہی کہتے کہتے مرگئی، اور تم بھی یہی کہتے کہتے بسک بسک کر مرجاؤ گے!! مگر اس دنیا میں تو تمھیں کشور مل سکتی نہیں کیونکہ جس وقت تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہے ہوگے اس وقت کشور میری آغوش محبت میں آرام کر رہی ہوگی!!"

ڈاکٹر شیرازی کا ہر لفظ انور کے دل میں زہر میں بجھی ہوئی برچھی کی طرح لگا۔ بدقسمت انور نے ڈاکٹر شیرازی کے فتحیاب چہرے کی سرخی، چمک اور مسرت دیکھی اور اس نے فرط غم سے اپنا سر اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اس کا سارا جسم غم کے امنڈتے ہوئے سیلاب سے کانپنے لگا۔۔۔۔

ڈاکٹر شیرازی نے پھر ایک طنزیہ فتحیاب ہنسی ہنس کر کہا: "اب تم یوں ہی عورتوں کی طرح روتے رہوگے یا کچھ کہوگے بھی! مجھے دیر ہو رہی ہے۔ کہو! کشور کیلئے تمہارا آخری پیغام کیا ہے؟۔۔۔"

انور کچھ دیر تک گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے روتا رہا، پھر اس نے اپنا غمگین چہرہ اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے اور گریہ آلود لرزاں آواز سے کہا: "جاؤ! کشور سے میرا یہ آخری پیغام کہدینا کہ عورت بیوفا ہوتی ہو مگر مرد بیوفا نہیں ہوتا"

یہ کہہ کر اس نے پھر سر اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا اور یاس و نا امیدی کی المناک گہرائیوں میں وہ دوبارہ ڈوب گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جب اس نے کچھ دیر کے بعد اپنا سر اٹھایا تو کمرے کا دروازہ بند ہوچکا تھا اور وہ تن و تنہا وہاں بیٹھا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔

سامنے طاق میں دونوں شمعیں اسکی حالت پر آنسو بہا رہی تھیں!! اسکی تیرہ و تاریک دنیا میں بس یہی دو اسکی غمخوار و غمگسار باقی رہ گئی تھیں۔ دیر تک انور اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے پھوٹ پھوٹ کے رویا کیا اور شمعیں اس کیساتھ آنسو بہاتی رہیں!!۔۔۔

اُنچاسواں باب

قسمت کے کھیل

ڈاکٹر شیرازی ایک فاتح جنرل کی طرح سرنگ سے نکلا اور باہر نکلنے کا دروازہ بند کرتا ہوا اور نہایت خوشی اور مسرت سے قدم بڑھاتا ہوا دریا کے کنارے پر پہنچا جہاں پر کشتی تھی۔ کشور اور بڑی بی دونوں کشتی پر بیہوش پڑی ہوئی تھیں۔ اور سب ڈاکٹر شیرازی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر شیرازی کود کر کشتی میں پہنچ گیا۔ اور کشتی چل دی!۔

رات بہت بھیگ گئی تھی۔ ہنکے کا وقت تھا۔ ہوا تیزی سے چل رہی تھی اسکے تیز ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اتنی سخت آندھی کی جانشین تھی۔ پانی برس جانے سے فضا میں ابھی خاصی خنکی پیدا ہو گئی تھی برسات کا زمانہ تھا۔ دریا ایک تو یوں ہی خوب بھرا ہوا تھا دوسرے بارش نے اسکی وسعت اور تیزی میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر شیرازی نے کھینے والوں کو حکم دیا: دکھن سیدھے پورب کی طرف چلو اور کنارے سے بالکل لگے ہوئے چلو۔ کشتی دریا کے بہاؤ کے خلاف چل رہی تھی مگر چونکہ بالکل کنارے کنارے جا رہی تھی۔ اور دو ڈانڈ لگی پکڑے ہوئے کنارے پر سے آہستہ آہستہ کھینچ رہے تھے۔ اسلئے دریا کے تیز بہاؤ کا کوئی اثر کشتی پر محسوس نہیں ہوا۔

چند منٹ کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے تین مرتبہ سیٹی بجائی۔ فوراً قریب ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر سے موٹر کی روشنیاں دو سکنڈ تک چمکیں اور پھر بجھ گئیں۔

ڈاکٹر شیرازی نے حکم دیا۔ کشتی جلدی بڑھاؤ۔ ڈیڑھ سو گز فاصلہ ہی کتنا تھا چند ہی منٹ میں طے ہو گیا۔ موٹر کے قریب پہنچ کر کشتی کنارے پر لگ گئی۔ سب سے پہلے ڈاکٹر شیرازی

کنارے پر کود کر پہنچا۔ شیر اور رنجیت جو اسکے انتظار میں قریب ہی کھڑے ہوئے تھے
آگے بڑھے ڈاکٹر شیرازی نے کہا "کشور سلطانہ اور بوڑھی عورت کو کشتی سے اتار کر
موٹر میں لیجاؤ۔" انہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔ پیچھے کی سیٹ پر ڈاکٹر شیرازی کشور کو لیکر بیٹھے اور
اسکے سامنے دو چھوٹی سیٹوں پر رنجیت اور شیر بیٹھ گئے۔ بڑی بی اگلی سیٹ پر ڈال
دی گئیں اور رنجیت نے انہیں پکڑ لیا کہ موٹر کے چلنے پر ادھر اُدھر وہ کہیں ڈھلک نہ جائیں۔

کشتی والے ڈاکو سب ڈاکٹر شیرازی سے رخصت ہونیکو کھڑے ہوئے تھے ڈاکٹر
شیرازی نے پہلے انکی بہادری اور جان نثاری کی تعریف مناسب الفاظ میں کی پھر کہا
"تم اب دریا سے جاؤ؛ دریا کے پار پہنچکر اپنے اور ساتھیوں کے ساتھ بڑی ہوشیاری اور
مستعدی سے رہو۔ اپنی سردار مس ہیرا جی سے میرا سلام کہدینا میں اپنے ضروری
کام ختم کرکے بہت جلد تم لوگوں کے پاس پہنچ جاؤنگا۔ دیکھو گھبرانا نہیں۔ اور نہ ہمت ہارنا
ہم لوگ ہفتے دو ہفتے ہی کے اندر ہی اندر پھر اپنے مستقل مقام پر واپس آجائینگے!"

اس کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے لومن جی کو حکم دیا "موٹر بڑھاؤ" ڈاکوؤں نے ڈاکٹر
شیرازی کو ہاتھ باندھ کر فوجی سلام کیا اور موٹر چلایا۔ ڈاکٹر شیرازی اپنی کامیابی پر بہت
خوش تھا اور سب سے بڑی خوشی اس کو یہ تھی کہ اس نے انور کا خاتمہ کر دیا اور کشور اب
اس کی اور تنہا اسی کی ہوگئی۔ گو کشور کو انور سے محبت تھی مگر ڈاکٹر شیرازی کو یقین تھا کہ
وہ رفتہ رفتہ کشور کو اپنی طرف متوجہ کر لیگا اور اسکو یہ بھی امید تھی کہ وہ کچھ عرصے کے بعد
کشور کی محبت بھی حاصل کر لیگا۔ اسمیں شک نہیں کہ اسکو کشور سے غیر معمولی محبت تھی اور
چونکہ وہ خود بھی حاصل ایک نہایت حسین شخص تھا اس لئے کشور ہمیشہ اس سے بہت
زیادہ متاثر ہو جاتی تھی بلکہ جو لوگ اس کے دل کی صحیح کیفیت سے آگاہ نہیں تھے انکو اسکا
یقین تھا کہ کشور کو ڈاکٹر شیرازی سے اچھا خاصہ انس ہے۔ ڈاکٹر شیرازی بھی کشور کی
یہ حالت محسوس کرتا تھا اور اسی وجہ سے اسکو پوری امید تھی کہ ہوتے ہوتے کشور اسکی

ہوجائیگی۔ بیہوش کشور کو وہ بڑی محبت سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا اور اس
خوش قسمت دن کے خواب دیکھ رہا تھا جب قانون کے مطابق وہ کشور کا اور کشور اسکی
ہوجائیگی۔ انور کا خیال کرتے ہوئے اس نے دل ہی میں کہا " بیوقوف انور مادہ کسی نہیں مجھ سے
آخر بھڑا !! آخر کیا نتیجہ ہوا !؟ بھلا یہ کہ میں نے اس کی گردن مروڑ کر اسے چھوڑ دیا۔
شیر اور بھیڑ کا مقابلہ ہی کیا تھا۔۔ کشور کی محبت کا کیسا اسے دعویٰ تھا؟۔۔۔۔
اپنے گڑیوں کے سے حسن پر اس کو کسقدر ناز تھا۔۔۔۔ اب اس کے حسن کی قدر صرف
زمین کے کیڑے کرینگے !! میں نے اُسے کئی مرتبہ منع کیا کہ میرے مقابلہ پر نہ آ مگر وہ نہیں مانا تو پھر
تو اب وہ اس کا خمیازہ بھی بھگتے !! شیر ببر کی دم مروڑ کر کوئی آج تک صحیح سلامت بچ کر نکل کر
نہیں بچ جاتا۔۔۔ آج بدر الزمان (ڈاکٹر شیرازی کا اصلی نام ہے) سے زیادہ خوش قسمت دنیا میں کون
ہوگا؟ کشور کے ساتھ مجھے کشور کی دولت اور جائداد پر بھی قبضہ مل جائیگا اور میں چند ہی
دنوں میں اس روپیہ کو الٹ پھیر کرکے کروڑپتی ہو جاؤنگا۔۔۔ پھر بمبئی میں کس کا منہ ہوگا
جو میرا مقابلہ کریگا۔۔۔ بدر الزمان تو ہے بڑا خوش قسمت اور وہ دن بھی دور
نہیں ہے جب ہر شخص تیری خوش قسمتی کی قسم کھائیگا۔ اور ہاں اس انور بیوقوف
کو مرتے وقت یہ اچھی سوجھی کہ میں اس کی موت کا ثبوت کیسے مہیا کرونگا۔ دیوانہ بہت
ہشیار بنتا ہے۔ تین چار دن کے بعد میں رات کو موٹر یہاں لاؤنگا اور سرنگ میں دریا
کے کنارے کیطرف داخل ہو کر دیکھونگا کہ حضرت ابھی تک زندہ ہیں یا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور انکی
لاش کو اسی موٹر پر رکھ کر بمبئی لیجاؤنگا اور وہاں کسی مشہور سڑک پر ڈالکر چلدونگا
صبح ہوتے ہوتے اس کی موت کا ثبوت پولیس اور کارونر کے ذریعے مکمل ہو جائیگا !!
بیوقوف دنیا بھر کا !! مجھ کو چلا تھا چرکا دینے !! جیسے میں کل ہی تو پیدا ہوا ہوں "
ڈاکٹر شیرازی کے خیالات تو نہ معلوم کہاں کہاں پہنچ گئے اور واپس چلے آئے مگر
ان کے خیالات کی رفتار اور تیزی کو انکا موٹر کہاں پاتا۔ موٹر دریا کے کنارے سے گھاس

اور چھوٹی جھاڑیوں کو کچلتا ہوا اور اونچا نیچا راستہ طے کرتا ہوا آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا جب وہ اس شاہراہ پر پہنچا جو جنگل کے بیچ میں سے ہوتی ہوئی مہابلیشور کیطرف گئی تھی جو ذرا کچھ تیز ہوا لیکن پانی برس جانے کی وجہ سے بہت کیچڑ ہو گئی تھی اس لئے تیز چلنا محال تھا موٹر رینگتا ہوا چل رہا تھا اور کبھی کبھی تیز بھی ہو جاتا تھا...

مگر ڈاکٹر شیرازی کے خیالات پچاس ہزار میل فی منٹ کی رفتار سے آ جا رہے تھے اور نہیں معلوم کہاں کہاں سے وہ سیر کر کے چلے آئے مگر موٹر دو فرلانگ سے زیادہ ابھی تک نہیں گیا تھا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (دفعتاً ڈرائیور سے مخاطب ہو کر) ارے بومن جی آج تم نے کچھ افیون کھائی ہے کیا؟ موٹر چلانا ہی بھول گئے؟

بومن جی :۔ حضور خود دیکھ رہے ہیں کہ پانی برس جانے سے سڑک کتنی خراب ہو گئی ہے

ڈاکٹر شیرازی :۔ تو اس رفتار سے تو اس بیسویں صدی میں مہابلیشور پہنچنا محال ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی پہنچ جائیں تو سمجھینگے کہ جلدی پہنچے !!۔

بومن جی :۔ نہیں حضور! ذرا راستہ صاف ملے تو پھر دیکھئے گا ...... موٹر ہوا سے باتیں کرے گا۔ ....

ڈاکٹر شیرازی پھر خیالات کی دنیا میں اڑ گئے " کشور سے شادی کر کے کچھ عرصے کے بعد جب میرے پاس ایک کروڑ روپیہ ہو جائیگا تو میں کونسل کیلئے کھڑا ہونگا!! ممبر ہو جانا تو کوئی بات ہی نہیں۔ ایلے ہا منسٹر ہونا تو یہ بھی کچھ مشکل نہیں۔ روپیہ بڑی چیز ہے!! اور پھر مجھے ہر شخص کو شیشہ میں اتارنا بھی تو خوب آتا ہے۔ مگر منسٹر ہونا تو محض ہوم ممبری کا ایک زینہ ہوگا۔ لیاقت خوش اخلاقی شخصیت یہ سب تو اپنا کام کرتی ہیں مگر اصلی چیز برطانوی حکام کو رام کرنا ہے۔ اور اس کا بہتر طریقہ بس یہی ہے کہ آج فلاں انگریز کو لنچ پہ بلا لیا۔ کل گورنر کی دعوت کر دی۔ پرسوں اُسکے کو گارڈن پارٹی دیدی۔

ترسوں کی نذران چیف کو ایک عالیشان ڈنر دیدیا مختصر یہ کہ انگریزوں کو کھانا جو کھلانا چاہیئے سنتے ہیں کہ انگریز کے دل تک پہنچنے کا راستہ اسکے پیٹ ہی سے ہو کر گیا ہے لہذا اسی شاہراہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اب ہی پالٹکس تو اس کا سب سے بڑا گر تو یہ ہے کہ چور کو چوری کہے اور شاہ سے کہو جاگتا رہے یعنی انگریز حکام کی بھی ہاں میں ہاں ملاتے جاؤ اور چکنی چپڑی تقریروں سے اور مختلف چندوں میں وقتاً فوقتاً معقول رقم دیکر پبلک کو بھی بیوقوف بناتے جاؤ!.... پھر کیا ہے تھوڑے ہی عرصے میں بڑے بڑے عہدوں کے لئے ایک ہوشمند انسان بازی لگا سکتا ہے... اور میں کہتا ہوں کہ جب للا دھنپا کو باوجود بنگالی ہونے کے صوبہ بہار کی گورنری مل گئی تو میری تو ان سے شکل صورت بھی بہت اچھی ہے کیا وجہ ہے کہ مجھے بھی کہیں نہ کہیں کی گورنری نہ ملے؟ اور اس سے اونچے زینے بھی احاطۂ امکان سے باہر نہیں ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ فی الحال گورنری ہی کیا بری ہے"...

یکبارگی بومن جی کے منہ سے بڑی زور سے نکلا "غضب ہو گیا"......

ڈاکٹر شیرازی چونک کر اپنی سیٹ سے کئی انچ اوپر اچھل گئے پھر گھبرا کر پوچھنے لگے کیوں؟ کیوں؟ کیا ہوا؟ مگر بومن جی کو جواب دینے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ موٹر کی روشنی ایک بہت بڑے لمبے چوڑے گھنے درخت پر چمک رہی تھی جو کچھ فاصلہ پر سڑک کی چوڑان پر اس سرے سے اس سرے تک ایک مستقل اور ہیبتناک سدراہ بنا ہوا پڑا تھا.... تمیز اور رخت کے منہ سے بھی یاس آمیز کلمے نکلے، اور ڈاکٹر شیرازی کا چہرہ ہراس اور پریشانی کی تصویر بن گیا!! بڑی مشکل سے انکی خشک زبان اور سوکھے ہوئے حلق سے صرف یہ الفاظ نکلے... "یہ تو بڑا غضب ہوا۔ اب کیا ہوگا؟"

بومن جی نے درخت سے قریب پندرہ بیس گز اس طرف موٹر روک لیا اور موٹر کی سرچ لائٹ سڑک پر اور درخت پر ادھر ادھر دور تک ڈالی۔ اور پھر خاموش ہو گیا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (خفگی کے لہجے میں) بتاؤ جی اب کیا ہو سکتا ہے؟ کیا تم بہرے ہو سنتے نہیں؟ کیا تم گونگے ہو جو بول نہیں سکتے؟

بومن جی :۔ حضور میں نہ بہرا ہوں نہ گونگا ہوں مگر کاش میں اندھا ہوتا کہ میں اپنے سامنے یہ نا امیدی کا نقشہ نہ دیکھ سکتا!! ......

ڈاکٹر شیرازی :۔ کیا موٹر نکال لے جانے کا کوئی راستہ نہیں؟ ...... یہ کیسے ممکن ہے؟

بومن جی :۔ حضور یہ ممکن ہی نہیں۔ بلکہ یقینی ہے۔ اِدھر اُدھر گھنا جنگل ہے جس میں سے موٹر تو موٹر آدمی بھی مشکل سے نکل سکتا ہے۔ اور سامنے یہ ہیبت ناک درخت۔ خدا کا عذاب پڑا ہوا ہے۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (غصے میں) کیا بکتا ہے بڈھے! (طنزیہ لہجے میں) خدا کا عذاب پڑا ہوا ہے!! خدا کا عذاب پڑا ہوا ہے!! ... کیسا خدا؟ اور کیسا خدا کا عذاب؟ ... کیا تیرے پرانے دماغ میں کچھ فتور آگیا ہے؟! ..

بومن جی :۔ حضور تو خود ہی دیکھ رہے ہیں۔ اُتر کر قریب سے اور بھی اچھی طرح معائنہ کر لیجئے !!

ڈاکٹر شیرازی کشور کو پچھلی سیٹ پر لٹا کر موٹر سے اُترا۔ اس کے ساتھ رحمت اور شمشیر اور بومن جی بھی اُترے۔ درخت کیا تھا ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ اور وہ درخت بول سکتا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب کے بچپنے کے حالات وہ بآسانی بیان کر سکتا اور تعجب نہ ہوتا اگر وہ اکبر کے بھی دو چار قصے بیان کرنے لگتا!! جس طرف بھی مارچ کی روشنی ڈالی جاتی تھی موٹر کیا آدمی نکلنے کا بھی راستہ نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر شیرازی :۔ (نا امید اور بدحواس ہو کر) یہ درخت کیسے گر پڑا جبونت تم موٹر

قلوصلائے تھے اس وقت بھی کیا یہ درخت اسی طرح گرا پڑا ہوا تھا؟

بومن جی:۔ حضور اس وقت یہ گرا ہوتا تو میں دریا کے کنارے کیسے پہنچتا!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (ہوش میں آکر) ہاں! ہاں۔ ٹھیک ہے! میرا مطلب یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخت ابھی کچھ ہی دیر ہوئی گرا ہے!!

شمشیر:۔ جی ہاں غالباً اسی آندھی میں گرا ہے!! خدا کی پناہ! کیسی آفت کی آندھی تھی موٹر اڑا جاتا تھا۔ اور اسی درخت پر کیا منحصر ہے نہیں معلوم کتنے درخت اس آندھی میں گرے ہوں گے۔

ڈاکٹر شیرازی:۔ (نیم بدحواسی میں) مگر اسی درخت کا گرنا کیا بہت ضروری تھا؟ مجھے تعجب ہے کہ اتنا بڑا درخت تو گر گیا اور یہ چھوٹے چھوٹے درخت ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں!!

بومن جی:۔ حضور آندھیاں اور طوفان ان ہی کو گراتے اور جڑ سے اکھاڑتے ہیں جن کے سر آسمان سے ٹکراتے ہیں!! اور چھوٹے چھوٹے کمزور کم حیثیت درخت جو معمولی ہوا کے جھونکوں کے سامنے اپنے سر جھکا لیتے ہیں وہ بڑے سے بڑے طوفان اور سخت آندھیوں کو بڑی آسانی سے برداشت کر لیجاتے ہیں قدرت ان ہی کا غرور توڑتی ہے جسکو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ (غصے سے بیتاب ہوکر) او پاگل بڈھے او دقیانوس احمق تجھ سے اس وقت فلسفہ چھانٹنے کو کس نے کہا ہے؟ کیا تیری کمبخت آج شامت آئی ہے یا تیری موت تیرے سر پر کھیل رہی ہے؟

دفعتاً رنجیت سنگھ نے جو راستہ تلاش کرتا ہوا دس بیس قدم پیچھے چلا گیا تھا ایک لمبی سی بھیانک چیخ ماری ڈاکٹر شیرازی نے گھبرا کر اس پر اپنی ٹارچ کی روشنی ڈالی تو کیا دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدھا جو قریب دس بارہ فٹ لمبا تھا اور کم از کم تین

چار انچ موٹا تھا اس کی ٹانگوں میں لپٹا ہوا ہے اور وہ زمین پر پڑا ہوا ہاتھ پیر مار رہا ہے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلّا رہا ہے !! ۔

یہ ہولناک نظارہ دیکھ کر سب کے ہوش جاتے رہے !! سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سب ایک سکتے کے عالم میں خوف سے پتھرائی ہوئی نگاہوں سے بے حس و حرکت اس ہیبتناک منظر کو دیکھتے رہے !!... کسی سے بھی کچھ نہ ہو سکا۔ ہم میں کسی کے کوئی لکڑی بھی نہ تھی جس سے وہ اژدھے کو مار سکتا !! شمشیر خاں کے پاس بندوق تھی اور لومن جی اور ڈاکٹر شیرازی کے پاس بھرے ہوئے پستول تھے مگر سب بیکار تھے رنجیت سنگھ کو اژدھے کے پھندوں سے چھڑانے کی اسوقت نہ کسی میں ہمت تھی نہ کسی میں قدرت !... قریب ۴ یا ۵ منٹ تک اژدھے اور رنجیت سنگھ میں کشمکش ہوتی رہی پھر جب ان سب کی آواز کھلی اور انھوں نے بھی شور مچانا شروع کیا تو وہ خوفناک اژدھا آہستہ آہستہ رنجیت کے جسم سے الگ ہو گیا اور نہایت اطمینان اور بے پروائی سے رینگتا ہوا جنگل میں غائب ہو گیا۔... رنجیت سنگھ کچھ عرصہ تک بالکل بے حس و حرکت وہیں زمین پر پڑا رہا پھر دفعتاً تڑپ کر وہ اٹھا اور آنکھیں پھاڑے دیوانوں کی طرح چیختا ہوا وہ بے تحاشا دوڑا اور ڈاکٹر شیرازی کو آ کر اس نے زور سے پکڑ لیا اور چلّانے لگا۔ "بچاؤ! مجھے پرماتما کے عذاب سے بچاؤ!... مجھ کو اس خوفناک سانپ سے بچاؤ جس نے مجھے ڈس لیا!!"

ڈاکٹر شیرازی اس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کے ہوش و حواس یونہی اڑے ہوئے تھے۔ رنجیت سنگھ کی یہ حالت دیکھ کر اس پر ایک عجیب خوف سا طاری ہو گیا اس نے بولنا چاہا مگر اس کی آواز نہیں نکلی۔ اس نے اپنے آپ کو رنجیت سنگھ سے چھڑانا چاہا مگر رنجیت سنگھ کے دونوں ہاتھ اسے سختی کیطرح جکڑے ہوئے تھے اور وہ باوجود اپنی انتہائی کوشش کے انہیں چھڑا نہیں سکتا تھا !!

رنجیت سنگھ برابر چیخ کر کہہ رہا تھا "بچاؤ! بچاؤ! سردار مجھے پرماتما کے عذاب سے بچاؤ! یہ سانپ نہیں ہے! یہ یم پر پرماتما کی مار ہے!!"

شمشیر خاں اور بومن جی نے آگر رنجیت سنگھ کو پکڑ لیا اور اس سے خوفزدہ لہجے میں پوچھنے لگے۔ "کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی کیا ہے؟"

مگر رنجیت سنگھ ایک نہیں سنتا تھا اور یہی الفاظ برابر دہراے جاتا تھا یک بیک اس کا بدن زور سے کانپنے لگا۔ ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے جسم سخت ہونے لگا چہرہ خوف اور وحشت سے بگڑ کر بیحد ہیبت ناک ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں منہ سے بڑی مقدار میں پسینا نکلنے لگا۔ دفعتاً وہ لڑکھڑایا اور لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔

ڈاکٹر شیرازی، شمشیر خاں۔ اور بومن جی نے ایک ساتھ اپنی ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی تو وہاں رنجیت سنگھ نہ تھا بلکہ اس کی اکڑی ہوئی لاش بھیگی ہوئی زمین پر پڑی تھی!!! اور اس کی ہیبت ناک خاموشی ایک عجیب سنسنی خیز خاموشی تھی!!

. . . .

"مر گیا!.... واقعی مر گیا.... اتنی جلدی زہر اپنا اثر کر گیا!!"

ڈاکٹر شیرازی کے لرزاں ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے۔.... جنگل کے درختوں میں ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔.... اور کبھی کبھی شاخوں کے بیچ میں سے ہوا کراہتی ہوئی نکل جاتی اور رات کی اندھیری میں چاروں طرف سے جنگلی جانوروں اور پرندوں کی عجیب عجیب ڈراؤنی آوازیں قریب اور سنائی دے رہی تھی۔

تینوں آدمی اپنی اپنی ٹارچ جلائے جو اس باختہ اس کی روشنیاں ادھر ادھر جلدی جلدی ڈال رہے تھے۔ ہر شخص کے دل پر یہ خوف طاری تھا کہ کہیں ویسا یا دوسرا اژدھا اس کے پیچھے سے چپکے سے اس کے پیروں میں لپٹ نہ جائے اور اس کی زندگی کا بھی چند منٹ میں خاتمہ نہ کر دے!!....

ڈاکٹر شیرازی نے کہا "چلو موٹر پر چلکر بیٹھیں۔ یہاں پر ٹھہرا رہنا خطرناک ہے"
اور یہ کہتا ہوا وہ موٹر پر آکر بیٹھ گیا اور بومن جی اور شمشیر بھی اپنی اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔
کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے کہا: بتاؤ رنجیت کی لاش کو کیا کیا جائے؟ ... کیوں۔ بومن جی موٹر پر اسے لاد سکتے ہو۔

بومن جی:۔ حضور موٹر پر کہاں جگہ ہے؟ میری تو رائے ہے کہ رنجیت کی لاش کو یہیں چھوڑ دیجئے اور اب واپس چلئے!!... صبح کو آکر لیجائینگے!

ڈاکٹر شیرازی:۔ صبح کو آکر لیجائیں گے!! مگر صبح تک سیار وغیرہ اسے صاف نہ کر ڈالیں گے۔ صبح کو تو نری ہڈیاں ہی ہڈیاں ملیں گی!! اور شاید وہ بھی نہ بچ پائیں!!

بومن جی:۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کیا کیا جائے؟ مجبوری ہے!! اور پھر جب آدمی مر ہی گیا تو چاہے اسکی لاش کیڑے مکوڑے کھائیں یا چیل گدھ کھائیں، یا سیار کھائیں سب ایک ہی بات ہے!! یہ تو زندگی ہی میں انسان کے جسم کی بڑی خاطر تواضع اور دیکھ بھال ہوتی ہے!!

شمشیر خاں:۔ جی ہاں حضور بومن جی سچ کہتے ہیں۔ اب رنجیت سنگھ بیچارے کو یہیں چھوڑیئے اور ادھر واپس چلیئے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ اچھا تو بومن جی۔ پھر چلو واپس چلو! مگر بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اب نہ معلوم کیسے یہ درخت راستے سے ہٹایا جائیگا اور کب موٹر کا راستہ صاف ہوگا

شمشیر خاں:۔ گھبرائیے نہیں! میں صبح تڑکے ہی بن مانسوں کی تلاش میں نکل جاؤں گا اور وہ ہی ایک گھنٹے میں درخت کٹوا کر موٹر کا راستہ نکلوا دونگا۔ یہاں سے پانچ ہی چھ میل پر بن مانسوں کی بستی ہے!!

ڈاکٹر شیرازی:۔ یہ تو ایک ضروری اور نہایت ہی ضروری کام ہے ورنہ اگر پولیس کو کہیں ہمارے موٹر کا پتہ چل گیا تو پھر ہم لوگوں کے ہاتھ بیری یا ہتھکڑی لگ جائیگی

شمشیر خاں:۔ نہیں! حضور میں تو بس واپس جاتے ہی اسکے انتظام کیلئے چلدونگا۔

آپ بالکل اطمینان رکھیئے!!...خدا نے چاہا تو کل ہی آپ یہاں سے بآسانی روانہ ہو سکینگے!!
ڈاکٹر شیرازی کے ہراساں دل میں پھر امید پیدا ہو گئی۔ اندھیرے میں پھر اجالا ہو گیا!۔ اور اس کو آئندہ زندگی کے رنگین خواب پھر دکھائی دینے لگے۔ بوس جی کو حکم ملا "موٹر بڑھاؤ اور دریا کے کنارے پر جہاں سے چلا تھا وہیں پھر واپس لے چلو!!" موٹر پھر کیچڑ میں آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ اور ڈاکٹر شیرازی کی امیدیں پھر پرواز کرنے لگیں!!۔

پچاسواں باب

امتحان محبت

ممتاز اور جگدیش کمار انور کو کھانے کے کمرے میں اُنو گیا تھ چھوڑ کر قریب ہی دوسرے کمرے میں چلے گئے!! اسکے بعد قریب پندرہ منٹ تک تو جگدیش نے صبر کیا پھر اُن سے صبر نہ ہو سکا اور یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلو چل کر سننا چاہیئے کہ وہ کمبخت کیا کہہ رہا ہے۔ انور کو کہیں وہ ٹھگ نہ لے جائے۔!! اس بیچارے کو اس قسم کے آدمیوں سے کہاں سابقہ پڑا ہے!! وہ کیا جانے؟ چلتے ہو ممتاز؟"
ممتاز نے کہا "ہاں ہاں چلو!! ذرا دروازے میں کان لگا کر سنیں کہ وہ کہہ کیا رہا ہے؟ یہاں بیٹھے بیٹھے کیا کریں گے۔
ممتاز اور جگدیش دونوں آہستہ آہستہ دبے پاؤں جا کر کھانے کے کمرے کے جنوبی دروازے سے کان لگا کر سننے لگے۔ کئی منٹ تک دونوں دروازے میں کان لگائے رہے مگر کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ تب تو ان کو پہلے تعجب اور پھر شبہ ہوا جگدیش نے

دروازہ کھٹکھٹایا اور انور کو پکارا اور کہا دروازہ کھولو۔ مگر پھر بھی کوئی آواز نہیں آئی
اب تو ممتاز اور جگدیش دونوں کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے
فوراً کئی ایک سپاہی بلوائے گئے اور دروازہ توڑا گیا۔ مگر جب وہ کمرے میں داخل ہوئے
تو وہاں انور تھا اور نہ ڈاکو۔ کمرہ بالکل خالی تھا اور اسمیں وہی گیس کا لیمپ خاموشی سے جل
رہا تھا جلدی جلدی کمرے کے ہر دروازہ کا معائنہ کیا گیا۔ مگر دروازے سب اندر ہی سے
بند تھے کچھ دیر تک جگدیش ممتاز کو اور ممتاز جگدیش کو ایک خوفزدہ خاموشی سے دیکھتے رہے۔
پھر ممتاز نے کہا "ہم لوگوں نے بڑا سخت دھوکا کھایا۔۔۔ اور اب انور کا خدا ہی حافظ ہے"
جگدیش:- کیوں ؟ کیا ہوا ؟ تمہارا کیا خیال ہے ؟"
ممتاز:- (سپاہیوں سے) تم لوگ فوراً کمرے کے باہر نکل جاؤ۔
سپاہی سب جلدی جلدی باہر نکل آئے اور ممتاز جگدیش کا ہاتھ پکڑے ہوئے
بڑی تیزی سے کمرے کے باہر نکل آیا۔ جگدیش نے پھر پریشان ہو کر پوچھا "آخر تم
کیوں سب کو کمرے سے باہر چلے آنے کی تاکید کر رہے ہو !! کچھ کہو تو سہی ؟ کیا بات کیا ہے ؟"
ممتاز:- (گھبرائی ہوئی آواز میں) بڑا غضب ہو گیا۔۔۔ جگدیش ! تعجب ہے کہ
تم ابتک سمجھے نہیں !! تہ خانہ جس کا نام زہرہ جمالی نے غلطی سے لیا تھا اسی کمرے کے
نیچے ہے اور اسی کمرے کے فرش کا کوئی نہ کوئی حصہ ایسا ہے جو کسی اسپرنگ کے ذریعے سے
دفعتاً نیچے دھنس جاتا ہے اور پھر اوپر چلا آتا ہے۔ اور فرش سے مل جاتا ہے اور انور کو اسی ترکیب
سے تہ خانے میں گرا دیا گیا ہے اور یہی نہیں ڈاکٹر شیرازی اس تہ خانے کے اندر ہے اور یہ
ڈاکو اسی کا جاسوس تھا اور انور اس وقت ڈاکٹر شیرازی کے قبضے میں ہے۔۔۔۔
بڑا غضب ہوا۔ اب انور کا خدا ہی حافظ ہے !!"
جگدیش:- (تعجب سے) یہ سب نتیجے تم نے کیسے نکال لئے۔
میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا"

ممتاز:۔ کسقدر بے صبری ہے! تمہاری سمجھ میں تو اسوقت تک کچھ نہ آئیگا جبتک تم بھی فرش کے چور دروازے میں پھسلکر تہ خانے میں نہ پہنچ جاؤگے۔ اچھا اب بحث مباحثے میں وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً قریب بیس سپاہیوں کو حکم دو کہ کھودنے کے اوزار لیکر آئیں ہر مقام پر اس کمرے کے فرش کو کھودیں۔ ایک ایک منٹ بہت قیمتی ہے دیر مت لگاؤ۔ یہ کام جلد سے جلد ہونا چاہیئے!! اور دیکھو! ہر ایک برج پر دو دو سپاہی بھیجو۔ اور بجلی کی مشعلیں ان کو دیدو اور کہہ دو کہ اس قلعہ کی دیواروں کے باہر برابر روشنی ڈال کر دیکھتے رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس تہ خانے سے نکلنے کا راستہ دیوار سے باہر ہے!!

جگدیش نے پہلے تو حیرت سے ممتاز کی صورت اور سراپا دیکھا اور پھر یہ کہہ کر چلے گئے:۔ "اچھا جیسا کہتے ہو ویسا ہی کیا جائے گا!!"

پانچ منٹ کے اندر ہی بیس سپاہی نوکیلے کدال لئے ہوئے کمانے کے کمرے کا فرش جا بجا کھودنے میں مصروف ہو گئے!!۔۔۔ اور ممتاز دروازے پر کھڑا ہوا بے حد بے چینی سے یہ سب تماشا دیکھتا رہا۔۔۔

جس کمرے میں زہرہ لیٹی ہوئی تھی وہ کھانے کے کمرے سے بالکل ملا ہوا اتر کی جانب تھا دونوں کمروں کے بیچ میں دروازے تھے مگر وہ سب اسوقت بند تھے۔ وہ لیٹی ہوئی خیالات کی دنیا میں سیر کر رہی تھی کہ یکبارگی اسے پہلے تو بہت سے آدمیوں کے ایک ساتھ بولنے کا شور سنائی دیا اور پھر اسے فرش کے کھودے جانیکا شور اور کدالوں کے چلنے کی کرخت آواز سنائی دینے لگیں۔ وہ ایک سراسیمگی کی حالت میں پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دوڑتی ہوئی برآمدے میں آئی۔ دو مسلح سپاہی وہاں پہرہ دے رہے تھے۔ زہرہ نے ان سے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا "یہ شور کیسا ہے؟ اور کیوں ہو رہا ہے؟"

سپاہی:۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے سردار سے پوچھیئے!!

زہرہ:۔ اچھا تو تم جاؤ اور جاکر انہیں بلا لاؤ۔ میں ان ہی سے پوچھ لونگی!!

ایک سپاہی چلا گیا اور تھوڑی دیر میں ممتاز کو اپنے ساتھ لے آیا۔ زہرہ نے ممتاز سے

بھی وہی سوال کیا۔ ممتاز نے کہا۔ کھانے کے کمرے کا فرش کھودا جا رہا ہے!!

زہرہ:- کیوں کھانے کے کمرے کا فرش کیوں کھودا جا رہا ہے؟

ممتاز:- تہ خانے کا راستہ دریافت کرنے کے لئے اور انور کی جان بچانے کے لئے۔

زہرہ:- (پریشان ہو کر) انور کی جان بچانے کیلئے! میں سمجھی نہیں کہ آپ کا کیا مطلب ہے؟ للہ مجھے سمجھا دیجئے!!

ممتاز:- (بڑی ترشی سے) آپ مجھ سے یہ تھیٹر کا پارٹ نہ کیجئے! جیسے آپ کچھ جانتی ہی نہیں! بڑی انجان بنتی ہیں!!!۔۔ واللہ اگر خدانخواستہ انور زندہ نہ ملا تو آپکو اور آپکے بھائی کو نہ میں نے پھانسی پر لٹکوا دیا ہو تو میرا نام ممتاز نہیں!! آپ دونوں اپنے آپکو دنیا میں سب سے زیادہ ہوشیار سمجھتے ہیں مگر مجھ سے آپکی ہوشیاری اور عیاری چھپی نہیں! میں آپ دونوں کے رگ و ریشے سے خوب واقف ہوں۔ اور آپ اس پر نہ بھولی رہیئے کہ آپکے اور آپکے بھائیجان کے کوئی کرتوت مجھ سے چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ڈال ڈال ہیں تو میں پات پات!!! ایسا مزہ چکھاؤنگا کہ آپ بھی یاد کیجئے گا کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔۔۔ تم دونوں منحوس بہن بھائی انور کی جان کے پیچھے پڑے ہو! (مگر دانت پیسکر اور آنکھیں نکالکر) سمجھ لینا کہ اگر انور کو کوئی بھی نقصان پہنچا تو جب تک میں تم دونوں کو اور تمہارے سارے ناپاک گروہ کو پھانسی پر نہ لٹکوا دونگا اس وقت تک میں دم نہ لونگا۔ اس وقت تک میں نے اور کھانا پینا اور زندگی حرام کر لونگا۔ تم ہو کس خیال میں؟

زہرہ:- (بڑی متانت سے مگر ضبط کی ہوئی پریشانی کے لہجے میں) خدا کی قسم مجھکو نہیں معلوم کہ انور کو کیا ہوا!؟ للہ میں آپکے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے بتا دیجئے کہ انور کہاں ہیں اور آپ کیوں کہتے ہیں کہ انکی جان خطرے میں ہے! میں مانتی ہوں کہ میں بُری ہوں اور بہت بُری ہوں مگر میں قرآن پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں انور کی دشمن نہیں ہوں۔

ممتاز:- (انتہائی غصے میں) او مکار عورت! تونے قرآن پاک کبھی پڑھا بھی یا فقط

قرآن پاک کی قسمیں ہی کھانیکی مشق کر لی ہے۔۔۔ کیا تجھکو نہیں معلوم کہ تیرے بھائی نے ابھی ایک جاسوس بھیجا تھا اور وہ جاسوس دھوکا دیکر انور کو کھلے کمرے میں لے گیا اور تہ خانے کا چور دروازہ کھول کر تیرے بھائی نے انور کو گرفتار کر لیا۔۔ نہیں معلوم کہ میرا انور اس وقت تک زندہ بھی ہے یا تیرے جلاد بھائی نے اس کا خاتمہ کر دیا۔۔۔۔ اور تو اتنا مجھ سے بنتی اور انجان بنکر پوچھتی ہے کہ فرش کیوں کھودا جا رہا ہے اور انور کو کیا ہوا۔۔۔۔ دگر جتھم ہوئے لہجے میں، کانسٹیبل۔ دیکھو اس عورت پر بڑی سنگین کا پہرہ رہے اور خبردار جو اس نے اس کمرے کے باہر قدم رکھا۔۔۔۔ اگر یہ دھوکا دیکر نکل گئی تو سمجھ لینا کہ تم لوگوں کی خیریت نہیں ہے!!۔۔۔"

یہ کہتا ہوا اور زہرہ پر نہایت خشمگین نگاہیں ڈالتا ہوا استاد وہاں سے چلا گیا اور فرش کھدوانے میں مصروف ہو گیا۔۔۔"

زہرہ پر اس وقت ایک عجیب حیرت اور جمود کی کیفیت طاری تھی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔۔۔ وہ آنکھیں پھاڑے دانتوں میں انگلی دبائے رنج پریشانی سراسیمگی کی تصویر بنی ہوئی خاموش کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ وہ زمین میں گڑ گئی ہے!! کئی منٹ تک اس کی یہی حالت رہی!! سپاہی اسکو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کو سخت حیرت تھی کہ یکبارگی اس کو کیا ہو گیا!! پھر آہستہ آہستہ جیسے اسکے پیروں میں بھاری پتھر بندھے ہوں زہرہ اپنی مسہری کیطرف واپس گئی اور پھر خاموش کھڑی ہو گئی۔ پھر یک بیک وہ مسہری پر گر پڑی اور تکیوں میں اس نے اپنا منہ چھپا لیا۔۔۔ اور اس کا جسم سر سے پیر تک اس طرح کانپنے لگا جیسے اسے شدت کا لرزہ چڑھا ہو!! پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ کئی منٹ تک وہ اسی طرح تکیوں میں منہ چھپائے ہوئے روتی رہی۔ پھر ایک دم سے اٹھی اور دیوانہ وار کمرے میں ٹہلنے لگی۔۔۔ اس وقت وہ نہایت ہی قوی جذبات کی کشاکش میں گرفتار تھی۔۔۔۔ ایک طرف

بھائی کی محبت!! اس کی جان کے خطرے کا احساس اور اس سے دغا بازی کرنیکے
خیال کی تکلیف اور کراہت تھی اور دوسری طرف انور کی محبت۔ انور کی جان
کے خطرے کا احساس۔ اور اس سے وفاداری کرنیکے خیال کی کشش اور قوت... تھی!!
وہ سوچ رہی تھی "ایک طرف دغا بازی کا خوف ہے۔ دوسری طرف وفاداری کا تقاضا ہے! ایک طرف
خون کی محبت ہے۔ دوسری طرف دل کی محبت ہے!! ایکطرف سگے بھائی کی جان کا خطرہ ہے۔ دوسری طرف محبوب کی۔ دیکھا جائے تو کسی کی
موت اور زندگی کا سوال ہے!! اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ مجھے فیصلہ فوراً کرنا چاہیئے ... ہائے اللہ میں کیا
کروں!! اگر انور کو بچا کر میں اپنے سگے بھائی کو گرفتار کراتی ہوں تو دنیا مجھکو کیا کہیگی۔
اور پھر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہجاؤنگی؟ اگر میں بھائی کو بچا کر انور کو قربان کرتی
ہوں تو میں اپنے ہی دل کو اپنے پیروں سے کچلتی ہوں میں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی
میں آگ لگا کر اسے خاک و سیاہ کرتی ہوں!! اُف... یہ کس قدر سخت آزمائش ہے
یہ میرا کیسا مشکل امتحان ہے!!! آہ میں کیسے اتنی جلدی اتنے اہم سوال کا فیصلہ کروں؟...
...اوہ خدا۔ میری مدد کر!... اے میرے رحیم اے میرے کریم۔ کچھ ایسا کر دے کہ انور
کی بھی جان بچ جائے اور بھائیجان پر بھی آنچ نہ آئے... اوہ خدا!... (دفعتاً اس کی
نظر اسکے زیور کے صندوقچے پر پڑی، دل میں) "اسمیں ایک اشرفی ہے جو میرے بچپن
میں مجھے میری امی جان نے دی تھی اور وہ ان کے مرنیکے بعد سے آج تک میں
نے بطور ان کی یادگار کے احتیاط سے رکھی ہے... میں اب اسی کو نکالتی
ہوں اسی کو اچھال کر اسی کے فیصلے پر اپنے فیصلے کا انحصار کرتی ہوں
...... (صندوقچے سے اشرفی نکالکر اسے اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے) ...اے
اشرفی تو کیا فیصلہ کریگی، تو کس کے حق میں فیصلہ کریگی!! ہائے تو کس طرف جھکیگی۔ خون کے رشتے
کیطرف یا دل کے رشتے کیطرف، کچھ نہیں... بس تیرا فیصلہ میں خدائی فیصلہ سمجھونگی..
میں تجھے اچھالتی ہوں۔ اگر ملکہ کی صورت اوپر آئی تو میں تہ خانے کا راز افشا کر کے اپنے

پیارے کو بچا لو گی اور اگر ملکہ کی صورت اوپر نہ آئی تو میں" یہ کہکر زہرہ نے اشرفی اچھالی۔ اشرفی ناچتی ہوئی اوپر گئی اور پھر ناچتی ہوئی نیچے آئی زہرہ نے سانس روک لی۔ اس کا دل تھم گیا!... اس نے اچھلتے ہوئے خون سے لرزتے ہوئے دل سے کانپتی ہوئی نظروں سے اشرفی کی طرف دیکھا... ملکہ کی صورت اسکی صورت کو گھور رہی تھی!!... اسکے دل نے اک جست کی۔ اس کا خون تڑپ کر اس کے زرد چہرے میں آگیا... اس نے جھک کر اشرفی کو اٹھالیا اور ایک مضطربانہ ادا سے اسے بار بار پیار کرنے لگی۔ پھر اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھکر اس نے کہا:" آہ... اے میرے کانپتے ہوئے دل!... اگر یہ اشرفی اس رخ نہ گرتی تو کیا ہوتا اور میں کیا کرتی؟

. . . .

. . . .

. . . .

ممتاز کا چہرہ اک ناقابل بیان مسرت سے چمک اٹھا "کیا مس زہرہ جمال!! آپ سچ مچ تہ خانے کا راز افشا کرنے کو تیار ہیں؟" زہرہ اسکے جواب میں اپنا ہاتھ کا انگلی پر لگی اور چشم زدن میں لکڑی کے گیندوں کو اس نے ادھر ادھر کر دیا۔ ممتاز اور جگدیش کی حیرت زدہ نگاہوں کے سامنے تہ خانے کا چور دروازہ نیچے کو گر گیا اور لکڑی کی سیڑھیاں باہر نکل آئیں۔

زہرہ نے کہا... "اب تو راستہ کھل گیا چلئے میں بھی آپ کے ساتھ ہوں!!"

ممتاز: بس زہرہ جمال ہم لوگ ایسے فرمائشی احمق نہیں ہیں جو اس آسانی سے آپکے دھوکے میں آجائیں۔ آپ کا مطلب یہ ہیکہ ہم لوگ تہ خانے میں چلے جائیں اور آپ ہمارے اوپر بھی تہ خانے کا دروازہ بڑے اطمینان سے بند کرلیں!!

. بدقسمتی سے ایسا معصوم گدھا نہیں ہوں!!

زہرہ۔ نہیں خدا اور خدا کے رسول کی قسم میں آپکو دھوکا نہیں دے رہی ہوں میں واقعی آپکو اس تہ خانے کا پورا راز صدق دل سے بتلانے کو تیار ہوں!!

ممتاز:۔ میں بھی آپ کی صدق بیانی پر ایمان لانے کو تیار ہوں مگر صرف اس شرط پر کہ آپ پہلے مجھے تہ خانے کے جتنے دروازے ہیں سب کے کھولنے اور بند کرنے کے طریقے اصولاً سمجھا دیجئے اور پھر عملاً دکھا دیجئے۔

زہرہ:۔ ہاں! ہاں مجھے کب اس سے انکار ہے؟

زہرہ نے ایسا ہی کیا۔ اور جب ممتاز کو پوری طرح اطمینان ہو گیا تو اس نے پہلے بیس مسلح سپاہی تہ خانے میں بھیجے پھر خود مع زہرہ اور جگدیش کے وہ اندر گیا۔ تہ خانے کے ہر ایک کمرے کا ممتاز اور جگدیش نے معائنہ کیا مگر سب کمرے خالی پائے

ممتاز:۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ سرنگ کے کمروں میں چھپے ہوئے ہیں (زہرہ سے) چلئے اب ان کمروں کو کھولیے۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ بتاتی جائیں اور ہمارے آدمی آپ کے ہدایت کے مطابق دروازے کھولتے جائیں!! زہرہ کو اس میں بھی کوئی تکلف نہیں ہوا۔ اور کیسے ہوتا؟ جب پہلا دروازہ کھلا۔ تمام سپاہی پہلے سے بندوقیں چلانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ سرنگ بالکل خالی ملی۔ قریب ستر بہتر قدم چلنے کے بعد پہلے کمرے کی دیوار ملی۔

ممتاز:۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہاں پر سرنگ ختم ہو گئی۔ مگر اس دیوار میں بھی ضرور کوئی دروازہ ہو گا۔

زہرہ:۔ جی ہاں۔ اس دیوار میں بھی دروازہ ہے دیکھئے اسے بھی میں کھولے دیتی ہوں۔ مگر آپ کے سپاہی تیار رہیں کیونکہ بہت ممکن ہے وہ لوگ دروازے کے اس طرف ہوں۔

ممتاز:۔ اچھا تو آپ دروازہ کھول کر دیوار کی آڑ میں ہو جائیے گا جیسے پہلے ہو گئی تھیں تاکہ آپ بندوقوں کی زد سے بچی رہیں۔ یہ کمرہ بھی اور کمروں کی طرح خالی ملا۔

زہرہ:۔ ابھی ایک کمرہ اور ہے۔ اگر وہ لوگ اس سرنگ میں ہیں تو اسی کمرے میں رہیں گے!!

ممتاز:۔ خیر دیکھا جائیگا ہم ان کے لئے تیار ہیں!!

پہلا کمرہ پار کرنے کے بعد تقریباً سو قدم کے بعد پھر دوسرا کمرہ آیا۔ یہ بھی اسی احتیاط سے کھولا گیا جس احتیاط سے پہلا کمرہ کھولا گیا تھا۔ کمرے میں دو شمعیں جل رہی تھیں اور ایک طرف انور چمڑے کی رسیوں میں بندھا ہوا اپنا سر اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ سب کی زبان سے تعجب کے کلمات نکلے مگر اس وقت کوئی زہرہ کی دل کی خوشی دیکھتا۔ اسکی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اسکی دعا قبول ہو گئی۔ اس نے انور کو بھی بچا لیا اور ڈاکٹر شیرازی پر بھی آنچ نہیں آنے پائی۔ اسکو اب یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر شیرازی اور اس کے ساتھی سرنگ کے اندر نہیں ہیں بلکہ باہر نکل گئے ۔ ۔ ۔ ۔

. . . .

ممتاز اور جگدیش دونوں انور کیطرف دوڑے۔ زہرہ بھی شرماتی ہوئی انور کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ انور نے ایک عجیب مسرت آمیز تعجب سے سب کو دیکھا۔ جلدی جلدی اس کے تسمے کاٹے گئے۔ وہ رہا ہو کر کھڑا ہو گیا اور ممتاز انور سے اور انور ممتاز سے لپٹ گیا اور دونوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے!!

بیچارے انور کو جو زندگی کی اُمید کو خیرباد کہہ چکا تھا اور موت کیلئے تیار ہو رہا تھا اس خلاف اُمید رہائی سے جسقدر بھی حیرت اور مسرت ہوتی وہ کم تھی!!! وہ ہنس بھی رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔ وہ کبھی خیال کرتا تھا کہ یہ اصلیت ہے اور کبھی اسکو بدگمانی ہوتی تھی کہ یہ سب ایک نہایت خوبصورت خواب ہے جس سے بیدار ہو کر وہ پھر اپنے آپکو اسی ہولناک حالت میں پائیگا جس میں اُسے ڈاکٹر شیرازی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ۔ ۔

ممتاز:۔ پیارے انور تمھاری اس غیر متوقع رہائی کا سہرا مس زہرہ جمال کے سر ہے!!! انکا شکریہ ادا کرو کیونکہ انہوں نے تمھارے لئے وہ ایثار کیا ہے جس کی مثال ملنا محال ہے۔

انور:۔ (زہرہ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر) مس زہرہ جمال میں آپکے اس احسان سے حشر تک سبکدوش نہیں ہو سکتا!... میں نہیں جانتا کہ آپکی اس بے نظیر عنایت اور بے مثل ایثار کا کیونکر اور کس طرح شکریہ ادا کروں میں تو زندگی سے ہاتھ دھو چکا تھا اور یقینی موت کا ایک ٹوٹے ہوئے اندوہناک دل سے انتظار کر رہا تھا۔ مگر آپ نے مجھے بچا لیا۔ آپ نے مجھے ایک دوسری اور نئی زندگی دیدی!!......

زہرہ کا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں... اس نے جذبات کے امڈتے ہوئے سیلاب کو بہت روکا مگر روک نہ سکی اور بے اختیار ہو کر اس نے انور کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبا لیا اور ایک عجیب کیف آلود آواز سے کہنے لگی "مسٹر انور" یہ آپ پر احسان نہیں!! یہ میری گذشتہ بدکرداریوں کی پہلی تلافی ہے!! اور اگر میں نے کوئی ایثار کیا ہے تو یہ انداز ایثار بھی میں نے مسٹر انور آپ ہی سے سیکھا ہے!"

جگدیش: مسٹر انور کیا یہ ڈاکو سب یہاں سے بھاگ گئے!!

انور:۔ جی کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کے اس پار نکل گئے ہیں!! اور ڈاکٹر شیرازی غالباً کشور اور بڑی بی کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے!!

جگدیش: (زہرہ سے) اچھا تو چلئے اب وہ آخری کمرہ بھی کھول دیجئے اور باہر جانے کا راستہ بھی بتا دیجئے۔ ذرا باہر نکل کر دیکھیں تو!! شاید ان لوگوں کا کچھ پتہ چل جائے!!

زہرہ نے تیسرے کمرے کا بھی دروازہ کھول دیا۔ اس میں کھانے کا سامان وغیرہ تو تھا ہی مگر جو کشتیاں اس میں رکھی تھیں ان میں ایک بھی اب وہاں باقی نہیں تھی....

زہرہ نے باہر جانے کا دروازہ بھی کھول دیا اور سیڑھیاں لگا کر سب باہر نکل آئے اور یہاں پہنچکر اس دروازے کے بھی کھولنے اور بند کرنے کا راز زہرہ نے ممتاز کو بتا دیا...

جگدیش اور ان کے ساتھیوں نے ادھر ادھر برقی مشعلوں کی روشنیاں ڈالنا شروع کیں مگر کشتیوں یا ڈاکوؤں کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اور پتہ کیسے چلتا کیونکر وہ تو کبھی کے ادھر

درحقیقت چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھا گو بجز چند مقامات کے وہ بہت گھنا جنگل نہیں تھا
جگدیش نے چھ سپاہی مسلح سرنگ کے منہ کے پاس احتیاطاً چھوڑ دیے اور بقیہ
سپاہیوں کو ساتھ لیکر مع ممتاز، انور اور زہرہ جبین کے وہ دریا کے کنارے کی طرف بڑھا۔

انور:- (زہرہ سے) کیا دریا یہاں سے کچھ دور ہے؟

زہرہ:- نہیں تو بہت ہی نزدیک ہے۔ پچاس ساٹھ قدم سے زیادہ نہیں
ہے ..... وہ دیکھئے آپ کو پانی کے بہنے کی آواز نہیں سنائی دیتی ......؟

انور:- ہاں سنائی تو دیتی ہے۔ یہ تو بالکل قریب ہی ہے گو جنگل کی وجہ
سے پتہ نہیں چلتا۔

دو ہی چار منٹ میں سب لوگ دریا کے کنارے پر پہنچ گئے، کنارہ پر جنگل نہیں
تھا ریت کا کنارہ تھا۔ اور یہ ریت کا کنارہ قریب بیس پچیس قدم چوڑا تھا۔ ستارے
جھلملا رہے تھے صبح صادق کی ہلکی ہلکی سی روشنی مشرقی افق میں کچھ کچھ پھوٹ رہی تھی
تیز بہتے ہوئے دریا میں تارے جھلک رہے تھے اور ہوا نہایت ٹھنڈی اور خوشگوار
چل رہی تھی سب کی رائے ہوئی کہ کچھ دیر تک اس پر فضا مقام پر بیٹھا جائے اور موسم کا
لطف اٹھایا جائے چنانچہ سب لوگ وہیں کنارے ہی پر ٹھنڈی ٹھنڈی ریت
پر بیٹھ گئے۔ کنارہ بہت اونچا تھا اور پانی دس پندرہ فٹ نیچے بہ رہا تھا۔

جگدیش اور ان کے ساتھیوں نے برقی مشعلوں کی روشنیاں دریا کے پانی
اور اس کے کنارے پر ادھر اُدھر ڈالیں لیکن کوئی کشتی وغیرہ کہیں نظر نہیں دی۔

جگدیش نے چار سپاہیوں کو حکم دیا کہ کچھ دور تک دریا کے کنارے کنارے چلے
جائیں اور روشنی ڈال کر اُدھر دیکھیں اور پھر واپس چلے آئیں .... بقیہ لوگ کنارے پر
بیٹھے ہوئے مختلف موضوع پر باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے!! ممتاز نے سب کو ایک نہایت
دلچسپ اور پر لطف گفتگو میں الجھا لیا اور تھوڑی ہی دیر میں آپس میں مختلف

مسلوں پر جھگڑے مزے کی بحثیں چھڑ گئیں!!! اور باتیں کرنیکا تو محض ایک بہانہ تھا مگر دراصل موسم ایسا پُرلطف اور ہوا ایسی روح پرور اور سرور افزا تھی کہ کسی کا دل اٹھنے ہی کو نہیں چاہتا تھا اور آنیوالی صبح کے حسین منظر کے لوگ بے چینی سے منتظر تھے!!

اکیانواں باب

جنگ

ڈاکٹر شیرازی کا موٹر اپنے پرانے مقام پر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اسکی روشنیاں بجھا دی گئیں... ڈاکٹر شیرازی نے خیال کیا کہ بڑی بی کو اتنی دور تہ خانے تک لاد کر لیجانا ایک غیر ضروری مصیبت ہوگی اسلئے اسے مناسب یہ معلوم ہوا کہ بڑی بی کو ہوش میں لے آیا جائے!! اور رہیں کشور تو انہیں ہوش میں لانے میں کچھ دقتیں ہوں اس لئے اس نے اُسے یوں ہی بیہوش پڑا رہنے دیا۔

کچھ تو دوا سنگھانے اور کچھ پانی چھڑکنے سے قریب دس پانچ منٹ میں بڑی بی کو ہوش آگیا اور وہ اٹھکر بیٹھ گئیں!! ڈاکٹر شیرازی نے بڑی بی سے موٹر سے اتر کر پیدل چلنے کا اصرار کیا۔ بڑی بی نے بڑی لجاجت سے معذرت کی کہ انھیں دس پندرہ منٹ کی اور مہلت دیدی جائے تاکہ بیہوشی کے ختم ہونیکے بعد جو کمزوری پیدا ہوگئی تھی رفع ہو جائے۔ ڈاکٹر شیرازی نے انھیں مہلت دیدی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر شیرازی کی متحیر آنکھوں نے دیکھا کہ دریا کے پانی پر برقی مشعل کی روشنی ان سے قریب تین چار سو گز کے فاصلہ پر چمکی پھر روشنی بند ہو گئی

بھی دیکھی اور شمشیر خان نے بھی۔۔۔ سب کی آنکھیں وحشت انگیز حیرت سے پھیل گئیں اور تعجب سے ان کے منہ کھلے رہ گئے!! ڈاکٹر شیرازی نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ یہ روشنیاں سوائے پولیس کے اور کسی کی نہیں ہو سکتیں!! مگر تعجب ہے کہ پولیس والے اس طرف کیسے نکل آئے؟۔۔۔!"

بومن جی: ہم لوگوں کی تلاش میں۔۔۔

ڈاکٹر شیرازی: مگر راستہ تو یہ ہے کہ یہ روشنیاں سرنگ کے منہ کے بہت ہی قریب ہیں۔ اور کہیں اگر یہ لوگ اس طرف آ نکلے تو چھپنے یا بھاگنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی!! مگر ٹھہرو!! میں خود ہی جنگل جنگل جاتا ہوں اور چپکے سے جا کر دیکھے آتا ہوں کہ سرنگ کے منہ کے پاس اِدھر اُدھر تو کہیں یہ لوگ نہیں ہیں (موٹر سے اتر کر) اور یہاں ذرا خیال رکھنا کہ اگر موٹر کے ذرا بھی قریب یہ لوگ آ جائیں اور تم لوگوں کو محسوس ہو کہ کچھ بھی خطرہ ہے تو فوراً بلا تکلف گولی چلا دینا اور درخت کی آڑ لیکر جتنے بھی ختم کر سکو ختم کر ڈالنا بالکل پس و پیش نہ کرنا۔"

ڈاکٹر شیرازی بڑی ہوشیاری سے جنگل جنگل ہوتا ہوا چند منٹ میں سرنگ کے منہ کے قریب بیس پچیس قدم کے فاصلے پر نکلا!! مگر یہاں پہنچ کر اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ چھ مسلح سپاہی عین سرنگ کے منہ پر نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں!!!۔۔۔

اس کے دل میں قسم قسم کے توہمات پیدا ہونے لگے۔ یہ لوگ سرنگ کے منہ ہی پر کیوں بیٹھے ہیں؟ کیا محض اک اتفاقیہ بات ہے یا اس کے کوئی خاص معنی ہیں!!۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ یہ بالکل اتفاق ہے گو اک بہت ہی عجیب اتفاق ہے!۔۔۔ بہر کیف ترا اس جانا تو بیکار ہی ہے۔ میں اس سامنے والے اونچے گھنے درخت پر چڑھا جاتا ہوں اسی پر سے چھپ کر دیکھوں گا کہ کب تک یہ لوگ یہاں سے نہیں ہٹتے ہاگر اس پیڑ پر بیٹھے بیٹھے مجھے صبح بھی ہو گئی۔

تو کوئی ہرج نہیں!! اس درخت کی شاخیں اتنی گھنی ہیں کہ مجھے کوئی دیکھ نہ سکیگا!"

ڈاکٹر شیرازی کو درخت پر بیٹھے بیٹھے قریب ایک گھنٹہ گذر گیا۔ اور اچھی خاصی صبح ہوگئی مگر پولیس کے سپاہی جہاں پر تھے وہیں کے وہیں جمے رہے قسم کھانے کو بھی جا سے ایک انچ نہیں ٹلے۔ وہ اپنے دل کو بار بار سمجھاتا تھا کہ یہ محض ایک اتفاق ہے اور اسکے کوئی اور معنی نہیں ہیں۔ مگر بار بار اسکے بدگمان دل میں یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ اس میں ضرور کوئی پیچ ہے!!... وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس نے دیکھا کہ پولیس کی ایک مسلح جماعت دریا کے کنارے کی طرف سے جنگل میں جاتی ہوئی سرنگ کے منہ کی طرف درختوں کے نیچے نیچے چلی آرہی ہے!! جب یہ جماعت کچھ ذرا کھلے ہوئے مقام پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت بھی ہے اور دوسرے ہی سکنڈ میں اس نے زہرہ جمال کو پہچان لیا۔ زہرہ کو دیکھ کر اُسے ایک سکتہ سا ہوگیا۔

!!... (دل میں) "ہائیں! زہرہ اور پولیس کے ساتھ؟ یہ کیا؟... دغا بازی؟

نہیں زہرہ حشر تک دغا بازی نہیں کرسکتی!! پھر ساتھ ہونیکی وجہ؟......

ممکن ہے کہ اُسے پولیس والوں نے گرفتار کرلیا ہو اور اُسے اپنے ساتھ لیے لیے پھر رہے ہوں!... بس یہی وجہ ہے! یہی وجہ ہے! اور کوئی بات نہیں!!......

لیکن ارے... یہ کیا؟... یہ کون ہیں؟ یہ دونوں کون ہیں جو پیچھے ابھی ابھی درختوں کے نیچے سے نکلے ہیں؟... یا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں؟ یا اگر یہ خواب نہیں ہے تو پھر میں دیوانہ ہوگیا ہوں! کیونکہ ان میں سے ایک ممتاز اور دوسرا نورے!!... اور جسکو میں چمڑے کی رسیوں میں کسا ہوا تہ خانے میں بند کر آیا تھا... جس کو میں ایک ہولناک قبر میں زندہ دفن کرآیا تھا... جس کو میں خوفناک ترین موت کے سپرد کرچکا تھا... وہ!... وہ!! اور یہاں تہ خانے کے باہر موجود ہو!! غضب ہے ستم ہے... تو پھر اس میں بھی شک نہیں کہ پولیس کو تہ خانے کا راز معلوم ہوگیا؟ مگر

پولیس کو کس نے بتایا؟ میں نے بتایا نہیں۔ خورشید یہاں ہے نہیں!... بجز زہرہ کے
اور کون بتانے والا تھا؟ (دبے ہوئے غصے کے جوش میں)۔۔۔۔ زہرہ! او دغا بازی!!
زہرہ! وہ پولیس کی مخبری! ہونہہ۔ و۔ نہہ!... (دانت کچکچا کر اور ایک خطرناک
انداز سے ہلاکر)... اس دغا بازی اور مخبری کی وجہ میں خوب سمجھتا ہوں۔ میں اچھی طرح
جانتا ہوں!! تجھے اس حبشی کے گرگے کے عشق کا سودا ہوا ہے!!!... تجھے
سگا بھائی بھول گیا اور صرف اپنا عاشق یاد رہ گیا!!! او بد ذات احسان فراموش!
جھوٹی دغا باز لڑکی کیا تیرا خون یک بیک ایسا سفید ہو گیا کہ جس نے تیری اس دلسوزی
سے پرورش کی! جس نے تجھے چھوٹے سے اتنا بڑا کیا۔ اسی کی تو خرابی اور خانہ بربادی کے
درپے ہو گئی۔ تو نے اسی کو تباہ کرنے کیلئے منتخب کیا؟ اسی کو تو نے چن کر مارا؟ او زہریلی
ناگن! کیا تجھکو اس کا خیال نہیں ہوا کہ جس ہاتھ سے تو اس تہ خانے کا دروازہ کھول
رہی ہے اسی ہاتھ سے تو مجھ پر میری شگفتہ زندگی اور اسکی خوشنما امیدوں کے سارے دروازے
بند کر رہی ہے... آہ!! میں تو مٹ گیا!! میں تو برباد ہو گیا!!... اب تو نہ میں
کہیں بھاگ سکتا ہوں اور نہ مجھے کہیں پناہ مل سکتی ہے!!! ادھر بھی راستہ بند ادھر
بھی راستہ رکا ہوا!!... ایک شیر سو کتوں میں گھرا ہوا۔!!... او کمبخت زہرہ!!
او نمک حرام محسن کش زہرہ یہ سب صرف تیری ہی وجہ سے!!... اگر تو تہ خانے کا راز
افشا نہ کرتی تو میں نہایت آسانی سے اسوقت اس کے اندر پناہ لے سکتا اور کل ہی
شام تک درخت کٹوا کر موٹر کا راستہ صاف کروا لیتا... اور کشور کو ساتھ لیکر کہاں سے کہاں
نکل جاتا!! او اب! اب تیری دغا بازی سے مجھ پر دنیا تنگ ہو گئی!! میری زندگی
خاک میں مل گئی۔ اور ذلت اور خواری کی موت میرے سر پہ منڈلانے لگی!!!... اُف!
اُف! دنیا میں کس پر اعتبار کیا جائے۔ جب سگی بہن سگے بھائی کو اس طرح سے دغا دے!!
اور کس لالچ میں دغا دے! محض اس لالچ میں کہ سیکر جانی دشمن کی آغوش محبت

گرم کرنے کا تجھے شاید موقع مل جائے!!

او کمینی آبرو فروش لڑکی! میں تجھے اس شرمناک دغابازی کا پھل چکھنے نہ دونگا۔ تیرے حسن پرست دل کی ناپاک آرزوؤں کو میں پورا ہونے نہ دونگا۔۔۔ میری تو خیر جان جائے ہی گی میں یوں نہیں مروں گا میں تجھے اور تیرے منحوس عاشق کو پہلے مارونگا پھر مروں گا!!

. . . .

۔۔۔ جیسا تو نے کیا ہے ویسا ہی تجھے بھرنا پڑیگا۔ جیسا تو نے بویا ہے ویسا ہی تجھے کاٹنا پڑیگا!!۔۔۔ (درخت سے اترتے ہوئے)!! ٹھہر! ٹھہر! میں تجھے تیری مخبری اور دغابازی کا مزہ چکھاتا ہوں!!۔۔۔ تجھے دھوکا دیکر آجتک کوئی دنیا میں پنپا نہیں مجھ پر وار کر کے آج تک کوئی صحیح سلامت بچا نہیں!! (نیچے اتر کر اور درخت کے پیچھے سے نشانہ لیکر) لے۔ لے او آبرو فروش دغاباز لڑکی! اپنی دغابازی کا انعام لے!!۔۔۔ دو مہیب آوازیں پستول کے فیر کی جنگل میں یکبارگی یکے بعد دیگرے گونجیں!۔۔۔ بدنصیب ہیرو ایک دردناک لمبی سی چیخ مار کر زمین پر لڑکھڑا کر گر پڑی اور گر کر تڑپنے اور دم توڑنے لگی۔

. . . .

بہن کا دیوانہ قاتل انور پر بھی وار کرنے ہی والا تھا مگر انور کی خوش قسمتی سے اور انور کے بیچ میں کچھ سپاہی پہلے ہی سے اس طرح حائل تھے، کہ وہ نہ نشانہ لے سکا اور نہ انور پر وار کر سکا۔

پھر یہ سوچکر کہ اس کا وہاں ذرا دیر بھی ٹھہرنا بہت خطرناک ہے وہ درختوں کی آڑ میں بڑی تیزی سے بھاگا مگر جب پولیس کی بندوقیں لگاتار اسکی طرف چلنے لگیں تو وہ گھبرا کر جو پہلا محفوظ درخت اسے دکھائی دیا اسکے پیچھے ہو گیا۔ درخت اتفاق سے واقعی بہت محفوظ تھا اول تو وہ بہت موٹا تھا۔ اور پھر اس کے دو تنے تھے جو بالکل ایک دوسرے سے ملے ہوئے جڑ سے لیکر قریب آٹھ دس فٹ کی بلندی تک چلے گئے تھے اور مشکل سے

دونوں تنوں کے بیچ میں دو انچ کا فرق تھا اور کہیں اتنا بھی نہیں ۔ اسکے اِدھر
اُدھر بھی کچھ کچھ فاصلے پر درخت تھے مگر ذرا جھکے ہوئے ۔!! اب اس میں اور پولیس
کی جماعت میں قریب قریب پچاس گز کا فاصلہ تھا ۔ اور بیچ میں کئی ایک درخت
تھے مگر وہ اتنی اتنی دور تھے کہ اپنے مقام سے ڈاکٹر شیرازی پولیس والوں کو اچھی
طرح سے دیکھ سکتا تھا اور اگر وہ درخت کی آڑ سے ذرا بھی ہٹتا تو پولیس کی بندوقوں
کی زد میں صاف آجاتا ۔ ۔ ۔ پولیس کے سب سپاہی کسی نہ کسی چیز کی آڑ میں چھپ گئے تھے
مگر زیادہ تر درختوں کی آڑ میں اور وہیں سے لیٹے لیٹے اپنے آپکو بچاتے ہوئے ڈاکٹر
شیرازی پر گولیاں چلا رہے تھے !! مگر ان سب کی گولیاں درخت سے ٹکرا ٹکرا کر رہ جاتی تھیں !!

ڈاکٹر شیرازی کو قریب قریب ہر فن میں تھوڑا بہت دخل تھا اور نشانہ تو اس کا
لاجواب تھا ۔ ۔ ۔ بھاگنے کو تو وہ بھاگ جاتا اور جنگل میں غائب ہو جاتا مگر ایک تو وہ
ڈرتا تھا کہ کہیں بھاگنے میں پولیس کی کسی بندوق کی زد میں نہ آجائے اور دوسرے
اس کو اپنے اُوپر بھروسہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اگر اسکو ذرا بھی موقع مل جائے
تو انور اور ممتاز اور جگدیش کو تو وہ اپنے راستے سے ہمیشہ کے لئے صاف ہی کر دے !!
وہ جانتا تھا کہ بھاگ جانے میں اسکو یہ موقع ہاتھ نہ آئیگا اور ممکن ہے کہ پولیس والے
چاروں طرف سے اسے آکر گھیر لیں !!! انور کو بھی پستول کی بڑی اچھی مشق تھی ۔
اور جگدیش اور ممتاز کا نشانہ بھی بُرا نہ تھا ۔!!

ڈاکٹر شیرازی نے چھپکر زہرہ پر پستول چلایا تھا اور درختوں کی آڑ میں چھپا
ہوا وہ بھاگا تھا اسلئے انور یا ممتاز یا جگدیش یا اور کوئی اسے پہچان نہ سکا ۔ وہ یہی
سمجھے کہ زہرہ پر پستول چلانیوالا ڈاکٹر شیرازی گروہ کا کوئی ڈاکو ہے جس نے زہرہ کو مخبری کی
سزا دی ہے !! ۔ ۔ ۔ انکو اسکا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ زہرہ کو مارنیوالا خود اسکا باپ
ہے !! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انور نے جگدیش سے کہا زہرہ کے قاتل کا تعاقب کرنا چاہیے مگر ممتاز اور جگدیش نے

اس خیال کی تائید نہیں کی اور کہا کہ ایسے جنگل میں تعاقب کا موقع نہیں ہے۔ زہرہ کا قاتل تنہا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے اور ساتھی بھی ضرور ادھر اُدھر چھپے ہوں گے!!۔۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک پولیس کا سپاہی ایک درخت کی آڑ کو ناپسند کر کے دوسرے درخت کی آڑ میں پہنچنے کے لئے جانے لگا۔ وہ مشکل سے دو قدم گیا ہو گا کہ پستول کا ایک فیر ہوا اور سپاہی کے منہ میں گولی لگی اور اس کا جبڑا ٹوٹ گیا اور وہ وہیں زمین پر گر پڑا۔ دھواں اٹھنے سے ممتاز وغیرہ کو پتہ چل گیا کہ کس درخت کے پیچھے سے فیر ہوا چنانچہ انھوں نے وہی درخت تاک لیا اور پوری جماعت نے اس پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔

ڈاکٹر شیرازی پھر خاموش ہو گیا!!۔۔۔۔

پھر ایک سپاہی نے ذرا سا منہ نکالا تھا کہ فوراً ہی ایک گولی اس کی پگڑی میں چھید کرتی ہوئی نکل گئی اور وہ دہشت سے چاروں شانے چت گر پڑا۔

ممتاز:۔ جانور سے وہی تین گز کے فاصلے پر ایک دوسرے درخت کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، غضب کا نشانہ ہے ظالم کا۔ ذرا سا بھی موقع مل جائے، چوکتا ہی نہیں۔!!!

انور:۔ نشانہ کیسا ہی ہو مگر ہے یہ شخص اول درجہ کا کمینہ اور بزدل!! ایک کمزور نہتی عورت پر اس طرح چھپ کر وار کرنا کیسی شرمناک نامردی تھی!!۔۔ بیچاری زہرہ کی جوانا موت نے تو میرا دل ہلا دیا۔ اور سب سے بڑا افسوس مجھے یہ ہے کہ اس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا اور میں اس کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا۔

ممتاز:۔ اس میں شک نہیں کہ وہ تمھارے لئے اپنی جان پر کھیل گئی۔۔۔۔ وہ تم پر قربان ہو گئی۔۔۔ ایسا ایثار اور ایسی جانبازی صرف ایک عورت کر سکتی تھی۔۔۔۔

انور:۔ عورت اور مرد کا سوال نہیں!! سچا ایثار کسی کا بھی ہو قیامت کی تاثیر رکھتا ہے!!۔۔ مجھکو آج سے پہلے اس کا کبھی وہم بھی نہیں ہوا کہ بیچاری زہرہ کو میرا

کچھ خیال ہے اور اس میں ایسے مشکل اور قابل تعریف ایثار کی اہلیت ہے!...
اس کم عمری میں اس کی یہ اچانک اور دردناک موت کیسی دلگداز اور عبرت خیز ہے!!... خدا اس کی مغفرت کرے!!

ممتاز:۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ مگر اس بزدل قاتل کو بچکر جانا نہ چاہیئے ہم لوگ اتنے بہت سے ہیں اور وہ اکیلا ہے!!

انور:۔ ہاں ہوگی تو بڑی شرم کی بات اگر یہ بالکل کورا نکل گیا۔

یہ جملہ مشکل سے ختم ہونے پایا تھا کہ انور نے بڑی پھرتی سے پستول کا ایک فیر کیا.... اور پھر درخت کی آڑ میں ہو گیا!!.... اسکو شبہ ہوا تھا کہ ڈاکو جس درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا اس کے دونوں تنوں کے بیچ میں سے جھانک رہا تھا!!...
انور کے پستول کی گولی اس کے سر کے اوپر سے سنناتی ہوئی گذر گئی.... ڈاکٹر شیرانی جلدی سے آڑ میں ہو گیا.... اور پھر دل ہی دل میں کہنے لگا۔ بال بال بچ گیا!!
میں سمجھتا تھا کہ پستول چلانے میں میں ہی اُستاد ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف کوئی میرا بھی استاد موجود ہے.... کیسا مشکل مگر کس قدر سچا نشانہ تھا!!....

انور:۔ معلوم نہیں لگا کہ نہیں۔ مگر درخت میں۔

ایک گولی اس کے بالکل قریب سے سنناتی ہوئی نکل گئی۔ پھر دوسری گولی۔ پھر تیسری!!.... اس طرف سے بھی رہ رہ کر گولیاں چلتی رہیں!!

قریب پندرہ بیس منٹ تک یونہی رک رک کر دونوں طرف سے گولیاں چلا کیں فریقین میں سے کوئی اپنے جسم کا کوئی حصہ کبھی چند سکنڈ سے زیادہ ایک دوسرے کی زد میں آنے نہیں دیتا تھا.... فیر کرنا ہوتا تو جلدی ہاتھ نکالکر محض اندازہ سے فیر کر دیتے تھے! اور پھر جلدی ہاتھ کھینچ لیتے تھے!! ظاہر ہیکہ ایسے ڈرے ہوئے نشانے زیادہ کارگر نہیں ہو سکتے تھے... مگر کیا کیا جاتا!... مجبوری تھی!! لڑائی کا کوئی دوسرا پہلو اس حالت میں ممکن

ہی نہ تھا۔

آخر میں جگدیش نے اپنی چادر ہٹا دی ، سے کیقدر آواز بلند کر کے کہا ممتاز یہ طریقہ مقابلے کا تو بالکل مہمل معلوم ہوتا ہے۔ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا"۔

ممتاز :۔ تو پھر کیا کیا جائے ؟ موقع ہی ایسا پڑگیا ہے !! بڑی شرم کی بات ہے کہ ایک اکیلا شخص ہمکو پیہم شہ مات دے رہا ہے ۔!!

جگدیش :۔ ہمیں کیا شک ہے مگر اس منحوس جنگل میں ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔

ممتاز :۔ ایک بات ممکن ہے۔ اگر تم بھی ممکن سمجھو! وہ یہ کہ ہم لوگ اس اونچی اونچی گھاس ...... کا فائدہ اٹھائیں جو یہاں سے وہاں تک اُگی ہوئی ہے خطرہ تو ہمیں ضرور ہے مگر حملہ کر دینا ایک ممکن طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ اسی گھاس میں رینگتے ہوئے اور جہانتک ممکن ہو درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اس ڈاکو کیطرف بڑھیں اور جب قریب بیس پچیس گز کے فاصلے پر پہنچ جائیں تو ہر طرف سے گولیوں کی بارش چلاتے ہوئے اس پر دوڑ پڑیں اور اس کا خاتمہ کر دیں۔ ورنہ یوں تو شام ہو جائیگی۔ اور کچھ بھی نہ ہوگا

جگدیش :۔ بہت صحیح رائے ہے۔ یہی کرنا چاہیے اور بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی۔

جگدیش نے سب سپاہیوں کو یہ طریقہ حملے کا بتا دیا..... اور اس کے اشارے پر انور ممتاز اور تمام سپاہی گھاس میں لیٹ گئے اور آہستہ آہستہ ڈاکٹر شیرازی کے درخت کی طرف رینگنے لگے..... درمیان میں جو درخت تھے وہ چھٹکے ہوئے تھے اسی لئے حملہ کرنے والوں میں سے بہتوں کے لئے درختوں کی پوری پوری آڑ لینا ممکن تھا.....

ممتاز کی خوشی تدبیری اور فکر سا ، کون تھا جو قائل نہیں تھا مگر ڈاکٹر شیرازی بھی کند ذہن نہیں تھا... اسکو فوراً احساس ہوا کہ پولیس کیطرف سے گولیاں چلنا یکبارگی بند ہو گئیں اور اس کے ضرور کچھ معنی ہیں! وہ سوچنے لگا۔ ضرور اس میں کوئی چال ہے!!

ممکن ہے کہ مجھ پر حملے کی تیاری کر رہے ہوں۔ مگر حملے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے اس نے
اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی دوربین نکالی۔ اور درخت کے دونوں تنوں کے
بیچ میں جو فصل تھا اس میں سے وہ ہر چیز کا دوربین سے بڑے غور کے ساتھ معائنہ
کرنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے ایک مقام پر جہاں گھاس زیادہ اونچی اور
گھنی نہیں ہلتی۔ گھاس ہلتی ہوئی دیکھی اور اس کے بعد ہی ایک سپاہی کا جسم بھی اسے
کسقدر نظر آیا۔۔۔ اس نے جلدی جلدی دوربین سے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ
کہیں اور بھی کسی طرف گھاس کی حرکت معلوم ہوتی ہے یا نہیں اس نے خوف زدہ دل اور حیرت
زدہ آنکھوں سے دیکھا کہ قریب قریب ہر طرف گھاس میں تھوڑی تھوڑی حرکت ہے!!
پولیس والوں کو اس طرح گھاس کے اندر لیٹ لیٹ کے چلنے میں جہاں اور فائدے
تھے وہاں یہ ایک نقصان بھی تھا کہ وہ سر اٹھا کر اس ڈر سے دیکھ نہیں سکتے تھے
ان کے حملے کا راز کہیں افشاں نہ ہو جائے۔!!

ہر طرف کی گھاس اور اس کی حرکت کا کچھ دیر تک معائنہ کرنے کے بعد اکبر
خیرادی کو یقین کامل ہو گیا کہ پولیس والے گھاس میں لیٹے لیٹے اس کی طرف بڑھ رہے
ہیں!!! اس نے دل میں سوچا اب کیا کروں؟ بھاگ جاؤں یا تن تنہا مقابلہ کروں
بھاگنے میں سخت خطرہ اور مقابلہ میں جنت آسانی ہے!!... اونہہ!! جب مرنا
ہی ہے تو مار کر مرنا چاہیئے۔ بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے مرنا چاہیئے۔ دس پانچ کو
جہنم پہنچا کر مرنا چاہیئے لیکن اگر میں مر گیا تو کشور بیبے رقیب الوزکی ہو جائے گی!!
آہ اگر ایسا ہوا تو پھر قیامت تک میری روح بیقرار رہے گی!!

خیر اب جو کچھ قسمت میں لکھا ہے۔ وہ ہو گا۔ پچھتانے سے کیا فائدہ:-
آؤ گیدڑ رو! میں تم کو اپنی تلوار اندازی کا بھی تھوڑا سا مزہ چکھا دوں!!
ــــ تم سمجھتے تھے کہ تم مجھ کو بے خبری میں مار لوگے!!.......

اس کے پاس دو پستول تھے اور دونوں میں پانچ پانچ کارتوس ایک وقت میں بھرے جا سکتے تھے۔ اس نے جلدی جلدی دونوں پستول بھرے!!.....

پھر اس نے دوربین سے ایک مرتبہ اور معائنہ کیا........

جہاں جہاں گھاس ہلتے ہوئے دیکھی، وہاں وہاں اس نے بیدھڑک فیر کرنا شروع کر دیا!!....

دو تین کو اس نے زخمی کیا اور وہ بدنصیب گولیاں کھا کر گھاس کے اندر ہی اندر تکلیف سے تڑپتے رہے۔ اٹھ کر بیٹھ جانا بیحد خطرناک تھا۔ کھڑے ہو کر بھاگنا یقینی موت تھی۔ سوائے خاموشی سے زخم کی تکلیف برداشت کریں گے اور کوئی چارہ نہ تھا

گولیوں کی آواز پر حملہ کرنے والوں میں سے ہر شخص جس مقام پر تھا وہیں کا وہیں خاموشی سے دبک کر رہ گیا... مگر ڈاکٹر شیرازی اب محض اندازو قیاس سے فیر کرنے لگا...

حملہ کرنے والوں کی حالت لمحہ بہ لمحہ زیادہ نازک ہوتی جاتی تھی......

اور ابھی وہ درخت جس کے پیچھے ڈاکٹر شیرازی چھپا ہوا تھا کم از کم چالیس قدم کے فاصلہ پر تھا!! انور وغیرہ سخت گو مگو کی حالت میں تھے۔ اگر کسی پر "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کی مثال صادق ہو سکتی تھی تو اس وقت جگدیش اور ان کی فوج پر! امتیاز اپنی جگہ پر دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ اس نے سب کو ایک عجیب مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ ایک دوسرے سے کچھ بولنا یا ہدایتیں دینا بھی اس ڈر سے محال ہو گیا تھا کہ پھر ایسی آواز کا جواب بھی گولی سے ملتا

انور نے بھی اپنے ساتھیوں کی یہ نازک اور خطرناک حالت محسوس کی...

بہادروں کا خون اس کی رگوں میں تھا۔ جوانی کی ترنگ میں اسے خطرے کی مطلق پروا نہ تھی!! اور چونکہ طبیعت میں ابھی تھوڑا بہت لڑکپن بھی تھا اس لئے لڑکپن کا غیر ذمہ دارانہ جوش و خروش بھی تھا..........

وہ سوچنے لگا۔ اس طرح پیٹ کے بل لیٹے لیٹے گولی کھا کر مر جانا سخت نحوست ہے!! مرنا ہے تو دلیری سے مرنا چاہیئے۔ یہ کیا کہ کیڑے مکوڑوں کی طرح زمین سے لپٹے ہوئے ہیں موت اگر آنیوالی ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ دل کی امنگوں کو پھر کیوں روکا جائے؟

یہ سوچ کر اس نے آہستہ سے لیٹے لیٹے اونچی گھاس کی آڑ میں اپنا سر اٹھایا اور دیکھنے لگا کہ زہرہ کا قاتل کیا کر رہا ہے اور وہ کسقدر اس کے پستول کی زد میں ہے؟ ڈاکٹر شیرازی کی ہمت اس کے حملہ کرنیوالوں کی کامل خاموشی سے اور بڑھ گئی تھی!! لہذا وہ کسقدر بیباکی سے ہر طرف فائر کر رہا تھا اور بار بار درخت کی آڑ سے نکال نکال کر ڈانٹے رہا تھا انور کا چھپنے کی کوئی حد نہیں تھی جب اس کی حیرت زدہ نگاہیں ڈاکٹر شیرازی کے چہرے پر پڑیں۔

دل ہی دل میں اس نے کہا: "اچھا آپ ہیں!! اور میں ابتک اس غلط فہمی میں تھا کہ آپکا کوئی ہونہار شاگرد ہے۔ چلو اچھا ہوا۔ اور بہت اچھا ہوا ہمارا اور تمہارا آخری فیصلہ ہو جائے ؛ کسی طرح یہ ہر روز کا عذاب تو ختم ہو!!...."

یہ کہہ کر انور بڑی پھرتی سے اٹھ کر! اور جلد ہی جلدی اس نے اپنے پستول سے دو فائر کیے....

پہلی گولی تو ڈاکٹر شیرازی کے گھنے بالوں کو چیرتی ہوئی اور سر کے داہنے طرف کی کھال کو چھیلتی ہوئی نکل گئی! اور دوسری گولی درخت کے تنے میں گھس گئی!!... انور نے تیسرا فائر کیا پھر چوتھا پھر پانچواں انور کے دیکھا دیکھی ممتاز بھی اٹھکر بیٹھ گیا اور اس نے بھی لگاتار فائر کرنا شروع کر دیئے۔ ڈاکٹر شیرازی خاموش ہو گیا اور درخت کے پیچھے چھپا ہوا ٹھہار رہا اور درخت کے دونوں تنوں کے بیچ میں سے ڈر ڈر کر جھانکتا رہا۔ پھر داہنی طرف تھوڑا سا ہاتھ نکال کر یونہی اندازے کے بعد گئے اس نے تین مرتبہ گولیاں چلائیں مگر گولیاں ادھر ادھر چلی گئیں انور اور ممتاز کو انھوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا....

انور کو دیکھ کر ڈاکٹر شیرازی کی بھی طیش آگیا تھا اور اس نے جھٹ کہہ کے ذرا کچھ یاد؟ ہاتھ بڑھا کر انور پر فیر کرنا چاہا انور جو اسی موقع کا منتظر ہی بیٹھا ہوا تھا نہایت ہی پھرتی اور ماہرانہ انداز سے نشانہ لیکر پہلے فیر کر دیا... ایسا سچا نشانہ تھا کہ گولی ٹھیک ڈاکٹر شیرازی کے داہنے ہاتھ میں لگی اور بیچ کی دو انگلیوں کو اس نے بری طرح سے زخمی کر دیا!!۔

پستول ڈاکٹر شیرازی کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا... مگر اس نے فوراً ہی اپنی زخمی ہاتھ رومال میں باندھ لیا اور بائیں ہاتھ سے جلدی جلدی بغیر نشانہ لیئے ہوئے فیر کرنے لگا۔

انور اور ممتاز دونوں گھاس میں چھپ گئے!!.... ڈاکٹر شیرازی موقع پا کر درخت کی آڑ لیتا ہوا جھکا ہوا اور گھاس میں چھپتا ہوا بڑی تیزی سے بھاگا اور دوسرے درخت کی آڑ میں ہو گیا جو چند قدم پر پیچھے تھا پھر وہاں سے اسی طرح بھاگتا ہوا دوسرے درخت اور پھر جھاڑیوں اور بانچیوں اور اونچے درخت کی آڑ میں چھپتا ہوا جنگل اور گھاس اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ جب اسکو اطمینان ہو گیا کہ اب اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تو وہ بجائے جھکے جھکے دوڑنے کے کھڑا ہو کر بیحد تیزی اور پھرتی سے دوڑنے لگا اور جنگل اور جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا اور سیدھا اپنے موٹر کی طرف لپکا.... اور موٹر میں بیٹھکر رتن جی کو حکم دیا کہ فوراً موٹر بڑھائے اور خوب تیز بھگائے مگر بڑی ہوشیاری اور خاموشی سے!! کیونکہ موٹر کا انجن نہایت مضبوط اور خاموش تھا۔ رتن جی نے ارشاد پاتے ہی موٹر بڑی تیزی سے چھوڑ دیا!! موٹر پر کشور بیہوش پڑی تھی۔ بڑی بی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی جلدی جلدی پلکیں مار رہی تھیں تمیز خان پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور ڈاکٹر شیرازی کشور کو سنبھالے ہوئے تھا.... اور دل میں کہہ رہا تھا۔ بلا کا نشانہ ہے اس کمبخت انور کا!! وہ تو کہیئے کہ اسے موقع ہی نہیں ملا ورنہ آج تو میرا خاتمہ ہی تھا! اور بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ داہنا ہاتھ تو بیکار ہی ہو گیا۔ اب رہ گیا بایاں ہاتھ تو اس سے گو میں پستول چلا لیتا ہوں مگر نشانہ اچھا نہیں لگ سکتا!!.....

اب بجز بھاگنے کے اور جنگل کے کسی حصے میں چھپنے اور کوئی چارہ نہیں رہا!! لیکن یہ لوگ ماننے تھوڑا ہی۔ ضرور میرا پیچھا کریں گے... آج میری قسمت کا ستارہ گردش میں ہے!! اگر پھر دیکھا جائے گا!!"

....

اونچی گھاس کی وجہ سے انور ڈاکٹر شیرازی کے ہاتھ گولی لگنے سے پستول اس کے ہاتھ سے گرتے نہیں دیکھ سکا!! کچھ عرصہ تک انور اور ممتاز درخت پر گولیاں چلاتے رہے۔ محض اس غرض سے کہ ڈاکٹر شیرازی درخت کی آڑ میں حفاظت کے لئے چھپا رہے اور گولی نہ چلا سکے!!....

اور جب انور ممتاز کو بیٹھے ہوئے گولیاں چلاتے دیکھ کر جگدیش بھی بیٹھ گئے اور ان کی تقلید کرنے لگے۔ پھر جگدیش نے انور اور ممتاز سے پوچھا کہو کیا رائے ہے؟ اب حملہ کر دیا جائے۔ وہ ڈر گیا ہے۔ اور جواب نہیں دے رہا ہے!!

ممتاز:۔ ہاں۔ ہاں فوراً...

چنانچہ جگدیش کے حکم دینے پر تمام پولیس والے گولیاں چلاتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور درخت کی طرف دوڑ پڑے۔!! سب سے آگے انور اور اس کے پیچھے ممتاز تھا... مگر درخت کے پاس پہونچ کر جب سب نے دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے تو ان کو بڑی حیرت اور ندامت ہوئی۔

جگدیش:۔ ہیں یہ تو بڑا دھوکا دے گیا!! مگر ابھی بہت دور نہیں گیا ہوگا ڈھونڈتے ہوئے چلو اور اس کا پیچھا کرو۔ قریب ہی کہیں چھپا ہوگا!!!

ممتاز:۔ ہاں مگر ذرا احتیاط کے ساتھ آڑ لیتے ہوئے!! ورنہ وہ اگر کہیں ادھر ادھر چھپا ہوگا تو ہم لوگوں میں سے کسی ایک کو نہایت آسانی سے چن لیگا!!

جگدیش:۔ میری رائے ہے کہ ممتاز ہم ایک آدمی لیکر سڑک پر سے ہوتے

ہوئے قلعہ کو واپس جانا اور کم از کم بیس سپاہیوں کو اور اپنے ساتھ لیتے آؤ۔ اس وقت تک ہم لوگ ڈاکٹر شیرازی کی تلاش کرینگے۔!! اگر تم کو دریافت کرنا ہو کہ ہم کہاں ہیں تو سیٹی بجانا ہم اس کا سیٹی سے جواب دینگے۔ تم اسی کی آواز پر چلے آنا!

ممتاز:۔ اچھا تو میں جاتا ہوں....

انور:۔ اور ممتاز! اور ایک بات کرنا۔ بدنصیب زہرہ کو اٹھوا کر مکان میں لے جانا اور وہاں اس کی لاش کو احتیاط سے رکھوا دینا۔ ہم لوگ جب واپس آئینگے تو اس کی تجہیز و تکفین کا سامان کرینگے!!.... میں خود تمہارے ساتھ چلتا مگر اسوقت ناممکن ہے! ڈاکٹر شیرازی اور اس کے گروہ کا قلع قمع کرنا ہمارا پہلا فرض ہے!!

ممتاز ایک سپاہی لے کر سڑک کیطرف چلدیا۔ اور انور اور جگدیش کمار معہ سپاہیوں کے ڈاکٹر شیرازی کی تلاش میں مصروف ہوگئے!!

. . . .

بانواں باب

کشور جنگل میں

ڈاکٹر شیرازی کا موٹر دریا کے کنارے کنارے گھاس اور جھاڑیوں اور اونچی اونچی زمین پر تیزی سے چلتا رہا اور کئی فرلانگ پورب کیطرف چلا گیا

پھر جنگل گھنا ہو جانے کی وجہ سے راستہ رک گیا۔

ڈاکٹر شیرازی :- اچھا کوئی ہرج نہیں ہیں کسی بڑے درخت کے پیچھے روک لو... اب بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ انھیں درختوں کے پیچھے پناہ لیں اور اگر پولیس والے آئیں تو ہم اپنے آخری کارتوس تک لڑیں۔

شمشیر خاں - جی ہاں حضور بہت صحیح رائے ہے..... آنے دیجئے۔ ان بزدلوں کو!! کتنوں کو تو میں باتوں باتوں میں چٹ کر جاؤں گا جنگل میں کسی کو گھیر لینا آسان کام نہیں ہے!!

ڈاکٹر شیرازی نے سوچا کہ کشور کو ہوش میں لے آنا اب زیادہ مناسب ہوگا!! چنانچہ دریا سے پانی منگوا کر اور ہوش میں لانے کی داؤں کی مدد سے کچھ عرصے کے بعد کشور کو ہوش آگیا۔ ڈاکٹر شیرازی نے اسے سمجھا دیا کہ قلعہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا اور چونکہ انکی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ کسی نہ کسی سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے تھے اس لئے ان کا مقابلہ ناممکن سمجھ کر سرنگ میں سے وہ اور اس کے ساتھی سب بھاگ آئے اور چونکہ سڑک پر درخت گر جانے سے موٹر کا راستہ بند ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ مجبوراً بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور اس وقت بجز درختوں کی آڑ کے اور کوئی آڑ یا حفاظت نہیں ہے کشور یہ سارا حال سنکر پریشان ہوئی اور اس نے پوچھا کہ ڈاکو کتنی دور پر ہیں۔ ڈاکٹر شیرازی نے جواب دیا۔ دور تو نہیں ہیں مگر بہت قریب بھی نہیں ہیں!

کشور :- مگر کیا وہ اب بھی ہمارا پیچھا کر رہے ہیں!!

ڈاکٹر شیرازی :- ہاں معلوم تو ہوتا ہے مگر بہت فکر نہ کرو۔ ہم ان کا اچھی طرح مقابلہ کر لیں گے۔

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ سیٹیوں کی آوازیں آئیں۔ ڈاکٹر شیرازی اور ان کا مختصر گروہ چوکنا ہو گیا!!-

آدھ گھنٹہ گذرنے نہیں پایا تھا کہ پولیس کی جماعت درختوں میں چھپتی ہوئی قریب سو گز کے فاصلے پہنچ گئی۔ بات تازہ بھی ہے بیس سپاہیوں کے حوالدار اور انسپکٹر نے آکر مل گیا تھا موٹر کے پہیوں کے نشانات سے پولیس والوں نے ڈاکٹر شیرازی کا پتہ لگالیا اور ان ہی نشانات کو دیکھتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھنے لگے!! کچھ ہی دور جانے کے بعد انہوں نے موٹر دیکھ لیا......

شمشیر خاں نے گولی چلا کر لڑائی کی ابتدا کر دی۔ ڈاکٹر شیرازی نے کشور اور بی بی کو موٹر کے پیچھے بڑے اور مضبوط درختوں کی آڑ میں بٹھا دیا... کچھ دیر تک دونوں طرف سے بڑے شد و مد سے گولیاں چلتی رہیں!! اگر ڈاکٹر شیرازی کو کیا خبر تھی کہ مت زانے ساتھ مشین گن اور پھینکنے والے بم بھی لے آیا ہے!! ......

کچھ دیر کے بعد مشین گن چلنے لگی اور بم پھینکے جانے لگے.... اس وقت ڈاکٹر شیرازی کو اپنی حالت کی نزاکت کا احساس ہوا اسکو یقین ہو گیا کہ اب پولیس سے پیش پانا محال ہے کیونکہ ایک تو مشین گن ہی گیا تھی۔ اس پر بم قیامت تھے!! انکا کوئی جواب ہی نہ تھا اور نہ ان سے پناہ ملنے کی کوئی صورت بھی!!

کچھ دیر تک مقابلہ کرنے کے بعد ڈاکٹر شیرازی نے شمشیر خان اور لومن جی سے کہا۔ بہادر ساتھیو! تم نے بڑی جرأت اور جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر بم اور مشین گن کے سامنے ہم لوگ ٹھہر نہیں سکتے!! اب مقابلہ قطعاً محال ہے اب ہتھیار ڈال دو! مفت میں جان کھونے سے کیا فائدہ؟

شمشیر خاں:- نہیں! سردار یہ نہیں ہو سکتا!! مجھ کو بہادری کی موت پسند ہے مگر پھانسی پر لٹکنا یا عمر بھر کی چکی پیسنا گوارا نہیں! میں آخری وقت تک لڑوں گا اور جب میرے پاس صرف ایک کارتوس رہ جائیگا تو وہ کارتوس میں اپنے اوپر صرف کر دوں گا تاکہ پولیس کو میں نہ ملوں بلکہ صرف میری لاش ملے!!

لومن جی:۔ اور سرداری میں بھی کروں گا۔ عزت کی موت اچھی ہے ذلت کی زندگی نہیں اچھی!! ارے آپ الو جو کہ آپ کے ساتھ کشور سلطانہ ہیں آپ کو اپنی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے!!

شمشیر خاں:۔ ہاں سردار آپ کو اپنی جان بچانا چاہیئے آپکی زندگی ہم لوگوں کی زندگی سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ آپ کی زندگی ہمارے سارے گروہ کی زندگی ہے اور آپ کی موت ہمارے سارے گروہ کی موت ہے!!... اس لئے میری رائے کہ آپ کشور سلطانہ کو لیکر فوراً نکل جائیے۔ ! ہم اور لومن جی پندرہ بیس منٹ تک تو ضرور دشمن کو روکے رہیں گے۔ اتنے میں آپ میل سوا میل دور نکل جائیں گے.... دریا بھی دور نہ جائے گا ممکن ہے کہ دریا کے کنارے پار اترنے کیلئے آپکو کوئی کشتی ملجائے!! اچھا .... سردار خدا حافظ..... اب دیر نہ کیجئے ہر منٹ نہایت قیمتی ہے۔ جائیے جلدی جائیے!! اور اپنے غلام شمشیر خاں کا آخری سلام قبول کیجئے!!

ڈاکٹر شیرازی کا خود غرض اور سنگی دل اپنے دونوں ساتھیوں کی سچی وفاداری اور خلاف امید ایثار دیکھکر بھر آیا۔ اسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے!!

لومن جی:۔ سردار آپ رنج نہ کیجئے! سب کو ایک دن مرنا ہے۔ ہم نے جب لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا تھا اسیوقت سمجھ لیا تھا کہ ہماری موت بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں ہوگی۔ خدا کے لئے دیر نہ کیجئے!! فوراً روانہ ہو جائیے!!! ہم دونوں اپنی جانیں سر کئے رہیں گے اور جب تک آپ دور نکل جائیں گے اسوقت تک دشمن کو جس طرح بھی ممکن ہوگا روکے رہیں گے!! جائیے آپکو خدا کے سپرد کیا!!

ڈاکٹر شیرازی نے کشور سے کہا چلو بھاگو۔ یہاں ٹھہرنا یقینی موت ہے! اگر کشور کے ہاتھ پیر اس کے قابو میں تھے وہ موٹر کے پیچھے ایک بڑے درخت کی جڑ سے لپٹی ہوئی خاموش اور بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ دوسرے درخت کے پیچھے

بڑی بی بیچاری بھی ایسی ہی مفلوج حالت میں پڑی ہوئی تھی ....

ڈاکٹر شیرازی نے جب دیکھا کہ کشور کے ہوش و حواس درست نہیں ہیں اور بھاگنا تو درکنار اس میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے اور چلنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو اس نے کشور کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے اٹھایا اور بڑی تیزی سے مگر بڑی احتیاط سے وہ درختوں کی آڑ میں چھپتا ہوا اتر کی طرف بھاگا۔ گوبا لمجم سے پورب کی طرف چل رہی تھیں اسلئے اتر کی طرف جانے میں سلامتی تھی ....

جنگل میں راستہ بناتا ہوا۔ جھاڑیوں کو ہٹاتا ہوا۔ بڑی بڑی گھاس کو پیروں سے روندتا ہوا۔ گڈھوں کو پھاندتا ہوا کشور کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لئے ہوئے اور سینے سے چمٹائے ہوئے۔ وہ بھاگتا چلا جاتا تھا... اسکو نہ کیڑے مکوڑوں کا خیال تھا نہ سانپ بچھو کی پروا تھی نہ شیر اور بھیڑیوں کا ڈر تھا۔ اسکو صرف ایک خیال تھا وہ یہ کہ جلد سے جلد وہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لے اور انور اور پولیس کے تعاقب سے بچ جائے۔ قریب آدھ میل اتر جانے کے بعد وہ پورب کی طرف مڑ گیا تاکہ دریا سے وہ بہت دور نہ ہو جائے۔ کچھ کچھ دیر کے بعد وہ چند سکنڈ کے لئے سانس لینے کو ٹھہر جاتا تھا اور پھر بھاگنے لگتا تھا۔ پسینے میں وہ بالکل نہا گیا تھا۔ کشور بھی تر ہو گئی تھی اور خاموشی سے ڈاکٹر شیرازی کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے آنکھیں بند کئے ہوئے تھی! ڈاکٹر شیرازی کا حسین چہرہ کشور کو اٹھانے اور اٹھا کر دوڑنے کی مشکل ورزش سے تمتما اٹھا تھا... قریب ایک میل بھاگنے کے بعد جب بالکل تھک گیا اور اس کے ہاتھ پیر بالکل شل ہو گئے تو وہ ایک گھنے درخت کے سائے میں رک گیا اور کشور کو بڑی نرم نرم گھاس پر لٹا دیا اور خود بھی قریب ہی گھاس پر لیٹ گیا اور تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپنے لگا۔ شہر میں جب بیٹھے بندوق کے چلنے کی آوازیں انکے کانوں میں آتی رہیں۔ اس وقت بھی وہی آوازیں آ رہی تھیں وہ بے اختیار ہا

وہ چہرے سے پسینہ پونچھتا رہا اور ان آوازوں کو کان لگا کر سنتا رہا۔
دفعتاً آوازیں بند ہوگئیں اور ہر ایک سناٹا طاری ہوگیا۔ اور پھر
کوئی آواز بمب یا بندوق کی اس کے کانوں میں نہیں آئی۔!!!
ڈاکٹر شیرازی:۔ (دل میں) آہ میرے بہادر ساتھیو! کیا تمہارا مقابلہ ختم
ہوگیا اور کیا تم نے اپنی زندگی کی خوبصورت شمعیں خود ہی اپنے ہاتھوں سے بجھا دیں!!
اب بندوق یا بمب کی کوئی آواز نہیں آتی!! کس بہادری سے تم جئے اور کس
بہادری سے تم نے مر کر وفاداری اور جوانمردی کا نام زندہ کر دیا۔"
کچھ عرصے تک وہ ان ہی خیالات اور جذبات کی گہرائیوں میں ڈوبا رہا
پھر جب ذرا اس کی سانس درست ہوئی اور تکان کچھ کم ہوئی تو وہ کشور کی طرف متوجہ ہوا
کشور بے حس و حرکت خاموش پڑی تھی۔۔ ڈاکٹر شیرازی نے پکارا۔ "کشور"
کشور نے آنکھیں کھول دیں!! ڈاکٹر شیرازی نے پوچھا۔ کیوں کیسی طبیعت ہے!! گھبراؤ
نہیں!! اب ہم لوگ خطرے کی زد سے نکل آئے!! ذرا اٹھو! اٹھ کر بیٹھو تو!! آخر تمہاری
یہ حالت کیا ہے؟ کیا تم موت سے اسقدر ڈرتی ہو کہ محض موت کے اندیشے سے تمہارے
ہوش و حواس تمہارے دل اور دماغ نے ایک ساتھ جواب دیا (کسی قدر مسکرا کر)
واہ!..... یہ بھی کوئی بات ہے؟ عورتوں کو اسقدر کمزور نہ ہونا چاہیئے!!! اور
اس پر ستم یہ ہے کہ مردوں سے برابری کا دعویٰ بھی ہے!!.......
کشور:۔ (بیٹھ کر اور مسکرانے کی کوشش کرکے) معاف کیجئے گا میں نے واقعی بڑی
کمزوری دکھائی! مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپکو بیحد تکلیف ہوئی!!
ڈاکٹر شیرازی:۔ (اٹھ کر اور کشور کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے) تکلیف...؟
آہ!... کشور بعض تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر عمر بھر کی راحت اور آسائش قربان
کردیجائے بھی تو کم ہے۔۔ ان تکلیفوں کی ناقابل بیان لذت صرف تکلیف اٹھانیوالے

کے دل سے پوچھنا چاہیئے!!!"

کشور نے شرما کر گردن جھکالی اور خاموش ہو گئی پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا

"ڈاکٹر شیرازی صاحب"

ڈاکٹر شیرازی :- بات کا شکریہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کب تک ڈاکٹر شیرازی صاحب" رہونگا۔ کیا وہ وقت کبھی نہ آئے گا کہ تم مجھے صرف بدر کہہ سکو"

کشور :- وہ وقت نہ میرے اختیار میں ہے اور نہ کسی کے اختیار میں!!!

وہ وقت کسی کی زندگی میں آتا ہے اور کسی کی زندگی میں نہیں آتا۔ اسوقت ایک سیٹی کی آواز بڑی دور سے آئی۔ ڈاکٹر شیرازی چونک کر کھڑا ہو گیا اور کشور کے پاس آکر کہنے لگا "معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو اس طرف آرہے ہیں۔ اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے کشور کو پھر اپنی گود میں اٹھانا چاہا

کشور نے کہا نہیں تکلیف نہ کیجئے۔ میں اب خود چلوں گی۔ میں اب چل سکتی ہوں

ڈاکٹر شیرازی : نہیں کشور تم ابھی بہت کمزور ہو۔ تم تھک جاؤ گی......

کشور :- میں سچ کہتی ہوں مجھے کمزوری اب بالکل نہیں معلوم ہوتی۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی اور جب میں تھک جاؤں گی تو میں خود ہی آپ سے کہہ دوں گی۔

باوجود ڈاکٹر شیرازی کے اصرار کے کشور اپنی ضد پر اڑی رہی بالآخر ڈاکٹر شیرازی کو مجبور ہو کر ماننا پڑا۔

کشور پہلے آہستہ آہستہ پھر رفتہ رفتہ جلدی جلدی چلنے لگی اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کچھ دیر کے لئے رک رک جاتی تھی اس طرح وہ قریب آدھی میل چلی۔ اس کے بعد وہ تھک کر بیٹھ گئی!!

ڈاکٹر شیرازی :- کیوں کشور کیا تم تھک گئیں؟

کشور :- جی ہاں.... تھک تو گئی۔ مگر تکان سے زیادہ مجھے پیاس کی

تکلیف ہے۔۔۔ اگر یہاں کہیں پانی مل جاتا۔

ڈاکٹر شیرازی :- پانی ؟۔۔۔۔ ہاں مل تو سکتا ہے۔ دریا یہاں سے بہت دور نہ ہوگا۔ مگر کس چیز سے لاؤں۔ یہاں کوئی چیز بھی تو نہیں ہے! آؤ تمہیں ہی گود میں اٹھاؤں اور دریا تک لے چلوں۔ نسبتاً یہی مجھے آسان معلوم ہوتا ہے!!

کشور :- مگر مجھے تو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ میں ہرگز آپ کو اتنی تکلیف نہیں دے سکتی کہ میں میل سوا میل آپ کے اوپر لد کر جاؤں۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو جاکر پانی لے آئیے۔ میں یہیں بیٹھی ہوں۔

ڈاکٹر شیرازی :- مگر تمہیں یہاں اس طرح اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔ یہ بہت ہی خطرناک جنگل ہے!! اور پھر میں اگر جاؤں بھی تو پانی کس چیز میں لاؤں گا ؟۔

کشور :- ہاں یہ تو ٹھیک ہے خیر ٹالیئے بھی! جانے بھی دیجئے!!! میں پانی نہ پیوں گی۔ کچھ دیر کے بعد پیاس خود بخود کم ہو جائے گی!!

ڈاکٹر شیرازی :- کشور تم تو اس وقت خواہ مخواہ کی ضد کر رہی ہو!! آخر میں تم کو اتنی دور تک اٹھا کر ہی تو لایا تھا تو اب کا اٹھا کر لیجانے میں کیا ہرج ہے!!

کشور :- بہت فرق ہے اس وقت میں قریب قریب بیہوش تھی اور اب میں ہوش میں ہوں۔۔۔۔ اور نہ جانے بھی دیجئے بغیر پانی پئے میں مری تھوڑا ہی جاتی ہوں۔

ڈاکٹر شیرازی :- (کچھ دیر تک اس پیچیدہ مسئلہ پر غور کرنے کے بعد دفعتاً مسرت آمیز لہجے میں) ہاں ہاں ایک صورت ہے اس جنگل میں ناریل کے درخت بھی ہیں میں نے خود دیکھے ہیں اور ان کے نیچے ناریل بھی گرے ہوئے دیکھے ہیں قریب ہی کوئی نہ کوئی درخت ضرور مل جائیگا ۔۔۔ میں دو چار ناریل لے آؤنگا تم اسکا پانی پی کر اچھی طرح پیاس بجھا سکو گی۔۔۔۔ اچھا تو تم یہیں بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتا ہوں!!۔۔۔۔۔ ڈرو گی تو نہیں۔؟۔۔۔۔

کشور:۔ نہیں... آپ جائیے انشاءاللہ مجھے کوئی جانور نقصان نہیں پہنچائے گا۔
ڈاکٹر شیرازی:۔ (ایک چھوٹا سا خوبصورت پستول کشور کو دیکر) تو تم یہ پاس رکھ لو یہ اتنا ہلکا اور چھوٹا سا ہے کہ تم کم از کم اتنا تو کر ہی سکتی ہو کہ اگر کوئی جانور تمہاری طرف آئے تو تم فیر کر دو!! وہ آواز ہی سن کر بھاگ جائے گا!!
کشور:۔ مگر آپ کے پاس بھی تو حفاظت کیلئے کچھ ہونا چاہیئے!!
ڈاکٹر شیرازی:۔ تم میری فکر نہ کرو میرے پاس دوسرا پستول ہے.....
اچھا تو اب میں جاتا ہوں۔ تم ڈرنا نہیں!! میں بہت جلد واپس آجاؤں گا.....
یہ کہہ کر ڈاکٹر شیرازی ناریل کے درخت کی تلاش میں چل دیا.........

تریپنواں باب

آزادی

شمشیر خان اور لومن جی مقابلہ کرتے کرتے یکبارگی خاموش ہو گئے۔ ممتاز وغیرہ سمجھے کہ دم لے رہے ہیں۔ مگر جب خاموشی کچھ عرصے تک قائم رہی تو انھیں شک ہوا کہ کہیں یہ لوگ درختوں کی آڑ میں چھپ کر غائب تو نہیں ہو گئے!!!
کچھ دیر تک اور انتظار کرنے کے بعد پولیس کے سپاہیوں نے مشین گن اور بم کی آڑ میں حملہ کر دیا اور جب وہ درختوں کے اس جھنڈ کے پاس پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوا کہ شمشیر خان اور لومن دونوں کی لاشیں ایک دوسرے کے پاس پڑی ہیں!!! پہلے تو یہ لوگ سمجھے کہ ان کے گولیاں لگی ہیں یا زخمی ہوئے ہیں مگر جب انہوں نے دونوں کی لاشوں کا غور سے معائنہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ دونوں

خودکشی کرلی ہے۔ ایک زخم ان کی ٹھوڑی کے نیچے ہے اور ایک ان کے سر کے بیچ میں ہے.... گولیاں آر پار ہو گئی ہیں۔ موٹر گولیوں سے بالکل چھلنی ہو گیا تھا اور ہر طرف درختوں کی چھالیں بکھری ہوئی پڑی تھیں.........

انور: ۔ اور وہ موذی کہاں نکل گیا؟ اُسے ڈھونڈنا چاہیے!!

انور اور پولیس کے سپاہی ادھر اُدھر نزدیک اور دور ہر درخت اور جھاڑی کے پیچھے ڈاکٹر شیرازی کو تلاش کرنے لگے.....

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ سپاہیوں نے بڑی بی کو ایک بڑے درخت کی جڑ میں لیٹا ہوا پایا۔ ممتاز اور انور اور جگدیش کمار بھی وہاں پہنچ گئے! بڑی بی بیچاری کو آج تک سوائے پان تمباکو اور ڈلی کے گولی بارود سے کہاں سابقہ پڑا تھا جو اس کی متحمل ہو سکتیں۔ چنانچہ وہ بیہوش پڑی تھیں اور بمشکل تمام جب ہوش میں لائی گئیں اور ان سے دریافت کیا گیا کہ ان پر کیا گذری تو وہ واقعات پر زیادہ روشنی نہ ڈال سکیں البتہ ان سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ کشور بھی ان ہی کے ساتھ تھیں مگر معلوم نہیں انھیں کون لے گیا اور وہ کہاں چلی گئیں!! انور کے لئے یہ بہت تھا۔ اُسکو اتنا تو یقین ہو گیا کہ کشور ڈاکٹر شیرازی کے قبضہ میں ہے اور دوسری بات یہ کہ کشور اس سے بہت دور نہیں ہے...

لیکن سب سے مشکل بات تو یہ تھی کہ اتنے بڑے جنگل میں وہ اسے کہاں اور کس طرف ڈھونڈے! مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ دس دس آدمیوں کی چار جماعتیں بنا کر کشور اور ڈاکٹر شیرازی کی تلاش کی جائے۔ چنانچہ چاروں جماعتیں مختلف اطراف میں نکل گئیں اور نہایت شد و مد سے کشور اور ڈاکٹر شیرازی کی تلاش شروع ہو گئی۔ بڑی بی کو دو سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں واپس بھیج دیا گیا.......

....

....

ڈاکٹر شیرازی ناریل کے درخت کی تلاش کرتے کرتے بہت دور نکل گیا مگر اتفاق سے اسے کوئی درخت نہیں ملا۔ بار بار وہ خیال کرتا تھا کہ اب واپس چلنا چاہیئے بہت دیر ہو گئی مگر اس امید پر کہ بہت ممکن ہے کہ کوئی درخت قریب ہی کہیں مل جائے وہ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ بڑی بڑی مصیبتوں کے بعد اس کو ایک درخت ملا حسن اتفاق سے اس کے نیچے بہت سے ناریل پڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر شیرازی نے فوراً ہی ناریل کچھ تو اپنی جیب میں اور کچھ اپنے رومال میں رکھ لئے اور جہاں کشور کو چھوڑ آیا تھا اس طرف خوش خوش چلا...

جنگل میں اُسے کچھ راستے کا اندازہ نہیں ہوا اور وہ بھول گیا کہ کس طرف سے وہ آیا تھا اور کشور کو اس نے کہاں چھوڑا تھا وہ گھبرا گھبرا کر کبھی اِدھر جاتا کبھی اُدھر مگر اُسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس طرف سے وہ آیا تھا اور کس طرف وہ جائے!! جنگل میں کوئی راستہ تو تھا نہیں... اور جس قدر اُسے دیر ہوئی جاتی تھی اس کی پریشانی اور بدحواسی بڑھتی جاتی تھی!!

....کئی مرتبہ اس کے دل میں آیا کہ کشور کو پکارے مگر پکارنا بے حد خطرناک تھا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ پولیس والے ضرور اِدھر اُدھر اس کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے!!

اس کے قلب کی عجیب کیفیت تھی تکلیف پریشانی۔ جھنجلاہٹ خوف اُمید اور ناامیدی کی اس کے دل میں کشمکش تھی.... وہ سوچ رہا تھا یہ کیسا بیوقوف ہوں کہ میں نے اس کا خیال ہی نہ رکھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں اور کس راستے سے واپس ہونگا... اور جسقدر دیر ہوتی جاتی ہے خطرہ بڑھتا جاتا ہے... اور پھر کشور!.. کشور کیسی پریشان ہو گی!!! ایسا خطرناک جنگل!!.... اور بالکل اکیلی ہے!!.. کس امید و بیم کی حالت میں وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی!!... کہیں ایسا نہ ہو کہ کمبخت

انوریا اس کے ساتھی محض اتفاق سے مجھ سے پہلے کشور کے پاس پہنچ جائیں اور
اس پر قبضہ کر لیں..... (اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر) ہائے مجھے کیا ہو گیا تھا! مجھے کیا ہو گیا تھا!
میری عقل کہاں چلی گئی تھی جو میں نے راستے کا خیال نہیں رکھا.... اور پھر میں نے
کشور کی ضد ہی کیوں مانی وہیں کیوں اسے اٹھا کر نہیں لے آیا؟... اب میں کیا کروں؟
کہاں جاؤں؟... کشور کو کہاں تلاش کروں؟... میری تو عقل خبط ہو گئی ہے!
میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں کیا نہ کروں!!......
کشور! کشور! تو کہاں غائب ہو گئی؟ میں تجھے کہاں چھوڑ آیا.... (دیوانوں
کی طرح اپنا سر پیٹ کر).... یہ دماغ! یہ دماغ! جس پر مجھے اسقدر ناز تھا!!
جس پر مجھے اسقدر غرور تھا!! اسی نے مجھے دھوکا دیا!!.... اسی نے مجھے دھوکا دیا!!...
مجھے تو ہر طرف ایک ہی قسم کا جنگل معلوم ہوتا ہے اس کے ایک حصے اور دوسرے حصے
میں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہوتا. سارا جنگل مجھے یکساں نظر آتا ہے!! پھر مجھے
یاد آئے تو کیسے یاد آئے کہ میں نے اپنی کشور کو کہاں چھوڑا!!!....
.... اف! اف!... میں کیسا بدقسمت ہوں؟.... میں کیسا عجیب و
غریب احمق ہوں؟.... مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی بدقسمت نہ ہو گا!!
.... مجھ سے بڑا دنیا میں کوئی احمق نہ ہو گا!!.... میں نے ایسی مہمل
غلطی کیوں کی؟ کیسے کی؟.... اور اب اسکی تلافی کس طرح کروں! کیوں کر کروں؟
کیسے کروں؟ اس وقت میری زندگی کی ساری خوشی اور کامیابی صرف اس پر منحصر
ہے کہ میں اپنی پیاری کشور کو کسی طرح اس منحوس جنگل میں ڈھونڈ نکالوں اور پھر
اسے لیکر دریا کی طرف چلدوں۔ وہاں ضرور مجھے کوئی نہ کوئی کشتی پار اترنے کیلئے مل جائیگی!!
اور اگر کوئی کشتی نہ بھی ملے تو میں پیر کر اس پار چلا جاؤنگا اور وہاں سے کشتی
لے آؤنگا!! اور اپنی کشور کو لیکے جاؤں گا۔ مگر.... مگر.. میری کشور بھی

تو مجھے ملے . . . ہائے میں اسے کہاں ڈھونڈوں کدھر ڈھونڈوں ؟ کس طرف ڈھونڈوں
ڈاکٹر شیرازی بڑی تیزی سے جنگل کے ٹکڑوں میں گذرتا ہوا کشور کو عجیب طرح امید بھری ناامیدی سے ڈھونڈتا ہوا . . . قسم قسم کے اندیشوں اور توہمات سے لڑتا ہوا . . . . چلا جاتا تھا . . . . مگر کشور کا کہیں پتہ نہ تھا . . . اسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کشور کیا ہوئی ؟ کہاں گئی ؟ . . . یا اسے زمین کھا گئی یا آسمان اٹھا لے گیا !! . . . . .

ڈاکٹر شیرازی کے چلے جانے کے بعد کشور کو دفعتاً محسوس ہوا کہ وہ بالکل اکیلی رہ گئی اسکی تنہائی نے اسے اسکے گردوپیش کے خطروں کی یاد دہانی کی! اسکے دل میں ڈر سمانے لگا اور وہ خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر اور ہر طرف دیکھنے لگی کہ کوئی خونخوار جنگلی جانور کسی درخت یا کسی جھاڑی کے پیچھے سے نکل کر اسکی طرف آتو نہیں رہا ہے ؟ کہنے کو تو اس نے ڈاکٹر شیرازی سے کہدیا تھا کہ تنہائی میں اسے ڈر معلوم ہوگا مگر اس خیال کی شرمندگی اور کراہت کہ ڈاکٹر شیرازی اسے اپنی گود میں اٹھا کر لیجائے اس قیامت سے زیادہ جاوی تھی۔

اس کے دل میں مختلف اندیشوں اور توہمات کی کشمکش تھی اسے رہ رہ کر اس دن کی باتوں کا خیال آرہا تھا جب زہرہ جمال اسے مہابلیشر جانے پر آمادہ کر رہی تھی اور ڈاکٹر شیرازی اور خاص کر ممتاز اس جنگل کے مہیب خطروں کا ذکر کر رہے تھے اور وہ خود ممتاز سے متفق ہو کر یہ کہہ رہی تھی کہ دنیا کے معمولی تجربات اور مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوتے تو جی اکتا جاتا ہے دلکشی اور رعنائی تو واقعی ان تجربات و مناظر میں ہوگی جو غیر معمولی ہو۔

اس پر ممتاز کی خطرات اور تکالیف کی لذتوں پر رائے زنی !! . . . .
ممتاز کا خیال کرتے کرتے اسے یکبارگی انور کا خیال آیا ! . . . . . .
آہ ! انور ! کیا یہ بھی کبھی میری قسمت ہوگی کہ میں تم سے مل سکوں اور اپنی احسان فراموشی اور بدزبانی کی معافی مانگ سکوں !! . . . . .
مجھے تو ایک ایسا خواب معلوم ہوتا ہے جو کبھی اصلیت کی شکل اختیار

نہ کریگا!!.... آہ اور اس ناگن زہرہ کی زہریلی عیاری اور ڈاکٹر شیرازی کی فطرت اور مکاری نے مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھڑا دیا..... اور اب میں ان ہی دونوں بدذاتوں کے قبضے میں ہوں..... دیکھئے اب میرا ان کمبختوں کے ہاتھوں کیا حشر ہوتا ہے!..... ان دونوں نے ایسا جال پھیلایا کہ میں نے انکے دھوکے میں آکر دیدہ دانستہ خودکشی کرلی!! مگر.. مگر.. ایک بھیک اپنی انتہائی اور عارضی آزادی کا خیال کبھی میں اس وقت صرف اکیلی ہی نہیں ہوں بلکہ آزاد بھی ہوں!! ڈاکٹر شیرازی ابھی تک نہیں آیا اور ممکن ہے کہ ابھی کچھ عرصے تک نہ آئے!! اگر میں اس گھنے جنگل میں اس طرف بھاگوں جہاں کوئی ڈاکو چلا رہے تھے تو بہت ممکن ہے ان میں سے کوئی مجھے مل جائے اور مجھے کسی عافیت کی جگہ پر پہنچادے۔ میں اسے اپنا یہ موتیوں کا ہار اور دست بند دیدونگی۔ وہ اس کے عوض میں ضرور مجھے بمبئی پہنچادیگا..... بس!... بس! جہاں تک مجھ سے بھاگا جائیگا میں بھاگونگی کیونکہ اسی پر میری زندگی یا موت کا انحصار ہے!!... اب مجھے فوراً بھاگنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ وہ خوفناک جادوگر جس کی منحوس شخصیت سے میں اس قدر متاثر ہوں کہیں آپڑے!.....“

یہ خیال آتے ہی کشور کو نہ اپنی تکان کا خیال ہوا نہ اپنی پیاس کا احساس۔ ہوا نہ جنگل کے خطرناکی پرواہ ہوئی۔ وہ اٹھی اور پورب کی طرف رخ کرکے جسقدر تیز وہ دوڑ سکتی تھی دوڑنے لگی... کچھ دیر تک دوڑنے کے بعد وہ سانس لینے کیلئے ذرا دیر ٹھہر گئی اور پھر دوڑنے لگی!! اقسم قسم کے جنگلی جانور اسے راستے میں ادھر ادھر ملے۔ مگر سب کے سب اس طرح اس کے راستے سے کترا گئے جیسے ان کو کسی نے حکم دیدیا ہو کہ خبردار کشور کا راستہ نہ روکنا“...

کشور۔ ہانپتی کانپتی پسینہ میں شرابور رک رک کر دوڑ رہی تھی!! جب اس میں دوڑنے کی سکت باقی نہیں رہی تو وہ تیز تیز قدموں سے چلنے لگی.... پھر جب ذرا کچھ تکان کم ہوتی اور.... دم آگیا تو وہ پھر دوڑنے لگی....

راستے کا اس گھنے جنگل میں اسے کیا خیال ہو سکتا تھا؟ محض ایک اندازے سے پورب کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی!!..... اور قسمت اسکی ہدایت کر رہی تھی"

(۸ رز ۸)

چوّنواں باب

عبرت کی ہے جگہ جنھیں کل تک عروج تھا
محتاج آج حیف وہ گور و کفن کے ہیں

انور :- ممتاز جگدیش اور تین پولیس کے سپاہی جنگل کے مقام مقام پر جھاڑی جھاڑی ہر ہر جھال میں بیحد انہماک اور احتیاط سے ڈاکٹر شیرازی اور کشور کو تلاش کر رہے تھے مگر بڑی ناکامیابی کے ساتھ! بالآخر ممتاز نے کہا۔ اس جنگل میں کشور کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے گھاس کے کسی انبار میں چھوٹی سی سوئی تلاش کرنا۔ خدا ہی ہے جو کشور اس لق و دق جنگل میں ہمیں مل جائے!!"

انور :- (پر جذبات لہجے میں) اگر کشور خدانخواستہ نہ ملی تو میں بھی اپنی زندگی اسی کی جستجو میں اسی جنگل میں ختم کر دوں گا۔ واللہ میں یہیں رہ جاؤں گا اور یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا....."

ممتاز :- تم ناحق کشور کے لئے اس قدر سرگرداں ہو۔ جس عورت پر ڈاکٹر شیرازی ایسے ساحر کا اس کا جادو چل گیا ہو اسکے دل و دماغ کا بس خدا ہی حافظ ہے۔ وہ بجز اس شیطان مجسم کا کلمہ پڑھنے کے دنیا میں اور کسی کی ہو ہی نہیں سکتی اس کمبخت میں غضب کی مقناطیسیت ہے خاص کر عورتوں کیلئے!!.... کیسی ہی عورت ہو اسکے سامنے ایسی ہی بے بس ہو جاتی ہے جیسے کسی بڑے زہریلے سانپ

کے سامنے کوئی چھوٹی سی خوبصورت چڑیا.... عورت کے خون اور عورت کی روح میں ہمیشہ ایک سنگین کشمکش رہتی ہے اور بعض مردوں میں ایسی جنسی کشش اور مقناطیسیت ہوتی ہے کہ اس سے متاثر ہو کر اکثر اوقات عورت کی روح اس کے خون کے تلاطم سے مغلوب ہو جاتی ہے!!

انور:۔ عورت ہی پر کیا منحصر ہے، کیا مرد کی روح اور اس کے خون میں کشمکش نہیں ہوتی؟ تم صرف عورت ہی کو کیوں کہتے ہو؟......

ممتاز:۔ اس لئے کہ مرد میں روح ہوتی ہی نہیں.... اس میں تو صرف خون ہی خون ہوتا ہے اور وہ بھی ابلتا کھولتا لہریں مارتا ہوا خون!... اس کی زندگی میں کشمکش کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر اس کی زندگی میں کوئی کشمکش ہوتی بھی ہے تو صرف اسقدر کہ خون کے کس طوفانی ہیجان اور دل کی کس گرویدگی کا پاس کرے!!... البتہ جب مرد کے جسم میں خون نہیں رہجاتا اس وقت اس میں روح ضرور پیدا ہو جاتی ہے!!

انور:۔ (مسکرا کر) آپ تو ہیں احمق!!

ممتاز:۔ (مسکرا کر) سب سے عقلمند اکثر وہی ہوتے ہیں جنہیں دنیا احمق یا دیوانہ کہتی ہے.....

انور:۔ براہ مہربانی آپ اپنا غیر منہضم فلسفہ اپنے ہی تک رکھئے!! مجھے سنکر تکلیف الگ ہوتی ہے اور غصہ لگ آتا ہے۔ آپ تو بعض اوقات ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے کسی جنم میں آپ ہزاروں برس تک خود عورت رہ چکے ہیں یا پھر ہزاروں عورتوں کی قلبی کیفیات کا آپ کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہے... لیکن اگر دنیا کی ساری عورتیں ایسی ہی ہوں جیسی آپ بیان کرتے ہیں تو پھر بھی میرا دعویٰ ہے کہ میری کشور اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے!!... اللہ آپ کشور غریب کو سب کے ساتھ ہر معاملہ میں اور ہر مسئلے میں اس طرح لپیٹ نہ لیا کیجئے!! بڑی مہربانی ہوگی۔

ممتاز :- مہربانی ہو یا نہ ہو مگر میں تمہیں محض ایک عورت کے لئے جان کھونے دونگا۔ اور عورت بھی کیسی جس کی محبت کی حقیقت خواب و خیال سے کسی طرح زیادہ نہیں

انور :- اس طرح تو خود دنیا ہی تمام دام فریب و خیال ہے ! اس دام سے بچکر میں کہاں جا سکتا ہوں اور کوئی کہاں جا سکتا ہے۔

ممتاز :- یہ تو سب ٹھیک ہے۔ مگر انور زندگی خدا کی ایک نہایت ہی قیمتی امانت ہے ! اسے ذاتی منفعت اور وہ بھی محض ایک خیالی منفعت کے لئے ضائع کرنا بڑی غیر ذمہ دارانہ خیانت ہے !! ......

یک بیک بہت سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں اور اسکے بعد پستول کے فائر کے بعد دیگرے دو آوازیں آئیں .... انور وغیرہ سب چلتے چلتے رک گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ .....

کتے برابر عجیب خوفناک طریقے سے بھونک رہے تھے (اور بہت قریب ہی اس طرف) ....

ممتاز :- یہ تو جنگلی کتے معلوم ہوتے ہیں۔ کسی پر انہوں نے حملہ کیا ہے۔ اور اس نے اس پر گولی چلائی ہے !! ....

جگدیش :- ممکن ہے کہ ہمارے ہی آدمیوں پر انہوں نے حملہ کیا ہو کیونکہ ہمارے آدمیوں کے علاوہ اس جنگل میں ہے ہی کون ؟

ممتاز :- کیوں ڈاکٹر شیرازی نہیں ہے ؟

انور :- (خوف زدہ لہجے میں) اور کشور ؟ وہ بھی تو ڈاکٹر شیرازی کے ساتھ ہے !!

یہ کہکر ! انور بغیر کچھ کہے بڑی تیزی سے سیدھا اسی طرف بھاگا جدھر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں .... ممتاز اور جگدیش اور تینوں سپاہی بھی مجبوراً انور کے پیچھے ہو لئے ......

یہ لوگ مشکل سے دس پندرہ قدم گئے ہوں گے کہ تیسرے فائر

اور پھر چوتھے فائر کی آوازیں آئیں۔

کتوں کے غرانے اور بھونکنے کی آوازیں اور بڑھ گئیں اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کی تعداد کسی طرح بیس پچیس سے کم نہیں ہے!! دو ہی تین منٹ میں انور اور اسکے پیچھے پیچھے ممتاز وغیرہ موقع پر پہنچ گئے تو انھوں نے کیا دیکھا کہ ڈاکٹر شیرازی درخت کی ایک شاخ ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے اور ایک بہت نیچی جھکی ہوئی شاخ پر کھڑا ہوا ہے اور قریب پچیس تیس جنگلی کتے اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اس کے کپڑے جابجا پھٹے ہوئے اور خون سے رنگے ہوئے ہیں اور اس کا جسم کئی جگہ سے زخمی ہے اور زخموں سے خون جاری ہے!!.. اور جنگلی کتے مہیب آوازوں کے ساتھ درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں!!

ڈاکٹر شیرازی کے چہرے پر موت کی سی زردی تھی اور باوجود سنبھلنے کی کوشش کے وہ بید کی طرح سر سے پیر تک کانپ رہا تھا اگر وہ درخت کی شاخ کو بہت زور سے نہ پکڑے ہوتا تو یقیناً وہ نیچے گر پڑتا۔ اور جنگلی کتوں کے منہ کا نوالہ ہو جاتا....

وہ پستول چلاتا جاتا تھا اور جب میگزین خالی ہو جاتی تھی تو اسے کسی نہ کسی طرح جلدی سے بھر لیتا تھا مگر کتوں کی تعداد بجائے کم ہونے کے بڑھتی جاتی تھی اور زخمی ہو کر بجائے بھاگنے کے وہ اور زیادہ غضبناک طریقے سے حملہ کر رہے تھے!!..

کچھ دیر تک تو انور وغیرہ اس ہولناک منظر کو ایک حیرت زدہ انداز سے دیکھتے رہے۔

پھر انور نے کہا ممتاز!.... اس بدنصیب کو اس خوفناک موت سے بچانا چاہیے!! آؤ ہم سب بھی کتوں پر ملکر گولیاں چلائیں۔ اس طرح کچھ تو مر جائینگے اور جو باقی رہ جائینگے وہ یقیناً بھاگ جائینگے!!... مگر جلدی کرو نہیں تو بہت دیر ہو جائیگی!!.....

ممتاز:۔ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ اگر تم نے ان پر گولی چلائی تو یہ سب کے سب ہم ہی لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر جان بچانا مشکل ہو جائیگا!! معلوم نہیں

یہ کتنے ہیں اور ابھی کتنے اور آجائیں!! اور چونکہ ہم لوگ زمین ہی پر ہیں اس لئے بہت جلد گھر جائیں گے!!.....

جگدیش:- ہاں ہاں مسٹر انور یہ بڑی حرام زادی قوم ہوتی ہے۔ ان کو چھیڑنا اچھا نہیں۔ بہتر یہی ہوگا کہ خاموشی سے یہاں سے چلے چلو!! بس اسی میں خیریت ہے

انور:- میں تو نہیں جاؤنگا۔ تم سب کو جانا ہو تو چلے جاؤ۔ میں اس بدنصیب شخص کو بچانے کی ضرور کوشش کرونگا۔ لاؤ مجھکو ایک رائفل دیدو اور اس کی گولیاں... میں اس درخت پر چڑھ کر ایک ایک کر کے ان سب کو ختم کرونگا۔

ممتاز:- انور تم پاگل ہوئے ہو؟ یہ آخر تمہیں سوجھی کیا ہے؟ ڈاکٹر شیرازی ایسے پاجی شخص کی جان بچانے کی کوشش میں اپنی جان خواہ مخواہ کو خطرے میں ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے؟؟

انور:- جو شخص بالکل بے بس اور بے دست وپا ہوگیا ہو اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے خواہ وہ ہمارا جانی دشمن ہی کیوں نہ ہو! میں کہہ تو رہا ہوں تم لوگ جاؤ مگر میں ابھی یہیں رہوں گا!!!

یہ کہکر انور نے ایک سپاہی سے رائفل اور رائفل کے کارتوس کے لئے اور قریب ہی ایک درخت پر چڑھنے کیلئے بڑھا لیکن ممتاز اور جگدیش دونوں نے بڑھکر انور کے دونوں ہاتھ زور سے پکڑ لئے اور ممتاز نے اس سے کسیقدر سختی سے کہا تم تو ہوئے ہو دیوانے!! اور اپنے اسی دیوانہ پن میں اپنی جان دوگے۔ اور ہم سب کی بھی جان لوگے!! تم کو اختیار ہے تو صرف اپنی ہی جان پر ہوسکتا ہے لیکن تمھیں اس کا کوئی حق نہیں کہ ہم لوگوں کی جانوں کو بھی دیدہ ودانستہ ہلاکت میں ڈالو گے تم تو درخت پر چڑھکر گولی چلاؤگے مگر یہ تو سوچو کہ ہم لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو زمین پر ہیں

انور:- تو اس میں کیا ہے! تم سب بھی درختوں پر چڑھ جاؤ۔

ممتاز :- مگر پھر بھی اس کا خطرہ ہے کہ جنگلی کتے ہم پر ٹوٹ پڑینگے اور میں ایسے مردود کے لئے تو زیادہ بہت کسی قسم کے خطرے میں بھی پڑنے کیلئے تیار نہیں ہوں ... تم اکیلے ہوتے تو جو چاہتے کرتے مگر سب کے ساتھ ہو کر تمہیں وہی کرنا ہوگا جو ہم سب کی رائے ہے۔ تم اپنی تنہا رائے پر نہیں چل سکتے اور میں تمہیں چلنے نہیں دونگا۔

انور گومگو کی حالت میں خاموش ہو گیا اور مجبور ہو کر سامنے کا ہولناک منظر خاموشی سے دیکھنے لگا !!۔

ڈاکٹر شیرازی کی حالت لمحہ بہ لمحہ خطرناک ہوتی جاتی تھی - کارتوس ایک ایک کر کے اس کے سب ختم ہو گئے اور اب صرف دو کارتوس اس کے پستول میں باقی رہ گئے تھے۔ مگر کتوں کی تعداد اور ان کے غضب ناک حملوں میں بجائے کمی ہونے کے کچھ زیادتی ہی معلوم ہوتی تھی ڈاکٹر شیرازی نے جب اپنی یہ حالت دیکھی تو اس نے سوچا کہ اب کوئی صورت نجات کی اگر ہے تو یہی ہے کہ جسقدر اونچا درخت پر چڑھ سکے چڑھ جائے چنانچہ وہ کوشش کر کے دوسری شاخ پر اور دوسری شاخ سے تیسری شاخ پر چڑھ گیا ... اور چوتھی شاخ پر وہ چڑھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک لمبی سی ٹھنڈی ٹھنڈی اور بہت موٹی سی رسی اسکے جسم پر گری اور چشم زدن میں اس کے سارے جسم کو اس نے اپنے بلوں میں لپیٹ لیا !!!

یہ ایک نہایت ہی ہیبتناک اور زہریلا سانپ تھا جس کی لمبائی کم از کم ۱۳ یا ۱۴ فٹ کی تھی اور جو ایک آدمی کے بازو سے بھی زیادہ موٹا تھا۔

. . . .

. . . .

ڈاکٹر شیرازی کے منہ سے ایک سہمی ہوئی چیخ نکلی - اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ اور وہ خود بھی لڑکھڑا کر درخت سے گرا . . مگر سانپ کے

مضبوط بکوں میں وہ اس طرح کسا ہوا تھا کہ وہ درخت ہی پر لٹک کر رہ گیا زمین پر وہ گرنے نہیں پایا . . . . .

. . . .

انور اور ممتاز وغیرہ نے جب یہ وحشت ناک سماں دیکھا تو خوف اور دہشت سے ان سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان کے دلوں پر ایک عجیب خدائی ہیبت طاری ہو گئی . . . .

ڈاکٹر شیرازی کے منہ سے گھٹی ہوئی دو ایک چیخیں اور نکلیں . . . . پھر اس کے منہ سے یہ لرزتی اور سہمی ہوئی آواز نکل کر فضائیں گونجنے لگی۔

. . . . . مرا . . . . . مرا . . . . میں مرا . . . . میں مرا . . . . بچالو . . . . بچالو! اللہ مجھے بچالو! (کچھ دیر کے بعد) ہائے کوئی نہیں بچاتا!! . . . . کوئی نہیں سنتا!! . . . .

آواز لے حس فضا میں گونجی اور گونج کر غائب ہو گئی اور ڈاکٹر شیرازی کے دل میں انسانی امداد کی آخری شعاع بجھ گئی . . . . پھر ایک عجیب مضطربانہ انداز سے یہ الفاظ نکلے۔" او خدا! . . او خدا۔ بچانے والا۔ اب تو ہی ہے۔ صرف تو ہی ہے بچالے!! بچالے!! اے خدا مجھے بچالے!! مگر اس دعا کے بعد بھی اسے کوئی غیبی امداد نہ ملی۔ ہیبت ناک سانپ کے بکوں میں پھنسا ہوا وہ اس طرح درخت سے لٹکا ہوا تھا اور اس کے نیچے خونخوار جنگلی کتے بھونک رہے تھے اور غضب ناک للچائی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے!!!

ہر طرف سے ناامید ہو کر ڈاکٹر شیرازی جو قدرتاً ایک نہایت ہی طاقتور شخص تھا پوری طاقت سے سانپ کے مضبوط بلوں سے اپنے آپکو چھڑانیکی ایک آخری زبردست کوشش کرنے لگا۔ سانپ بھی کم طاقتور نہ تھا۔ کچھ دیر تک دونوں بڑی سنگین کشمکش اور جنگ ہوتی رہی مگر مقابلہ سخت اور بہت ہی سخت تھا . . . . ڈاکٹر شیرازی کی کوشش یہ تھی کہ سانپ کے بلوں سے

وہ اپنے آپ کو چھڑا لے اور ساتھ ہی درخت کی کوئی شاخ پکڑ کر اس سے لٹک جائے.

انور وغیرہ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے خوف و تعجاب کی تصویر بنے ہوئے اس مہیب منظر کو کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے اور درخت کے نیچے جنگلی کتے منہ اٹھائے گردنیں بلند کئے ہوئے نہایت ہیبتناک انداز سے بھونک رہے تھے اور غصے میں درخت کو اپنے پنجوں سے مار مار نوچ رہے تھے اور بعض بعض تو کچھ کچھ دور تک درخت پر چڑھ دوڑتے تھے!!

ڈاکٹر شیرازی نے سانپ کے بکوں سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی!! مگر سانپ اپنی دم درخت کی شاخ میں لپیٹے ہوئے درخت سے لٹکا ہوا تھا اور اپنے بقیہ جسم سے ڈاکٹر شیرازی کو نہایت ہی مضبوطی سے کسے ہوئے تھا اور بار بار کاٹ رہا تھا... دونوں کی سنگین کشمکش کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ سانپ کی دم درخت کی شاخ سے رفتہ رفتہ چھوٹنے لگی.... درخت کی شاخ کے گرد اسکے بل رفتہ رفتہ کم ہونے لگے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ڈاکٹر شیرازی نے جو زور لگایا تو سانپ اور وہ دونوں ایک ہی ساتھ درخت سے چھوٹ کر نیچے زمین پر بڑی زور سے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے گرے!! دونوں کا زمین پر گرنا تھا کہ جنگلی کتے جو نہایت بے چینی سے اسی کا انتظار کر رہے تھے ایکدم سے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے نوچنے اور بھنبھوڑنے لگے ....

سانپ نے کتوں کی جو یورش دیکھی تو اس نے گھبرا کر فوراً اپنے بل کھول دیئے اور وہ جلدی جلدی گھاس میں رینگتا ہوا غائب ہو گیا... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا کام صرف ڈاکٹر شیرازی کو درخت کے نیچے گرانا تھا اور وہ اپنا کام کر کے روانہ ہو گیا.

تھوڑے ہی عرصے میں ڈاکٹر شیرازی کے خوبصورت ناز پروردہ جسم اور اس کے حسین چہرے کی ایک ایک بوٹی ہر ایک کتے کے منہ یا پیٹ میں پہنچ گئی!!! کوئی اسکے چہرے کا گوشت نوچ نوچ کر نگل رہا تھا. کوئی اپنے پنجوں سے اس کی آنکھیں نکال کر کھا رہا تھا. کوئی اس کا پیٹ پھاڑ پھاڑ کر اسکی آنتیں زمین پر پھیلا رہا تھا. کوئی اس کا پھیپھڑا کوئی اس کا دل

جلدی جلدی چبا رہا تھا کوئی اس کا خون لمبی لمبی زبان نکال نکال کر چاٹ رہا تھا۔ غرضکہ وہ سب کے سب اس خوفناک انہماک اور اس پر جوش اضطراب میں بدبخت کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے اور اس کا خون چاٹ رہے تھے جیسے وہ بہت دنوں کے بھوکے اور پیاسے تھے یا شائد ایسا لذیذ گوشت اور ایسا خوش ذائقہ خون انہیں آج تک میسر نہیں ہوا تھا... انو وغیرہ سے یہ دل دہلا دینے والا عبرتناک اور وحشت انگیز منظر دیکھا نہ گیا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے خدا کے قہر و غضب کا یہ نمونہ دیکھکر سب کے دل لرز گئے!!... ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بے تحاشا الٹے پاؤں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے!! وہ تیزی سے بھاگتے جاتے تھے اور سہمی ہوئی خوفزدہ نگاہوں سے مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتے جاتے تھے کہ جنگلی کتے کہیں ان کا پیچھا تو نہیں کر رہے ہیں یہاں تک کہ ان میں اور اس خوفناک مقام میں بہت ہی جلد قریب آدھ میل کا فاصلہ ہو گیا!!!

. . . .

. . . .

. . . .

آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر خونخوار جنگلی کتوں کی ہولناک دعوت ختم ہو گئی اور جس مقام پر ڈاکٹر شیرازی سانپ کے بلوں میں لیٹا ہوا درخت سے گرا تھا وہاں اب صرف خون میں لگا ہوا ایک عبرت انگیز ہیبتناک انسانی ڈھانچہ رہ گیا تھا اور کچھ خون آلود بچے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑے اور چند متفرق ہڈیاں ادھر ادھر بکھری ہوئی... اور بس... اس ڈھانچے میں ایک بچا ہوا چہرہ اور کھوپڑی خاص طور پر نمایاں تھی جس کا منہ ایک مہیب انداز سے کھلا ہوا تھا اور اس کے لمبے لمبے خون میں لتھڑے ہوئے دانت عجیب وحشتناک طریقے سے نکلے ہوئے تھے!!..... وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے ہم گواہ ہیں زندگی کی بے ثباتی کے ہم گواہ ہیں... گناہوں کی پاداش کے ہم گواہ ہیں منتقم حقیقی کے

غضبناک عذاب کے! ہم گواہ ہیں اس کے ہیبتناک انتقام کے!!.....

. . . .

پچپنواں باب

کشور کہاں ہے

آدھ میل تک دوڑنے کے بعد انور و غیرہ دم لینے کے لئے رک گئے اور دم لینے کے بعد پھر دوڑنے لگے اور قریباً ڈیڑھ میل تک اور دوڑتے چلے گئے... جب انکی سانس ذرا درست ہوئی اور وہ باتیں کرنے کے قابل ہوئے تو انور نے کہا ممتاز! میرے دل کی تو اس وقت عجیب حالت ہے!! خدا ہر ایک کو اپنے عذاب سے بچائے!!.... توبہ! توبہ..... میں تو اپنی آنکھوں سے کبھی ایسی عبرتناک موت نہیں دیکھی اور خدا کرے کہ کبھی دیکھوں!!.... کون کہتا ہے کہ دنیا میں اعمال کا صلہ نہیں ملتا؟.... کون کہتا ہے کہ اسی زندگی میں گناہوں کا بدلہ نہیں ملتا؟.... ملتا ہے اور ضرور ملتا ہے!!..... صرف فرق یہ ہے کہ کبھی خدائی غضب کا کوئی دیکھنے والا ہے کبھی نہیں ہوتا!!.... کبھی کوئی اسے سمجھتا ہے کبھی نہیں سمجھتا!!

ممتاز۔ اگر ایسا نہ ہو تو نظام عالم تمام درہم برہم ہو جائے اور خدا کی خدائی پر دنیا کا اعتقاد فنا ہو جائے!! اب یہی دیکھو کہ وہ شخص چند ہی گھنٹے ہوئے غرور و تکبر سے بدمست تہ خانے میں مدہ و درگور کرکے نکلا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس نے تمہارا کام تمام کر دیا اور دنیا میں اس سے زیادہ خوش قسمت اور بیدار بخت کوئی نہیں۔ اس کا گوشت اس وقت جنگلی کتے ہو سکے

بدن سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں اور اس کی بچی ہوئی لاش بے گور و کفن پڑی ہے اور تم ماشاء اللہ صحیح سلامت یہاں موجود ہو!! اس سے عبرتناک خدائی فیصلہ اور کیا ہو سکتا ہے؟؟؟! مگر ہاں انسان کو خدا کی ذات اور اس کے انصاف پر ایمان کامل ہونا چاہیئے ایسا ایمان جس میں شک و شبہ نہ ہو۔ ایسا ایمان جو دل میں اسی قدر مضبوطی سے جاگزیں ہو جیسے یہ خیال کہ کل صبح کو مشرق سے آفتاب نکلے گا اور شام کو مغرب میں غروب ہوگا!! خرابی یا اس کے انصاف میں نہیں ہے..... خرابی ساری ہمارے ہی ایمان ہمارے ہی خیالات ہمارے ہی اعتقادات میں ہے '.....

جگدیش :۔ بھئی ذرا آگے بڑھتے چلو! ٹھہرو نہیں!! کہیں وہ کتے ادھر نہ آتے ہوں!!

انور :۔ (یک بیک یاد کر کے) اور ممتاز میں اس سب میں یہ بھول ہی گیا کہ کشور بھی تو ڈاکٹر شیرازی کے ساتھ تھی مگر ڈاکٹر شیرازی تو وہاں اکیلا تھا؟ پھر کشور کو اس نے کہاں چھوڑ دیا؟ کشور کیا ہوئی؟ کشور کہاں گئی؟.... جب جنگلی کتوں نے ڈاکٹر شیرازی پر حملہ کیا تھا اس وقت تو کشور بھی ضرور اسی کے ساتھ ہو گی۔.. پھر کشور کہاں چلی گئی؟... ڈاکٹر شیرازی تو غالباً گولیاں چلاتا ہوا بھاگا اور بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا... مگر کشور.... آہ کشور!... اور جنگلی کتے!!... ہائے کشور کا کیا حشر ہوا ہوگا؟.... ممتاز.... ممتاز.... میری کشور.... میری کشور...... وہ بچی کہ نہیں بچی!! وہ صحیح سلامت نکل آئی یا اس کو بھی۔

. . . .

یہ کہکر انور ایک دل رمیدہ دیوانہ وار انداز سے ممتاز کے گلے میں باہیں ڈالکر اس سے لپٹ گیا اور اس کی آنکھوں سے چلتے ہوئے آنسو جاری ہو گئے۔
ممتاز کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا آئے مگر اس نے ضبط سے کام لیا اور انور کی پیٹھ کو محبت بھرے انداز سے تھپک تھپکا کر کہنے لگا۔ پیارے انور۔ ہراساں نہ ہو!!

خدا کے رحم و کرم اور اس کے انصاف سے نا امید نہ ہو!... جو ڈاکٹر شیرازی کا حشر ہوا ہے وہ کشور کا نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کے انصاف سے بعید ہے!! وہ بڑا کارساز ہے اس نے کسی نہ کسی حکمت سے کشور کو ضرور بچا لیا ہو گا! انشاء اللہ انور روؤ نہیں! گھبراؤ نہیں!! اب اچھا ہی اچھا ہو گا!!... خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو... وہ بڑا حلیم، بڑا رحیم ہے!! اور اس سے بہتر کوئی نگہبان نہیں!! وہ اپنے دشمنوں پر بھی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔ کشور ایسی پیاری اور پاک دامن لڑکی کو اپنے رحم و کرم سے محروم نہ کریگا...“ اسی قسم کے اطمینان بخش الفاظ سے ممتاز نے ودل شکستہ انور کی دلجوئی کی... رفتہ رفتہ جب ذرا انور کا غم ہلکا ہوا اور ممتاز نے اس کے دل میں کچھ سکون و اطمینان پیدا کر دیا تو اس نے کہا۔ ممتاز کچھ بھی ہو کشور کی تلاش جاری رکھنا چاہیئے... اگر خدانخواستہ کشور نہ ملی تو پھر مجھ سے بھی تم ہاتھ دھو بیٹھنا!! کشور کے بغیر میری زندگی صرف مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہو جائیگی!!“

ممتاز:۔ نہیں! نہیں!! انور! تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ انشاء اللہ کشور کا پتہ بہت جلد لگ جائیگا۔ وہ یہاں سے تین ہی چار میل کے اندر ہی اندر ہو گی اور وہ خود بھی ہم لوگوں کی تلاش میں ہو گی... دیکھو! ابھی ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔ جگدیش تم اپنے آدمیوں کو بلانے کی سیٹی بجاؤ اور جلد سے جلد سب آدمیوں کو جمع کرو پھر ایک لمبی سی صف باندھکر کشور کی تلاش کی جائے!! اور اس کو زور زور سے پکارا جائے، وہ ضرور جواب دیگی کیونکہ اس کو بھی ضرور ہم لوگوں کی جستجو ہو گی!!

اس کے بعد ممتاز اور جگدیش آدمیوں کو جمع کرنیکے انتظام میں مصروف ہو گئے! انور نے کہا سب کو جمع کرنے میں تو تمہیں ابھی ذرا کچھ دیر لگے گی۔ میں کیوں وقت ضائع کروں۔ دو سپاہی میرے ساتھ کر دیں نکل جاؤں۔ جہاں جہاں میرا دل کہیگا میں اسے ڈھونڈونگا اور تم لوگوں سے میں سرنگ کے منہ کے پاس دریا کے کنارے پر مل جاؤنگا!! اچھا

خدا حافظ....."

انور دو سپاہیوں کو ساتھ لیکر جنگل کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کشور کو پکارتا جاتا تھا مگر اُسے نہ کوئی جواب ہی ملا اور نہ کشور ملی ... قریب ادھ میل کے بعد ایک جگہ جنگل میں کچھ بن بانس لکڑیاں کاٹتے ہوئے دکھائی دیئے انور نے یوں ہی پوچھا کہ انہوں نے کسی لڑکی کو جنگل میں تو نہیں دیکھا ہے۔ بالکل خلاف امید ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک لڑکی بھاگتی ہوئی پورب سے آئی تھی اور دکن کی طرف گئی ہے۔ ہم سے ذرا فاصلہ پر تھی ہم نے اسے دیکھا مگر شاید اس نے ہمیں نہیں دیکھا!! بہت دور گئی ہوگی تو صرف میل آدھ میل گئی ہوگی، زیادہ نہیں۔

انور نے جلدی جلدی اس لڑکی کا حلیہ پوچھا تو بتانے والے نے سارا حلیہ کشور کا بتایا۔ انور نے دل ہی دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس کی کشور زندہ اور صحیح سلامت تو ہے!!

اب کیا تھا انور نے اس طرف دوڑنا شروع کیا جدھر کشور گئی تھی...... دونوں سپاہی بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لئے!!

...... انور دوڑتا جاتا تھا اور سوچتا جاتا تھا" ممتاز نے کیسی سچی بات کہی تھی کہ خدا کے رحم و انصاف سے یہ بالکل بعید ہے کہ پیاری کشور کا وہ حشر ہو ڈاکٹر شیرازی ایسے شخص کا ہوا.......... واقعی خدا کے وعدے بڑے سچے ہوتے ہیں..... مگر ہم ہی کو ان پر یقین نہیں ہوتا۔

...... ہم ہی شک و شبہ میں پڑ کر اپنا ایمان خراب کئے رہتے ہیں"

چھپنواں باب

غلط فہمی

کشور آزادی حاصل کرنے کی لالچ میں اور ڈاکٹر شیرازی کے منحوس تسلط
سے بچنے کے لئے برابر کچھ دیر تک دم لیکر چلتی اور دوڑتی رہی!! تعجب تھا کہ بیشل اور
بیدم ہو کر کہیں نہ کہیں گر کیوں نہیں پڑی.... گر آزادی کے خیال نے اور ڈاکٹر شیرازی کے
ڈر نے اس میں ایک نہایت ہی غیر معمولی اور حیرت ناک قوت پیدا کر دی تھی....

دوڑتے دوڑتے اس کے دل میں دفعتاً یہ خیال آیا۔ بجائے جنگل کے اگر میں دریا کی
طرف چلوں تو شاید کوئی آتی جاتی کشتی مجھے مل جائے.... یہ خیال آتے ہی وہ دکھن کی
طرف مڑ گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دریا دکھن ہی کی طرف ہے!!

کچھ دیر میں وہ دریا کے بالکل قریب پہنچ گئی اور تھک کر وہ آہستہ آہستہ
چل رہی تھی کہ ایک مرتبہ اس کے کانوں میں آواز آئی کہ کوئی اس کا نام لیکر پکار رہا ہے۔ خوف
کی ایک لہر اس کے سارے جسم میں ہو کر گزر گئی۔ اس کے بدن میں نا امیدی کی سنسنی پیدا
ہوئی.... کیوں کہ وہ سمجھی کہ سوائے ڈاکٹر شیرازی کے اس کا نام اس جنگل میں پکارنے
والا اور ہو ہی کون سکتا ہے..... اور وہی اس کی تلاش میں نکلا ہوگا"

کشور کے دل میں پہلے تو یہ خیال آیا اب ڈاکٹر شیرازی کے تعاقب سے بچنا محال
ہے۔ اب بھاگنے کی کوشش بالکل بیکار ہے اور قریب تھا کہ وہ ہمت ہار کر بیٹھ جائے
مگر یہ قدرت کی عجیب و غریب حقیقت ہے کہ جس طرح انتہائی امید میں ایک ہلکی سی لہر
نا امیدی کی بھی ہوتی ہے اسی طرح انتہائی نا امیدی میں بھی ایک ہلکی سی لہر امید کی پائی
جاتی ہے۔ دراصل انسان کبھی قطعی طور پر مطمئن ہوتا ہے اور نہ کبھی قطعی طور پر نا امید۔

ہوتا ہے۔ اس کی امید نا امیدی اور اسکی نا امیدی میں ہمیشہ امید ہوتی ہے۔
چنانچہ کشور کی انتہائی نا امیدی میں دفعتاً امید کر ایک روشن شعاع پیدا ہوئی اور
وہ اپنے دل سے کہنے لگی اے دل ذرا تھوڑی سی ہمت اور کر!! دریا قریب ہے اس کے
بہنے کی آواز آرہی ہے میں کسی نہ کسی طرح بس کنارے تک پہنچ جاؤں۔ شاید اگر قسمت یاوری
کی تو وہاں مجھے کوئی پار اترنے والی کشتی ملجائے!! اور میں اس شیطان کامل کے
جادو کے دائرے کے باہر نکل جاؤں!!

اس امید کی جانبخش قوت سے اس کا ڈوبا ہوا دل پھر ابھر آیا اور وہ پھر کنارے
کیطرف اپنی پوری طاقت سے دوڑنے لگی!! وہ کیا جانتی تھی کہ وہ انور کی محبت میں
خود انور ہی سے بھاگ رہی ہے۔ اور جنگل میں اس کے نام کا پکارنے والا اس کا دشمن اکبر
شیرازی نہیں بلکہ خود اس کا محبوب انور ہے۔۔۔۔ بالآخر دریا کا کنارا اسے دکھائی دیا۔
.... دریا کو دیکھ اس کا دل کسی نازک سربستہ کلی کی طرح شگفتہ ہو گیا!! وہ اس کو
اس کی امیدوں کی دریا نظر آیا۔ اور اس کا کنارہ اسے امید کا دل افروز ساحل دکھائی
دیا!! اس کی پیاس کی شدت کی کوئی حد اور انتہا نہ تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے
پڑ گئے تھے...... اس کی زبان تالو سے لگ گئی تھی!! پانی دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا۔ وہ
دوڑی اور دوڑتی ہوئی کنارے پر پہنچکر اور اپنے کانپتے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں
پانی بھر بھر کر ایک عجیب اضطرابی کیفیت کے ساتھ پینے لگی اور دیر تک پیتی رہی
اسے کچھ اندازہ نہیں ہوا ہے کہ وہ اپنی بے صبری میں کس قدر پانی پی گئی!!

پانی بہت ہی ٹھنڈا اور خوش ذائقہ تھا۔ پانی پی کر اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اسکی
آنکھیں کھل گئیں۔ جیسے وہ بیہوشی سے ہوش میں آگئی۔ جیسے اس کے سارے
جسم میں ایک تازہ قوت ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔..........

اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا۔ مگر دو ہی سکنڈ کے بعد ایسی آواز

سنائی دی۔ صاف کوئی اس کا نام لیکر پکار رہا تھا.... اور پکارتا ہوا اس کیطرف آرہا تھا.... کنارہ دریا کی سطح سے بہت اونچا تھا۔ کشور خوف اور گھبراہٹ سے دریا کے ساحل کے آغوش میں دبک کر بیٹھ گئی۔ اس امید موہوم پر کہ شاید اگر کوئی کنارے پر آکر کھڑا بھی ہو جائے تو اُسے نہ دیکھ سکے!! .. ...

پھر وہ دل کے انتہائی خلوص اور بیحد خشوع و خضوع سے یہہ دعا مانگنے لگی.. اے خدا... تو مجھے بچالے.... مجھے اس شیطان مجسم سے نجات دیدے... اور مجھے میرے انور سے ملا دے اے خدا.. تو سب کی سنتا ہے... کیا تو میری نہ سنے گا"

کچھ عرصے تک کشور ہاتھ جوڑے آنکھیں بند کئے اپنے پرخلوص دل کی انتہائی گہرائیوں سے اپنے خدا سے دعا مانگتی رہی۔ دعا مانگنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اتفاق سے اس کی نظر دریا کے کنارے کے نیچے کی طرف گئی......

جو کچھ اس نے دیکھا اسے دیکھ کر اس کا دل فرط مسرت سے اچھل پڑا.. کچھ دیر تک تو اسے یہ بدگمانی رہی کہ اس کی آنکھیں اُسے دھوکہ دیرہی ہیں اور یہ اصلیت نہیں بلکہ خواب ہے.... اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی کشتی اس سے قریب تیس یا چالیس گز کے فاصلے پر دریا کے کنارے سے لگی ہوئی پڑی ہے!!......

اس کے دل میں خوشی کی لہریں مارنے لگی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کنارے کنارے دوڑتی ہوئی اس کشتی تک پہونچ گئی... وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی کشتی تھی جس میں زیادہ سے زیادہ صرف دو آدمی بیٹھ سکتے تھے.... غالباً کوئی بن مانس اس پر بیٹھ کر اس پار اترا تھا اور کشتی یہیں چھوڑ کر جنگل میں لکڑی کاٹنے چلا گیا.... کشور فوراً کشتی میں بیٹھ گئی ڈانڈا کو کنارے سے ٹیک کر کشتی کو پانی میں اس نے ڈھکیل دیا۔ کشتی بہت ہلکی تھی.. پانی میں آسانی سے چلی آئی اور آہستہ آہستہ بہاؤ پر بہنے لگی.....

برسات کا زمانہ تھا۔ دریا خوب بڑھا ہوا تھا.. پانی تیزی سے بہ رہا تھا۔

مگر کشور کو ان باتوں کا کہاں خیال تھا۔۔۔ اس پر تو اس وقت صرف ڈاکٹر شیرازی سا خوف مسلط تھا۔۔۔ اس کو تو اسوقت صرف ایک ہی خیال تھا وہ یہ کہ جسطرح سے بھی ہو وہ اس کے تعاقب سے بچ جائے۔۔۔۔ دل میں یہ خیال گذرا۔ ادھر جنگل ہے اُدھر جنگل ہے اور بیچ میں یہ دریا ہے!!! آخر کہیں تو یہ دریا جنگل سے نکل کر کسی آبادی کے کنارے پہنچیگا۔ کوئی تو اس آبادی میں ایسا ہوگا جو میری پکار پر مجھے بچانے کو چلا آئیگا اور بچا لیگا اور بمبئی پہنچا دیگا۔۔۔ آہ بمبئی۔۔۔ بمبئی تو میرے لیئے ایسا ہو گیا جیسے کسی گنہگار کے لئے بہشت!!

۔۔۔۔۔۔ یا اللہ جہاں تو نے میری اتنی دعا قبول کی ہے کہ خلاف اُمید مجھے کشتی مل گئی وہاں یہ دعا بھی قبول کر لے کہ میں صحیح سلامت بمبئی پہنچ جاؤں!!۔۔۔۔

اور اے خدا تو مجھے میرے انور سے ملا دے!!۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کشتی بہاؤ پر بہتے بہتے قریب دریا کے بیچ میں پہنچ گئی۔ یہاں پانی کا دھارا تھا اور پانی نہ صرف بہت گہرا تھا بلکہ بڑی تیزی اور زور سے بہہ رہا تھا۔ کشتی بھی تیزی سے بہنے لگی۔۔۔۔ کشور کو دریا کی گہرائی پانی کی تیزی اور لہروں کی تڑپ دیکھکر ڈر معلوم ہونے لگا۔ ڈانڈے سے کوشش کی کہ کشتی کو دھارے میں سے نکال کر کنارے کے قریب لیجائے مگر یہ اکل میں بہارا سوچ تھا کہ اس نے ڈانڈے اپنے ہاتھ میں لی تھی کنارے کیطرف کھینچنے کی کوشش میں دھارے کی تیزی کی وجہ سے ایک مرتبہ جو کشتی ڈگمگائی تو گھبراہٹ میں کشور کے ہاتھ سے ڈانڈا چھوٹ گئی اور پانی میں گر گئی اور کشتی سے کچھ دور پانی میں وہ بھی بہنے لگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب تو بیچاری کشور کے دلمیں ڈر سمانے لگا اور وہ سوچنے لگی "یا اللہ اب کیا ہوگا اب تو میری زندگی اور موت اس دھارے کے رحم پر منحصر ہے۔۔۔ دیکھو سوچ کی مگر دھارے کا رحم اور اسکی بے رحمی کیا؟۔۔۔ نہیں میری زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی مرضی پر اس کا

انحصار ہے!!.....

.....کس کا شعر ہے ... شاید خسرو علیہ الرحمہ کا ... مگر کیا پیارا شعر ہے اور کس قدر میرے حسب حال ہے!!

ناخدا در کشتی ما گر نباشد گو مباش
ما خدا داریم مارا ناخدا درکار نیست

کشتی دھارے پر تیزی سے بہہ رہی تھی۔...کشور اپنے خدا پر توکل کئے اداسی سے اُمید لگائے خاموش بیٹھی تھی۔ نیچے کو دریا کے اُبلتے ہوئے پانی کی طرف جب نظر ڈالتی تھی تو اسکے دل میں ڈر سمانے لگتا تھا اور جب اوپر وہ آسمان کو نظر اٹھا کر دیکھتی تھی تو اسکے دل پر اطمینان و سکون کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی!!

ستانواں باب
ہولناک بشارت

انور مع دونوں سپاہیوں کے دوڑتا ہوا دریا کے کنارے پر پہنچا اسکا خیال تھا اور نہ معلوم کیوں کہ کشور دریا ہی کی طرف دوڑتی ہوئی گئی۔.... کنارے پر پہنچتے ہی جو اسنے دریا کیطرف نظر ڈالی تو اُسے قریب دو فرلانگ پر ایک کشتی نظر آئی اور اس نے دیکھا کہ اس کشتی پر کوئی عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ اور بظاہر وہ کشور ہی کی طرح ہے۔ جلدی سے اُسنے اپنی جیب سے دوربین نکالی اور غور سے دیکھنے لگا کہ کشتی پر کون ہے.......

پہلے ہی نظر میں اسے یقین ہوگیا تھا کہ کشتی پر کشور ہی ہے۔ مگر دوربین سے

دیکھنے کے بعد اسے یقین کامل ہو گیا........

اس کی خوشی۔ اس کے خوف۔ اسکے اضطراب کی کوئی حد نہیں تھی۔ خوشی اسکی کہ کشور کو اس نے بالآخر دیکھ لیا۔ خوف اس کا کہ کشور کشتی میں اکیلی ہے اور دریا بہت زور پر ہے...... اضطراب اس کا کہ وہ کشور تک کس طرح پہنچ جائے.....

بغیر سوچے ہوئے اُس نے کنارے کنارے کشتی کی طرف نہایت ہی تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ سپاہی اسکے بہت ہی پیچھے رہ گئے۔......

تھوڑی دیر میں انور کشتی کے برابر ہو گیا۔ دریا کا پاٹ قریب دو فرلانگ تھا اور کشتی کنارے سے قریب ایک فرلانگ پر تھی.......

اس نے کشور سے پکار کر کہا کہ کشتی کنارے پر لے آئے... کشور نے انور کو پہچان لیا۔ پہلے تو اسکے دل میں بیحد اور بے حساب فوری خوشی کا ایک خوبصورت رنگین فوارہ بلند ہوا۔ خوشی کی خود فراموشی میں اسکے دل میں دو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ کشتی سے دریا میں کود پڑے مگر اس نے اپنے آپکو روک لیا۔ اور پھر اپنی بے بسی پر وہ تڑپ گئی۔ ہائے انور مجھے ملو بھی تو کب اور کس طرح؟..... اور یہ اور کوئی نہیں بلکہ میرا انور ہی تھا جو مجھے پکار رہا تھا۔ آخر میں نے اس کی آواز کیوں نہیں پہچان لی؟...... مگر میں کس طرح پہچانتی؟ میں نے انور کو کبھی کسی کو اسطرح پکارتے ہوئے سنا ہی نہ تھا۔ اور علاوہ اسکے مجھے اسکا وہم و گمان ہی نہ تھا کہ اس جنگل میں بجز ڈاکٹر شیرازی کے میرا انور بھی ہو سکتا ہے!!..... ہائے اب میں کیا کروں؟ مجھ سے تو کچھ ہو بھی نہیں سکتا اُف میں کیسی بے بس ہوں!! ڈانڈا بھی پانی میں گر پڑی!!! اگر وہ ہوتی تو شاید اس وقت مجھے کام آتی!!..... ہائے اللہ..... اب میں کیا کروں....." جواب میں اس نے انور کو پکار کر کہا "ڈنڈا پانی میں گر گئی ہے۔ میں کسطرح کنارے کی طرف کشتی لاؤں؟" انور نے دلاسا دیکر کہا کچھ ہرج نہیں میں ابھی اسکی تدبیر کرتا ہوں۔ گھبراؤ نہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے!!

انور شکاری کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ یعنی بڑے موزے، نکر، قمیص اور کوٹ اسے اور کوئی بات تو سوجھی نہیں۔ اسکی سمجھ میں اسوقت بس یہی آیا کہ وہ دریا میں کود پڑے اور تیر کر کشتی پر پہنچ جائے اور پھر کشتی کو پکڑ کر کشتی کسی طرح کنارے پر لے آئے!!

وہ دریا میں کودنے کے لئے اپنے جوتے۔ موزے اور کوٹ اتار ہی رہا تھا کہ ایک آدمی جو اسی جنگل کا باشندہ تھا اور جو کنارے کنارے پچھم کی طرف سے آرہا تھا پاس سے ہو کر گزرا۔ وہ پہلے ہی سے کشتی دیکھ چکا تھا۔ اور اب اس نے انور کو دریا میں کودنے کی غرض سے کپڑے اتارتے ہوئے دیکھا تو اس نے قریب آکر اپنی خاص بان میں اس سے کہا جس کا مفہوم یہ تھا۔ یہ تم کیا کر رہے ہو!! کیا دریا میں کودنا چاہتے ہو!! کہیں ایسی غلطی نہ کرنا نہیں تو بہت پچھتاؤگے!!

انور:۔ کیوں پچھتائیں گے کیوں؟

وہ آدمی:۔ اس لئے کہ یہاں سے قریب ایک ہی میل کے بعد دریا کا جھرنا ہے قریب بیس بارہ ہاتھ پانی نیچے گرتا ہے اور اسوقت برسات کی وجہ سے دھارا بہت تیز ہے اگر تم دھارے میں بہ گئے تو پھر دریا کے جھرنے پر پہنچکر تمھاری ہڈی پسلی کا کچھ پتہ نہ چلیگا!!! اور دیکھو وہ کشتی جو بہی جا رہی ہے اسمیں جو عورت بیٹھی ہے اس سے بھی کہدو کہ جلد سے جلد کشتی کنارے پر لگا لے نہیں تو پھر نہ کشتی بچ سکیگی اور نہ وہ عورت!!

انور کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کا دل چلتے چلتے رک گیا۔ اس کو ایک چکر سا آگیا ..... بہت ہی گھبرا کر اس نے پوچھا.....

ٹھیک ٹھیک بتاؤ جھرنا یہاں سے کتنی دور پر ہے!!.......

وہ آدمی:۔ زیادہ سے زیادہ ایک میل پر!..... اس سے زیادہ نہیں۔

انور:۔ (خشک حلق اور زرد ہونٹوں سے) ایک میل؟ صرف ایک میل.....

وہ آدمی:۔ بلکہ اس سے بھی کچھ کم!.....

انور:۔ خدا کے لئے بتاؤ کہ اس کشتی کو بچانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟
..... جلدی بتاؤ۔ کشتی نکلی جا رہی ہے!! .....

وہ آدمی:۔ بڑی مشکل ہے! میں کیا بتاؤں اب تو پرمیشر سے دعا کرو وہی کشتی بچائے تو بچ سکتی ہے! یہ کہہ کر وہ آدمی آگے بڑھ گیا ....

کشتی اس وقت تک قریب نصف فرلانگ آگے بڑھ گئی تھی۔ انور نے ادھر ادھر دیکھا تو دور دور اسے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ کس سے وہ مدد مانگتا؟ کس سے وہ کچھ پوچھتا؟ ....

پانی بہت تیز تھا اور ایک ہیبت ناک آواز کے ساتھ اُبل رہا تھا۔۔ کشتی بڑی سرعت سے بہی جا رہی تھی اور اس پر اسکے دل و جان کی ملکہ کشور تن بہ تقدیر بیٹھی ہوئی تھی!! صرف ایک ہی میل کے بعد وہ خوفناک آبشار تھا ..... اور کشتی اسی طرف تیزی سے دوڑی ہوئی چلی جا رہی تھی۔۔۔ انور کا دماغ چکرانے لگا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے ابھی گر پڑیگا اور بیہوش ہو جائیگا!! دفعتاً اسکے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔

کشور کیساتھ جینے میں تو خیر لطف ہوتا ہی کشور کے ساتھ مرنے میں بھی تو کچھ کم لطف نہ ہوگا۔ کشور کو بچانیکی صرف ایک ہی تدبیر ہے۔ اور وہ بھی بظاہر بیکار سی معلوم ہوتی ہے مگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانے اور خاموشی اور بے بسی سے دیکھتے رہنے سے تو وہی اچھا ہے! تدبیر یہ ہے کہ میں دوڑ کر کشتی کے ایک فرلانگ آگے پہنچ جاؤں اور وہاں دریا میں کود پڑوں اور تیر کر کشتی کو پکڑ لوں اور جس طرح سے بھی ہو سکے تیرتے ہوئے اسے کھینچ کر دھارے میں سے نکال لوں اور پھر کنارے پر لے آؤں ... اگر میں یہ کر سکا تو کیا کہنا اور اگر نہ کر سکا اور آبشار آ گیا تو بھی کچھ ہرج نہیں!! ہم اور کشور اس دنیا کو ایک ساتھ خیرباد کہیں گے!! میں آخری وقت میں کشتی پر چڑھ جاؤنگا اور اپنی کشور کو اپنے سینے سے لپٹا لونگا اور ہم دونوں موت کے منہ میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ایک جان اور

دو قالب ہو کر ایک ساتھ جائینگے؟..... اگر زندگی میں ہم ایک نہ ہو سکے تو کیا! موت تو ہمیں ایک کردیگی!! یہ کیا کچھ کم بات ہے؟..... محبت کی دنیا میں زندگی کا اس سے زیادہ خوبصورت اور بہتر انجام اور ہو ہی کیا سکتا ہے؟ بس! بس مجھے یہی کرنا چاہئے۔ مجھے یہی کرنا چاہئے!! اور سچ تو یہ ہے کہ بجز اس کے اور میں کر ہی کیا سکتا ہوں؟

الور اپنی زندگی میں کبھی اس سے زیادہ تیز نہیں دوڑا تھا۔ بہت ہی جلد وہ کشتی کے برابر ہو گیا اور پھر وہ اس سے قریب ایک فرلانگ اور آگے نکل گیا... یہاں پر دریا کا بہاؤ اور بھی زیادہ تیز اور پر زور تھا۔ جب کنارے پر یہ حال تھا تو دھارے کا کیا ذکر!..... مگر اچھا برا سوچنے کا نہ موقع تھا اور نہ اس سے کچھ فائدہ تھا..... جو کچھ اس کو کرنا تھا وہ تو دل میں ٹھان ہی چکا تھا........

خدا سے ایک مختصر سی دعا مانگتا ہوا اور کلمۂ شہادت پڑھتا ہوا، نور دریا میں کو د پڑا!!..... تیرنے میں اسے خاص مہارت تھی..... کئی مرتبہ مقابلوں میں اسے سب سے اول ہونے کا فخر حاصل ہوا تھا اور متعدد تمغے بھی اسے ملے تھے!! مگر آج کا سا نہ کبھی مقابلہ ہوا تھا اور نہ آج کے انعام سے بڑھ کر کوئی انعام ہو سکتا تھا..........

پانی اسے برف کی طرح ٹھنڈا معلوم ہوا۔ کنارے پر پانی تیز تھا مگر اتنا نہیں کہ نور اسے بغیر زیادہ کوشش کئے ہوئے تیر نہ سکتا..... وہ کشتی کو دیکھتا ہوا سیدھا دھارے کی طرف بڑھا...... جوں جوں وہ دھارے کے قریب آتا جاتا تھا پانی کا زور بڑھتا جاتا تھا اور اگر اس ہاتھ وہ پورب جانب کشتی کی طرف دریا کے بہاؤ کے خلاف بمشکل ایک ہاتھ پیر مارتا ہوا بڑھتا تھا تو پانچ سات ہاتھ پانی کے زور سے وہ پچھم کی طرف یہ بھی جاتا تھا... مگر آج وہ پانی سے نہیں اپنی قسمت سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ آج وہ دریا کی موجوں سے نہیں لڑ رہا تھا آج وہ موت کی مخوف ہونیوالی قوت کا انتہائی دلیری سے مقابلہ کر رہا تھا..... وہ محض ایک حسین نوجوان ہی نہ تھا جو لہروں کے طمانچے

کھار رہا تھا اور ان کو طمانچے مار رہا تھا بلکہ یہی محبت کی معجزنما طاقت کا وہ ایک برقی مجسمہ تھا جو قدرت کی زبردست قوت کو ایک عجیب شاہانہ انداز سے ایک عجیب پاکیزہ مستی سے للکار رہا تھا......

....

....

بہادر انور اُبلتی ہوئی موجوں اور اُمنڈتے ہوئے پانی میں خیر کی شان سے اور مچھلی کی پھرتی اور تیزی سے بیچ دھارے میں دھارے کے خلاف تیر رہا تھا اور پانی چیر چیر کر اپنے لئے راستہ بنا رہا تھا۔!!

کشتی اب اس سے چالیس یا پچاس گز سے زیادہ دور نہیں تھی اور اس دیدہ خوبصورت کشور اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں خوف اور تعجب سے معمول سے زیادہ کھولے ہوئے ایک عجیب عالم وارفتگی میں انور اور اسکی دلیرانہ کوششوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب کشتی بالکل قریب آگئی تو کشور نے انور سے کہا "کشتی پر چڑھ آیئے گر ذرا سنبھل کر کشتی بہت چھوٹی ہے اور دھارا بہت تیز ہے۔" انور نے رُک رُک کر ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ "آگے آبشار ہے!! تین چار فرلانگ پر۔"

کشور:۔ آبشار؟

انور:۔ ہاں۔ آبشار!! دریا۔ بیس پچیس فٹ نیچے۔ گرتا ہے۔"

کشور:۔ (سہمی ہوئی آواز میں) بیس پچیس فٹ۔

انور:۔ ہاں! مگر۔ گھبراؤ نہیں۔ انشاءاللہ۔ ہم بچ جائینگے!"

کشور:۔ بچ جائیں گے؟ کیسے؟ ذرا پانی کا بہاؤ تو دیکھئے!!

انور:۔ ہاں۔ دیکھ رہا ہوں (کشتی کے ساتھ تیرتے ہوئے)

..... کوئی رسی ہے؟

کشور:۔ نہیں۔

انور:۔ تو۔ اپنی ساری میں سے وہ ایک لمبی سی چیٹ پھاڑلو۔ ایک بالشت چوڑی۔ جلدی کرو۔ جلدی۔

کشور:۔ کتنی لمبی؟

انور:۔ یہی ڈیڑھ دوگز!! ایک سرا باندھ دو۔ کشتی میں۔

کشور نے جلدی سے قریب ایک بالشت چوڑا اور قریب دو گز ٹکڑا اپنی ریشمی ساری سے پھاڑ کر اس کا ایک سرا کشتی کے پچھم کے سرے میں باندھ دیا اور دوسرا انور کی طرف پھینک دیا۔ انور نے اسے ایک ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اور کشور سے کہا۔ تم اُسطرف کھینچو۔ ڈرو نہیں۔ کشور نے ایسا ہی کیا۔ کشتی کچھ کچھ اُتر کی طرف مڑنے لگی.....

انور نے ساری کا سرا اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا اور کشتی کے کچھ آگے نکل کر بہاؤ کے ساتھ ساتھ مگر اُتر کی طرف رُخ کئے ہوئے وہ بڑی تیزی سے تیرنے لگا۔

کشتی دھار میں اور بھی تیزی سے بہنے لگی مگر آہستہ آہستہ اُتر کیطرف کچھ کچھ مڑی ہوئی!!..

انور محسوس کر رہا تھا کہ اگر وہ کشتی کو ایک دم سے بالکل اُتر کی طرف موڑنے کی کوشش کریگا تو دھار کی تیزی کی وجہ سے کشتی کے اُلٹ جانیکا شدید خطرہ تھا اسلئے یکبارگی نہیں رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ وہ اُسے اُتر کیطرف لیجانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور اس میں اسکو کچھ کچھ کامیابی بھی ہو رہی تھی!! کشتی ابھی تک منجدھار ہی میں تھی اور اُتر پچھم کیطرف رُخ کئے ہوئے بڑی تیزی سے بہ رہی تھی!! مگر رفتہ رفتہ جتنا کہ آبشار بھی قریب آتا جاتا تھا اور جسقدر وہ قریب آتا جاتا تھا دھار کا زور اور اسکی تیزی اسیقدر بڑھتی جاتی تھی...... کشور کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد زرد تھا۔ وہ دانت بھینچے کشتی کے دونوں کناروں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑے ہوئے.....

سہمی ہوئی مبہوت سی بیچ میں بیٹھی...............

ہو ئی تھی اور کبھی انور کو اور کبھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے بالکل سامنے پچھم کی طرف دیکھتی تھی جدھر آبشار تھا۔ رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ لحہ بہ لحہ کشتی اور آبشار کا درمیانی فاصلہ کم ہو رہا تھا۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔اب تو پانی کے گرنے کا ہیبتناک شور بھی بہت صاف سنائی دیرہا تھا۔

اس ہیبتناک شور کو سُن کر بیچاری کشور کا دل آنیوالی سوچے بھیانک نظارے سے خوف زدہ ہو کر اس کے سینہ میں اس طرح اوچھل اور تڑپ رہا تھا جیسے کوئی بسمل اُچھلتا اور تڑپتا ہے۔

انور کو بھی وہ شور سنائی دیرہا تھا اور اسکے دل میں بھی وہ خفیف سا اختلاج پیدا کر رہا تھا۔۔۔۔ مگر انور کی دلیرانہ ہمت اسی قدر بلند تھی جس قدر کہ پہلے تھی۔ صرف رہ رہ کر اُسے یہ افسوس ہو رہا تھا کہ جو کچھ کرنا تھا وہ اس نے اُسیوقت کیوں نہیں کیا جب وہ کپڑے اُتار رہا تھا۔ اُس نے باتوں باتوں میں اور اپنے طرزِ عمل کے متعلق فیصلہ کرنے میں کشتی کو اس قدر آگے کیوں نکل جانے دیا۔۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں اسی وقت دریا میں کود پڑا ہوتا تو مجھے کشتی کو کنارے پر کھینچ لیجانے کا زیادہ موقع تھا۔۔ اب تو آبشار بالکل سر ہی پر آگیا اور ابھی میں کشتی کو دھارے کے باہر بھی نہیں نکال سکا!!۔۔ یا اللہ اب میں کیسے کشور کو بچاؤں گا!!۔۔۔۔ اے خدا میری مدد کر! میری مدد کر!۔۔۔۔ کیونکہ جس کو تو بچانا چاہتا ہے اُسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔

کشور نے ایک مرتبہ گھبرا کر مضطربانہ لہجے میں کہا "یا اللہ اب کیا ہوگا؟ اب تو آبشار بالکل ہی سامنے آگیا۔۔۔ پانی کے گرنے کی آواز آپ سُن رہے ہیں؟۔۔۔۔

انور:۔ گھبراؤ نہیں۔ کشور گھبراؤ نہیں۔ خدا کو۔ یاد کرو نا خدا کو"

پانی کے گرنے کے شور سے اب کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی اور فاصلہ کشتی اور اس میں مشکل سے ایک فرلانگ باقی رہ گیا تھا۔۔ ۔۔ اور غضب یہ تھا کہ ابھی کشتی دھارے کے کنارے ہی پر تھی اور ساحل سے ابھی وہ کم نصف فرلانگ دور تھی۔۔۔۔۔۔

دریا کے کس حصّہ کو دھارا کہا جاتا کیونکہ اب تو قریب قریب پورا دریا ایک زبردست دھارا ہو گیا تھا

اس میں شک نہیں کہ انور بڑا ماہر پیراک تھا مگر جو مہم اس نے اپنے ذمے کی تھی اس سے زیادہ مشکل اور خطرناک مہم بھی کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر وہ کرتا کیا کرتا۔ بجز اسکے اور کوئی صورت ہی نہ تھی۔ عرصہ تک دریا کی لہروں میں اور اس میں کشمکش ہوتی رہی اور اس کشمکش میں گو انور قریب سوسوا سو گز آگے بڑھ گیا مگر کشتی کو بھی وہ قریب قریب اسّی نوّے گز کنارے کی طرف کھینچ لایا اور اب کنارے سے اور اس سے صرف قریب سو گز کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کچھ کم!!.... لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ دریا کے بہاؤ کے زور کی اب کوئی حد نہیں رہ گئی تھی اور آبشار بھی اب سو گز سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔

انور دل میں سوچنے لگا "لو اب خاتمہ ہوا!! مگر نہیں ابھی میں ہمت نہ ہاروں گا۔ آخری وقت تک کوشش کئے جاؤں گا!!..... لیکن اب کشتی کو کھینچنا ناممکن ہے۔ اب تو اگر کنارے پر پہنچ سکتے ہیں تو صرف تیر کر پہنچ سکتے ہیں!!.... اب تو آخری تدبیر یہی ہے کہ کشور میری پیٹھ پر سوار ہو جائیں اور میں بہاؤ کے خلاف تیر کر کنارے کی طرف نکلنے کی کوشش کروں"

یہ خیال آتے ہی وہ کشتی سے بالکل ملا ہوا تیرنے لگا اور کشور سے اس نے کہا کہ وہ کشتی سے اتر کر اس کی پیٹھ پر لیٹ جائے اور اس کی قمیص کو خوب زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لے......

کشور کسی نہ کسی طرح کشتی سے اُتر کر انور کی پیٹھ پر لیٹ گئی اور اسکی ریشمی قمیص کو اپنی پوری طاقت سے اس نے پکڑ لیا.... کشتی بہ کر آگے نکل گئی مگر انور ایک بڑی طاقتور مچھلی کی طرح لہروں سے لڑتا ہوا۔ پانی کو چیرتا ہوا بہاؤ کا مقابلہ کرتا ہوا اپنے جسم اور جان کی آخری قوت صرف کرتا ہوا تیرنے لگا.......

بڑا سخت۔ بیحد سخت بلکہ مافوق العادت امتحان تھا.... مگر انور کی ہمت اور

قوت قایم رکھنے والا اسکی سچی محبت کا جذبہ اور اس کا خدا پر کامل ایمان تھا.....
سخت کشمکش اور بہت کٹھن آزمائشوں کے بعد کنارہ انور سے پچیس تیس گز رہ گیا
مگر ایثار یعنی بالکل قریب آگیا تھا.... مشکل سے چالیس یا پچاس گز کا فاصلہ
رہ گیا تھا اور پانی کے گرنے کا ہنگامہ خیز شور تھا کہ الحفیظ والاماں!!......
متواتر کشمکش سے انور یکبارگی بہت تھک گیا اور اسکی قوت اسے جواب
دینے لگی اس کی آنکھوں کے سامنے کچھ اندھیرا سا چھانے لگا اور اسکے ہاتھ پیر بے قابو
ہونے لگے وہ اب صرف پانی پر بہہ سکتا تھا مگر ہاتھ پیر مار کر تیرنے سے قریب قریب معذور ہو گیا تھا۔
وہ سوچنے لگا۔ واہ! قسمت کی خوبی تو ذرا دیکھئے کہ میری قوت اور میرے ہاتھ پیر نے
کب جواب دیا....؟ آہ اسوقت جب میں کنارے کے اور کنارہ میرے قریب آگیا۔"

"ناکامیاں نصیب میں آئیں تو کس طرح؟
دل تھک کے بیٹھ جائے جو منزل قریب ہے"

آخری ہمت کر کے انور پانی میں کھڑا ہو گیا اور کشور کو اپنے بائیں ہاتھ سے
اس نے پکڑ لیا اور پانی پر بہنے لگا.......
پھر اس نے ایک عجیب حسرت بھرے لہجے میں کشور سے کہا۔"آہ کشور تمھیں
پیار کر لوں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ۔ اور آخری مرتبہ!"
کشور نے کوئی جواب نہیں دیا مگر انور کے گلے میں اپنی نازک باہیں ڈال دیں
اور اپنے نرم نرم گلابی ہونٹ انور کے سرخ سرخ لبوں پر ایک عجیب پر جوش
خاموشی سے رکھ دئے اور آنکھیں بند کر لیں!!
انور نے بھی اپنی پوری ہی پوری طاقت سے کشور کو اپنے سینے سے چمٹا لیا
اور ایک ایسے ساکت انداز سے جسمیں ہزاروں بیتابیاں پنہاں تھیں اس نے
کشور کے لبوں کا دیر تک ایک پرجوش بوسہ لے لیا۔.........

پانی تیزی سے بہ رہا تھا!.... لہریں تڑپ رہی تھیں! موجیں اچھل رہی تھیں!! اور ہلاکت سامان آبشار کا شور تھا کہ قیامت کو بھی مات کر رہا تھا!!
انور نے انتہائی جوش سے بوسہ لیکر کہا..... پیاری کشور!.... زندگی ختم ہوتی ہے!! اب ہم تم بہشت میں ملیں گے!! کشور نے دبے ہوئے جوش سے جواب دیا" انشاء اللہ۔ مگر انور۔ للتہ مجھے معاف کر دو۔"

انور۔ معافی۔ پیاری۔ کیسی کس بات کی؟"

کشور۔ میری بدسلوکیوں۔ احسان فراموشیوں کی۔

انور نے کشور کو اور بھی مضبوطی سے لپٹا لیا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیکر کہا۔ جانِ انور!! میں نے تو تمھیں اسی دن معاف کر دیا۔ اب معافی کس بات کی؟

....

....

آبشار صرف اب بیس اور زیادہ سے زیادہ پچیس گز رہ گیا تھا.. چند سکنڈ میں یہ فاصلہ بھی کم ہو گیا..... آبشار صرف پندرہ گز رہ گیا......

....

انور اور کشور دو جدا نہ ہو سکنے والی ہستیوں کی طرح ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے اور دونوں نے آنکھیں جذبات کی شدت سے اور ہولناک موت کے انتظار میں بند کر لی تھیں!!......

....

آبشار اب صرف دس گز رہ گیا تھا.... اب صرف نو.... اب آٹھ! اب سات...... اب چھ!..... اب پانچ گز!!......

....

پانی تھا کہ بیرحم استقلال کے ساتھ بے تحاشا بہہ رہا تھا!! لہریں تھیں کہ ان کے
خوفناک اُبال اور باہمی تصادم کا شور آبشار کے وحشت انگیز شور کے ساتھ مل کر
جری سے جری دل میں بھی ہیبت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر کشور اور انور
پر اسوقت ایک عجیب نا قابل بیان سکون اور پُرلذت اطمینان کی کیفیت
طاری تھی!! ان کے خوبصورت اور خاموش چہرے سچی محبت سے ملکوتی انبساط
سے روشن تھے اور ان کا بلیغ معنیٰ خیز سکوت زبان حال سے کہہ رہا تھا۔ ہم
گواہ ہیں انسانی عشق کے انتہائی خلوص کے!! ہم گواہ ہیں وفاداری اور ایثار
کے بلند ترین نقطۂ کمال کے!! ہم گواہ ہیں عورت اور مرد کی سچی ...
... گہری۔ پاک اور بے غرض محبت کے!!!

. . . .

. . . .

. . . .

دفعتاً کوئی چیز انور کے سر سے ٹکرائی ...... یہ ایک درخت کی چھوٹی
سی شاخ تھی پتوں سے لدی ہوئی!! ...... انور نے فوراً آنکھیں کھول دیں!!
اس نے دیکھا کہ اس کے تین یا چار گز آگے دریا اپنے پورے زور و شور کے
ساتھ نیچے گر رہا ہے ... مگر اس کے سر پر ایک درخت کا سایہ ہے اور اس کے
چاروں طرف درخت کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں!!
یہ دریا کے کنارے پر ایک بہت پرانا اور لمبا چوڑا درخت تھا جو گذشتہ رات
کی آندھی میں دریا میں اسطرح گر گیا تھا کہ اسکی کچھ جڑیں زمین سے الگ ہو گئی تھیں اور
اس کی شاخیں جتنی پانی کے اوپر چھائی ہوئی تھیں اسی قدر
پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں!!

انور نے آنکھیں کھولتے ہی بنا سوچے جو بھی شاخ اس کے ہاتھ میں آئی تھی اسے
اپنی پوری طاقت سے پکڑ لیا اور مع کشور کے اس شاخ سے وہ لٹک گیا!!
اتفاق سے اس کا پیر بھی ایک دوسری شاخ سے ٹکرایا جو پانی میں ڈوبی
ہوئی تھی اس نے پہلے اپنا ایک پیر پھر دوسرا اس شاخ پر رکھ دیا اور آدھا پانی
کے اندر اور آدھا پانی کے باہر کشور کو ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا!!
کشور نے بھی آنکھیں کھولیں اور جو شاخ انور پکڑے ہوئے تھا اس نے بھی
اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی۔ اور جس شاخ پر انور کھڑا تھا اس پر وہ بھی کھڑی ہو گئی

. . . .

ان دونوں کے پیروں کے بالکل نیچے ہی دریا گرتے ہوئے درخت کی شاخوں سے
لڑتا اور سر مارتا ہوا اپنے پورے جوش و خروش۔ اپنی پوری خوفناک طاقت
اپنے دل دہلا دینے والے ہولناک شور کے ساتھ ایک عظیم الشان سفید چادر
کی مہیب شکل میں بیس بائیس فٹ نیچے گر رہا تھا۔ مگر انور اور کشور کو نقصان
پہنچانے کی اب اس میں قدرت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

. . . .

کچھ دیر تک تو انور اور کشور کو یہ سمجھنے میں وقت ہوئی کہ وہ واقعی بچ گئے
ہیں تو یہ کہ کسی ان دیکھی قوت کسی غیبی طاقت نے انھیں موت کے منہ سے کھینچ لیا
تھا!!! انور نے کشور سے کہا" ہزار ہزار شکر ہے خدا کا جس نے ہمیں عین وقت پر بچا لیا"
اب بڑی احتیاط سے ایک ایک شاخ پکڑ پکڑ کر اوپر چڑھو اور نیچے نہ دیکھو
میں بھی تمھیں ایک ہاتھ سے پکڑے ہوں گھبرانا نہیں"

. . . .

دریا نیچے غراتا اور شور مچاتا رہا شاید اس کو اس پر غصہ تھا کہ اس کے دو شکار اس کے منہ

سے چھین لئے گئے مگر انور اور کشور نہایت آسانی سے درخت کی ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اور دوسری سے تیسری پر قدم رکھتے ہوئے بہت جلد اسکے تنے تک پہنچ گئے...... درخت کا لمبا چوڑا تنا پانی کے اوپر مثل ایک پل کے پڑا ہوا تھا...... انور کشور کو پکڑے ہوئے اس خداداد پل پر احتیاط اور مضبوطی سے قدم رکھتا ہوا صحیح سلامت کنارے پر پہنچ گیا......

....

کنارے پر پہنچتے ہی دونوں یقینی موت سے رہائی کی بے انداز خوشی اور خدا کے عبرت انگیز فضل و کرم کے احساس سے مغلوب ہو کر سجدہ شکر میں گر پڑے!!

....

یہ بھی قضا و قدر کا ایک عجیب حیرتناک کرشمہ تھا کہ جس آندھی پانی نے جنگل کا ایک درخت گرا کر ڈاکٹر شیرازی کا راستہ بند کر دیا اور اس کو موت کے منہ میں ڈال دیا اُسی آندھی پانی نے جنگل کا دوسرا درخت گرا کر انور اور کشور کو یقینی موت کے منہ سے بچا لیا اور زندگی کا راستہ اُن کے لئے کھول دیا!!......................

خدا کے عدل و کرم کے اُن معنیٰ خیز پر اسرار معجز نما کرشموں کو دیکھتے تو سب ہیں مگر کوئی اُن پر غور کرتا ہے کوئی نہیں کرتا......

کوئی ان سے ہدایت لیتا ہے اور انور اور کشور سلطانہ کی طرح سجدہ شکر ادا کرتا ہے اور کوئی ڈاکٹر شیرازی کی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے نخوت اور غرور سے اپنا سر آسمان سے ٹکرانیکی کوشش کرتا ہوا۔ ذلت اور ہلاکت کے عمیق غار میں جا کر اوندھے منہ گر پڑتا ہے!!!

جلوہ ہر رنگ میں ہے اس بت ہرجائی کا٭ یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا

اٹھاونواں باب

مس ہرزجی اور ڈاکوؤں کے دامن بہت سے معصوموں کے خونِ ناحق سے تر تھے اور مختلف وحشیانہ مظالم سے آلودہ تھے۔ ان کا حشر بھی بہت سبق آموز ہوا کشتیوں پر بیٹھ کر جب اُنھوں نے دریا پار کرنے کا ارادہ کیا تو انھیں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ رات بالکل اندھیری ہے اور پانی برس جانے اور آندھی کے لگاتار جھونکوں سے دریا کے بہاؤ میں قیامت کی تیزی اور طاقت ہے اور اس کی روانی میں ایک عجیب ہیبت ناک شور اور تلاطم پیدا ہو گیا ہے۔ ان کی بدقسمتی سے آندھی کے تند جھونکوں کا رُخ پچھم جانب تھا اور اس سب پر طرہ یہ کہ ہر ایک کشتی پر دس دس بارہ بارہ آدمی لدے ہوئے تھے۔ غلے کے بوروں اور کھانے پینے کے سامان او خیموں اور چھولداریوں کا بوجھ الگ تھا جس سے کشتیوں کی حالت اور بھی خطرناک ہو گئی تھی۔

ڈاکوؤں کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح کشتی کو دھارے کے اس پار نکال لیجائیں مگر انہیں اس ارادے پر عمل کرنے میں سنگین مشکلات کا سامنا تھا۔ اول تو رات کی شدید تاریکی ہی کیا کم تھی۔ اس پر سیاہ ڈراؤنے بادلوں کے ہجوم سے رات سیاہ اور زیادہ گہری اور بھیانک ہو گئی تھی۔ آدمی کو آدمی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور نہ اسی کا کچھ اندازہ ہوتا تھا کس طرف بہی جا رہی ہیں دراصل دریا کا طاقتور بہاؤ اور ہوا کے شدید جھونکے کشتیوں کو پچھم کی جانب سیدھے آبشار کی طرف بہائے جا رہے تھے ہوا اور پانی کے متحدہ زور سے ڈاکوؤں کا گروہ درجہ بدرجہ بے قابو اور بے بس ہوا جاتا تھا

جوں جوں آبشار کا ہولناک شور قریب آتا جاتا تھا ڈاکوؤں کو مہلک خطرے کا احساس قوی تر ہوتا جاتا تھا۔ ان کے دلوں میں ناگہانی اور خوفناک موت کی ہیبت سمائی جاتی تھی وہ

سراسیمہ اور بدحواس ہوتے جاتے تھے اور زوروآور موجوں اور آندھی کے جھونکوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی اور مجبوری محسوس کر کے ان کے ہاتھ ہر لحظہ بہ لحظہ چھوٹتے جاتے تھے۔ دفعتاً اسی تاریکی، وحشت اور خلفشار میں دو کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں اس میں ایک تو کسی نہ کسی طرح سنبھل گئی مگر دوسری کشتی پانی میں بری طرح ڈگمگائی۔ ڈاکو گھبراہٹ میں اسی طرف جھک پڑے جدھر کشتی جھک گئی تھی، کشتی فوراً اُلٹ گئی۔ ڈوبنے والوں کی بے بس کشمکش اور چیخ پکار نے سب ڈاکوؤں کی بڑھتی ہوئی دہشت کو اور بھی بڑھا دیا۔ ان کے کلیجے منہ کو آ گئے رہے سہے حواس جاتے رہے . . . . . . اور کشتیاں بالکل قابو سے نکل گئیں۔ اور پانی کے سیلاب کا مقابلہ ناممکن ہو گیا!! آبشار سر پر آ گیا . . . بس ہر مرجی اور ڈاکوؤں کے خشک حلقوں سے تھراتی ہوئی خوفزدہ چیخیں بیساختہ نکلیں اور باقی چاروں کشتیاں بھی یکے بعد دیگرے آبشار کے وسیع اور وحشت ناک منہ کا نوالہ ہو گئیں . . .

ڈوبنے والوں کی سہمی اور گھٹی ہوئی دردناک صدائیں رات کی کثیف اور بھیانک تاریکی کو چیرتی ہوئی آبشار کے . . . . ہولناک شور میں کچھ دیر تک عجیب فضا میں تھرائیں اور پھر آ کر غائب ہو گئیں . . . .

اگر کسی نے انھیں سنا تو جنگل کے اونگھتے ہوئے دیو صورت درختوں نے یا شب بیدار سبز اور سرخ آنکھوں والے جانوروں یا درندوں نے۔ اور پھر کھولتے ہوئے، ابلتے ہوئے، شور مچاتے ہوئے آبشار کی سیاہ ماتمی چادر نے ان بدکرداروں کو اپنے مہیب اور مہلک دامن میں لپیٹ کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا . . . . . .

دریا ان سب کو چشم زدن میں نگل کر پھر اسی بے پرواہ اور ہنگامہ خیز شور سے بہنے لگا جیسے پہلے بہ رہا تھا۔ گویا پچاس سے زیادہ سرکش، خونخوار، زبردست انسان کی پر ہیجان زندگیوں کا ایک آن واحد میں خاتمہ کر دینا اس کے لئے ایک نہایت ہی معمولی غیر اہم اور غیر دلچسپ کام تھا۔ . . . .

مگر کاش ان ڈوبنے والوں سے کوئی پوچھتا کہ اے ڈوبنے والو ذرا تم تو بتاؤ کہ تمہارے خیال میں تمہاری زندگیوں کی ضرورت۔ اہمیت اور دلچسپی کتنی اور کس قدر تھی؟ . . . .

انسٹھواں باب

ڈاکٹر شیرازی اور اس کے ناپاک گروہ کا قلع قمع ہو جانے سے رحیم بھائی کے خبیث دل کی پلی ہوئی آرزوؤں کو نہایت سخت صدمہ پہنچا۔ یہ حضرت اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے خیالی پلاؤ پکا رہے تھے کہ اگر کسی طرح انور کا خاتمہ ہو جائے تو کشور کی ذات اور اسکی قیمتی جائداد کے ولی مقرر ہو جائینگے انکو ایک سنہرا موقع ہاتھ آجائیگا۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ڈاکٹر شیرازی سے کسی نہ کسی اچھی شرط پر معاملہ طے ہو جانے میں زیادہ دقت نہ ہوگی۔ مگر ڈاکٹر شیرازی نے خلاف امید ملک الموت کی مہمان نوازی کر کے رحیم بھائی کی خوشنما امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

رحیم بھائی کا حریص اور ناپاک دل یاس و ناامیدی کی گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔ مگر ایک دن سوچتے سوچتے اس کے چور دل میں دفعتاً یہ امید افزا خیال پیدا ہوا "میں خواہ مخواہ ڈاکٹر شیرازی کی موت سے ہراساں اور دل شکستہ ہو رہا ہوں . . . در اصل یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ ڈاکٹر شیرازی مر گیا . . . میں تو ابھی زندہ ہوں . . . رہا انور، وہ بچنے کو اتفاق سے بچ تو گیا ہے مگر وہ سخت جان بچ کر جائیگا کہاں؟ کیا میں اس کمینے کو اپنے راستے سے صاف نہیں کر سکتا؟ کیا میں اس زہریلے سانپ کا سر نہیں کچل سکتا؟ . . . . ضرور کچل سکتا ہوں اور نہایت آسانی سے کچل سکتا ہوں۔ میں ڈاکٹر شیرازی کا اب تک دست نگر رہا۔

بے ایمان بڑا عقلمند بنتا تھا مگر اس نے اپنی حماقتوں سے سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ کر رکھ دیا۔ اچھا ہوا جو وہ کمبخت مرگیا . . . کیونکہ میرے لئے اور تنہا میرے لئے میدان بالکل خالی ہوگیا!!! اب میں اور تنہا میں کشور کی ذات اور جائداد سے فائدہ اُٹھاؤنگا۔ اب تو بس میں ہی ہوں!! نہ میرا کوئی شریک کار ہے اور نہ اب میرا کوئی حصہ دار ہے!! اور نہ ہوگا۔ دیکھیں یہ بدذات نابکار۔ انور کیسے میرے پنجوں سے جان بچا کر نکل جاتا ہے؟"

ایک دن رحیم بھائی کے ہمراز دوست شاہ جی ان سے ملنے کو آئے۔ رحیم بھائی نے ان سے مشورہ طلب کیا، اور اپنی خوش تدبیری پر خوب شیخی بگھارنے لگے۔

شاہ جی نے کہا، "معلوم نہیں تم کس بات پر بغلیں بجا رہے ہو۔ مانا کہ تم انور کو اپنے راستے سے صاف کردوگے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انور کی موت کے بعد بھی تم کشور سلطانہ کی ذات اور خاصکر جائداد کے کس طرح پھر ولی مقرر ہو سکتے ہو؟

رحیم بھائی:۔ خوب! او بھئی میرے کشور کا کون قریبی رشتہ دار ہے اور مجھ سے بہتر حق کس کا ہے؟

شاہ جی:۔ جو شخص عدالت کے حکم سے حال ہی میں ولایت سے برطرف ہو چکا ہو اور غبن کے جرم میں سزا کاٹ چکا ہو وہ پھر کیسے ولی مقرر کیا جا سکتا ہے؟ تم بھی کس خیال میں ہو؟ کیا خود غرضی نے تمہیں ایسا اندھا کر دیا ہے کہ موٹی موٹی باتیں بھی تمہیں نہیں سوجھتیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ جج بھی نرا ایک ٹک ہی ہے اور اس کو تمہاری صورت سے لے انتہا نفرت ہے مجھے یہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔

رحیم بھائی:۔ تم تو ہو داہی! اُس مرتبہ مجھ سے ذرا سی چوک ہوگئی۔ بس سارا کام بگڑ گیا۔ اگر میں دس ہزار کی تھیلیاں جج صاحب کے بنگلے پر پہنچا دیتا تو کچھ بھی نہ ہوتا مگر کیا کروں اس طرف خیال ہی نہیں گیا۔ لیکن اب کی مرتبہ یہ فرو گذاشت نہ ہوگی۔ روپیہ پہلے وہاں پہنچا دونگا اس کے بعد درخواست ولایت کی دونگا۔

شنا پرجی: کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا یہ جج رشوت نہیں لیتا۔ مجھے خوب معلوم ہے ۔۔۔ ابھی تین مہینے کا قصہ ہے ایک امین نے اسے پچاس ہزار رشوت دینے کی کوشش کی میں نے سنا ہے کہ اسکی بیوی کے ذریعے معاملہ طے ہو رہا تھا۔ مگر جب جج کو معلوم ہوا اس نے اپنی بیوی کی خوب گت بنائی اور امین صاحب پر مقدمہ قائم کر کے انھیں چار برس کی قید سخت کر دی ۔۔۔ اور تمھیں وہ چھوڑے ہی گا نہیں بس کچا ہی کھا جائیگا۔" یہ سن کر تو رحیم بھائی سناٹے میں آگئے اور انکا چہرہ مایوسی اور بوکھلاہٹ کا قابل دید مرقع ہو گیا۔ وہ دیر تک منہ کھولے شنا پرجی کی صورت خاموشی سے دیکھتے رہے اور جلدی جلدی پلکیں مارتے رہے جتنی کہ وہ اپنی ایک آنکھ سے پلک مار سکتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بڑی دیر کے بعد بولے یار شنا پرجی! یہ تو تم نے بڑی بری سنائی۔ میری تو ساری اسکیم بالکل برباد ہو گئی ۔ ۔ ۔ اب کیا کیا جائے؟ یار تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ میری تو عقل بالکل چکرا گئی!!"

شنا پرجی: میری سمجھ میں تو کوئی ترکیب آتی نہیں۔ اور میری رائے تو یہ ہے کہ تم اب کشور کی جائداد سے ہاتھ دھو بیٹھو اس خیال خام کو اپنے دماغ سے اب نکال ہی دو۔ نہیں تو تم بڑی خطرناک دلدل میں پھنس جاؤ گے!!

اول تو انکو ماننا ہی کوئی معمولی کام نہیں اور پھر اگر بفرض محال تم اس میں کامیاب بھی ہو گئے تو کیا؟ تمھارا مقصد تو تمھیں حاصل ہو سکتا نہیں۔ پھر ایسے شدید خطرے میں پڑنے سے فائدہ؟

رحیم بھائی پھر خاموش ہو گئے۔ اور دیر تک غوطے میں رہے بے بسی کے عالم میں وہ جلدی جلدی پلکیں مارتے رہے اور انکی توحید بینا آنکھ وہ رہ کر پھڑکتی رہی مگر پھر کورسر اور اس میں جو کچھ بھی تھا مفید خیالات سے بالکل خالی رہا۔ بالآخر وہ جھنجھلا کر بولے تو پھر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی آنکھوں سے اور کشور کا شوہر بنتا ہوا دیکھوں

اور خاموش بیٹھا رہوں۔ اگر مجھ کو کشور کی دولت نہیں مل سکتی تو انور کو بھی نہیں مل سکتی!!!
جبتک میرے دم میں دم ہے یہ ہرگز نہ ہونے پائیگا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ حشر تک نہیں ہو سکتا"
شاہ جی:۔ اور اس کے روکنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

رحیم بھائی:۔ اس کے روکنے کا طریقہ میں نکالونگا! یہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے جیل نے بھجوا کر۔ مجھے سب کے سامنے ذلیل و خوار کر کے۔ صاحبزادے انور کشور کے شوہر بنکر اور اسکی جائداد کے مالک اور مختار ہو کر چین سے زندگی بسر کریں۔۔۔ میں ہرگز انکو اسکی اجازت نہ دونگا۔

شاہ جی:۔ مگر غالباً بغیر تمہاری اجازت کے بھی انور چین سے زندگی بسر کرلیگا اور بسر کر رہا ہے۔!!

رحیم بھائی:۔ (بڑے جوش میں آکر) اچھا! اچھا! دیکھا جائیگا! دیکھا جائیگا! اگر میں کچھ بھی نہ کر سکا تب بھی خدا کی قسم بہت کچھ کر ڈالونگا۔۔۔۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟ آئندہ کے واقعات شہادت دینگے کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا ہوں۔۔۔

اس وقت رحیم بھائی کی آنکھ میں اس زہریلے کوبرے کی آنکھوں کی سی ہولناک چمک تھی جو زخمی ہو گیا ہو مگر مرا نہ ہو اور اس کی آواز بھی اسی خوفناک سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی اور غالباً اس میں اسی قدر زہر بھی تھا۔۔۔۔۔۔

ساٹھواں باب

ممتاز نے عذرا مرحومہ کے مزار پر سنگ مرمر کا ایک چھوٹا سا خوبصورت مقبرہ بنوا دیا تھا۔ عذرا کی قبر بھی اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کی تھی۔ اس پر قیمتی زرد وزری مخمل کا ایک چھوٹا سا شامیانہ تنا تھا جو چاندی کے پتلے پتلے نقشی کھمبوں پر کھڑا ہوا تھا۔ قبر کے چاروں طرف نہایت خوبصورت چاندی کا کٹہرا بنا ہوا تھا جس میں اندر دکھن اندر باہر جانے کے لئے چھوٹے چھوٹے دروازے لگے ہوئے تھے۔

قرآن خوان صبح و شام تلاوت کلام پاک کرنے کے لئے مستقل طور پر مقرر تھا اور جمعرات کو سیکڑوں غریبوں محتاجوں اور مسکینوں کو بہت اچھا کھانا کپڑا اور نقد روپیہ بطور خیرات تقسیم کیا جاتا تھا۔ ممتاز خود ہفتہ میں کم از کم دو مرتبہ وہاں فاتحہ پڑھنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے جاتا تھا۔ گھنٹوں وہ عذرا کی قبر کے سرہانے خاموش بیٹھا رہتا تھا اور اپنی گذشتہ زندگی اور دنیا اور اسکے ہر شعبہ اور ہر پہلو پر دل ہی دل میں مخلصانہ تجسس سے غور و خوض تنقید و تبصرہ کیا کرتا تھا۔

ایک دن صبح کو قریب ۸ بجے اتفاق سے انور بھی فاتحہ پڑھنے کی غرض سے یہاں پہنچ گئے۔ دیکھا کہ ممتاز عذرا کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت بڑے اور حضوری قلب سے کر رہے ہیں۔ انور فاتحہ پڑھکر خاموشی سے وہیں بیٹھ گیا۔ ممتاز نے کچھ عرصے کے بعد تلاوت ختم کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دیر تک خشوع و خضوع سے آنکھیں بند کئے دعا مانگتے رہے۔ دعا سے فارغ ہو کر ممتاز نے قرآن پاک قریب ہی ایک اونچے طاق پر رکھ دیا۔ پھر انور کو سلام کر کے کہنے لگے۔ "آج یہ امیروں کا گذر ہم فقیروں کی بستی میں کیسے ہو گیا؟"

انور:۔ (مسکراکر) معلوم نہیں کہ ہم میں اور تم میں امیر کون ہے اور فقیر کون ہے۔ کیونکہ امیر اور فقیر محض خیال اور نقطۂ خیال پر ہے۔ اور
ممتاز:۔ (بات کاٹ کر) ہاں سچ کہتے ہو۔ شیخ سعدی بھی کہہ گئے ہیں کہ "تونگری بہ دل است نہ بہ مال"۔ اور انکا اس سے مطلب غالباً یہی تھا کہ تونگری بہ خیال است نہ بہ مال۔ اور حق تو یہ ہے کہ ہماری ہستی یہ دُنیا اور اسکی تمام لذتیں اور عشرتیں بھی محض ایک طلسم خیال ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دُنیا ہے ایک خواب اور حسین زندگی

گویا کہ خواب دیکھ رہے ہم ہیں خواب میں

شکسپیر نے بھی اس موضوع کو خوب ادا کیا ہے کہتا ہے کہ ہم سب اسی چیز کے بنے ہوئے ہیں جس کی خواب کی چیزیں بنی ہوتی ہیں ہم اصلیت کی محض ایک پرچھائیں ہیں تمام عمر حقیقت کے دھوکے میں محض پرچھائیں ہی کا تعاقب کیا کرتے ہیں اور دنیا محض تھیٹر کا ایک اسٹیج ہے مرد اور عورتیں محض تماشہ کرنے والے ہیں اور تماشہ کرنے والے ہی کی طرح ہم سب اسٹیج پر آتے ہیں۔ اپنے اپنے پارٹ کرتے ہیں کچھ کچھ دیر تک شور مچا کر بات پر ٹیک کر قہقہے لگا کر یا آنسو بہا کر چلے جاتے ہیں۔ انور۔ طالب علمی کے زمانے میں میں نے یہ سب پڑھا تھا اور ان جملوں پر وجد کیا تھا مگر اب تو مجھے ان میں ایک ایک جملہ ناقابل انکار حقیقتوں کا عبرتناک مخزن معلوم ہوتا ہے۔ اور میں ان حقیقتوں کو اسی طرح محسوس کرنے لگا ہوں جیسے میں دُنیا کی مادی چیزوں کے وجود کو محسوس کرتا ہوں۔ انور! میں بار بار اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں۔ کیا دنیا بالکل بدل گئی ہے یا خود میں ہی بدل گیا ہوں؟ میں حیران ہوں کہ کیا سمجھوں کیا نہ سمجھوں؟۔

انور:۔ دنیا جیسی آج ہے ویسی ہی ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ بدلنے صرف ہم ہیں اور صرف ہم بدلنے والے ہیں۔ اور ہم کیا بدلتے ہیں در حقیقت یہ ہمارے

• خیالات اور عقائد ہیں جو بدلتے ہیں اور ان کے ساتھ ہم بھی بدل جاتے ہیں اور دنیا بھی
شکسپیر نے کہا ہے نہ کوئی چیز اچھی ہے اور نہ کوئی چیز بُری ہے ....
ہمارے خیالات ہی ہیں جو کسی چیز کو اچھا اور کسی کو بُرا بنا دیتے ہیں۔ کارلائل نے بھی
اسی تخیل کو نہایت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے بیوشن کی دنیا اور نیوٹن کے
کتے کی دنیا ایک دوسرے سے کسقدر مختلف تھیں حالانکہ دونوں کی آنکھوں کے
پردوں پر دنیا کی ہر چیز کا عکس یکساں ہی پڑتا تھا" ہر چیز انسان کی ظاہری
آنکھوں کو یکساں نظر آتی ہے مگر اس کی ماہیت اور حقیقت ہر شخص کے دل اور دماغ
اور اس کے خیالات اور عقائد کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ ہم ہی ایک خوشنما قدرتی
منظر کو دیکھتے ہیں اور دیکھ کر بغیر زیادہ متاثر ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ایک شاعر
اس منظر کو دیکھتا ہے اور وجد میں آکر جھومنے لگتا ہے اور کیسے کیسے بلند اور حسین تخیل اسی
منظر سے پیدا کرتا ہے اور اپنے خیالات اور جذبات کو جو اس منظر سے پیدا ہوئے
منظوم کر کے انکی ایک غیر فانی تصویر ہمارے پیش کر دیتا ہے۔ ہم ایک پتی کو دیکھتے
ہیں مگر کس بے پروائی سے۔ لیکن ایک عارف اسی پتی کو دیکھتا ہے اور پکار اُٹھتا
ہے ع۔ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار۔

مختصر یہ کہ دنیا نہیں بدلتی، بدلتے ہم ہیں اور ہمارے خیالات اور ہمارے عقائد۔ ممتاز
انقلاب صرف تمہارے ہی دل و دماغ میں ہوا ہے۔ دُنیا جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب
بھی ہے۔ دُنیا میں کوئی انقلاب نہیں ہوا۔

ممتاز: سچ کہتے ہو انور۔ بالکل سچ کہتے ہو دنیا نہیں بدلی۔ میں خود بدل گیا
ہوں۔ میری زندگی کے تجربات نے اور سب سے زیادہ پیاری عذرا کی ناگہانی موت نے مجھ
کو بدل دیا۔ اب مجھکو یقین کامل ہے کہ عمل کی پاداش ہوتی ہے۔ ہر عقیدے ہر قول اور ہر فعل کی
جزا اور سزا ہوتی ہے۔ بظاہر ہمیں دنیا کی ہر چیز بکھری ہوئی نظر آتی ہے مگر دراصل ہر چیز دوسری

چیز سے ایک نادیدہ رشتہ میں منسلک ہے اور اس تمام نظام عالم کی قائم کرنیوالی اور چلانیوالی صرف ایک ذات ہے وہ ذات خدائے واحد اور قادر مطلق کی ذات ہے جسکی حکومت اور قادریت سے ہم لاکھ انکار کرنا چاہیں مگر انکار نہیں کر سکتے۔ ایک نہ ایک وقت ہمیں اس کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اسکے سامنے سر تسلیم و بندگی خم کرنا پڑتا ہے۔

دنیا کے تمام فلسفے خواب یا موت ہی سے شروع ہوتے ہیں اور موت ہی پر ختم ہو جاتے ہیں دنیا میں ہر چیز کی قیمت اہل دنیا نے بالکل غلط قائم کرلی ہے۔ اگر تم دنیا کی کسی چیز کی صحیح قیمت جاننا چاہتے ہو تو اُسے کسی موت کے کمرے میں لیجا کر دیکھو وہیں اس کو جانچو اور وہیں اسکی قیمت پرکھو۔ یا کوئی اگر بیان کرنے کے قابل ہو تو کسی ہستی کے بستر مرگ پر پوچھو کہ دُنیا میں فلاں چیز کی کیا قیمت تھی اور کیا قیمت ہونی چاہیئے۔ تم کو اس وقت معلوم ہوگا کہ جس چیز کی تم اور سب لوگ بہت بڑی قیمت سمجھتے تھے اس کی کوئی قیمت ہی نہ تھی اور جس چیز کو تم اور سب لوگ بہت ہی معمولی اور کم قیمت اور حقیر سمجھتے تھے اس سے زیادہ قابل قدر اور بیش قیمت کوئی چیز ہی نہ تھی۔ اصغر نے اسی خیال کو کس ندرت ادا کیا ہے۔

محسوس ہو رہے ہیں بادِ فنا کے جھونکے
کھلنے لگے ہیں مجھ پر اسرار زندگی کے

انور:۔ ممتاز تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ دُنیا میں انسان پیدا ہی کیوں ہوا۔ اور اس کی زندگی کا مقصد حقیقی کیا ہے؟

ممتاز:۔ ہر انسان کا مقصدِ زندگی حقیقی۔ لازوال اور دائمی خوشی کا حاصل کرنا ہے وہ اسی دائمی خوشی کو کبھی شراب و کباب میں اور کبھی رقص و سرود میں تلاش کرتا ہے کبھی حُسن کی لطافتوں میں کبھی عشق کی جراحتوں میں۔ کبھی حواس ظاہری کی لذتوں میں کبھی جنگ و جدل کی ہیجان صعوبتوں میں کبھی کس چیز میں اور کبھی کس

چیزیں ہیں۔ مگر کوئی خوشی دیر تک نہیں قائم رہتی۔ ہر خوشی کچھ عرصے کے بعد زائل ہو جاتی ہے جس میں ابدیت اور مداومت نہیں پائی جاتی۔ دراصل ابدیت اور مداومت مادی خوشیوں میں مل ہی نہیں سکتی اسلئے کہ مادہ خود ہی حادث اور فانی ہوتا ہے۔ ابدیت اور مداومت صرف روحانی خوشیوں میں مل سکتی ہے اسلئے کہ روح غیر مادی اور غیر فانی ہے۔ . . . انسان یکے بعد دیگرے ہر مادی مسرت کو دیکھ کر اس امید باطل پر اسکی طرف تیزی سے لپکتا ہے کہ شاید یہی مادی مسرت اسکے لئے مسرت دائمی ہو مگر ہر دفعہ اسکو سخت ناامیدی اور مایوسی ہوتی ہے۔ . . . اور ہونی بھی چاہئیے کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مادی مسرتیں قدرتاً حادثات اور فانی ہونگی۔ اور سچی اور غیر فانی مسرتیں ہمیشہ غیر مادی یعنی روحانی ہونگی۔

انور۔ لیکن پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ روحانی مسرتیں ہوتی کیسی ہیں اور پھر یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ ان کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

ممتاز: ہر ذی عقل کو ماننا پڑیگا کہ روح اعظم خدا کی برترین ہستی ہے لہذا انسانی روح کی مسرت کا انحصار اسی پر ہے کہ وہ روح اعظم سے ربط لطیف قائم کئے ہو تاکہ روح اعظم میں جو غیر محدود کمالات اور غیر متناہی جمالات ہیں اس سے روح انسانی بہرہ اندوز ہو سکے اور جسقدر یہ ربط لطیف ترقی کرتا جائے گا۔ روحانی خوشیوں کو بھی عروج غیر متناہی اور کمال لازوال حاصل ہوتا جائے گا۔

رہا یہ سوال کہ یہ روحانی ربط کیسے پیدا کیا جائے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دنیا میں جو مقدس ہستیاں روحانیت میں مسلم طور پر معراج کمال حاصل کرنے کی مستقل شہرت پا چکی ہیں ان کی زندگی کے حالات کا غور کامل حاصل کیا جائے اور انکے اقوال و افعال کو مشعل ہدایت قرار دیکر ان کے قدم بقدم چلنے کی خلوص و استقلال سے کوشش کیجائے اور علاوہ اس کے اس زمانے میں اگر خوش قسمتی سے ایسے بزرگ مل جائیں جو روحانیات

میں مشہور و معروف ہوں تو ان سے بھی علم روحانیات حاصل کیا جائے اور ان میں معرفت لیا جائے۔
انور: لیکن آج کل مدعیان روحانیت اکثر گندم نما جو فروش اور گمراہ کرنے والے ہوتے ہیں۔
ممتاز: ہاں ہاں اکثر ہوتے ہیں۔ اسلئے محفوظ ترین لائحہ عمل یہی ہوگا کہ صرف ان ہی گذری ہوئی مقدس ہستیوں کو اور ان کے پیام زندگی کو نمونۂ عمل بنایا جائے جو دنیائے روحانیت میں مسلمہ طور پر درجۂ قبولیت حاصل کر چکی ہیں اور جنکے کارنامے صفحۂ تاریخ پر حروف زریں سے لکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے ان ہی ارواح قدسی کے حالات زندگی اور ان کے اقوال و پیام جو صحیح اور مستند طریقے سے ہم تک پہنچے ہوں کافی اور بہت کافی ہیں ۔ ۔ ۔ ہمیں آجکل کے رنگے ہوئے سیاروں کے دام تزویر میں گرفتار ہو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔
انور: فریب اور دغابازی ہر شعبۂ زندگی میں رائج ہے مگر جس قدر گنجائش فریب اور دغابازی کی مذہب کی آڑ میں ہے کسی شعبۂ زندگی میں نہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

ممتاز: اسی لئے تو کہتا ہوں کہ آجکل کے مدعیان روحانیت کو ہرگز قریب آنے نہ دو جب تک کہ تم ان کو ہزار طریقے سے آزما نہ لو۔ اور بہتر تو یہی ہے کہ ان آدم رو ابلیسوں اور متحرک طاغوتوں کو اپنی زندگی کے دائرے کے اندر قدم ہی نہ رکھنے دو۔
اتنے میں ایک موٹر مقبرے کے باہر آکر رکا۔ اس پر سے کشور راحیل اور سیدہ مقبرے میں چلی گئیں۔
انور: ایں تم یہاں کہاں؟
کشور: بہن جمیلہ سے ملکر جب واپس آئی تو شکور نے کہا کہ آپ یہاں فاتحہ پڑھنے

سے لئے آئے ہیں۔ میرا بھی فاتحہ پڑھنے کو جی چاہا۔ میں بھی چلی آئی۔

ممتاز:۔ (آہ سرد بھر کر) کشتۂ عشق وار و نہ گذارد ت بدنیاں

بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

آج میری عذرا کی روح بہت خوش ہوگئی ہیں اور نور تو یہاں سے تھے

ہی۔ ایک آپ کی کسر تھی۔ آپ بھی آگئیں۔

کشور:۔ ہاں ہاں کیوں نہیں؟ اچھا میں ذرا فاتحہ پڑھ لوں۔ اجازت

ہے یہ کہکر کشور نے دیر تک خلوص دل سے عذرا کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پڑھتے پڑھتے اس پر بے ساختہ رقت طاری ہوگئی! اور بڑے بڑے آنسو ڈھلک کر

اس کے رنگین رخساروں پر بہنے لگے۔ وہ خوب جی بھر کے روئی۔ انور اور ممتاز

بھی اس کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کشور اپنے آنسو پونچھکر وہیں عذرا کی قبر کے پائینتی فرش پر بیٹھ گئی۔ اور محبت کے

انداز سے قبر پر اپنا ایک ہاتھ رکھ کر عجیب معنی خیز اور حسرت آلود نگاہوں سے

عذرا کی قبر کو دیکھنے لگی۔ ممتاز اور نور بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اور اس کی صورت

دیکھنے لگے۔ یک بیک ایک ٹوٹی ہوئی ٹھنڈی سانس لیکر کشور نے مڑ کر ممتاز کو دیکھا

اور کہنے لگی کسقدر دوری ہو جاتی ہے۔! ہم سب ہیں اور ان مرنے والوں میں!!

اور اف! کیسی بے بسی معلوم ہوتی ہے؟ کیسی قابل رحم دل توڑ دینے والی بے بسی؟

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ممتاز صاحب! آخر یہ مرنے والے کہاں چلے جاتے ہیں؟

ممتاز:۔ وہاں جہاں انسانی عقل پہنچ نہیں سکتی۔ جہاں سے سائنس تھک کے

سر پٹک کر پسپا ہو کر واپس چلی آتی ہے۔

کشور:۔ کیا ہم میں اور ان میٹھی نیند سونے والوں میں واقعی بہت بڑا

فاصلہ ہو جاتا ہے؟

ممتاز: نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہے۔ اور وہ ہمارے جسم یعنی ہماری مادیت کی دیوار ہے!! بس یہی ایک حجاب ہے اور کوئی حجاب نہیں۔ موت ہی اس حجاب کو پیدا کر دیتی ہے اور موت ہی اس حجاب کو توڑ سکتی ہے۔۔۔ کشور میں اس مبارک دن کا منتظر ہوں۔ جب میری موت اس حجاب کو توڑ دیگی جو عذرا کی موت نے قائم کر دیا ہے اور میں پھر اپنی عذرا سے مل جاؤں گا۔۔ موت کو عموماً لوگ بڑی سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور بڑے لرزتے ہوئے دل سے اس کا خیال کرتے ہیں۔۔۔ مگر ایک پاک باطن شخص کے لئے موت کیا ہے۔ صرف ایک کثیف لباس کو اتار کر ایک لطیف غیر مادی لباس پہن لینا۔۔۔ یا قفس خاکی سے کسی مقید پرندکا رہا ہو جانا یا ایک خواب پریشان کا ختم ہو جانا اور روح کا یک بیک بیدار ہو جانا۔ یا ایک ہنگامہ خیز شور اور دادوش اور کشمکش کے بعد انسان کا تھک کر سو جانا اور اپنے اعمال کے مطابق اچھے اور خوشگوار یا تکلیف دہ اور ڈراؤنے خواب دیکھنا۔

کشور: مجھے آپکی یہ آخری تشبیہ سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اس مثال میں اور حقیقت میں بہت زیادہ مشابہت ہے!!

انور: برعکس اس کے اس زندگی کا خواب ہونا اور حیات بعد ممات کا حیات حقیقی ہونا مجھے اصلیت سے قریب معلوم ہوتا ہے۔

ممتاز: نہیں۔ میں بھی کشور کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ آخری مثال ہی قریب ترین تشبیہ ہے۔

انور: کیسے؟ میں سمجھا نہیں۔

ممتاز: میں تمھیں سمجھائے دیتا ہوں۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی زندگی یہی ہے اور حیات بعد ممات یعنی دوسری زندگی اس زندگی کا محض ایک نتیجہ۔ ایک عکس۔ ایک نقل ہے۔ جس پلیٹ پر اصل تصویر لیجاتی ہے وہ یہی زندگی ہے۔

اور دوسری زندگی محض ایک نقل یا تصویر ہے جو اصل پلیٹ سے اُتاری جائیگی یعنی جیسے جیسے نقش، اچھے یا بُرے۔ اصل پلیٹ پر آچکے ہیں ویسے ہی اس تصویر یا نقل میں بھی آئیں گے جو اس پلیٹ سے اُتاری جائیگی یہی اور یعینہٖ دُنیا کے ہر مذہب کا عقیدہ ہے۔ یعنی اصل زندگی یا دارالعمل یہی ہے اور دوسری زندگی محض دارالجزا ہے یعنی اس زندگی کے افعال کا نتیجہ یا عکس۔ ۔ ۔ ۔ مرنے کے بعد روح میں کوئی مزید ترقی نہ ہوگی۔ مرنے کے بعد روح اُسی حالت میں رہیگی جس حالت میں وہ مرتے وقت تھی۔ لہٰذا جس پہلو بھی دیکھو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصلی اور ذمہ دارانہ زندگی یہی ہے اور دوسری زندگی محض اس زندگی کا ایک پرتو ہے۔

انور: ۔ مگر ابدی اور دوامی زندگی تو وہی دوسری زندگی ہوگی اور یہ زندگی تو محض عارضی ہے۔ تو کیا جو ابدی زندگی ہے وہ غیر حقیقی ہوگی اور جو عارضی زندگی ہے وہ حقیقی ہوگی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

کشور: ۔ واہ یہ دلیل تو آپ ہی کے خلاف پڑتی ہے۔ ۔ ۔ یعنی جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ چند روزہ زندگی کا نتیجہ ابدی ہوگا تو ظاہر ہے کہ کس قدر اہم اور حقیقی وہ چند روزہ زندگی ہوگی جس کا نتیجہ ابدی ہو اور جس کا عکس یا سایہ غیر متناہی ہو۔

ممتاز: ۔ اور پھر اس زندگی کو حالت بیداری اور حیات بعد ممات کو حالت خواب قرار دینے میں بہت سی گتھیاں عقائد کی سُلجھ جاتی ہیں اور بہت سی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں مثلاً بہشت کے باغ وہاں کی حوریں اور نہریں اور دوزخ کی آگ اور اس کی مختلف اذیتیں اگر سب بالکل جسمانی اور مادی قرار دیجائیں تو عجیب عجیب قسم کی پریشانیوں اور پیچیدگیوں سے اُلجھنا پڑتا ہے تاویلات کرتے کرتے ناطقہ بند ہو جاتا ہے اور بیچارہ ایمان ڈگمگانے لگتا ہے لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ بہشت کی مسرتیں اور دوزخ کی تکلیفیں غیر مادی یا روحانی ہونگی بجنسہٖ جیسی حالت خواب میں ہوتی ہیں تو تمام مشکلیں حل ہو جاتی ہیں اور ساری

گتھیاں سُلجھ جاتی ہیں۔ تاویلات کی ضرورت ہی نہیں باقی رہ جاتی اور ایمان پر بھی کوئی آفت نہیں آتی۔ رہا حالت خواب میں خوشی اور رنج کا احساس تو خواب میں انسان حالت بیداری سے بدرجہا زیادہ ذکی الحس اور سریع الادراک ہو جاتا ہے۔

کشور:- اس میں تو ذرا شک نہیں۔ ہر شخص خود اپنے ذاتی تجربے سے کہہ سکتا ہے کہ خواب میں خوشی کا احساس کسقدر زیادہ ہو جاتا ہے اور تکلیف اور خوف کا احساس بھی کس درجہ قوی ہو جاتا ہے۔

ممتاز:- میں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی نہایت ڈراؤنے خواب کو دیکھتے دیکھتے آدمی کی آنکھ دفعتہً نہ کھل جایا کرے تو یقیناً انتہائی تکلیف یا انتہائی خوف سے اس کی حالت ناقابل بیان ہو جائے۔ . . . .

کشور:- غالباً زندگی میں نیند میں ہر قسم کے خواب دیکھنے میں خدا کی یہی مصلحت پنہاں ہے کہ انسان اپنے تجربوں کی وجہ سے آئندہ زندگی کی حالت کا کچھ قیاس کر سکے اور اسے ایک حد تک سمجھ سکے۔ اگر زندگی میں خواب کا وجود نہ ہوتا تو حیات بعد ممات کا یہ راز سمجھنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا۔

ممتاز:- آپ کے کہنے سے مجھے بھی خیال آیا کہ آدمی اکثر خواب اسی قسم کے دیکھتا ہے جیسا وہ حالت بیداری میں سوچتا ہے باتیں کرتا ہے یا کام کرتا ہے۔ خواب اکثر انسان کی حالت بیداری کی زندگی کے دھندلے یا بگڑے ہوئے عکس ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہماری دوسری زندگی اس زندگی کا اچھا بُرا یا بگڑا ہوا عکس ہوگی۔

انور:- مگر کیا مرنے کے بعد روح ہمارے سوتی ہی رہیگی اور خواب دیکھتی رہیگی؟

ممتاز:- (ہنسکر) نہیں تو میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ روح پلنگ پر لیٹی ہوئی سوتی رہے گی میرا مطلب صرف یہ ہے کہ حیات بعد ممات یہاں کی زندگی کی طرح جسمانی اور مادی نہیں ہوگی بلکہ غیر مادی اور روحانی مثل خواب کے ہوگی اور اس زندگی کی نسبت زیادہ نمایاں اور

اور چیزیں تجربے ہماری اس زندگی کی باتوں چیزوں اور تجربوں سے مشابہ ہونگے صرف فرق یہ ہوگا کہ مثل خواب کے دوسری زندگی میں ہماری حس اور ہمارا ادراک بمقابلہ یہاں کے بدرجہا زیادہ ترقی کر جائیگا یعنی خوشی بھی ہمیں بمقابلے یہاں کے وہاں بدرجہا زیادہ محسوس ہوگی اسی طرح تکلیف اور رنج اور خوف کی کیفیت بھی بمقابلہ یہاں کے وہاں بدرجہا زیادہ روح فرسا اور خلش آفریں ہوگی۔ (مسکرا کر) ہاں یہ نہ سمجھئے گا کہ وہاں سستے چھوٹ جائیگا!!

انور: مگر ممتاز تمہارا یہ نظریہ قرآنِ پاک کی آیتوں کے صریحاً خلاف ہے اس لئے مجھے اسے صحیح ماننے میں تکلف ہے!!

ممتاز: برعکس اس کے میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ اگر اس نظریہ کی روشنی میں آپ قرآن پاک کو پڑھیں گے تو کہیں آپکو بھی کسی قسم کا تضاد یا تناقض نہیں ملیگا بلکہ جیسا میں عرض کر چکا ہوں تمام مطالب بالکل صاف اور ہموار ہو جائیں گے اور تاویلات کی مشکلیں اور الجھنیں بھی سب رفع ہو جائیں گی۔

کشور: (انور سے) ممتاز صاحب میں حرف بحرف آپ کی تائید کرتی ہوں اور یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ اسوقت اگر انور آپکا دعویٰ دمانیں تو یہ ان کی ضد کی ہٹ دھرمی ہوگی۔ مگر اب چلنا چاہئے۔ کافی دیر ہوگئی۔ کھانے کا وقت بھی آگیا میں نے جمیل کو اس وقت کھانے پر بلایا تھا۔ اب وہ آتی ہی ہوگی۔۔۔"

انور اور ممتاز نے بھی اس تجویز کی تائید اور تائید مزید کی۔ اور کشور ممتاز اور انور مختلف موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ایک ساتھ بمبئی کی طرف ایک ہی موٹر پر روانہ ہوگئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

. . . .

. . . .

اکٹھواں باب

اب کون تشنگان حقیقت سے یہ کہے
ہے زندگی کا راز تلاشِ سراب میں

نورجہاں دمہ جبین اپنے والد خان بہادر فخر الدین کے بنگلے پر اپنے سونے کے کمرے کو بند کئے ہوئے مسہری کے اوپر مغموم و مایوس بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی ہاتھ میں ایک خط تھا اور خوبصورت برقی سامان آنکھوں میں گرم گرم آنسو۔

کمرے میں اور کوئی نہ تھا۔ بس وہ تھی اور اُسکا ٹوٹا ہوا زخمی دل چپ چاپ دیوار سے ٹیکنگی لگائے وہ لیٹی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی۔

انور نے کشور سلطانہ سے اپنے دوسرے نکاح اور اصلی شادی کا دعوتی خط خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے بھیجا ہے مگر افسوس لکھتے ہوئے انکو یہ بھی خیال نہ آیا کہ وہ کس کو بھیج رہے ہیں اور کیا بھیج رہے ہیں . . . مرد بھی جب کسی کو نہیں چاہتا تو کیا خود غرض اور بے حس ہو جاتا ہے۔ اس کو اس کا مطلق احساس ہی نہیں ہوتا کہ عورت جو اسکو چاہتی ہے اسکے دل پر کیا گذر رہی ہے اور کیا گزریگی!! شادی بنگلور میں ہوگی اصرار یہ ہے کہ تمہیں ساتھ ہی چلنا پڑیگا میں انکار نہ سنونگا اور اگر تم نہ چلیں تو مجھے بیحد قلق ہوگا۔ وہ مجھے خود آکر ساتھ لیجائیں گے اور اگر میں بنگلور نہ جاؤنگی تو وہ خود بھی نہ جائیں گے۔ واہ! میرا بھی زبردستی!! آہ ع۔ زہر دیں پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا۔

میرے پیارے سنگدل انور!! کیا میں کوئی گلہ شکوہ جو زبان پر نہیں لاتی تو تم سمجھتے ہو کہ میرے بدنصیب دل میں کوئی شکایت ہی نہیں؟ کیا جو میں اب تک زندہ ہوں

تو تم کو یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ مجھکو اپنی بے نمک زندگی بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے اور
مرنے کی مجھے خواہش نہیں۔ کاش تم نے کبھی اس شعر کے مفہوم پہ غور کیا ہوتا۔

نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار تیرے
یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے

آہ شاید زیب النساء کے تمنا بھرے دل میں بھی کوئی ایسا ہی جذبہ ہو گا اسکی
پھیکی بدمزہ زندگی میں کوئی ایسا ہی تلخ تجربہ ہو گا جس نے اس سے یہ پر درد اشعار کہلائے۔

اے آبشار نوحہ گر از بہر چیستی
چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہ کیستی
دردت چہ درد بود کہ چوں من تمام شب
سر را بسنگ می زدی و می گریستی

محبت خود ہی کیا کم تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مگر اُف وہ محبت جس کا کوئی جواب
نہ ملے وہ محبت جسکی کھٹک صرف ایک ہی دل میں ہو۔ وہ محبت جسکی تڑپ کوئی دیکھنے والا
نہ ہو جسکے حرمان نصیب لیلانے کو کوئی تسکین دینے والا نہ ہو۔ جسکے بیکسی کے آنسو بھی کوئی
پوچھنے والا نہ ہو۔ آہ ایسی محبت کی ستم آفرینیوں اور قیامت خیزیوں کا قیاس یا
اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اُف میری بدبخت اور بے غیرت محبت ایسی ہی محبت ہے!!

اپنے لئے نہیں ہے لطف بہار ہستی
داماں آرزو ہے اور خار زار ہستی

کشور کی شادی ہوگی... اور وہ دلہا بنینگے... اور میں دیکھونگی!!! ایسی آنکھوں
سے جن کے آنسو بہتے بہتے خشک ہو گئے ہوں۔ ایسے دل سے جو ضبط غم کرتے کرتے
بے حس ہو گیا ہو۔ قسمت کی ماری! شکست خوردہ! دل رسیدہ زیب النساء نے
شاید میرے ہی دل کی ترجمانی کی تھی۔ میری ہی حالت کی منظوری کی تھی جب اس نے

کہا تھا۔

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نہ شد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد
صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دل من زیب دستارے نہ شد

میں سب کیلئے فرعون بنی ہوئی تھی۔ میرے لئے بھی ایک موسیٰ آگیا۔ میں سب کے دل کو اس بے حسی سے اپنے پیروں سے کچل رہی تھی میرے دل کا پامال کرنیوالا بھی مجھے مل گیا۔ میں سب کی محبتوں کو ایک کھیل۔ ایک تماشہ۔ ایک دلچسپ تفریح سمجھ رہی تھی۔ میری محبت کو بھی ایک دلچسپ تفریح بنانے والا مجھے سبق دینے کیلئے پہنچ گیا مجھے کسقدر ناز کتنا غرور کیسا اعتبار اپنے حسن اور اپنی نگاہ پر تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ دنیا میں کون مرد ایسا ہوگا جو میری ادنیٰ سی توجہ پر اپنا سر میرے قدموں پر نہ رکھدے مگر زمانے کی جفا شعاریاں اور فلک کی پاشیاں دیکھئے کہ میں پڑی تو ایسے شخص کے پالے پڑی جس نے میرے سارے غرور حسن کو خاک میں ملا دیا۔ جس پر میری نگاہ کی سحر کاریاں بالکل ضائع ہو گئیں جس کا دل میری عاجزانہ منتوں اور میری عاشقانہ نیازمندیوں سے بھی ذرا نہ پسیجا اور نہ متاثر ہوا۔۔۔۔۔

یہ ہیں قسمت کی وہ ستم ظریفیاں اور زمانے کی وہ فتنہ کاریاں جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہتی۔ اور نہ خالی رہیگی۔ اور شاید یہی اس دنیا کی دلکشی کا راز ہے!!۔

مومن یوں بھی کسی پہ مرتا ہے کوئی
اس طرح بھی جان سے گذرتا ہے کوئی
اس شوخ کو کیا سمجھ کے دل تو نے دیا
نادان ایسا بھی کام کرتا ہے کوئی

لیکن میں لوری کو خطاوار ٹھہراتی ہوں۔ اسی کے سر سارا الزام اپنی تباہی

اور آشفتہ سری کا رشکی ہوں مگر کیا کبھی میں نے اس معاملے کو انور کے بھی نقطۂ نظر سے دیکھا؟
کبھی میں نے اس پر بھی غور کیا کہ بہت ممکن ہے کہ انور کا اتنا قصور نہ ہو جتنا میں سمجھتی ہوں بلکہ زیادہ
تر تیب میرا ہی قصور ہو! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اصل میں خود کردہ را علاجے نیست کا ندامت انگیز
نقشہ ہو! یہ فرض کر لینا ہی کیسی مضحکہ انگیز حماقت ہے کہ محض اس لئے کہ ہم عورت ہیں اور
حسین ہیں اور ایک مرد کو چاہتے ہیں اس مرد کو بھی ہم پر دل و جان سے فریفتہ ہو جانا چاہیئے
آخر وہ ہمیں کیوں چاہے؟ ہمیں وہ پسند آ گیا اور ہم اسے چاہنے لگے تو پھر کیا ہوا؟ ممکن ہے
کہ اس میں کوئی خوبی نہ ہو اور اسکے لئے مچلنا ہمارے ہی دل اور ہمارے ہی دماغ کی خرابی ہو۔
تو پھر اس حماقت کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اگر وہ اس قابل ہے کہ جو اسے دیکھے اس سے محبت
کرے تو ہم نے وہی کیا جو ہمیں کرنا چاہیئے تھا۔ پھر اس پر ہمارا احسان کیا؟ اور جب
اس پر کوئی احسان نہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ اس سے کسی قسم کا بھی ہم مطالبہ کریں؟
ہمیں ایک پھول اچھا معلوم ہوتا ہے مگر جب درخت کی شاخ پر وہ کھلا ہے وہ درخت ہمارا نہیں ہے جس
چمن میں وہ درخت ہے وہ چمن بھی ہمارا نہیں پھر ہمیں اس پھول کو چرا لینے کا کیا حق ہے؟ اس پر قبضہ
کر لینے کے ہم کس طرح مجاز ہیں؟ ہاں اگر ہمیں اسے دیکھنے ہی کی اجازت مل جائے اس کے حسن سے
محبت بھری آنکھوں کو شاد کر لینے ہی کا موقع مل جائے۔ تو بھی بہت ہے ہمیں قسمت کی
ان ہی چھوٹی اور مختصر رعایتوں کا بہت شکر گذار ہونا چاہیئے۔ اور اگر ہمیں یہ معلوم
ہو جائے کہ یہ پھول کسی اور کا ہے تو شاید ہمارے لئے اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی
بیجا اور نامناسب ہو گا۔ انور ایسا ہی پھول تھا جب میں نے اسے پہلے پہل دیکھا
تھا وہ کشور کا ہو چکا تھا۔ وہ دوسرے کی زندگی کا پھول تھا۔ پھر میں نے کیوں اس پر قبضہ کرنے کی
کوشش کی؟ اور اگر اس پر میں قبضہ نہ پا سکی تو مجھے اس کی شکایت کیوں ہے۔ خیال کیوں ہے
بےچینی کیوں ہے۔ ملال کیوں ہے؟ اگر میں انور سے محبت کر کے اس سے یہ مطالبہ کروں کہ وہ
بھی مجھے چاہے تو کیا یہ ایسا ہی نہیں ہے کہ میں کسی کو خود بخود کوئی چیز دے کر اس سے مطالبہ کروں کہ

وہ مجھے اسکی قیمت دیدے ... یہ تو محبت نہیں ہوئی۔ بانیا کا سودا ہوا۔ دوکان کا لین دین ہوا۔ بنئے بقالوں کا سا مول تول ہوا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ کیونکہ سودا تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایک دینے کو اور دوسرا لینے کو تیار ہو اور سوال صرف قیمت کے طے کرنے کا ہو۔ مگر یہ کیسا سودا ہوگا کہ میں کسی کے ہاتھ کوئی چیز بیچنے پر مصر ہوں وہ کہے کہ اُسے ضرورت نہیں۔ اسپر بھی میں اس چیز کو خواہ مخواہ زبردستی اس کے سر منڈھنے کی کوشش کروں۔ یہی نہیں بلکہ اسکی قیمت کا۔ طالب بھی کروں پھر اگر وہ قیمت نہ دے یا نہ دے سکے تو اسکو بُرا بھلا کہوں اور اپنا سر پیٹوں۔ میرا لالہ رخ کو برا بھلا کہنا اور اپنا سر پیٹنا حقیقت میں ایسی ہی مہمل اور مجنونانہ حرکت ہے!!۔ . . اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس ظالم کو چاہتی ہوں اور بُری طرح چاہتی ہوں۔ میری محبت بڑھتے بڑھتے پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ میری محبت محبت نہیں رہی بلکہ میری زندگی کا ایک قدرتی جزو۔ میری طبیعت ثانی ہو گئی ہے جس طرح مجھے اپنے دل کی حرکت پر قابو نہیں مجھے اپنے دل کی محبت پر بھی قابو نہیں جس طرح میرے دل کی حرکت پر میری زندگی کا دارومدار ہے اسی طرح میرے دل کی محبت پر بھی میری زندگی کا انحصار ہے . . . لوگ کس شدید عقیدتمندی سے پتھر کے بے جان بت کو مرتے دم تک پوجتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ نہیں جانتے تو انہیں جاننا چاہئے کہ وہ پتھر کا بیجان بت نہ انہیں کچھ دیتا ہے اور نہ دے سکتا ہے اور نہ اُسے اُن کی عمر بھر کی روزانہ پرستش کی خبر ہی ہوتی ہے پھر بھی وہ اُسے پوجتے ہیں اور عمر بھر پوجتے ہیں۔ . . . .

اگر میں بھی اپنے خوبصورت زندہ بت کو پوجتی ہوں اور عمر بھر پوجوں حالانکہ میں جانتی ہوں کہ وہ نہ کبھی مجھے کچھ دیتا ہے اور نہ دے سکتا ہے اور نہ اُسے میرے دل کی پرستش کی خبر ہی ہے۔ تو اس میں کیا بُرائی ہے؟ کون مجھ پر اعتراض کر سکتا ہے خصوصاً جب آدھی دنیا اسی قسم کی لاحاصل بُت پرستی میں مبتلا ہے اور پھر بھی اپنی عقلمندی پر اترائی پھرتی ہے . . . .

پتھر کے بے جان بت کو بعض لوگ اس خیال سے پوجتے ہیں کہ پرستش کے لیے کسی ایک چیز
پر دھیان جمانا چاہئیے اور اس کے واسطے ایک مادی مجسمے کی سخت ضرورت ہے چاہے
وہ مادی مجسمہ بے جان ہی کیوں نہ ہو۔

اگر میں بھی اس خیال سے اپنے جیتے جاگتے "حسن کے مجسمہ کی شب و روز پوجا کروں"
تو میری بت پرستی پر ہرگز کسی کو ہنسنے یا نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل نہیں ہو سکتا۔!!!

آخر ممتاز بھی تو مری ہوئی عذرا سے محبت کرتے ہیں؟ پھر کیوں کرتے ہیں اور
کس امید پر؟ اسی امید پر تو محبت کرتے ہیں کہ دوسری زندگی میں انکو انکی عذرا مل جائیگی!!!
تو پھر میں بھی کیوں نہ اُسی امید پر انور سے محبت کروں کہ دوسری زندگی میں وہ میرے
ہو جائیں گے اور یا ہمارا آباد رنگ کے لیے میرے ہو جائیں گے کیونکہ ان کو چند دنوں کے لئے
لینا چاہتی ہیں تو خیر لے لیں۔ مگر اس کے بعد میں انور کو اُن سے لے لونگی اور ہمیشہ کیلئے لونگی۔

اسی دن باجی مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ ابا جان میری شادی کرنا چاہتے ہیں اور
آج کل اُن پر یہ خیال بہت زیادہ حاوی ہے کوئی صاحب حال ہی میں آئی۔ سی۔ ایس
پاس کر کے آئے ہیں کمسن ہیں۔ قبول صورت ہیں۔ دلچسپ ہیں۔ خلیق ہیں۔ خوش اطوار
ہیں۔ مالدار ہیں اور کیا ہیں اور کیا ہیں۔ غرضکہ وہ انسان کامل ہیں۔۔۔ ان ہی سے
میری شادی طے ہو رہی ہے۔ اور سب کچھ طے ہے۔۔۔ صرف منظوری کا انتظار ہے
انکار اور وہ بھی انکار تو مجھے ہی ہے۔ مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ انکار کرنے کی
اصلی وجہ تو میں بیان کر سکتی نہیں تو اب میں ان حضرت ہمہ صفت موصوف پر کون سا
الزام تراش کر انکار کر دوں۔۔۔۔

میں تو انور کی ہو چکی اور دل و جان سے ہو چکی! لہٰذا اب تو سب پر مجھ پر حرام ہو گئی
اور سب مجھ پر حرام ہو گئے۔ پھر علاوہ اسکے میں اپنے دو ٹکڑے کیسے کر سکتی ہوں؟
دل اور سب کچھ اس میں ہے دماغ اور جو کچھ اس میں ہے وہ تو میں انور کو دوں بلکہ دے چکی اور

بھی کبھی بے قیمت ہستی کسی دوسرے کے سپرد کر دوں۔!! یہ کیسے ممکن ہے اور کس قدر یا کس دوسرے
شخص کے ساتھ مرکی ظلم فریب اور نا انصافی ہے۔۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بغیر شہزادہ
ڈنمارک کے ہملٹ کا تماشا کرنے کی کوشش کی جائے یا کسی کو کوئی پھول دیکر اس پھول سے
اس کی ساری خوشبو اور رنگت چھین لے۔!!

اور اگر بفرض محال میں کسی لالچ یا غلط فہمی سے شادی منظور بھی کر لوں تو بعد شادی
کے میری ساری زندگی جھوٹ اور فریب کے ڈرامے کی ایک نہایت کثیف اور مکروہ نقش ہوگی۔
نہیں میں کسی کو دھوکا دونگی اور نہ خود دھوکا کھاؤنگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں حضرت ہمہ صفت موصوف کو براہ راست ایک خط لکھکر نہایت صفائی اور ایمانداری
سے تمام رازوں سے انھیں آگاہ کر دونگی بلکہ انکو صلاح دونگی کہ اگر وہ بالکل پاگل نہیں
ہوگئے ہیں تو انکے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ خود ہی انکار کر دیں اور اس طرح اپنی زندگی کو
ایک خطرۂ عظیم سے بچائیں اور مجھے بھی عمر بھر کیلئے اپنا مرہون احسان بنائیں۔۔
اور کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ بالفرض اگر کسی نہ کسی نہ میرے میں شادی کے شکنجے سے
نہ بچ بھی گئی تو کیا!؟ میں زندگی کا طولانی سفر تن تنہا کیسے طے کرونگی بیچاری زیب النساء کی
طرح؟ کیا میں ایک بدرنگ بدذائقہ زندگی کی تکلیف برداشت کرنیکے بعد کبھی کنواری
رہ کر مر جاؤنگی؟۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ یہ ایک غلط بزدلانہ واہمہ ہے۔۔۔ فرض کرو کہ
میری شادی انور سے ہوجاتی اور چند ہی دنوں کے بعد قضا و قدر کے فرشتے انور کو مجھ
سے چھین لیتے تو میں کیا کرتی؟ کیا میں اپنی ساری عمر حالت بیوگی میں تن تنہا نہ گذار دیتی۔؟
کیا میں تنہائی سے بچنے کے لئے کسی اور سے شادی کر لیتی؟۔۔۔ ہرگز نہیں۔!!۔۔۔۔
نہیں! نہیں!۔۔۔ میں نے طے کر لیا۔۔۔ میں نے اب طے کر لیا۔۔۔ میں ایک سچے
پجاری کی شان سے دنیا کے نکھرے ہین اپنی محبت کے دیوتا کے خیالی بت کی پوجا کرونگی
اس پر اپنے رنگین خیالات کے پھول چڑھایا کرونگی۔ اس کے سامنے اپنی پاک اور

سچی محبت کے بھجن گایا کرونگی۔ اسے اپنی ساری بیپتا اپنے زخمی دل کی درد بھری کہانی سنایا کرونگی۔ اسکے دلفریب خیال سے تنہائی میں کھیلا کرونگی۔ غرضکہ اسی خوبصورت تخیل میں اسی پاکیزہ دھن میں مستانہ وار سفر ہستی طے کرلونگی۔

جینا ہے یہی جینا مرمر کے جئے جانا
امید کا قاتل ہے امید کا بر آنا

میں اسی خوشرنگ امید پر اپنی زندگی کے دن کاٹ دونگی کہ دوسری دنیا میں عاشق کرکے تسکین کرکے۔۔ روز کی تحیل کریں اپنے مہربان خدا سے اپنے اثر کو لے لونگی۔۔۔۔
اور ہمیشہ کیلئے لے لونگی۔۔۔۔ دیکھوں کنوریرے عمر بھر کے ایثار۔ میری زندگی بھر کی پرستش کے مقابلے میں خدا کے سامنے کیا پیش کرتی ہیں۔ یا کر سکتی ہیں؟۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس وقت دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا۔ سروری نے بآواز بلند کہا "نورون نوں یہ کون طریقہ ہے؟ کھولتیں کیوں نہیں۔ کھولو! دروازہ کھولو۔۔۔"
نورجہاں ایک دم سے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی! اور یہ کہتی ہوئی۔ "کھولتی ہوں باجی! کھولتی ہوں" دروازے کی طرف دوڑی۔ اور دوڑ کر جلدی سے اس نے شسکنی کھولدی۔ سروری نے دروازے کو دھکا دیا۔ دونوں پٹ کھل گئے۔

دروازے کے باہر سروری اور اُنکی زندہ دل سہلیاں کملا دیوی اور پریم کنور کھڑی ہوئی تھیں۔ اور تینوں کی تینوں۔ نورجہاں کو شک اور شرارت بھری نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔

سروری:۔ (مصنوعی انداز سے غرا کر اور سر ہلا ہلا کر) اب کمرہ بند کرکے بیٹھنا سیکھا ہے۔۔۔ بھولی بادشاہزادی کیا میں تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ یہ نیا طریقہ تم نے کب سے ایجاد کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔ اور اسکے ایجاد کرنے کی وجہ؟۔۔۔۔۔۔

نورجہاں:۔ (گھبراہٹ ندامت اور لجاجت سے) ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہیں۔
میری باجی۔ سر میں درد تھا۔ یوں ہی ذرا لیٹ گئی تھی کہ نیند آجائے تو اچھا ہو جائے گا۔
اور دروازہ اسلئے بند کر لیا تھا کہ اطمینان سے سو سکوں۔

سروری:۔ اطمینان سے سو سکیں اور آنکھوں میں خدا کے فضل سے نیند کا
کہیں شائبہ بھی نہیں۔؟ مکار کہیں کی ۔ ۔ ۔ باتیں بناتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ہم لوگ
تو سب پاگل خانے میں پیدا ہوئے ہیں نا !! ہم کچھ سمجھتے ہی نہیں !!

کملا: (منہ شرارت سے بنا بنا کر) اور وہ میں کہتی ہوں کہ نیند آئے تو کیسے"
اسکو بھی کیا اور سے کہتے نے کاٹا ہے !!! ارے بہن جہاں سوائے پیارے پتی کے
خیال کے اور کسی کے خیال تک کو بھی آنے کی اجازت نہ ہو وہاں نیند کیسے آسکتی ہے ؟

نورجہاں:۔ (مسکرانے کی کوشش کرکے) ارے تو یہ کسی طرح اندر بھی تو آئے کر دیں
سے کھڑے کھڑے گولہ باری شروع کر دی !! آئیے کمرے میں آرام سے بیٹھیے۔ پھر جو جی چاہیگا
کہنے گا۔ (یہی زبان اپنا منہ ہے۔ کچھ کرائے درائے کی چیزیں تو ہیں نہیں۔ جس
طرح چاہیئے گا استعمال کیجئے گا آپ کو ڈر کس کا ہے ؟"

سب کی سب کمرے میں آکر کرسیوں پہ بیٹھ گئیں۔

پریم کنور:۔ ارے ڈر کیوں نہیں ہے ؟ تمھارے میاں اچھے خاصے جیتے جاگتے
جوائنٹ مجسٹریٹ ہیں کبھی کلکٹر ہو جائیں گے۔ انکی چہیتی بیوی سے کوئی گستاخی کرے
تو نہ معلوم وہ کیا کر ڈالیں۔؟ جیلخانے بھیجدیں۔ پھانسی پر چڑھا دیں۔ جو بھی چاہیں
کریں۔ کوئی ٹھیک ہے۔

کملا:۔ ہاں سچ۔ پریم۔ تم نے خوب یاد دلایا۔ میرے تو جیلخانے اور پھانسی کے
محض خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ ۔ ۔ ۔ تابھی مذاق وذاق ترک کر دونگی۔ ایسے
مذاق سے باز آئی جس میں بیٹھے بٹھائے کالا پانی اور کھڑے کھڑے پھانسی ہو جائے۔

کس کی جان فالتو ہے جو کسی ولایتی مجسٹریٹ کی آئندہ ہونے والی بیوی سے مذاق کرکے اپنی زندگی یا آزادی سے ہاتھ دھوئے۔!!

نورجہاں:۔(مسکراکر) اگر آپ دونوں کو ولایتی مجسٹریٹ اسقدر پسند ہیں تو بسم اللہ میں خوشی سے استعفیٰ دیتی ہوں۔ آپ دونوں آپس میں انکا بٹوارہ کر لیجئے۔ مگر دیکھئے لڑیئے گا نہیں؟ خبردار! اگر لڑیں تم میں دونوں کو ڈسکوالیفائی کر دونگی۔

سروری:۔خوب کہی لڑیں نہیں... بھیکی پڑی ہڈی پر تو رات دن ایسی ویسی لڑائی ہوتی ہے!!.... اور یہ تو کئی ٹن کا ایک مسلم مجسٹریٹ ہے!! اس پر تو یہ دونوں ایک دوسرے کی تکہ بوٹی کر ڈالیں گی۔

پریم:۔(سروری سے) اچھا! اچھا! چلیں اپنی چھوٹی بہن کی طرفداری کرنے۔ گھمنا اپنی ہی طرف جھکتا ہے!! بڑی بیگم صاحبہ۔ اب بہت زبان نہ کھلوائیے۔ خود اندر اندر پیچ و تاب کھا رہی ہیں کہ چھوٹی بہن کی جھٹ پٹ شادی ہوئی جاتی ہے اور انکے منگیتر مسٹر فیروز ڈاکٹری پاس کرنے کے بہانے سے ابھی تک لنڈن ہی میں پڑے ہوئے جھک مار رہے ہیں۔ آخر شادی ہو تو کیسے ہو؟ ہمارا تو بعضے وقت ایسا دل کڑھتا ہے اپنی سروری کے لئے کہ بس کچھ کہا نہیں جاتا۔

کمل:۔(مصنوعی انداز سے طنز میں ڈوبے ہوئے لہجے میں) ہاں۔ سچ مجھے بھی وقت رات بھر اسی الجھن میں نیند نہیں آتی..... توبہ بہن یہ مرد بھی ایسے خودغرضی اور بیوفائی کے پتلے ہوتے ہیں کہ بس رہا نتا ہی کان سے کانے... اور غضب کہتی ہوں۔ ایسی پڑھی لکھی شیطان لڑکی!! اور کس آسانی سے بیچاری فیروز کے جال میں پھنس گئی!!...... طبیعت ہی تو ہے......

سروری:۔ارے چل لڑکی۔ بگ جلتی کے بہانے سے آپ بیتی کہہ رہی ہے کیا کوئی سمجھتا نہیں؟ ابھی اسی دن کی بات ہے ایک خوش قسمت عیسائی کو کمہ لیے دیوی جی

داڑمیپ کی طرح آنسو بہا رہی تھیں اور قلعی گر کی دھونکنی کی طرح آہیں بھر رہی تھیں! دیکھے
تم کیا کہتی ہو؟ میری تو خیر نسبت ہی ہو چکی ہے میں کچھ بھی کروں مجھ پر کوئی حرف نہیں آ سکتا
مگر عشق آرا بیگم آپ ہی کہئے آخر آپ کس قاعدے یا قانون سے اُس خر علیٰ پر جان چھڑک
رہی ہیں جس سے نہ آپ منسوب ہیں اور نہ منسوب ہو سکتی ہیں ....
سمجھتی ہیں بیچاری کہ اُنکی خوش فعلیاں کوئی جانتا ہی نہیں ..... آ ہے ...
ذرا صورت تو دیکھئے صورت! انکی .... چہرہ کیسا سرخ ہو کر اچھا خاصہ بگا ٹماٹر ہو گیا
ہے اور آنکھوں کی کیفیت تو دیکھئے کہ چشمہ والوں میں ادھر نیچے۔ ادھر۔ اُدھر کیسی
بے تحاشا گھوڑ دوڑ لگائے ہوئے ہیں ... چوہا کا دل ہی کتنا؟ ....

نور جہاں :- اے توبہ۔ کملا بہن! .... آخر آپ کی یہ حالت کیا ہے؟ ذرا اپنا
نقشہ تو سنبھالئے نقشہ!! دیکھو تو بیچارہ کس کس طرف بہکا بکھرا چلا جا رہا ہے ...
آدمی عشق عاشقی کا بیڑا اُٹھائے تو پھر کافی مقدار میں بے حیائی بھی سیکھ لے!! ....
بے طرح جھینپ جانے اور ایک رنگ آنے ایک رنگ جانے سے راز محبت خود بخود فاش ہو جاتا ہے

ہوتا ہے راز عشق و محبت انہیں سے فاش
آنکھیں زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں

مریم :- تم دونوں بہنوں نے تو ملکر بیچاری کملا کو بنا ہی ڈالا۔ اس ننھی معصوم سے
تو اب جھینپا بھی نہیں جاتا۔ اے ہے۔ کیا کرے بیچاری نئی چور ہے۔ ابھی پکی نہیں ہوئی ہے۔

کملا :- اور تم سب تو بڑی پکی ہو!! ... ایسی مہارت ہر ایک کو کہاں نصیب
ہو سکتی ہے جیسی تم سب کو حاصل ہے!!

نور جہاں :- دیوی جی محبت کرنا تو بہت مشکل نہیں مگر نازک والوں کی چبھتی
ہوئی تیز نگاہوں سے اسے چھپا لینا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ جہاد اکبر ہے۔ اس کیلئے بڑا
ضبط بڑی سمجھ۔ بڑا صبر اور ہاتھ بھر کا کلیجہ ہونا چاہئے۔

کملا:۔ (پھر حیا آور ہو کر) کیا کہنا ہے۔ اتنی سی عمر میں ہزاروں برس کا تجربہ حاصل کر لینا ان ہی ایسی فتنۂ روزگار کا حصہ ہے!! واقعی اسکے لئے ہاتھ بھر کا کلیجہ ہی نہیں بلکہ کئی ایکڑ کا لمبا چوڑا دل چاہیئے۔!! لیکن۔ ۔ ۔ ۔ ہم غریبوں کے یہاں تجربہ کی یہ بھرمار کہاں؟ تمہارے ایسے تجربہ کاروں سے آخر سیکھتے سیکھتے سیکھیں گے۔

نورجہاں:۔ (کسیقدر شرما کر) آپ مجھ پر کیوں خواہ مخواہ کو ٹوٹ پڑیں۔ میں نے تو کوئی ایسی بات بھی نہیں کہی تھی۔ رہا سوال سیکھنے کا تو آپ کو سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ تو فن عشق بازی میں قدرتی طور پہ ماہر کامل ہیں۔ آپ تو عدم آباد ہی سے سیکھی سکھائی آئی ہیں۔ ۔ ۔ ۔

سروری:۔ تم جانتی نہیں۔ مجھ سے پوچھو ان کی محبتوں کے افسانے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انکی گوناگوں اور روزافزوں محبتوں کیلئے تو جلد سے جلد ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہونا چاہئیے ورنہ انکا وجود ہندوستان کے مردوں کی آبادی کے لئے عرصے سے ایک مستقل شہزادی خطرہ اب تک نہیں ہے تو بہت جلد ہو جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ایک بات بڑے تعجب کی یہ ہے کہ یہ بیچاری مردوں کی بیوفائی اور دغابازی کی بڑی شاکی ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مردوں سے زیادہ بیوفا اور دغاباز خدا کی خدائی میں کوئی مخلوق ہی نہیں۔ نہیں معلوم یہ کیا راز ہے؟

نورجہاں:۔ کیوں کملا بہن۔ کیا مردوں کی بابت آپ کا یہی خیال ہے۔ جو سروری باجی کہتی ہیں؟

کملا:۔ میرا کیا ساری دُنیا کا یہی خیال ہے۔ مرد سے زیادہ ناقابل اعتبار دُنیا میں کوئی ہستی ہی نہیں۔

نورجہاں:۔ اور آپ کو معلوم نہیں کہ مرد عموماً ان ہی سے دغابازی کرتے ہیں جو خود بیوفا اور ناقابل اعتبار ہوتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ اور سچ پوچھو تو بیوفائی نہ مردوں ہی کا

حصہ ہے نہ عورتوں کا۔ بیوفائی اسی کا حصہ ہے جو بیوفائی کرے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت!! دراصل وفاداری اور بیوفائی اپنی اپنی تربیت اور اپنی اپنی ذہنیت یا طبیعت پر منحصر ہوتی ہے!! کسی فرقہ یا گروہ کا خاصہ نہیں!!

آپ مردوں کو بیوفا کہتی ہیں۔ مگر مردوں ہی کے طبقے میں ایسی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جو وفاداری کا روشن ترین ثبوت ہیں۔ جس طبقے میں مجنوں اور فرہاد ایسی ہستیاں گزر چکی ہوں اس کو بیوفا کون کہہ سکتا ہے!! اور آج کل بھی آپ کو ایسے ایسے وفا پرست مرد ملیں گے جن کے سامنے حسین سے حسین عورتوں نے اپنی جذبات محبت کا بے بہا ہدیہ پیش کیا اور پُرنم آنکھوں سے اقرار کیا کہ وہ انکو اور انکے ہدیہ کو قبول کر لیں لیکن انہوں نے مستحکم مگر خوبصورت اور شریفانہ انداز سے انکو اور ان کے ہدیہ کو رد کر دیا اور صرف اس لئے رد کر دیا کہ وہ اپنا دل اور اپنی زبان پہلے ہی سے کسی کو دے چکے تھے حالانکہ ہدیہ محبت پیش کرنے والی عورتیں حسن و خوبی اور دلربائی میں ان عورتوں سے بہت بڑھ چڑھ کر تھیں جن سے وہ محبت اور وفا کا اقرار کر چکے تھے

پریم:۔ نہیں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مردوں کے فرقہ کا فرقہ ہی ایسا ہے مگر اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ان میں وفاداروں کی تعداد بہت کم اور بیوفاؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

نوجوان:۔ اگر مرد بھی پردے میں رہتے ہوتے اور وہ بھی ان ہی قدرتی اور معاشرتی بندشوں میں جکڑے ہوئے ہوتے جن میں عورتیں جکڑی ہوئی ہیں تو وہ غالباً عورتوں سے کہیں زیادہ وفادار ثابت ہوتے۔۔۔ اگر عورتوں کو بھی وہی قدرتی اور معاشرتی آزادیاں حاصل ہوتیں جو مردوں کو حاصل ہیں تو خبر نہیں کہ وہ ایسی ہی پاک و صاف رہتیں جیسی ہیں یا بہن کملا سے بھی سیکڑوں کوس آگے بڑھ جاتیں۔

کملا:۔ میں کہتی ہوں کہ آج تم اس بری طرح سے مرد پرستی پر کیوں اتر آئی ہو!!

نورجہاں: اگر میں مرد پرست ہوں تو صرف اس لئے ہوں کہ میں نے مرد کو عورت پرست پایا

پریم: اتنا تو تمھیں ماننا ہی پڑیگا کہ اگر بیوفاؤں کا شمار کیا جائے تو مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ اور بہت زیادہ نکلیں گی۔

نورجہاں: نہیں تو میرے خیال میں تو شاید ہی انیس بیس کا فرق ہو تو ہو ورنہ سچی بات تو یوں ہے کہ ہر بیوفا مرد کیساتھ کم از کم ایک بیوفا عورت بھی ہوتی ہے یعنی ہر مرد کی بیوفائی میں کم از کم ایک عورت کی شرکت ضروری ہوتی ہے جو اکثر خود بھی کسی مرد سے بیوفائی کرتی ہوئی ہے۔ اس حساب سے جرم بیوفائی اگر عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ نہیں ہے تو کسیطرح کم بھی نہیں ہے اور اس حالت میں جب عورت اس قدر جکڑی ہوئی پابند اور مقید ہے۔ خیال کرتے ہوئے دل لرز جاتا ہے کہ اگر عورت مرد کی طرح معاشرتی قیود اور قدرتی تباحتوں سے آزاد ہوتی... تو وہ کیا کرتی اور کیا ہوتا؟ یورپ اور امریکہ کی موجودہ حالت عورت کی... خوش فعلیوں کا ایک عبرت انگیز نمونہ ہے۔

پریم: تم پر تو آج مرد پرستی کا جن ہی سوار ہے۔ جو جی چاہئے کہو۔ مگر عام خیال تو یہی ہے کہ مرد اکثر بیوفا ہوتا ہے۔ اور عورت صرف کبھی کبھی۔

نورجہاں: یہ عام خیال بھی بالکل غلط منطق کا نتیجہ ہے! ہمارے چند ذاتی تجربوں سے اکثر ہمارے خیالی رنگ جاتے ہیں۔ بلکہ اکثر ہمارے عام خیال چند اور نہایت محدود تجربوں کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ صرف دو ایک مثالوں کی بنا پر ہم ایک عظیم الشان کلیہ تعمیر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے زیادہ جہل کوئی طریقہ استدلال کا نہیں!!

کملا: میں کہتی ہوں کہ آج کیا کمرہ بند کئے ہوئے تم یہی سب سوچ رہی تھیں ایک مرتبہ میں تو تمھارا یہ حال ہو گیا۔ اگر دو چار مرتبہ تمھیں یوں ہی کمرہ بند کرکے سوچنے کا موقع مل جائے تو تم ہم کو اور ہمارے سارے فرقے کو کھلم کھلا گالیاں دینے لگو بلکہ دانت کاٹنے کے لئے دوڑو۔!!

....

پریم:۔ اور لطف یہ ہے کہ حضرت مرد سے ابھی تک انکی شادی بھی نہیں ہوئی صرف بات ہی چیت ہوئی ہے۔ اس حساب سے تو شادی ہو جانے کے بعد بس قیامت ہی آجائیگی۔ دنیا ہی الٹ جائیگی جو کچھ بھی نہ ہو جائے وہ تھوڑا ہے

نورجہاں:۔ (جلکر) توبہ!! شادی شادی کے مارے ناک میں دم کر دیا!! شادی کس کمبخت کی ہو رہی ہے اور کہاں ہو رہی ہے؟ جو تم شادی شادی کئے جا رہی ہو۔

پریم:۔ ارے دل چھوٹا نہ کرو۔ ناامید نہ ہو۔ ہو جائیگی۔ ہو جائیگی۔ صبر کرو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ..... میں کہتی ہوں سروری۔ آخر تم اپنے ابا جانی سے کہکر جلدی سے تاریخ کیوں نہیں مقرر کروا تیں۔ ہماری خوبصورت نور انتظار کرتے کرتے اب کھسیانی ہو رہی ہے.......

کملا:۔ ہاں سچ تو۔ کھسیانی کیسے نہ ہو؟ آخر کب تک کوئی انتظار کرے انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے!! مگر سروری کا ہیکو جلدی کرنے لگیں؟ اس بیچاری کو تو اپنا ہی رنج لگا ہے... جسکو خود ہی اپنی شادی کے نہ ہونے کا قلق ہو وہ دوسروں کی کیا فکر کر سکتا ہے؟

پریم:۔ افسوس دنیا بھی کیسی اپنی اپنی غرض کی ہوتی ہے۔ جب بہن بہن کی نہ ہوئی تو پھر کس پر کوئی بھروسہ کرے۔

کملا:۔ اور میں کہتی ہوں کہیں اس فکر میں تو نہیں ہے کہ ولایتی ڈاکٹر کا انتظار کوئی کب تک کرے ولایتی مجسٹریٹ ہی پر کیوں نہ قبضہ کیا جائے؟ وہی کیا بُرا ہے؟ کچھ ہے دال میں کالا ضرور...... ورنہ

سروری (بات کاٹکر) ورنہ تم ابتک اس طرح کوری کنواری میٹھی رہتیں ضرور با ضرور کچھ دال میں کالا ضرور ہے!!

نورجہاں:۔ (موقع پاکر طنزیہ لہجے میں) ہاں سچ یہ دونوں کی دونوں اچھی خاصی سانڈنیاں ہوگئی ہیں۔ سانڈنیاں ساوہ جو بیسوں گھنٹے ادھر اُدھر منہ مارتی پھرتی ہیں۔ مگر شادی کے لئے کوئی پوچھتا ہی نہیں اور یوں پوچھنے کیلئے تو لوگ پوچھتے ہی ہوں گے۔ جوانی دیوانی کی قدر سب ہی کرتے ہیں۔

کملا تو اس پر بہت شرما گئیں اور کچھ لاجواب سی ہوگئیں۔ مگر پریم بولیں.... ذرا اس چھوٹی سی خوبصورت ناگن کو تو دیکھو! کیا تڑپ کر حملہ کرتی ہے اور اچھل کر ڈستی ہے؟ اور اس کے مقابلے میں ذرا ہمارا بھولا پن تو دیکھو کہ ہم اسکی ہمدردی اور محبت میں سروری سے اسکی سفارش کر رہے تھے!!! اس کا ہمیں یہ بدلا ملا! سچ کہا ہے کہنے والوں نے کہ بُروں کیساتھ نیکی کرنا ایسا ہی ہے جیسے نیکوں کے ساتھ بُرائی کرنا"۔

اتنے میں عبداللہ خدمتگار کمرے کے باہر سے مصلحتاً کھنکارا۔ لڑکیاں اسطرف متوجہ ہوئیں تو وہ اندر چلا آیا۔ اس نے سروری سے کہا "سرکار آپکو چھوٹی بیگم صاحبہ یاد فرما رہی ہیں!

سروری:۔ کیا ابا جانی بمبئی سے واپس آگئے؟ اچھا تو تم چلو ہم آتے ہیں۔ عبداللہ چلا گیا۔

کملا:۔ لو مبارک ہوا.. معاملہ سب طے ہوگیا.... نورجہاں سے اب تم جاکر ایمانداری سے سچ سچ کہدینا۔ "ابا جانی آپ بیکار پریشان ہوتے ہیں۔ میں تو خود شادی کیلئے برسوں سے تڑپ رہی ہوں اور سچ پوچھئے تو گر آپ میری شادی کرنے میں ذرا سی بھی بے پروائی کرتے تو میں خود ہی کہیں نہ کہیں اپنا انتظام کرلیتی۔

نورجہاں:۔ (جانے کیلئے اٹھکر) پیاری عشق آرا تم تو اپنے ابا جانی سے اجازت لیکر بھی آجتک اپنا انتظام نہ کرسکیں!! دوسروں کو کس منہ سے راستہ بتاتی ہو۔ تمھیں شرم نہیں آتی!

سروری (اٹھکر) شرم بیچاری ایسی بے حیا نہیں ہے جو انکے پاس آئے۔ ابھی جب کل تو انھوں نے ساڑھے بارہ برس کی عمر ہی سے لاٹھ مار کر باہر نکال دیا تھا وہ اللہ دو آج کا دن، کبھی دونوں میں صاحب سلامت تک نہیں ہوئی۔ کملا کو مجبوراً شرمانا ہی پڑا۔ پریم بھی

کملا پر ہنسنے لگی اور دوسری اور نور جہاں تو ہنس ہی رہی تھیں۔ یہ سب ملکر اکثر بیچاری کملا کو بنایا کرتی تھیں اور صرف اس قصور پر کہ کملا ذرا کسی قدر حسن پرست تھیں مگر برے معنوں میں نہیں محض ایک معصوم فلسفیانہ انداز سے۔ اور بے تکلف ایسی تھیں کہ ہمجولیوں ہی میں حسن پرستیوں کا اعلانِ عام کرنے میں انھیں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی تھی ....

پھر اس میں تعجب کیا کہ انکی ہمیلیوں ہمجولیوں کو انھیں بنا لینے اور ان پر طبع آزمائی کرنے کے لئے بڑے اچھے اچھے رنگین مضامین اور چٹ پٹے مسالے مل جاتے تھے ...

....

....

باسٹھواں باب

بنگلور

یہ پروانوں کا شمعوں سے لپٹنا اور جل مرنا
محبت کی روش یہ بھی ہے یوں بھی پیار کرتے ہیں

بنگلور میں ممتاز کا ایک عالیشان بنگلہ تھا جس کا احاطہ بہت وسیع تھا۔ احاطے کے اردگرد ایک اونچی چہار دیواری تھی۔ اس کے اندر ایک وسیع دالان تھا جو چاروں طرف سے سبز سبز بیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ آج اس دالان پر ایک نہایت خوشنما شامیانے کی چھت میں بیشمار بجلی کے قمقمے اس حسن و دلاویزی سے چمک رہے تھے جیسے برسات کے زمانے میں بارش کے بعد کھلے اور نکھرے ہوئے آسمان میں تارے چمکتے ہیں۔ چھت کے کناروں پر خوبصورت جھلکتی ہوئی جھالروں کی طرح ہزاروں سفید اور رنگین برقی قمقمے آویزاں تھے

ان برقی قمقموں کی روشنی سے سارا شامیانہ جگمگا رہا تھا۔ روشنی رنگ میں زردی مائل تھی۔ اس میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تیزی نہ تھی بلکہ دل میں ایک سرور آمیز تموج پیدا کر دینے والی کیفیت تھی۔

شامیانے اندر لان پر نہایت قیمتی، خوش رنگ اور دبیز ترکی اور ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔ پورب کی طرف وسط میں سرخ مخمل کی ایک بےحد خوبصورت مسند تھی جس پر بہت بھاری اور نہایت خوشنما زردوزی کا کام بنا ہوا تھا۔ مسند پر ایک گاؤ تکیہ سرخ زردوزی مخمل کا اور اسی وضع کے دو چھوٹے چھوٹے تکیے ادھر اُدھر لگے ہوئے تھے۔ چاندی کا ایک مرصع پیچواں مسند پر ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ شامیانے کے تمام کھمبے پھول اور پتیوں سے سجے ہوئے تھے اور کھمبے کے درمیان میں پھولوں کی بدھیاں مختلف خوبصورت شکلوں میں آویزاں تھیں۔ سارا شامیانہ مختلف قسم کی مخلوط مگر سرور انگیز خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔

ہوا میں نہایت خوش گوار خنکی تھی۔ ساری فضا مسرت کی غیر مرئی لہروں سے معمور تھی۔ ہر چیز سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ ہر شئے سے انبساط کی بارش ہی غرض کہ وہ مقام کیا تھا۔ ایک فردوسِ نظر تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ جنت نے اپنا ایک ٹکڑا اتارتا بھیج دیا.........

کس بلا کی ہوا میں ہے مستی
کہیں برستی ہے آسمان سے آج

....

قریب بجے رات کو بنگلہ سے ایک شاندار جلوس نکلا۔ آگے آگے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو مختلف قیمتی رنگین اور زرین ملبوس میں کبھی خوبصورت تتلیاں کی طرح چمکتے تھے کبھی ستاروں کی طرح جگمگا رہے تھے بچوں کے پیچھے ایک نوجوان حسین دولہا دل آویز متانت سے

آہستہ آہستہ آرہا تھا۔ پھولوں اور سونے کے تاروں کا سہرا اسکے طرحدار صافے میں بے پروا آراستگی سے لپٹا ہوا تھا۔ پھولوں اور سونے کے تار ذکی پدھیاں بھی وہ ایک نہایت بے تکلف انداز سے پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر ایک غیر معمولی مردانہ حسن کی آب و تاب تھی اور اس آب و تاب میں مزاج مسرت کی کیف انگیز جھلک تھی دولہا کے داہنی طرف شباب و رحسن نسائی کی ایک نہایت دلکش زندہ تصویر بھی جس کا دلفریب حسن اس کے رنگین و زرین لباس عروسی اور جگ مگ جگ مگ کرتے ہوئے زیورات سے اور بھی نکھر آیا تھا ...... دولہا کے بائیں طرف یقیناً کوہ قاف کی کوئی پری یا جنت کی حور تھی جس کی چمکتی ہوئی سفید ساڑھی اسکے ملائک فریب حسن میں ایک ایسی دلستاں کیفیت پیدا کر رہی تھی جو احاطہ بیان سے باہر ہے۔ اس کی ساری چاندی کے سبک ترین پھولوں اور بیلوں سے مزین تھی اور اس کے حاشیہ پر اعلیٰ قسم کا روپہلا گوٹا لگا ہوا تھا جس کی چمک دمک اس کی ملاحت آمیز صباحت کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساری کے رنگ کی رعایت سے اس ملکہ حسن نے صرف موتیوں اور ہیروں کے آبدار زیورات پہنے تھے ....

وہ حسن کا ایک جہاں افروز شعلہ تھی۔ وہ دلربائی کا ایک زندہ مجسمہ تھی۔ وہ کسی بلند پایہ شاعر کا خوبصورت ترین تخیل تھی۔ وہ بحر حسن کی ایک طوفاں موج تھی۔ وہ کسی مشہور مصور یا بت تراش کا بہترین خواب تھی۔ وہ دیکھنے والوں کے لئے ایک دلفریب آفت تھی۔ وہ اس سیارے کے لئے ایک متحرک دلکش سحر آگیں قیامت تھی!!!...

آنانکہ وصف حسن تو تفسیر میکنند

خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر میکنند

کیا اس وضاحت کی ضرورت ہے کہ جو دولہا بنا ہوا تھا وہ ہمارا ہیرو انور تھا اور اس کی داہنی طرف کشور سلطانہ اور بائیں طرف نور جہاں تھی!! انور کے پیچھے ممتاز

مع اپنے دوست احباب کے تھے جن کی تعداد سو سوا سو سے کسی طرح کم نہ تھی اور
جس میں عورتوں کی تعداد اور مردوں کی تعداد قریب قریب برابر تھی۔ یہ جلوس شامیانے
تک پہنچا وہاں پہنچکر انور مسند پر بیٹھ گیا۔ اس کے داہنی طرف کشور سلطانہ اور بائیں طرف
نورجہاں بیٹھ گئیں۔ ممتاز گاؤ تکئے کے پیچھے رونق افروز ہو گئے بقیہ احباب بالمقابل
دلہن کے سامنے اور ادھر اُدھر بیٹھ گئے۔

لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے نہیں پائے تھے کہ یک بیک قریب ہی کسی مقام سے جس کے
وجود کا کسی کو علم نہ تھا موسیقی کا ایک نہایت ہی دلکش اور مردافزا طوفان آ ملنے لگا
روح کو بے چین کر دینے والے نغموں سے ساری فضا لبریز ہو گئی۔ کئی قسم کے باجے ایک ساتھ
بج رہے تھے۔ مگر سب کے ترنم نغمے ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے تھے کہ یہ کہنا مشکل
تھا کہ کون اور کس قسم کے باجے بج رہے ہیں۔ اگر شامیانے کی ساری سجاوٹ دیکھنے والوں
کے لئے فردوس نظر تھی تو یقیناً یہ مخلوط ترنم سننے والوں کیلئے فردوس گوش تھا ....
.... قریب دس منٹ تک موسیقی کا یہ دلکش طوفان برپا رہا۔ پھر دفعتاً خاموش ہو گیا
سب ایک دوسرے سے باتیں اور ہنسی مذاق کرنے لگے۔ پان اور سگریٹ اور چھالیہ وغیرہ
کا دور شروع ہو گیا۔ ہر طرف گھومنے والے برقی پنکھے درجنوں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی
میزوں پر چل رہے تھے اور ہر طرف خوشگوار ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں
ممتاز کھڑے ہوئے۔ انکو دیکھ کر مجمع میں کوئی ہنسنے لگا۔ کوئی تالیاں بجانے لگا۔ کوئی
فقرے چست کرنے لگا۔ مگر ممتاز کھڑے رہے۔ اور مسکراتے رہے۔ جب شور کم ہوا تو مجمع
سے یوں مخاطب ہوئے۔ "محترم بہنو اور پیارے دوستو۔ قاضی صاحب کے آنے میں کچھ
دیر ہے۔ موٹر انھیں لینے گیا ہے۔ اب وہ آتے ہی ہوں گے۔ جب تک وہ نہیں آتے ہیں۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک ضروری بات عرض کر دوں۔ غالباً آپ میں سے چند
دوستوں کے دلوں میں جو اس موقع پر موجود تھے ابھی اُس دن کی یاد تازہ ہو گی

جب نعمان منزل میں میرے مخلص ترین اور عزیز ترین دوست انور کی شادی کشور سلطانہ سے ہوئی تھی۔ مگر شادی اصطلاحاً محض کمپینیٹ میرج یعنی رفیقانہ شادی تھی، اور یہ شادی حقیقی اور شرعی شادی ہے۔ کمپینیٹ میرج کی مثالیں یورپ اور امریکہ میں تو تلاش کرنے سے آپکو بہت سی ملجائیں گی مگر انور اور کشور سلطانہ کی گزشتہ شادی ہندوستان میں ایسی شادی کی پہلی مثال ہے۔ اور اس کو اس نام سے شہرت اسلئے نہیں دی گئی کہ شاید ایک بالکل نئی چیز ہونیکی وجہ سے وہ عوام کو مکروہ یا قابلِ اعتراض معلوم ہوتی......

اس کمپینیٹ میرج یا رفیقانہ شادی کا مقصد صرف یہ تھا کہ انور اور کشور سلطانہ ایک دوسرے کی طبیعت اور ذہنیت عادات اور اخلاق کا ایک نہایت معصوم اور شریفانہ تجربہ حاصل کرکے آئندہ کیلئے اپنے واسطے فیصلہ کرسکیں!! اور مجھے اس کے اعلان کرنے میں بے انتہا مسرت ہے کہ انور اور کشور سلطانہ نے کچھ عرصے کے معصوم اور شریفانہ تجربے کے بعد اپنی زندگیوں کو ایک دوسرے سے مستقل طور سے ہمیشہ کیلئے منسلک اور وابستہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ چنانچہ آج ان کی شرعی حقیقی اور دوامی شادی ہو گی اور آج ہم سب انھیں ان کے معاہدۂ رفاقت دائمی پر مبارکباد دینے کا موقع ملے گا!!......

اسوقت میں ہرگز آپ سب کی سمع خراشی کا مرتکب نہ ہوتا اگر میں یہ نہ محسوس کرتا کہ غلط فہمیاں رفع کرنے کیلئے چند اہم امور کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب کو اب کسی قسم کا شک یا شبہ باقی نہ رہ گیا ہوگا......"

کئی آوازیں:۔ بالکل نہیں!! اور نہ کبھی تھا۔"

ایک شریر آواز:۔ ممتاز صاحب آپنے ناحق اس قدر محنت کی!!

دوسری شریر آواز:۔ اب آپ قطب صاحب کی طرح یوں ہی کھڑے رہیں گے یا بیٹھنے کی بھی ہم پر عنایت فرمائیں گے۔

تیسری آواز:۔ ان نیک بخت کو بھی تقریر کرنیکا اچھا خاصہ عارضہ ہے

کیسا ہی مجمع ہو۔ یہ بیچارے حاجی بغلول مرحوم کیطرح "اسپیچ" دینے ضرور کھڑے ہو جاتے ہیں اسوقت موسیقی کا طوفان پھر یک بیک ابل پڑا۔ پھر فضا میں نغمہائے دلکش کی لہریں دوڑنے لگیں۔ پھر ہر طرف خوشی اور مسرت کی برقی چاندنی پھیل گئی۔۔۔۔۔۔۔۔

حاضرین میں سے ایک صاحب :۔ اگر آپ کو کھڑے رہنے ہی پر اصرار ہے تو براہ مہربانی چند سوالات کا جواب ہی دید یجئے۔ تلافی بھی ہو جائیگی۔ اور وقت بھی کٹ جائیگا

تماز :۔ (ہنسکر) ضرور پوچھئے۔۔۔۔۔ اگر ممکن ہوگا تو بلا اجرت اور سمجھے ہوئے جواب دینے کی کوشش کروں گا!!

وہی صاحب :۔ اچھا تو بتا ہے کہ شادی کے متعلق اب آپکی کیا رائے ہے

تماز :۔ (ایک چھوٹی سی میز قریب کھینچکر اور اس پر اطمینان سے بیٹھکر کرتے ہوئے) میری رائے ہے کہ۔۔۔۔ جو شادی کرتا ہے وہ بھی پچھتاتا ہے۔ اور جو نہیں کرتا وہ بھی پچھتاتا ہے!! شادی ضروری لغزش۔ ایک فطری گناہ۔ ایک لذیذ عبادت ایک خوبصورت حماقت ہے!!۔۔۔۔۔

اس پر لوگ ہنسنے لگے انور بھی کھلکھلا کر ہنس دیا کشور اور انور جہاں بھی مسکرانے لگیں

ایک صاحب اور :۔ اور محبت و محبت کی بابت جناب تماز کیا فرماتے ہیں؟

تماز :۔ (ڈرامیٹک ریکل کی شان سے)۔۔۔ محبت! محبت کی بابت کچھ کہنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے۔۔۔ محبت کرنیکی کوشش کرو تو محبت ہوتی نہیں۔۔۔۔ اور محبت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔۔۔۔ محبت ایک خوبصورت درخت ہے جو اذیتوں اور مصیبتوں میں پھلتا پھولتا ہے مگر راحتیاں اور آسائش میں کملانے لگتا ہے۔۔۔ محبت اگر بے بدل ہو تو عین عبادت ہے اور بالعوض ہو تو محض تجارت ہے۔ محبت ناکام ہو تو لطیف ترین روحانیت ہے اور کامیاب ہو تو کثیف ترین نفسانیت ہے۔۔۔ ناکامیاب محبت انسانیت کیلئے بلندترین نقطۂ کمال ہے۔ کامیاب محبت انسانیت کے لئے سخت ترین خطرۂ زوال ہے۔۔۔۔

اور آخر میں یہ کہونگا کہ جس کے پاس دل نہیں ہوتا اس کی آنکھیں بھی نہیں ہوتیں جو محبت نہیں کرتا وہ زندگی کی حلاوتوں سے بھی ہمیشہ محروم رہتا ہے وہ انسانوں سے بہت دور اور بہائم سے بہت قریب ہوجاتا ہے!!!

نورجہاں: ممتاز صاحب! باتیں تو آپ ہمیشہ ہی اچھے کرتے تھے مگر میرے خیال میں آج سے بہتر کبھی آپ نے باتیں نہیں کیں۔

ممتاز: (مسکراکر مذاقیہ انداز سے) اس لئے کہ آج سے بہتر مجھے کوئی موقع نہیں ملا اور نہ آج سے بہتر صحبت۔ بقول غالب.....

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نورجہاں: مگر یہ تو بتائیے... کہ محبت میں مرد کا درجہ کیا ہے اور عورت کا درجہ کیا ہے..... اور بلند تر درجہ کس کا ہے؟

ممتاز: اس کا مختصر جواب آپکو اس سوال میں ملیگا کہ آفتاب زیادہ اچھا یا ماہتاب (کیونکہ مرد کی محبت میں اگر آفتاب کے خواص ہوتے ہیں تو عورت کی محبت میں ماہتاب کے) آفتاب اور ماہتاب اپنی اپنی جگہ دونوں بےمثل اور بےنظیر ہیں۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ ان میں سے کون بہتر ہے!! اسی طرح یہ طے کرنا بھی ناممکن ہے کہ مرد اور عورت کی محبت میں کون بلند تر ہے۔

ایک خاتون: مسٹر ممتاز!..... مثال تو آپ نے بظاہر بڑی لاجواب دی ہے مگر ہم سب ابھی اس وضاحت کے منتظر ہیں کہ مرد کی محبت کو آفتاب سے اور عورت کی محبت کو ماہتاب سے کیا مناسبت ہے؟

ممتاز: جس قدر غور کیجئے گا اتنی ہی زیادہ مناسب معلوم ہوگی!! مرد کی محبت میں آفتاب کی سی تیزی اور حرارت ہوتی ہے۔ عورت کی محبت میں ماہتاب کی سی خنکی اور برودت ہے مرد کی محبت میں آفتاب کی سی وسعت اور طاقت ہوتی ہے عورت کی محبت میں ماہتاب کی سی

دل افروز اور روح پرور لطافت ہوتی ہے۔ مرد کی محبت اگر آفتاب کی طرح تکلیف دہ
ہو جاتی ہے۔ عورت کی ماہتاب کی طرح کبھی تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ مرد اپنی محبت کو آفتاب
کی تیز نمایاں طلائی آتشیں شعاعوں کی طرح نہایت صفائی اور بے باکی سے ظاہر کر دیتا ہے
اور جو اور جیسے دیکھنا چاہئے صاف دیکھ سکتا ہے۔ عورت اپنی محبت کو چاندنی کی مدھم شرمیلی ٹھنڈی نقرئی
شعاعوں کی طرح ہمیشہ نصف تاریکی اور نصف روشنی میں رکھتی ہے کہ کچھ دکھائی دے اور کچھ دکھائی نہ دے
کچھ ظاہر کچھ ظاہر نہ ہو۔ مرد اور عورت کی محبت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ دھوپ میں اور چاندنی میں

نورجہاں: کیسی سچی بے مثل تشبیہ آپ نے دی ہے مرد اور عورت کی محبت کا اس سے بہتر موازنہ

جملہ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ ایک موٹر شامیانے کے قریب آکر رکا۔ سب اسکی طرف متوجہ
ہو گئے۔ موٹر پر سے قاضی سید عبدالوہاب صاحب بگلوری عبا قبا پہنے ایک لمبا سا عصا ہاتھ
میں لئے سبز عمامہ سر پر باندھے اترے۔ جو صاحب انکو لانے گئے تھے وہ انہیں مسند
کی طرف مجمع میں استقبال کرتے ہوئے لے گئے۔ السلام علیکم اور وعلیکم السلام کا تبادلہ
ہوا۔ قاضی صاحب اور مجمع جھک جھک کر بہت سے سلام ہوئے۔ بالآخر قاضی صاحب
انور اور کشور سلطانہ کے سامنے آکر جاگزین ہوئے.... حجام نے ایک چاندی کی سینی پیش
کی اور ایک شکر کی سینی قاضی صاحب کے سامنے لا کر رکھ دی۔

قاضی صاحب خوفناک سنجیدگی سے ممتاز سے ضروری واقعات اور معاملات پوچھنے لگے
غیر معلوم مقام سے موسیقی کا سیلاب پھر زور شور سے امنڈنے لگا۔ ہوا میں ہلکی ہلکی
بجلی کی لہریں تڑپنے لگیں۔ انور سنبھل کر بیٹھ گئے۔ کشور کے چہرے کے دونوں گلابوں میں اور
سرخی دوڑ گئی اور ان کی چمک دمک اور بڑھ گئی۔ آنکھیں مسند پر جم گئیں۔ پسینہ گردن اور چہرے
پر لگ کر سوکھنے لگا۔ نورجہاں کا دل نہ معلوم کیوں بے طرح دھڑکنے لگا۔ اس کے زرد زرد چہرہ
کا رنگ کبھی زرد کبھی سرخ ہونے لگا۔ اس کے حلق اور ہونٹوں میں ایک خشکی سی محسوس ہونے لگی۔ اس
کے کان جلنے لگے اور چہرے میں بھی ایک آگ سی دہکنے لگی۔

ہر شخص نے باتیں کرنا بند کر دیں اور توجہ سے بیٹھ کر مسند کیطرف دیکھنے لگا۔
قاضی صاحب نے اشارہ کیا ممتاز نے حکم دیا کہ باجے بند کر دئے جائیں موسیقی
کا سیلاب فوراً رک گیا.........
جہاں اس قدر شور اور ہنگامہ تھا وہاں قریب قریب کامل خاموشی طاری ہو گئی
قاضی صاحب بسم اللہ کہتے ہوئے عصا پر زور دیکر کھڑے ہوئے کھڑے ہو کر
ادھر اُدھر ہر طرف انھوں نے نظر ڈالی۔ دو ایک مرتبہ کھنکار کر گلا صاف کیا۔ پھر داڑھی پر
ہاتھ پھیرا۔ عمامہ درست کیا۔ پھر کھنکار نا ضروری سمجھا۔ پھر آنکھیں قریب قریب بند کر کے
قرآن شریف کی آیات کریمہ کسی قدر مدھم اور زیادہ تر ناک کی امداد سے پڑھنے لگے اور
کچھ دیر تک پڑھتے رہے۔
انور اور کشور نگاہیں نیچی کئے سر جھکائے بیٹھے رہے۔ نور جہاں کبھی قاضی صاحب کو
کبھی انور کو کبھی مسند کو دیکھتی رہیں۔ اور رہ رہ کر زبان سے سوکھے ہونٹ تر کرتی رہیں
جب ان سب باتوں سے بھی کوئی تسکین نہیں ہوئی تو گردن جھکا کر خواہ مخواہ اور زردوزی
کام پر ہاتھ پھیر پھیر کر اس سے کھیلنے لگیں۔ ایک آدھ مرتبہ انھوں نے اپنی ساڑی کا آنچل بھی
بھی غیر ضروری طریقے سے درست کیا حالانکہ وہ پہلے سے بالکل درست تھا۔
حاضرین جلسہ بغیر سمجھے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت ادب اور خاموشی سے سنتے رہے
دوران تلاوت میں تین چار صاحبوں کو کچھ کچھ دیر کے بعد کھانسی آئی۔ دو ایک آزاد خیال
صاحبوں نے حقارت آمیز انداز سے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا اور قاضی کی طرف مغرورانہ
طریقہ سے دیکھ کر ڈرتے ہوئے منہ چڑایا اور اپنے قریب کے آدمیوں کو کنکھیوں سے گھور کر ان سے
منہ چڑانے کی داد چاہی اور جب ان لوگوں نے دستور کے خلاف سے انکی حوصلہ افزائی نہیں کی تو
وہ مجبور ہو کر بس سوچنے لگے۔ آخر کب تک یہ پرانی غیر ضروری دقیانوسی رسمیں جاری رہیں گی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مذہب کے معاملہ میں کیوں لوگ ایسے لکیر کے فقیر ہو جاتے ہیں۔

خدا خدا کر کے نکاح کا خطبہ ختم ہوا قاضی صاحب عبا قبا سنبھالتے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور دونوں شاہدوں کی طرف انجبرانہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھ کر اور مطمئن ہو کر بایاں ہاتھ فرش پر ٹیک کر انور کی طرف جھکے اور آہستہ آہستہ رازدارانہ انداز سے انور سے قریب قریب ایک منٹ تک کچھ کہتے رہے۔ انور نے بالآخر کہا "میں قبول کرتا ہوں"

قاضی صاحب:۔ "میں قبول کرتا ہوں" بالکل غلط ہے۔ کہئے۔ "قبول کیا میں نے"

انور:۔ (مسکرا کر) قبول کیا میں نے

قاضی صاحب نے "الحمد للہ" کہکر فوراً دعا کیلئے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ انکی تقلید میں سب نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ بعض تعلیم یافتہ لوگوں کو دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کچھ شرم سی آئی تو انھوں نے "اخلاقاً" یا "مجبوراً" ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ پکڑ کر دونوں سامنے رکھ دئے اور بے صبری سے خاتمۂ دعا کا انتظار کرنے لگے۔

دعا میں قاضی صاحب نے کافی دیر لگائی مگر بالآخر دعا ختم ہو ہی گئی۔ ہر طرف سے تہنیت اور مبارکباد کا شور اٹھا۔ ممتاز نے چھوہارے ہاتھوں میں بھر بھر کر ہر طرف پھینکنا شروع کر دئے۔ جن جن لوگوں کو چھوہارے ملے وہ انھیں بڑے شوق سے کھانے لگے اور جن کو نہیں ملے وہ ان کیلئے اپنے ہمسایوں سے لڑنے میں مصروف ہو گئے۔

نور جہاں:۔ (مخلصانہ انداز سے) "کشور سلطانہ تمھیں انور سے شادی مبارک ہو۔ (پھر انور سے مخاطب ہو کر) انور تمھیں کشور سلطانہ سے شادی مبارک ہو۔ میں تمھیں دلی مبارکباد دیتی ہوں!! دونوں نے شرمائی ہوئی نگاہوں سے جواب دیا اور شکریہ ادا کیا

پھر غیر معلوم سے باجوں کا سیلاب ترنم اٹھا اور ہر طرف پھیل گیا پھر لوگ آپس میں بات چیت ہنسی مذاق کرنے لگے پھر فضا موسیقی۔ خوشبو ہنسی خوشی سے معمور ہو گئی پھر چہل پہل کی صدائیں ہر طرف سنائی دینے لگیں پھر ہر چیز سے مسرت ٹپکنے لگی۔ پھر ہر شے سے انبساط چھلکنے لگا۔ پھر پان۔ شربت۔ سگار۔ سگرٹ۔ وغیرہ کا دور شروع ہو گیا پھر مردوں کے

لمبے لمبے قہقہے ہوا کو چیرنے لگے۔ پھر عورتوں کی مسرت آمیز گلکاریاں فضا میں لہرانے
لگیں غرض کہ ہر کس و ناکس مسرت میں ڈوبا ہوا نظر آنے لگا۔ ہر چیز برقی قمقموں کی سرور افزا
روشنی میں نہائی دکھائی دینے لگی۔۔۔ انور اور کشور سلطانہ ایک دوسرے کو مسرت
بھری نگاہوں سے مسکرا مسکرا کر دیکھ رہے تھے اور اپنے خواب محبت کی بہجت افزا تعبیر
اور دیرینہ آرزوؤں کے پورے ہو جانے پر بے حد مسرور و مخمور ہو رہے تھے۔!!

....

....

یک بیک مغرب کی سمت کی ٹٹی کو چیرتا پھاڑتا ہوا ایک بھاری بھر کم شخص انگریزی
لباس پہنے شراب خوب پیئے ہوئے ہاتھ میں ایک بھرا ہوا پستول لیئے ہوئے شامیانے کی
طرف ڈراؤنی آواز میں یہ چلاتا ہوا۔۔۔۔ جھپٹا۔

"او بد ذات نابکار انور! دیکھ تیرا ملک الموت سر پر آگیا۔۔۔ تو شادی کر چکا!!
اب تو موت کا بھی مزہ چکھ لے۔۔۔ رحیم بھائی ایک پاگل۔ وحشی درندے کی طرح
آناً فاناً شامیانے کے اندر گھس آیا اس کے کریہ المنظر منہ سے کف نکل رہا تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں
خون کبوتر کی طرح سرخ تھیں اور غیظ و غصہ کی شدت سے اپنے چشم دان سے نکلی پڑتی تھیں۔۔۔
شامیانے کے اندر گھستے ہی اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

خبردار جو کوئی اٹھا یا بولا!!۔۔۔ ورنہ پہلے پہل اسی کو جہنم رسید کر دونگا۔۔
بس خبردار! اپنے اپنے مقام سے ہٹنا نہیں ورنہ فوراً پستول سے بھیجا اڑا دونگا!!

اس ناگہانی آفت سے سب کے ہوش و حواس دفعتاً جاتے رہے۔ عورتیں خوف کے مارے
چیخ چیخ کر بیہوش ہو گئیں یا سہم سہم کر خاموش ہو گئیں۔ مرد زیادہ تر سکتا کا فرش ہی پر
بیٹھے بیٹھے رہ گئے۔ دس پانچ جن کو موقع ملا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے
اس غیر متوقع حادثے سے ہر شخص کے قوئی عارضی طور مفلوج سے ہو گئے۔۔۔۔۔

انور بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا.... کشور جہاں بھی دہل کی وہیں ہم کر گونگی ہو گئی"!!"۔
ممتاز کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے وہ ششدر اور مبہوت سا ہو گیا.... اس کی تدبیر گر عقل بھی
فوراً کوئی تدبیر نہ سوچ سکی کہ وہ انور کو کس طرح بچائے۔!!! اور انور اور رحیم بھائی کے
درمیان میں زیادہ سے زیادہ پندرہ گز کا فاصلہ تھا اور غضب یہ تھا کہ دونوں کے
بیچ میں کوئی چیز حائل نہ تھی.....
رحیم بھائی کے بڑے بڑے دانت نہایت بھیانک انداز سے باہر نکلے ہوئے
تھے!! اور ان پر اس کی بد ہیئت ہونٹ کھنچے ہوئے تھے..... اس کا چہرہ اس وقت
ایک بیرحم خونخوار خبیث کا ہیبناک چہرہ ہو رہا تھا۔

. . . .

. . . .

ایک مجنونانہ اور خون منجمد کر دینے والی ہنسی ہنسکر اس نے چیختے ہوئے کہا
"او بدبخت جان ملعون! ڈاکٹر شیرازی سے تو کسی نہ کسی طرح تو بچ گیا.... مگر
مجھ سے تو بچ کر نہیں نکل سکتا!!"
یہ کہتے ہوئے..... اس نے پستول کی نال انور کی طرف کر کے چند سکنڈ تک
نشانہ لیا اور.... گولی چلا دی!!! پستول کی نال سے ایک چھوٹا سا شعلہ نکلا!!!
ایک مہیب اور دل دہلا دینے والی آواز ہوئی۔ ممتاز کے منہ سے صرف یہ
الفاظ نکلے۔ ہائیں ہائیں! یہ کیا کرتا ہے؟.......
کشور کے منہ سے ایک دردناک تھرائی ہوئی چیخ نکلی!!! اسکے بعد وہ بیہوش ہو گئی۔
نور جہاں جو رحیم بھائی کی تمام حرکات و سکنات بغور دیکھ رہی تھی گولی چلنے کے دو سکنڈ
پہلے انور اور رحیم بھائی کے بیچ میں دفعتاً تڑپ کر آ گئی اور انور سے لپٹ گئی!!!
رحیم بھائی چلایا۔ ہٹ! بدبخت ہٹ!! تو کہاں بیچ میں آ گئی! ہٹ ہٹ نہیں

تو میں پھر گولی چلاتا ہوں!! نور جہاں نے انور سے لپٹے ہوئے گردن موڑ کر رحیم بھائی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "چلاؤ پاگل چلاؤ! جتنی گولیاں چاہے چلا۔ میں ہوں انور کی...! تو اب میرے انور کو نقصان نہیں پہنچا سکتا!!"

انور مبہوت سا بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ نور جہاں اس کے سینے سے لپٹی ہوئی تھی اور اس کے جسم کو اپنے جسم سے چھپائے ہوئے تھی!!! ممتاز کی کھوئی ہوئی عقل یہ سماں دیکھ کر یک بیک واپس آگئی۔ اُسے اس وقت اور کچھ تو سجھائی نہیں دیا۔ جلدی سے اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ چھوٹی میز اٹھائی جس پر وہ پہلے بیٹھا ہوا تھا اور چند قدم آگے دوڑ کر اس نے اپنی پوری طاقت سے رحیم بھائی پر دے ماری۔ رحیم بھائی اِس کے صدمے سے لڑکھڑا کر فرش پر گرا..... ممتاز فوراً جھپٹ کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا... اور نہایت پھرتی سے اس کے ہاتھ سے جھٹکا دیکر پستول چھین لیا اور دور پھینک دیا... ممتاز کو دیکھ کر دو چار آدمی اور دوڑ پڑے اور رحیم بھائی کو انھوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا!.....

یہ سب کچھ صرف چند ہی سکنڈ میں ہو گیا.... انور جب اس ہولناک اچنبے سے سنبھلا تو اس نے دیکھا اور محسوس کیا کہ جان نثار نور جہاں کی طاقت رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ اسکی باہیں ڈھیلی پڑتی جاتی ہیں۔ اور قریب ہے کہ وہ فرش پر گر پڑے!!! انور نے جلدی سے نور جہاں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اس کو اسی طرح سینے سے لپٹائے ہوئے وہیں بیٹھ گیا!!! نور جہاں کا سر اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر انور نے اُسے اپنی گود میں لے لیا۔ اور گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگا "کیوں! کیوں؟ نور جہاں! بتاؤ تو تمہاری طبیعت کیسی ہے؟...."

نور جہاں:۔ (باوجود تکلیف کے عجیب انداز سے مسکراتے ہوئے) کچھ نہیں اچھی ہے..... صرف مجھے کچھ چکر سا آرہا ہے!!

انور: ۔(نورجہاں کے کپڑوں پر خون کا دھبہ دیکھکر سراسیمگی کے لہجے میں)...
اُف اُف! یہ خون کیا؟ یہ خون کیسا؟

نورجہاں: ۔(نورجہاں کمزور آواز میں) خون؟ خون سے گھبراؤ نہیں!!! جو گولی تمہارے سینے کے لئے چلی تھی وہ میری پیٹھ میں آکر لگی ہے۔!!

اتنے میں ممتاز اور بہت سے لوگوں نے انور اور نورجہاں کو گھیر لیا۔ اور ہر شخص خوفزدہ لہجے سے نورجہاں اور اسکی حالت کو دیکھنے لگا۔ اور گھبرا گھبرا کر پوچھنے لگا کیا ہوا؟ کیا ہوا؟
نورجہاں نے پریشان ہوکر انور سے کہا۔ ان سب کو للتہ یہاں سے ہٹا دو!!....
صرف میں رہوں اور تم.... اور ہاں ممتاز صاحب.... اور باقی سب یہاں سے چلے جائیں!!! اس بھیڑ سے میرا جی گھبراتا ہے!!!....“ ممتاز نے فوراً سمجھا بوجھا کر سب کو شامیانے سے ہٹا دیا۔ کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ رحیم بھائی کو بنگلہ پر لیجائیں اور حراست میں رکھیں۔ اور لوگوں سے کہا کہ پولیس کو اطلاع کردیں۔ اور دو آدمیوں کو موٹر پر بھیجا کر سیول سرجن کو فوراً بلا لائیں.... سب وہاں سے ہٹ گئے۔ صرف انور۔ نورجہاں اور ممتاز وہاں رہ گئے۔ بیہوش کنور کو بھی وہاں سے لوگ اٹھا لے گئے.....

نورجہاں نے ممتاز سے مخاطب ہوکر کہا۔ آپ نے سیول سرجن کو بیکار بلوایا۔...
میں بچوں گی نہیں مرنے والوں کو موت کی آمد کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے (انور سے) جب تک ہوش ہے تم سے باتیں تو کرلوں ”میرے لئے بس یہی بہت ہے“!!

نورجہاں کے یہ الفاظ سُنکر اور اسکی نازک حالت دیکھ کر انور کا دل بیساختہ بھر آیا چلتے ہوئے بڑے بڑے آنسو اسکی آنکھوں میں تیرنے لگے۔ ممتاز کا دل بھی بیحد متاثر ہوا اور اسمیں بھی مختلف جذبات کا طوفان برپا ہوگیا۔
تکلیف کی شدت سے نورجہاں کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر ایک ایسی درخشاں روحانیت ایسا ملکوتی حسن تھا۔ کی خوبصورت آنکھوں میں ایک ایسی نگاہ

ہزار داستان تھی جس کی بے تابی الفاظ میں اور جس کی مصوری کاغذ پر دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے!!

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

انور:۔ (محبت سے نورجہاں کی پیشانی پر کچھ بکھرے بال درست کرتے ہوئے) نور۔ میری نور

نورجہاں:۔ (خوش ہو کر) انور۔ کیا میں اس قابل ہوں کہ تم مجھے "میری نور" کہو۔ انور رونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ روتے ہوئے اس نے جواب دیا "میری.... نور.... میں خود ہی تمہارے قابل نہ تھا.... تمہاری ہستی مجھ سے بہت زیادہ بلند تھی۔ اتنی بلند کہ تمہارے قدموں تک بھی میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تم اس چمن کی بہار ہی نہ تھی۔ تم تو دوسرے ہی عالم کی بہار تھیں۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ میری ہستی تمہاری ہستی سے وابستہ ہو جاتی"..... آہ..... میری نور تم نے مجھ ایسے کیلئے کیوں اپنی خوبصورت کمسن بے بہا زندگی اس خاموش بہادری سے قربان کر دی۔؟.. خدا کی قسم میں اس بے نظیر ایثار کا مستحق نہ تھا۔!

نورجہاں:۔ نہیں انور تم اس سے بھی کہیں زیادہ کے مستحق تھے!! (حسرت بھرے انداز سے)

ہزار ایں فدائے وے کہ من از شوق

بخاک و خون طپم و گوئی از برائے من است!!

مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کبھی یہ میری قسمت ہو گی کہ میں اس طرح اپنی دکھی زندگی تمہاری آغوش میں ختم کر دوں یا کوئی دن ایسا بھی آئیگا جب تم مجھے "میری!! نور" کہو گے اور میرا سر تمہارے بازو پر ہو گا اور تم اسطرح مجھے اپنے سینے سے لگائے ہوئے بیٹھے ہو گے!! ایک ہستی دوسری ہستی سے پھر اور کس طرح وابستہ ہوتی ہے؟......

بہ چہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی!!

انور سے بجز اشک حسرت بہانے کے اور کوئی جواب نہ دیا جا سکا۔ مگر جذبات کی تڑپ اور طیش میں اس نے نور جہاں کو اپنے سینے سے اور بھی جوش سے چمٹا لیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نور جہاں نے دفور انبساط سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کچھ عرصے تک وہ انور کی آغوش میں بالکل خاموش پڑی رہی۔ ۔ ۔ ۔ یک بیک زخم کی خلش بہت زیادہ بڑھ گئی!!۔ ۔ ۔ وہ کراہنے لگی۔ ۔ ۔ ۔ انور نے گھبرا کر کہا۔

"ممتاز! ڈاکٹر تو ابھی تک آئے نہیں ان کے لئے کیا کیا جائے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جب تک ڈاکٹر نہ آئے زخم دھونے اور باندھنے ہی کا کچھ تو انتظام ہونا چاہئے!! جاؤ دیکھو ممتاز۔ جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کرو۔ جاؤ۔ جلدی جاؤ۔!!

ممتاز فوراً اٹھ کر بنگلے کی طرف لپکا۔

نور جہاں نے انور سے ایک دھیمی درد بھری ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

پیارے انور! میری حالت اب بہت خراب ہو رہی ہے!! دل ڈوبا جاتا ہے ایک نیند سی آرہی ہے!!! آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ہر طرف اندھیرا اندھیرا سا معلوم ہو رہا ہے۔ ۔ ۔ تمہاری صورت اب دھندلی دھندلی نظر آتی ہے!! پیارے۔ ۔ ۔ ۔ (انور کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر) مجھے ذرا اور اپنے قریب کرلو۔ کہ میں۔ ۔ ۔ تمہیں۔ ۔ ۔ ۔ دیکھ سکوں۔ ۔ ۔ ۔ ممتاز صاحب چلے گئے۔ میرا ان سے آخری سلام کہہ دینا (انور نے نور جہاں کا چہرہ اپنے چہرے کے اور قریب کرلیا) ہاں اب ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اب دیکھ سکتی ہوں۔ ۔ ۔ (انور کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے) پیارے اب دیکھ سکتی ہوں۔ ۔ ۔ (ہم تم پھر ملیں گے۔ ۔ ۔ اس سے اچھی۔ ۔ ۔ ۔ زندگی میں ملیں گے۔ وہاں۔ ہم۔ ۔ ۔ ۔ تم۔ ۔ ۔ ۔ ہونگے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کوئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہ ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ اور تم میرے ہونگے صرف میرے۔ ۔ ۔ ۔ ہمیشہ کیلئے۔ ۔ ۔ ۔ میرے۔ ۔ ۔ (بہت دھیمی آواز میں) مجھے ذرا اور قریب کرلو۔ ۔ ۔ ۔ پیارے انور!۔ ۔ ۔ پھر کچھ نور جہاں نے کہا۔ مگر انور سمجھ نہ سکا۔ پھر اسکے ہونٹ ہلے مگر آواز نہیں

سنائی دی!!!..... پھر ہونٹ بھی ساکت ہوگئے..... اور اسکی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہوگیا

انور کے دل میں ضبط نہ ہوسکنے والے جذبات کی ایک زبردست لہر اٹھی اس نے نورجہاں کا منہ اپنے منہ کے قریب لاکر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھدیئے وہ لب جو یاقوت سے زیادہ سرخ اور گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ نرم اور نازک تھے..... اور جنکو آج تک کسی کے لبوں نے چھونے کی جرأت نہیں کی تھی......

حُسن کی تو بے حسی ہر رنگ میں مشہور تھی
شمع کو کیا ہوگیا پروانہ تو پروانہ تھا

....

زندگی کا طوفان فرو ہوگیا...... دنیا کی ساری چہل پہل۔ زیب و زینت شور و ہنگامے کو موت کے بلیغ سکوت نے نگل لیا..... عالی ظرف جاں نثار نورجہاں کی پاک روح اس عالم کو خیرباد کہکر اس عالم قدسی میں پہنچ گئی جہاں پہنچکر کوئی مسافر واپس نہیں آتا۔

بسمل عشق سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی
جان آتی ہے بدن میں کہ قضا آتی ہے!!

انور کا نفیس عروسی لباس نورجہاں کے خون بے بہا سے بالکل رنگ گیا!! اس کے دھبے نہ چھوٹ سکتے تھے نہ چھٹے اور نہ انور نے انہیں چھڑانے کی کوشش کی۔!!!

لاکھ دھوئیں کپڑوں کو اس سے جدا ہوتا ہے
خون عاشق میں بھی اک رنگ وفا ہوتا ہے

نورجہاں نے اپنی جان دیکر دنیا کو سچی اور پاک محبت کا ایک غیر فانی سبق دیدیا نورجہاں مری نہیں..... وہ زندہ ہے..... لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ اہل دنیا کے خیال میں زندہ ہے۔ وہ حقیقی معنوں میں زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

. . . .

. . . .

. . . .

تتمہ

رحیم بھائی نے جب سنا کہ پولیس بلائی جارہی ہے تو وہ پاگلوں کی طرح طنزاً ہنسا، اور کہنے لگا میں نے اسکا پہلے ہی سے انتظام کر لیا تھا۔ میں نے زہر کھا کر حملہ کیا تھا۔۔ جتنی چاہو پولیس بلالو مگر پولیس کو میں زندہ نہ ملونگا مجھے مرنے کا کوئی رنج نہیں لیکن اگر مجھے کوئی افسوس ہے تو صرف یہ ہے کہ کمبخت جہاں افروز پھر بچ گیا!!"

واقعی جب پولیس آئی تو اس نے بجائے رحیم بھائی کے رحیم بھائی کی اکڑی ہوئی لاش پائی . . . .

کچھ عرصے کے بعد جمیلہ کی شادی مسٹر رشید احمد آئی سی۔ ایس۔ سے ہوگئی وہی جن سے نور جہاں کی شادی طے ہو رہی تھی۔

اور

نور جہاں حق محبت ادا کر کے آج عذرا کے خوبصورت مقبرے میں عذرا کے پہلو میں لیٹی میٹھی میٹھی نیند سو رہی ہے . . . . . .

اب جفا ہے نہ وفا۔ یاد وفا باقی ہے
تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانوں کی!!